تیمور ہوں میں
کامران امجد خان
(مدیر سیارہ ڈائجسٹ)

تیمور ہوں میں

نامور مسلمان فاتح اور جرنیل کے

ولولہ انگیز حالاتِ زندگی

مصنف

کامران امجد خان

شام کے بعد پبلی کیشنز

اُردو بازار، لاہور

فون: 7310115

نام کتاب	....	تیمور ہوں میں
مصنف	....	کامران امجد خان
اہتمام	....	مسعود مفتی
ناشر	....	گل فراز احمد
		شام کے بعد پبلی کیشنز
مطبع	....	زاہدہ نوید پرنٹرز، لاہور
سن اشاعت	....	اگست2010ء
تعداد	....	1100
قیمت	....	-/400روپے

......ملنے کے پتے......

شام کے بعد پبلی کیشنز
اُردو بازار، لاہور
فون: 7310115

علم وعرفان پبلشرز
الحمد مارکیٹ،40۔اُردو بازار، لاہور
فون:7352332-7232336

کتاب گھر
اقبال روڈ، کمیٹی چوک، راولپنڈی

اشرف بک ایجنسی
اقبال روڈ، کمیٹی چوک، راولپنڈی

خزینہ علم وادب
الکریم مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور

ویلکم بک پورٹ
اُردو بازار، کراچی

ادارہ علم وعرفان پبلشرز کا مقصد ایسی کتب کی اشاعت کرنا ہے جو تحقیق کے لحاظ سے اعلیٰ معیار کی ہوں۔ اس ادارے کے تحت جو کتب شائع ہوں گی اس کا مقصد کسی کی دل آزاری یا کسی کو نقصان پہنچانا نہیں بلکہ اشاعتی دنیا میں ایک نئی جدت پیدا کرنا ہے۔ جب کوئی مصنف کتاب لکھتا ہے تو اس میں اس کی اپنی تحقیق اور اپنے خیالات شامل ہوتے ہیں یہ ضروری نہیں کہ آپ اور ہمارا ادارہ مصنف کے خیالات اور تحقیق سے متفق ہوں۔ اللہ کے فضل وکرم، انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کمپوزنگ طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری احتیاط کی گئی ہے۔ بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی یا صفحات درست نہ ہوں تو از راہ کرم مطلع فرمادیں۔ انشاء اللہ اگلے ایڈیشن میں ازالہ کیا جائے گا۔ (ناشر)

ترتیب

ترتیب

ترتیب

حرفِ آغاز

امیر تیمور (1405-1336) نے اپنی یادداشتیں عمر کے آخری حصے میں تحریر کرائی تھیں۔ یہ کتاب انہی یادداشتوں سے اخذ کردہ ہے۔ اس کی خودنوشت سوانح حیات اس کی پیدائش سے ذرا پہلے کے زمانے سے شروع ہو کر چین کی طرف اس کی اس آخری مہم تک کا احوال بیان کرتی ہے جس کے دوران اس پر جان لیوا سکتہ طاری ہوا۔ اس کے کچھ ہی دنوں بعد تیمور انتقال کر گیا۔ امیر تیمور کی زندگی کی یہ یادداشتیں اس قدر عمدہ طرز بیان اور حیرت انگیز تفصیلات پر مبنی ہیں کہ قاری انہیں پڑھتے ہوئے ایک کے بعد دوسرا صفحہ پلٹتے رہنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ بہت سے لوگوں کے لیے امیر تیمور یا تیمور لنگ نام سے کہ جس سے اس حیرت انگیز انسان کو مغرب میں جانا جاتا ہے، ایک انتہائی ظالم اور بے رحم حکمران کا تصور ذہن میں اُبھرتا ہے۔ جس نے لاکھوں انسانوں کا قتل عام کیا، ان کے قصبوں اور دیہات کو جلا کر راکھ کر دیا اور ان کی سرزمین پر قبضہ کر کے عظیم تباہی کے نشان چھوڑے۔ اگر تاریخ پر سرسری نظر دوڑائی جائے تو امیر تیمور کے بارے میں یہ تصور درست معلوم ہوتا ہے تاہم اس نام کے بارے میں محض یہی ایک نقطہ نظر نہیں ہے۔ اگرچہ جنگی حوالے سے یہ تصور درست قرار دیا جا سکتا ہے مگر اس کی شخصیت کے دیگر کئی اہم پہلو اسے ایک انتہائی حیرت انگیز اور ناقابل فراموش شخصیت بنا دیتے ہیں جس نے اگر پوری دنیا کے نہیں تو ایک وسیع خطہ ارض کے مستقبل کو مخصوص طرز پر استوار ہونے میں مدد دی۔

امیر تیمور ایک دانشور انسان تھا جس نے انتہائی قابل اُستادوں سے تربیت پائی اور اس کا مطالعہ انتہائی وسیع تھا، اسی وجہ سے وہ اپنے زمانہ کے عظیم ترین علماء اور دانشوروں سے مباحثے کرنے کے قابل تھا بلکہ درحقیقت اس نے کم عمری میں ہی قرآن پاک حفظ کر لیا تھا اور یوں حافظ قرآن کے خطاب کا مستحق قرار پایا۔ وہ قرآن پاک کی آیات کی شان نزول اور اصل مفہوم سے بخوبی واقف تھا جو دراصل اس کے انتہائی قابل اساتذہ کی تربیت کا نتیجہ تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کی یادداشت ناقابل یقین حد تک شاندار تھی جس کی بدولت وہ چیزوں کو بہت جلد یاد کر لیتا۔ اس زبردست قوت یادداشت نے اوائل عمری میں اس کی بے حد مدد کی اور وہ اپنے ابتدائی مکتب میں فوراً ہر بات کو ذہن نشین کر لیتا تھا۔ اسی صفت نے اسے اپنے ہم عصر لوگوں پر برتری دلا دی تھی۔ بعد کی زندگی میں بھی یہ چیز اس کے بے حد کام آئی۔ بالخصوص جب وہ فوج کا سپہ سالار بنا تو اس کا قوی حافظہ اس کی قوت بن گیا۔ مثال کے طور پر اسے اپنے ہر سردار کا پورا نام ہمیشہ یاد رہتا تھا جس سے وہ سب اسے انتہائی عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔

امیر تیمور کی یہ سرگزشت ہر سطر میں بے انتہا دلچسپ اور ناقابلِ فراموش حقائق لیے ہوئے ہے، اسی لیے شاید اسے دنیا کی بہترین اور نایاب داستانوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

(کامران امجد خان)
0300-9430206

پہلا باب

زمانہ طفولیت میں ملی کامیابیاں

تیمور کے والد کا نام ''ترقائی'' تھا۔ وہ جاگیردارانہ طرز زندگی اختیار کیے ہوئے تھے اور ''کیش'' نامی شہر میں لوگ انہیں بے حد عزت و احترام سے دیکھتے تھے۔

تیمور کی پیدائش سے پہلے اُس کے والد ''ترقائی'' نے ایک روز خواب میں دیکھا کہ ایک نورانی چہرے والا فرشتہ صورت انسان ظاہر ہوا اور اس نے تیمور کے والد کو ایک تلوار پیش کی۔ ترقائی نے اس شخص سے تلوار لے کر چاروں طرف گھمانی شروع کر دی اور پھر اچانک ان کی آنکھ کھل گئی۔

اگلے دن وہ محلے کی مسجد کے امام شیخ زید الدین کے پاس پہنچے، جو اپنے علم اور فہم و فراست کے حوالے سے بہت شہرت رکھتے تھے۔ ان سے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ شیخ زید الدین نے ترقائی سے پوچھا کہ تم نے یہ خواب رات کے کس پہر دیکھا تھا۔ ترقائی نے جواب دیا ''صبح کے وقت'' تب شیخ نے کہا کہ تمہارے خواب کی تعبیر یہ ہے کہ خدا تمہیں ایک بیٹا عطا کرے گا جو تلوار کے ذریعے سارے جہان کو فتح کرے گا۔

اگلے سال ترقائی کے گھر بیٹا پیدا ہوا۔ وہ اسے لے کر ایک بار پھر شیخ زید الدین کے پاس گئے اور ان سے بیٹے کا نام تجویز کرنے کی درخواست کی۔ شیخ نے کہا کہ تو اپنے بیٹے کا نام ''تیمور'' رکھ لے جس کا مطلب ہے ''آہن'' (یعنی لوہا)

اس حوالے سے یہ روایت بھی مشہور ہے کہ جب تیمور کے والد نام تجویز کرانے شیخ زید الدین کے پاس پہنچے تو وہ قرآن کی سورۃ ''الملک'' کی پندرھویں آیت کی تلاوت کر رہے تھے جس کا ترجمہ ہے ''کیا تمہیں خوف نہیں اس بات کا کہ آسمانوں کا خدا زمین کو تمہارے پیروں تلے کھول دے اور اس میں لرزہ طاری کر دے''۔ قرآن میں ''لرزہ'' کے لیے ''تیمور'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

تیمور کے بچپن کے حوالے سے جو بات سب سے پہلے محسوس کی گئی وہ یہ تھی کہ تیمور اُلٹے ہاتھ سے بھی بالکل اسی طرح کام لیتا تھا جیسے کہ سیدھے ہاتھ سے۔ اسے جب ابتدائی تعلیم کے لیے مولوی صاحب کے پاس بٹھایا گیا تو پتا چلا کہ وہ دونوں ہاتھوں سے لکھ سکتا ہے۔ سن بلوغ تک پہنچتے سب اس کی اس حیرت انگیز صلاحیت سے بخوبی واقف ہو چکے تھے کہ وہ دونوں ہاتھوں سے یکساں مہارت سے کام لے سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے دونوں ہاتھوں سے تلوار چلانا اور تیر اندازی کرنا بھی سیکھ لیا اور اس فن میں ایسی مہارت حاصل کر لی جو آگے چل کر جنگی مہمات میں اس کے بے حد کام آئی اور آخر عمر تک اس کے دونوں ہاتھوں کی صلاحیت میں کوئی فرق نہیں تھا۔

شہر ''کیش'' اور ماوراء النہر کے دوسرے شہروں میں بھی یہ رواج تھا کہ طالب علم کو تختی کے ساتھ موم کا ایک گولہ دیتے اور اسے سکھاتے کہ کس طرح موم کو پگھلا کر اس کی نازک تہہ تختی پر چڑھائی جائے اور پھر قلم سے اس پر لکھا جائے۔ اس کا فائدہ یہ تھا کہ تختی پر مشق کے بعد موم کو اُتار کر

دوبارہ پگھلایا جاتا اور پھر اسے دوسری مشق کے لیے استعمال کیا جاسکتا تھا۔

تیمور کا پہلا استاد مُلا علی بیگ تھا۔ جس کا مکتب محلے کی مسجد میں ہی تھا۔ یہاں داخل بچے صبح آتے اور پھر ظہر کی نماز سے قبل گھر چلے جاتے۔ تیمور اس وقت کافی چھوٹا تھا۔ اس لیے اس کی والدہ یا گھر کا کوئی اور فرد چھٹی کے وقت اسے لینے آجاتا اور وہ اس کے ساتھ گھر کی طرف روانہ ہو جاتا۔

کچھ عرصہ بعد مُلا علی بیگ نے اپنے ایک شاگرد کو یہ کام سونپ دیا جو عمر میں تیمور سے کافی بڑا تھا کہ وہ چھٹی کے بعد بحفاظت تیمور کو گھر پہنچادے۔ وہ لڑکا تیمور کا ہاتھ پکڑ کر اسے کوچے اور بازار سے گزارتا ہوا گھر پہنچا دیتا۔ بعد میں بڑا ہو کر تیمور سلطنت کے فرمانروا کے مقام پر پہنچا تو اس نے لڑکے کو اہم منصب عطا کیا اور اس کی خوب عزت و تکریم کی۔

تیمور کا استاد علی بیگ بے حد عمر رسیدہ انسان تھا اور اس کے سارے دانت جھڑ چکے تھے۔ اسی وجہ سے وہ اکثر الفاظ کو صحیح طور پر ادا نہیں کر پاتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے مکتب میں تیمور سمیت تمام طالب علموں کو بہت سے کلمات اور الفاظ بالکل غلط طور پر یاد ہو گئے۔ استاد علی بیگ کے نزدیک طالب علموں کو سکھانے کا بہترین طریقہ ڈنڈے کا استعمال تھا۔ چنانچہ وہ اپنے شاگردوں پر بے حد سختی کرتا اور مار پیٹ سے قطعاً گریز نہ کرتا۔ لیکن حیرت انگیز بات یہ تھی کہ تیمور کو اس سے کبھی بھی مار یا جھڑکیاں نہ سننا پڑیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ تیمور اپنے استاد کی کہی باتیں فوراً یاد کر لیتا تھا اور املاء بھی خوب اچھی طرح بغیر غلطی کے کیا کرتا تھا۔ دوسرے بچے املاء استاد کے خوف سے کرتے مگر تیمور املاء سے لطف اندوز ہوتا اور مکتب سے واپس آکر گھر میں بھی مشق کر لیتا تھا۔

ایک دفعہ ملا علی بیگ نے تیمور کے باپ کو بلا کر کہا کہ اس بچے کی قدر جان یہ نہ صرف ذہین اور دوسرے بچوں سے بہت آگے ہے۔ بلکہ اس میں ناقابل یقین صلاحیتیں ہیں۔ جب تیمور کی عمر سات سال ہوئی تو اسے ایک دوسرے مدرسے میں داخل کروا دیا گیا۔ وہاں اس کے استاد "شیخ شمس الدین" تھے۔ وہ اپنے شاگردوں کو عام تعلیم کے علاوہ قرآن سکھاتے اور اشعار بھی یاد کرواتے تھے۔ ان کی عادت تھی کہ وہ قرآن کی تعلیم ہمیشہ سورۃ "الشمس" سے شروع کراتے، شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ خود ان کا نام "شمس" تھا۔

نئے مکتب میں بھی تیمور نے اپنی حیران کن صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا، جن میں ایک اس کا حیرت انگیز حافظہ بھی تھا۔ شمس الدین اسے جو قرآنی سورۃ یاد کرواتے وہ فوراً حفظ کر لیتا جبکہ باقی شاگرد کئی دن یاد کرنے میں لگا دیتے۔ اس نے مکتب کے پہلے دن ہی سورۃ الشمس کو جو پندرہ آیات پر مشتمل ہے حفظ کر لیا۔ چنانچہ استاد نے تیمور کے والد کو بلوا کر کہا "میں نے اپنی ساری عمر میں کوئی بچہ اس قدر تیز اور باصلاحیت نہیں دیکھا جتنا تیرا بیٹا ہے۔ پھر اس نے تیمور کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ وہ اس سورۃ کو دوبارہ سنائے اور جب تیمور نے وہ سورۃ تلاوت کی تو اس کے والد نے خوشی میں دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر کہا "خداوند میرے بیٹے کی حفاظت فرما اور اسے زندہ سلامت رکھ۔"

شیخ شمس الدین نے تیمور کو قرآن کی دیگر سورتوں کا درس دینا شروع کر دیا۔ وہ اسے مختصر سورتیں یاد کرواتے تھے جو زیادہ تر مکہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی تھیں۔ تیمور استاد سے سورۃ کے الفاظ سنتے ہی اسے یاد کر لیتا اور اس کے استاد کو دوبارہ سورۃ دہرانے کی

ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ حصول علم کے لیے شوق اور صلاحیت کو دیکھتے ہوئے شیخ شمس الدین نے تیمور کو سورۃ یٰسین سکھانے کا فیصلہ کیا اور ایک دن تیمور سے کہنے لگے "تیمور! سورہ یٰسین قرآن کی 36ویں سورۃ ہے اور تراسی آیات پر مشتمل ہے۔ یہ مکہ میں ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی۔ میں ایک مرتبہ اس سورۃ کی تلاوت کرتا ہوں تُو غور سے سُن اور دہرانے کی کوشش کر۔ اگر کوئی مشکل پیش آئی تو میں تجھے سکھا دوں گا۔"

پھر انھوں نے پڑھنا شروع کیا: "یسین و القرآن الحکیم" پھر رُک کر تیمور سے پوچھا تُو جانتا ہے کہ "یٰسین" کے کیا معنی ہیں؟

تیمور نے کہا کہ "یا" کا مطلب جانتا ہوں کہ عربی زبان کے الفاظ میں سے ایک اور کسی کو مخاطب کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ لیکن میں نہیں جانتا کہ یہاں "سین" کے کیا معنی ہیں؟

شیخ نے اسے بتایا کہ "سین" کا مطلب ہے "والے انسان" لیکن ہر انسان نہیں بلکہ ایک خاص انسان۔ تیمور نے کہا کہ اس کے خیال میں تو "س" حروف ابجد کا ایک حرف ہے۔ اس کے معنی انسان کے ہو سکتے ہیں۔ یہ اس کے لیے حیرت کی بات ہے۔ اس پر شیخ نے وضاحت کی کہ تو ٹھیک کہتا ہے اور "س" حروف ابجد میں سے ہے۔ لیکن یہ کلمہ "سرہ" کا پہلا حرف ہے اور عربی زبان میں سرہ کا مطلب ہے "گل ریحان" اور خدا کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس قدر محبت تھی کہ وہ انہیں اس سورۃ میں "اے پھول" کہہ کر مخاطب کرتا ہے۔

جب استاد نے سورہ یٰسین کی تلاوت مکمل کر لی تو تیمور نے اپنا قرآن کھولا اور آہستہ آہستہ پڑھنا شروع کر دیا۔ چند بار دہرانے کے بعد اُسے سورہ یٰسین مکمل طور پر حفظ ہو گئی۔

مکتب میں تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ تیمور کی جنگی اور دفاعی تربیت بھی جاری رہی۔ مکتب سے فارغ ہو کر وہ قریبی چراگاہ میں چلا جاتا جہاں اس کے والد نے اسے گھڑسواری سکھانے کا انتظام کر رکھا تھا۔ ایک شخص اسے گھڑسواری کے اسرار و رموز سکھاتا تھا۔ ایک روز اس نے تیمور کو بتایا کہ کسی جنگلی گھوڑے کو کس طرح قابو کرتے ہیں۔ اس شخص نے بتایا کہ نیم جنگلی گھوڑے پر سوار ہوتے وقت اس کی پچھلی ٹانگوں کے نزدیک نہیں جانا چاہیے۔ کیونکہ گھوڑا دولتی مارتا ہے اور اس کے سامنے بھی نہیں جانا چاہیے۔ کیونکہ کاٹنے کو دوڑتا ہے۔ بلکہ دائیں یا بائیں طرف سے گھوڑے کے نزدیک آ کر اُلٹے یا سیدھے ہاتھ سے اس کی "یال" کو مضبوطی سے تھام لینا چاہیے۔ تاہم جیسے ہی گھوڑے کی یال گرفت میں آئے تو جانور بدک کر بے تحاشا بھاگنا شروع کر دے گا، تا کہ سوار ہونے والے کو زمین پر پٹخ سکے۔ تیمور کے استاد نے اسے بتایا کہ جب وحشی گھوڑا سرپٹ دوڑنے لگے تو اسی حالت میں اس پر چڑھنے کی کوشش کرو اور گھوڑے پر بیٹھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کی گردن کے بالوں کو مضبوطی سے پکڑے رہو ورنہ بُری طرح گرو گے اور ہو سکتا ہے کہ گھوڑے کے قدموں تلے کچلے جاؤ۔ لیکن جیسے ہی گھوڑے کی پیٹھ پر پہنچو تو اپنی ٹانگوں سے اس کے پہلوؤں پر دباؤ ڈالو تا کہ اپنا توازن برقرار رکھ سکو اور جب توازن قائم ہو جائے تو گھوڑے کی یال چھوڑ دو اور اسے جتنا چاہے دوڑنے دو۔ گھوڑے کو جب یہ احساس ہو جائے گا کہ وہ تمہیں زمین پر پٹخ نہیں سکتا تو خود بخود رام ہو جائے گا۔

چنانچہ تیمور نے استاد کی باتوں کو گرہ میں باندھ لیا اور ہر روز وحشی گھوڑوں کو قابو کرنے کی مشق کیا کرتا۔ آخر کار فتح تیمور کی ہوتی اور وہ گھوڑے پر غلبہ پا کر اسے اپنا مطیع اور فرمانبردار بنا لیتا۔

چراگاہ میں تیمور گھڑ سواری کے ساتھ ساتھ تیر اندازی بھی کرتا۔ ابتداء میں اس نے ساکت چیزوں پر نشانہ لگانے کی مشق کی، مہارت حاصل ہو جانے پر وہ متحرک چیزوں پر نشانہ لگانے کی مشق بھی کرنے لگا اور جلد ہی اس فن میں کمال حاصل کر لیا۔ جلد ہی وہ اپنے استاد کی مدد سے گھوڑے پر سوار ہو کر گھوڑے کو پوری رفتار سے دوڑاتے ہوئے اپنے آگے پیچھے اور دائیں بائیں مختلف نشانوں کی طرف تیر چلانا سیکھ گیا۔ تاہم اس عمر میں چونکہ وہ ابھی اتنا طاقتور نہیں تھا لہٰذا اس کا تیر ایک محدود فاصلے سے آگے نہ بڑھ پاتا تھا۔

علم کے حصول میں تیمور کی کارکردگی اس قدر زبردست تھی کہ شیخ شمس الدین کے مدرسے میں داخل ہوئے اسے ابھی تین سال ہی ہوئے تھے کہ اس نے پورا قرآن حفظ کر لیا۔ گویا صرف دس سال کی عمر میں وہ حافظ قرآن بن چکا تھا۔

ایک دن تیمور کے استاد شیخ شمس الدین نے ایک بڑی تقریب کا اہتمام کیا اور مختلف اسلامی علماء سمیت شہر کے معزز و ممتاز افراد کو مدعو کر لیا۔ ان میں تیمور کے والد بھی شامل تھے۔ جب سب لوگ اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے تو شیخ شمس الدین نے سب کو مخاطب کرتے ہوئے تیمور کا تعارف کروایا اور وہاں موجود علماء سے کہا کہ وہ تیمور کا امتحان لیں۔ چنانچہ تین علماء نے تیمور کا امتحان لینا شروع کیا۔ وہ اپنی مرضی کی سورۃ کا نام لیتے اور تیمور سے کہتے کہ اسے زبانی سنائے۔ تیموران کی مطلوبہ سورہ مبارکہ کو اونچی آواز سے پڑھتا اور سننے والے ''بارک اللہ'' جزاک اللہ احسنت کہتے۔

شمس الدین نے آخر میں تیمور کے والد سے کہا ''میرے پاس جتنا علم تھا میں نے تیرے بیٹے کو منتقل کر دیا اب میرے پاس اس کی دانش میں اضافہ کرنے کے لیے مزید کچھ بھی نہیں۔ بہتر ہے اب اسے کسی اور استاد کے پاس حصول تعلیم کے لیے بھیج دو۔

چنانچہ تیمور کے والد نے اسے ''عبداللہ قطب'' کے مدرسے میں داخل کروا دیا۔ عبداللہ قطب ایک مشہور عارف، دانشور اور انتہائی پرہیزگار انسان تھے۔ شہر کے معززاور اعلیٰ طبقات کے لوگ اپنے بچوں کو ان کے پاس حصول تعلیم کے لیے بھیجا کرتے تھے۔ تیمور جیسے جیسے رشد و تعلیم کی منزلیں طے کر رہا تھا اس کے حسن اور وجاہت میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ چودہ سال کی عمر میں اس کا شمار ماوراءالنہر کے خوبرو نوجوانوں میں ہونے لگا تھا۔

عبداللہ قطب کے شاگردوں میں ایک ''یولاش'' نامی لڑکا بھی تھا جس کا تعلق ترک قوم سے تھا۔ یولاش کچھ ناپسندیدہ افعال کا عادی تھا اور اکثر تیمور کو ورغلانے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ تیمور نے کئی مرتبہ یولاش سے کہا کہ وہ اس سے ایسی باتیں نہ کرے مگر وہ باز نہ آیا اور مدرسے کے دوسرے لڑکوں کے سامنے بھی تیمور کو ورغلانے کی کوشش کرنے لگا۔ اس سے یہ ہوا کہ مدرسے کے دوسرے لڑکے بھی تیمور کا تمسخر اڑانے لگے۔

ایک دن مدرسے سے واپسی پر یولاش تیمور کا پیچھا کرتا ہوا چراگاہ تک آ پہنچا۔ وہ جانتا تھا کہ تیمور گھڑ سواری اور تیر اندازی کی مشق کرنے چراگاہ جاتا ہے۔ تاہم اس وقت تک تیمور نے شمشیر زنی کی تربیت حاصل کرنا بھی شروع کر دی تھی۔ چراگاہ کے اس حصے میں جہاں تیمور کے والد کے مویشی چرا کرتے تھے۔ ایک چھوٹی سی کوٹھڑی تھی۔ جہاں تیمور اپنا سامان وغیرہ رکھتا تھا۔ وہاں پہنچ کر تیمور نے اپنی کمان اُٹھائی اور ترکش کمر پر باندھ کر گھوڑے کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسی اثناء میں یولاش اس کے پاس پہنچ گیا اور کہنے لگا ''تیمور! تو میرے ساتھ بے رخی سے کیوں پیش آتا ہے۔ کیا تو جانتا نہیں میں نے اتنے سارے لڑکوں میں سے صرف تجھے دوستی کے لیے منتخب کیا ہے، تجھے تو فخر کرنا چاہیے کہ میرے جیسا جاگیردار کا بیٹا تجھے......''

اچانک تیمور کو اس پر شدید غصہ آ گیا اور اس نے پلک جھپکتے ہی ایک تیر نکالا اور کمان میں رکھ کر یولاش کے سینے کی طرف روانہ کر دیا۔ تیمور

کا پھینکا ہوا تیر سیدھا یولاش کے سینے میں اُتر گیا اور وہ پیٹھ کے بل زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ کچھ دیر تڑپنے کے بعد اس کا جسم ہمیشہ کے لیے ساکت ہو گیا۔
''یولاش'' وہ پہلا انسان تھا جو تیمور کے ہاتھوں قتل ہوا۔ کچھ دیر لاش کے پاس کھڑے رہنے کے بعد اچانک تیمور کو خیال آیا کہ اس واقعہ کی اطلاع اپنے باپ کو دینی چاہیے۔ تیمور کے والد ''ترقائی'' نے جب یہ سنا کہ اس نے ایک لڑکے کا خون کر دیا ہے تو وہ بے حد پریشان ہو گئے اور کہنے لگے ''بہت بُرا ہوا۔ لڑکے کا باپ ایک نامی گرامی جاگیر دار ہے اور وہ بہت جلد تمہارے تعاقب میں یہاں آ پہنچے گا۔'' تیمور نے اپنے والد کے سامنے ساری حقیقت بیان کی اور دریافت کیا ''کیا آپ کو یہ گوارا ہوتا کہ ایک ترک لڑکا آپ کے بیٹے پر بری نظر رکھے اور ناشائستہ باتیں کرے اور آپ کا بیٹا صرف خاموشی سے برداشت کرتا رہے۔'' ترقائی نے سمجھاتے ہوئے کہا ''اگر تُو مجھے پہلے بتا دیتا تو میں لڑکے کے باپ سے بات کرتا اور کہتا کہ وہ اپنے بیٹے کو متنبہ کرے مگر اب سارے دروازے بند ہو چکے ہیں۔''

سب سے پہلے تیمور سے یولاش کے بارے میں اس کے استاد عبداللہ قطب نے تحقیق کی۔ تیمور نے ان کے سامنے ایک کمرہ میں ہونے والی گفتگو کے دوران سب کچھ سچ سچ بتا دیا اور وضاحت کی کہ یولاش اس کی طرف بری نظروں سے دیکھتا تھا اور اس کے پاس کوئی راستہ نہ بچا تھا۔ عبداللہ قطب نے پوچھا ''کیا تمہارے سوا کوئی اور بھی یولاش کی ان حرکتوں سے واقف ہے؟'' تیمور نے اپنے کچھ ساتھی طالب علموں کے نام بتا دیئے۔ جب عبداللہ قطب نے ان سب کو بلا کر دریافت کیا تو انہوں نے تیمور کی باتوں کی تصدیق کر دی۔

تحقیق کے بعد عبداللہ قطب نے اپنا فتویٰ جاری کیا کہ یولاش کے قتل میں تیمور کا کوئی قصور نہیں اور وہ لڑکا چنگیزی قانون ''یاسا'' کی رو سے واجب القتل تھا۔ جب شہر کے داروغہ نے بھی اس بارے میں تفتیش کی تو وہ بھی اسی نتیجے پر پہنچا کہ یولاش ''یاسا'' کے مطابق قتل کا مستحق تھا۔ لہٰذا اس کا باپ نہ تو انتقام لے سکتا ہے اور نہ ہی خون بہا کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

یولاش کے باپ نے بھی مجبوراً بیٹے کے قتل سے چشم پوشی کر لی لیکن وہ جب تک زندہ رہا تیمور کو خصومت بھری نظروں سے دیکھتا رہا۔

وقت کے ساتھ ساتھ تیمور کی جسمانی قوت اور زور بازو میں بھی اضافہ ہو رہا تھا اور وہ محسوس کر رہا تھا کہ جیسی قوت اور طاقت اس میں ہے وہ دوسرے انسانوں میں نہیں۔

دوسرا باب
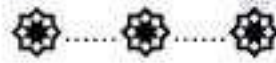
لڑکپن اور فنِ حرب میں مہارت

تیمور جب سولہویں سال میں پہنچا تو اس کے ہم عمر نوجوانوں میں سے کوئی بھی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا۔ وہ تیر اندازی میں اس قدر ماہر تھا کہ اس جیسا نشانہ لگانا کسی کے بس کی بات نہ تھی۔ کسی کا تیر اس کے چلائے ہوئے تیر سے زیادہ دور نہیں جاسکتا تھا۔ جب وہ آسمان کی طرف نشانہ لے کر تیر پھینکتا تو اس کا تیر نظروں سے اوجھل ہو جاتا اور دیکھنے والے انگشت بدنداں رہ جاتے۔ اس زمانے میں تیمور ایک دلچسپ مشغلہ اپنائے ہوئے تھا۔ جو بعد ازاں جنگی مہمات میں اس کے بے حد کام آیا۔ وہ اپنی چراگاہ میں تین گھوڑوں کو بیک وقت بھاگنے پر مجبور کرتا اور پھر جب تینوں سرپٹ دوڑ رہے ہوتے تو چھلانگ لگا کر ایک گھوڑے کی پیٹھ سے دوسرے اور پھر دوسرے سے تیسرے کی پیٹھ پر منتقل ہو جاتا۔ پھر یہی عمل دہراتے ہوئے پہلے گھوڑے کی پیٹھ پر پہنچ جاتا۔ یہی نہیں اس نے ایک اور فن میں کمال مہارت حاصل کر لی تھی۔ وہ یہ کہ گھوڑے کی زین سے اُتر کر اس کی رکاب میں اپنا پیر پھنسا لیتا اور پھر گھوڑے کے دائیں یا بائیں پہلو سے لٹکنے کی کوشش کرتا تھا۔ بعد میں یہ طریقہ اس کے بے حد کام آیا اور میدان جنگ میں دشمن کے تیروں سے بچنے کے لیے وہ یہی طریقہ اختیار کیا کرتا، اس سے کئی بار اس کے گھوڑے تو ہلاک ہو جاتے مگر وہ خود بچ جاتا تھا۔

تیر اندازی اور شمشیر زنی کے ساتھ ساتھ تیمور نے تیراکی میں بھی بے حد مہارت حاصل کر لی تھی۔ جب دریا طغیانی پر ہوتے تو وہ دریاؤں میں کود جاتا اور طوفانی لہروں کا مقابلہ کرتا ہوا دوسرے کنارے تک پہنچ جاتا۔ اس کے علاوہ کمند پھینکنے میں بھی اس نے خاص مہارت حاصل کر لی تھی۔ وہ بڑی چابک دستی سے جنگلی گھوڑوں پر کمند پھینکتا اور مطلوبہ گھوڑے کی گردن گرفت میں لے کر اس کے منہ پر دہانہ باندھ دیتا۔ پھر اس پر سوار ہو کر شہر کی طرف روانہ ہو جاتا۔ سولہ سال کی عمر کو پہنچنے تک وہ اپنے زمانے کے تمام علوم پر بھی دسترس حاصل کر چکا تھا۔ سوائے علمِ نجوم کے، جس سے اسے قطعاً کوئی دلچسپی نہ تھی۔

انہیں دنوں ایک روز تیمور کے والد اسے اس کے دادا کے مزار پر لے گئے اور وہاں بنی ہوئی مسجد کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگے "تیمور، میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ ہم "چغتائی" خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور ہمارے اجداد کا سلسلہ نسب حضرت نوح علیہ السلام کے فرزند "یافث" سے جاملتا ہے۔ ہمارے خاندان میں جو پہلا شخص مسلمان ہوا اس کا نام "کراشر بون" تھا اور وہ "چغتائی" کا داماد تھا اور اسی وجہ سے اسے "گورگین" کے نام سے پکارتے تھے۔ "گورگین" یعنی "داماد"۔

"بعد میں یہی نام ہماری پہچان بن گیا۔ اسی لیے مجھے بھی گورگین کہتے ہیں اور میرے بعد تو بھی اسی نام سے پکارا جائے گا۔ یہاں جو لوگ دفن ہیں وہ سب ہمارے آباؤ اجداد ہیں اور یہ سب اسلام کے ماننے والے تھے۔ میرے بیٹے! تم بھی انہی کی طرح سچے دل سے اسلام کے پیروکار

رہنا اور یہ سمجھ لو کہ دنیا میں کوئی بھی دین، دین محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے برتر اور افضل نہیں۔ کبھی بھی اس دین سے روگردانی نہ کرنا، ہمیشہ علمائے دین کی عزت وتکریم کرنا، عقل مندوں کی دانش سے فیض حاصل کرنا، جہاں تک ہو سکے مسجدیں اور مدرسے تعمیر کروانا اور اپنی جائیداد کو مسجدوں اور مدرسوں کے لیے وقف کر دینا۔"

پھر تیمور کے والد ترقائی نے موضوع تبدیل کرتے ہوئے بیٹے کو شفقت سے دیکھا اور کہنے لگے: "میرے بیٹے! اگرچہ تمہاری عمر ابھی صرف سولہ برس ہے، لیکن بظاہر تُو بیس سالہ جوان نظر آتا ہے۔ تیرا قد بھی اتنا بڑھ چکا ہے کہ میرا سر تیرے کندھوں تک آتا ہے۔ تیرا چوڑا سینہ اور مضبوط بازو اس بات کی دلیل ہیں کہ تُو اب جوانی کی اس منزل پر پہنچ چکا ہے کہ تجھے شادی کر لینی چاہیے تاکہ میرے بعد میری نسل کی بقا اور میرے خاندان کے دوام کی ضمانت ہو جائے اور میں اس سکون کے ساتھ دنیا سے رخصت ہو سکوں کہ میری نسل کے لوگ اس دنیا میں باقی ہیں۔"

تیمور نے اپنے باپ کو جواب دیا کہ اسے شادی سے قطعاً دلچسپی نہیں۔ اس پر اس کے والد متعجب ہوئے اور دریافت کیا کہ آخر اسے شادی سے کیوں دلچسپی نہیں ہے؟۔

تیمور نے کہا کہ اسے حصول علم، گھڑ سواری، شمشیر زنی، تیراندازی اور نیزے بازی کا اتنا شوق ہے کہ وہ فی الحال شادی کے بارے میں سوچتا تک نہیں۔ اس کے والد نے سمجھایا "بیٹے یہ سب چیزیں اپنی جگہ مگر ازدواجی زندگی کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔ ایک مرد کو جوانی میں ہی شادی کر لینی چاہیے تاکہ اس کی اولاد جوان نسل سے پیدا ہو" مگر تیمور نے والد سے درخواست کی کہ کم از کم ایک یا دو سال تک اس کی شادی کا معاملہ التواء میں ڈال دیں تاکہ وہ اپنے پسندیدہ مشغلوں میں مہارت جاری رکھ سکے۔ اس کا خیال تھا کہ جب کوئی مرد شادی کر لے تو اس کی جسمانی قوت میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ مگر بعد میں سلطانیہ کے بڑے پادری سے مذاکرات کے دوران اسے پتہ چلا کہ اس کا یہ تصور قطعاً غلط تھا۔

سولہ سال کی عمر میں ہی تیمور سمرقند گیا اور وہاں "امیر کلال" سے ملاقات کی۔ امیر کلال اپنے نام کے برعکس "امراء" میں سے نہ تھے، بلکہ "عرفا" کے زمرے میں شمار ہوتے تھے۔ بہت سے لوگ انہیں ایک سچا پیر مانتے اور ان سے فیض حاصل کرنے کے لیے آنے والوں کا ہجوم جمع رہتا تھا۔ تیمور کے استاد عبداللہ قطب نے اسے امیر کلال کے پاس بھیجتے ہوئے ایک خط تحریر کر کے دیا اور کہا کہ یہ نامہ امیر کلال کی خدمت میں پیش کر دینا وہ تمہیں سمرقند میں کسی قسم کی مشکل پیش نہیں آنے دیں گے۔

تیمور سمرقند پہنچ کر امیر کلال کی درگاہ میں حاضر ہوا اور انہیں عبداللہ قطب کا خط پیش کر دیا۔ امیر کلال لمبی سفید داڑھی اور مہربان آنکھوں والے بزرگ انسان تھے۔ ان کی عمر اسی برس کے قریب تھی۔ انہوں نے خط پڑھنے کے بعد تیمور کی طرف بغور دیکھا جو اس وقت مجلس کے آخر میں دروازے کے نزدیک بیٹھا ہوا تھا۔ انہوں نے تیمور سے کہا "اے جوان اُٹھ اور میرے نزدیک آ تاکہ میں تجھے اچھی طرح دیکھ سکوں۔"

تیمور اپنی جگہ سے اُٹھ کر لوگوں کے درمیان سے گزرتا امیر کلال کے پاس پہنچ گیا۔ انہوں نے تیمور سے بیٹھنے کو کہا اور بولے "تیمور! میں نے تیرے باپ کا نام سن رکھا ہے مگر اس سے کبھی ملا نہیں۔ عبداللہ قطب نے لکھا ہے کہ تُو حافظ قرآن ہے اور تجھے دنیا بھر کے شاعروں کا کلام

یاد ہے۔" تیمور نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا: "جی ہاں پیر صاحب! اللہ نے مجھے وسیع اور قوی حافظہ عطا کیا ہے اور میں جو شعر بھی ایک بار پڑھ لوں یا سن لوں تو وہ فوراً مجھے یاد ہو جاتا ہے۔"

پیر صاحب نے تیمور سے دریافت کیا: "کیا تجھے 'اعشیٰ' کے شعر یاد ہیں؟"

تیمور نے جواب دیا کہ اس نے اعشیٰ کے اشعار کا مطالعہ نہیں کیا کیونکہ اس کے اشعار غزل ہیں یا تشبیب اور اسے ان دونوں سے نفرت ہے۔

امیر کلال نے کہا: "اے تیمور تُو ایک عالم و فاضل جوان ہے لہٰذا تجھے علم کی کسی بھی صنف سے نفرت نہیں ہونی چاہیے کیونکہ بعض اوقات ایسے اشعار میں شعراء کرام عرفانی اسرار کو بیان کرتے ہیں جنہیں صرف ارباب بصیرت ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اس کے بعد امیر کلال نے "اعشیٰ" کی ایک غزل پڑھی اور تیمور سے کہا کہ اگر تمہیں ایک دفعہ سننے سے ہی عربی اور فارسی کے شعر یاد ہو جاتے ہیں تو جو غزل میں نے پڑھی ہے کیا تم اسے دہرا سکتے ہو؟"

تیمور نے بلا تامل غزل کے اشعار سنا دیئے۔ اس سے پہلے کہ امیر کلال کچھ کہتے، حاضرین میں سے ایک شخص اُٹھ کر بولا، میرا خیال ہے کہ اس نوجوان نے "اعشیٰ" کی مذکورہ غزل پہلے سے سن رکھی تھی۔ اس لیے اس روانی سے اس نے یہ اشعار سنا دیئے۔ عربی زبان سے واقفیت رکھنے والے لوگ 'اعشیٰ' سے خوب واقف ہوتے ہیں۔ تاہم میرے پاس عربی کے کچھ ایسے اشعار موجود ہیں جنہیں آج تک کسی نے نہیں سنا۔ کیونکہ وہ اشعار میرے اپنے ہیں اور میں نے اب تک انہیں کسی کو نہیں سنایا۔ میں وہ شعر پڑھ کر سناؤں گا، اگر ایک مرتبہ سننے کے بعد یہ نوجوان ان اشعار کو دہرا دے تو میں یہ تسلیم کرلوں گا کہ اس کا حافظہ غیر معمولی ہے۔"

چنانچہ اس شخص نے اپنے کلام سے اشعار پڑھنے شروع کیے جو سات بند پر مشتمل تھے۔ آخری شعر پڑھ لینے کے بعد اس شخص نے تیمور سے انہیں دہرانے کو کہا۔ تیمور نے شروع سے لے کر آخر تک تمام اشعار من وعن سنا دیئے۔ جب اس نے آخری شعر مکمل کیا تو گویا حاضرین کو سانپ سونگھ گیا ہو۔ سب تیمور کو حیرت و استعجاب سے دیکھ رہے تھے جیسے کہ انہیں یقین نہ آ رہا ہو کہ ان کے سامنے موجود شخص واقعی انسانی قبیل سے تعلق رکھتا ہے۔

پیر امیر کلال نے لبوں پر مسکراہٹ سجاتے ہوئے تیمور کے سر پر ہاتھ رکھا اور محفل کے سکوت کو توڑتے ہوئے کہنے لگے: "میں اس جوان کے چہرے پر ایک خاص قسم کا نور دیکھ رہا ہوں۔ یہ جوان جلد ایک ایسے مقام پر پہنچ جائے گا کہ اس سے پہلے کسی نے وہاں تک رسائی حاصل نہیں کی۔ میں شاید اتنا عرصہ زندہ نہ رہ سکوں کہ اس نوجوان کی عظمت کو دیکھ سکوں، لیکن تم لوگ جو یہاں حاضر ہو انشاء اللہ بقید حیات ہو گے اور دیکھو یا سنو گے کہ اس نوجوان کا نام ساری دنیا میں گونج رہا ہوگا۔"

اس کے بعد امیر کلال نے سات کلچے منگوا کر تیمور کو دیئے اور کہا کہ جب تم اپنے شہر کیش پہنچ جاؤ تو ان کلچوں میں سے ہر ایک کا تھوڑا تھوڑا حصہ کھا لینا اور بقیہ محفوظ کر لینا۔ میں پیش بینی کرتا ہوں کہ دنیا کے "ہفت اقلیم" تیرے سامنے سر اطاعت خم کر دیں گے۔"

جب امیر کلال نے یہ پیش گوئی کی اس وقت تک کسی کو تیمور کے بارے میں یقین نہ تھا کہ وہ ایک دن فاتح عالم بن کر دنیا پر چھا جائے گا۔ مگر بالآخر ان کی یہ پیش گوئی سچ ثابت ہوئی۔

تیمور جب اپنے شہر واپس پہنچا تو اس کے والد نے اسے بتایا کہ امیر کلال ایک نہایت بلند پایہ اور صاحب کمال بزرگ ہیں۔ لہٰذا تم ان کی

نصیحت پر عمل کرتے ہوئے ساتوں کلچوں میں سے تھوڑا تھوڑا کھالو اور باقی حفاظت سے اپنے پاس رکھ لو۔ تیمور نے ایسا ہی کیا۔ بعد میں اسے پتہ چلا کہ امیر کلال واقعی ایک صاحب کمال بزرگ تھے۔ کیونکہ ان کا کہا حقیقت میں بدل گیا۔

سمرقند سے واپسی پر تیمور کے والد نے اسے شمشیر بازی کے ایک مشہور استاد ''شمر طرخان'' کی شاگردی میں دے دیا۔ تاکہ وہ اسے اس فن میں ماہر کر سکے۔ شمر طرخان تیمور کو ایک انوکھے طریقے سے شمشیر زنی سکھاتا تھا۔ وہ اپنے ساتھ ایک رسی لے کر آتا اور تیمور کا دایاں ہاتھ رسی کی مدد سے مضبوطی کے ساتھ اس کے جسم کے ساتھ باندھ دیتا۔ پھر وہ تیمور سے کہتا ''اے تیمور! تمہاری حالت اس وقت ایسے انسان کی ہے جس کا صرف ایک ہاتھ ہو اور وہ بھی صرف بایاں ہاتھ!'' پھر وہ وضاحت کرتے ہوئے تیمور کو بتاتا کہ ''جنگ کے دوران یا تن بہ تن لڑائی کے دوران دشمن کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اپنے مدمقابل کے دائیں ہاتھ کو ناکارہ بنا دے تاکہ وہ تلوار یا کوئی دوسرا ہتھیار استعمال کرنے کے قابل نہ رہے۔ حتیٰ کہ نیزے کا ایک معمولی وار بھی دائیں ہاتھ کو ناکارہ بنا سکتا ہے۔ چنانچہ لڑائی کے دوران جس شخص کا دایاں ہاتھ زخمی ہو جائے اور وہ صرف دائیں ہاتھ سے تلوار چلانا جانتا ہو، تو پھر اس میں اور مُردے میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ لیکن اگر کوئی الٹے ہاتھ سے بھی اسی مہارت سے تلوار چلا سکے تو پھر وہ ایسا ہے جیسے ایک ہی شخص کے اندر دو انسان موجود ہیں۔''

اگرچہ اس سے پہلے بھی تیمور دونوں ہاتھوں سے کام لیتا تھا اور لکھنے لکھانے کے علاوہ تیر اندازی اور شمشیر بازی بھی کرتا تھا، لیکن شمر طرخان نے اسے خاص تعلیم دی اور الٹے ہاتھ کو بالکل سیدھے ہاتھ کی طرح استعمال کرنے میں ماہر بنا دیا۔ بعد میں جب تیمور نے مختلف جنگوں میں حصہ لیا تو اسے شمر طرخان سے حاصل کی تربیت کو بروئے کار لانے کا بھرپور موقع ملا۔ جس سے فائدہ اٹھا کر وہ متعدد بار اپنی جان بچانے میں کامیاب ہو گیا۔

تیمور جب سلطنت کے مقام تک پہنچا تو شمر طرخان کافی بوڑھا ہو چکا تھا۔ تاہم تیمور نے اس کی تربیت کو فراموش نہ کیا اور اس کے لیے اتنا وظیفہ مقرر کر دیا کہ وہ اپنی باقی عمر آرام اور سکون سے گزار سکے۔

ان دنوں اگرچہ تیمور کی زیادہ توجہ جنگی فنون وحرب پر مذکور تھی مگر وہ حصول علم سے بھی غافل نہیں تھا۔ اس نے اسی دور میں دو اہم کتابوں کا مطالعہ کیا جو دونوں فارسی میں لکھی گئی تھیں۔ ایک کا نام ''مثنوی'' تھا جسے مولانا جلال الدین نے تصنیف کیا تھا اور دوسری ''گلشن راز'' تھی جسے شیخ محمود شبستری نے تالیف کیا تھا۔

تیمور خاص طور پر ''گلشن راز'' سے متاثر ہوا اور جب اس نے مہمات کے دوران آذربائیجان پر غلبہ حاصل کر لیا تو صرف اس وجہ سے وہاں لوگوں کا قتل عام معاف کر دیا کہ ''گلشن راز'' کا لکھنے والا ''شبستر'' کا رہنے والا تھا۔ جو آذربائیجان میں واقع ہے۔

بہرحال اس زمانے میں گلشن راز نے تیمور کے ذہن کو جلا بخشی اور حکمت کے دشوار اور پیچیدہ مسائل کو اس کے لیے آسان بنا دیا۔
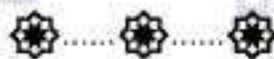
تیسراباب

امیر یاخمان کی فوج میں شمولیت

اس زمانے میں سمرقند پر ''امیر یاخمان'' کی حکمرانی تھی۔ اس کی عمر ستر برس کے قریب تھی اور اسکے دونوں بیٹے لڑائیوں میں ہلاک ہو چکے تھے۔ یوں ایک بھتیجے کے سوا اس کا کوئی جانشین یا وارث نہیں تھا۔ ''یاخمان'' کو یہ خوف لاحق تھا کہ اس کا بھتیجا کہیں حکومت کے لالچ میں اسے قتل نہ کر دے۔

امیر یاخمان، تیمور کے باپ کو جانتا تھا۔ چنانچہ تیمور نے اسے پیغام بھیجا کہ اگر وہ رضامند ہو تو تیمور اس کی ملازمت اختیار کر لے۔ امیر یاخمان نے تیمور کی درخواست منظور کر لی۔

جب تیمور امیر یاخمان کے دربار میں حاضر ہوا تو وہ اسے دیکھ کر حیران ہوا اور بولا ''میں حیران ہوں کہ ''ترقائی'' کا بیٹا اس قدر بلند قامت اور تنومند ہے۔'' پھر وہ تیمور کو مخاطب کر کے بولا ''اے نوجوان تُو کیا کر سکتا ہے؟''

تیمور نے اسے بتایا کہ وہ قلم اور تلوار دونوں کو چلانے میں مہارت رکھتا ہے۔ لہٰذا اگر امیر چاہے تو وہ اس کے دیوان کو بھی سنبھال سکتا ہے اور اس کی فوج کی نگرانی بھی کر سکتا ہے۔ امیر یاخمان نے فوج کی نگرانی کا کام تیمور کو سونپ دیا۔

امیر یاخمان کی فوج کا سپہ سالار ''غولر کمال'' نامی شخص تھا۔ جو خاصا فربہ اور بھاری بھرکم انسان تھا۔ اس کی عمر پچاس سال سے اوپر تھی۔ غولر کمال کو جب علم ہوا کہ تیمور نامی نوجوان کو فوج کی نگرانی کے لیے بھیجا گیا ہے تو وہ اس کا تمسخر اڑانے لگا اور سپاہیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا: ''دیکھو یارو! امیر یاخمان نے ہمارے لیے ایک ''لونڈا'' بھیج دیا ہے تاکہ ہم اس کے ساتھ کچھ دل لگی کر سکیں۔''

تیمور کو یہ سن کر بہت غصہ آیا اور اس نے اسی وقت اپنی تلوار برآمد کر کے غولر کمال کو للکارتے ہوئے کہا: ''میں ابھی ثابت کر سکتا ہوں کہ میں ایک ''لونڈا'' نہیں بلکہ مجھے اپنی ہتک کرنے والوں کا حساب بھی چکانا آتا ہے۔'' یہ کہہ کر تیمور نے غولر کمال پر حملہ کر دیا۔ غولر کمال نے بھی تلوار کھینچ لی اور تیمور کے مقابلے میں نکل آیا۔ لیکن اس فربہ شخص کے بدن کی حرکت سست اور کمزور تھی کہ تیمور کو جلد ہی پتہ چل گیا۔ اس کا مدمقابل بے حد کمزور ہے اور اس کے ہاتھوں نہیں بچ سکتا۔ اور ایسا ہی ہوا۔ تیمور نے بائیں جانب سے اس کی گردن پر وار کیا اور اس کی تلوار غولر کمال کی شاہ رگ کاٹتی ہوئی گردن کی ہڈی پر پہنچ کر رک گئی۔ غولر کمال چکرا کر زمین بوس ہو گیا اور اس کی گردن سے خون کا فوارہ پھوٹ نکلا۔ کچھ دیر بعد غولر کمال کا فربہ بدن بے جان ہو کر حیرت میں ڈوبے سپاہیوں کی آنکھوں کے سامنے پڑا تھا۔

تیمور نے اپنی تلوار غولر کمال کے کپڑوں سے صاف کی اور حیران کھڑے سپاہیوں کو رعب سے مخاطب کرتے ہوئے بولا:

''کان کھول کر سن لو۔ میں تیمور ولد ترقائی، شہر کیش کا رہنے والا، آج سے تمہارا سپہ سالار ہوں۔ اب تمہیں میری اطاعت کرنا ہوگی اور

جس نے میری حکم عدولی کی۔ اسے غول کمال کا انجام یاد رکھنا چاہیے۔''

سپاہیوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر سر جھکا لیا۔ تیمور جان گیا کہ اس کی سپہ سالاری پکی ہو گئی ہے۔

جس دن تیمور نے غول کمال کا خون کیا اسی دن اسے امیر یا خمان کی طرف سے بلاوا آ گیا۔ تب اسے احساس ہوا کہ اس نے کیا غلطی کی ہے۔ ملازمت کے پہلے ہی دن فوج کے سپہ سالار کو قتل کر دینا کوئی معمولی واقعہ نہ تھا مگر حیرت کی بات یہ تھی کہ تیمور کو اس پر کوئی خوف لاحق تھا اور نہ ہی کوئی پریشانی۔

امیر یا خمان تیمور کو دیکھتے ہی اپنی نشست سے اٹھ کھڑا ہوا اور دانت پیستے ہوئے غضب ناک لہجے میں بولا:

''اے ترقائی کے بیٹے! غول کمال کا خوان کر کے تُو نے مجھے ......'' پھر اچانک ہی اس کا لہجہ بدل گیا اور وہ مسکراتے ہوئے کہنے لگا: ''دراصل تُو نے مجھے ایک نالائق اور نمک حرام افسر سے نجات دلا دی ہے۔ میں اس کے لیے تیرا احسان مند ہوں فرزند!''

اس وقت امیر یا خمان کے درمیان بہت سے لوگ موجود تھے اور ان کے فلک شگاف قہقہوں کی گونج مدھم پڑی تو تیمور کو خیال آیا کہ اسے بھی اپنے کارنامے پر خوش اور فخر مند ہونا چاہیے۔ مگر اس نے اپنی اندرونی کیفیت کو چھپاتے ہوئے امیر سے کہا:

''اے امیر! آپ کی فوج کا نظام بہت بگڑا ہوا ہے۔ مجھے اجازت دیں کہ میں اس میں بنیادی تبدیلیاں لا کر اس کی تشکیل نو کروں۔''

امیر یا خمان نے خوشی میں ہاتھ جھٹک کر کہا: ''جا تجھے میری طرف سے پوری اجازت ہے۔ جو کرنا چاہے سو کر۔''

چنانچہ تیمور نے فوج میں بنیادی تبدیلیاں کر کے دس دس سپاہیوں کی ٹولیاں تشکیل دیں اور ہر ٹولی کو ایک شخص کی سرپرستی میں دے دیا جسے اس نے ''اون باشی'' کا نام دیا۔ پھر دس ٹولیوں کو جمع کر کے اس کی عنان ''یوز باشی'' نام کے عہدیدار کے حوالے کر دی۔ اسی طرح اُس نے دس ''یوز باشی'' افسروں پر ایک عہدیدار مقرر کر کے اُسے ''مین باشی'' کا نام دیا، جو ایک ہزار سپاہیوں کا کمان دار تھا۔

تیمور نے فوج کو جنگی مشقوں کا عادی بنانے کے لیے حکم دیا کہ تمام سپاہی علی الصبح صحرا میں حاضر ہوں اور جنگی مشقیں انجام دیں۔ دراصل اس سے پہلے امیر یا خمان کی فوج میں ایسی مشقوں کا کوئی رواج نہ تھا اور فوجی زرق برق لباس میں گھومنے کے عادی ہو چکے تھے۔ کئی تو سارا دن پڑے اونگھتے رہتے۔ تیمور نے حکم دیا کہ تمام فوجی نہ صرف ہر روز مشقوں میں حصہ لیں بلکہ ان کی نماز بھی کسی صورت ترک نہ ہونے پائے۔

تیمور نے ایک مہینے کے دوران ہی امیر یا خمان کی فوج کا نقشہ بدل کر رکھ دیا۔ بے کار اور بے دل فوجیوں کی جگہ جانباز اور دلیر سپاہیوں کو بھرتی کیا اور اپنی زیر نگرانی مشقوں کے ذریعے ان میں جنگ کے لیے جذبہ اور جوش پیدا کر دیا۔

اسی دوران ایک واقعہ پیش آیا جس نے تیمور کی دلیری اور قدر و منزلت میں مزید اضافہ کر دیا۔ ہوا یوں کہ ایک روز رعایا میں سے کچھ لوگ امیر یا خمان کے دربار پہنچے اور دہائی دی کہ ''قرہ ختائی'' نامی قبیلے کے لوگ ان کی چھ ہزار بھیڑیں چرا لے گئے ہیں۔ اور تین چرواہوں کو بھی موت کے گھاٹ اتار گئے ہیں۔ ''قرہ ختائی'' قبیلہ سمرقند کے شمال میں سکونت پذیر تھا اور وہ لوگ بہت خطرناک اور جنگجو تصور کیے جاتے تھے۔

اس سے پہلے کہ امیر یا خمان کچھ کہتا، تیمور آگے بڑھا اور بلند آواز میں بولا: ''میں جاتا ہوں اور لٹیروں کو سزا دے کر چرائی ہوئی بھیڑیں

واپس لے آتا ہوں۔‘‘

امیر یاخمان نے تیمور سے کہا: ’’تیمور! یہ کوئی مذاق نہیں ہے۔ قبیلہ ختائی کے لوگ انتہائی خطرناک ہیں اور ان کے پاس بیس ہزار کی تعداد میں جنگجو موجود ہیں۔‘‘

تیمور نے نڈر انداز میں جواب دیا: ’’مجھے کوئی ڈر نہیں، میں ہر حال میں بھیڑیں چھڑا کر لاؤں گا۔ آپ صرف دو سو سوار ساتھ لے جانے کی اجازت دیں۔ میں یقین دلاتا ہوں اپنے کہے الفاظ پر پورا اُتروں گا۔‘‘

امیر یاخمان نے حیرت سے دریافت کیا: ’’تُو بیس ہزار جنگجوؤں کا مقابلہ دو سو سپاہیوں کے ساتھ کرنا چاہتا ہے؟ غالباً تُو اپنے ساتھ ان دو سو سپاہیوں کو بھی ناحق قتل کروانے کا ارادہ رکھتا ہے۔‘‘

تیمور بولا: ’’چوروں کو سزا دینے کے لیے دو سو آدمی ہی کافی ہیں۔ آپ بس اجازت دے دیجیے۔‘‘

امیر نے بے دلی سے اسے اجازت دے دی اور جب تیمور اس مہم کے لیے رخصت ہوا تو وہ اسے ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے اس کا آخری دیدار کر رہا ہو۔

تیمور فوراً دو سو سپاہیوں کو لے کر شمال کی جانب قبیلہ ختائی کی سمت میں روانہ ہو گیا۔ تقریباً بیس فرسنگ کے فاصلے پر اسے قبیلے کے آثار نظر آ گئے۔ تیمور نے قبیلہ کے سرکردہ افراد کو اپنے پاس بلایا اور ان سے کہا کہ ’’میں امیر یاخمان کی فوج کا سپہ سالار ہوں۔ تمہارے قبیلے میں موجود کچھ چوروں نے ہماری رعایا میں سے کچھ لوگوں کی بھیڑیں چرائی ہیں اور تین بے گناہ انسانوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا ہے۔ لہٰذا تم سے درخواست ہے کہ بھیڑیں واپس کر دو اور قاتلوں کی نشاندہی کرو۔‘‘

قبیلہ کے لوگوں نے تیمور کو ٹالنے کے انداز میں کہا کہ ہمارا قبیلہ مختلف طائفوں میں تقسیم ہے۔ اس لیے ہمیں نہیں معلوم کہ کون سا طائفہ تمہاری بھیڑیں چرا لے گیا ہے۔ تیمور نے ان سے کہا: ’’ہو سکتا ہے ایسا ہی ہو جیسا کہ تم کہہ رہے ہو، لیکن تم اپنے قبیلے کے لوگوں سے معلوم کرو، کیونکہ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک ہی قبیلے کے لوگ اپنے اندر موجود لوگوں کو نہ پہچانتے ہوں اور ان کے کارناموں سے واقف نہ ہوں۔ لہٰذا تم لوگ مجھے چوروں کے بارے میں بتا دو میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔‘‘ مگر قبیلے والوں نے درشتی سے کہا: ’’ہم چوروں کو نہیں جانتے، تو خواہ مخواہ ہمارا اور اپنا وقت ضائع کر رہا ہے۔‘‘

تیمور سمجھ گیا کہ نرمی اور ملائمت سے کام نہیں چلے گا۔ چنانچہ اس نے بلند آواز میں کہا: ’’میں تم لوگوں کو صرف اتنی مہلت دیتا ہوں کہ جس میں ایک بار سورہ فاتحہ پڑھی جا سکے، اگر اس وقت کے اندر تم نے چوروں کی پہچان بتا دی تو ٹھیک۔ ورنہ تم سب کی گردنیں اُڑا دوں گا۔‘‘

قبیلہ ختائی کے لوگوں نے یہ دھمکی سن کر تیمور کا مضحکہ اُڑانا شروع کر دیا اور ان میں سے گھنی مونچھوں والا شخص تضحیک آمیز لہجے میں بولا: ’’جا بچہ ابھی تو تیرے منہ سے دودھ کی بُو آتی ہے۔ جب تیری مونچھیں میری مونچھوں کے برابر ہو جائیں تب ایسی باتیں کرنا۔ ابھی تیری عمر ایسی باتیں کرنے کی نہیں۔‘‘

تیمور نے فوراً اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ اس گھنی مونچھوں والے شخص کو پکڑ کر خیمے سے باہر لے جائیں۔ جب اسے باہر لے جایا گیا تو

تیمور نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اسے نیچے بیٹھا کر خود پیچھے ہٹ جائیں۔

اس شخص کے دیگر ساتھی حیرت سے سارا ماجرا دیکھ رہے تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ جان پاتے۔ تیمور نے اپنی تلوار برآمد کی اور اس گھنی مونچھوں والے شخص کے زمین سے اٹھنے سے پہلے ہی اپنے استاد ثمر طرخان کے بتائے ہوئے اصول کے مطابق اس کی گردن پر وار کر دیا۔

ثمر طرخان نے تیمور کو بتایا تھا کہ تلوار کو پوری جسمانی قوت سے چلانا چاہیے تا کہ دشمن کی ہڈی تک کٹ جائے۔ چنانچہ اس نے اپنی پوری قوت سے تلوار چلائی تھی۔ جس نے اس گھنی مونچھوں والے شخص کی گردن کے گوشت کے علاوہ ہڈی کو بھی اس طرح کاٹ دیا کہ اس شخص کا سر لڑھکتا ہوا دُور جا گرا اور خون گردن کی رگوں سے فوارے کی مانند اُبلنے لگا۔

تیمور نے جب اس شخص کی گردن سے اُبلتے خون کے فوارے کو دیکھا تو اسے ایک عجیب طرح کی لذت کا احساس ہوا اور وہ کیف و سرور کے احساس میں ڈوب گیا۔ اس کے لیے یہ منظر بالکل نیا اور حیرت انگیز تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ کچھ دیر اسی منظر کو دیکھنے میں محو ہو گیا۔ اسے یہ خبر ہی نہ رہی کہ مقتول کے باقی چار ساتھی اس پر حملہ آور ہو گئے ہیں۔ بالکل آخری لمحات میں اسے پتہ چلا تو وہ اپنے آپ کو بچاتا ہوا دفاع کرنے لگا۔ پھر اس نے اپنے سپاہیوں میں سے ایک کو کہا کہ وہ اپنی تلوار اس کی طرف پھینکے۔ اگر چہ تیمور پر چار طاقتور آدمیوں نے حملہ کیا تھا مگر اس نے اپنے ساتھیوں سے مدد نہیں مانگی اور انہیں حکم دیا کہ وہ ایک طرف کھڑے رہیں۔ وہ خود ان سے نپٹ لے گا۔

تیمور نے دونوں ہاتھوں سے تلوار چلاتے ہوئے ان چاروں آدمیوں پر چابک دستی سے حملہ کیا تو وہاں موجود اس کے ساتھی عش عش کر اُٹھے۔ اس کے دونوں ہاتھ ایک جیسی مہارت سے چل رہے تھے۔ وہ ایسی زبردست تکنیک سے دونوں تلواریں چلا رہا تھا کہ جیسے ہاتھوں میں پکڑی تلواریں اس کے جسم کا ہی حصہ ہوں۔ خود تیمور کو یہ محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے مدمقابل اس کے مقابلے میں ایک اناڑی بچے کی حیثیت رکھتے ہوں۔ جلد ہی اس نے ان میں سے ایک شخص کے سیدھے ہاتھ پر وار کیا تو تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دُور جا گری اور وہ کراہتا ہوا زمین پر بیٹھ گیا۔ اس کے ساتھ ہی باقی تین افراد کی آنکھوں میں بھی خوف کے سائے لہرانے لگے اور وہ جان گئے کہ تیمور یا تو انہیں موت کے گھاٹ اُتار دے گا یا پھر بُری طرح زخمی کر دے گا۔ چنانچہ انہوں نے ترکی زبان میں تیمور سے پناہ طلب کی۔ تیمور نے انہیں حکم دیا کہ وہ تلوار زمین پر پھینک دیں اور دُور ہٹ جائیں۔ تینوں نے پیروی کی اور ہتھیار پھینک کر جان بخشی کی التجا کرنے لگے۔

تیمور نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ وہ ان چاروں کی تلواریں ضبط کر لیں۔ پھر اس نے ان چاروں کو خیمے میں داخل ہونے کا حکم دیا اور انہیں اجازت دی کہ وہ اپنے زخمی ساتھی کے زخم باندھ سکتے ہیں۔ جب ان کا کام ختم ہو گیا تو تیمور نے ان سے کہا: "تم لوگوں کو اب یقیناً پتہ چل گیا ہو گا کہ میرے منہ سے دودھ کی نہیں بلکہ خون کی بُو آتی ہے۔ اگر اب بھی تم نے مجھے چوروں کی شناخت نہ بتائی تو میں تم سب کو ایک ایک کر کے ذبح کر ڈالوں گا۔" وہ چاروں کہنے لگے، "بخدا ہم چوروں کو نہیں جانتے۔ مگر اتنا معلوم ہے کہ ان کا تعلق قبیلہ "آقا مربوج" سے ہے۔"

تیمور نے ان سے پوچھا: "قبیلہ "آقا مربوج" کا سردار کون ہے؟"

"جوت گولتو" ان میں سے ایک کراہتے ہوئے بولا۔

تیمور نے ان سے کہا ''ٹھیک ہے، مگر میں تم لوگوں کو یرغمالیوں کے طور پر اپنے ساتھ لے جاؤں گا اور وعدہ کرتا ہوں کہ قبیلہ آقا مر بوج میں چوروں کی شناخت کے بعد تمہیں آزاد کردوں گا۔''

پھر اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ ان چاروں کو گھوڑوں پر باندھ دیں۔ جب وہ روانہ ہونے لگے تو تیمور نے محسوس کیا کہ اس کے سپاہی اسے فخر اور تحسین بھری نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ وہ جان گئے تھے کہ ان کا سپہ سالار ایک کم سن اور کم عمر جوان ضرور ہے مگر نالائق اور بزدل نہیں۔

وہ لوگ سہ پہر کے قریب آقا مربوج قبیلے کی رہائش گاہ تک پہنچ گئے۔ اب ان کے سامنے خیموں کا ایک شہر آباد تھا۔ تیمور نے وہاں سے گزرنے والے ایک شخص سے دریافت کیا کہ جودت گولتو کا خیمہ کہاں ہے؟۔ اس نے دُور ایک خیمے پر نصب سفید قبہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ وہ سفید قبہ جودت گولتو کے خیمے پر نصب ہے اور وہ وہیں رہتا ہے۔

تیمور نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا اور وہ سب گھوڑوں کو ہوا کے دوش پر دوڑاتے جودت گولتو کے خیمے کے سامنے پہنچ گئے۔ تیمور اپنے گھوڑے سے اُترا اور یرغمالیوں میں سے جو شخص جودت گولتو کو پہچانتا تھا اسے لے کر اندر داخل ہو گیا۔

یرغمالی نے کچھ کہے بغیر ایک معمر شخص کی طرف اشارہ کیا جو اپنے دو بیٹوں کے ساتھ خیمے میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس سے پہلے کہ ان لوگوں کی حیرت ختم ہوتی تیمور نے اپنے سپاہیوں کو اشارہ کیا۔ جنھوں نے آگے بڑھ کر جودت گولتو اور اس کے دونوں بیٹوں کو گرفتار کر لیا۔ اور ان کے منہ کس کر باندھ دیئے۔

اس سے پہلے کہ دوسرے خیموں تک خبر پہنچتی۔ تیمور اور اس کے ساتھی جودت گولتو اور اس کے بیٹوں کو لیے خیموں سے دور آ گئے۔ تیمور جانتا تھا کہ اگر وہ اہل قبیلہ کے نرغے میں آ گئے تو یقیناً مارے جائیں گے۔ اسی لیے وہ جلد از جلد خیمہ گاہ سے دور ہٹ جانا چاہتا تھا۔ جب وہ کافی دور نکل آئے تو تیمور نے ٹھہرنے کا حکم دیا اور جودت گولتو کے منہ پر بندھا کپڑا کھولتے ہوئے اپنا تعارف کروایا۔

جودت گولتو کی عمر ساٹھ سال کے لگ بھگ تھی اور وہ خاصا صحت مند تھا۔ وہ ساری بات سمجھ چکا تھا۔ اسی لیے تیمور سے پوچھنے لگا: ''تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟۔''

''چھ ہزار بھیڑیں اور تین چرواہوں کا خون بہا۔'' تیمور نے مختصر الفاظ میں جواب دیا۔

جودت گولتو نے انجان بننے کی کوشش کی۔ اس پر تیمور نے اسے تحکمانہ لہجے میں مخاطب کرتے ہوئے کہا: ''دیکھ جودت گولتو، میں جانتا ہوں کہ تُو اپنے قبیلے کا سردار ہے اور یہ ناممکن ہے کہ تیری مرضی اور رضامندی کے خلاف تیرے قبیلے کے لوگ سمرقند سے چھ ہزار بھیڑیں چُرا لائیں اور تین انسانوں کو قتل بھی کر دیں۔ لہٰذا تیری بہتری اسی میں ہے کہ تو میرا مطالبہ مان لے۔ ورنہ اگر تُو میری بات نہ مانی تو میں تیرے سامنے پہلے تیرے بیٹوں کو موت کے گھاٹ اُتاروں گا اور پھر تجھے بھی قتل کر دوں گا۔''

جودت گولتو نے دھمکی نظر انداز کر دی اور تیمور کے ساتھیوں کو بغور دیکھتے ہوئے کہنے لگا: ''آیا تو جانتا ہے کہ میرے قبیلے میں کتنے جنگجو موجود ہیں؟۔''

''نہیں......'' تیمور نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

''پانچ ہزار۔'' اس نے پانچ ہزار پر خاص زور دیتے ہوئے کہا۔ ''اگر تُو مجھے یا میرے بیٹوں کو کسی قسم کا نقصان پہنچائے گا تو وہ تجھے اور تیرے امیر کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔''

''تیرے جنگجوؤں کی تعداد پانچ ہزار تو کیا پانچ لاکھ بھی ہو تو میں تجھے اور تیرے بیٹوں کو ضرور قتل کردوں گا۔ ماسوائے اس کے کہ تُو بھیڑیں واپس کرے اور خون بہا ادا کرے۔'' تیمور نے پُرعزم لہجے میں کہا۔

اپنی بات کو سچ ثابت کرنے کے لیے اس نے حکم دیا کہ جودت کے بڑے بیٹے کی گردن پر رسی لپیٹ کر دونوں طرف سے کھینچی جائے۔ تیمور کے سپاہیوں نے ایسا ہی کیا اور پھر اس وقت جب کہ جودت کا بیٹا کسی ذبح شدہ پرندے کی طرح پھڑپھڑا رہا تھا۔ جودت گولتو چیخ اُٹھا۔

''ٹھہرو، دیتا ہوں.....رُک جاؤ......''

تیمور نے اشارہ کر کے اپنے سپاہیوں کو رُکنے کا حکم دیا اور کہا کہ وہ لڑکے کی گردن سے رسی کھول دیں۔ لیکن جب رسی کھولی گئی تو بہت دیر ہو چکی تھی۔ جودت کا بیٹا اسی لمحے زمین پر گرا اور دم توڑ دیا۔ غالباً اس کا دم گھٹ گیا تھا۔

جودت گولتو نے اپنے بیٹے کا انجام دیکھا تو بے اختیار دونوں گھٹنوں پر بیٹھ کر سر پیٹنے لگا۔ پھر چہرہ چھپا کر زار زار رونے لگا۔ تیمور نے اپنی تلوار میان سے نکالے بغیر اسے دو تین مرتبہ ٹھوکا دیا اور کہا ''اے زن صفت انسان، اگر تُو اتنا ہی کمزور دل ہے کہ عورتوں کی طرح آنسو بہا رہا ہے تو تُو نے پہلے کیونکر چوری کرنے اور قتل ناحق کی جسارت کی۔ اب تو سُن لے کہ اگر تُو نے اب بھی میری بات نہ مانی تو میں ابھی تیرے دوسرے بیٹے کا بھی وہی حال کروں گا جو پہلے کا کیا ہے۔ لہٰذا اگر تُو اسے زندہ دیکھنا چاہتا ہے تو بھیڑیں واپس کر اور تین انسانوں کے قتل کا خون بہا بھی ادا کردے۔''

جودت گولتو نے چہرے پر سے ہاتھ اٹھائے اور آنسو بہاتا ہوا بولا ''خون بہا کتنا ہوگا؟''

اس پر تیمور نے شرعی حوالہ دیتے ہوئے کہا ''قرآن کہتا ہے، اگر کسی کو غلطی سے قتل کردیا جائے تو قاتل کو خون بہا کے طور پر ایک سو اونٹ دینے ہوں گے، لیکن تیرے سپاہیوں نے جان بوجھ کر تین چرواہوں کو قتل کیا ہے، لہٰذا ہر ایک خون کی قیمت تین سو اونٹ ہوگی۔''

''تیرا مطلب ہے کہ کل نو سو اونٹ۔'' جودت گولتو کی آواز جیسے گلے میں ہی دب گئی۔ وہ بڑی مشکل سے بول پایا۔ ''میرے پاس اتنے سارے اونٹ کہاں سے آئے۔''

''اگر تیرے پاس اونٹ نہیں ہیں تو گھوڑے دے دے، میں نے سنا ہے کہ تیرے یہاں بہت سارے گھوڑے ہیں''۔ اس بات پر جودت گولتو منت سماجت اور آہ زاری کرنے لگا، اس نے تیمور سے کہا کہ ''بخدا گھوڑے بھی میرے نہیں بلکہ قبیلے والوں کے ہیں۔''

''کوئی بات نہیں۔'' تیمور نے لاپرواہی سے جواب دیا۔ ''اپنے قبیلے والوں سے کہہ کہ گھوڑے بھیج کر تیری جان بچالیں، ورنہ میں تم دونوں کو قتل کر ڈالوں گا۔''

آخر کار جودت گولتو رضامند ہوگا۔ اس نے وہاں سے گزرنے والے ایک شخص کو قبیلے کے بزرگوں کے پاس بھیجا اور پیغام دیا کہ وہ چوری

شدہ بھیڑیں واپس کر دیں اور خون بہا کے طور پر نو سو گھوڑے بھی بھیج دیں، وگرنہ میں اور میرا بیٹا زندہ نہ بچ سکیں گے۔ جودت نے بڑے بیٹے کی لاش بطور ثبوت اہلِ قبیلہ کے پاس بھیج دی۔

قبیلے والوں نے یہ سارا ماجرا دیکھ کر بھیڑیں اور مطلوبہ گھوڑے تیمور کے حوالے کر دیئے مگر اس نے پھر بھی جودت گولتو اور اس کے بیٹے کو رہا نہیں کیا بلکہ اپنے ایک سو سپاہیوں کو یہ ذمہ داری سونپی کہ وہ بھیڑیں اور گھوڑے لے کر سمرقند پہنچیں اور خود بقیہ ایک سو سپاہیوں کے ساتھ وہیں ٹھہر گیا۔ جودت گولتو اور اس کا بیٹا اس وقت تک یرغمال بنے رہے جب تک کہ سمرقند سے بھیڑیں اور گھوڑے بحفاظت پہنچنے کی خبر نہ آ گئی۔ پھر تیمور نے ان دونوں کو آزاد کر دیا اور خود باقی سپاہیوں کے ساتھ تیزی سے سمرقند کی جانب روانہ ہو گیا۔

اس سے پہلے کہ تیمور اور اس کے سپاہی قبیلہ ختائی کی حدود سے آگے بڑھتے تیمور کی نظر ایک نوجوان لڑکی پر پڑی، جو اپنے خیمہ سے باہر کھڑی ان کے گزرنے کا تماشہ دیکھ رہی تھی۔ اس لڑکی کو دیکھ کر اچانک تیمور کی حالت دگرگوں ہو گئی۔ اور اسے اپنے اندر ایک عجیب سی تبدیلی محسوس ہونے لگی۔ تیمور کا دل جو بڑے سے بڑے حادثوں اور خطرناک مرحلوں پر بھی نہ لرزتا تھا، اچانک زور زور سے دھڑکنے لگا۔

تیمور جب خیمے کے سامنے سے گزرا اور پلٹ کر دیکھا تو اس نے محسوس کیا کہ لڑکی کی نگاہیں صرف اسی پر جمی ہوئی ہیں۔ ان نگاہوں میں نہ جانے کیسی کشش تھی کہ تیمور چاہ کر بھی اس لڑکی کے چہرے سے نظریں نہ ہٹا سکا۔ وہ جب بھی پلٹ کر دیکھتا تو لڑکی کی نگاہوں کو اپنے تعاقب میں پاتا۔ جب وہ لڑکی نظروں سے اوجھل ہو گئی، تب بھی تیمور کو ایسا لگا کہ جیسے اس کی تصویر ذہن سے محو نہیں ہو رہی اور بہت کوشش کے باوجود وہ اس لڑکی کی موہنی صورت کو بھول نہیں پا رہا۔ تیمور کی روح ایک عجیب لذت سے سرشار ہونے لگی، جس کا تجربہ اسے اس سے پہلے ہرگز نہیں تھا۔ اس کا عجب حال تھا، راہ چلتے، اسے ہر چوکھٹ پر وہی لڑکی کھڑی نظر آتی...... پھر اچانک اس پر ایک دوسری کیفیت نے غلبہ پا لیا۔ اسے شدید ندامت کا احساس ہونے لگا۔ اسے اپنے آپ سے نفرت ہونے لگی، کیونکہ اس کے اندر یہ خیال جاگزین ہو گیا تھا کہ ایک کمزور سی لڑکی نے اس پر غلبہ پا کر اس کی یہ حالت کر دی تھی۔ اسے یوں محسوس ہوا کہ اس کی ساری بہادری اور طاقت ایک نازک اندام لڑکی کی نگاہوں سے نکلنے والی شعاعوں کے ذریعے پگھل کر بہہ گئی ہے۔ تیمور جھنجلا کر کبھی گھوڑے کو ایڑ لگاتا اور کبھی کھینچ لیتا، اس کی فوج کے سپاہی حیران تھے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ تیمور ان کی آنکھوں کی تاب نہ لا کر اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا رہا تھا اور اس کے اندر یہ خیال جاگزین ہونے لگا تھا کہ تلوار نیام سے نکال کر خود اپنے پیٹ میں گھونپ لے۔

وہ ساری زندگی اپنے ضمیر اور مردانہ غرور کے سامنے اتنا نادم نہیں ہوا تھا۔ بہرحال اسی صورتِ حال میں وہ لوگ سمرقند واپس پہنچ گئے۔ تیمور نے امیر یاخمان کو اپنی کارگزاری کی رپورٹ پیش کی اور بھیڑیں اور گھوڑے اس کے حوالے کر دیئے۔ امیر یاخمان اس کارنامے پر حیرت میں غرق ہو گیا اور کہنے لگا:

''تیمور تُو نے جو کارنامہ اکیلے انجام دیا ہے، بہت سے بہادر مل کر بھی ایسا کام نہیں کر سکتے تھے۔'' پھر اس نے خوش ہو کر سو گھوڑے تیمور کو بطور انعام دے دیئے۔

اگرچہ یہ کارنامہ تیمور کے لیے بہت اہم تھا مگر وہ اندر ہی اندر بے حد شرمسار اور غمگین تھا، اس کی ساری خوشیاں اس ایک لڑکی نے چھین لی تھیں،

جو کسی ساحرہ کی طرح اس کے حواس پر چھا گئی تھی۔ وہ خود سے اُلجھتا رہا مگر بہت کوشش کے باوجود بھی لڑکی کا تصور ذہن سے نہ نکال سکا۔ آخر کار اس نے اہل خانہ سے ملاقات کے بہانے امیر یاخمان سے چھٹی کی درخواست کی اور سوچا کہ اس مسئلہ کا حل اپنے استاد عبداللہ قطب سے دریافت کرے گا۔

امیر یاخمان نے تیمور کی درخواست بخوشی منظور کر لی اور وہ کیش پہنچ کر سیدھا اپنے استاد عبداللہ قطب کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔

عبداللہ قطب اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے، ''ماشاء اللہ دیکھتا ہوں کہ اب میرا شاگرد ایک گبھرو مرد میں تبدیل ہو چکا ہے۔''

مگر تیمور نے افسردہ چہرے کے ساتھ کہا: ''استاد محترم یہ گبھرو مرد ایک ناکارہ انسان ہے اور کسی بچے کے برابر بھی طاقت نہیں رکھتا۔ میں آپ کو یہ بتانے آیا تھا کہ میں اپنے ضمیر کے ہاتھوں نادم ہو کر خودکشی کرنے کا سوچ رہا ہوں۔''

عبداللہ قطب حیران ہوئے اور تیمور سے اصل واقعہ دریافت کیا۔ تیمور نے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ جس پر عبداللہ قطب کچھ دیر مسکراتے رہے اور پھر نصیحت کے انداز میں کہنے لگے۔

''بیٹے! تم اپنے اندر یہ جو تبدیلی محسوس کر رہے ہو، دراصل یہ وہ کیفیت ہے جو اللہ تعالیٰ ہر جوان لڑکے اور لڑکی کے اندر ایک خاص مقصد کے تحت پیدا کرتا ہے، تاکہ وہ ازدواجی بندھن میں بندھنے کے لیے آمادہ ہو جائیں اور نسل انسانی کو آگے بڑھائیں۔ اگر یہ کیفیت پیدا نہ ہو تو کوئی مرد کسی عورت میں دلچسپی نہ لے اور کوئی عورت بھی کسی مرد کو آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھے، اس طرح قدرت کا نظام معطل ہو کر رہ جائے گا اور نسل انسانی میں اضافہ ممکن نہ ہو سکے گا۔ لہٰذا اے تیمور، تجھے خود سے نادم نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ تیری عمر کو پہنچنے والا ہر انسان اسی ہی کیفیت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ دراصل تیری حالت اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ تیری شادی کا وقت قریب آ پہنچا ہے۔ لہٰذا تو اپنے والد سے بات کر کہ وہ تیرے لیے اس لڑکی کا ہاتھ مانگ لیں۔''

تیمور نے شرم سے سر جھکا کر کہا، ''یہ بات میں اپنے والد سے نہیں کہہ سکتا مجھے شرم آتی ہے۔''

''تو پھر میں تیرے والد سے اس بارے میں بات کرتا ہوں اور ان سے کہتا ہوں کہ وہ اس لڑکی کو تیری دلہن بنانے کا بندوبست کریں۔''

اس کے بعد عبداللہ قطب نے واقعی تیمور کے والد کو اس کام کے لیے رضامند کیا اور وہ موہنی صورت لڑکی جس نے تیمور کی حالت دگرگوں کر دی تھی اور خیمے کی اوٹ سے آنکھوں کے ذریعے اس کے دل پر قابض ہو چکی تھی۔ نکاح کے ذریعے اس کے گھر میں آ گئی۔

شادی کے بعد تیمور کی بے چینی اور اضطراب کا خاتمہ ہو گیا اور وہ آسودہ خاطر ہو کر اپنے فرائض منصبی دوبارہ سنبھالنے کے لیے تیار ہو گیا۔

چوتھا باب

امیر یاخمان کی موت اور ارسلان سے ٹکراؤ

سن 756 ہجری میں تیمور کی عمر بیس برس ہو چکی تھی۔ اب وہ خود کو اتنا جری اور باقوت محسوس کرنے لگا کہ اپنے سے زیادہ قوی جثہ اور آزمودہ کار پہلوانوں کو شکست دے سکتا تھا۔ اس کے پنجے اس قدر فولادی اور قوی ہو چکے تھے کہ دور و نزدیک کسی کو اس سے پنجہ لڑانے کی ہمت بھی نہیں ہوتی تھی۔ امیر یاخمان کے سارے سپاہی اور منصب دار بھی تیمور سے ڈرتے اور اس کی ایسے اطاعت کرتے کہ اس طرح امیر یاخمان کی اطاعت بھی نہ کرتے تھے۔

تیمور نے فوج کے سپاہیوں کو مشقیں کرانے کا خصوصی انتظام کر رکھا تھا، تاہم جمعہ کے روز انہیں چھٹی دے دیا کرتا تا کہ وہ سب جمعہ کی نماز باجماعت ادا کر سکیں۔

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے، امیر یاخمان کا ایک بھتیجا بھی تھا۔ جس سے امیر ہمیشہ خوفزدہ رہتا تھا، اسے ڈر رہتا تھا کہ کہیں اس کا بھتیجا اسے قتل نہ کر دے۔ تیمور حیران تھا کہ آخر امیر یاخمان کو یہ خوف کیوں لاحق تھا، مگر بعد میں اسے اس کی اصل وجہ معلوم ہو گئی۔ قصہ کچھ یوں تھا کہ امیر یاخماق نے اپنے بھائی کے مرنے کے بعد اس کی ساری جائیداد پر قبضہ کر لیا اور اپنے بھتیجے کے لیے کچھ نہ چھوڑا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کا بھتیجا جس کا نام ارسلان تھا، اپنے چچا کا سخت مخالف تھا۔ اس کے سینے میں اپنے چچا کے لیے نفرت، حسد اور انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی۔

تیمور کو خبر ملی تھی کہ ارسلان اس کے خلاف اپنے چچا کے کان بھرتا رہتا ہے اور اسے کہتا رہتا کہ وہ تیمور کو ملازمت سے فارغ کر دے۔ ارسلان کے مطابق تیمور کا اثر و رسوخ فوج میں اس قدر بڑھ چکا تھا کہ وہ کسی بھی وقت امیر یاخمان کا تختہ الٹ سکتا تھا۔ دراصل وہ تیمور سے حسد کرنے لگا تھا اور اس کی سپہ سالاری کی صلاحیتوں سے خوفزدہ تھا۔ تاہم ارسلان کے بھڑکانے کے باوجود امیر یاخمان نے تیمور کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی بلکہ اس پر پورا بھروسہ کرتا رہا اور فوج کی کمان اسے سونپے رکھی۔ اب ارسلان کو تیمور سے اور زیادہ نفرت ہونے لگی، جب کبھی ان دونوں کا آمنا سامنا ہوتا تو ارسلان حقارت بھری نظروں سے تیمور کو دیکھتا اور کترا کر نکل جاتا...... حقیقت میں وہ اسے راستے سے ہٹانے کی تدبیریں سوچ رہا تھا۔

خدا کی کرنی یہ ہوئی کہ 756 ہجری ربیع الاول کے مہینے میں (بمطابق مارچ 1355ء) امیر یاخمان کا انتقال ہو گیا۔ وہ کافی عرصہ سے ذیابیطس کے مرض میں مبتلا تھا۔ ابھی امیر یاخمان کو سپرد خاک نہیں کیا گیا تھا کہ ارسلان نے جو امیر کے بعد اس کا واحد وارث تھا، بھرے مجمعے میں تیمور کو

مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''اے تیمور ترقائی! میں امیر کی حیثیت سے پہلا حکم جاری کرتے ہوئے آج سے تجھے اپنی فوج کی سپہ سالاری سے معزول کرتا ہوں۔ آج کے بعد میری فوج میں تیرے لیے کوئی جگہ نہیں۔''

تیمور کو ارسلان کی اس حرکت سے سخت رنج پہنچا۔ اگر وہ اسے تنہائی میں بلا کر معزول کرنے کا حکم سناتا تو شاید اسے کوئی اعتراض نہ ہوتا، کیونکہ چچا کی موت کے بعد وہ حقیقتاً امارت کے منصب کا واحد حق دار تھا اور اسے یہ اختیار حاصل تھا کہ وہ فوج کی سپہ سالاری جسے چاہے سونپ دے۔ لیکن اس نے ایک فاش غلطی کرتے ہوئے تیمور کو اس کے ماتحتوں کے سامنے حقیر ثابت کرنے کی کوشش کی تھی جو اسے بے حد گراں گزری اور وہ بے قابو ہو کر چیخ اُٹھا:

''ارسلان...... بے شک تُو بڑے عہدے کو پہنچ گیا مگر حقیقت میں تیرے پاس اس بڑے عہدے کے آداب سرے سے نہیں۔''

تیمور کی یہ بات سُن کر ارسلان بھی غیض و غضب میں کھول اُٹھا، وہ پیچ و تاب کھاتے ہوئے غصے سے چیخا:

''میں ارسلان نہیں، امیر ارسلان ہوں۔ تجھے تمیز سے بات کرنی چاہیے اے بے ادب۔''

تیمور نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہوئے کہا: ''بے ادب میں نہیں، تُو ہے۔ کیونکہ اگر تُو امیر ہوتا تو تجھے امیر کے منصب کے آداب سے بھی واقف ہونا چاہیے تھا اور تجھے اتنی عقل تو ضرور ہونی چاہیے تھی کہ ایک عہدیدار کو اس کے ماتحتوں کے سامنے ذلیل نہیں کرنا چاہیے۔''

ارسلان نے تیمور کے جواب کی پرواہ کیے بغیر وہاں موجود فوجی افسروں کو حکم دیا:

''اس گستاخ، بے ادب چھوکرے کو دھکے دے کر باہر نکال دو۔''

تیمور جو اس وقت صرف بیس برس کا جوان تھا، یہ توہین آمیز جملے سن کر غصے سے بے قابو ہو گیا اور بے اختیار تلوار سونت کر ارسلان کی طرف جھپٹ پڑا۔ وہاں موجود بعض فوجی افسروں نے ارسلان کی حمایت میں اپنی تلواریں برآمد کر لیں اور تیمور کے راستے میں دیوار بن کر کھڑے ہو گئے۔

وہ نہیں جانتے تھے کہ تیمور کس قدر نڈر اور بہادر ہے اور اسے تلوار چلانے میں کس قدر مہارت حاصل ہے، اگر وہ اس بات سے باخبر ہوتے تو ہرگز تیمور کے سامنے کھڑے ہونے اور اپنی جانوں کو خطرے میں ڈالنے کی حماقت نہ کرتے۔

تیمور کی تلوار کے پہلے ہی وار نے ایک افسر کے دائیں ہاتھ کو اس کے بدن سے الگ کر دیا، تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور وہ درد کی شدت سے دوہرا ہو کر زمین پر گر گیا۔ تیمور نے اسی لمحے انتہائی چابکدستی سے جھک کر زمین پر پڑی تلوار بائیں ہاتھ سے اُٹھا لی۔ اب اس کے دونوں ہاتھوں میں تلواریں تھیں اور وہ کسی ناگہانی بلا کے صورت اختیار کر گیا تھا۔ تیمور نے اپنی گرجدار آواز میں ارسلان کو للکارا کہ ''اے ارسلان اگر تُو واقعی امیر ہے تو پھر اپنی جگہ پر ٹھہرا رہ اور میرا مقابلہ کر۔'' اگرچہ اس وقت تیمور اور ارسلان کے درمیان بہت سے فوجی افسر تلواروں کے ساتھ مقابلہ کر رہے تھے مگر تیمور نے دیکھا کہ ارسلان کے چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگی تھیں۔

کچھ ہی لمحوں میں تیمور اور ارسلان کے درمیان تلوار چلانے والے فوجی افسر ایک ایک کر کے ڈھیر ہونے لگے اور تیمور دونوں ہاتھوں سے

تلوار چلاتا ہوا ارسلان تک جا پہنچا۔ ارسلان نے جب تیمور کی دونوں تلواروں سے خون ٹپکتا دیکھا اور اس کے کپڑوں کو اپنے فوجی افسروں کے خون سے رنگین پایا تو وہ بے حد خوفزدہ ہو گیا اور عقبی دروازے کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔

تیمور نے اس کا تعاقب نہیں کیا بلکہ جان بوجھ کر اسے بھاگنے دیا۔ پھر اس نے وہاں موجود سپاہیوں کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا، ''بتاؤ ہم دونوں میں سے اصل امیر کون ہے؟ میں جو یہاں تمہارے درمیان موجود ہوں یا وہ جو چوہے کی طرح دُم دبا کر بھاگ رہا ہے۔''

پھر اس نے سپاہیوں اور افسروں کو مخاطب کر کے کہا، ''اگر تم لوگ بہادری اور مردانگی کی قدر و قیمت پہچانتے ہو تو ایسے بزدل اور بھگوڑے شخص کی حکمرانی قبول نہ کرو، بلکہ ماضی کی طرح میرے ماتحت رہ کر کام کرو، میں تم سب کو نہ صرف باقاعدہ تنخواہیں دوں گا، بلکہ تمام سہولیات بھی فراہم کروں گا۔''

اس وقت گیارہ فوجی افسر زمین پر اوندھے گرے پڑے تھے، جن میں سے چار اپنی جانیں گنوا چکے تھے اور سات شدید زخمی تھے۔ زخمی افسروں نے فوراً کہا، ''اے تیمور ہم تیری سپہ سالاری قبول کرتے ہیں اور آئندہ تیری اطاعت کریں گے، بشرطیکہ تُو ہمارے لیے مناسب وظیفہ مقرر کر دے۔''

چنانچہ اس دن کے بعد امیر یاخمان کی فوج تیمور کے ہاتھ میں آ گئی اور اس کی ساری جائیداد پر بھی اس کا قبضہ ہو گیا۔ ارسلان خوف کے باعث تیمور کے سامنے آنے کی ہمت نہ کر سکا لیکن تیمور نے امیر کے عہدے کے آداب بجالاتے ہوئے امیر یاخمان کی آدھی جائیداد ارسلان کو بخش دی تاکہ وہ باقی زندگی آرام سے گزار سکے۔ اس کے بعد بھی تیمور نے ارسلان کو جان و مال کے حوالے سے کوئی گزند نہ پہنچائی۔

کچھ عرصہ بعد تیمور کو ایک خط موصول ہوا، یہ خط ارسلان کا تحریر کردہ تھا، جس میں اس نے لکھا تھا کہ ''میں ایک گنہگار ہوں...... خدا بھی گناہگاروں کی توبہ قبول کر لیتا ہے، لہٰذا اے تیمور! تُو بھی میری توبہ قبول کر لے۔''

تیمور نے اسے جواباً لکھا کہ ''میں تیری توبہ قبول کرتا ہوں اور اگر تُو مجھے یہ خط نہ بھی لکھتا تو بھی میری طرف سے تجھے کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں پہنچتا تھا۔ مگر میں اس دن کے تیرے ذلت آمیز جملوں کو کبھی نہیں بھول سکتا جو تُو نے میرے ماتحتوں کے سامنے مجھے کہے تھے۔''

تیمور کے بقول وہ مذہب کا پابند تھا، نماز قضا نہ کرتا اور شراب کو چھوتا تک نہیں تھا۔ علمائے دین کو احترام اور عزت و تکریم کی جگہ دیتا اور ان سے اہم معاملات میں مشورے کیا کرتا تھا۔ اگرچہ کچھ علماء کو اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ تیمور حافظ قرآن ہونے کے ساتھ ساتھ آیات قرآنی کی شان نزول سے بھی واقفیت رکھتا تھا۔

وہ اپنے ساتھ سفر میں خاص طور پر تیار کرائی لکڑی کی ایک مسجد رکھتا تھا، جسے با آسانی جوڑا یا کھول کر کسی دوسری جگہ منتقل کیا جا سکتا تھا۔

سن 757 ہجری (بمطابق 1356ء) میں جب تیمور کی عمر اکیس برس تھی، وہ موسمِ خزاں میں اپنے چند ساتھیوں کو لے کر شکار کی غرض سے نکلا۔ اس کے کچھ ساتھی صحرائی جانوروں کو سمرقند کے شمال کی طرف ہنکانے لگے اور خود تیمور باقی ساتھیوں کے ساتھ اس جگہ بیٹھ گیا جہاں سے ہنکائے ہوئے جانوروں کو بہرحال گزرنا تھا۔

جس علاقے میں وہ لوگ شکار کر رہے تھے، وہاں ایک قبیلے ''کرولتائی'' کا بسیرا تھا۔ جب وہ لوگ شکار کر رہے تھے تو قبیلے والوں نے ان کا

راستہ روک لیا اور ان سے کہا کہ تم لوگوں کو اس علاقے میں شکار کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔ تیمور نے وجہ دریافت کی تو قبیلے والے کہنے لگے کہ چونکہ یہ علاقہ ہمارا ہے اس لیے کسی اور کو یہاں آنے اور یہاں شکار کھیلنے کا حق نہیں ہے۔

تیمور نے غور کیا، مگر اسے اس جگہ کسی کی ملکیت کے کوئی آثار نظر نہیں آئے۔ چنانچہ اس نے قبیلے والوں سے کہا کہ یہاں تمہاری ملکیتی زمین کے کوئی ثبوت نہیں ہیں۔ اگر تم لوگ یہاں کھیتی باڑی کرتے ہو یا گھر بار بناتے ہو تو اس کا ثبوت پیش کرو، لیکن میں دیکھتا ہوں کہ یہ زمین ایک بیابان ہے، جس کا کوئی مالک نہیں ہے اور جس کا کوئی مالک نہ ہو اس زمین پر ہر کسی کا حق بنتا ہے۔

مگر قبیلے والے بضد رہے کہ یہ ان کی جگہ ہے اور یہاں شکار کرنے والوں کو وہ قتل کر دیں گے یا پھر اسے جرمانہ ادا کرنا ہو گا۔

اس وقت شکار گاہ میں تیمور کے ساتھ صرف چھ آدمی تھے جبکہ قبیلے والوں کی تعداد پچاس سے زیادہ تھی۔ اگرچہ تیمور کے سپاہی اس علاقے میں موجود تھے مگر وہ ان سے دُور تھے اور بروقت ان تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔

تیمور کے ساتھی اچھی طرح جانتے تھے کہ ان کا سپہ سالار کتنا بہادر اور جری ہے اور اگر ضرورت پڑی تو تلوار چلانے سے گریز نہیں کرے گا۔ تاہم تیمور کوشش کر رہا تھا کہ بات چیت جھگڑے کی صورت اختیار نہ کرے۔ لہٰذا کچھ سوچ کر اس نے کہا کہ ہم نے جو جانور شکار کیے ہیں وہ تمہارے حوالے کر دیتے ہیں، لہٰذا تم ناراض نہ ہو۔ مگر قبیلے والوں نے تیمور کی اس پیشکش کو حقارت سے ٹھکرا دیا اور بولے تمہیں جرمانہ ادا کرنا ہو گا اور وہ بھی ایک ہزار سونے کے سکے۔ تیمور نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ شکار کرکے آئے ہیں، انہیں سکے کیسے دے سکتے ہیں۔ اس پر قبیلے والے مزید جری ہو کر بولے، ''تو پھر ہم تم لوگوں کو گرفتار کر کے اپنے قبیلے میں لے چلتے ہیں تاکہ تم کسی کو بھیج کر سونے کے سکے منگوا لو ورنہ جان گنوانے کے لیے تیار ہو جاؤ۔''

بات نہ چاہتے ہوئے بھی بگڑ گئی تھی۔ تیمور نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا کہ لڑائی کے لیے تیار ہو جاؤ۔ تیمور اور اس کے ساتھی گھوڑوں سے اُتر چکے تھے، تاہم ان کے پاس شکار کے آلات تھے جو کہ لڑائی میں کام آ سکتے تھے۔ تیمور نے اپنے ساتھیوں کو ہوشیار کرتے ہی فوراً جست لگائی اور گھوڑے پر سوار ہو گیا پھر اس نے چند تیر دانتوں میں دبا کر کمان ہاتھ میں تھام لی۔ اس کے ساتھی اس کے جیسے چالاک اور زیرک نہیں تھے۔ قبیلے والوں نے انہیں گھوڑوں پر سوار ہونے سے روکنا چاہا، اسی دوران تیمور نے پہلا تیر چلا دیا جو آن واحد میں ایک قبائلی کی پیٹھ میں اُتر گیا۔ اگلے ہی لمحہ ایک دوسرا تیر ان کے ایک اور ساتھی کی گردن میں پیوست ہو گیا۔ قبیلے والوں نے جب یہ حال دیکھا تو تیمور کے ساتھیوں کو چھوڑ کر اس کی طرف جھپٹ پڑے۔

مگر اس سے پہلے کہ حملہ آور تیمور تک پہنچ سکتے اس نے مزید چار آدمیوں کو تیروں کا نشانہ بنا ڈالا۔ ان میں سے ایک اوندھے منہ گھوڑے کی پیٹھ پر ہی ڈھیر ہو گیا، جب اس کا گھوڑا تیمور کے پاس پہنچا تو اس نے اپنی کمان ڈال کر اس کی تلوار کھینچ لی، یوں اب اس کے دونوں ہاتھوں میں تلواریں تھیں۔ وہ گھوڑے کی لگام دانتوں میں دبا کر دونوں ہاتھوں سے تلوار چلانے لگا۔

تیمور کو جلد ہی یہ احساس ہو گیا کہ اس کا اور مدمقابل لوگوں کا کوئی مقابلہ نہیں، یہ ایسے ہی تھا جیسے کوئی طاقتور مرد نابالغ بچوں سے تلوار کا کھیل کھیل رہا ہو۔ ان لوگوں میں تیمور جیسی طاقت تھی اور نہ ہی تلوار چلانے کی اس جیسی مہارت۔

جبکہ تیمور دونوں ہاتھوں سے تلوار چلاتے ہوئے قبائلیوں کو گاجر مولیوں کی طرح کاٹ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں خوف کا شائبہ تک نہ تھا اور وہ مد مقابل افراد پر تعداد میں کئی گنا ہونے کے باوجود حاوی تھا۔ اس کے ساتھی بھی کرولتائی قبیلے والوں کو تیروں کا نشانہ بنا رہے تھے۔ وہ دشمن کے قریب آنے سے کترا رہے تھے کیونکہ دو بدو لڑائی کے لیے ان کے پاس ہتھیار کافی نہ تھے۔ تاہم ان کی تیر اندازی تیمور کے لیے بے حد فائدہ مند ثابت ہو رہی تھی۔ دشمن کی تعداد آہستہ آہستہ کم ہو رہی تھی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے قبیلے والوں پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ وہ ایک ایک کر کے فرار ہونے لگے۔

تیمور نے اپنے ساتھیوں کو تعاقب سے منع کیا کیونکہ اس طرح عین ممکن تھا کہ وہ ان کے پورے قبیلے کا سامنا کرنے پر مجبور ہو جاتے جو ان کے لیے فی الحال ممکن نہ تھا۔

قبیلے والوں کے بائیس افراد موقع پر پڑے تھے، جن کے گھوڑے اور سامان تیمور اور اس کے ساتھیوں نے ضبط کر لیا اور سمرقند کی طرف روانہ ہو گئے۔

بہر حال اس واقعہ سے تیمور کو اپنی طاقت کا اندازہ ہوا، اس نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ وہ اکیلا ایک بڑی فوج پر بھاری ہے اور موت کا سامنا کرنے سے نہیں گھبراتا۔ اس نے خود سے کہا ''اے تیمور خدا نے تجھے اتنی طاقت اور ہمت کا مالک بنایا ہے، تو پھر تجھے اتنی چھوٹی سی فوج پر اکتفا کرنے کی بجائے اپنے اقتدار کو مشرق و مغرب تک پھیلا دینا چاہیے۔ چنانچہ جب وہ واپس پہنچا تو اس کو سوچوں کو ایک نیا رخ مل چکا تھا۔

تیمور شکار اور قبیلہ ''کرولتائی'' سے معرکے کے بعد گھر پہنچا تو ایک خوشخبری اس کی منتظر تھی۔ اس کے ہاں بیٹے کی پیدائش ہوئی تھی۔ تیمور نے اپنے پہلے بیٹے کا نام ''جہانگیر'' رکھا جس کے معنی ''جہان کو فتح کرنے والا'' کے ہیں۔

تیمور جانتا تھا کہ اس کے ذہن میں دنیا کو فتح کرنے کی جو سوچیں موجود ہیں وہ محض سوچنے اور دل ہی دل میں خیال بننے سے پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتیں بلکہ ان سوچوں کو حقیقت کا روپ دینے کے لیے ایک بڑی اور طاقتور فوج کی ضرورت ہو گی۔ چنانچہ اس نے فیصلہ کیا کہ اپنی زمین و جائیداد کو فروخت کر کے ایک زبردست فوج تیار کی جائے۔ حالانکہ تیمور کو امیر یا خماق سے جو جائیداد حاصل ہوئی تھی وہ انتہائی بیش قیمت تھی اور جب اس نے انہیں فروخت کرنے کا اعلان کیا تو بہت سے لوگوں کو حیرت ہوئی اور انہوں نے خیال کیا کہ چونکہ یہ جائیداد اور زمینیں اسے با آسانی اور مفت میں مل گئی ہیں اس لیے اسے ان کی صحیح قدر و قیمت کا احساس ہی نہیں ہے۔ مگر یہ لوگ اس حقیقت سے بے خبر تھے کہ تیمور کے ذہن میں کیا منصوبے پرورش پا رہے ہیں اور وہ کیا کرنے والا ہے۔

چنانچہ تیمور نے اپنی جائیداد کو جلد از جلد فروخت کرنے کے لیے اسے 40 ہزار سونے کے سکوں کے عوض فروخت کر دیا۔ اگرچہ یہ سستے داموں بیچی گئی مگر وہ اس قیمت سے اپنے خواب کی تعبیر کی شروعات کر سکتا تھا۔ تیمور نے کسی حیل و حجت کے بغیر فوجیوں کی بھرتی شروع کر دی۔ اس نے صرف ایسے نوجوانوں کو اپنی فوج میں شامل کیا جن کی عمر بیس سے پچیس سال کے درمیان تھی کیونکہ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ جنگی فنون سیکھنے کی یہی بہترین عمر ہوتی ہے اور اس کے بعد یہ فنون سیکھنے کی صلاحیتیں کم ہوتی جاتی ہیں۔

تیمور نے اپنی فوج کے جوانوں کی تربیت انہی خطوط پر کی جن خطوط پر خود اس کی تربیت ہوئی تھی۔ اس نے انہیں مذہبی قوانین کی سختی سے پابندی کروائی، وہ خود بھی مذہبی قوانین کی مکمل پیروی کرتا تھا۔ تیمور نے اپنے ساتھیوں کو نظم وضبط اور قوانین کی پاسداری کرنے کا پابند کیا اور انہیں خبردار کیا کہ اگر ان میں سے کوئی قوانین کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوا تو وہ عام انسان سے زیادہ سخت سزا کا مستحق ہوگا۔

تیمور نے سپاہیوں کی تربیت کا نظام کچھ یوں کیا تھا کہ انہیں دن میں دو بار خوراک کی مفت فراہمی کا بندوبست کرتا، نماز فجر کی ادائیگی کے بعد جسمانی کسرت اور فوجی مشقوں کے لیے ہر سپاہی کو حاضر ہونا پڑتا۔ ان مشقوں میں تیمور خود بھی باقاعدگی سے حصہ لیتا۔ اس کی موجودگی سپاہیوں کی کارکردگی پر بہت مثبت اثرات ڈالتی، کیونکہ وہ زیادہ دلجمعی اور محنت سے مشقوں میں حصہ لیتے۔

ان مشقوں میں ذاتی طور پر حصہ لینے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ تیمور سپاہیوں کے سامنے خود کو قوی اور طاقتور ثابت کرنا چاہتا تھا۔ وہ امیر یاخمان کی فوج میں رہ کر جان چکا تھا کہ سپاہی نالائق اور کاہل سپہ سالار کو تمسخر کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ چنانچہ وہ سپاہیوں کے ساتھ مل کر تیر چلانے، تلوار بازی اور گھڑ سواری کی مشقیں کیا کرتا تا کہ اس کے سپاہی جان لیں کہ وہ صرف نام کا سپہ سالار نہیں بلکہ حقیقی معنوں میں جنگی فنون کا ماہر ہے۔

پانچواں باب

بخارا شہر پر قبضہ

758 ہجری میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا، جو تیمور کی پہلی باقاعدہ جنگی مہم کا سبب بن گیا۔ ہوا یوں کہ تیمور کے چھ سپاہی صحرا سے لوٹ رہے تھے، راستے میں امیر بخارا کے آدمیوں نے انہیں گھیر لیا اور قتل کر کے فرار ہو گئے۔ تیمور نے امیر بخارا کو خط لکھا کہ اس کے چھ سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا ہے، عینی شاہدین کے مطابق انہیں تیرے پچاس آدمیوں نے قتل کیا ہے۔ لہٰذا ان قاتلوں کا امیر ہونے کی حیثیت سے تو ہر سپاہی کے خون کے بدلے تین ہزار مثقال سونا ادا کر اور یا پھر ان قاتلوں کو میرے حوالے کر دے تا کہ میں انہیں قانون کے مطابق سزا دے سکوں۔

امیر بخارا نے جواباً لکھا کہ ''اصلی غلطی تیرے آدمیوں کی تھی، انہوں نے خواہ مخواہ میرے آدمیوں سے اُلجھ کر جانیں گنوا دیں۔''

تیمور نے اس بارے میں مکمل تحقیق کی تو یہ بات سامنے آئی کہ امیر بخارا کے آدمی دروغ گوئی سے کام لے رہے ہیں اور حقیقت چھپا رہے ہیں۔ چنانچہ اس نے امیر بخارا کو دوبارہ خط لکھ کر کہا کہ تیرے آدمی جان بوجھ کر حقیقت چھپا رہے ہیں لہٰذا تو جلد از جلد قاتلوں کو میرے حوالے کر دے یا خون بہا ادا کر۔

امیر بخارا نے تیمور کے دوسرے خط کا جواب ہی نہ دیا۔ تیمور کچھ دن انتظار کرتا رہا لیکن امیر بخارا کی مسلسل خاموشی سے اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور اس نے بخارا پر فوج کشی کا فیصلہ کر لیا۔

سن 758 ہجری شوال کے مہینے میں تیمور اپنی فوج کو لے کر بخارا کی طرف روانہ ہوا۔ اس کی ساری فوج گھوڑوں پر سوار تھی اور ہر سوار کے پاس ایک فالتو گھوڑا بھی تھا۔ دراصل تیمور نے یہ انتظام اس لیے خاص طور پر کیا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ جب تھکے ہوئے گھوڑے کو تبدیل کر لیا جائے تو کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ فاصلہ طے کیا جا سکتا ہے۔

تیمور نے بخارا کے حفاظتی انتظامات کے حوالے سے بھی مکمل تحقیق کی تو اسے پتہ چلا کہ بخارا کے گرد حفاظتی دیوار موجود ہے، جو انتہائی مضبوط ہے، اگر امیر بخارا نے شہر کے دروازے بند کر دیئے تو شہر کو فتح کرنا بے حد مشکل ہو جائے گا۔ تیمور نے اس حوالے سے یہ منصوبہ بندی کی کہ شہر کے قریب رات کے وقت پہنچا جائے تا کہ شہر کی حفاظت پر مامور سپاہی انہیں دُور سے آتا دیکھ کر دروازے بند نہ کر دیں۔ تیمور نے اپنے ساتھیوں کو ایک خاص قسم کی خشک جڑی بوٹی بھی دے رکھی تھی، جس کا نام ''سنبل الطیب'' تھا، یہ بوٹی گھوڑوں کی ناک پر ملنے کے لیے تھی، جس کا فائدہ یہ ہوتا تھا کہ گھوڑوں کی ہنہناہٹ ختم ہو جاتی تھی۔

جب تیمور کی فوج شہر کی دیوار کے قریب پہنچ گئی تو مذکورہ بوٹی کو گھوڑوں کی ناک پر مل دیا گیا۔ تیمور کی حکمت عملی کامیاب رہی اور بخارا کے

لوگ اس کی فوج کی آمد سے قطعی بے خبر رہے۔ تاہم رات ہونے کی وجہ سے شہر کے دروازے بند کر دیئے گئے تھے۔ چنانچہ تیمور نے دروازے توڑ دینے کا حکم دے دیا۔

اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ ایک طرف سے دروازے توڑے جائیں اور دوسری طرف سے کچھ آدمی سیڑھیوں کے ذریعے دیوار پھلانگ کر شہر کے اندر داخل ہو جائیں۔ تیمور کی یہ حکمت عملی بھی بے حد کامیاب رہی۔ دراصل بخارا پر یہ حملہ اس قدر اچانک اور غیر متوقع تھا کہ تیمور کو کسی قسم کی مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ جب اس کی فوجیں شہر میں داخل ہوئیں تو کہرام مچ گیا۔ امیر بخارا کو تیمور کے حملے کی اطلاع ملی تو اس نے اپنے محل کے سارے دروازے بند کروا دیئے۔

بہر حال صبح تک امیر بخارا محل میں چھپا رہا، جب صبح ہوئی اور سورج کی روشنی پھیلی تو وہ اپنے محل کی برجی پر ظاہر ہوا اور تیمور سے کہنے لگا: ''اے تیمور، تُو نے میرے ملک پر کیوں حملہ کیا ہے اور تُو کیا چاہتا ہے؟''

تیمور نے بلند آواز سے امیر بخارا کو جواب دیتے ہوئے کہا، ''تیرے آدمیوں نے میرے سپاہیوں کو قتل کیا اور جب میں نے تجھے خط لکھ کر خون بہا ادا کرنے یا قاتلوں کو حوالہ کرنے کا مطالبہ کیا تو تُو نے قطعاً توجہ نہ دی اور مسلسل خاموش رہ کر مجھے حملے پر مجبور کر دیا۔ اب اگر تُو چاہتا ہے کہ میں تیرے ملک سے نکل جاؤں تو تجھے پانچ لاکھ مثقال سونا ادا کرنا ہوگا۔''

امیر بخارا یہ نیا مطالبہ سُن کر غصے سے پاگل ہو گیا اور اس نے تیمور کا مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا۔

دراصل امیر بخارا نے اپنے محل کے اندر ایک چور راستہ بنا رکھا تھا اور اس کا خیال تھا کہ تیمور کو خبر ہوئے بغیر وہ فرار ہو جائے گا، لیکن یہ اس کی خام خیالی تھی کیونکہ تیمور نے ہر راستہ پر پہرہ بیٹھا رکھا تھا۔ کچھ ہی دیر میں ایک طرف سے شور و غوغا سنائی دیا۔ تیمور کے سپاہی امیر بخارا سمیت کچھ اور معززین کو پکڑ کر لا رہے تھے۔ یہ لوگ خفیہ راستے سے فرار ہو رہے تھے مگر تیمور کے پہرے داروں نے انہیں گرفتار کر کے تیمور کے سامنے پیش کر دیا۔

کچھ دیر پہلے رعونت سے بات کرنے والا امیر بخارا تیمور کے سامنے آتے ہی بھیگی بلی بن کر گڑگڑانے اور رحم کی بھیک مانگنے لگا، اب وہ تیمور کا ہر مطالبہ ماننے کو تیار تھا۔

تیمور نے اب امیر بخارا کی رحم کی اپیل سرے سے مسترد کرتے ہوئے اسے یاد دلایا کہ صبح جب وہ آزاد تھا تو اس نے تیمور کی پیشکش کو کس رعونت سے ٹھکرا دیا تھا لہٰذا اب اسے اپنے انجام کے لیے تیار ہو جانا چاہیے۔

اس کے بعد تیمور نے شہر کے لوگوں کو ایک جگہ جمع کرنے کا حکم دیا اور مرکز میں امیر بخارا کو لا کھڑا کیا۔ پھر اس نے اپنے مخصوص انداز میں تلوار کا اس زور کا وار کیا کہ امیر بخارا کا سر تن سے جُدا ہو کر دُور جا گرا۔ مجمعے پر سکوت مرگ طاری تھا، جیسے ان کی سانسیں اچانک رک گئی ہوں۔ تیمور کو ان سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں تھی، اس کی تلوار سب کہہ چکی تھی۔

تیمور نے امیر بخارا کی ساری جائیداد پر قبضہ کر لیا اور بخارا کی حفاظتی دیوار گرا دینے کا حکم دیا۔ اس کا اصول تھا کہ جب کسی شہر کو فتح کرا تو اس کی حفاظتی دیوار یا فصیل کو مسمار کر دو۔

امیر بخارا سے نپٹنے کے بعد تیمور نے بخارا کا نظم و نسق اپنے ایک افسر کو سونپا اور خود واپس سمرقند روانہ ہو گیا۔

سمرقند واپس آنے کے بعد تیمور کو ایک عجیب خواب نظر آیا جو دراصل اس کی زندگی بھر کے نشیب و فراز کی علامت تھا۔

خواب میں تیمور نے دیکھا کہ ایک سیڑھی ہوا میں معلق ہے اور حیران کن طور پر گر بھی نہیں رہی۔ تیمور اس حیران کن سیڑھی کو دیکھ کر خود سے سوال کر رہا تھا کہ آخر یہ سیڑھی گرتی کیوں نہیں کہ اسی اثناء میں اسے ایک گرجدار آواز سنائی دی:

''اے تیمور، اُٹھ اور اس سیڑھی پر چڑھنا شروع کر دے۔''

تیمور نے ادھر اُدھر دیکھا مگر اسے کوئی نظر نہ آیا۔ اس نے جواب دیا۔ ''یہ سیڑھی ہوا میں معلق ہے اور کسی لمحے بھی نیچے گر سکتی ہے۔''

وہ آواز پھر گونجی ''تیمور، کیا تُو اوپر چڑھنے سے ڈرتا ہے؟''

''میں ہرگز ڈرتا یا خوف محسوس نہیں کرتا، مگر عقل یہی کہتی ہے کہ جان بوجھ کر خود کو مشکل میں نہ پھنساؤں۔''

اب اس آواز نے حکم دیتے ہوئے کہا، ''اے تیمور، میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ اُٹھ اور اس سیڑھی پر سوار ہو جا۔''

تیمور نے اُٹھ کر سیڑھی پر پہلا قدم رکھا اور اسے زور زور سے ہلا جلا کر دیکھا۔ مگر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب سیڑھی نے اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کی۔ اس پر اس کی ہمت بندھی اور وہ تیزی سے اوپر چڑھنے لگا۔ کچھ اوپر جانے کے بعد اچانک اس کا ایک پاؤں شل ہو گیا۔ تیمور کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کا وہ پاؤں بالکل ناکارہ ہو گیا ہو۔ اگرچہ اسے درد کا احساس نہیں تھا، مگر وہ اپنا بایاں پاؤں ہلا بھی نہیں سکتا تھا۔

پاؤں شل ہو جانے کی وجہ سے وہ اپنی جگہ رُک گیا۔ اس پر وہی آواز دوبارہ بلند ہوئی، ''اے تیمور، چل رُک کیوں گیا۔''

تیمور نے کہا، ''میرا بایاں پاؤں شل ہو گیا ہے، اس لیے میں آگے نہیں بڑھ سکتا۔''

آواز دوبارہ سنائی دی، ''ایک پاؤں کا بیکار ہو جانا تیری راہ میں حائل نہیں ہونا چاہیے، لہٰذا تُو آگے بڑھتا رہ۔''

تیمور نے حکم پر عمل کیا تو اسے پتہ چلا کہ اگرچہ اس کا بایاں پیر شل ہو چکا ہے مگر وہ اسے اپنے ساتھ گھسیٹ سکتا ہے۔ لہٰذا وہ سیڑھی پر اوپر چڑھتا رہا۔

کچھ اور اوپر جانے پر اس کا دایاں ہاتھ بھی سست پڑ گیا اور اس ہاتھ کی انگلیاں حرکت کرنے سے معذور ہو گئیں۔ البتہ اس کا بایاں ہاتھ بالکل ٹھیک تھا، لہٰذا وہ سیڑھی کے ڈنڈوں کو تھام کر اوپر چڑھتا رہا۔ آخرکار ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں پہنچ کر سیڑھی ختم ہو گئی اور آگے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔

یہاں وہی آواز پھر سنائی دی جو تیمور سے پوچھ رہی تھی: ''اے تیمور، تُو جانتا ہے کہ یہاں تک پہنچنے میں تُو نے کتنی سیڑھیاں طے کی ہیں۔''

تیمور نے کہا، ''نہیں، میں یہ نہیں جان سکا۔''

وہ آواز پھر سنائی دی، ''یہی بہتر تھا کہ تُو یہ نہ جانتا، کیونکہ تُو نے جتنی سیڑھیاں طے کی ہیں وہ دراصل تیری زندگی کے ایام کی تعداد ہے۔ بہرحال تُو زندگی میں ہمیشہ اوپر ہی جائے گا، لہٰذا ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا کہ جہاں بھی جائے علماء، دانشوروں، شاعروں اور صنعت کاروں کا عزت و احترام کرنا، انہیں رسوا نہ کرنا چاہے وہ تیرے خلاف ہی کیوں نہ ہوں۔''

اس کے بعد تیمور کی آنکھ کھل گئی۔ اگر چہ یہ ایک عجیب خواب تھا مگر اس خواب کے تقریباً پچاس برس بعد جب تیمور نے اپنی آپ بیتی لکھنا شروع کی تو یہ اعتراف کیا کہ یہ خواب بالکل سچا تھا اور اس کی زندگی اس خواب کی ہو بہو تصویر تھی۔

اس نے ان اڑتالیس سالوں میں بے حد ترقی کی اور اوپر ہی اوپر جاتا گیا، بڑے بڑے حکمرانوں کو اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑا۔

اس خواب میں بائیں پاؤں کے بے حس ہو جانے کی تعبیر یہ تھی کہ ایک معرکہ کے دوران تیمور کے بائیں پاؤں پر اس زور کی ضرب لگی کہ وہ اپنی بقیہ زندگی میں لنگڑا کر چلنے پر مجبور ہو گیا۔ اسی لیے اسے "تیمور لنگ" کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔

روس میں ایک جنگی مہم کے دوران اس کا سیدھا ہاتھ بُری طرح زخمی ہوا اور اس کے بعد سیدھے ہاتھ کی انگلیاں بے حس ہو گئیں، یوں اس خواب کی یہ تعبیر بھی سچ نکلی۔ البتہ یہ بات حیران کن تھی کہ سیدھے ہاتھ کی انگلیوں کے بے حس ہو جانے کے باوجود تیمور اس ہاتھ میں تلوار، کلہاڑا یا نیزہ پکڑ کر جنگ میں پوری قوت سے لڑ سکتا تھا۔ کیونکہ اس کا کندھا، بازو اور ہتھیلی کی ہڈیاں بالکل درست حالت میں تھیں۔

تیمور نے خواب میں ملی ہدایات کے عین مطابق ہمیشہ علماء، دانشوروں اور صنعت کاروں کی خوب عزت و تکریم کی۔ بلکہ جیسا کہ پہلے بھی ذکر آیا ہے وہ کچھ علماء دین کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا تھا اور اہم دینی معاملات میں ان سے رہنمائی حاصل کرتا تھا۔

جب تیمور نے شیراز پر فتح حاصل کی تو وہاں مشہور شاعر "حافظ شیرازی" سے اس کا دلچسپ مکالمہ ہوا۔ جب حافظ شیرازی کو تیمور کے سامنے پیش کیا گیا تو تیمور نے اس کے ایک شعر کے حوالے سے تنقید کرتے ہوئے اسے کہا کہ "اے حافظ کیا یہ شعر تیرا ہے:

خدایا محتسب مارا باآواز دف و نے بخش
کہ ساز شرع دین افسانہ بے قانون نخواید شر

جب حافظ شیرازی نے تصدیق کی تو تیمور نے کہا، "اے حافظ، کیا تو نہیں جانتا کہ تیرا یہ شعر دین و مذہب کے بارے میں اہانت آمیز ہے۔"

حافظ شیرازی جو اس وقت بے حد بوڑھے ہو چکے تھے کہنے لگے، "میرا مقصد دین کی توہین ہرگز نہیں تھا بلکہ اس شعر میں "افسانہ" سے میری مراد وہی "دف و نے" ہے اور میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ دف و نے کی آواز اتنی بے وقعت ہے کہ اس سے ارکان دین میں خلل نہیں پڑھتا۔

تیمور کو حافظ شیرازی کی توجیہہ پسند نہ آئی مگر پھر بھی ضبط کرتے ہوئے دریافت کیا، کیا یہ شعر بھی تیرا ہے:

اگر آن ترک شیرازی بدست کی آرد دل مارا
بخال ہندویش بخشم سمرقند و بخارا را

اس شعر کا لفظی مطلب یہ ہے کہ "اگر وہ ترک اے شیرازی ہمارا دل لبھا جائے تو بخشوں اس کے سیاہ تل پر سمرقند و بخارا۔"

حافظ شیرازی نے اس کی بھی تصدیق کی تو تیمور اور تلملا اٹھا اور کہنے لگا، "اے شمس الدین شیرازی تُو نے حد کر دی، میں ہزاروں انسانوں کو قربان اور خون کی ندیاں بہا کر سمرقند و بخارا حاصل کروں اور تو ایک سیاہ تل پر یہ قربان کر دے۔"

اس کے جواب میں حافظ شیرازی نے جو کہا وہ تیمور کو نہال کر گیا۔ انہوں نے اپنی بوسیدہ قمیض کے بٹن کھولے اور اس کے چیتھڑوں کی

طرف اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگے، "اے تیمور، ہماری اسی فیاضی نے تو ہمیں یہ دن دکھائے ہیں۔"

حافظ شیرازی کی یہ حاضر جوابی تیمور کو لاجواب کر گئی۔ اس نے انہیں ایک ہزار سونے کے سکے عطا کیے اور انہیں سمرقند آنے کی دعوت بھی دے دی۔

یہ تیمور کی علماء، شاعروں اور دانشوروں کی تکریم کی ایک مثال تھی جو دراصل اسی خواب کی وجہ سے تھی۔ تیمور اپنے ہر سفر اور مہم میں اس بات کا خاص خیال رکھتا اور جب بھی کسی ملک یا شہر پر غلبہ پاتا تو سب سے پہلے عام منادی کرا دیتا کہ شہر کے علماء، شاعر، دانشور اور صنعت کاروں کو عام معافی ہے۔ وہ اپنے سپاہیوں کو بھی یہ خاص ہدایات دے دیتا کہ ان کے ہاتھ سے کسی اہل علم اور شاعر کو گزند نہ پہنچے۔

اس کے بعد تیمور نے خراسان کے دارالحکومت سبزوار پر قبضہ کا ارادہ کیا اور بالکل اچانک سبزوار پہنچ گیا۔

759 ہجری کو تیمور اور امیر لیک کی فوجوں کا آمنا سامنا ہوا۔ امیر لیک ان پانچ حکمرانوں میں سے ایک تھا جو امیر بخارا کے دوستوں میں سے تھے اور تیمور کے خلاف متحد ہو چکے تھے۔ یہ پانچ حکمران ایک لاکھ کی فوج جمع کر کے سمرقند پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنا رہے تھے۔

امیر لیک کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ ترک سلاطین کی اعلیٰ نسل سے ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ وہ خود کو دوسرے انسانوں سے اعلیٰ و برتر سمجھتا تھا۔ وہ جب بھی کہیں جاتا تو ایک سیاہ پرچم اس کے آگے آگے لہرایا جاتا تھا جس پر گائے کی 9 دُمیں لٹک رہی ہوتی تھیں۔ مگر حقیقت میں یہ خود کو دوسروں سے اعلیٰ سمجھنے والا حکمران اعلیٰ صلاحیتوں سے قطعی نابلد تھا۔ اس نے اپنے شہر کے لوگوں کی حفاظت کے مناسب انتظامات تک نہیں کیے ہوئے تھے۔ چنانچہ تیمور کی فوجیں جب اچانک سبزوار تک پہنچیں تو شہر کے باہر لوگوں کو حصار میں پناہ لینے کی مہلت بھی نہ مل سکی۔

تیمور کی فوج تقریباً 4 ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھی جو سب گھڑسوار تھے اور ان کے پاس حسب معمول فالتو گھوڑے بھی تھے۔ دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ایک چٹیل میدان میں ہوا۔ تیمور نے جنگ شروع ہونے سے پہلے اپنے بہنوئی امیر حسین سے کہا کہ وہ پانچ سو سواروں کو لے کر یہ ظاہر کرے کہ جیسے وہ میدان سے بھاگ رہا ہے، جب امیر لیک کے سپاہی ان کا تعاقب کرتے دُور نکل آئیں تو وہ اچانک پلٹ کر ان پر حملہ کر دے۔

جنگ شروع ہونے پر امیر حسین نے ویسے ہی کیا جیسے تیمور نے ہدایت کی تھی۔ تیمور کا خیال تھا کہ اس کے داماد کے تعاقب میں دو تین سو سے زیادہ دشمن سپاہی نہیں جائیں گے۔ مگر حیرت انگیز طور پر دشمن کے ایک ہزار سے زائد سپاہی میدان جنگ چھوڑ کر امیر حسین کے پیچھے بھاگ کھڑے ہوئے۔ اب تیمور نے اپنے سپاہیوں کو اشارہ کیا کہ وہ دشمن کے گھوڑوں کو ناکارہ بنانا شروع کر دیں۔ اگرچہ یہ کوئی اچھی حرکت نہیں سمجھی جاتی مگر تیمور کی یہ حکمت عملی نہایت کامیاب رہی۔ اس سے دشمن پر زبردست دباؤ پڑا۔ دشمن کے بے شمار سپاہی پیدل جنگ پر مجبور ہو گئے۔ تیمور نے اپنے ایک افسر کو ان پیدل جنگ کرنے والوں پر بھرپور ضرب لگانے کا حکم دیا۔ یہ حملہ اس قدر مہلک ثابت ہوا کہ دشمن کے سپاہی گاجر مولیوں کی طرح کٹنے لگے۔ انہیں سمجھ نہیں آتی تھی کہ اپنا بچاؤ کیسے کریں، وہ وحشت زدہ ہو کر بھاگ رہے تھے اور چیخ و پکار کر رہے تھے۔

تیمور نے اپنی ذہانت اور قابلیت سے امیر لیک کی بڑی فوج کو عبرت کا نشان بنا دیا۔ اس کا داماد دشمن کو ورغلانے کے بعد واپس اپنی فوج سے آملا اور اس کے تعاقب میں آنے والے سب کے سب مارے گئے۔ مگر اس معرکے میں تیمور کا بہنوئی امیر حسین بھی مارا گیا۔ تیمور نے اس کی لاش

کو احترام سے کفن میں لپیٹنے کا حکم دیا تا کہ اسے واپس سمرقند لے جا کر دفنایا جا سکے۔

تیمور کے بہنوئی امیر حسین نے امیر لیک کے فرار کا راستہ بھی روک رکھا تھا۔ ورنہ عین ممکن تھا کہ خود کو دوسروں سے برتر سمجھنے والا وہ خود سرانسان اپنے سپاہیوں کو دشمن کے نرغے میں چھوڑ کر خود فرار ہو جاتا۔

جنگ کے دوران تیمور کی نظر امیر لیک پر پڑی تو وہ خود اس پر حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھا۔ وہ کئی سپاہیوں کے حصار میں تھا۔ تیمور نے ''خفتان'' پہن رکھا تھا جو ایک آہنی خود ہوتا ہے۔ وہ زرہ بکتر پر خفتان کو ترجیح دیتا تھا کیونکہ وہ خود کئی بار دوسروں کی زرہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر چکا تھا مگر خفتان کو توڑنے میں کبھی کامیاب نہ ہو سکا تھا۔ جب تیمور اپنے کچھ سپاہیوں کو لے کر امیر لیک کے نزدیک پہنچا تو اس نے ترکی زبان میں تیمور سے دریافت کیا، ''اے نوجوان، تو کون ہے؟''

تیمور نے جواب دیا ''تیری موت''

امیر لیک کے سپاہی تیمور پر جھپٹے، مگر آن کی آن میں تیمور کی تلوار نے محافظوں کو کاٹ کر رکھ دیا اور وہ امیر لیک کے نزدیک پہنچ گیا۔ تیمور جان گیا کہ اب وہ بہت جلد اس مغرور شخص کو موت کے گھاٹ اُتار دے گا مگر اس کی زرہ بکتر اور آہنی خود اس کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے تھے۔

تیمور دونوں ہاتھوں سے تلوار چلا رہا تھا اور جب وہ ایک ہاتھ سے امیر لیک کی تلوار کا وار روکے ہوئے تھا، اس نے دوسرے ہاتھ سے اس کے پاؤں پر ایسا وار کیا کہ اس کا وہ پاؤں کٹ کر دور جا گرا۔ امیر لیک درد کی شدت سے دوہرا ہو گیا۔ اسی لمحے تیمور نے دوسرے ہاتھ سے وار کر کے اس کے بائیں ہاتھ کو کاٹ دیا۔ اب تو امیر لیک گھوڑے کی پیٹھ پر سے زمین پر آ گرا۔ تیمور نے اس کا سر کاٹ کر نیزے پر چڑھا دینے کا حکم دیا تا کہ امیر لیک کے آدمی جان لیں کہ اب ان کا امیر اس دنیا میں نہیں رہا۔ یہ نسخہ بے حد کارگر رہا اور دشمن کے سپاہی میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔

اس جنگ میں تیمور کے پانچ سو سے زیادہ سپاہی مارے گئے۔ جن میں اس کا بہنوئی امیر حسین بھی شامل تھا، مگر اس نے ایک بہت بڑی فوج کو شکست دے کر نہ صرف اس مغرور حکمران کا خاتمہ کر دیا بلکہ باقی تین حکمران بھی تیمور کے خوف سے اس کے خلاف سازشوں سے باز آ گئے۔

چھٹا باب

تاشقند کی لڑائی

سن 760 تا 770 ہجری (بمطابق 1359ء تا 1369ء) تک تیمور کی زندگی زبردست جنگی مہمات میں گزری۔ گھوڑوں کی ٹاپیں، تلواروں کے ٹکرانے کی جھنکاریں، آہ و پکار، للکاریں، نعرے اور خون کے فوارے اس کے شب و روز کا حصہ بنے رہے۔ مسلسل گیارہ سال تک یہی سلسلہ جاری رہا۔ ان مہمات میں تیمور نے بڑے پیمانے پر علاقے فتح کیے اور خوارزم، ماوراء النہر سمیت ایک وسیع علاقہ تیمور کے زیر نگیں آ گیا۔

انہی گیارہ سالوں کے دوران پیش آئے بڑے معرکوں میں سے ایک تاشقند کی جنگ تھی، جس میں تیمور کا بایاں پاؤں ہمیشہ کے لیے بیکار ہوا اور وہ باقی عمر اس پاؤں کو گھسیٹ کر چلنے پر مجبور ہو گیا۔

تیمور نے تاشقند کو جب پہلی بار فتح کیا تو اپنے ایک بھروسہ مند افسر ''محمد غولوق'' کو وہاں کا نظم و نسق سونپ دیا۔ تاہم غولوق نے بہت جلد بے شمار دولت اور فوج جمع کر لی اور خود سر بن گیا۔ وہ بغاوت پر اُتر آیا اور تیمور کو تاشقند پر دوبارہ قبضہ کے لیے مجبور ہونا پڑا۔

یہ سن 768 ہجری (بمطابق جون 1367ء) کا واقعہ ہے جب تیمور نے اپنی ستر ہزار سپاہیوں کی فوج کے ساتھ تاشقند کا محاصرہ کر لیا۔ تاشقند کے گرد حفاظتی دیوار موجود تھی۔

جنگ سے قبل تیمور نے اہل تاشقند کو پیغام بھجوایا کہ وہ خود ہی غولوق کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں اور اس کے اقتدار کو ماننے سے انکار کر دیں، مگر ان کی طرف سے کوئی خاطر خواہ جواب موصول نہیں ہوا۔

تیمور نے تحقیق کروائی تو پتہ چلا کہ تاشقند زیر زمین سرنگوں کے ذریعے باہر کی دنیا سے منسلک ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے سپاہیوں کو ہدایت کی کہ وہ تاشقند کے حصار کی بنیادوں تک نقب لگائیں۔ جب اس کے نقب لگانے والے شمال اور جنوب کی طرف سے شہر کی فصیل کی بنیادوں تک پہنچ گئے تو تیمور نے اپنے افسروں کو ہدایت کی کہ وہ اگلے دن بھرپور حملے کے لیے سپاہیوں کو تیار کریں۔

اگلی صبح جیسے ہی پو پھٹی تو تیمور نے اپنے سپاہیوں کو بارود کے چار بڑے ڈھیر تیار کر کے تاشقند کی دیوار کے شمالی اور جنوبی حصوں کی بنیادوں تک پہنچا دینے کی ہدایت کی۔ پھر اس نے انہیں حکم دیا کہ بارود کے ان ڈھیروں کے ساتھ فیتے باندھ کر نقب کے بیرونی دھانوں تک لے آئیں۔

جب یہ کام مکمل ہو گیا تو تیمور نے ایک فیتے کو خود اور دوسری طرف سے اپنے ایک افسر شیر بہادر کے ذریعے آگ لگا دی۔

چند ہی لمحوں بعد ایک قیامت خیز دھماکہ ہوا اور دیوار تاشقند زمین بوس ہو گئی۔ اس دھماکے کی آواز اس قدر ہولناک تھی کہ گھوڑے سرپٹ بھاگ کھڑے ہوئے اور کمزور دل سپاہی دل پکڑ کر بیٹھ گئے۔

تیمور اور اس کے سپاہی پیدل ہی شہر میں داخل ہو گئے، تاہم اس نے کچھ سپاہیوں کو شہر کی نگرانی کے لیے باہر ہی موجود رہنے کا حکم دیا تاکہ محمد غولوق اور اس کے فوجی فرار نہ ہو سکیں۔

تیمور کا اصول تھا کہ جب کوئی اس سے بغاوت کرتا یا دھوکا دیتا تو سرِ عام اس کی کھال اُتروا دیتا اور پھر اس شخص کو کھولتے ہوئے تیل میں ڈلوا دیتا۔ یہ بات محمد غولوق کو بھی اچھی طرح معلوم تھی، وہ جانتا تھا کہ اگر وہ زندہ تیمور کے ہاتھ لگ گیا تو اس کا انجام بھی وہی ہوگا۔ چنانچہ وہ اپنے سپاہیوں کے ساتھ بے حد بے جگری سے تیمور کی فوجوں کا مقابلہ کر رہا تھا۔ اس کی اس پائیداری کے پیچھے بہادری اور ہمت سے زیادہ خوف کا ہاتھ تھا۔

تیمور آہنی خود اور زرہ پہنے ہوئے جنگ میں پیش پیش تھا۔ اس کے پیچھے اور دائیں بائیں اس کے سپاہی دشمن کے سپاہیوں سے لڑ رہے تھے۔ اسی اثناء میں تیمور کے بائیں طرف والا سپاہی اچانک لڑائی میں مارا گیا۔ تیمور بھی لڑائی میں مصروف تھا اور دشمن کے سپاہیوں کو دونوں ہاتھوں سے تلوار کا نشانہ بنا رہا تھا۔ لیکن اس سے پہلے کہ کوئی دوسرا سپاہی بائیں طرف سے مرنے والے کی جگہ لیتا، دشمن کے سپاہیوں کا چلایا ہوا ایک تیر آ کر تیمور کے بائیں پاؤں میں پیوست ہو گیا۔

تیمور کو یوں لگا کہ جیسے اس کا پیر کٹ کر الگ ہو گیا ہو۔ اسی لمحے ایک سپاہی نے بائیں طرف والی جگہ سنبھال لی اور تیمور مزید تیروں کے حملے سے بچ گیا۔ جب تیمور کو تیر کا وہ زخم لگا تو اگرچہ تیمور شدید تکلیف میں مبتلا ہوا اور اسے لگا کہ اس کا پیر کٹ کر الگ ہو گیا ہے مگر اس کے باوجود نہ وہ چیخا اور نہ ہی اس نے تکلیف کے باعث آہ و بکا کی۔ اسے اس بات کا خاص خیال رہتا تھا کہ وہ جنگ کے دوران کسی بھی موقع پر اپنے سپاہیوں کے سامنے خود کو کمزور اور ناتواں محسوس نہ ہونے دے۔

چنانچہ تیمور کے سپاہیوں کو یہ خبر ہی نہ ہو سکی کہ وہ شدید زخمی ہو گیا ہے، مگر کچھ دیر بعد ایک سپاہی کی نظر اس کے پیر سے ٹپکتے خون کے قطروں پر پڑی تو اس نے چلا کر کہا، ''اے امیر تُو تو شدید زخمی ہو گیا ہے،'' تیمور نے فوراً اس سے کہا ''تُو چپ رہ، اور اپنا کام کر۔'' تیمور ہرگز نہیں چاہتا تھا کہ اس وقت وہ جنگ کے میدان سے دُور ہو یا اس کے سپاہیوں کی توجہ جنگ سے ہٹ کر اس کی طرف مبذول ہو جائے۔

تیمور نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا تھا کہ محمد غولوق کو زندہ پکڑنے کی ہر ممکن کوشش کریں، مگر چونکہ وہ انتہائی بے جگری سے لڑ رہا تھا لہٰذا لڑائی کے دوران ہی مارا گیا۔ تاہم اس کے تین بے حد قریبی ساتھی جو کبھی تیمور کے قابلِ اعتماد سپاہی تھے اور اب بغاوت کے جرم کے مرتکب ہو چکے تھے، گرفتار ہو کر اس کے سامنے پیش ہوئے۔ تیمور نے فوراً تینوں کی کھال اُتارنے کا حکم جاری کر دیا۔ تاہم انہیں کھولتے ہوئے تیل میں ڈالنے کی نوبت نہیں آئی کیونکہ کھال اُتارنے کے عمل کے دوران ہی وہ مارے گئے۔

تاشقند پر دوبارہ قبضہ کرنے کے بعد تیمور نے اپنے سپاہیوں کو عام شہریوں کا بھی قتلِ عام کرنے کا حکم جاری کیا۔ اس نے حکم دیا کہ شہر میں کوئی مرد زندہ باقی نہیں رہنا چاہیے، جبکہ عورتوں، جوان لڑکے اور لڑکیوں کو گرفتار کر کے سپاہیوں اور افسروں میں تقسیم کر دیا جائے۔ عام شہریوں کو قتل کرنے کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے تیمور کے واضح پیغام کے باوجود اپنے حکمران کی حمایت جاری رکھی تھی۔

جب شام کے وقت لڑائی کا اختتام ہوا اور جنگی معاملات طے پا چکے تو تیمور کو اپنے پاؤں کے بارے میں فکر لاحق ہوئی اور اس نے اپنے

زخم کی طرف توجہ دی۔ اب جب اس نے اپنے گھوڑے سے اُترنے کی کوشش کی تو ایسا نہ کر سکا، اس کے سپاہیوں نے سہارا دے کر اسے گھوڑے سے اُتارا اور خیمے میں لے آئے۔

جب شاہی طبیب نے تیمور کے زخم کا معائنہ کیا تو پتہ چلا کہ اس کے زانو کی ہڈی بُری طرح زخمی ہو گئی ہے۔ طبیب نے تیمور کو ہدایت کی کہ وہ بستر سے ہرگز نہ اُٹھے ورنہ ساری عمر ایک پاؤں سے لنگڑا کر چلنا پڑے گا۔

تیمور اس دن اور پھر رات بھر اپنے بستر پر لیٹا رہا، تاہم اگلے دن اس نے حکم دیا کہ اسے تخت پر لٹا کر شہر کا دورہ کروایا جائے تاکہ وہ دیکھ سکے کہ شہر میں کوئی مرد زندہ باقی تو نہیں۔ شہر بھر میں جنازے پڑے ہوئے تھے۔ کئی جگہ عورتوں کے بھی جنازے موجود تھے۔ جن کے بارے میں بتایا گیا کہ انھوں نے سپاہیوں کے سامنے مزاحمت کی اور گرفتاری دینے سے انکار کر دیا، لہٰذا مزاحمت کرتے ہوئے ماری گئیں۔

تیمور اگرچہ خود حافظ قرآن تھا اور حکام شرعیہ کی پیروی کو بھی لازمی قرار دیتا تھا، مگر اس کا یہ فعل عقل و مذہب کے خلاف دکھائی دیتا ہے کہ وہ جب کسی شہر کو فتح کرتا تو اطاعت پر تیار ہونے والے عام شہریوں کے بھی قتل عام کا حکم صادر کر دیتا۔ اس حوالے سے اس کا موقف تھا کہ حکومت کرنے کے کچھ اصول ہوتے ہیں، جو ابتدائے دنیا سے چلے آ رہے ہیں اور ان میں تبدیلی ممکن نہیں۔ اس کے مطابق ان اصولوں میں سے ایک اصول یہ ہے کہ عام لوگ اپنے حکمرانوں سے ڈرتے رہیں کیونکہ اگر ان کے دلوں میں یہ خوف نہیں ہوگا تو وہ ان کے احکامات پر عمل نہیں کریں گے۔ چنانچہ وہ اپنی نافرمانی کرنے والے کا سر فوراً تن سے جدا کروا دیتا تھا۔

تیمور کی وسیع سلطنت میں تین ہزار جلاد سرکاری فرائض کی انجام دہی کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔

تیمور کی اس سخت گیری کو اگرچہ تنقید کا نشانہ بنایا جا سکتا ہے مگر یہ بھی سچ ہے کہ اس کی اسی سخت اور بے لچک پالیسی کے سبب اس کی سلطنت میں امن و امان اور قانون کی پاسداری کا سختی سے خیال رکھا جاتا تھا۔ وہ خود دعویٰ کرتا تھا کہ میری سلطنت میں بے شک ایک نابالغ بچے کے سر پر سونے سے بھری تھالی رکھ کر اسے اکیلا جہاں چاہے سفر کرنے دو کسی اوباش یا غنڈے کی مجال نہیں کہ اس کی طرف بُری نظر سے دیکھ بھی سکے۔ چوری کی روک تھام کے لیے تیمور نے ایک اور طریقہ بھی ایجاد کر رکھا تھا۔ وہ یہ کہ جس علاقے میں چوری کی واردات ہوتی تو اُس علاقے کے داروغہ یا کوتوال کے ہاتھ کٹوا دیتا۔ اگرچہ یہ طریقہ انتہائی عجیب تھا مگر اس کی وجہ سے شہر کا داروغہ اس بات کا خاص خیال رکھتا کہ اس کے علاقہ میں چوری کی کوئی واردات نہ ہو۔ چوروں اور رسہ گیروں کا قلع قمع اس کی اولین ترجیح ہوتی۔

تیمور نے سرکاری عہدیداروں اور کارندوں کے لیے خاص طور پر بے حد سخت قوانین وضع کر رکھے تھے۔ اگر کوئی سرکاری افسر یا کوتوال کسی عام شہری سے زیادتی کرتا، رشوت طلب کرتا یا ظلم کرتا پکڑا جاتا تو تیمور بلا تامل اس کی گردن اُڑا دینے کا حکم صادر کر دیتا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کی وسیع و عریض سلطنت میں مکمل امن و سکون تھا اور ماتحت لوگ آسودہ حالی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔

تیمور نے گداگری کے خاتمے کے لیے بھی ضروری اقدامات کر رکھے تھے۔ سب سے پہلے اُس نے حقیقی مستحق افراد کے لیے ایک خاص وظیفہ مقرر کیا، ان مستحقین میں وہ لوگ شامل تھے جو کسی نہ کسی جسمانی معذوری میں مبتلا تھے اور یا پھر کسی وجہ سے کام نہ کر سکتے تھے۔ اس کے بعد اُس

نے ایسے گداگروں کی روک تھام کے لیے جو محض شوقیہ اور عادتاً بھیک مانگتے تھے، سخت سزائیں دینے کا حکم جاری کیا بلکہ اُن میں سے متعدد کا سر قلم کر کے اُنھیں دوسروں کے لیے عبرت کا نشان بنادیا۔ تیمور نے ان شوقیہ گداگروں کے لیے ملازمتوں کا انتظام کیا اور ان میں سے جو اس سب کے باوجود بھی بھیک مانگنے سے باز نہ آئے تو اُنھیں ملک عدم روانہ کردیا گیا۔

بہر حال تیمور نے تاشقند کو فتح کرنے کے بعد اس کے گرد تعمیر کی گئی حفاظتی دیوار بھی مسمار کروادی۔ اب ماوراء النہر کا کوئی ایسا علاقہ نہ تھا جو تیمور کے قبضہ میں نہ ہو۔

اگلے سات برس تیمور نے اپنی وسیع و عریض سلطنت کے انتظامات درست کرنے اور اسے ترقی دینے میں صرف کیے۔ اس دوران تیمور نے نئی مسجدیں تعمیر کروائیں۔ سمرقند، بخارا اور تاشقند جیسے شہروں کو از سرِ نو تعمیر کروایا۔ اپنی سلطنت کے بڑے دریاؤں سے نہریں نکلوائیں اور بنجر ہوتی زمینوں کو سیراب کیا۔ ان اقدامات کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی رعایا خوش حال ہوگئی۔ ملک میں پیداوار بڑھی اور عوام مالا مال ہوگئے۔ ان سے گندم اور دیگر فصلیں سنبھالی نہ جاتی تھیں۔

ملک میں خوشحالی کا اثر خود تیمور پر بھی پڑا اور اس کے اندر عیش و آرام اور عورتوں سے مصاحبت کا جذبہ زور پکڑ گیا۔ اس وقت تک وہ پہلے ہی دو شادیاں کرچکا تھا، ان سات سالوں میں اس نے دو مزید شادیاں کرلیں۔ اگرچہ مسلمان ہونے کے ناطے وہ چار سے زیادہ شادیاں نہیں کرسکتا تھا۔ مگر اس نے اپنے عقیدے کے مطابق بہت سی عورتوں کو اپنے حرم میں داخل کرلیا۔ جنھیں وہ ''جاریہ'' کا نام دیتا تھا۔ تیمور کا عقیدہ تھا کہ شریعت میں مردوں کو یہ اجازت حاصل ہے کہ وہ جتنی چاہیں ''جاریہ'' اختیار کرسکتے ہیں۔

ان سات برسوں کے دوران تیمور نے دنیاوی نعمتوں، خوبصورت عورتوں اور عیش و عشرت کے درمیان زندگی بسر کی، جس کے باعث وہ اپنے سابقہ معمول اور اصولوں کے برعکس سُستی اور کاہلی کا شکار ہوگیا۔ تاہم اس نے اپنی سلطنت کو آباد کرنے کے لیے بھرپور اقدامات کیے۔ یہ اس کی عمر کے 33 سے 41 سال کا درمیانی عرصہ تھا جو حقیقتاً اس نے عیش و عشرت میں بسر کیا۔ ان سات برسوں میں خوش ذائقہ کھانوں اور خوبصورت عورتوں کی صحبت نے تیمور کو اس قدر کاہل بنادیا تھا کہ وہ اپنے جنگی جنون کو یکسر فراموش کر بیٹھا۔ وہ شمشیر زنی نہ کرتا تھا، تیر نہیں چلا سکتا تھا اور گرز پھینکنے کا ہنر بھی بھول چکا تھا۔ جنگی مشقیں اس نے چھوڑ دی تھیں اور جن باتوں پر وہ کبھی دوسرے حکمرانوں کو تنقید کا نشانہ بناتا، خود انہی کا شکار ہوگیا تھا۔ انہی عادتوں میں مبتلا حکمرانوں کو وہ شکست فاش دے کر ان کی عظیم سلطنتوں کو تباہ کرچکا تھا مگر اب خود خوابِ غفلت میں کود چکا تھا۔ اگر اس دوران کوئی حکمران حملہ کرنا چاہتا تو با آسانی تیمور کو شکست فاش دے سکتا تھا۔

اگرچہ ان سات برسوں کے دوران تیمور کا زیادہ وقت عیش و عشرت میں بسر ہوا مگر وہ دینی واجبات کی ادائیگی کو ہرگز فراموش نہیں کرتا تھا۔ نماز باقاعدگی سے ادا کرتا، رمضان کے روزوں کی پابندی کرتا اور اس بات کا خاص خیال رکھتا کہ صبح جب سو کر اُٹھے تو ناپاکی کی حالت میں نہ ہو۔

تیمور کے شب و روز اسی طرح غفلت میں گزر رہے تھے کہ ایک روز اس کی نظر دیوار پر لٹکی تلوار پر پڑی۔ اس نے نیام سے تلوار نکال کر ہاتھ میں پکڑی تو دفعتاً اسے وہ بے حد بھاری محسوس ہوئی۔ اس نے وہی تلوار بائیں ہاتھ میں تھامی تو وہ اسے اور بھاری لگی۔ اس کے ذہن میں

خطرے کی گھنٹی بج اٹھی۔ اسے یاد آیا کہ چند برس پہلے یہی تلوار اسے اپنے دونوں ہاتھوں میں لکڑی کے کھلونے کی طرح ہلکی پھلکی محسوس ہوتی تھی اور آج وہ وزن میں بے حد بھاری محسوس ہو رہی ہے۔ وہ تلوار تھامے صبح سے شام تک میدان جنگ میں لڑتا رہتا تھا اور کبھی اسے تھکن کا احساس نہ ہوتا تھا، مگر آج چند لمحوں ہی میں اس کے ہاتھ تلوار کے وزن سے بوجھل ہونے لگے تھے۔

تیمور کو اسی لمحے اپنی غفلت اور کاہلی کا زبردست احساس ہوا، جو چند لمحوں میں اس کے رگ و پے میں سرایت کر گیا۔ اسے احساس ہوا کہ وہ خوبصورت عورتوں اور دنیاوی نعمتوں کے چکر میں پڑ کر ایک سپہ سالار سے عیش پرست حکمران بن چکا ہے۔ اس کی سستی اور کاہلی کی ایک اور وجہ اس کے ایک پیر کا بیکار ہو جانا بھی تھا۔ تاشقند کی لڑائی میں ایک پیر پر لگی ضرب کے باعث اب وہ اسے گھسیٹ کر چلنے پر مجبور تھا اور اس لیے جنگی مشقوں میں حصہ بھی نہیں لیتا تھا۔ تاہم اس لمحے اس نے خود کو خوب لعنت ملامت کی اور خود سے کہنے لگا ”اے تیمور، تُو اب ایک نکما انسان بن چکا ہے۔ اگر تیرا ایک پاؤں بیکار ہے تو کیا ہوا، تیرے بازو اور ہتھیلیاں تو ہر طرح کے عیب سے پاک ہیں اور دوسری ٹانگ بھی بالکل صحیح سلامت ہے۔ پھر تُو شمشیر زنی اور نیزہ بازی سے دُور کیوں ہے۔ کیا تُو نہیں جانتا کہ جو حکمران اپنی فوج کے معاملات سے بے خبر رہتے ہیں، انہیں بے خبری تباہی کی راہ پر لے جاتی ہے۔ کیا تُو نے یہ حقیقت فراموش کر دی ہے کہ جو حکمران تیرے ہاتھوں اپنی سلطنت کھو بیٹھے وہ دراصل انہی عادات میں مبتلا تھے، جن میں آج تُو مبتلا ہے۔ اے خواب غفلت کے شکار انسان، آنکھیں کھول، تاریخ اپنے آپ کو دہرا بھی سکتی ہے اور تو بھی دوسروں کی طرح عبرت کا نشان بن سکتا ہے۔

”اے تیمور، یاد کر وہ وعدے اور وہ خواہشیں، جو تیرے سینے میں پلتی تھیں، وہ عہد جو تُو نے خود سے باندھے تھے کہ ساری دنیا میں بس تیری حکمرانی ہوگی اور تیرا سکہ چلے گا۔ حیرت ہے تجھ پر کہ تو اپنے جدامجد چنگیز خان جتنا علاقہ بھی فتح نہ کر سکا، جس میں تجھ سے بہت کم صلاحیتیں تھیں۔ افسوس کے خدا نے تجھے چنگیز خان سے بڑھ کر صلاحیتیں دیں مگر تُو نے انہیں فراموش کر دیا۔“

ان خیالات نے تیمور کے ذہن کو اس بُری طرح جھنجوڑا کہ وہ اسی وقت لذت آمیز زندگی کو ترک کر دینے پر تیار ہو گیا۔ ظاہر ہے اس کے لیے پہلی شرط یہ تھی کہ وہ ان خوبصورت عورتوں اور آرام دہ بستر سے دُور زندگی گزارے۔ چنانچہ اس نے فوری طور پر حکم دیا کہ اس کے لیے شہر سے دُور ایک فوجی چھاؤنی تعمیر کی جائے۔

جب فوجی چھاؤنی کا قیام عمل میں آ گیا تو تیمور نے خدا سے عہد کیا کہ ”اے خدا، تُو گواہ رہنا، میں تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ اپنی بقیہ زندگی غفلت اور کاہلی میں ہرگز نہیں گزاروں گا، خود کو آرام میں مبتلا نہیں کروں گا، ماسوائے دو جنگوں کے درمیانی وقفے میں۔ میں عہد کرتا ہوں کہ اب میرا اصل قیام میری فوجی چھاؤنی میں ہوگا اور میں کسی خاص ضرورت کے بغیر شہر میں قدم نہیں رکھوں گا۔ میں یہ بھی عہد کرتا ہوں کہ خود کو عورتوں کی صحبت کا عادی نہیں ہونے دوں گا اور ان سے میدان جنگ سے لوٹنے کے بعد ہی صحبت کروں گا اور وہ بھی ہفتہ میں صرف ایک بار۔“

تیمور نے واقعی اپنے اس عہد پر عمل کیا اور اپنی زندگی کے باقی برسوں میں شہر کی بجائے فوجی چھاؤنی میں قیام کرتا رہا۔ عورتوں سے صحبت سے اجتناب کرتا اور صحراؤں میں بسیرا کرنا عادت بنالی۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ سخت سردیوں کے موسم میں وہ صبح سویرے فوجی مشقوں میں مصروف رہتا حتیٰ کہ بعض اوقات وضو کا پانی بھی منجمد ہو جاتا اور سارے علاقے میں برف کی سفیدی پھیلی ہوتی۔

ایک روز اس نے برف کو دیکھ کر اپنے خیمے میں موجود منصب داروں کو مخاطب کیا اور کہنے لگا، ''میں تم میں سے اس شخص کو مٹھی بھر سونے کے سکے دوں گا جو مجھے قرآن میں برف کے ذکر والی آیت ڈھونڈ کر دکھائے گا۔'' اس کے منصب دار قرآن کھول کر برف کے ذکر والی آیت تلاش کرنے لگے، مگر تیمور حافظ قرآن ہونے کے باعث جانتا تھا کہ قرآن میں کہیں برف کا ذکر نہیں، کیونکہ جزیرۃ العرب میں برف باری نہیں ہوتی۔ بہرحال وہ جان گیا کہ اس کے منصب داروں کا قرآن کے حوالے سے علم اس کے مقابلے میں محدود ہے۔ اس نے انہیں تلقین کی کہ قرآن کا مطالعہ باقاعدگی سے کیا کریں۔

تیمور نے دوبارہ سے جنگی لباس زیب تن کرنا شروع کر دیا اور جنگی مشقوں کو اپنا شعار بنا لیا۔ اب اسے ایک لمحہ بھی قرار نہ تھا، دنیا کو تسخیر کرنے کا جنون زور پکڑ گیا تھا۔

جنگی مہمات شروع کرنے سے پہلے تیمور نے اپنے افسروں اور سپاہیوں کو جنگی مشقوں اور جسمانی ورزشوں کی سختی سے پابندی کی تاکید کی اور خود بھی باقاعدگی سے ان میں شریک ہونے لگا۔ وہ جانتا تھا کہ جب حکمران عیش و عشرت اور تن پروری کی عادات میں مبتلا ہو جائیں تو افسر اور سپاہی بھی انہی عادات کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس لیے وہ خود اپنے افسران اور طاقتور سپاہیوں کے ہمراہ کشتی لڑنے اور زور آزمائی کی مشقیں کرنے میں شریک ہوتا۔ جنگ کے دوران اکثر ایسی صورت حال کا سامنا کرنا پڑ جاتا ہے کہ دشمن سے دست و گریبان ہو کر لڑائی لڑنی پڑتی ہے، ایسی صورت میں وہی حریف کامیاب رہتا ہے جو زیادہ جسمانی قوت اور فن پہلوانی میں ماہر ہو۔ چنانچہ تیمور نے کئی ماہ تک مسلسل اپنے فوجیوں کو اور خود کو سخت جنگی اور جسمانی مشقوں میں مبتلا رکھا۔ جب اسے خوب اطمینان ہو گیا کہ اس کے افسر اور سپاہی مکمل جنگی تیاری کر چکے ہیں اور لڑائی کے لیے خوب تیار ہیں تو اس نے سب سے پہلے خراسان کو فتح کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

ساتواں باب

فردوسی کی جائے پیدائش کی طرف روانگی اور نیشاپور کی لڑائی

خراسان کے مشہور شہر نیشاپور کے بارے میں یہ بات کہی جاتی تھی کہ ہر روز سو تجارتی قافلے اس شہر میں داخل ہوتے یا وہاں سے باہر جاتے ہیں۔ یہاں کے تاجروں کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ صرف سونے کے سکوں کو گنتے ہیں اور چاندی کے سکوں کو خاطر میں نہیں لاتے بلکہ انہیں صرف تولتے ہیں۔ دراصل انہیں اتنی فرصت ہی نہ ملتی تھی کہ وہ چاندی کے سکوں کو گننے میں وقت ضائع کریں۔ مزید براں نیشاپور ریشمی کپڑے کا سب سے بڑا مرکز بھی تصور کیا جاتا تھا۔

خراسان کے دو اور شہر سبزوار اور پسرویہ بھی بے حد شہرت کے حامل تھے۔ سبزوار کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ یہاں قالین بافی کے سب سے بہترین کاریگر موجود ہیں۔ پسرویہ کے بارے میں مشہور تھا کہ یہاں کے سارے باشندے دانشور ہیں۔

تیمور کا ارادہ تھا کہ خراسان پر اس طرح اچانک حملہ آور ہو کہ وہاں کے لوگ بالکل غافل گیر ہوں۔ چنانچہ اس نے یہ حقیقت اپنے افسران سے بھی چھپا کر رکھی کہ وہ اصل میں خراسان پر قبضے کا ارادہ رکھتا ہے بلکہ اس نے اپنے افسران کو بتایا کہ ''عشق آباد (موجودہ ترکمانستان)'' پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ جب تیمور کی فوجیں ترکمانستان کے قریب پہنچیں تو وہ وہاں داخل ہونے کی بجائے چکر کاٹتے ہوئے نیشاپور کی طرف مڑ گیا۔ راستے میں اسے بتایا گیا کہ نیشاپور کے راستے میں ایک پہاڑ ہے اور اس سے گزرنے والا راستہ انتہائی دشوار گزار ہے۔ راستہ میں آبادیاں بھی تھیں۔ چنانچہ تیمور نے اس سیدھے مگر دشوار راستے سے گزرنے کی بجائے پہاڑ کا طویل چکر کاٹ کر خراسان پہنچنے کا فیصلہ کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ہر صورت بے خبری کی حالت میں خراسان پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔ اگر وہ آبادی والے علاقے سے فوج کو لے کر حملہ آور ہوتا تو عین ممکن تھا کہ ان کو دور سے آتا دیکھ کر آبادی کے لوگ خراسان کے حکمران کو خبردار کر دیتے اور وہ اپنے دفاع کے لیے خصوصی انتظامات کر لیتا۔

تیمور نے اپنے افسران اور سپاہیوں کو اضافی گھوڑے دیئے، جو اس بات کی علامت تھے کہ اب انہیں بلا توقف مسلسل سفر کرنا ہوگا۔ حتیٰ کہ کھانا بھی گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھے ہی کھانا پڑے گا اور ان کے آرام کا وقت صرف وہ ہوگا جب وہ اپنے گھوڑوں کو خشک چارہ اور پانی دینے کے لیے قیام کریں گے۔

تیمور جب خراسان کی سرزمین پر پہنچا تو وہاں کی دلکشی اور بہار کے نظارے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اب تک وہ ماوراء النہر کو دنیا کا سب سے

خوبصورت خطہ تصور کرتا آیا تھا مگر دنیا میں اس سے بھی زیادہ دلکش نظاروں والا خطہ موجود تھا جو خراسان کی صورت اس کے سامنے تھے۔ خراسان کی دلکشی نے اگرچہ اسے مسحور کر دیا تھا مگر وہ اس کے باوجود مسلسل سفر کرتا رہا اور صرف نماز کے لیے ہی قیام کرتا تھا۔

تیمور اور اس کے سپاہی اگرچہ انتہائی تیز رفتاری سے سفر کر رہے تھے مگر مصلحتاً اس نے یہ حکم دے رکھا تھا کہ کسی کو فوج سے آگے بڑھنے نہ دیں، خواہ وہ مویشی ہی کیوں نہ ہوں۔ اس نے سختی سے تاکید کر رکھی تھی کہ اگر کوئی آگے بڑھنے کی کوشش کرے تو اسے فوراً قتل کر دیا جائے۔

راستے میں ''دہ بالا'' نامی گاؤں میں تیمور کی نظر ایک مسجد پر پڑی۔ جمعہ کا دن تھا اور عین نماز جمعہ کے وقت وہ مسجد خالی پڑی تھی۔ تیمور نے مسجد کے امام کو طلب کیا تو ایک سفید داڑھی والے خمیدہ کمر بوڑھے کو اس کے سامنے پیش کیا گیا۔ تیمور نے اس سے دریافت کیا کہ ''یہاں سب کا مذہب کیا ہے؟'' بوڑھے نے بتایا ''سب مسلمان ہیں۔'' تیمور نے حیران ہو کر پوچھا ''اگر سب مسلمان ہیں تو جمعہ کی نماز کے وقت یہ مسجد ویران کیوں ہے؟''

بوڑھے نے جواب دیا ''سب لوگ اپنے گھر پر نماز پڑھتے ہیں اور صرف مغرب کی نماز کے لیے مسجد میں آتے ہیں۔''

اب تیمور کو غصہ آ گیا اور وہ کہنے لگا ''تم سب کے سب کافر ہو۔ کیا تم لوگ قرآن نہیں پڑھتے؟''

''ضرور پڑھتے ہیں۔'' بوڑھے نے جواب دیا۔

''تم جھوٹ بولتے ہو، کیونکہ اگر تم قرآن پڑھتے ہوتے تو تمہیں اچھی طرح علم ہوتا کہ خدا نے کس قدر سختی سے جمعہ کی نماز باجماعت مسجد میں ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔'' تیمور نے یہ کہہ کر سورہ جمعہ کی آیات تلاوت کر کے بوڑھے کو سنائیں اور اس سے دریافت کیا کہ آیا وہ ان کے معنی جانتا ہے۔

بوڑھے نے انکار میں سر ہلایا۔ اب تیمور کو اور طیش آ گیا، اس نے بوڑھے سے پوچھا ''کیا تجھے عربی آتی ہے؟'' بوڑھے کا جواب نفی میں تھا۔

تیمور نے سر پیٹتے ہوئے پوچھا ''اگر تجھے عربی نہیں آتی اور اہم قرآنی آیات کے معنی سے بھی نابلد ہے تو کس طرح ایک پیش امام اور عالم بنا ہوا ہے۔''

بوڑھے نے سادہ سی وضاحت پیش کرتے ہوئے کہا، ''اے امیر! مجھ سے پہلے میرا باپ یہاں امام مسجد تھا اور اس سے پہلے میرا دادا۔ لہٰذا اس روایت کی رو سے اب میں یہاں کا پیش امام ہوں اور اہل علاقہ مغرب کی نماز کے لیے مسجد میں آ کر میری اقتداء کرتے ہیں۔''

تیمور کو بوڑھے پر بے حد غصہ آ رہا تھا اور اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اسی وقت اس بے علم اور مذہبی تعلیمات سے بے خبر شخص کا سر تن سے جدا کرا دے مگر حقیقت یہ تھی کہ وہ بوڑھا بے حد سادہ لوح اور حقیقی تعلیمات سے بے خبر تھا اس میں اور ایک دیوانے میں کوئی فرق نہ تھا۔ چنانچہ وہ جو کچھ کر رہا تھا اپنی بے خبری اور لاعلمی کی بنا پر کر رہا تھا۔ اس لیے تیمور نے اس کی گردن مار دینے کا حکم صادر نہیں کیا۔

تیمور نے اس بوڑھے کو سورہ جمعہ کے معنی اور نماز جمعہ کی باجماعت ادائیگی کے حوالے سے احکامات سے آگاہ کیا اور پھر اپنے موذن سے اذان دینے اور سب سپاہیوں کو مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے کا حکم دیا۔ اس بوڑھے امام نے بھی تیمور کی امامت میں نماز جمعہ ادا کی۔

نیشاپور کے پہاڑ کا چکر کاٹ کر تیمور اور اس کے سپاہی ایسے علاقے میں پہنچ گئے جو بالکل صاف اور ہموار تھا۔ ان کے سامنے تاحد نگاہ کھیت پھیلے ہوئے تھے اور ان کے ارد گرد دیہی آبادیاں بھی قائم تھیں۔ لوگ آ جا رہے تھے۔ ابھی تیمور اور اس کے ساتھی صورت حال کا جائزہ لے

رہے تھے کہ اچانک ایک طرف سے کچھ گھڑ سوار تیزی سے نیشا پور کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ تیمور کے سپاہیوں نے انہیں تیروں سے نشانہ بنایا، ان میں سے کچھ ہلاک ہوئے مگر چند بچ کر نکل گئے اور یوں تیمور کا نیشا پور والوں کو اچانک جالینے کا ارادہ ناکام ہو گیا۔

اگرچہ اب وہ جان گئے تھے کہ یقیناً نیشا پور والے ہوشیار ہو گئے ہوں گے اور انہوں نے اپنی حفاظت کے لیے ضروری اقدامات کر لیے ہوں گے مگر تیمور کو یقین تھا کہ اس نے پھر بھی نیشا پور والوں کو غفلت ہی میں جالیا ہے۔ کیونکہ اتنی کم مہلت میں وہ اپنے لیے خوراک اور دیگر ضروری اشیاء کا ذخیرہ جمع نہیں کر سکے ہوں گے اور جلد ہی گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

نیشا پور کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ اس کی حفاظتی دیوار کو چنگیز خان کے دور میں مسمار کر دیا گیا تھا۔ چنگیز خان خود تو وہاں نہیں آیا تھا مگر اس نے اپنے بیٹے کو یہ علاقہ فتح کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ جس نے شہر پر غلبہ پانے کے بعد حفاظتی دیوار کو ملیا میٹ کر دیا تھا۔

اہل شہر نے ماضی کے تجربات سے سبق حاصل کر کے انتہائی مضبوط دیوار شہر کے حصار کے لیے تعمیر کی تھی، جس کے بارے میں بتایا گیا تھا کہ اس کی بنیادیں دس ہاتھ کی گہرائی میں ہیں اور پتھروں سے بھری ہوئی ہیں۔ شہر کے ارد گرد مٹی کے اونچے اونچے ٹیلے بتا رہے تھے کہ وہ اسی دیوار کی بنیادوں سے نکلی ہوئی مٹی کے باعث وجود میں آئے ہیں۔

تیمور کو اندازہ ہو گیا کہ اس دیوار کو بارود کی مدد سے گرانا بھی ممکن نہ ہو گا۔ لہٰذا شہر پر غلبہ پانے کے اب صرف دو ہی راستے تھے ایک تو یہ کہ اہل شہر بھوک اور پیاس سے نڈھال ہو کر خود ہی گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جائیں اور یا پھر کسی طرح شہر کی فصیل عبور کر کے اندر داخل ہوا جائے اور شہر کے دروازے کھولنے کی کوشش کی جائے۔

تیمور نے آس پاس کے علاقوں سے لوگوں کو درخت کاٹنے کے کام پر لگا دیا اور حکم دیا کہ ان کی لکڑی سے اونچی سیڑھیاں اور بلند برجیاں تعمیر کی جائیں۔ آس پاس کے لوگ تیمور کو اچھی طرح جانتے تھے اور انہیں علم تھا کہ اگر اس کے حکم کی خلاف ورزی ہوئی تو وہ سب کی گردنیں کٹوا دے گا۔ لہٰذا انہوں نے ایک ہفتہ کے اندر اندر سیڑھیاں اور برجیاں فراہم کر دیں۔

تیمور کی فوج میں چیتن نامی سرزمین کے سپاہیوں کا ایک دستہ بھی تھا، جن کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ کسی چیز سے بھی خوف زدہ نہیں ہوتے۔ یہ سپاہی کتوں کی پرورش کرتے اور ان کا گوشت کھاتے تھے، مزید براں، یہ سپاہی کچا گوشت کھانے کے عادی تھے۔ تیمور نے ان سے کتے کا گوشت کھانے کی عادت تو چھڑا دی تھی مگر انہیں کچا گوشت کھانے سے نہ روک سکا۔ دراصل وہ اس چیز کے اس قدر عادی ہو چکے تھے کہ چربی والا اور بھنا ہوا گوشت ان کے معدوں کو راس نہ آتا تھا۔ البتہ وہ سب گھوڑے کا گوشت خوش ہو کر کھا لیتے تھے۔ جنگ کے دوران بھی وہ اپنے ساتھ گھوڑے کا گوشت اس کی زین کے نیچے چھپا کر رکھتے تھے اور وقتاً فوقتاً کھاتے رہتے۔ تیمور نے ان وحشیوں کو مسلمان بنا لیا تھا، تاہم انہیں عربی زبان نہ سکھا سکا، ان کا تلفظ ایسا تھا کہ عربی الفاظ ادا ہی نہیں کر پاتے تھے۔ لہٰذا تیمور نے انہیں اپنی زبان میں نماز ادا کرنے کی اجازت دے دی تھی۔

چیتن سپاہیوں کو بھوک کے علاوہ کسی شے سے خوف نہیں آتا تھا، تیمور انہیں بھوکا نہیں رہنے دیتا تھا اور وہ اس اکیلے مشکل سے مشکل کام کرنے پر تیار رہتے تھے۔ تیمور نے نیشا پور کی دیوار پر چڑھنے کے لیے انہی سپاہیوں کا انتخاب کیا اور انہیں تاکید کی کہ فصیل عبور کرنے کے بعد پہلا

کام یہ کریں کہ شہر کے دروازے کھول دیں۔ ان سپاہیوں کو بیلچے اور کمند بھی دی گئی تا کہ دروازوں کے ساتھ چنی گئی دیواروں کو مسمار کر سکیں۔

اس لڑائی کے دوران تیمور کو خیال آیا کہ اگر لڑائی میں بارود کا استعمال کیا جائے تو وہ بھی کافی فائدہ مند ثابت ہوسکتا ہے۔ اس نے سوچا کہ بارود کے کوزوں پر فیتہ لگا کر انہیں آگ لگائی جائے اور پھر ان کوزوں کو دشمن کے سپاہیوں پر پھینک دیا جائے، اس طرح دھماکے سے نہ صرف دشمن کے سپاہی مریں گے بلکہ خوف وہراس کا شکار بھی ہو جائیں گے۔ تاہم وہ اپنے اس منصوبے پر فوری طور پر عملدرآمد نہ کر سکا، تاہم بعد ازاں انگوریہ (موجودہ انقرہ) کی لڑائی میں عثمانی بادشاہ ایلدرم بایزید کے خلاف اس نے اس سوچ پر عمل کیا اور بہت کامیابی حاصل کی۔

بہر حال چیتن سپاہی وحشی درندوں کی طرح دیوار پر چڑھنے لگے اور تیمور کے دیگر سپاہیوں نے دیوار پر کھڑے پہرے داروں پر تیر اور پتھر برسانے شروع کر دیے۔ تیمور خود بھی گھوڑے پر بیٹھ کر دیوار کے گرد چکر کاٹ کر ساری کارروائی کی نگرانی کر رہا تھا۔

جب تیمور کے کچھ سپاہی دیوار پر چڑھنے میں کامیاب ہو گئے تو اس نے اپنے سپاہیوں کا حوصلہ بڑھانے کے لیے ایک اور زبردست فیصلہ کیا۔ اور اپنے بیٹے جہانگیر کو پہلے امدادی دستے کے ساتھ حصار پر چڑھنے کے لیے روانہ کر دیا۔ اس فیصلے سے نہ صرف سپاہیوں کے حوصلے بلند ہو گئے بلکہ انہیں یہ بھی پتا چل گیا کہ ان کا سپہ سالار حصول مقصد کے لیے اپنی عزیز ترین شے (اولاد) قربان کرنے کو بھی تیار رہتا ہے۔

نماز ظہر کے بعد تیمور نے بھرپور حملے کی ہدایت کی اور اس کے سپاہی چاروں طرف سے دیوار پر چڑھنا شروع ہو گئے۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے ہزاروں کی تعداد میں خطرناک جانور اچانک دیوار پر ہلہ بول رہے ہوں۔ اب دیوار کا دفاع کرنے والوں اور تیمور کے سپاہیوں کے درمیان خوفناک جنگ چھڑ گئی۔ اس دوران حفاظتی سپاہیوں نے تیمور کے بے شمار سپاہیوں کو دیوار سے نیچے پھینک دیا اور گرنے والوں میں سے کوئی بھی زندہ نہیں بچ سکا۔ تیمور نے اوپر موجود سپاہیوں کی مدد کے لیے مزید کمک بھیج دی۔ اور جلد ہی اس کے سپاہیوں کی بڑی تعداد شہر میں اُتر گئی۔

اب شہر میں کہرام مچ گیا، عورتوں کی فریادیں، مردوں کی چیخ وپکار، بچوں کی پکاریں مل کر حقیقی قیامت کا منظر پیش کر رہی تھیں۔

عصر کے وقت تیمور نے شہر کی دیوار پر چڑھ کر اندر کی صورت حال کا جائزہ لیا۔ جگہ جگہ اس کے سپاہیوں کی لاشیں بکھری پڑی تھیں، تاہم چیتن سپاہی ہر چیز سے بے خبر شہر کے دروازے توڑنے میں مصروف تھے۔ ان کی راہ میں جو بھی آتا، وہ اسے انتہائی قوت سے موت کے گھاٹ اتار دیتے۔ پورا شہر میدان جنگ بنا ہوا تھا اور ایسا شور برپا تھا کہ کانوں پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔

نیشاپور کا مشرقی دروازہ بے حد مضبوط تھا اور اسی کی وجہ سے وہاں کے شہری بھرپور مدافعت کر رہے تھے مگر جب یہ دروازہ بھی ٹوٹ گیا تو مدافعت دفعتاً کمزور پڑ گئی۔ شام ڈھلنے کے بعد تیمور کی بقیہ فوج بھی شہر میں داخل ہو گئی۔ تیمور نے مشعلیں جلا کر لڑائی جاری رکھنے کی ہدایت کی، یوں صبح تک لڑائی جاری رہی اور شہر میں قتل وغارت کا بازار گرم رہا۔

رات کے پچھلے پہر تیمور کو خبر ملی کہ اس کا بیٹا زندہ ہے، مگر زخمی ہو چکا ہے۔ اس کا زخم زیادہ گہرا نہیں تھا اس لیے تیمور نے اسے لڑائی جاری رکھنے کی ہدایت کی۔ تیمور کا عقیدہ تھا کہ ایک مرد میں سب سے اہم خوبی یہ ہے کہ وہ لڑنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اس کے نزدیک علم وادب اور مختلف فنون کی اہمیت اپنی جگہ مگر وہ اس بات میں یقین رکھتا تھا کہ خدا نے مرد کو صرف لڑنے کے لیے پیدا کیا ہے۔ جو مرد لڑنے یا خون بہانے اور مرنے سے

ڈرے، تیمور کے نزدیک وہ مردوں میں سے نہیں۔ کیونکہ اس کے مطابق خدا نے اس کے اندر قتل و غارت کی فطری صلاحیت رکھی ہے، جسے اس نے ابھارنے کی کوشش نہیں کی۔

صبح کی روشنی پھیلنے تک لڑائی ختم ہو چکی تھی۔ اس وقت تیمور کے سامنے نیشاپور کے حکمران کو پیش کیا گیا۔ اس کا نام امیر حسین تھا۔ وہ تیمور کو دیکھ کر کہنے لگا: ''اے تیمور! تو فاتح بن چکا ہے، اب نیشاپور کی تقدیر تیرے ہاتھ میں ہے، لیکن میں تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ مخلوق خدا پر رحم کر اور عام شہریوں کا قتل عام نہ کر۔''

تیمور نے تلوار کا دستہ زمین میں ٹھونکتے ہوئے کہا: ''اس سرزمین کی مخلوق، گناہ کی مرتکب ہوئی ہے اور سزا کی مستحق ہے۔ ان کا قصور یہ ہے کہ انہوں نے میری فوج کو آتے دیکھ کر شہر کے دروازے بند کر دیے اور میرے سامنے مزاحمت کی۔''

امیر حسین نے کہا: ''اے تیمور! اگر میرا حکم نہ ہوتا تو یہ لوگ دروازے بند نہ کرتے، قصور میرا ہے سو تو مجھے سزا دے لے مگر شہریوں کا قتل عام نہ کر اور عورتوں اور بچوں کو غلام نہ بنا۔''

تیمور نے امیر حسین کی بات ماننے سے انکار کرتے ہوئے کہا: ''اگر تو مجھ پر غلبہ پا لیتا تو کیا میرے فوجیوں کو معاف کر دیتا۔''

امیر حسین بولا: ''ہمیں سکھایا جاتا ہے کہ جنگ کے دوران بے رحمی اور تشدد کا مظاہرہ کرو، مگر فتح پانے کے بعد رحم اور نرمی سے پیش آؤ۔''

''مگر میرا ایک اصول ہے، میں جب مزاحمت کرنے والوں پر فتح پا لیتا ہوں تو انہیں بے دریغ قتل کر دیتا ہوں اور میں یہ اپنا اصول تبدیل نہیں کر سکتا۔ تاکہ دنیا والے جان لیں کہ میرے سامنے مزاحمت کرنے والوں کا انجام کیا ہوتا ہے۔''

یہ کہہ کر تیمور نے امیر حسین کا سر تن سے جدا کر دیا اور اپنے سپاہیوں کو مال غنیمت لوٹنے اور عورتوں کو کنیزیں بنا لینے کی کھلی چھٹی دے دی۔ اس نے حسب معمول علماء، شاعروں، صنعت کاروں اور مذہبی رہنماؤں کو امان دی تاہم شہر کی حفاظتی دیوار کو مسمار کرا دیا۔ نیشاپور سے تیمور اور اس کے سپاہیوں کو اس قدر مال غنیمت حاصل ہوا کہ اس کی ماوراء النہر منتقلی کے لیے انہیں اردگرد کے علاقوں سے سارے مویشیوں کو استعمال کرنا پڑا۔

اہم کاموں کو انجام دینے کے بعد تقریباً ایک ماہ تک تیمور نیشاپور میں رُکا رہا اور پھر بقیہ کام اپنے بڑے بیٹے جہانگیر کو سونپ کر خود طوس کی طرف روانہ ہو گیا۔ طوس کے لوگ نیشاپور کا انجام جان چکے تھے۔ لہٰذا انہوں نے تیمور کی راہ میں مزاحمت کرنے کی جرأت نہ کی، چنانچہ تیمور نے بھی انہیں کوئی گزند نہ پہنچائی۔

طوس کے عام لوگوں کی زبان عربی تھی تاہم اعلیٰ طبقہ کے لوگ فارسی میں بات کرتے تھے۔ جب اس شہر کے دانشور تیمور سے ملنے آئے تو انہیں یہ جان کر بے حد حیرت ہوئی کہ تیمور عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں یکساں مہارت سے گفتگو کر سکتا ہے۔ ان دانشوروں میں سے ایک شخص ایسا بھی تھا جسے سب لوگ ''امام اعظم'' کہتے تھے۔ تیمور کو جب اس کی علمی قابلیت اور دین کے بارے میں معلومات کی شہرت کا علم ہوا تو اس نے اس شخص کے ساتھ مباحثہ کا فیصلہ کیا اور سب سے پہلے سوال کیا:

''کیا تم نماز پڑھتے ہو؟''

''بالکل''۔امام اعظم نے جواب دیا۔

''پھر تمہیں علم ہوگا کہ نماز میں سورہ حمد (فاتحہ) پڑھنی چاہیے۔'' تیمور نے دریافت کیا۔

''یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔''

اب تیمور اصل سوال کی طرف آیا اور پوچھنے لگا،''سورۂ حمد میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ"مالك يوم الدين" ہے۔کیا تم بتا سکتے ہو کہ اس سے اللہ کی کیا مراد ہے۔''

امام اعظم کہنے لگا،''سادہ سی بات ہے کہ وہ یعنی اللہ تعالیٰ یوم دین کا مالک ہے۔''

تیمور نے کہا،''تم مجھے ایک سادہ لوح سمجھ لو، اور میرے لیے ذرا تفصیل سے بتاؤ کہ اس بات کا کیا مطلب ہے۔''

امام اعظم نے جواب دیا،''اس کے معنی بالکل صاف اور آسان ترین ہیں، اس سے زیادہ اس کی کیا تفصیل ہو سکتی ہے۔''

مگر تیمور نے پھر بھی مزید تفصیل بیان کرنے کی ضد جاری رکھی۔اب امام اعظم لاجواب ہو گیا تو تیمور کہنے لگا:

''جناب امام اعظم، اس آیت میں دین سے مراد دراصل ''جزا'' ہے، یوں اس آیت کے معنی ہوئے کہ ''اللہ تعالیٰ روزِ جزا کا مالک ہے۔روزِ جزا یعنی وہ دن جب ہر انسان اپنے کیے کا حساب پائے گا۔یہاں ''یوم'' سے مراد ایک مقررہ وقت ہے، پورا دن نہیں ہے۔اس دن شاید سورج غروب نہ ہو یا پھر سرے سے نکلے ہی نہیں۔کوئی یہ علم نہیں رکھتا کہ وہ مقررہ دن کب واقع ہوگا۔اس حوالے سے قرآن ہی سب سے معتبر حوالہ ہے۔''

امام اعظم حیران ہو کر تیمور کی باتیں سن رہا تھا، پھر وہ حیرت سے کہنے لگا،''اے امیر! تم نے اتنا علم کہاں سے حاصل کیا؟ وہ کون لوگ تھے جنہوں نے تم کو یہ سب سکھایا؟''

تیمور نے جواب دیا،''میرے کئی استاد تھے لیکن میرا سب سے بڑا استاد خود قرآن ہے۔کیونکہ میں عربی جانتا ہوں اور قرآن کو سمجھ کر پڑھتا ہوں، اس میں غور کرتا ہوں۔حافظ قرآن ہونے کے باعث قرآن کی سورتیں مجھے نہ صرف یاد ہیں بلکہ میں ان کی شان نزول سے بھی خوب واقف ہوں۔''

اب تو امام اعظم حیرت کے کنویں میں غرق ہو گیا۔اس کے منہ سے بمشکل نکلا''اے امیر! کیا تم مجھے شاگرد بنانے کا اعزاز بخشو گے؟''

تیمور نے کہا،''مجھے شاگرد بنانے اور استاد بننے کی فرصت کہاں؟ میری زندگی تو جنگ و جدل اور میدان جنگ کے لیے وقف ہے۔''

امام اعظم یہ کہتا ہوا رخصت ہوا کہ''اے امیر! اگر تجھے فرصت ہوتی تو میں دل و جان سے تیری شاگردی میں آنے کے لیے تیار تھا۔''

طوس میں دو ہفتے قیام کے بعد تیمور نے سبزوار پر چڑھائی کا فیصلہ کیا، تاہم اس سے پہلے اس نے مشہور شاعر فردوسی کی قبر پر حاضری ضروری سمجھی جو طوس ہی میں دفن تھا۔تاہم اس کی قبر کے بارے میں مشہور تھا کہ اس پر کفر کا فتویٰ لگنے کے باعث اسے عام مسلمانوں کے قبرستان میں سپرد خاک نہیں کیا گیا بلکہ اسے اس کے آبائی باغ میں سپرد خاک کیا گیا تھا۔جب تیمور اس باغ میں پہنچا تو یہ دیکھ کر افسوس میں مبتلا ہو گیا کہ اس عظیم شاعر کی قبر ایک بیابان میں واقع ہے، باغ اُجڑ کر جڑی بوٹیوں اور خشک گھاس میں تبدیل ہو چکا تھا اور اس کی قبر پر کتبہ تک نصب نہیں تھا۔تیمور نے اس بے قدری کو دیکھتے ہوئے فوراً قبر کی مرمت اور سنگ مزار نصب کرنے کی ہدایت کی تاکہ اس عظیم شاعر کا نام و نشان مٹنے نہ پائے۔

ابھی وہ اس کام سے فارغ ہی ہوا تھا کہ دور سے ایک گھڑ سوار آتا دکھائی دیا، وہ سیدھا تیمور کے پاس پہنچا، اس کی حالت ایسی تھی جیسے مسلسل سفر کرتا آیا ہو۔ قریب پہنچنے پر اس نے ایک خط تیمور کے حوالے کیا جو اس بات کی نشاندہی تھا کہ وہ ایک سرکاری قاصد ہے۔ دریافت کرنے پر پتا چلا کہ اسے سمرقند سے تیمور کے جانشین شیر بہادر نے بھیجا ہے اور وہ راستے میں قیام کیے بغیر وہاں تک پہنچا ہے۔ تیمور نے خط کھول کر پڑھا، لکھا تھا:

''شیر بہادر کی طرف سے عالی جاہ، امیر تیمور کے نام!

توک تامیش جو دریائے آبسکون کے اس پار کے کسی ملک کا بادشاہ ہے۔ ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ ماوراء النہر پر قبضہ کرنے آرہا ہے۔ میں اگرچہ ملک کے دفاع میں کوئی کمی نہ کروں گا مگر آپ کا یہاں موجود ہونا ضروری ہے۔ فوراً ماوراء النہر کے لیے روانہ ہو جائیں۔''

تیمور، توک تامیش کے نام سے واقف نہیں تھا، اس نے قاصد سے دریافت کیا تو اس نے بھی اس بارے میں قطعی لاعلمی کا اظہار کیا۔

بہر حال اب واپسی کے سوائے کوئی چارہ نہ تھا۔ چنانچہ تیمور نے تین ہزار تجربہ کار اور بہادر سپاہیوں کو فالتو گھوڑے دے کر فوراً ماوراء النہر روانہ کیا، اور خود بھی بقیہ فوج کے ساتھ وطن کے دفاع کے لیے روانہ ہو گیا۔ وہ لوگ دن رات سفر کرتے رہے اور محض بہت زیادہ تھک جانے پر ہی تھوڑی دیر کے لیے قیام کرتے۔ ایک ہفتے کے سفر کے بعد وہ ''مرو'' نامی شہر پہنچ گئے۔ یہاں پہنچ کر پتہ چلا کہ توک تامیش سمرقند پر حملہ کرنے کی بجائے واپس چلا گیا ہے۔ وہ ماوراء النہر پر حملے کا ارادہ رکھتا تھا مگر شیر بہادر کی فوج کو دیکھ کر حملے کی جسارت نہ کر سکا۔ تیمور نے چاہا کہ ایسی جسارت کرنے والے شخص کا تعاقب کر کے اسے مزہ چکھائے مگر وہ جانتا تھا کہ موسم تبدیل ہو رہا ہے اور چونکہ روس انتہائی سرد علاقے والا ملک ہے۔ لہٰذا وہاں پہنچ کر اسے توک تامیش کے ساتھ ساتھ برفانی ہواؤں کا بھی سامنا کرنا پڑ جائے گا، لہٰذا اس نے توک تامیش سے بدلہ لینے کا ارادہ فی الحال ملتوی کر دیا۔

آٹھواں باب

خراسان کی طرف دوسرا سفر اور سبزوار کی جنگ

جب تیمور کی ساری فوج ملک واپس پہنچ گئی تو اس نے ملک کی ترقی اور فوج کو مزید مضبوط کرنے کے لیے ضروری اقدامات کیے۔ اگلا سارا سال اسے انہی کاموں کے لیے صرف کرنا پڑا۔ اس دوران اس کا بڑا بیٹا جہانگیر خراسان سے باقی ماندہ فوج کو ماوراء النہر لے آیا اس کے ساتھ کچھ شیعہ علماء بھی تھے۔ تیمور نے انہیں بے حد عزت و احترام دیا۔ یہ علماء دن کے وقت تیمور کے محل میں آتے، دوپہر کا کھانا اس کے ساتھ ہی کھاتے تھے۔ کھانے سے قبل تیمور ان سے مباحثے کیا کرتا تھا۔ یہ علماء تقریباً دو ماہ تک تیمور کے مہمان رہے، جب واپس جانے لگے تو تیمور نے ہر ایک کو کثیر رقم اور ایک ایک گھوڑا عطا کر کے رخصت کیا۔

اگلے سال تیمور نے توک تامیش کی گوشمالی کے لیے بھرپور تیاری کا آغاز کر دیا، تاہم اسی دوران خبر ملی کہ سبزوار کا حکمران ایک طاقتور فوج جمع کر کے ماوراء النہر پر حملہ کی تیاری کر رہا ہے۔ یہ جان کر تیمور نے روس جانے کی بجائے پہلے خراسان جانے کا فیصلہ کر لیا۔ تاہم وہ جانتا تھا کہ اس بار وہ خراسان والوں کو بے خبری میں جا لینے میں کامیاب نہ ہو سکے گا۔ اسے یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ گزشتہ سال کی نسبت اب وہاں ایک منظم فوج بن چکی ہے اور اسے سخت مزاحمت کا سامنا کرنا ہوگا۔

چنانچہ تیمور نے بھی ایک بڑی فوج تیار کی جو ایک لاکھ بیس ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھی۔ فوج کا ایک حصہ جو چالیس ہزار سواروں پر مشتمل تھا۔ تیمور نے اپنی نگرانی میں لے لیا۔ جب کہ باقی دو حصوں کی کمان اپنے بیٹوں جہانگیر اور شیخ عمر کو سونپ دی۔ تیمور نے بیٹوں کو سختی سے تاکید کی کہ جنگ کے دوران تجربہ کار افسروں اور سپاہیوں سے مشورہ کریں اور جوانی کے جوش میں ہوش نہ کھو دیں۔

خراسان کا شمالی حصہ قبائل کا مسکن تھا اور عین ممکن تھا کہ سبزوار کا حکمران ان قبائل کو ساتھ ملا کر ایک زبردست محاذ تیار کر لیتا۔ اس لیے تیمور نے تین مختلف اطراف سے سبزوار میں داخل ہونے کا فیصلہ کیا۔ تیمور خود اپنے دستے کو لے کر قوچان کے راستے روانہ ہوا، اس کا بڑا بیٹا جہانگیر اسفرائن کی طرف سے سبزوار کی طرف حملہ آور ہوا جب کہ چھوٹا بیٹا شیخ عمر ترکموں کے علاقے سے گزر کر سبزوار کی طرف آنے والا تھا۔

تیمور نے قوچان کے علاقے میں ایسے بلند قامت اور طاقتور مردوں کو دیکھا جو نمدے سے بنا چوغہ پہنے ہوئے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں لاٹھیاں ہوتی اور وہ بے خوفی و بے باکی کی جیتی جاگتی علامت تھے۔ یہ لوگ کردستان سے آ کر یہاں آباد ہوئے تھے۔ تیمور نے انہیں اپنی فوج میں شمولیت کی دعوت دی جو انہوں نے حقارت سے مسترد کر دی اور انتہائی بے خوفی سے اس کی لالچ بھی قبول کرنے سے انکار کرتے ہوئے اسے وہاں سے چلے جانے کی ہدایت کی۔ چونکہ وہ لوگ بالکل بے خطر اور اپنے حال میں مست رہنے والے تھے۔ لہٰذا تیمور نے انہیں ان کے حال پر چھوڑا اور

خود طوس کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچتے ہی وہ سیدھا فردوسی کے مزار پر پہنچا دیکھا تو اس کی قبر کا کتبہ عربی زبان میں تھا۔ تیمور جانتا تھا کہ فردوسی فارسی زبان کا شاعر تھا، اس لیے اس نے حکم دیا کہ فردوسی کی قبر کا کتبہ عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں تحریر کیا جائے۔

تیمور کو خراسان میں داخل ہونے کے بعد اپنے بیٹوں کے بارے میں کوئی خبر نہیں تھی۔ وہ چونکہ دشمن کے علاقے میں تھے لہٰذا یہ ممکن نہ تھا کہ قاصد پہنچا کر ایک دوسرے کا حال معلوم کیا جائے۔ بہر حال یہ بات طے تھی کہ سبزوار کے لوگوں کو ان کی آمد کی اطلاع مل چکی ہو گی اور وہ بہت جلد تیمور کی فوجوں کا سامنا کرنے آ پہنچیں گے۔ تیمور کا اندازہ تھا کہ سبزوار کی فوج پیادہ سپاہیوں پر مشتمل ہو گی، کیونکہ وہاں کے لوگوں کو ابھی سوار فوج کی خوبیوں کا علم نہ تھا۔ تاہم اسے یقین تھا کہ سبزوار کا حاکم قلعہ بند ہونے کی بجائے میدان میں آکر اس کا مقابلہ کرے گا۔ ایک بڑی اور طاقتور فوج کے مالک حکمران کے لیے یہی صحیح راستہ تھا، کیونکہ اتنی بڑی فوج کے ہوتے ہوئے قلعہ بند ہو جانا بزدلی کے ساتھ ساتھ اپنے گلے میں محاصرے کا پھندہ ڈال لینے کے مترادف تھا۔

اگلی صبح ہی ایک بڑی فوج دُور سے آتی دکھائی دی۔ ایک خونریز جنگ کا تصور آتے ہی تیمور کی رگوں میں خون کی گردش تیز ہو گئی اور وہ فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر پہاڑ پر چڑھ گیا۔ اس نے دشمن کی فوج پر نظر دوڑائی تو جان گیا کہ اس کے اندازے کے عین مطابق سبزوار کی فوج پیادہ سپاہیوں پر مشتمل ہے۔ تاہم وہ انتہائی مہارت سے صف در صف ہو کر آگے بڑھ رہے تھے گویا ان میں کہیں سے بھی کوئی شگاف نظر نہیں آرہا تھا۔ یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ سبزوار کا حکمران ایک قابل سپہ سالار ہے۔ اس کے سپاہیوں کی تعداد ستر ہزار کے قریب تھی۔

تیمور نے ٹیلے سے اتر کر جنگی صف آرائی کا حکم دیا۔ دائیں طرف والے دستے کی کمان غولر بیگ نامی سردار کو سونپی، جو ایک چنگول سردار اور چھوٹے قد کا مالک تھا۔ مگر وہ انتہائی نڈر، دلیر اور لومڑی کی طرح چالاک تھا۔ بائیں طرف والے دستے کی کمان چیتن سردار اور گن چیتن کے سپرد کی، جو اپنی قوم کا حقیقی علمبردار ہونے کے ناطے خوف جیسی چیز سے قطعی طور پر نابلد تھا۔ اس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ انسان کم اور بھیڑیا زیادہ ہے۔ فوج کے مرکزی حصے کی کمان تیمور نے خود سنبھالی۔ اس کے دونوں سردار اپنی ذمہ داری خوب جانتے تھے، ان کا کام یہ تھا کہ دونوں اطراف سے دشمن پر حملہ کر کے پوری فوج کو گھیرے میں لے لیں۔

جب دونوں فوجوں کا فاصلہ کچھ کم ہوا تو تیمور نے دیکھا کہ سبزوار کے سپاہیوں نے ہاتھوں میں بہت لمبے لمبے نیزے تھام رکھے ہیں۔ یہ بات گھڑ سوار فوج کے لیے بے حد خطرناک تھی کیونکہ یہ نیزے دُور سے ہی گھوڑوں کو بے کار بنا سکتے تھے اور اس طرح گھڑ سوار سپاہی زمین پر آ کر ایک پیدل سپاہی میں بدل جاتا اور اس کی برتری ختم ہو جاتی۔ تیمور کی فوج چالیس ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھی، ایسی صورت میں یہ بات ان کے لیے بے حد خطرے والی تھی۔

تیمور نے اپنے دونوں منصب داروں کو طلب کر کے مشورہ کیا۔ وہ دونوں بھی اس صورت حال سے پریشان دکھائی دیتے تھے۔ چنانچہ تیمور نے حکم دیا کہ آگے بڑھ کر حملہ کرنے کی بجائے وہیں رُک کر سبزوار کی فوج کے حملے کا انتظار کیا جائے۔

جب سبزوار کی فوج کچھ قریب آ گئی تو تیمور نے خود کمان سنبھالی اور پہلا تیر چھوڑ کر دشمن کی طرف پھینک دیا۔ چند ہی لمحوں میں ہزاروں تیر

دشمن کی فوج پر یلغار کرنے لگے۔ تیمور کے فوجی اس کا اشارہ سمجھ گئے تھے کہ انہیں دور سے ہی دشمن کو زیادہ سے زیادہ نشانہ بنانا ہے۔ ان کے لیے یہ تیر بے حد مہلک ثابت ہو رہے تھے۔ خاص طور پر تیمور کا ہر تیر دشمن کے کسی نہ کسی سپاہی کا کام تمام کر رہا تھا۔

تیمور اور اس کے سپاہی دشمن کی فوج پر خاص قسم کے تیر برسا رہے تھے۔ جنہیں آبدیدہ تیر کہا جاتا تھا۔ یہ تیر ایک خاص طریقے سے تیار کیے جاتے تھے اور اس قدر مہلک تھے کہ زرہ کو کاٹ کر نکل جاتے تھے۔ کم فاصلے سے چلانے پر آہنی لباس کو بھی کاٹ دیتے تھے۔

سبزوار کے حکمران کا نام علی سیف الدین تھا اور یہ بالکل ظاہر تھا کہ وہ ایک قابل، بہادر اور سمجھ بوجھ والا انسان ہے۔ اس نے تیمور کی گھڑ سوار فوج سے نپٹنے کے لیے بالکل صحیح طور پر نیزوں کے استعمال کا فیصلہ کیا تھا۔ مگر لگتا تھا کہ ان کی ساری امیدیں ان نیزوں سے ہی لگی ہیں، کیونکہ جب تیمور اور اس کے سپاہیوں نے انہیں تیروں سے نشانہ بنانا شروع کیا تو بہت جلد سبزوار کی فوج کے سپاہیوں میں افراتفری پھیلتی نظر آئی۔ تیمور نے یہ موقع غنیمت جانا اور فوراً بھرپور حملے کا حکم دے دیا۔

تیمور کو یقین تھا کہ وہ سبزوار کی فوج کی افراتفری سے فائدہ اٹھا کر ان کا شیرازہ بکھیرنے میں کامیاب ہو جائے گا مگر جیسے ہی وہ سبزوار کی فوج کے ذرا نزدیک پہنچے تو انہیں سیف الدین کی قابلیت اور زبردست حکمت عملی کا مزید قائل ہونا پڑا۔ کیونکہ قریب پہنچتے ہی ان کے سروں پر پتھر برسنا شروع ہو گئے۔ یہ پتھر اس شدت سے برس رہے تھے کہ جیسے آسمان سے پتھروں کی برسات ہو رہی ہو۔ حقیقتاً تیمور اپنے سپاہیوں کو نیزوں سے بچاتے بچاتے پتھروں کی بارش میں پھنسا بیٹھا تھا۔ نتیجتاً اس کی فوج کے گھوڑے اور سپاہی ایک ایک کر کے ڈھیر ہونے لگے اور انہیں بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔ تاہم تیمور نے اس سب کے باوجود حملہ روکنے کا حکم نہیں دیا کیونکہ اس سے سبزوار کی فوج کو دوبارہ منظم ہونے کا موقع مل جاتا اور وہ زیادہ شدت سے تیمور کی فوجوں کا مقابلہ کرتے۔

تیمور نے اپنے دونوں کمان داروں کو دونوں طرف سے حملہ کرنے کا حکم دیا اور خود فوج کے مرکزی حصہ کے ساتھ مقابلے کے لیے تیار ہو گیا۔ تیمور کے سپاہی جانتے تھے کہ جنگ میں بزدلی یا پیٹھ دکھانے کا مطلب خود تیمور کے ہاتھوں موت ہے، اس لیے وہ جنگ کے دوران پوری جانفشانی اور پامردی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ اپنی تمام تر بہادری اور جنگی تجربے کے باوجود تیمور جب فوج کے مرکزی حصے کو لے کر دشمن کے سامنے پہنچا تو انہیں بے حد زبردست مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک طرف سے دشمن کے نیزے ان کے گھوڑوں کو ناکارہ بنا رہے تھے اور دوسری طرف سے، ان پر برسنے والے پتھر سپاہیوں کا قلع قمع کر رہے تھے، مگر پھر بھی تیمور نے پیچھے ہٹنے کا حکم نہیں دیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر ایسا کیا تو انہیں عبرتناک شکست سے کوئی چیز نہیں بچا سکے گی۔

تیمور کے دونوں سردار دونوں جانب سے بھرپور حملہ کر رہے تھے اور جلد ہی یہ خبر ملی کہ ارگن چیتن جنوب کی طرف سے سبزوار کی فوج میں رخنہ ڈال چکا ہے۔ اگلے ہی لمحے یہ اطلاع بھی آ گئی کہ سبزوار کی فوجیں غولر بیگ کے سامنے پسپائی اختیار کر رہی ہیں۔ یہ دونوں خبریں اگرچہ بے حد حوصلہ افزا تھیں مگر تیمور تمام تر کوششوں کے باوجود سبزوار کی فوج کے مرکزی حصے کو پیچھے دھکیلنے میں کامیاب نہیں ہو رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے دشمن نے اپنا سارا زور اس مرکزی حصے پر لگا دیا ہے اور اپنے بہترین جنگجو فوج کے مرکزی حصے میں جمع کر دیئے ہیں۔

تیمور تمام تر قوت سے دشمن پر حملے کر رہا تھا کہ اچانک ایک بھاری پتھر اس کے سر پر آ لگا۔ یہ پتھر اس زور سے آ کر لگا کہ چند لمحے کے لیے تیمور کا سر چکرا گیا۔ تاہم وہ چونکہ آہنی خود پہنے ہوئے تھا اس لیے سر پھٹنے یا بے ہوش ہونے سے محفوظ رہا۔ اگرچہ اس کے دونوں افسر دشمن کی فوج کو دونوں جانب سے پیچھے دھکیل رہے تھے مگر تیمور خود بھاری جانی نقصان اٹھا رہا تھا۔ اسی دوران تیمور کے سپاہی سبزوار کے کچھ سپاہیوں کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گئے، معلوم ہوا کہ ان میں علی سیف الدین کا چھوٹا بھائی ''محمد سیف الدین'' بھی شامل ہے۔

بہر حال شمال اور جنوب کی طرف سے تیمور کے دونوں سرداروں نے سہ پہر تک اس زور کا دباؤ ڈالا کہ علی سیف الدین کو گھیرے میں آ جانے کا خطرہ لاحق ہو گیا اور اس نے عین اس وقت جب گھمسان کی لڑائی جاری تھی، پیچھے ہٹنے کا حکم دے دیا۔

اگرچہ جنگی اصولوں کے مطابق تیمور کو پسپائی اختیار کرتی فوج کا پیچھا کرنا اور اس کا زیادہ سے زیادہ نقصان کرنا چاہیے تھا مگر اس نے ایسا نہ کیا کیونکہ ایک تو رات پھیلنے والی تھی اور اس کے بہت سے سپاہی جنگ میں کام آ چکے تھے۔ رات کی تاریکی پھیل جانے پر زخمی اور مُردہ سپاہیوں میں تمیز کرنا مشکل ہو جاتا۔ مزید یہ کہ تیمور کو مرکزی حصے سے بے حد نقصان اٹھانا پڑا تھا اور اس کی فوج کو دوبارہ منظم ہونے کے لیے وقت چاہیے تھا۔

تیمور چاہ کر بھی اپنے سپاہیوں کو مرنے والے سپاہیوں کی میتیں دفن کرنے کا حکم نہیں دے سکا کیونکہ عین ممکن تھا کہ علی سیف الدین شب خون مارنے کا حکم دے دیتا۔ ایسی صورت میں سپاہیوں کا چوکس نہ ہونا ان کے لیے بہت بڑی تباہی کا پیش خیمہ بن سکتا تھا۔

رات گئے تیمور نے محمد سیف الدین کو طلب کر کے معلومات حاصل کیں۔ اس نے بتایا کہ سبزوار کی فوج 75 ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھی اور ابھی تیس ہزار اضافی سپاہی پیچھے سبزوار میں موجود ہیں۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ سبزوار کے بہترین جنگجو فوج کے مرکزی حصے میں موجود تھے، یہی وجہ تھی کہ اس حصے سے تیمور کو شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔

اگلی صبح جب تیمور نے اپنی فوج کا جائزہ لیا تو اسے معلوم ہوا کہ اس کی فوج میں صرف 25 ہزار سپاہی باقی رہ گئے ہیں۔ یہ تعداد سبزوار کی فوج اور اس کے قابل سپہ سالار کو شکست دینے کے لیے کافی نہ تھی۔ تاہم تیمور ہرگز خوف زدہ نہ تھا اور ہر صورت گزشتہ رات کے نقصان کی تلافی اور سبزوار پر قبضہ کا تہیہ کیے ہوئے تھا۔ اس نے اپنے افسران کو حکم دیا کہ سپاہیوں کو تازہ دم ہو کر دوبارہ حملے کے لیے تیار کریں، اسی دن شام کے وقت تیمور کا بڑا بیٹا جہانگیر بھی اس کی فوج سے آ ملا، ان کی حالت زار دیکھ کر وہ سمجھا کہ شاید تیمور اور اس کی فوج کو شکست ہو گئی ہے۔ تاہم تیمور نے اسے ساری صورت حال سے آگاہ کرنے کے بعد اس کے چھوٹے بھائی شیخ عمر کے حال احوال کے بارے میں دریافت کیا مگر جہانگیر کو اپنے بھائی کی کوئی خبر نہ تھی۔

دوسری طرف جب سبزوار کے حاکم کو پتا چلا کہ تازہ دم کمک تیمور کی مدد کو پہنچ گئی ہے تو وہ شہر میں واپس داخل ہو کر قلعہ بند ہو گیا۔

تیمور نے فوراً قلعہ کا محاصرہ کر کے، شہر کے اردگرد پہرہ بٹھا دیا اور پانی کی فراہمی سمیت اشیاء خورد و نوش تک رسائی کو ناممکن بنا دیا۔ پھر اس کے حکم سے شہر کے چاروں کونوں پر لکڑی اور اینٹوں کے مینار بنائے گئے تا کہ شہر کے اندر کا جائزہ لیا جا سکے۔ شہر کی آبادی بہت زیادہ تھی اور تیمور کو خیال گزرا کہ اتنی بڑی آبادی والا شہر بہت جلد بھوک اور پیاس کا شکار ہو کر اس کے سامنے گھٹنے ٹیک دے گا۔ مگر یہ اس کی خام خیالی تھی کیونکہ سبزوار کے حاکم نے اس بارے میں پہلے سے تیاری کر رکھی تھی اور اشیاء خورد و نوش کا وافر ذخیرہ کر رکھا تھا۔ یوں شہر کے لوگ طویل عرصہ تک بھوک اور پیاس کی فکر

سے آزاد ہو چکے تھے۔

بہر حال تیمور نے قلعہ کی ناکہ بندی جاری رکھی اور اپنے بیٹے جہانگیر کو 3 ہزار سپاہیوں کے ہمراہ روانہ کیا تاکہ اپنے چھوٹے بھائی کی خیر خیریت کا پتا کر سکے۔

اپنے بیٹے کے جانے کے بعد تیمور نے قلعہ کے اندر تیروں کے ذریعے خط پھینکوائے، جن میں سبزوار کے حاکم اور عام شہریوں سے کہا گیا تھا کہ وہ اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیں ورنہ شہر فتح کرنے کے بعد وہ سب کو قتل کروا دے گا۔ تاہم شہر کے لوگوں پر ان دھمکیوں کا کوئی اثر نہ ہوا۔

اب تیمور نے سبزوار کے حاکم کے نام ایک نامہ شہر میں تیروں کے ذریعے پہنچایا، جس میں تحریر تھا کہ وہ اس روز شام کو حصار پر آ کر اپنی آنکھوں سے ایک منظر دیکھے۔

جب شام ہوئی تو حاکم سبزوار منڈیر پر آ گیا۔ تیمور نے حکم دیا کہ اس کے بھائی محمد سیف الدین کو دیوار کے قریب لے آؤ۔ پھر تیمور نے منادی کے ذریعے اعلان کیا، ”اے حاکم سبزوار، اگر تُو نے میرے سامنے سرِ تسلیم خم نہ کیا اور شہر کے دروازے نہ کھولے تو تیری آنکھوں کے سامنے تیرے بھائی کا سر قلم کرا دوں گا۔“

حاکم سبزوار نے تیمور سے مخاطب ہونے کی بجائے اپنے بھائی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا، ”اے محمد، کیا تُو چاہے گا کہ صرف تیری جان کے لیے ہم پورے شہر کو تسلیم کرا دیں، یا یہ بات ٹھیک ہے کہ ہم آخری دم تک لڑیں، خواہ ہم سب کی جان چلی جائے۔“

حاکم سبزوار کا بھائی چلایا، ”نہیں میرے بھائی، تم میری جان کی پروا نہ کرو اور جنگ جاری رکھو، خواہ مجھے قتل کر دیا جائے۔“ پھر وہ تیزی سے تیمور کی طرف گھوما اور اسے مخاطب کر کے جوش سے چلایا، ”او تیمور لنگڑے، چل اپنے جلاد کو حکم دے کہ مجھے قتل کر دے۔“

تیمور کے لیے یہ بدتمیزی برداشت سے باہر تھی مگر وہ کسی نہ کسی طرح برداشت کر گیا اور حاکم سبزوار کو مخاطب کر کے کہنے لگا، ”اے علی سیف الدین، تیرا بھائی زندہ یا مُردہ کسی کام کا نہیں، اگر تُو اپنے بھائی کی قیمت چکا دے تو میں اسے بیچنے کو تیار ہوں۔“

حاکم سبزوار نے فوراً پوچھا، ”اے تیمور تُو میرے بھائی کی کیا قیمت چاہتا ہے؟“

”دو کروڑ دینار،“ تیمور نے منادی کے ذریعے جواب دیا۔

امیر سبزوار کے حلق سے عجیب و غریب آوازیں نکلنے لگیں، جن کا مطلب اتنا ہی سمجھ میں آیا کہ اتنی نقد رقم تو پورے شہر میں بھی نہیں جس کا یہ مطالبہ کر رہا ہے۔“

تیمور نے بھی فوراً جواب دیا، ”تُو جھوٹ بولتا ہے، تیرے پاس لاکھوں فوج ہے تو کروڑوں رقم بھی ہوگی۔“

مگر علی سیف الدین نے اس کی بات پر توجہ دیئے بغیر کہا، ”میں اپنے بھائی کی رہائی کے لیے ایک لاکھ دینار دینے کو تیار ہوں، بشرطیکہ اسے صحیح سلامت میرے حوالے کر دیا جائے۔“

تیمور نے حقارت سے کہا، ”ایک لاکھ دینار کسی معمولی سوداگر کی قیمت تو ہو سکتی ہے مگر سیف الدین جیسے حکمران کے بھائی کی نہیں۔“

جب سیف الدین نے مزید رقم دینے سے انکار کر دیا تو تیمور نے بلا توقف جلاد کو بلا کر محمد سیف الدین کا سر قلم کرا دیا اور حکم دیا کہ اس کا سر کسی بلند مقام پر رکھ دیا جائے تاکہ شہر کے لوگ جان لیں کہ تیمور جو کہتا ہے وہ کر دکھاتا ہے۔ اپنے بھائی کا سر تن سے جدا ہوتے دیکھ کر امیر سبزوار کی حالت غیر ہوگئی اور وہ آہ و بکا کرنے لگا، اس کے پہرہ دار اسے واپس شہر میں لے گئے۔

اسی رات علی سیف الدین نے اپنے بھائی کی موت کا بدلہ لینے کے لیے تیمور کی فوج پر شب خون مارا۔ تیمور اور اس کے فوجی اپنے خیموں میں تھے کہ اچانک شہر کے دروازے کھل گئے اور وہاں سے ہزاروں سپاہی تیمور کی فوج پر حملہ آور ہوگئے، اسی طرح بے شمار لوگ سیڑھیوں کے ذریعے دیوار پھلانگ کر حملے کرنے لگے۔ ان لوگوں کے ہاتھوں میں جلتی ہوئی مشعلیں تھیں جن کے ذریعے انہوں نے تیمور کی فوج کے خیموں کو جلانا شروع کر دیا۔

تیمور کی یہ عادت تھی کہ وہ جب کسی شہر کا محاصرہ کرتا تو اپنے سپاہیوں کو گھوڑے خیموں سے دُور باندھنے کا حکم دیتا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اگر کوئی فوج قلعہ سے نکل کر اچانک حملہ آور ہو جاتی تو گھوڑے بدک اُٹھتے، خاص طور پر آگ لگنے کی صورت میں، تو گھوڑے جدھر منہ اُٹھتا بھاگ کھڑے ہوتے اور ایسے میں افراتفری کے باعث سپاہیوں کو کچھ سمجھ نہ آتی کہ کیا کریں۔ چنانچہ اس رات بھی ان کے گھوڑے خیموں سے دُور بندھے تھے، یہی وجہ تھی کہ خیموں کو آگ لگنے کے باوجود تیمور کے سپاہی حواس باختہ نہ ہوئے۔ اس کے دونوں سردار یعنی غولر بیگ ارگن چیتن فوراً تیمور کے پاس پہنچ گئے، تیمور نے انہیں دائیں اور بائیں طرف سے بھرپور حملوں کی ہدایت کی اور خود بھی دونوں ہاتھوں میں کلہاڑے لے کر جنگ کے لیے باہر نکل آیا۔

تیمور کے کچھ سپاہی مشعلیں لے کر آئے تھے مگر میدان جنگ خیموں میں لگی آگ سے روشن تھا۔ تیمور کی جگہ کوئی اور ہوتا تو شاید پہلے خیموں کی آگ بجھانے کی فکر کرتا مگر تیمور جانتا تھا کہ خراسان کے اکثر علاقے اس کے زیر نگیں ہیں اور وہ بعد میں باآسانی خیمے مہیا کر سکتا ہے۔ اسے فی الحال اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی فکر تھی۔ کیونکہ شہر کے دروازے کھلے تھے اور اگر وہ باہر موجود سپاہیوں کو شکست دینے میں کامیاب ہو جاتے تو شہر میں داخل ہو سکتے تھے۔

تیمور کے سپاہیوں نے سابقہ حکمت عملی کے مطابق سبزوار کے سپاہیوں کو تیروں سے نشانہ بنانا شروع کیا۔ وہ بہت منظم طریقے سے شہر کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے۔ تیروں کے وار بے حد موثر ثابت ہو رہے تھے اور سبزوار کے سپاہی ایک ایک کر کے ڈھیر ہو رہے تھے۔ جلد ہی تیمور اور اس کے فوجی شہر کے بڑے دروازے کے اس قدر نزدیک پہنچ گئے کہ دروازے سے ان کا فاصلہ محض پچاس قدم کا رہ گیا۔

عین اس وقت جب تیمور کو فتح اپنے بالکل سامنے نظر آ رہی تھی سبزوار کا حاکم شہر کی طرف واپس پلٹا اور اس نے شہر میں داخل ہو کر دروازے بند کر لینے کا حکم دے دیا۔ دراصل جب اسے یقین ہو گیا کہ اس کا شب خون مارنے کا ارادہ ناکام ہو چکا ہے۔ تو اس نے اپنے بھائی کی طرح بے شمار سپاہیوں کو بھی تیمور کے رحم و کرم پر چھوڑ کر شہر میں دوبارہ قلعہ بند ہونے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس وقت تک سبزوار کے سپاہی دلیری سے مقابلہ کر رہے تھے۔ مگر اپنے حاکم کو شہر میں پناہ لیتے دیکھ کر ان کے حوصلے ٹوٹنے لگے۔ انہیں اپنے سامنے موت اور پیچھے شہر کے دروازے بند نظر آئے تو وہ ایک ایک کر کے تیمور کی فوج کے سامنے ہتھیار پھینکنے لگے۔

اگرچہ دشمن کے باہر موجود سپاہیوں کی مزاحمت جلد ہی دم توڑ گئی مگر جب تیمور کے سپاہی شہر کی دیوار کے نزدیک پہنچے تو وہاں دروازوں کے پیچھے پتھروں کی چنائی ہو چکی تھی۔

اس رات تیمور کی فوج کے بے شمار خیمے جل کر خاکستر ہو گئے اور ان میں جو کچھ تھا راکھ کا ڈھیر بن گیا۔ تاہم ان کے گھوڑے محفوظ رہے۔ سبزوار کے وہ سپاہی جو شہر سے باہر تھے، تیمور کے سپاہیوں کے ہاتھوں مارے گئے یا غلام بنا لیے گئے۔

اگلی صبح خیموں کی راکھ سے اگلتے دھوئیں اور جگہ جگہ بکھری اپنے سپاہیوں کی لاشیں دیکھ کر تیمور پر طیش و غضب کا ایسا عالم طاری ہوا کہ اس نے اپنی پوری قوت سے تلوار زمین میں ٹھونک دی اور جوش سے بے قابو ہو کر پکار اُٹھا، ''سبزوار کے لوگو، سن لو......! اب میں یہاں سے اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک تم سب کے سر قلم نہ کرا دوں۔ یاد رکھو تیمور جو کہتا ہے، وہ ضرور کرتا ہے۔''

تیمور کی گرج دار للکار سن کر اس کے سپاہی بھی لرز اُٹھے، وہ جانتے تھے کہ سبزوار میں عنقریب کوئی جاندار زندہ نہیں بچے گا۔

تیمور نے اپنے کچھ سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ سیڑھیوں کی مدد سے سبزوار کی دیوار پر چڑھنے کا ناٹک شروع کر دیں۔ اگرچہ وہ جانتا تھا کہ نیشاپور کی طرح سبزوار کے قلعہ میں دیوار کے ذریعے داخل ہونا اتنا آسان نہیں ہوگا اور سبزوار کے بہادر سپاہی اس کے سپاہیوں کو باآسانی شہر میں داخل ہونے کا موقع نہیں دیں گے۔ تاہم دشمن کو ایسی چیزوں میں الجھا کر تیمور دوسرے کام انجام دینا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس کے چند سپاہی بے خوف ہو کر دیوار پر چڑھ گئے، مگر اس سے پہلے کہ وہ دیوار کی دوسری طرف اُتر پاتے ان کی لاشیں نیچے آگریں۔ بہر حال یہ سپاہی تیمور کے حکم پر جان گنوانے کا یہ عمل دُہراتے رہے، خاص طور پر اس وقت جب تیمور کے دوسرے سپاہی شہر کی دیوار کے نیچے سرنگیں نکالنے کا کام انجام دے رہے تھے۔

تیمور نے اپنے ایک خاص افسر گور خان کو نیشاپور میں بارود کی تیاری کے کام پر مامور کر رکھا تھا۔ سبزوار سے دُور بارود کی تیاری کی وجہ یہ تھی کہ ایک تو تیمور اس کام کو بے حد خفیہ رکھنا چاہتا تھا اور اسے ڈر تھا کہ دشمن کے لوگ جنہیں اس نے سرنگیں نکالنے کی بیگاری پر لگا رکھا تھا، اس کی کارروائیوں کی خبر حاکم سبزوار کو بھیجتے ہوں گے اور اگر اسے پہلے ہی یہ علم ہو گیا کہ تیمور دیوار گرانے کے لیے بارود تیار کر رہا ہے تو وہ اس کے لیے تیار ہو جائے گا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ بعض اوقات بارود تیاری کے دوران دھماکے سے پھٹ جاتا ہے، ایسی صورت میں اپنی ہی فوج کے نقصان کا اندیشہ رہتا ہے۔

جو مزدور سرنگیں نکال رہے تھے، ان میں سے مغرب کی طرف سے نکالی گئی ایک سرنگ معمار کی غلطی سے شہر سے باہر کسی دوسری طرف جا نکلی، جس سے بہت سا قیمتی وقت ضائع ہو گیا۔ تیمور نے اسی وقت سرنگ نکالنے والوں کے نگران کو بلا کر اس کا سر قلم کرا دیا تاکہ دوسروں کو عبرت حاصل ہو۔ اتفاق سے شمال کی طرف سے نکالی گئی سرنگ کے راستے میں ایک بہت بڑا پتھر آ گیا۔ یہ پتھر اتنا بڑا تھا کہ نہ تو اسے نکالا جا سکتا تھا اور نہ ہی اس سے آگے سرنگ کھودی جا سکتی تھی۔ جب سرنگ کھودنے والوں کے نگران کو پتہ چلا کہ اس کی سرنگ کے راستے میں پتھر آ گیا ہے تو وہ موت کے خوف سے بے ہوش ہو گیا۔ ہوش میں آنے پر اسے تیمور کے سامنے پیش کیا گیا تو اس کے سارے بدن پر لرزہ طاری تھا اور وہ بات کرنے کے قابل بھی نہ تھا۔ تیمور نے اسے کہا، ''اس میں تیرا کوئی قصور نہیں۔ کسی کو اندازہ نہ تھا کہ سرنگ اتنے بڑے پتھر سے جا ٹکرائے گی۔'' یہ سن کر وہ دوبارہ بے ہوش ہو گیا۔ اس بار شاید جان بچنے کی بے حد خوشی کی وجہ سے!

تیمور نے مغرب اور شمال کی جانب سے نکالی گئی سرنگوں کا کام روک دیا اور شہر میں مشرق اور جنوب کی طرف سے داخل ہونے کا منصوبہ بنایا کیونکہ ان دونوں اطراف سے نکالی گئی سرنگیں کامیابی سے شہر کی بنیادوں تک پہنچ چکی تھیں۔ ان حصوں میں مزدوروں نے بارود رکھنے کی جگہ بنا دی تھی۔

چنانچہ منصوبے کے عین مطابق ان دونوں اطراف کی بنیادوں میں بارود کی دو گانٹھیں رکھ دی گئیں۔ ہر گانٹھ کا وزن ایک سو من کے برابر تھا۔ پھر ان سے دو موٹے اور لمبے فیتے باندھ کر باہر تک کھینچ دیئے گئے۔ اب فیتے کو آگ لگانے والے تیمور کے حکم کے منتظر تھے۔

تیمور نے حکم دیا کہ اگلی صبح پو پھٹتے ہی اس کے سپاہی حملے کے لیے تیار رہیں اور جب وہ اشارہ کرے تو فیتوں کو آگ لگا دی جائے۔

اگلی صبح سب سے پہلے تیمور نے اپنے سینکڑوں سپاہیوں کو بگل بجانے اور شور و غل بپا کرنے کا حکم دیا۔ انہوں نے ایسا شور و غل مچایا کہ دیوار پر کھڑے پہرے داروں میں کھلبلی مچ گئی، وہ حیران تھے کہ آخر تیمور کے سپاہی کیوں اچانک شور مچانے لگے ہیں۔ پہرے دار حواس باختہ ہو کر ادھر اُدھر بھاگنے لگے، شہر کے اندر بھی افراتفری پھیل گئی، لوگ اپنے گھروں کو چھوڑ کر باہر نکل آئے اور ایک دوسرے کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔

تیمور کا منصوبہ سو فیصد کامیاب رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ کچھ چیزیں دلیر سے دلیر دل لوگوں کو بھی خوف و ہراس میں مبتلا کر دیتی ہیں، جیسے کہ زبردست شور و غل، قیامت خیز افراتفری وغیرہ۔ چنانچہ اس کے حکم کے مطابق سینکڑوں سپاہیوں نے مل کر بگل بجانا، شور و غل مچانا اور عجیب و غریب حرکتیں کرنا شروع کر دی تھیں۔ اسی شور و غل میں تیمور نے فیتوں کو آگ لگانے کا حکم دیا، وہ چاہتا تھا کہ دیوار کا دھماکوں سے اُڑنا، پہلے سے حواس باختہ اور خوف زدہ شہریوں پر ایسا وار ثابت ہو کہ ان کی رہی سہی قوت مدافعت بھی جاتی رہے۔

تیمور نے پڑھ رکھا تھا کہ حضرت یوشع علیہ السلام نے، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کے پاس پیغمبر بنا کر مبعوث کیے گئے، جب کنعان میں واقع اریحا نامی شہر پر قبضہ کا ارادہ کیا، تو یہی طریقہ استعمال کرتے ہوئے دیوار توڑنے سے پہلے اپنے حواریوں کو کہا کہ سب مل کر قرنا پھونکنا شروع کر دیں۔ یوں جب دیوار ٹوٹی تو شہر کے باشندے سمجھے کہ دیوار قرنا پھونکنے کی وجہ سے گری ہے، لہٰذا ان پر ایسا خوف طاری ہوا کہ ان میں سے کوئی ایک پل کے لیے مزاحمت کرنے کے قابل نہ رہا۔

تیمور نے حملے سے پہلے سارے فوجی افسروں اور سپاہیوں کو ہدایت کی کہ شہر میں داخل ہونے کے بعد کسی پر رحم نہ کیا جائے اور جو راستے میں آئے اسے بے دریغ قتل کر دیا جائے، ماسوائے شیخ حسام الدین کے گھر پناہ لینے والوں کے۔ شیخ حسام الدین سبزوار کا نامور عالم دین تھا، تیمور نے اس کے بارے میں بہت سی باتیں سُن رکھی تھیں، اسی لیے اس کے گھر کو امان کی جگہ قرار دے دیا تھا۔

پھر جب سپاہیوں نے شور مچایا اور فیتوں کو لگی آگ بارود کے ڈھیر پر پہنچی تو یہ سب ایک ایسی قیامت کا پیش خیمہ ثابت ہوا جس کا سبزوار کے لوگوں نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔

بارود کا ایسا دھماکہ ہوا کہ جو جہاں تھا وہیں جم کر رہ گیا۔ دونوں حصوں سے دیوار ہی نہیں اس کے کچھ فاصلے پر موجود مکانات بھی چند لمحوں میں ملبے کا ڈھیر بن گئے اور بے شمار لوگ ملبے تلے دب کر مارے گئے۔ بارود کا دھماکہ اس قدر خوفناک تھا کہ تیمور جیسا بے خوف انسان بھی اس کی آواز سُن کر سہم گیا۔ اس دن سے پہلے تیمور سمیت کسی نے اتنا بارود جنگی طور پر استعمال نہیں کیا تھا۔ زمین اس بُری طرح لرزی کہ گویا قیامت آ گئی ہو۔

تیمور نے چند لمحوں میں اپنے سپاہیوں کو شہر میں داخل ہو کر بھرپور حملے کا حکم دیا۔ ساتھ ہی اس نے یہ دیکھتے ہوئے کہ شہر کے اندر موجود دشمن کے سپاہی صرف انہی دو حصوں کے دفاع کے لیے جمع ہو گئے ہیں، جن اطراف سے شہر کی دیوار کو مسمار کیا گیا تھا، تیمور نے باقی دونوں اطراف سے بھی

اپنے سپاہیوں کو دیوار پھلانگ کر شہر میں داخل ہونے کا حکم دیا۔ یوں کچھ دیر بعد چاروں اطراف سے تیمور کی فوج نے شہر پر ہلہ بول دیا۔ جہاں ضرورت پڑتی، تیمور سپاہیوں کی مدد کے لیے تازہ دم سپاہی بھیج دیتا وہ خود شہر کی نگرانی کے لیے بنائے گئے، میناروں پر چڑھ کر ساری صورت حال کا جائزہ لے رہا تھا۔

سبزوار کے سپاہی ہر ممکن مزاحمت کر رہے تھے مگر تیمور کے فوجی چاروں طرف سے ایسے حملے کر رہے تھے کہ تیمور کو یقین ہو گیا کہ وہ بہت جلد فتحیاب ہو جائے گا۔ کچھ ہی دیر بعد یہ خبر ملی کہ حاکم سبزوار اور اس کے جواں سال بیٹے نے اپنے ہاتھوں سے اپنی عورتوں کے سر قلم کر دیے اور خود لڑتے ہوئے مارے گئے ہیں۔ اب تیمور کی فتح یقینی تھی۔ بہر حال تیمور نے اپنے سپاہیوں کو اعلان کرنے کا حکم دیا کہ جو زندہ رہنا چاہتا ہے وہ مسجد شیخ حسام یا قریبی "مسجد میر" میں پناہ لے لے۔ تیمور نے مسجد میر کو بھی اس لیے امان کی جگہ قرار دے دیا کیونکہ اسے بتایا گیا تھا کہ شیخ حسام کے گھر میں اتنی جگہ نہیں کہ زیادہ لوگ وہاں پناہ لے سکیں۔

جب سورج نصف النہار کو پہنچا تو تیمور نے مغربی دروازے سے شہر میں داخل ہو کر صورت حال کا خود مشاہدہ کیا۔ شہر کے تمام راستے لاشوں سے اٹے پڑے تھے اور ہر قدم پر خون کے لوتھڑے جمے تھے۔ شہر کے وسطی حصہ میں پہنچ کر تیمور نے دیکھا کہ وہاں نالیوں میں ابھی بھی خون جاری تھا، گویا شہر میں ابھی بھی قتل عام جاری تھا۔ تیمور نے اپنی آپ بیتی میں ذکر کیا ہے کہ اس لمحے دشمن کے لوگوں کی لاشوں کے انبار اور ان کا خون نالیوں میں بہتے دیکھ کر اسے انجانی مسرت نے گھیر لیا۔ اس کا دل شادمانی سے جھوم اٹھا۔ اس کا نظریہ تھا کہ جو انسان اپنی ہیبت دوسروں کے دلوں میں نہیں بٹھا سکتا۔ وہ دنیا پر حکمرانی نہیں کر سکتا۔

عصر کے وقت سبزوار کی لڑائی ختم ہو گئی۔ جو شہری مسجد شیخ حسام اور مسجد میر میں پناہ لے سکے تھے انہیں امان دے دی گئی جب کہ باقی سب لوگوں کو قتل کر دیا گیا۔ اب تیمور نے اپنے سپاہیوں کو مال غنیمت لوٹنے کی اجازت دے دی۔

کچھ دیر بعد شیخ حسام کو تیمور کے حضور پیش کیا گیا۔ شیخ نے تیمور کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا، "اے امیر، میں تیرا شکر گزار ہوں کہ تُو نے میرے گھر کو جا امان قرار دے کر مجھے بے حد عزت بخشی، اب تُو میری ایک اور درخواست مان لے، وہ یہ کہ شہر کے زیادہ تر بدقسمت باشندے موت کی نیند سو چکے، اب تو لوگوں کے مال کا تاراج کرنے کا حکم واپس لے لے۔"

تیمور نے بلند آواز سے کہا، "اے شیخ، تمہیں شہر کے باشندوں کا موت کے گھاٹ اُترنا تو نظر آتا ہے مگر میرے سپاہیوں کی موت نظر نہیں آتی، حالانکہ حقیقت میں میرے بے شمار سپاہی مارے جا چکے ہیں۔ جنگ کے اصولوں کے مطابق ان کا جو کچھ تھا اب میرا ہے، لہٰذا میں تیری درخواست نہیں مان سکتا۔"

شیخ حسام نے پھر التجا کی، "اچھا اے امیر، تُو عورتوں اور لڑکے لڑکیوں کو غلام یا لونڈی بنا کر تقسیم کرنے کا حکم نہ دے۔"

تیمور نے پھر دو ٹوک لہجے میں کہا، "اس شہر کے باشندوں نے میرا حکم نہ مان کر اور میرے سامنے مزاحمت کر کے اپنی تباہی کو خود دعوت دی، یہ لوگ میرے نزدیک "حربی کافر" ہیں اور احکام کے مطابق ایسے لوگوں کو لونڈی یا غلام بنایا جا سکتا ہے۔"

اب شیخ حسام کے پاس کہنے کیلئے کچھ نہ بچا تھا۔ نماز کا وقت تھا چنانچہ تیمور نے اپنی چلتی پھرتی مسجد حاضر کرنے کا حکم دیا، جسے دیکھ کر شیخ حسام بہت حیران ہوا۔ تیمور نے شیخ کو اپنے ساتھ مسجد میں نماز پڑھنے کی دعوت دی، مگر وہ کہنے لگا کہ، ''اے امیر تم مسجد میں نماز پڑھو، میں یہاں نماز پڑھوں گا۔'' پھر اس نے اپنے لباس میں سے ایک ٹھیکری نکالی اور اسے اپنے سامنے زمین پر رکھ کر نماز کے لیے کھڑا ہو گیا۔ تیمور نے اس سے اس کی وجہ دریافت کی تو وہ کہنے لگا کہ، ''اس ٹھیکری کو ہم مہر کہتے ہیں اور سجدہ کرتے ہوئے پیشانی اس مہر پر رکھتے ہیں تا کہ یہ اطمینان رہے کہ سجدہ کرنے والی جگہ پاک ہے۔''

تیمور نے کہا، ''پھر تو تمہیں ایک کی بجائے سات جگہوں پر ٹھیکریاں رکھنی چاہئیں کیونکہ نماز میں سجدہ کرتے ہوئے انسان کے بدن کے سات حصے زمین کو چھوتے ہیں۔ پھر تم صرف پیشانی کو مہر پر کیوں رکھتے ہو؟''

شیخ حسام اس بات کا کوئی خاطر خواہ جواب نہ دے سکا، اس پر تیمور نے اس سے کہا،

''شیخ نماز پڑھنے والے کو مہر وغیرہ کی ضرورت نہیں ہوتی، بس اس بات کا اطمینان کر لینا چاہیے کہ جس جگہ نماز پڑھی جا رہی ہے وہ پاک صاف ہے۔ ہمارے نبی ﷺ بھی بغیر کسی مہر کے نماز پڑھا کرتے تھے۔ لہٰذا ہمیں بھی ایسا ہی کرنا چاہیے۔''

پھر تیمور نے شیخ حسام سے پوچھا، ''یا شیخ کیا تُو جانتا ہے کہ شیطان کون ہے؟'' شیخ حسام نے جواب دیا، ''بالکل۔ شیطان! ایک فرشتہ تھا جو اپنے غرور اور نافرمانی کی وجہ سے بارگاہ الٰہی سے نکالا گیا اور اس دن سے اب تک اللہ کی مخلوق کو بھٹکاتا رہتا ہے۔''

تیمور نے پوچھا، ''اے شیخ، کیا تو اس وضاحت سے مطمئن ہے۔'' شیخ بولا، ''بالکل۔''

تیمور نے کہا، ''بڑی عجیب بات ہے کہ تیرے جیسا عالم اس وضاحت کو ہی کافی سمجھتا ہے۔ یہ بات تو عام انسانوں کو سمجھانے کے لیے بتائی گئی ہے تا کہ عام انسان جان لیں کہ شیطان کیا ہے۔ مگر اصل میں شیطان تو ہمارے اندر موجود نفس امارہ ہے۔ جو ہر وقت انسان کو برائی کی طرف راغب کرتا ہے۔ ہر انسان میں دو قوتیں پائی جاتی ہیں، ایک رحمانی اور ایک شیطانی۔ رحمانی قوت انسان کو نیک اعمال کی طرف مائل کرتی ہے جبکہ شیطانی قوت اسے برائی کے کاموں پر راغب کرتی ہے۔ جو انسان نماز پڑھے اور نیک کام کرے تو یہ نفس امارہ اس پر قابو نہیں پا سکتا اس لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو نماز پڑھنے اور پاک صاف رہنے کا حکم دیا ہے تا کہ وہ نفس امارہ کے قابو میں نہ آسکے، ورنہ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز سے بے نیاز ہے، اسے ہماری نماز اور روزوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا، یہ احکام تو اس نے ہماری فلاح کے لیے دیئے ہیں۔''

شیخ حسام کہنے لگا، ''اے امیر، میں جانتا ہوں کہ تُو ایک زبردست دانشور ہے اور ایسی باتیں جانتا ہے جو مجھے معلوم نہیں۔'' اس کے بعد ان دونوں کے درمیان مزید گفتگو نہیں ہوئی۔

تیمور کو سبزوار کے سپاہیوں کے ہاتھوں اپنے فوجیوں کی ہلاکت اور اپنے جنگی نقصان کا بے حد رنج تھا اور وہ چاہتا تھا کہ سبزوار پر اپنے غلبے کو پوری دنیا کے لیے عبرت کا سامان بنا دے۔ چنانچہ اس نے اپنی فوج کے سرداروں کی نگرانی میں سبزوار کے زندہ بچ جانے والے باشندوں کو حکم دیا کہ مرنے والوں کے سر کاٹ کر ایک جگہ جمع کیے جائیں۔ چنانچہ جلد ہی ڈیڑھ لاکھ انسانی سر جمع ہو گئے۔ تیمور چاہتا تھا کہ ان سروں سے ہرم نما مینار تعمیر کروائے اور ان میناروں پر رات کے وقت دیئے بھی جلائے جائیں۔

تیمور کے معماروں نے حساب لگا کر مشورہ دیا کہ انسانی سروں سے ہرم کی شکل کے مینار بنوانے کی بجائے مخروطی مینار بنائے جائیں تو بہتر رہے گا۔ ان کے اندر بل کھاتی ہوئی سیڑھیاں بھی ہوں تا کہ آگ جلانے کے لیے ان کی چوٹی پر پہنچا جا سکے۔ تیمور نے اس کام کی منظوری دے دی۔

چنانچہ جلد ہی ڈیڑھ لاکھ انسانی سروں سے دو بلند مخروطی مینار بنائے گئے۔ جن کی چوٹی پر رات کے وقت آگ بھی جلائی جاتی تھی۔ آگ کی روشنی بہت دور سے بھی صاف دکھائی دیتی اور ہر مینار پر کتبہ نصب کیا گیا تھا ''بحکم امیر تیمور۔ اہل سبزوار کے سروں سے بنایا گیا، تیمور کے سامنے مزاحمت کا انجام!''

پھر تیمور نے شہر کی حفاظتی دیوار کو مکمل طور پر مسمار کر دینے کا حکم دیا اور شہر کو جنازوں کے ساتھ چھوڑ کر جنوب کی سمت روانہ ہو گیا۔

نوواں باب

خراسان کے جنوب کی طرف پیش قدمی

خراسان میں تیمور کا سب سے طاقتور حریف علی سیف الدین ہی تھا اور سبزوار کے عبرت ناک انجام کے بعد یہ ظاہر تھا کہ خراسان میں اب کوئی حکمران تیمور کے سامنے مزاحمت کی جرات نہیں کرے گا۔ پھر بھی تیمور اپنے اطمینان کی خاطر خراسان کے حالات کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔ تاہم اس نے اپنے دونوں بیٹوں کی آمد کا انتظار کیا۔ تیمور کا بڑا بیٹا جو اپنے چھوٹے بھائی کی تلاش میں نکلا تھا بالآخر اسے ترکمنوں کے علاقے میں تلاش کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس کی آدھی فوج ترکمنوں سے لڑتے ہوئے ماری گئی تھی۔ شیخ عمر نے تیمور سے کہا، "بابا، اگر تم ساری دنیا کو اپنا مطیع و فرمانبردار بنانا چاہتے ہو تو سب سے پہلے ترکمنوں کو اپنا مطیع کرو۔" تیمور نے اسے کہا کہ "برخودار ایک دن آئے گا جب ترکمن بھی میرے سامنے گھٹنے ٹیک دیں گے۔ تاہم فی الحال میرا ارادہ سارے خراسان کو اپنی قلمرو میں شامل کرنے کا ہے اور میں فی الحال اس کام کو ادھورا نہیں چھوڑ سکتا۔"

تیمور نے شیخ عمر کو خراسان کے شمال میں چھوڑا اور خود تیس ہزار سپاہیوں کے ساتھ جنوب کی طرف روانہ ہوگیا۔ سبزوار اور خراسان کے جنوبی حصے کے درمیان ایک ایسا راستہ تھا جو سیدھا قائن نامی شہر پر ختم ہوتا تھا، لیکن یہ راستہ انتہائی دشوار گزار بیابان سے گزرتا تھا جہاں پانی قطعاً دستیاب نہیں ہوتا۔ مزید برآں یہ کہ یہ جگہ دنیا کے خطرناک ترین سانپوں کا مسکن بھی قرار دی جاتی تھی اس علاقے کے پہاڑی حصوں میں کالے ناگوں کی بھرمار ہے۔ پھر وہاں اشیاء خورد ونوش بھی دستیاب نہیں ہوتی تھیں۔ لہٰذا تیمور نے طوس کے راستے قائن پہنچنے کا فیصلہ کیا تاکہ پانی اور مویشیوں کے لیے چارے کی قلت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ مزید احتیاط کے لیے اس نے اپنے بڑے بیٹے جہانگیر کو ایک ہزار سواروں کی معیت میں آگے آگے چلنے کو کہا تاکہ وہ لوگ باقی فوج کے لئے اشیائے ضرورت عارضی گوداموں میں محفوظ کرتے رہیں۔

جب تیمور اور اس کے سپاہی طوس پہنچے تو ہوا میں خنکی بڑھ رہی تھی اور گرمیاں ختم ہونے والی تھیں۔ راستے میں ایک ایسا مقام آیا جہاں حد نگاہ تک خربوزوں کے کھیت پھیلے ہوئے تھے۔ یہاں کے باشندے انتہائی صحت مند اور سرخ و سپید تھے۔ تیمور کو بتایا گیا کہ جس دن سے خربوزوں کی پیداوار شروع ہوتی ہے یہاں کے لوگ صرف خربوزوں پر گزر اوقات کرتے ہیں اور ان کے علاوہ کچھ نہیں کھاتے۔ تیمور کو ایک بڑا خربوزہ پیش کیا گیا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہاں کے خربوزے اندر سے تربوز کی طرح سرخ اور آبدار ہیں۔

طوس سے آگے تیمور اور اس کے سپاہی بجستان پہنچے۔ وہاں کا حکمران اپنے بیٹوں کے ساتھ تیمور کے استقبال کے لیے آیا اور اسے اپنے گھر آنے کی دعوت دی۔ بجستان کا حکمران تیمور سے کہنے لگا، "اے امیر، میں نے تمہاری بہادری کے بہت قصے سنے ہیں۔ میری خواہش تھی کہ خود چل کر تم سے ملنے آؤں، مگر بڑھاپا آڑے آگیا اور میں تمہاری خدمت میں حاضر نہ ہوسکا۔ بہرحال تم نے خود یہاں آکر میری خوش قسمتی میں اضافہ کردیا ہے کہ

مرنے سے پہلے مجھے تمہارا دیدار ہو گیا ہے۔''

جب تیمور بجستان کے امیر کے گھر پہنچا تو کھانے سے پہلے انار سے بھری چند تھالیاں کمرے میں لائی گئیں۔ امیر بجستان نے کہا،'' میرے معزز امیر، یہاں رسم ہے کہ کھانے سے پہلے انار کا پانی پیتے ہیں تا کہ بھوک خوب کھل جائے۔ یہ انار ہمارے ہی علاقے کی مخصوص پیداوار ہیں۔'' پھر اس نے چند انار اپنے ہاتھوں سے توڑے اور ان کا پانی نکال کر تیمور کو پینے کے لیے پیش کیا اور بولا،'' دیکھو اے امیر، یہاں کے اناروں میں بیج بھی نہیں ہیں۔'' تیمور نے چند دانے منہ میں ڈال کر چبا کر دیکھے تو واقعی ان میں بیج نہ تھے۔

جب کھانا لایا گیا تو تیمور کو امیر بجستان کی مفلوک الحالی کا احساس ہوا لہٰذا اس نے وہاں سے رخصت ہوتے ہوئے اسے دو ہزار سونے کے سکے بخش دیئے۔ امیر بجستان اپنے بڑھاپے کے باوجود تیمور کو رخصت کرنے شہر کے باہر تک اس کے ساتھ پیدل چلتا رہا۔

کچھ دنوں بعد تیمور اور اس کے سپاہی بشرویہ کے نزدیک پہنچ گئے۔ جیسے ہی شہر کے آثار نمایاں ہوئے تو تیمور نے دیکھا کہ کچھ لوگ پیدل ہی ان کی طرف آ رہے ہیں۔ تیمور کو لگا کہ حکمران اور معززین اس کے استقبال کے لیے آ رہے ہیں، تاہم قریب آنے پر پتا چلا کہ وہ سب عام لوگ ہیں۔

ان لوگوں نے تیمور کے سامنے پہنچ کر اس کی شان میں شعر پڑھے اور اسے خوش آمدید کہا۔ تیمور نے ان سے دریافت کیا،'' اس شہر کا حکمران کون ہے؟'' وہ بولے،'' کوئی نہیں۔'' تیمور نے حیرت سب سے پوچھا،'' یہ کیسے ہو سکتا ہے، اس شہر کے قوانین کون وضع کرتا ہے اور نظم و نسق کیسے چلتا ہے؟'' وہ کہنے لگے،'' اے امیر ہمارا کوئی حکمران نہیں، ہم از خود شرعی قوانین کی پاسداری کرتے ہیں۔''

تیمور نے حیرت سے کہا،'' میں نے تمہارے شہر کی بے حد تعریف سنی تھی مگر یہ جان کر حیرت ہوئی کہ یہاں کوئی شخص حکمران نہیں۔''

شہر کے لوگوں میں سے ایک بوڑھا شخص جو دوسروں سے نسبتاً برتر نظر آتا تھا، آگے بڑھا اور کہنے لگا،'' اے امیر، آپ خود ہمارے شہر میں داخل ہوں اور ملاحظہ فرمائیں کہ ہمارے شہر کا انتظام کیسے چلتا ہے۔''

جب تیمور نے شہر میں قدم رکھا تو وہاں موجود کشادہ راستے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ سمرقند میں بھی اس طرح کے وسیع اور عریض خیابان نہیں تھے۔ شہر کے سارے باشندے راستے میں کھڑے تھے۔ ان میں سے زیادہ تر کے گلے میں ایک تھیلا سا لٹک رہا تھا، جس میں سے وہ کوئی شے نکالتے اور اس کے دو ٹکڑے کرنے کے بعد ایک حصہ ایک جیب میں اور دوسرا دوسری جیب میں ڈال لیتے تھے۔

تیمور نے معمر شخص سے دریافت کیا کہ وہ کیا کر رہے ہیں؟ جس پر اس نے بتایا کہ'' اے امیر، اس شہر کے باشندے ہر وقت کوئی نہ کوئی کام کرتے رہتے ہیں اور فارغ رہنا پسند نہیں کرتے۔ چنانچہ اس وقت بھی جب وہ آپ کے استقبال کے لیے جمع ہیں، کچھ کام کر رہے ہیں۔ ان کے تھیلوں میں بکری کے بال ہیں۔ لوگ تھیلوں سے بال نکالتے ہیں اور ان سے روؤں کو جدا کر کے ایک جیب میں بال اور دوسرے میں روؤں کو ڈالتے جاتے ہیں۔ روؤں سے اونی کپڑا بنتا ہے، جب کہ بال نمدہ یا کمبل بنانے کے کام آتے ہیں۔''

تیمور نے پوچھا،'' تم لوگ بھیڑوں سے یہ کام کیوں نہیں لیتے؟''

بوڑھا بولا'' امیر، ہمارے علاقے میں بھیڑ پرورش نہیں پاتی، کیونکہ یہاں سبزہ زیادہ نہیں ہوتا۔ جبکہ بکری خشک گھاس اور جڑی بوٹیاں

کھا کر ہمیں دودھ اور پشم دے سکتی ہے۔''

تیمور نے بوڑھے سے اس کا نام دریافت کیا۔ تو اس نے جواب دیا ''حسین بن اسحٰق''۔

بوڑھا وہاں کا پیش امام تھا، لوگ اس کی اقتداء میں نماز ادا کرتے اور اپنے اختلافات کا فیصلہ کرانے بھی اس کے پاس آتے تھے۔

حسین بن اسحٰق تیمور کو کھڈی پر لے گیا، جہاں بکری کے بالوں سے حاصل ہونے والے روؤں سے اونی کپڑا بنایا جاتا تھا۔ تیمور کو اس سے تیار ہونے والا خاص کپڑا مہیا کیا گیا، جسے ''برک'' کہتے تھے۔ تیمور اس کی لطافت دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہ چین سے آنے والے ریشمی کپڑے سے بھی زیادہ ملائم اور لطیف تھا۔ اس کی قیمت بھی بے حد کم تھی۔

تیمور نے وہاں کام کرنے والوں کو سونے کے چند سکے بخشنا چاہے لیکن ان میں سے کسی نے بھی انعام قبول نہ کیا، اور کہنے لگے، ''اے امیر، تیرا ادھر آنا ہی ہمارا انعام ہے۔ ہم اپنی محنت سے جو کماتے ہیں وہی ہمارے لیے بہت کافی ہے، کسی اور شے کی ہمیں حاجت نہیں۔''

تیمور ان مزدوروں کی قناعت اور بے نیازی دیکھ کر عش عش کر اٹھا اور وہاں سے نکل کر بازار میں داخل ہو گیا۔ کچھ ہی قدم پر پنساری کی دکان پر اسے ایک عورت خریداری کرتی نظر آئی۔ دکاندار کچھ تولتے ہوئے کہہ رہا تھا:

''ویل للمطففین الذین اذا کتالوا علی الناس یستوفون۔''

تیمور یہ آیت ایک دکاندار کے منہ سے سن کر حیران رہ گیا۔ اسے حیرت اس بات کی تھی کہ ایک معمولی دکاندار سودا تولنے سے پہلے قرآن کی یہ آیت تلاوت کر رہا ہے۔ جب وہ عورت سودا سلف لے کر چلی گئی تو تیمور اس دکان دار کے پاس پہنچا اور اس سے دریافت کیا: ''اے نیک بخت، آیا تُو جانتا ہے کہ جس آیت کی تُو نے ابھی تلاوت کی تھی، اس کے معنی کیا ہیں؟''

دکاندار بولا ''کیوں نہیں، اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: بُرا ہو کم تولنے والے کا، یعنی وہ لوگ جب خود کوئی چیز خریدتے ہیں تو پورے وزن سے خریدتے ہیں لیکن جب خود بیچنا چاہیں تو چھوٹے پیمانے یا کم وزن کے ساتھ بیچتے ہیں۔''

تیمور بے اختیار پکار اُٹھا ''مرحبا، مرحبا! اے شخص تُو نے بڑی ہی خوب صورتی سے اس آیت کے معنی بیان کیے ہیں، اب ذرا مجھے یہ بھی بتا دے کہ تُو نے اس آیت کی تلاوت کیوں کر کی تھی۔''

دکاندار بولا: ''اے امیر، میں جب بھی کوئی چیز تولنے لگتا ہوں تو اللہ کو حاضر و ناظر جاننے کے لیے اس آیت کی تلاوت کرتا ہوں، تا کہ خود کو کم تولنے سے روک سکوں!''

تیمور اس دکاندار کی عقل و بصیرت پر حیران ہوتا ہوا آگے بڑھا اور اس مکان میں پہنچ گیا، جسے اس کی قیام گاہ کے طور پر تیار کیا گیا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد اذان کی آواز سنائی دی تو شیخ حسین بن اسحٰق کہنے لگا ''یا امیر والا، اگر آپ کی اجازت ہو تو میں مسجد میں جا کر نماز ادا کر دوں۔ نماز کے بعد دوبارہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔''

تیمور نے کہا، ''نماز تو مجھے بھی ادا کرنی ہے، کیوں نہ میں بھی شہر کی مسجد میں ہی نماز ادا کروں۔''

چنانچہ تیمور شیخ اسحٰق کے ساتھ مسجد کی طرف روانہ ہوگیا۔ راستے میں اسے یہ دیکھ کر مزید حیرت ہوئی کہ سارے دکاندار کپڑے بدل کر نئے کپڑے پہنے مسجد کی طرف جا رہے ہیں اور ان میں سے کسی نے بھی اپنی دکان بند کرنے کی زحمت نہیں کی۔ تیمور نے ایک دکاندار سے پوچھا، ''تم اتنے سج دھج کر مسجد کیوں جا رہے ہو؟''

اس نے فوراً یہ آیت پڑھ کر سُنا دی، ''یا بنی آدم خذوزینتکم عند کل مسجد و کلو او شربو ولاتسرفو انه لا یحب المسرفین!'' اس بار تیمور اپنی حیرت کا اظہار کیے بغیر نہ رہ سکا اور شیخ اسحٰق سے کہنے لگا: ''یا شیخ، مجھے خود پر بڑا ناز تھا کہ میں حافظ قرآن ہوں اور قرآن کی آیات کے معنی بھی جانتا ہوں، مگر میں حیران ہوں کہ تمہارے شہر کے سارے باشندے ہی حافظ قرآن ہیں۔'' پھر تیمور نے اس دکاندار سے پوچھا، ''کیا تم اس آیت کے معنی جانتے ہو؟'' اس نے فوراً جواب دیا۔ ''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اے بنی آدم، جب نماز کے لیے مسجد کی طرف روانہ ہو تو زینت استعمال کرو، اور جتنا چاہو کھاؤ پیو مگر اسراف نہ کرو کیونکہ اسراف کرنے والوں کو اللہ دوست نہیں رکھتا۔ لہٰذا اے امیر، ہم سب بھی خدا کی بارگاہ میں حاضر ہونے سے پہلے اپنی زینت استعمال کرتے ہیں اور صاف ستھرے نئے کپڑے پہن کر مسجد میں حاضر ہوتے ہیں۔'' تیمور بے اختیار ہو کر بول اٹھا، ''جزاک اللہ، اے شخص تُو نے آج مجھے بہت اہم سبق دیا ہے، اگرچہ میں خود بھی حافظ قرآن ہوں مگر آج سے قبل مجھے یہ خیال کبھی نہ آیا کہ خدا کے حضور پیش ہوتے ہوئے اپنی زینت استعمال کرنی چاہیے، آج تُو نے مجھے یہ بات یاد کرا دی، میں تیرا شکر گزار ہوں!'' پھر تیمور نے شیخ اسحٰق سے کہا، ''تم مسجد میں جا کر نماز ادا کرو، میں کپڑے بدلنے گھر جا رہا ہوں اور وہیں نماز ادا کر لوں گا۔''

نماز ادا کرنے کے بعد تیمور ایک بار پھر بازار میں نکل آیا، اس کے اندر اس شہر کے باشندوں سے گفتگو کا اشتیاق بڑھ گیا تھا۔ اب وہ ایک عطاری کی دکان پر پہنچا تو سُنا کہ وہ کہہ رہا تھا: ''اوفو الکیل اذا کلتم وزنو ابالقسطاس۔''

اب تو تیمور کی حیرت کی انتہا نہ رہی، اس نے فوراً پوچھا، ''اے شخص، آیا تو قسطاس کے معنی جانتا ہے۔'' وہ بولا: ''ہاں، اس کے معنی ہیں ''ترازو''۔ تیمور نے پوری آیت کے معنی پوچھے تو وہ بولا، ''پوری آیت کے معنی اس طرح ہیں، جب پیمانے سے بیچو تو خیال رکھو کہ پیمانہ بھرا ہوا ہے اور جب ترازو سے کوئی چیز تولو تو دھیان رکھ کہ ترازو کے دونوں پلڑے برابر ہوں۔''

تیمور حیران ہوتا آگے بڑھا، وہ جس دکان کے سامنے سے گزرتا تو ہر وہ دکان دار جو کوئی چیز فروخت کرنے لگتا، کوئی نہ کوئی آیت تلاوت کر رہا ہوتا۔ ان میں سے زیادہ تر آیات پیمانے، وزن اور دیانت داری سے متعلق ہوتی تھیں۔ تیمور کے لیے یہ بھی حیرت کی بات تھی کہ شہر کے سارے باشندے سونے کے وقت کے سوا سارا دن کوئی نہ کوئی کام کرتے رہتے تھے اور بیکار بیٹھنا پسند نہیں کرتے تھے۔ شیخ حسین بن اسحٰق نے تیمور کو بتایا اس شہر میں اس کی یادداشت کے مطابق کبھی چوری وغیرہ کی واردات نہیں ہوئی، نہ ہی کوئی قتل ہوا ہے۔ یہاں جھگڑے بھی بہت کم ہوتے ہیں تاہم جب اختلافی صورتحال پیدا ہو جاتی ہے تو فریقین اپنا مسئلہ لے کر شیخ حسین بن اسحٰق کے پاس آجاتے ہیں اور اس کا فیصلہ ہر کوئی من و عن قبول کر لیتا ہے۔

یہ اگرچہ اس شہر کا کوئی حکمران نہ تھا مگر بات ظاہر تھی کہ سب لوگ شیخ اسحٰق کو معتبر اور قابل قدر جانتے تھے اور اس کے فیصلوں کو تسلیم کرتے تھے۔ شیخ اسحٰق ایک معتبر ہستی ہونے کے باوجود انتہائی سادہ اور عاجزی کا مالک انسان تھا۔ وہ خود کھیتی باڑی کا کام کرتا اور صبح ہوتے ہی بیلچہ اٹھا کر کام کی تلاش میں نکل جاتا۔ شہر کے سارے باشندے بچپن سے قرآن کی باقاعدہ تعلیم حاصل کرنا شروع کر دیتے۔ عورتیں اور بچے بھی قرآن کی آیات اور

ان کے معنی جانتے تھے۔

تیمور نے بشرویہ میں ایک خاص قسم کا کالا تیل بھی دیکھا جس سے بُو کے بھبکے اُٹھتے تھے، اس سیال سے بشرویہ کے راستوں پر دیے جلائے جاتے تھے۔ تیمور کی آپ بیتی لکھنے والے ''مارسیل بریون'' نے لکھا ہے کہ یہ تیل غالباً وہی ''بلیک گولڈ'' ہے جو قوموں کی تقدیر بدل کر رکھ دیتا ہے۔

موسم سرما کی آمد آمد تھی اور تیمور زیادہ دیر تک بشرویہ میں نہیں رُک سکتا تھا، اگرچہ وہ وہاں کے باشندوں کے علم و دانش سے بے حد متاثر تھا مگر اسے دوسرے مقامات پر لشکر کشی کرنا تھی۔ بہرحال اس نے شہر کے لوگوں سے اپنی عقیدت ظاہر کرنے کے لیے بشرویہ کو ''دارالعلم والامان'' کا درجہ دیا اور حکم جاری کیا کہ جب تک اس کا عہد سلطنت رہے، بشرویہ خراج سے معاف رہے گا۔ تیمور نے وہاں سے رخصت ہوتے ہوئے شیخ اسحٰق کو گھوڑا تحفتاً دینا چاہا مگر اس نے یہ کہہ کر قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ، ''اے امیر، ہمارے ہاں ضرورت کے مطابق وافر مویشی ہیں، لہٰذا مجھے اس کی ضرورت نہیں۔''

تیمور بشرویہ سے نکل کر قائن کی طرف روانہ ہو گیا مگر تین دن بعد اس کے راستے میں ریت کا ایسا طوفان آیا، جو اس نے اس دن سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے تیز ہوا ریت کے طوفان میں تبدیل ہو گئی اور پھر ایسا اندھیرا پھیلا کہ روشن دن رات میں تبدیل ہو گیا۔ تیمور کو وہیں پڑاؤ ڈالنے پر مجبور ہونا پڑ گیا۔

دسواں باب

زابلستان میں ہزاروں رُستموں سے ملاقات

تیمور کا بڑا بیٹا جہانگیر اس کی فوج کے لیے زادِ راہ مہیا کرنے کے لیے آگے آگے چل رہا تھا۔ جہانگیر کا اپنے باپ تیمور کے ساتھ قاصدوں کے ذریعے مسلسل رابطہ تھا، ریت کا طوفان آنے کے بعد اس کی کوئی خیر خبر نہ مل رہی تھی۔ جب پورا دن گزرنے پر بھی اس کی کوئی اطلاع نہ آئی تو تیمور کو فکر لاحق ہوگئی، اس نے مقامی لوگوں کو بلا کر مشورہ کیا، تو انھوں نے کہا کہ "اے تیمور، یقیناً تیرا بیٹا اور اس کے ساتھی صحرا میں گم ہو چکے ہیں کیونکہ جب ریت کا طوفان اٹھتا ہے تو اکثر صحرائی ریت میں دب جاتے ہیں، طوفان ختم جانے پر انہیں راستے کا کوئی نشان نہیں ملتا اور وہ وہاں سے کبھی نکل نہیں پاتے۔ تو شکر کر ہوا میں خنکی بڑھ گئی ہے، ورنہ تیرا بیٹا اور اس کے ساتھی کب کے جل بھن کر کباب بن گئے ہوتے، بہر حال اب تو کچھ لوگوں کو اس کی تلاش میں روانہ کر دے۔"

چنانچہ تیمور نے کچھ مقامی لوگوں کو جہانگیر کی تلاش میں روانہ کیا اور خود اپنے لشکر کے ساتھ آگے روانہ ہوگیا۔ "بادامشک" نامی مقام پر پہنچ کر ان کی ملاقات ایک لشکر سے ہوئی۔ تیمور نے قافلے کے سالار کو پوچھا کہ آیا اس نے تیمور کے بیٹے اور اس کے ساتھیوں کو راستے میں دیکھا ہے؟ سالار نے جواب دیا کہ نہیں ان کی مڈبھیڑ کسی سے نہیں ہوئی۔ قافلہ سالار نے یہ بھی بتایا کہ وہ "ہزو" نامی مقام سے چل کر یہاں تک مسلسل بارہ دن کا سفر طے کر کے پہنچے ہیں۔ راستے میں کہیں بھی پانی کا نام و نشان نہیں اور ان کے اونٹوں نے بارہ دن بعد یہاں آ کر پانی پیا ہے۔

اس نے یہ بھی بتایا کہ راستے میں کہیں سوکھی لکڑی یا تنکا بھی ڈھونڈے سے نہیں ملتا کہ اس سے آگ جلائی جا سکے، خدا نے اس بیابان سے زیادہ بنجر اور خوفناک جگہ کوئی نہیں بنائی کہ یہاں کوئی سردی کے موسم میں بھی بھٹک جائے تو اس کا زندہ بچے رہنا معجزہ ہوگا۔

تیمور نے اس سے پوچھا، "اگر یہ صحرا اس قدر خطرناک ہے تو پھر تم نے یہ راستہ کیوں اختیار کیا؟" قافلہ سالار کہنے لگا، "صرف دو موسموں میں یہاں سے گزرا جا سکتا ہے، ایک موسم بہار اور دوسرا خزاں کے دوران کہ یہاں ہوا میں خنکی ہوتی ہے۔ دوسرے موسموں میں یہاں میں قدم رکھنے والا گرمی کی شدت سے مر جائے گا یا سردی سے ٹھٹھر کر۔"

تیمور کو احساس ہوا کہ ایسے صحرا سے گزر کر ہزو اور کرمان نہیں پہنچا جا سکتا کیونکہ اتنے بڑے لشکر کے ساتھ ایسے صحرا سے گزرنا جہاں آبادی اور اشیاء خورد و نوش کا ملنا محال ہو خود کو موت کے منہ میں دھکیلنے کے مترادف تھا۔

کچھ دن مزید انتظار کے بعد وہاں ایک قافلہ آ پہنچا۔ یہ قافلہ محض چند افراد پر مشتمل تھا تاہم یہ چند افراد انتہائی حیرت انگیز اور عجیب تھے۔ خاص طور پر ان کے کھانے کا انداز بے حد عجیب تھا وہ اتنے بڑے نوالے نگل رہے تھے کہ تیمور سے رہا نہ گیا اور وہ خود چل کر ان کے پاس پہنچا اور

ایک سفید داڑھی والے سے جو قافلے میں موجود چھ بیٹوں کا باپ تھا، پوچھا، ''تم لوگ کہاں کے رہنے والے ہو؟''

اس نے جواب دیا، ''زابلستان''

''کیا رستم تمہاری نسل سے پیدا ہوا تھا؟'' تیمور نے دریافت کیا، اب بوڑھے نے اپنے چھ بیٹوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، ''یہ سب کے سب رُستم ہیں۔''

اگر چہ تیمور خود ایک بلند قامت انسان تھا مگر جب وہ بوڑھے کے بیٹوں کے سامنے کھڑا ہوا تو اس نے خود کو ٹھگنا پایا۔ ان لڑکوں کا قد اتنا بلند تھا کہ جب وہ اونٹ کے ساتھ کھڑے ہوئے تو ان کا سر اونٹ کے کوہان کے برابر تھا اور ان کی طاقت کا یہ عالم تھا کہ انھوں نے سامان لادنے کے لیے اونٹوں کو زمین پر بیٹھانا بھی گوارا نہ کیا اور کھڑے کھڑے ہی سامان ان کی پیٹھ پر لاد دیا۔

تیمور نے ایسا کرنے کی وجہ دریافت کی تو بوڑھا کہنے لگا، ''اونٹ بڑا نازک مزاج جانور ہے۔ بیٹھا کر سامان لادا جائے تو اٹھتے وقت اس کے خوف زدہ ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔''

واقعی وہ بوڑھا اور اس کے بیٹے اس قدر طاقت ور تھے کہ ان کے سامنے اونٹ ایک نازک مزاج جانور دکھائی دیتا تھا۔ تیمور کو یقین ہو گیا یہ لوگ فردوسی کے ''شاہنامہ'' کے مرکزی کردار رُستم کی نسل سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔ رُستم بھی انھی جیسا کوئی انسان ہوگا۔ وہ لوگ تعداد میں صرف سات تھے مگر وہ تیمور کی فوج کو یوں لاپرواہی سے دیکھ رہے تھے جیسے وہ ان کے سامنے چیونٹیوں کی فوج ہو۔

تیمور کے پوچھنے پر بوڑھے نے بتایا کہ زابلستان کے رہنے والے سب لوگ انھی کے جیسے بلند قامت اور طاقتور ہوتے ہیں۔ وہاں سر زمین ایران ہے۔''

تیمور سمجھ گیا کہ بوڑھے نے ''ایران'' کا نام فردوسی سے سیکھا ہے، خراسان میں داخل ہونے کے بعد سے اس نے کبھی کسی کے منہ سے ایران کا نام نہیں سنا تھا۔ اس بوڑھے اور اس کے بیٹوں سے مل کر تیمور کے دل میں یہ خواہش مچلنے لگی کہ قائن سے نکل کر زابلستان کا رُخ کرے اور دیو قامت لوگوں کی سرزمین کا نظارہ کر سکے اور اگر ممکن ہو تو انہیں اپنی فوج میں شامل کر کے اپنی طاقت میں بے پناہ اضافہ کر لے۔

تیمور دس دن تک بادامشک نامی مقام پر ٹھہرا رہا، حتیٰ کہ اس کے آدمی جہانگیر کو ڈھونڈ لائے، اس کی حالت بے حد خراب تھی اور وہ ادھ موا ہو چکا تھا۔ اس کے ساتھ موجود ایک ہزار سپاہیوں میں سے صرف ستر آدمی زندہ باقی تھے اور وہ بھی تقریباً بے جان حالت میں تھے۔ جہانگیر پر واقعی وہی گزری تھی جس کا خدشہ مقامی لوگوں نے ظاہر کیا تھا۔ یعنی جب ریت کا طوفان آیا تو سب جگہ تاریکی پھیل گئی اور وہ ایک جگہ ٹھہرنے پر مجبور ہو گئے، تاہم جب اگلی صبح سورج نمودار ہوا تو انہیں راستہ کہیں دکھائی نہیں دیا بلکہ چاروں طرف ریت ہی ریت تھی۔ جہانگیر نے اپنے کچھ ساتھیوں کو راستے کی تلاش میں روانہ کیا مگر وہ واپس نہ لوٹ سکے۔ مجبور ہو کر اس نے مزید کچھ لوگوں کو بھی راستہ تلاش کرنے کے لیے بھیج دیا مگر ان کی بھی کوئی خیر خبر نہ مل سکی۔ وہ لوگ مرنے کے بالکل قریب تھے کہ مقامی لوگوں نے انھیں ڈھونڈ نکالا اور تیمور کے پاس لے آئے۔

یہ واقعہ تیمور اور اس کے سرداروں کے لیے نصیحت بن گیا کہ ایسے خطرناک علاقوں سے گزرتے ہوئے انتہائی احتیاط سے کام لینا چاہیے

اور اگر کبھی ریت کا طوفان آجائے تو تیر یا نیزے گاڑھ کر راستے کا نشان نہیں مٹنے دینا چاہیے۔

تیمور اپنے گمشدہ سپاہیوں کی تلاش میں کچھ دن اور وہاں رُکا رہا مگر زیادہ دیر انتظار کرنا ممکن نہ تھا، لہٰذا جیسے ہی اس کے بیٹے اور دیگر ساتھیوں کے جسموں میں جان پڑی تو وہ قائن کی طرف روانہ ہو گیا۔ قائن کا عمر رسیدہ حکمران پانچ فرسنگ فاصلے پر تیمور کے استقبال کو پہنچ گیا۔ اس نے آگے بڑھ کر تیمور کی رکاب کو بوسہ دینا چاہا مگر تیمور نے اس کی عمر رسیدگی کو دیکھتے ہوئے اسے ایسا کرنے سے منع کر دیا۔ قائن کا حکمران کہنے لگا،

''اے امیر، میں تو آپ کے دیدار کے لیے بے تاب تھا۔ مجھے آج آپ سے مل کر بے حد خوشی ہوئی ہے۔''

پھر جب وہ اس کے گھر پہنچ کر بیٹھے تو ایک خادم سونے کے سکوں سے بھری ہوئی تھالی لے کر حاضر ہوا اور اسے تیمور کے سامنے رکھ دیا۔ قائن کا حکمران کہنے لگا،''میری طرف سے چھوٹا سا نذرانہ قبول کر لیجیے۔''

تیمور نے گرج کر کہا،'' مجھے ان سکوں کی ضرورت نہیں، میں جو چیز حاصل کرنا چاہتا ہوں اسے چھین لیا کرتا ہوں۔ مجھے تو اس بات سے دلچسپی ہے کہ جنوبی خراسان کا حکمران میری اطاعت پر تیار ہے یا نہیں۔''

تیمور کے تیور دیکھ کر قائن کا حکمران گڑگڑانے لگا،''حضور والا، میں تو دست بستہ آپ کی اطاعت کو تیار ہوں۔ آپ کا ہر حکم سر آنکھوں پر!''

اس کے بعد تیمور نے اس سے زابلستان کے بارے میں معلومات چاہیں تو وہ کہنے لگا، کہ''اے امیر، بہتر ہے کہ تم زابلستان جانے کے لیے کسی اور وقت کا انتظار کرو کیونکہ سردیوں کا موسم شروع ہو رہا ہے اور جب تم زابلستان پہنچو گے تو شدید سردیاں آچکی ہوں گی، لہٰذا واپسی پر شاید شدید سردی سے تمہاری فوج زندہ نہ بچ سکے، کیونکہ جیسے صحرا کی گرمی ہلاکت خیز ہے اسی طرح وہاں کی سردی بھی ناقابل برداشت ہے اور راستے میں کوئی آبادی بھی نہیں کہ تمہاری فوج وہاں قیام کر سکے۔''

مگر تیمور زابلستان کے قریب پہنچ کر واپس نہیں جانا چاہتا تھا، فردوسی کے شعروں نے اس کے دل میں وہ جگہ دیکھنے کی تمنا جاگر کر دی تھی، جب کہ اس بوڑھے اور اس کے بیٹوں سے مل کر تو اس کا اشتیاق اور بڑھ گیا تھا۔ رستم کی جائے پیدائش دیکھنے کی خواہش بھی شدید ہو چلی تھی۔ چنانچہ اس نے اپنی فوج کو جہانگیر کی سربراہی میں قائن ہی میں چھوڑا اور تین ہزار سپاہیوں کے ساتھ زابلستان جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ قائن کے حکمران نے اپنے چند خاص آدمیوں کو ان کی رہنمائی کے لیے ساتھ روانہ کیا جو صحرا کے مختلف راستوں سے بخوبی واقف تھے اور انہیں بحفاظت زابلستان پہنچا سکتے تھے۔

تیمور نے اپنے جنگی طریقے کے مطابق انتہائی تیز رفتاری سے سفر کا فیصلہ کیا تاکہ کم سے کم وقت میں زابلستان پہنچا جا سکے۔ اس کے سپاہی تو اس طرح سفر کرنے کے عادی تھے مگر مقامی لوگ اس طرح بغیر آرام کیے سفر کرنے سے عاجز آ گئے اور احتجاج کرنے لگے۔

کچھ دن سفر کرنے کے بعد ان کی راہ میں ایک سیاہ پہاڑ آ گیا۔ رہنماؤں نے بتایا کہ اسے''سیاہ پہاڑ'' ہی کہتے ہیں اور یہیں سے زابلستان کی حدود شروع ہوتی ہیں۔ جب وہ لوگ مزید آگے بڑھے تو فضا میں گرمی کی حدت محسوس ہونے لگی اور آسمان پر مرغابیاں اُڑتی دکھائی دیں۔ تیمور نے دریافت کیا،''کیا یہاں نزدیک کوئی جھیل ہے جو یہ مرغابیاں اُڑ کر وہاں جا رہی ہیں۔'' رہنماؤں نے بتایا،''اے امیر، یہاں کوئی جھیل نہیں بلکہ ایک بہت بڑا دریا ہے جسے''دریائے ہامون'' کہتے ہیں۔'' وہ لوگ جتنا آگے بڑھتے گئے، ہوا میں گرمی کی شدت بڑھتی گئی۔ تیمور سمجھ گیا کہ زابلستان

ایک گرم آب وہوا والا خطہ ہے کیونکہ سرد موسم میں بھی گرمی صرف انہیں علاقوں میں ہوتی ہے جہاں کی آب وہوا گرم ہو۔

دریائے ہامون کی چوڑائی اتنی زیادہ تھی کہ اس کے ایک کنارے سے دوسرا کنارہ نظر نہیں آتا تھا۔ دریا کے دونوں اطراف کھیت اور چراگاہیں پھیلی ہوئی تھیں اوران میں بے حد طاقتور گائیں بیل چر رہے تھے۔ دریا میں کشتیاں چل رہی تھیں اور گاہے بہ گاہے بلند آوازیں بھی سنائی دے جاتیں۔ تیمور کو بتایا گیا کہ یہ ملاحوں کی آوازیں ہیں جو اپنے مخصوص انداز میں پیغامات کا تبادلہ کر رہے ہیں۔ تیمور نے دریا کے قریب جا کر ان کی آوازوں کو سننا چاہا تو اس کے کان جھنجھنا اٹھے، کیونکہ آوازیں اس قدر زوردار تھیں کہ جیسے کوئی دیو بات کر رہا ہو۔ تیمور نے سوچا، غالباً رستم بھی ایسے ہی نعرے لگاتا ہوگا، جن کا ذکر فردوسی نے اپنے اشعار میں کیا ہے۔

تیمور نے دریائے ہامون کے کنارے پڑاؤ ڈالا اور اپنا قاصد زابلستان کے امیر ''گرشاپ'' کے پاس بھیجا اور اسے پیغام بھجوایا کہ وہ یہاں لڑائی کی غرض سے نہیں آیا بلکہ اس کا مقصد محض سیر وسیاحت ہے۔ گرشاپ کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ اس نے پوری ایک صدی گزرتے دیکھی ہے۔ تیمور کا قاصد امیر زابلستان کا یہ جواب لے کر آیا، ''اے تیمور، اگر تو لڑائی کی غرض سے نہیں آیا تو ہم تجھے خوش آمدید کہتے ہیں، لیکن اگر تو لڑائی کے لیے آیا ہے تو ہم اس کے لیے تیار ہیں۔''

تیمور نے اپنے آنے کا مقصد واضح کرنے کے لیے امیر زابلستان کی خدمت میں بیش قیمت تحائف بھجوائے۔ جن کے فوری بعد پیغام آیا کہ گرشاپ اس کے استقبال کو آ رہا ہے۔

تیمور امیر زابلستان کی آمد کا منتظر تھا، اس کا خیال تھا کہ وہ کسی بہت خاص سواری پر سوار ہو کر آئے گا مگر یہ دیکھ کر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ کچھ بیل سوار تیزی سے اس کی طرف آ رہے ہیں۔ ان لوگوں کے بیل گھوڑوں سے بھی تیز رفتاری سے دوڑ رہے تھے اور تیمور نے یوں سرپٹ دوڑتے بیلوں پر سوار انسانوں کو پہلی بار دیکھا تھا۔ بیل سوار دستہ تیزی سے ان کے پاس پہنچ گیا اور وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ان کے بیل اس قدر طاقتور اور لمبی جسامت والے تھے کہ انہوں نے اس سے پہلے ایسے بیل نہ دیکھے تھے۔ بیل سواروں میں سے ایک عمر رسیدہ شخص آگے بڑھا اور اپنی آنکھوں پر ہاتھوں سے سایہ بناتے ہوئے پوچھنے لگا،

''میں امیر زابلستان گرشاپ ہوں، امیر تیمور کہاں ہے؟''

اس معمر شخص کے بعد اس کے ساتھ آنے والے بھی بیلوں سے اُتر کر سیدھے کھڑے ہو گئے۔ اب انہیں دیکھ کر تیمور اور اس کے ساتھیوں نے اپنی انگلیاں دانتوں تلے دبا لیں۔ دراصل ان سب کے قد اس قدر بلند تھے کہ انہیں دیکھ کر جنوں کا گمان ہوتا تھا۔ سب کی داڑھیاں ایک جیسی لمبائی کی تھیں فرق صرف اتنا تھا کہ ان میں سے کچھ کے بال سیاہ اور کچھ کے سفید تھے۔

تیمور چند قدم آگے بڑھا اور بولا، ''اے معزز سالار: تمہاری سرزمین دیکھنا کا شوق مجھے یہاں تک لے آیا ہے۔ میرا جنگ کرنے کا ہرگز کوئی ارادہ نہیں۔''

''تو پھر میں اور میرے لوگ تمہیں خوش آمدید کہتے ہیں۔ آؤ میرے گھر میں قیام کرو۔'' گرشاپ نے کہا۔

تیمور نے اس سے کہا کہ اس کے ساتھیوں کی تعداد کافی زیادہ ہے اور ان سب کے قیام کے باعث انہیں زحمت ہوگی۔
اس پر گرشاسپ بولا۔ ''تو اور تیرا لشکر تین دن تک میرے مہمان ہیں۔ تیرے سپاہیوں کے لیے تین وقت کا کھانا خیمہ گاہ میں پہنچا دیا جائے گا، مگر تمہیں میرے گھر میں ہی قیام کرنا ہوگا'' یہ کہہ کر گرشاسپ اپنے بیل پر سوار ہوگیا۔ اس کے ساتھی بھی اپنے اپنے بیلوں پر سوار ہوگئے۔ تیمور بھی اپنے چند ساتھیوں سمیت گھوڑوں پر سوار ہو کر ان کے پیچھے پیچھے شہر میں داخل ہوگیا۔

گرشاسپ کے گھر تک پہنچتے ہوئے تیمور نے انتہائی بلند قامت اور طاقتور مردوں عورتوں کو کھیتی باڑی کرتے دیکھا۔ اسے معلوم ہوا کہ زابلستان کھیتی باڑی کے لیے بے حد موزوں جگہ ہے اور یہاں ہر طرف لہلہاتے کھیت اور سبزہ موجود ہے۔ زابلستان میں ہندوستان سے منگوائی جانے والی اشیاء بھی ملیں، جو اس بات کا ثبوت تھیں کہ اس شہر کا ہندوستان سے تجارتی رابطہ ہے۔

اگلے روز گرشاسپ تیمور کو لے کر ایک قلعہ دکھانے جا پہنچا۔ قلعہ میں پہنچ کر گرشاسپ کہنے لگا، ''رستم اسی قلعہ میں پیدا ہوا تھا'' پھر وہ ذرا آگے اسے ایک پہاڑ دکھانے لے گیا اور کہنے لگا، ''یہ وہ پہاڑ ہے جہاں رستم اپنے بچپن میں عقابوں سے کھیلا کرتا تھا۔ اس وقت سردیوں کا موسم ہے اس لیے عقاب اپنا آشیانہ چھوڑ گئے ہیں، اگر تم گرمیوں میں آتے تو ان عقابوں کو ضرور دیکھ پاتے۔''

گرشاسپ چونکہ جان گیا تھا کہ تیمور فردوسی سے متاثر ہے، اس لیے وہ جگہ جگہ اسے فردوسی کے اشعار سناتا اور توصیفی نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگتا۔ کچھ دیر بعد وہ تیمور کو لیے زابلستان کے ان پہلوانوں کی نسل دکھانے لے گیا جن کا ذکر فردوسی نے اپنے اشعار میں کیا ہے۔ ان دراز قد لمبے تڑنگے مردوں اور ان کے مویشیوں کو دیکھ کر تیمور کو یقین ہوگیا کہ رُستم یقیناً انہیں لوگوں کی نسل سے تھا۔ اسے اس بات کا فخر محسوس ہوا کہ فردوسی نے اپنے ''شاہنامہ'' میں صرف ایک رُستم کا ذکر کیا ہے، جبکہ اس نے اپنی آنکھوں سے ہزاروں رُستم دیکھے ہیں۔

تیمور کے لیے زابلستان میں بہت سی دلچسپیاں تھیں مگر اسے جلد از جلد فوج کے پاس واپس قائن پہنچنا تھا۔ چنانچہ اس نے امیر زابلستان سے رخصت چاہی اور رخصت ہوتے ہوئے درخواست کی کہ ''کیا ایسا ممکن ہے کہ وہ اپنے شہر کے کچھ لوگوں کو اس کی فوج میں شامل کر دے تاکہ وہ ان کا ایک نیا دستہ بنا کر اپنی طاقت میں اضافہ کر لے۔''

گرشاسپ کچھ دیر سوچتا رہا پھر کہنے لگا، ''اے امیر تیمور، یہاں کے باشندے اجنبی ملک کی فوج میں شامل ہونا پسند نہیں کرتے، اگر میں انہیں کہہ دوں گا تو بھی عین ممکن ہے کہ انکار کر دیں، لہٰذا بہتر ہے کہ تو یہ خیال دل سے نکال دے۔'' لہٰذا تیمور ان دیو قامت انسانوں کو اپنی فوج میں شامل کرنے کا خواب لیے ہی واپس قائن کی طرف رخصت ہوگیا۔

گیارہواں باب

سلطان منصور مظفری کی گُستاخی

تیمور زابلستان سے نکل کر قائن پہنچ گیا، راستے میں انہیں شدید سردی نے بے حد پریشان کیے رکھا بہر حال وہ بخیریت قائن پہنچ گئے۔ وہاں تیمور نے اپنی فوج کو سمیٹا اور واپس سمرقند کی طرف روانہ ہو گیا۔

سمرقند پہنچ کر ایک تکلیف دہ خبر ملی کہ تیمور کا استاد ثمر طرخان انتقال کر گیا ہے۔ یہ خبر سن کر تیمور کو بہت رنج پہنچا۔ ثمر طرخان ہی وہ شخص تھا جس نے تیمور کو دونوں ہاتھوں سے تلوار چلانا سکھائی تھی۔ وہ اس کا ایک ہاتھ باندھ دیتا اور اس سے کہتا کہ فرض کرو کہ تمہارا صرف ایک ہاتھ ہے اور تمہیں اسی سے دشمن کا مقابلہ کرنا ہے۔ یوں اس نے تیمور کو دونوں ہاتھوں سے تلوار چلانے میں ماہر بنا دیا تھا۔ یہ مہارت اکثر جنگوں میں تیمور کے بے حد کام آئی۔ جب دشمن کے سپاہی ایک ہاتھ میں ہتھیار تھام کر اس کے مقابلے پر آتے وہ دونوں ہاتھوں سے تلوار چلاتے ہوئے با آسانی ان کا کام تمام کر دیتا تھا۔ اپنی اس صلاحیت ہی کی وجہ سے وہ ''توک تامیش'' جیسے سپہ سالار کو شکست دینے میں کامیاب ہوا، کیونکہ اس سے لڑائی کے دوران تیمور کا دایاں ہاتھ بے حد بُری طرح زخمی ہوا اور تقریباً بے کار ہو گیا، ایسے میں اگر وہ دونوں ہاتھوں سے تلوار چلانا نہ جانتا ہوتا تو یقیناً اسی لمحے موت اس کا مقدر ہوتی مگر ثمر طرخان کے سکھائے گُر نے نہ صرف اس کی جان بچائی بلکہ یقینی شکست کو فتح میں تبدیل کر دیا۔ توک تامیش سے لڑائی کے بعد تیمور کے سیدھے ہاتھ کی انگلیاں ہمیشہ کے لیے بے کار ہو گئی تھیں اور وہ بقیہ زندگی بھر اُلٹے ہاتھ سے لکھنے پر مجبور تھا۔

تیمور کی اصفہان کے ایک نامور دانشور صدرالدین اصفہانی کے ساتھ مختلف امور پر بحث پر مبنی خط و کتابت چلتی رہتی تھی۔ تیمور نے کچھ عرصہ قبل اس سے خط لکھ کر دریافت کیا تھا کہ ''آیا انسان با اختیار ہے یا بے اختیار۔ وہ تقدیر کے آگے مجبور ہے یا اپنی تقدیر خود بنا سکتا ہے؟''۔

صدرالدین اصفہانی نے جواباً کچھ آیات قرآنی کا حوالہ دے کر لکھا کہ انسان کو اختیار حاصل ہے کہ جو چاہے کرے لیکن اس اختیار کی حدیں معین ہیں اور ان سے آگے نہیں بڑھا جا سکتا۔ تیمور کے خیال میں صدرالدین اصفہانی آیات قرآنی کا صحیح مفہوم نہیں سمجھ سکا تھا۔ کیونکہ اس اہم موضوع پر قرآن کی آیات بے حد پُر مغز ہیں اور ان کی گہرائی تک پہنچنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ اس سلسلے میں تیمور کا ذاتی نظریہ یہ تھا کہ موت اور پیدائش کے علاوہ ہر انسان کو اختیار حاصل ہے کہ وہ جو چاہے سو کرے، اور جو لوگ یہ تصور کرتے ہیں کہ وہ محض بد نصیبی کو جھیلنے کے لیے پیدا کیے گئے ہیں وہ خود کو فریب دیتے اور سخت غلطی پر ہیں۔ تیمور کی نظر میں ایسے لوگوں کی بد نصیبی کا اصل سبب ان کی اپنی بے ہمتی ہے کیونکہ جو انسان ہمت اور حوصلے سے کام نہ لے تو اس کے نصیب کا پھوٹ جانا یقینی ہے۔

تیمور نے صدرالدین اصفہان کو خط لکھا کہ وہ اگلے سال اصفہان چھوڑ کر طوس میں سکونت اختیار کرے، اگر وہاں رہنا پسند نہیں تو سمرقند

چلا آئے۔تاہم تیمور نے اس کی وضاحت نہیں کی کہ وہ ایسا کیوں چاہتا ہے۔در اصل اس کا ارادہ آئندہ برس خراسان سے آگے عراق کی سرزمین کو فتح کرنے کا تھا،جس میں اصفہان اور فارس بھی شامل تھے۔

تیمور خاص طور پر فارس پر قبضہ کرنا چاہتا تھا جس کا سبب اصفہان کے حکمران سلطان منصور مظفری کی گستاخی اور گھمنڈ تھا۔

قصہ کچھ یوں تھا کہ خراسان کے دوسرے سفر کے دوران تیمور کی طبیعت خراب ہوگئی تھی۔اس کے حکیم کا مشورہ تھا کہ مذکورہ بیماری تیمور کی طبیعت کی گرمی کے باعث ہے۔چنانچہ اس کا کہنا تھا کہ اگر تیمور فارس کے لیموں استعمال کرے تو بہت جلد صحت یاب ہوجائے گا۔خراسان میں فارس کے لیموں دستیاب نہ تھے۔چنانچہ تیمور نے فارس کے حکمران سلطان منصور مظفری کے پاس تیز رفتار قاصد بھیج کر درخواست کی کہ لیموں یا ان کا پانی تیمور کے لیے روانہ کردے۔

تیمور نے سلطان فارس کے نام خط لکھا کہ ''چونکہ میں بیمار ہوں اور میرے طبیب نے میری بیماری کا علاج فارس کے لیموں تجویز کیا ہے،لہٰذا تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ میرے لیے تھوڑی مقدار میں فارس کے لیموں یا ان کا پانی روانہ کردے۔''

سلطان منصور مظفری نے تیمور کے خط کا جواب انتہائی گستاخانہ انداز میں لکھا،اس میں تحریر تھا ''میرا دربار سبزی فروش کی دکان نہیں جو تُو مجھ سے لیموں مانگ رہا ہے،میں عطار ہوں نا شربت بیچتا ہوں کہ تُو مجھ سے لیموں کے پانی کی فرمائش کرتا ہے۔شاید تجھے چنگیز کی اولاد ہونے کا گھمنڈ ہے جو تُو نے مجھے یوں حقارت کی نظر سے دیکھا ہے مگر یہ بات یاد رکھ کہ تیرا پردادا چنگیز خان بھی فارس کی طرف میلی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکا،تیری حیثیت تو چنگیز کے مقابلے میں چیونٹی کے برابر بھی نہیں۔''

پھر اس نے خط کے آخر میں لکھا: ''اگر میں سبزی بیچنے والا یا شربت فروش ہوتا،تو بھی تیرے لیے لیموں یا اس کا پانی نہ بھیجتا تاکہ تُو اس بیماری سے مرجائے اور چنگیز کی نسل ختم ہوجائے!''

یہ دشنام گوئی اور بدتمیزی پر مشتمل خط پڑھ کر تیمور کے غضب کا ٹھکانہ نہ رہا اور اس نے یہ فیصلہ کرلیا کہ وہ جلد سے جلد سلطان منصور مظفری کو اس کے گھمنڈ اور گستاخی کی سزا دے کر رہے گا!۔

تیمور نے اگلے برس فارس کا رخ کیا اور ایک لاکھ بیس ہزار کی فوج لیکر نکل کھڑا ہوا۔فارس پہنچنے کے لیے کرمانشاہ سے گزرنا ضروری تھا۔اس علاقے میں ایک بے حد دشوار گزار پہاڑی راستہ تھا جس سے گزرے بغیر فارس نہیں پہنچا جاسکتا تھا۔جب تیمور اور اس کی فوج آدھا راستہ طے کرکے پہاڑی کے عین درمیان پہنچے تو اطلاع ملی کہ آگے بہت سے سوار اور پیادہ لوگ اسلحہ لیے گھات لگائے بیٹھے ہیں۔تیمور نے اپنے جاسوسوں کو اصل بات کی تہہ تک پہنچنے کے لیے روانہ کیا۔انہوں نے آکر خبر دی کہ در اصل وہ لوگ کرمانشاہ کے قبائلی باشندے ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ تیمور کے پاس بہت سا سونا چاندی ہے،اگر وہ اپنا سارا سونا چاندی ہمارے حوالے کردے تو یہاں سے بچ کر جاسکتا ہے۔تیمور کے پاس اتنا سونا چاندی نہیں تھا تاہم اس حوالے سے اس کی شہرت کافی زیادہ پھیلی ہوئی تھی۔تاہم اگر اس کے پاس اتنا سونا چاندی ہوتا بھی تو وہ کسی کو اس بات کی اجازت نہیں دے سکتا تھا کہ وہ یوں غنڈہ گردی کے ذریعے اس سے چھین لے یا بطور خراج وصول کرلے۔تاہم تیمور جانتا تھا کہ جس راستے پر وہ کھڑے ہیں وہ انتہائی خطرناک ہے،ایسے

میں اگر اس راستے کے دونوں طرف پہرہ بیٹھا دیا جائے تو بڑی سے بڑی فوج بھی وہاں سے گزرنے کے قابل نہ رہتی۔ مزید براں بالفرض اگر کوئی فوج جانی نقصان کرا کے کسی نہ کسی طرح راستہ صاف کرنے میں کامیاب ہو جاتی تو بھی سروں پر برسنے والے پتھروں کا توڑ کرنا ناممکن تھا جو اس راستے پر گھات لگائے قبائلیوں کا زبردست ہتھیار تھے، چنانچہ تیمور نے فوج کو واپسی کا حکم دیا۔ تاہم کچھ ہی دیر بعد فوج کے عقبی حصے سے اطلاع ملی کہ واپسی کے راستے پر بھی ناکہ بندی ہو چکی ہے۔ گویا قبائلیوں نے پوری منصوبہ بندی سے انہیں اپنے جال میں پھنسالیا تھا اور وہ ان کے نرغے میں تھے۔

اب مقابلے میں صرف ایک ہی راہ باقی تھی چنانچہ سوچنا بیکار تھا بلکہ تیمور جانتا تھا کہ اب انہیں خود کو موت کا سامنا کرنے کے لیے تیار کر لینا چاہیے۔ تیمور کے نزدیک بزدل انسان ہزار بار مرتا ہے اور مر مر کر جیتا ہے جبکہ بہادر انسان صرف ایک بار موت کو گلے لگاتا ہے اس لیے وہ موت سے گھبراتا نہیں۔ تیمور بھی موت سے گھبراتا نہیں تھا کیونکہ اس کا پختہ یقین تھا کہ موت ایک اٹل حقیقت ہے، حتیٰ کہ خدا کے خاص بندے یعنی پیغمبر بھی موت کا ذائقہ چکھنے پر مجبور تھے تو عام انسانوں کی تو بات ہی الگ ہے۔

تیمور کو جب بھی یہ احساس ہوتا کہ صرف ایک راستہ باقی ہے جس کی منزل موت ہو سکتی ہے تو وہ قطعاً نہیں گھبراتا تھا بلکہ موت کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہو جاتا۔ چنانچہ اس دن بھی تیمور نے تیزی سے زرہ پہنی، خود سر پر جمایا اور اپنے ملازم سے کہا کہ "تاشقند" کی بنی دو نازک اور تیز دھار تلواریں اسے دے، پھر اپنے سپاہیوں کو جو زرہ اور آہنی خود پہنے ہوئے تھے دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصے کو اس پہاڑی راستے کے مدخل پر جہاں سے وہ اس موت کے جال میں داخل ہوئے تھے حملہ کرنے کی ہدایت کی اور دوسرے حصے کی کمان خود سنبھالتے ہوئے باہر نکلنے والے راستے پر حملہ کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔ باقی سپاہی ان حملوں کی آڑ میں وہ دشوار گزار پہاڑی راستہ پار کرنے کے لیے تیار تھے۔

تیمور نے اپنے دستے کے سپاہیوں کو اچھی طرح سمجھا دیا کہ انہیں راستہ صاف کرنے کے بعد تیزی سے چکر کاٹ کر پہاڑی پر چڑھنا ہے تاکہ پہاڑی پر موجود قبائلیوں کا قلع قمع کر سکیں اور ان کی فوج پتھروں کا نشانہ بنے بغیر اس راستے سے نکل جائے۔ تیمور اپنے ساتھیوں سمیت آگے بڑھا تو اسے پتہ چلا کہ اس راستے کے دھانے پر دشمن کا ایک دستہ گھوڑوں پر سوار ہو کر مقابلے کے لیے موجود ہے۔ یہ بات تیمور کے لیے خوشی اور اطمینان کا باعث تھی کیونکہ ان لوگوں کی موجودگی میں قبائلی ان پر پہاڑی کے اوپر سے پتھر نہیں برسا سکتے تھے۔ چنانچہ تیمور نے گھوڑے کی لگام اپنی گردن میں ڈالی اور دونوں ہاتھوں میں تلوار تھام کر گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ اس کے ساتھی بھی اس کے پیچھے پیچھے تھے۔

قبائلیوں کے پاس پہنچتے ہی تیمور اور اس کے سپاہی ان پر ٹوٹ پڑے۔ راستہ روکے کھڑے قبائلیوں کے پاس حفاظتی لباس نہیں تھا، لہٰذا تیمور کی تیز دھار تلواریں ان کے بدن کے آر پار ہو رہی تھیں۔ اس دوران کئی تلوار اور نیزے کے وار تیمور کو بھی لگے مگر چونکہ وہ آہنی لباس پہنے ہوئے تھا اس لیے محفوظ رہا۔ قبائلی باشندے اگرچہ مناسب جنگی لباس نہیں پہنے ہوئے تھے مگر پھر بھی اتنی دلیری اور ثابت قدمی سے لڑ رہے تھے کہ جلد ہی تیمور کو اندازہ ہو گیا، ان کو ختم کیے بغیر آگے بڑھنا ممکن نہ ہوگا۔ چنانچہ تیمور نے زیادہ چابکدستی سے تلواریں چلانا شروع کر دیں۔

تیمور کے ہاتھ کسی ماہر جولاہے کی طرح چل رہے تھے جیسے کہ وہ بڑی مہارت سے کپڑا بن رہا ہو۔ اس کی تلواریں جسموں کے پار یوں ہو رہی تھیں جیسے پانی کو کاٹ رہی ہوں۔ دونوں ہاتھ اس مستعدی سے چل رہے تھے جیسے دو الگ انسان ایک ہی جسم میں یکجا ہو کر دشمن پر ٹوٹ پڑے

ہوں۔ تیمور دل ہی دل میں اپنے مرحوم استاد شر طرخان کی روح کو سلام عقیدت پیش کرتا انسانی گردنوں کو کاٹ رہا تھا۔ ان کٹی گردنوں سے پھوٹتا خون اس کے رگ وپے میں کیف وسرور کی عجیب کیفیت پیدا کرر ہا تھا۔ اس کے اندر جیسے بجلیاں سی بھر گئی تھیں اور وہ اکیلا درجنوں پر بھاری نظر آ رہا تھا۔ اس کا اور اس کے گھوڑے کا سارا بدن خون کے چھینٹوں سے سُرخ ہو چکا تھا اور تیمور کو یوں لگ رہا تھا جیسے اس کے بدن پر گلاب اُگ آئے ہوں۔ تیمور کے جوش وجذبہ کی یہ کیفیت تھی کہ اس لمحے اگر اس کے سامنے ایک سو رستم بھی آجاتے تو وہ ان سب کو ختم کر ڈالتا۔ اسے یقین ہو چلا تھا کہ اگر اس لمحے اس کے سامنے ایک ہزار جنگجو مزید بھی آجائیں تو وہ ان سب کو چیر کر نکل جائے گا۔ اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ ''اے تیمور، کسی ذی روح میں تیرے سامنے تلوار چلانے کا یارا نہیں۔ جو بات تجھ میں ہے وہ کسی اور میں نہیں۔''

دشمن کے کٹے سروں اور گردنوں سے اُبلتے فواروں نے اس پر ایک عجیب نشہ اور کیف طاری کر دیا تھا۔ اسی مستی میں اس کے منہ سے فلک شگاف نعرے نکلنے لگے اور اس نے آسمان کی طرف منہ اُٹھا کر بے اختیار بانگ لگا دی، ''اے چمکتے سورج! کیا تُو نے مجھ جیسا دلیر انسان روئے زمین پر پہلے کبھی دیکھا ہے؟۔''

تیمور اور اس کے ساتھی قبائلیوں کو گاجر مولیوں کی طرح کاٹ رہے تھے چنانچہ کچھ ہی دیر بعد ان کے سامنے کوئی باقی نہ رہا۔ اکثر راہزن موت کے گھاٹ اُتر چکے تھے اور چند باقی رہ گئے تھے وہ دُم دبا کر بھاگ نکلے۔

اگرچہ تیمور نے درجنوں قبائلیوں کو موت کے گھاٹ اُتارا تھا اور ان کے خون میں پوری طرح نہا چکا تھا مگر اس فتح کے باوجود اس پر مایوسی طاری ہو گئی تھی، وہ اس لیے کے اس کا دل جنگ ختم ہو جانے پر اُداس تھا، اسے اسی بات کا غم تھا کہ وہ مزید گردنیں کاٹنے اور ان سے اُبلتے خون کے فوارے دیکھنے کی لذت اور نشہ سے محروم ہو گیا ہے۔ اسے حیرت ہوتی تھی ان لوگوں پر جو شراب اور شباب کے نشے میں ڈوب جاتے ہیں کیونکہ اس کے نزدیک جو نشہ جنگ میں ہے اور جو مستی دشمن کی گردن سے پھوٹتے لہو کو دیکھ کر حاصل ہوتی ہے وہ کسی اور چیز میں نہیں۔

بہر حال تیمور نے دوسری جانب موجود اپنی فوج کو پیغام بھیجا کہ وہ جنگ سے ہاتھ کھینچ لیں اور ان کی طرف سے راستہ عبور کرنے کے لیے آجائیں۔ مگر ان کی طرف سے پیغام آیا کہ انہیں قبائلیوں کی طرف سے زیادہ مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا، البتہ اوپر سے برسنے والے پتھروں نے ان کا خاصا نقصان کر دیا تھا۔

تیمور نے اپنے چند سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ پہاڑی پر چڑھ جائیں تاکہ وہاں موجود قبائلیوں کا بھی صفایا کیا جا سکے۔ مگر جب تک تیمور کے سپاہی اوپر پہنچے قبائلی اچانک غائب ہو گئے۔ چنانچہ وہ راستہ بالکل محفوظ ہو گیا اور تیمور کی ساری فوج بحفاظت اس دشوار گزار پہاڑی کو عبور کر کے دوسری طرف منتقل ہو گئی۔

اس واقعہ سے تیمور کو یہ نصیحت حاصل ہوئی کہ ایسے دشوار گزار پہاڑی راستوں سے گزرتے ہوئے احتیاط کا دامن نہ چھوڑا جائے اور پہلے جاسوسوں کے ذریعے یہ معلومات حاصل کر لی جائیں کہ کہیں کوئی دشمن ایسے دشوار راستوں پر گھات لگائے تو نہیں بیٹھا ہوا۔ نیز یہ کہ جب ایسے راستوں سے گزرنے لگو تو اس راستے کے دھانے پر اپنا محفوظ قبضہ پہلے قائم کرو اور پھر فوج کو آگے بھیجو۔ بعد ازاں تیمور نے ترکی،

افغانستان، ہندوستان اور شام پر چڑھائی کرتے ہوئے اس تجربے کو ذہن میں رکھتے ہوئے خوب فائدہ اٹھایا۔اس معرکے میں تیمور کے ایک سو سولہ سپاہی کام آئے تاہم اس نے اس سے کہیں زیادہ تعداد میں قبائلیوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا تھا۔

تیمور نے بڑی حسرت سے اپنی خون آلود تلواریں نیام میں واپس ڈالیں اور اپنے سپاہیوں کے کفن دفن کا انتظام کرنے کے بعد فارس کی طرف روانہ ہو گیا۔راستے میں قزوین نامی مقام پر پہنچ کر تیمور کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی۔شاہی طبیب نے بتایا کہ وہی بیماری ہے جس نے تیمور کو سبزوار میں آلیا تھا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تیمور کو گرمی راس نہیں آتی۔اس نے تیمور کو سختی سے ٹھنڈی چیزیں زیادہ استعمال کرنے اور گرم چیزوں سے دُور رہنے کی ہدایت کی اور ساتھ ہی مشورہ دیا کہ وہ لیموں اور انار کا رس زیادہ سے زیادہ استعمال کرے۔قزوین میں لیموں بکثرت ملتے تھے تاہم ان کا رس فارس کے لیموؤں جیسا نہیں تھا، تاہم وہاں انار بھی خوب کثرت سے ملتے تھے۔چنانچہ تیمور کو ان دونوں پھلوں کا رس زیادہ استعمال کرنے سے تقریباً چھ ہفتوں میں مکمل صحت یابی حاصل ہو گئی۔

مقامی لوگوں نے تیمور کو بتایا کہ فارس زبردست جنگجوؤں کی سرزمین ہے، اگر شاہ فارس ان جنگجوؤں کو تمہارے مقابلے پر لے آیا تو تمہاری فوج نیست و نابود ہو جائے گی۔تیمور نے انہیں بتایا کے وہ موت سے نہیں ڈرتا اور جنگ پر نکلنے سے پہلے ہر طرح کے خوف وڈر کو اپنے اندر سے نکال باہر کرتا ہے۔اس پر قبائلیوں نے اسے پھر خبردار کیا کہ شاہ فارس تیری آمد سے آگاہ ہو چکا ہے اور اس نے ہزاروں قبائلیوں کو تیرے مقابلے پر روانہ کر دیا ہے۔

تیمور نے مزید تحقیق کی تو پتہ چلا کہ اس کے مقابلے کے لیے بھیجے جانے والے قبائلی جمشید کی نسل سے ہیں۔جمشید کا ذکر تیمور نے ''شاہنامہ'' میں پڑھ رکھا تھا، وہ پہلا بادشاہ تھا جس نے ایران کے لیے سب سے پہلے قوانین وضع کیے۔

تیمور نے جمشید کے محلات بھی دیکھے جو ''تخت جمشید'' کے نام سے مشہور تھے۔اس نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ اس جگہ اس کے نام کا کتبہ نصب کریں تاکہ آنے والے لوگ جان لیں کہ تیمور نے اس سرزمین کو فتح کیا تھا۔

تیمور کو بتایا گیا کہ جمشید کی نسل سے تعلق رکھنے والے یہ قبائلی بے حد نڈر اور جنگجو ہیں، میدان جنگ میں بڑی سے بڑی فوج کو بھی خاطر میں نہیں لاتے۔انہیں آج تک کسی نے پیٹھ دکھاتے نہیں دیکھا اور یہ لوگ آخری دم تک لڑنا گوارا کرتے ہیں مگر شکست تسلیم نہیں کرتے۔تیمور کو مقامی لوگوں نے یہ بھی بتایا کہ اگر سلطان منصور اردگرد کے قبائل سے مدد طلب کرے تو دس لاکھ کی فوج تمہارے مقابلے پر بھیج سکتا ہے۔اول تو تمہارے لیے ان قبائلیوں پر غلبہ پانا ہی ناممکن ہے، بالفرض ایسا ہو بھی جائے تو تم ان تین قلعوں کا کیا کرو گے؟

ان تین قلعوں بارے میں مزید معلومات اکٹھی کی گئیں تو معلوم ہوا کہ یہ قلعے بھی جمشید نے بنوائے تھے اور یہ تینوں قلعے فارس کے شمال مغربی پہاڑوں میں واقع ہیں اور اس قدر وسیع وعریض اور مضبوط ہیں کہ ہزاروں افراد اس میں آسانی سے پناہ لے سکتے ہیں۔وہاں اشیاء خوردونوش کی کمی ہے اور نہ پانی کی، لہٰذا سلطان منصور اگر شکست کھا بھی جائے تو ان قلعوں میں محصور ہو کر ایسا الجھائے گا کہ برسوں بھٹکتے رہو گے اور ہاتھ کچھ بھی نہیں آئے گا۔لہٰذا بہتر یہی ہے کہ جہاں سے آئے ہو وہیں لوٹ جاؤ اور فارس پر فتح کے خواب کو دیوانے کا خواب سمجھ کر بھول جاؤ۔

اسی دوران تیمور کو شاہ فارس کی طرف سے ایک اور خط موصول ہوا۔اس نے اس خط میں بھی توہین آمیز الفاظ استعمال کرتے ہوئے اسے

پلید ومنحوس "ازبک" کے نام سے پکارا تھا۔ خط میں لکھا تھا: "اے پلید ومنحوس ازبک! کان کھول کر سُن لے کہ فارس کی سرزمین تیز اور نوکیلے پنجوں والے شیروں کی سرزمین ہے۔ یہاں تیرے جیسے گیدڑوں کی نہیں چلے گی۔ تُو نے اس سرزمین پر قدم رکھ کر اپنی موت کو خود دعوت دی ہے۔ اگر تُو یہ جاننا چاہتا ہے کہ اس سرزمین پر قبضے کا خواب دیکھنے والوں پر کیا بیتی تو اس کے راستوں میں ادھر اُدھر بکھری انسانی ہڈیوں کو ملاحظہ کرے، یہ انہی لوگوں کی ہیں جو تیری طرح سرزمین فارس پر قبضے کا خواب لے کر یہاں تک چلے آئے اور پھر ایک عبرت بن گئے۔ خبردار ہو جا کہ عنقریب تیرا انجام بھی یہی ہونے والا ہے۔"

تیمور نے خط کا جواب ان الفاظ میں دیا،

"اے بزدل انسان، میں نے جب پہلی بار تجھ سے لیموں بھیجنے کی درخواست کی تھی تو اس وقت تو نے اپنے گھمنڈ اور غرور کی وجہ سے بلاوجہ مجھے بھلی بُری سنائی تھیں، حالانکہ یہ معمولی فرمائش کسی عام سے انسان بھی کی جاتی تو وہ اسے پورا کر دیتا۔ اب جب کہ میں تیری سرزمین پر آیا ہوں تو بجائے اس کے کہ میرا استقبال کرتا، تُو ایک بار میرے ساتھ توہین آمیز سلوک کر رہا ہے۔ لہٰذا میں تجھے بتانا چاہتا ہوں کہ میں منحوس اور ازبک نہیں بلکہ چنگیز کی اولاد ہوں۔ آج تک میں نے جو کیا وہ چنگیز کی اولاد کے شایانِ شان تھا اور آئندہ بھی جو کروں گا وہ چنگیز کی اولاد کے شایانِ شان ہوگا۔"

خط کا جواب ارسال کرنے کے بعد تیمور تیزی سے آگے بڑھا اور جلد ایک ایسے قصبے میں پہنچا جو بے حد وسیع تھا۔ یہاں پہنچ کر پتا چلا کہ شاہ فارس نے قبائلی سپاہیوں پر مشتمل ایک فوج ارجن نامی جنگل میں بٹھا رکھی ہے جو ان کی آمد کی منتظر ہے۔ دراصل بادشاہ فارس نے ایسی جگہ کا انتخاب جنگ کے لیے کیا تھا جو اس کی فوج کے لیے نہایت موزوں تھی۔ تیمور جانتا تھا کہ ارجن کے جنگل سے گزرنا اس کی فوج کے لیے انتہائی دشوار ہوگا اور اگر ایسے میں دشمن کی فوج سے مڈبھیڑ ہو گئی تو اس کی فوج کے لیے جنگی نقل وحرکت انجام دینا ناممکن ہو جائے گا۔ جبکہ قبائلی باشندے ایسی جگہوں پر لڑنے کے عادی ہوتے ہیں۔

چنانچہ تیمور نے جان بوجھ کر فوج کا نقصان کرنے کی بجائے ایک لمبا چکر کاٹ کر ارجن کے جنگل کو پار کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس فیصلے کا مقصد یہ تھا کہ جنگل جیسی جگہ جنگ کرنے کی بجائے دشمن کو ہموار جگہ جنگ کرنے پر آمادہ کیا جائے۔ اس کے علاوہ تیمور شیراز کو فتح کرنے کا بھی ارادہ رکھتا تھا۔ اس نے سنا تھا کہ شیراز علم ودانش کا شہر ہے اور وہاں بہت سے بزرگ ودانشور لوگ بسیرا کیے ہوئے ہیں۔ تیمور کے دل میں ان اہل علم لوگوں سے مباحثہ کی خواہش بھی مچل رہی تھی۔

شیراز فارس کا وہ شہر ہے جسے حجاج بن یوسف کے بھائی نے سن 640ء میں قائم کیا۔ شیراز کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ انتہائی خوبصورت اور دلفریب حسیناؤں کا شہر ہے، وہاں کی حسیناؤں کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ سب کی سب ساحرائیں ہیں اور انہیں دیکھنے والا پلک جھپکنا بھول جاتا ہے۔ تیمور کے سپاہی بھی ان حسیناؤں کے حوالے سے بے حد بے قرار تھے۔ تاہم خود تیمور نے ایک عرصہ قبل ایسی تمام خواہشات کا گلہ گھونٹ دیا تھا تاکہ اپنی تمام تر توجہ جنگی مہارت اور قوت میں اضافے پر مرکوز رکھ سکے۔

جب تیمور نے شیراز فتح کر لیا اور شہر میں داخل ہو گیا تو اسے پتا چلا کہ وہاں کی حسیناؤں کے بارے میں مشہور باتیں محض افسانے اور قصے

کہانیاں ہی ہیں اور حقیقت میں وہاں کی عورتیں اتنی خوبصورت نہیں جتنا شاعروں نے اپنے کلام میں مبالغہ سے کام لیا ہے۔

بہر حال شیراز پر حملے اور جنگ کا قصہ کچھ یوں ہے کہ تیمور اور اس کے سپاہی ارجن نامی جنگل کا چکر کاٹتے ہوئے وہاں چھپی ہوئی فوج سے بچ کر شیراز کے قریب آپہنچے۔ انہیں معلوم تھا کہ شاہ منصور شیراز میں ہے۔ چنانچہ جب تیمور ''پاکیلا'' نامی ایک مقام پر پہنچا تو اسے دور سے ایک بہت بڑے لشکر کے آثار دکھائی دیئے۔ چنانچہ اس نے اپنی فوج کو پڑاؤ ڈالنے کا حکم دے دیا۔

تیمور اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ اور اس کے سپاہی ایک ایسے علاقے میں ہیں، جو سارے کا سارا دشمنوں سے گھرا ہوا ہے، نیز یہ کہ وہ وہاں کی آب وہوا اور مزاج سے بھی قطعی ناواقف ہیں۔ لیکن یہ بھی حقیقت تھی کہ اس کی فوج ایک طویل سفر طے کر کے وہاں پہنچی تھی اور سپاہیوں کو آرام کی فوری ضرورت تھی۔ چنانچہ تیمور نے اپنے افسروں کو بلا کر ہدایت کی کہ وہ سپاہیوں کو سونے سے نہ روکیں، تاہم اس علاقے میں یہ ڈر موجود ہے کہ کسی بھی وقت کوئی فوج عقب سے بھی حملہ آور ہو جائے لہٰذا جگہ جگہ پہرہ بٹھا دیں اور سپاہیوں کو کہیں کہ ایسی حالت میں سوئیں کہ اگر دشمن رات کے وقت حملہ آور ہو جائے تو فوراً جنگ کے لیے تیار ہو سکیں۔

اس کے بعد تیمور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر صورت حال کا جائزہ لینے نکل کھڑا ہوا۔ اسے اندازہ ہوا کہ فارس کا حکمران جنگی حکمت عملی اور سمجھ بوجھ سے قطعاً عاری ہے۔ کیونکہ اس نے جنگ کے لیے جو خطہ زمین منتخب کیا تھا وہ بالکل ہموار تھا اور اس کی فوج پیادہ فوج تھی۔ اسے یہ سمجھ ہی نہ تھی کہ ایک پیادہ فوج کو سوار فوج کے سامنے ہموار میدان میں نہیں آنا چاہیے بلکہ اس کے مقابلے کے لیے ایسی جگہ کا انتخاب کرنا چاہیے جہاں قدرتی رکاوٹیں ہوں۔ مزید یہ کہ شاہ فارس کو چاہیے تھا کہ تیمور کی فوج پر فوری حملہ کر دیتا تا کہ اس کی فوج کو رات بھر آرام کرنے اور تازہ دم ہونے کا موقع نہ ملے مگر ان کا رات کے وقت حملہ کرنے کا کوئی ارادہ نظر نہیں آتا تھا۔

رات گئے کچھ پہرے داروں نے تیمور کو اطلاع دی کہ دشمن کے کچھ دستے ان کی طرف آتے دکھائی دے رہے ہیں، تیمور نے ہدایت کی کہ جب تک یہ واضح نہ ہو جائے کہ ان کا ارادہ حملہ کرنے کا ہے، سپاہیوں کو نہ اٹھایا جائے۔ تیمور کا اندازہ درست نکلا کیونکہ دشمن کے وہ دستے محض صورت حال کا جائزہ لینے آئے تھے۔

اگلی صبح تیمور نے نماز فجر کے فوراً بعد بگل بجانے کا حکم دیا۔ بگل بجتے ہی اس کے سپاہی میدان میں حاضر ہو گئے اور انہوں نے جنگی صف آرائی مکمل کر لی۔ جیسے ہی سورج ذرا اوپر اٹھا تو تیمور نے حملے کا حکم دے دیا۔ اس کی فوج کے دائیں حصے کا سردار فتاح بیگ تھا۔ اس کا اصل نام امیر فتاح تھا، مگر اس نے تیمور کے احترام میں اپنے نام سے امیر کا لفظ حذف کر دیا تھا۔ بعد میں تیمور نے اسے فتاح بیگ کا نام دیا۔ فتاح بیگ ایک نہایت قابل دلیر اور جنگی سمجھ بُوجھ رکھنے والا سردار تھا۔ تیمور کو اپنے سرداروں میں جن صلاحیتوں کی ضرورت تھی وہ سب کی سب فتاح بیگ میں موجود تھیں۔

تاہم اس میں ایک بُری عادت تھی، وہ یہ کہ کبھی کبھی شراب نوشی کیا کرتا تھا اور تیمور سے یہ بات چھپاتا تھا۔

تیمور نے اس حملے کے لیے اپنے سات بیٹوں میں سے ایک میراں شاہ کو فوج کے بائیں حصے کی کمان سونپی۔ میراں شاہ کو اس سے پہلے کسی فوجی دستے کی کمان سنبھالنے کا تجربہ حاصل نہ تھا، تاہم وہ کئی جنگوں میں شریک ہو چکا تھا۔

حملہ شروع کرنے سے پہلے تیمور نے اپنے بیٹے کو خیمے میں طلب کیا اور اس سے کہنے لگا، ''اے فرزند، میں ایک عرصہ سے اس موقع کی تلاش میں تھا کہ شاہ منصور کو اس کی گستاخی کا مزہ چکھا سکوں، آج وہ دن اور وہ موقع آپہنچا ہے۔ تیری فوج سوار ہے اور دشمن کی فوج پیادہ، تیری راہ میں رکاوٹیں بھی نہیں بلکہ ہموار زمین ہے، تیرے تمام سوار تجربہ کار ہیں، نیز تجھے تجربہ کار سرداروں کی مدد بھی حاصل ہے۔ ان میں کچھ تو ایسے ہیں جو پچھلے پندرہ سالوں سے مختلف جنگوں میں دادِ شجاعت دیتے آرہے ہیں۔ الغرض ہر بات میرے حق میں ہے، اگر پھر بھی آج میری فوج شکست کھا جائے تو یہ میرے سرداروں کی نالائقی کا نتیجہ ہوگا۔ چونکہ آج تُو بھی ایک سردار ہے، لہٰذا یاد رکھ میں تیری ناکامی کا کوئی عذر قبول نہیں کروں گا۔ بے شک تُو میرا بیٹا ہے مگر میرے نزدیک تیری موت کسی بھی عام سپاہی کی موت کے برابر ہوگی۔ لہٰذا جا اور دشمن کی فوج پر ٹوٹ پڑ، اگر دشمن کے سپاہی تیرے سامنے بے جگری دکھائیں اور شدید مزاحمت کریں تو ضروری نہیں کہ تُو ان کی صفیں چیرنے پر توجہ مرکوز رکھے بلکہ ان کے گرد چکر کاٹ کر انہیں گھیرے میں لے لینا، میرا دوسرا سردار فتاح بیگ بھی ایسا ہی کرے گا، مجھے اپنے تمام سرداروں پر اعتماد ہے اور تجھ پر بھی اعتماد کرتا ہوں۔ بس یاد رکھ کہ آج شاہ منصور کو سبق سکھانے کا دن ہے!''

یہ ہدایات دے کر تیمور نے اپنے بیٹے میراں شاہ کو روانہ کر دیا اور تیمور خود بھی فوج کے مرکزی حصے کی کمان سنبھالنے کے لیے تیار ہو گیا۔ اس نے حسبِ معمول اپنا جانشین مقرر کر دیا تاکہ اگر وہ مارا جائے تو اس کا جانشین اس کی جگہ سنبھال لے اور اس کی فوج انتشار کا شکار نہ ہو جائے۔ تیمور کا معمول تھا کہ وہ اپنے لیے کوئی خاص لباس نہیں بنواتا تھا بلکہ اس کے اور اس کے سرداروں کے لباس میں کوئی خاص فرق نہ ہوتا تھا، یوں جنگ کے دوران کسی کو یہ پتا نہیں چلتا تھا کہ تیمور کی فوج کا سپہ سالار کون ہے۔

تیمور جب اپنی فوج کے ساتھ دشمن کے سامنے پہنچا تو سنہری خود سر پر سجائے چمکیلا لباس پہنے شاہ منصور کو فوراً پہچان لیا جو اپنے محافظوں کے جھرمٹ میں کھڑا تھا۔ تیمور پہلی صف میں شامل ہو کر تیزی سے دشمن کی طرف بڑھ رہا تھا، اس کی بے جگری اور دلیری دیکھ کر اس کے سپاہیوں کا جذبہ بھی دوچند ہو گیا تھا اور وہ بھی نعرے لگاتے دشمن کی طرف بڑھ رہے تھے۔

جب دونوں فوجوں کے درمیان سو قدم کا فاصلہ رہ گیا تو اچانک شاہ منصور کی فوج نے تیمور کے سپاہیوں پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی، تیمور کو اندازہ تھا کہ دشمن انہیں تیروں کا نشانہ بنائے گا، اس لیے اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دے رکھا تھا کہ تیز رفتاری سے حملہ کر کے جلد از جلد دشمن کی یہ حکمت عملی ناکام بنا دیں۔ تاہم اسے حیرانی اس بات کی تھی کہ شاہ منصور نے اس حکمت عملی سے صحیح معنوں میں فائدہ اٹھانے کا کوئی خاطر خواہ انتظام نہیں کیا تھا، تیمور اور اس کی فوج کی راہ میں کوئی قدرتی رکاوٹ تھی اور نہ ہی شاہ منصور نے مصنوعی طور پر ہی کوئی رکاوٹ پیدا کرنے کی کوشش کی تھی حالانکہ اس طرح وہ تیمور کی فوج کو بڑے نقصان سے دوچار کر سکتا تھا۔ مگر اس نے اس بارے میں کوئی منصوبہ بندی نہیں کی تھی۔ چنانچہ تیمور اور اس کے سپاہی بہت جلد دشمن کے سر پر پہنچ گئے۔

اگرچہ اب تیمور اور اس کے ساتھی تیر اندازی سے بچ گئے مگر شاہ منصور کے سپاہیوں نے انہیں نیزوں سے نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ تیمور نے حسبِ معمول گھوڑے کی لگام اپنی گردن میں ڈال لی اور ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں کلہاڑا تھام کر دشمن پر کسی بلائے ناگہانی کی طرح ٹوٹ پڑا۔

شاہ منصور کے سپاہیوں نے اسے نیزوں سے نشانہ بنانے کی کوشش کی مگر وہ نیزے اسے اتنی کم قوت سے لگتے تھے کہ جیسے بچے اسے نشانہ بنا رہے ہوں۔ تیمور کو جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ دشمن کے سپاہی بے حد سست اور جنگی حکمت عملی اور چالوں سے نابلد ہیں، ایسا اس لیے تھا کہ دشمن کی فوج کے افسر انتہائی لاپرواہ اور مناسب تربیت سے بے بہرہ تھے، جیسے دشمن کے افسر بے دلی سے لڑ رہے تھے اسی طرح اس کے سپاہی بھی جذبے سے عاری نظر آ رہے تھے۔

تیمور کو یہ بھی اندازہ ہوا کہ دشمن کے سپاہیوں کو جنگ کا عملی تجربہ ہے اور نہ ہی وہ اس کے مقابلے میں آنے کے لیے تیاری کر کے آئے ہیں۔

تیمور نے اپنے دونوں ہاتھوں سے دشمن کے سپاہیوں کا قلع قمع کرنا شروع کر دیا۔ اُسے یوں لگا کہ اس کے اندر اتنی قوت بھر گئی ہے کہ دشمن کے سارے سپاہی مل کر بھی اس کا سامنا نہیں کر سکتے، مگر بعد میں اسے اس حقیقت کا پتہ چلا کہ دراصل اس کی قوت میں اضافہ نہیں ہوا تھا بلکہ دشمن کے سپاہی ہی اس قدر کمزور اور لڑائی کی تربیت سے عاری تھے کہ اس جیسے جنگجو اور تجربہ کار سپہ سالار کا سامنا کرنا اُن کے بس کی بات ہی نہیں تھی۔

چند لمحوں بعد اچانک تیمور کو لگا کہ اس کا گھوڑا ڈگمگا رہا ہے، چنانچہ اس نے اپنی گردن سے اس کی باگ نکال دی اور اسی لمحے گھوڑا زمین پر آ گرا، دشمن کے نیزوں اور تیروں نے اسے بُری طرح گھائل کر دیا تھا۔ چنانچہ تیمور نے زمین پر آ کر دونوں ہاتھوں سے دشمن کے سپاہیوں سے لڑائی جاری رکھی۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ بچوں یا بوڑھوں سے مقابلہ کر رہا ہے۔ اب اس نے اپنے آہنی خود کا نقاب بھی گرا لیا تاکہ کوئی اسے پہچان نہ سکے اور دشمن کے سپاہیوں کے لیے قیامت بن گیا، اس نے درجنوں سپاہیوں کے سر تن سے جدا کیے اور تیزی سے آگے بڑھتا شاہ منصور کے قریب جا پہنچا۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ شاہ منصور کی شکست بہت جلد ہی ہونے والی ہے کیونکہ وہ ایک سست اور جنگی اصولوں سے ناواقف شخص تھا۔ اس کی فوج بھی جنگی تجربے کی حامل نہ تھی۔ تیمور کو حیرت ہو رہی تھی کہ دشمن کے سپاہی اسے تلوار اور نیزوں کے ذریعے زیر کرنے کی کوشش کر رہے تھے حالانکہ وہ آہنی لباس پہنے ہوئے تھا مگر دشمن کے سپاہیوں کو یہ تک علم نہ تھا کہ آہنی لباس پہنے ہوئے شخص کو صرف گُرز کے ذریعے ہی زیر کیا جا سکتا ہے۔

تیمور کو یہ دیکھ کر بھی دشمن کی فوج کے سپاہیوں کی بزدلی کا پتا چلا کہ ان میں سے جب کوئی معمولی سا بھی زخمی ہو جاتا تو بے حس ہو کر زمین پر لیٹ جاتا اور اپنی جگہ سے بالکل حرکت نہ کرتا تھا تاکہ تیمور کے سپاہی اسے مُردہ تصور کر کے حملے کا نشانہ نہ بنائیں، حتیٰ کہ ان میں سے کوئی تیمور یا اس کے سپاہیوں کو اچانک حملے کا نشانہ بنانے کی جرأت بھی نہ کرتا، حالانکہ اگر وہ چاہتے تو زمین پر لیٹے لیٹے تیمور کے پیروں کو نشانہ بنا سکتے تھے۔ مگر ان میں سے کوئی ایسی جُرأت نہ کر سکا۔ اگرچہ تیمور پا پیادہ لڑ رہا تھا مگر اس روز اُس کے ہاتھوں دشمن کے اس قدر سپاہی موت کے گھاٹ اُترے کہ وہ خود حیران ہوا تھا۔ تیمور کے کئی سپاہیوں نے اسے اپنے گھوڑے دینے کی پیشکش کی مگر اس نے انہیں منع کرتے ہوئے کہا کہ اسے ایسے ہی لڑنے دیں۔

تیمور کے تجربہ کار سپاہی بھی دشمن کے سپاہیوں کا تیزی سے خاتمہ کر رہے تھے جبکہ وہ خود پیش قدمی میں سب سے آگے آگے تھا۔

اچانک تیمور کو اپنے کاتب نظام الدین کی آواز سنائی دی، جو کہہ رہا تھا:

''اے امیر، یہ کیا کر رہے ہو............ تم نے اپنے آپ کو بلاوجہ اتنے بڑے خطرے میں کیوں ڈال رکھا ہے؟''

تیمور نے گرج کر پوچھا، ''نظام الدین صاف صاف کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟''

وہ کہنے لگا، ''اے امیر تم پیدل کیوں لڑ رہے ہو اور گھوڑے پر سوار کیوں نہیں ہوتے۔ میں تمہارے لیے گھوڑا لایا ہوں، آؤ اور اس پر سوار ہو جاؤ۔''

تیمور دشمن پر نظریں جمائے کچھ قدم پیچھے ہٹا اور لاشوں پر سے گزرتا ہوا نظام الدین کے پاس پہنچ گیا۔ جب اس نے اپنا آہنی نقاب اٹھایا تو نظام الدین کو داد و تحسین کے جذبات سے معمور پایا۔ وہ بولا ''اے امیر، آج تم نے وہ کارنامہ کر دکھایا ہے جو کئی سورما مل کر بھی نہ کر پاتے۔ تم نے تن تنہا پیدل لڑتے ہوئے دشمن کے سینکڑوں سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اُتارا ہے۔ ذرا اپنے لباس کی طرف نظر دوڑاؤ، یوں لگتا ہے کہ تم خون کے حوض سے نہا کر باہر نکلے ہو۔'' تیمور نے اپنے آہنی لباس پر نظر ڈالی تو وہ واقعی خون سے پوری طرح لتھڑا ہوا تھا۔ تاہم تیمور جانتا تھا کہ آج کی لڑائی اور کارنامے میں اس کی طاقت اور دلیری سے زیادہ دشمن کے سپاہیوں کی نااہلی اور بزدلی نے زیادہ کردار ادا کیا ہے۔ وہ جان چکا تھا کہ دشمن کے سپاہی انتہائی بے دلی سے لڑ رہے ہیں، یہی وجہ تھی کہ شکست اور موت ان کا مقدر تھی۔

پھر بھی نظام الدین کہنے لگا، ''اے امیر، آج تک اس زمین نے تم جیسا سردار نہیں دیکھا جو اکیلا سینکڑوں سے ٹکرا جائے اور انہیں پاش پاش کر دے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری فتح قریب ہے۔ آؤ اور گھوڑے پر سوار ہو کر اپنی فتح کا نظارہ کرو۔''

تیمور نے گھوڑے پر سوار ہونے کے لیے تلوار نیام میں ڈالنا چاہی مگر ایسا ممکن نہ ہو سکا کیونکہ تلوار پر خون کی اتنی تہیں جمی تھیں کہ اس کا حجم کئی گناہ بڑھ گیا تھا۔ نظام الدین نے حیرت و استعجاب اور تحسین بھری نظروں سے تیمور کو دیکھتے ہوئے دریافت کیا، ''اے امیر تلوار کو دھوؤں کہ نہیں۔''

تیمور نے کہا، ''ہاں اسے اچھی طرح دھو کر لاؤ۔'' پھر تیمور نے اپنا کلہاڑا اٹھایا اور گھوڑے پر بیٹھتا ہوا بولا، ''اے نظام الدین: تُو نے مجھے فتح کی خوش خبری سنائی ہے، تُو انعام کا مستحق ہے، میں وعدہ کرتا ہوں کہ شیراز فتح کرنے کے بعد وہاں کی سب سے خوبصورت دس حسینائیں تیری نظر کر دوں گا۔'' دراصل تیمور جانتا تھا کہ اس کے فوجیوں کو شیراز کی حسیناؤں کے سب سے زیادہ قصے نظام الدین ہی نے سنائے ہیں اور انہیں اس حوالے سے بے قرار کیا ہے۔

تیمور کی بات سُن کر نظام الدین شرما گیا اور کہنے لگا، ''اے امیر، اس بڑھاپے میں دس تو بہت زیادہ ہیں!'' تیمور نے کہا، ''اچھا جتنی درکار ہوں اتنی لے لینا!''

جلد ہی تیمور کو اپنے بیٹے میراں شاہ کا قاصد ملا، جس نے پیغام دیا کہ میراں شاہ کا دستہ دشمن کی فوج کا محاصرہ کرتے ہوئے فتاح بیگ سے آملا ہے اور دشمن کی فوج دونوں طرف سے گھیرے میں آچکی ہے۔ تیمور جان گیا کہ اب فتح چند قدم دُور ہے۔ اس نے اپنے تمام سرداروں کو پیغام بھیجا کہ شاہ فارس کو قتل نہ کیا جائے بلکہ زندہ گرفتار کرنے کی کوشش کی جائے۔ تیمور کو یقین تھا کہ چونکہ شاہ منصور ایک بزدل انسان ہے لہٰذا وہ زندہ گرفتار ہو جائے گا۔

تیمور نے جنگ کا انجام مزید تیز کرنے کے لیے ایک طرف سے گھیرا کھول دینے کی ہدایت کی تاکہ بزدل اور جنگ نہ کرنے کی خواہش رکھنے والے دشمن کے سپاہی فرار ہونا چاہیں تو ہو جائیں۔ جلد ہی اس نے دیکھا کہ دائیں طرف سے دشمن کے کچھ اہم ترین رؤسہ پر مشتمل دستہ جو سب کے سب گھوڑوں پر سوار ہیں بھاگ رہے ہیں۔ پتا چلا کہ ان میں شاہ منصور کا جانشین شہزادہ زین العابدین بھی شامل ہے۔ ابھی چند ہی لمحے گزرے تھے کہ بائیں طرف کا دشمن سردار بھی بھاگ کھڑا ہوا۔ اب دشمن کی فوج کیا خاک لڑتی جب ان کے سب سے اہم سردار ہی راہ فرار اختیار کر چکے تھے۔ چنانچہ دشمن کے سپاہی فوراً ہتھیار پھینک کر تسلیم ہونے لگے۔

تیمور کا خیال تھا کہ دشمن کے چاہے سارے سپاہی شکست قبول کر لیں مگر شاہ منصور کے پہرے دار ہرگز ہتھیار نہیں ڈالیں گے اور اپنے شہنشاہ پر جان فدا کر دیں گے، مگر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب شاہ منصور کے پہرے داروں نے بھی فوراً ہتھیار ڈال دیئے اور میدانِ جنگ میں شاہ منصور اور اس کا چھتری بان تنہا کھڑے رہ گئے۔

تیمور نے اپنے گھوڑے کو ایڑھ لگائی اور شاہ منصور کے سامنے پہنچ کر اس کی نیام سے تلوار کھینچ لی اور اس سے دریافت کیا، ''اے مغرور انسان، کیا مجھے پہچانتا ہے؟''

تیمور کا سوال فارسی میں تھا، چنانچہ شاہ منصور نے حیران ہو کر پوچھا، ''تُو فارسی زبان جانتا ہے؟''

تیمور نے کہا، ''ہاں، تجھ سے زیادہ بہتر جانتا ہوں۔ تُو نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔ کیا تُو مجھے پہچانتا ہے؟''

شاہ منصور بولا، ''نہیں۔ میرے خیال سے تو تیمور کا کوئی افسر ہے!''

''میں خود تیمور ہوں۔'' تیمور کی گرجدار آواز سُن کر شاہ فارس کے ہوش گُم ہو گئے اور اُس کے منہ سے عجیب و غریب آوازیں نکلنے لگیں۔

تیمور اس کے چھتری بردار ملازم پر حیران تھا، وہ واقعی وفادار تھا، جو چاہتا، تو چھتری چھوڑ کر فرار ہو سکتا تھا مگر اس نے فرار ہونا گوارا نہ کیا اور چھتری پکڑے کھڑا رہا۔ تیمور نے شاہ منصور کو مخاطب کرتے ہوئے گرج کر کہا، ''اے مغرور اور گھمنڈی انسان، میں نے تجھ سے ایک معمولی فرمائش کی تھی، اگر تو چاہتا تو بآسانی میری یہ فرمائش پوری کر سکتا تھا مگر تُو نے اپنے گھمنڈ کے ہاتھوں مجبور ہو کر میری فرمائش ٹھکرا دی اور مجھے خط لکھ کر اہانت آمیز جملے لکھے، یہی نہیں تُو نے مجھے منحوس ازبک کہہ کر پکارا اور میرے جدامجد چنگیز خان کو بھی بُرا بھلا کہنے سے باز نہ آیا۔ لہٰذا اب تُو اپنے انجام کے لیے تیار ہو جا۔''

شاہ منصور نے تیمور کے سراپے کو دیکھا اور اس کے خون میں نہائے لباس کو دیکھ کر اس کی حالت بالکل ویسی ہی ہو گئی جیسی کہ موت کو سامنے دیکھنے والوں کی ہوتی ہے۔ چنانچہ خود کو فارس کا شیر کہنے والا تیمور کے سامنے گڑگڑانے لگا،

''اے تیمور، میں نے غلطی کی، تُو معاف کر دے۔''

تیمور گرج کر بولا، ''ہرگز نہیں، جس دن سے تُو نے میرے ساتھ گستاخی کی، اس دن سے میں تجھے سزا دینے کے انتظار میں آگ پر لوٹ رہا ہوں، اب تجھے سبق سکھانے کا وقت آ پہنچا ہے۔ تُو نے میری نسل کو بُرا بھلا کہا تھا میں تیری نسل کو اس دنیا سے مٹا دوں گا۔''

شاہ فارس نے اپنے خاندان کی معافی کی درخواست کی مگر تیمور نے اسے بھی سختی سے رد کر دیا اور شاہ منصور کو انجام کے لیے تیار رہنے کا حکم دیا۔

شاہ منصور نے ایک اور پیشکش کرتے ہوئے کہا، ''اے تیمور، اگر تُو مجھے معاف کر دے تو میں شیراز کے حاکم کو کہہ کر شیراز کے دروازے تیرے لیے کھلوا دوں گا اور تُو بغیر جنگ کے اندر داخل ہو سکے گا۔''

تیمور نے کہا، ''تیری سفارش کی ضرورت نہیں، میں شیراز پر بآسانی قبضہ کر سکتا ہوں۔ ویسے بھی مجھے یقین ہے کہ جب شیراز کے حاکم کو پتا چلے گا کہ تجھے میرے ہاتھوں شکست ہو چکی ہے تو وہ تیرا نہیں میرا حکم مانے گا، اور از خود میرے لیے شہر کے دروازے کھول دے گا۔''

جب شاہ منصور نے دیکھا کہ تیمور کسی طرح بھی اس کی جان بخشی پر آمادہ نہیں تو اس نے انتہائی گھٹیا پینترا اچھالتے ہوئے کہا، ''اے تیمور، اگر تُو میری جان بخش دے تو میں اپنی لڑکی تیری نذر کرنے پر تیار ہوں۔''

تیمور نے گرج کر کہا، ''اے گھٹیا انسان، اب جبکہ میں تجھے شکست دے چکا ہوں تو تیری لڑکی کو ویسے بھی حاصل کر سکتا ہوں۔ مگر ایک عرصہ ہوا ایسی تمام ہوس کی چیزوں کو میں نے اپنی زندگی سے نکال باہر کیا ہے اور ایسی چیزیں میرے فیصلے کو بدل نہیں سکتیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آج میں تجھے شکست دینے میں کبھی کامیاب نہ ہو پاتا۔''

یہ کہہ کر تیمور نے شاہ منصور کو گرفتار کرنے اور شیراز کی طرف پیش قدمی کا حکم دیا۔ شیراز کے قریب پہنچ کر انہیں توقع کے مطابق شہر کے دروازے بند ملے کیونکہ شاہ منصور تیمور کے مقابلے پر آنے سے پہلے انہیں دروازے بند کرنے اور مزاحمت کا حکم دے کر گیا تھا۔ شہر کی دیوار پر مسلح پہرے دار موجود تھے۔

تیمور نے منادی کے ذریعے پیغام بھجوایا کہ شہر کے داروغہ کو بلوایا جائے۔ جب شہر کا داروغہ حاضر ہو گیا اور تیمور کو اطمینان ہو گیا کہ یہی شخص اس وقت شہر کا حاکم ہے تو اس نے منادی کے ذریعے اس سے کہنا شروع کیا، ''میں امیر تیمور ہوں، تجھے یہ جان لینا چاہیے کہ تیرے سلطان شاہ منصور کو میرے ہاتھوں شکست ہو چکی ہے۔ اس کی ساری فوج میرے ہاتھوں ماری گئی یا پھر اس نے شکست تسلیم کر لی ہے۔ اگر تُو اپنی اور اپنے شہریوں کی خیریت چاہتا ہے تو شہر کے دروازے کھول دے۔ مجھے تجھ سے یا تیرے شہریوں سے کوئی پُرخاش نہیں، میرا مقصد تو شاہ منصور کو سبق سکھانا تھا جو پورا ہو گیا ہے۔ میں تو تیرے شہر کے اہلِ علم لوگوں کی بڑی قدر کرتا ہوں اور ان کے علم سے فیض حاصل کرنا چاہتا ہوں۔''

اس کے بعد تیمور نے شاہ فارس کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ جب شہر کے داروغہ نے اپنے بادشاہ کو تیمور کے سامنے سرنگوں دیکھا اور تیمور کے الفاظ پر غور کیا تو اسے عافیت اسی میں نظر آئی کہ تیمور کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دے۔ لہٰذا تیمور کی توقع کے عین مطابق وہ کہنے لگا، ''اے امیر تیمور، میں تو حکم کا غلام تھا، میں ابھی تیرے استقبال کو آتا ہوں۔'' پھر وہ چند معززین کو لے کر تیمور کے سامنے حاضر ہوا اور اس کی شان میں شعر پڑھنے کے بعد کہنے لگا، ''اے تیمور، تُو قرآن کا مفسر ہے، تجھے قرآن کی قسم کہ شہر کے لوگوں کا قتلِ عام نہ کرنا۔''

تیمور نے غضب کے عالم میں آتے ہوئے کہا، ''اگر مجھے قرآن کی حُرمت کا خیال نہ ہوتا تو ابھی تیرا سر قلم کرا دیتا۔ جب میں نے وعدہ کر لیا ہے کہ دروازے کھول دینے پر شہر اور شہریوں کو ہر طرح کا تحفظ دوں گا تو پھر تُو کیوں میری زبان پر اعتبار نہیں کرتا۔ یاد رکھ تیمور جو کہتا ہے وہی کرتا ہے۔ جب میں اور میری فوج شہر میں داخل ہوں گے تو تیرے شہر اور اس کے باشندوں کو ہم سے ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ تُو جان لے کہ اگر ہمارے شہر میں داخل ہونے کے بعد کسی شہری کا کوئی مال اسباب چوری ہو تو وہ یقیناً کسی مقامی چور کا کام ہو گا کیونکہ مجھے اپنی فوج پر پورا یقین ہے۔ میرے فوجی جانتے ہیں کہ جب میں کسی کو امان دے دوں تو پھر کسی قسم کی لوٹ مار کا انجام یقینی موت ہے۔ لہٰذا اس طرف سے بے فکر ہو جا اور اپنے شہریوں کو کہہ دے کہ کل صبح شہر کے سب سے بڑے میدان میں جمع ہو جائیں۔''

شہر کے داروغہ نے اس اجتماع کی وجہ دریافت کی تو تیمور نے کہا، ''جب وہ لوگ میدان میں جمع ہوں گے تو انہیں وجہ خود بخود پتا چل جائے گی۔''

چنانچہ اگلے دن شہر کے سب سے بڑے میدان میں پورا شہر جمع تھا۔ تیمور کے حکم سے میدان کے عین درمیان میں ایک چبوترہ تعمیر کیا گیا تھا جس پر فارس کے گیارہ شہزادے اور شاہ منصور زنجیروں میں بندھے برہنہ بدن کھڑے تھے۔ان سب کے سامنے جلاد ہاتھوں میں تلوار لیے موجود تھے۔

اس سے پہلے کہ اُن سب کے سر قلم کیے جاتے، تیمور نے اپنے منادی کو حکم دیا جس نے کہنا شروع کیا،''اے فارس کے لوگو، سن لو کہ آج سے کچھ عرصہ پہلے امیر تیمور بیمار پڑ گیا تھا۔اس نے تمہارے بادشاہ سے چند لیموں منگوائے تھے جو کوئی معمولی سا انسان بھی اسے دے سکتا تھا مگر تمہارے سلطان نے اپنے گھمنڈ کے نشے میں نہ صرف تیمور کی درخواست مسترد کر دی بلکہ اسے گالیوں بھرا خط لکھ کر اس کی توہین بھی کی۔یہی نہیں اس نے تیمور کی نسل کو بُرا بھلا کہا اور اسے بھی بُرے القاب سے مخاطب کیا۔

اے لوگو، جان لو کہ امیر تیمور فقط تمہارے بادشاہ کی گستاخی کا جواب دینے کے لیے یہاں آیا ہے اور اب اس کا انجام قریب آ پہنچا ہے۔''

شاہ فارس نے اس مرحلے پر چیخ چلا کر تیمور سے رحم کی اپیل کی مگر تیمور نے اسے ایک بار پھر اس کا جُرم یاد دلایا اور کہا کہ''جس روز سے تُو نے مجھے اور میرے جدامجد کو بُرا بھلا لکھا اس روز سے میں نے تیری نسل مٹانے کی قسم کھائی تھی اور آج اپنی قسم ضرور پوری کروں گا۔''

اس کے بعد جلادوں نے تیمور کے حکم سے سب سے پہلے شاہ منصور کا سر قلم کیا۔تیمور نے خود دیکھا کہ شاہ منصور کے قتل پر بہت سے لوگوں نے سکھ کا سانس لیا۔گویا شاہ منصور کی رعایا بھی اس سے بے حد تنگ تھی اور اس سے چھٹکارہ حاصل کرنا چاہتی تھی۔اس کے بعد گیارہ شہزادوں کے سر بھی قلم کر دیئے گئے۔

ان کاموں سے فارغ ہونے کے بعد تیمور نے اپنے کاتب نظام الدین کو طلب کیا اور اس سے پوچھا،''اے نظام الدین، اُس دن میں نے تجھے دس خوبصورت کنیزیں دینے کا وعدہ کیا تھا مگر تُو نے کہا کہ یہ بہت زیادہ ہیں، اب بتا تجھے کتنی چاہئیں۔''

نظام الدین کہنے لگا،''اے امیر، بس ایک ہی کافی ہے، مگر تُو نے تو اب پورے شیراز کو امان دے دی ہے، سو مجھے کنیزیں کیسے دے گا۔''

تیمور نے کہا،''میں کنیز خرید لوں گا۔'' چنانچہ اس نے حاکم شیراز کے ذریعے یہ منادی کرا دی کہ''تیمور ایک خوبصورت کنیز خریدنا چاہتا ہے جو جوان، کالی آنکھوں والی اور خوبصورت ہو۔جو بھی ایسی لڑکی دینا چاہے تو وہ دو ہزار سونے کے سکے اس کے بدلے میں لے سکتا ہے۔تاہم لڑکی کا انتخاب نظام الدین خود کرے گا۔چنانچہ لڑکیاں دینے والے اپنی لڑکیوں کو شاہی محل میں لے آئیں۔''

اگلے دن بہت سے لوگ اپنی خوبصورت لڑکیوں کو لے کر محل میں پہنچ گئے۔تیمور نے نظام الدین سے کہا کہ جو سی چاہے لڑکی منتخب کر لے۔اس نے شرماتے ہوئے ایک لڑکی پر ہاتھ رکھ دیا۔اور تیمور نے دو ہزار سونے کے سکے دے کر اسے نظام الدین کے حوالے کر دیا۔

اس دن کے بعد نظام الدین اکثر تنہائی میں تیمور کو کہتا،''اے امیر، اگر تُو زندگی کا صحیح لطف اٹھانا چاہتا ہے تو کسی شیرازی حسینہ کے ساتھ وقت گزار۔یقین کر و شیرازی عورت سے زیادہ کوئی بھی عورت مہربان اور دل نواز نہیں۔''

تاہم تیمور کے دل میں ایسی کوئی حسرت باقی نہ تھی چنانچہ اس نے کسی شیرازی عورت کو اپنی زندگی میں شامل نہیں کیا۔

تیمور نے شاہ فارس کی نسل کے خاتمے کی قسم کھائی تھی۔تاہم اس کے دو شہزادے جنگ کے دوران فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

ان میں ایک یحیٰ مظفری تھا اور دوسرا معتصم بن زین العابدین۔ تیمور نے تحقیق کروائی تو پتہ چلا کہ شہزادہ یحیٰ مظفری قشہ نامی شہر میں پناہ گزین ہے۔ قشہ ایک قبیلے پر مبنی شہر تھا اور اس کا سردار ہی شہر کا حاکم تھا۔

تیمور نے قشہ کے حاکم کو پیغام بھجوایا کہ اگر وہ اپنا سرتن پر قائم دیکھنا چاہتا ہے تو یحیٰ مظفری کا سر کاٹ کر اسے بھیج دے اور بدلے میں انعام واکرام حاصل کر لے۔

جلد ہی تیمور کو اطلاع ملی کہ ایک شخص دُور دراز سے سفر کرتا ہوا پہنچا ہے، خود کو قشہ کا حکمران بتاتا ہے اور تیمور سے ملنے کا خواہش مند ہے۔ تیمور نے اسے اپنے خیمے میں آنے کی اجازت دے دی۔ وہ شخص جب تیمور کے سامنے پہنچا تو گرد و غبار اور دھول کے باعث اس کی شکل پہچانی نہ جاتی تھی۔ اس نے تیمور کے سامنے ایک تھیلا کھولا اور اس میں موجود ایک انسانی سر زمین پر پٹخ دیا۔ پھر وہ کہنے لگا: ”اے امیر، میں قشہ سے چلا اور مسلسل سفر کر کے تمہارے پاس پہنچا ہوں۔ اس دوران سات گھوڑے بدلنے پڑے، مگر میں اس سر کے گلنے سڑنے سے پہلے اسے تمہارے پاس پہنچانا چاہتا تھا۔“

تیمور نے مقامی روسہ کو طلب کر کے پوچھا کہ یہ کس کا سر ہے۔ ان سب نے تصدیق کی کہ یہ شہزادہ یحیٰ مظفری کا سر ہے۔ تیمور نے روسۂ شہر کو رخصت کر کے حاکم قشہ سے دریافت کیا ”تُو نے یہ کام کس طرح انجام دیا۔“

وہ کہنے لگا: ”اے امیر، جب تو نے مجھے پیغام بھجوایا تو میں اچھی طرح جان گیا کہ اب خیریت اسی میں ہے کہ میں یحیٰ مظفری کا سرتن سے جدا کر کے تیری خدمت میں پیش کردوں۔ لہٰذا ایک روز میں نے یحیٰ مظفری کو اپنے گھر پر کھانے کی دعوت دی اور جب وہ دسترخوان پر بیٹھا دعوت اڑانے میں مصروف تھا تو میرے آدمی اُس پر ٹوٹ پڑے اور اسے ہلاک کر دیا۔ میں نے اس کا سرتن سے جدا کر دیا اور اسے لے کر فوراً تمہاری خدمت میں پہنچ گیا۔“

تیمور نے اس کے طریقے پر خفگی کا اظہار کیا تاہم اُسے پانچ ہزار سونے کے سکے انعام دیا، جنہیں دیکھ کر حاکم قشہ کی آنکھیں چمک اُٹھیں۔ تیمور نے شہزادہ کا سر بھی اسے واپس کرتے ہوئے کہا: ”دشمن کا کٹا ہوا سر میرے کسی کام کا نہیں، میں تو محض منصور مظفری کی نسل ختم کرنا چاہتا ہوں۔“

تیمور نے شاہ منصور کے دوسرے بیٹے کے بارے میں پتا کرایا تو علم ہوا کہ وہ شام میں پناہ لیے ہوئے ہے۔ تیمور نے شام کے حاکم کو بھی خط لکھا کہ فوراً معتصم بن زین العابدین کو اس کے حوالے کر دے مگر شام کے حاکم نے جواباً تیمور کو لکھا کہ ”لگتا ہے تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے جو تو مجھ جیسے بادشاہ کو بتاتا ہے کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط۔ اچھی طرح جان لے کر معتصم میری پناہ میں ہے اور میں اس کی ہر قیمت پر حفاظت کروں گا۔“

یہ خط ملتے ہی تیمور نے شام پر چڑھائی کا فیصلہ کر لیا، تاہم وہ اس سے پہلے ہندوستان پر حملے کا ارادہ کر چکا تھا، جس کے بارے میں اُس نے سُن رکھا تھا کہ وہ موتیوں کے خزانوں سے بھری سرزمین ہے۔ بہرحال معتصم بن زین العابدین جلد از اں تیمور کے ایک سردار سے مقابلہ آرائی میں مارا گیا اور اس کا سر کاٹ کر تیمور کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔ یوں تیمور نے شاہ فارس کی ساری نسل کو ختم کر دیا اور اس کی ساری دولت اور جائیداد بھی اپنے قبضے میں کر لی۔

❁.......❁.......❁

بارہواں باب

شیراز کے عالموں سے ملاقاتیں

تیمور نے شیراز کے عالموں کے بارے میں بہت سی باتیں سن رکھی تھیں اور وہ ان سے مباحثے کا خواہش مند تھا۔ چنانچہ اس نے ایک روز شاہی مسجد میں شہر کے تمام چیدہ چیدہ علماء کو مدعو کیا اور ان سے بحث مباحثہ کرنے لگا۔ شیخ بہاء الدین شیراز کا اہم ترین عالم دین تھا اور اسے ایک طرح وہاں کے روحانی پیشوا کی حیثیت حاصل تھی۔ تیمور نے اس سے وضو کی اہمیت خاص طور پر پیروں کے دھونے کے حوالے سے سوالات کیے اور اس سے دریافت کیا کہ کیا وہ وضو کے حوالے سے قرآن کی آیات کا حوالہ جانتا ہے۔ مگر شیخ بہاء الدین تیمور کے سوالوں کا جواب نہ دے سکا۔ تیمور نے اسے کہا، ''بڑی عجیب اور شرمناک بات ہے کہ تجھ جیسا عالم جسے یہاں کے روحانی پیشوا کی حیثیت حاصل ہے، وضو کے حوالے سے قرآن کی آیات کا حوالہ نہیں دے سکتا۔'' پھر اس نے دیگر علماء سے بھی کچھ سوال کیے مگر وہ بھی کچھ خاص جواب نہ دے سکے۔ اب تیمور نے اُن سب کو مخاطب کر کے پوچھا، ''کیا تم میں سے کوئی مجھے یہ بتا سکتا ہے کہ دین اسلام میں نماز فجر کی اتنی فضیلت کیوں بیان کی گئی ہے۔'' سب علماء خاموش رہے تاہم پچھلی قطار میں بیٹھا ایک شخص بولا، ''اے امیر کیا مجھے بولنے کی اجازت ہے؟''

تیمور نے کہا، ''بے شک، اگر تجھے اس کا جواب معلوم ہے تو فوراً بتا''

وہ شخص کہنے لگا، ''اے امیر، صبح کی نماز کو اس لیے فضیلت حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود سورۃ بنی اسرائیل میں اسے ''قرآن الفجر'' کے نام سے یاد کیا ہے یعنی ''صبح کا قرآن''۔ تمام علمائے دین اس بات پر متفق ہیں کہ مذکورہ آیت میں قرآن کا لفظ نماز کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے اس کی اہمیت کو اُجاگر کرنے کے لیے اسے یہ نام دیا ہے۔ ہم پر پانچ نمازیں فرض ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے صرف فجر کی نماز کو یہ نام دیا ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ نماز افضل ترین ہے۔ البتہ دوسری نمازوں کی اہمیت بھی اپنی جگہ ہے۔''

تیمور بے اختیار پکار اُٹھا، ''مرحبا! اے شخص، تو اُٹھ اور اِدھر میرے پاس تشریف لے آ، تیری جگہ اتنی دُور نہیں بلکہ میرے پاس ہے۔''

جب وہ شخص تیمور کے قریب آ کر بیٹھ گیا تو تیمور نے دیکھا کہ اس کی حالت انتہائی خستہ ہے اور وہ چیتھڑے نما لباس پہنے ہوئے ہے۔ تیمور نے اسے دو سو دینار عطا کیے اور اُس سے کئی دوسری باتیں دریافت کیں، اچانک وہ شخص آگے کی طرف جُھکا اور تیمور سے سرگوشی کے انداز میں کہنے لگا، ''اے امیر، یہ لوگ جو علماء بن کر یہاں موجود ہیں حقیقت میں دین کا علم نہیں رکھتے بلکہ محض نام کے علماء ہیں ان میں سے کوئی عربی زبان تک سے واقف نہیں۔ لہٰذا تو ان کو مزید ذلیل نہ کر اور انہیں رخصت کر دے۔''

تیمور نے جواب دیا، ''مگر میں نے تو شیراز کے علماء کی بڑی شہرت سُن رکھی تھی اور مجھے بتایا گیا تھا کہ شیراز کے علماء دین بہت عالم فاضل

اور دین کا گہرا علم رکھنے والے ہیں۔''

اس پر وہ شخص بولا''اے امیر والا، یہ بات بالکل درست ہے، شیراز میں جگہ جگہ علمائے دین موجود ہیں مگر جو حقیقی عالم ہیں وہ روپوشی کی زندگی گزارتے ہیں اور ان جیسے نام نہاد عالم خود کو علماء دین میں شمار کراتے پھرتے ہیں۔ اگر تُو حقیقی عارفوں سے ملاقات کرنا چاہتا ہے تو ان عارفوں کو طلب کر، جو روپوشی کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور جن پر یہ نام نہاد علماء اس لیے کُفر کے فتوے لگاتے ہیں کہ وہ اپنی باتوں اور شعروں میں ساغرو مینا، عاشق و معشوق، بُت خانے اور ساز و آواز کا ذکر کرتے ہیں۔''

تیمور نے اس شخص جس کا نام شیخ بن قربت تھا کی تجویز کو منظور کرتے ہوئے شیراز کے حقیقی عارفوں کو اپنے گھر پر مدعو کیا۔ شیخ بن قربت کا کہنا تھا کہ ان عارفوں کو مسجد میں عام لوگوں کے سامنے طلب کرنے کی بجائے گھر پر طلب کرنا بہتر ہے، لہٰذا تیمور نے اس کی بات مان کر عارفوں کو گھر پر ہی دعوت دی تھی۔ تیمور کی دعوت پر جو علماء آئے اُن میں سے چند اہم یہ تھے۔

''زکریا فارسی'' جو''وامق'' کے نام سے مشہور تھا۔''صباح الدین سنبلی'' جسے سب''عارف'' کے نام سے پکارتے تھے اور تیسرا شمس الدین محمد جس کی شہرت''حافظ شیرازی'' کے لقب سے ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔ ان میں سے''حافظ شیرازی'' کے نام سے تیمور واقف تھا اور اس کے شعر بھی سُن رکھے تھے تاہم دیگر لوگوں کے ناموں سے واقف نہ تھا۔

تیمور نے سب سے پہلے زکریا فارسی کو مخاطب کر کے پوچھا''اے شخص، کیا تُو مسلمان ہے؟''

اس نے جواب دیا''بالکل میں ایک پکا مسلمان ہوں۔''

تیمور نے پوچھا''اگر تم مسلمان ہو تو پھر اس بات پر یقین بھی رکھتے ہو گے کہ دین کے اصول و ضوابط پر عمل کرنا بہت ضروری ہے۔''

زکریا فارسی نے اثبات میں سر ہلایا تو تیمور نے دریافت کیا''اگر یہ سب صحیح ہے تو پھر تم یہ کیوں کہتے ہو کہ سوئے کعبہ یا بُت خانہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنا ایک ہی ہے اور اس میں کوئی فرق نہیں؟''

زکریا فارسی کہنے لگا''اے امیر، اگرچہ اس حوالے سے یہ دلیل دی جا سکتی ہے کہ کعبہ پہلے بُت خانہ تھا پھر کعبہ بنا اور ہم مسلمانوں کو اس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ملا، مگر ہم عارفوں کی زبان میں بُت خانہ دراصل وہ مقام ہے جہاں خدا موجود ہے، ہم تشبیہاً یہ لفظ استعمال کرتے ہیں۔ چونکہ خدا لامکاں ہے، لہٰذا ہر جگہ موجود ہے۔ گویا ہم جس طرف بھی رُخ کریں تو گویا خدا کی طرف ہی رُخ کرتے ہیں مگر اس کے لیے حقیقت کی آنکھ اور بالغ نظری کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ہم عارف اسی لیے کہتے ہیں کہ سب جگہ بُت خانہ ہے۔

تیمور نے اعتراض اٹھاتے ہوئے کہا''وہ تو ٹھیک ہے مگر جب خدا نے خود حکم دے دیا کہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو تو پھر یہ کہنا کہ بُت خانہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، قطعی حرام ہے۔''

زکریا فارسی کہنے لگا''اگر کوئی مسلمان اپنی نیت ٹھیک رکھے تو حرام فعل کا مرتکب نہیں ہو گا۔ بشرطیکہ واجبات دین کی درست ادائیگی کی نیت کو نہ بھولے۔ اے امیر، یوں سمجھو کہ ایک عارف دن میں پانچ دفعہ تو کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا ہے، لیکن اس کے علاوہ مشرق و مغرب اور شمال

وجنوب کی طرف بھی منہ کر کے نماز پڑھتا ہے تو وہ اسلام کے خلاف عمل نہیں کرتا۔ اے امیر! اگر تم تحمل سے بات سنو تو میں کہنا چاہوں گا کہ پانچ وقت نماز کا حکم ایک مسلمان پر کم سے کم فریضہ ہے اور یہ عمل ایک شیر خوار بچے کی خوراک کی مانند ہے۔ ایک بچہ دودھ کے سوا کوئی دوسری غذا نہیں کھا سکتا مگر کیا ایک بالغ انسان بھی صرف دودھ پینے پر اکتفا کرے؟"

"اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمان علم سے زیادہ بہرہ ور نہ تھے، اسی لیے آسان اور سادہ فہم احکامات جاری کیے گئے کیونکہ خدا اس وقت کے مسلمانوں کی سمجھ بوجھ سے آگاہ تھا لہٰذا اس نے اپنے احکامات کو، ان کی ذہنی استطاعت کے مطابق نازل کیا۔ اللہ ہم سے فرائض کے سوا کچھ زیادہ نہیں چاہتا مگر ہم عارفوں پر جو علم وبصیرت بھی رکھتے ہوں اور دین کے حوالے سے کتب کا مطالعہ بھی کر چکے ہیں یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ عام مسلمان سے زیادہ خدا کی پہچان رکھیں اور اعمال میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔"

اس کے بعد تیمور نے صباح الدین یوسف سنبلی جسے سب "عارف" کے نام سے مانتے تھے، مخاطب کیا اور پوچھا "کیا تم وامق کی باتوں کی تصدیق کرتے ہو؟"۔ اس نے کہا، "ہاں اے امیر، میں ان باتوں کو درست تسلیم کرتا ہوں۔" تیمور نے اس سے دریافت کیا، "تو پھر تم لوگ یہ سب باتیں آسان اور سادہ فہم انداز میں کیوں بیان نہیں کرتے اور اپنی بات کہنے کے لیے بُت خانے اور میخانے جیسے الفاظ کیوں استعمال کرتے ہو؟"

"عارف" نامی وہ شخص کہنے لگا، "اے امیر، اس کی دو بنیادی وجوہ ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہم عارفوں کی باتیں عام لوگوں کی سمجھ سے بالاتر ہوتی ہیں اور اگر ہم انہیں عام فہم انداز میں کہنا بھی چاہیں تو وہ لوگوں کی سمجھ میں نہیں آئیں گی بلکہ اُلٹا وہ ہمارے خلاف ہو جائیں گے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ نام نہاد علماء اس خوف سے کہ کہیں اُن کی دکان داری بند نہ ہو جائے اور لوگ اُن کی عزت وتوقیر کرنا بند نہ کر دیں ہماری مخالفت کرتے ہیں اور ہمارے خلاف کُفر کے فتوے صادر کرنے میں پیش پیش رہتے ہیں۔ منصور حلاج اور عین القضات ہمدانی کو صرف اس وجہ سے تختہ دار پر چڑھا دیا گیا کہ انہوں نے مخصوص تشبیہات اور اصطلاحوں کی بجائے صاف الفاظ میں اپنی بات کہنی چاہی۔ منصور کہتا تھا "اناالحق" اور اس کی وضاحت کرتا تھا کہ چونکہ خدا ہر جگہ موجود ہے اور کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں خدا موجود نہ ہو، چنانچہ مجھ میں ہے۔ لیکن اس عارف کو یہ بات آسان اور واضح الفاظ میں بیان کرنے کی سزا یہ ملی کہ اسے سُولی پر چڑھا دیا گیا۔ آج بھی اگر کوئی شخص یہ بات کہے تو اسے بھی وہی سزا دی جائے گی جو منصور حلاج کو دی گئی۔ اسی لیے ہم عارف اپنی بات مخصوص تشبیہات اور استعاروں میں بیان کرتے ہیں۔"

اس کے بعد تیمور نے حافظ شیرازی کو مخاطب کیا جو اس وقت تک بہت بوڑھا ہو چکا تھا اور جھکی کمر کے ساتھ ایک ضعیف آدمی نظر آ رہا تھا اور اس کی بینائی بھی بے حد کم ہو چکی تھی۔ تیمور نے پوچھا، "اے حافظ کیا یہ شعر تمہارا ہے۔

"ساکنان حرم ستر عفاف ملکوت

با من راہ نشین بادہ مستانہ زدند"

"عفت اور پاکیزہ حرم کے باسیوں نے مجھ راہ نشیں کے ساتھ بادہ نوشی کی اور مست ہو گئے۔"

حافظ شیرازی بولا، "اے امیر اگرچہ میری بصارت کمزور ہے اور میں تمہیں اچھی طرح دیکھ نہیں پا رہا مگر میری سماعت بالکل درست ہے

اور میں بخوبی تمہاری آواز سُن سکتا ہوں۔ ہاں اے امیر، یہ شعر میرا ہی ہے۔''

تیمور نے کہا، ''تمہارا یہ شعر بالکل کُفر کہنے کے مترادف ہے کیونکہ تم نے اپنے شعر میں یہ کہہ کر خُدا کی توہین کی ہے کہ خدا کے حرم سے نعوذ باللہ عورتیں نکلیں، راستے میں تم سے ملیں، تمہارے ساتھ بیٹھ کر شراب پی اور مست ہوگئیں۔''

حافظ شیرازی نے تیمور کی باتیں پُرسکون انداز میں سُنیں اور پھر مسکراتے ہوئے کہنے لگا،

''اے امیر میں نے ایسا کچھ بھی نہیں کہا، جس کا اظہار ابھی تم نے کیا ہے۔ میں نے اس شعر کے پہلے مصرعے میں کہا ہے ''ساکنان حرم ستر و عفاف ملکوت'' اس کا مطلب ہے کہ خدا کا حرم ایسا ہے جہاں صرف عفت، پاک دامنی اور پاکیزگی حکم فرما ہے۔ میں نے ہرگز یہ نہیں کہا کہ خدا کے حرم میں نعوذ باللہ عورت موجود ہے، میں نے ''ساکنان حرم'' کے الفاظ استعمال کیے جن کا مطلب ہے حرم کے رہنے والے۔ میں نے یہ شعر بہار کی ایک دل نشیں صبح کو تخلیق کیا تھا جب موسم انتہائی دل فریب، فضا میں پھولوں کی بھینی بھینی مہک اور بلبل کے نغمے پھیلے ہوئے تھے۔ اس دوران مجھ پر عجیب سی کیفیت طاری ہوئی اور مجھے یوں لگا جیسے اللہ کے پاک فرشتے میرے وجود میں آبسے ہوں اور مجھ پر وجد و سرور کی ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ یہ شعر خود بخود میرے لبوں پر آ گیا۔

تیمور نے حافظ شیرازی سے پوچھا، ''پھر تُو نے دوسرے مصرعے میں یہ کیوں کہا کہ ساکنان حرم جس سے بقول تیرے فرشتے مُراد ہیں، نے تمہارے ساتھ بادہ نوشی کی اور مست ہوگئے، کیا تم نہیں جانتے کہ شراب پینا حرام ہے اور تم نے فرشتوں کے لیے ایسے حرام فعل میں مشغول ہونے کا فقرہ کیوں کر استعمال کیا؟'' اس پر ایک بار پھر حافظ شیرازی مسکرایا اور کہنے لگا، ''اے امیر، یہاں ایک بار پھر تم مجھے سمجھ نہیں سکے، ہم عارفوں کے ہاں بادہ نوشی کا مطلب عام شراب پینا نہیں بلکہ اس کا مطلب معرفت کا حصول ہے۔ یعنی ایسے لوگوں سے کسب فیض حاصل کرنا جو باکمال ہوں۔ شراب عام انسان کو جس طرح مست بناتی ہے، اسی طرح ہم عارفوں کو صاحبِ کمال ہستیوں کی محبت مست کر دیتی ہے۔ ہماری یہ مستی روحانی اور پاکیزہ ہوتی ہے۔ اس دن جب مجھ پر وجد کی سی کیفیت طاری تھی تو مجھے یوں لگا کہ فرشتے مجھ سے محوِ گفتگو ہیں اور مجھے کائنات کے سربستہ رازوں سے آگاہ کر رہے ہیں، اسی لیے میں نے شعر کے دوسرے مصرعے میں کہا کہ میں نے ان کے ساتھ بادہ نوشی کی یعنی ان کی صحبت سے فیض حاصل کیا۔ البتہ میں یہ نہیں بتا سکتا کہ فرشتوں نے مجھ سے کیا کہا، کیونکہ عارف یا صوفی جب اس کیفیت کا شکار ہوتا ہے تو اُسے صرف محسوس کر سکتا ہے بیان نہیں کر سکتا، اگر ان محسوسات کو الفاظ کا رُوپ دیا جا سکتا ہے تو میں ضرور انہیں شعر کے رُوپ میں بیان کر دیتا۔''

تیمور بے اختیار ہو کر بول اُٹھا، ''مرحبا، اے شیریں سخن، تُو نے مجھے مطمئن کر دیا۔ اب یہ بتا کیا تُو حقیقت میں حافظ قرآن بھی ہے؟''

حافظ شیرازی کہنے لگا، ''بالکل اے امیر، میں حافظ قرآن ہوں اور پورا قرآن میرے سینے میں محفوظ ہے۔''

''تُو پھر ایسا کرو کہ سورہ عرفات آخر سے شروع کرو اور آیت آیت پہلی آیت تک پڑھتے جاؤ۔'' تیمور کی یہ بات سُن کر حافظ شیرازی حیران ہوا اور بولا، ''اے امیر، کیا تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ میں آخری آیت سے پڑھوں اور پہلی آیت تک پڑھتا رہوں، یعنی اُلٹا پڑھوں۔''

تیمور نے کہا، ''ہاں، اگر تمہارے سینے میں قرآن محفوظ ہے تو پھر تم آخری آیت سے پہلی آیت تک پڑھ سکتے ہو۔'' حافظ شیرازی نے اس

بات سے معذوری کا اظہار کیا۔ اس پر تیمور نے کہا ''اب تم چاہو تو اس حوالے سے میرا امتحان لے سکتے ہو اور قرآن کے جس حصے کی چاہو میں تلاوت کر سکتا ہوں اسی طرح ہر سورہ کو آخری سے پہلی آیت تک پڑھ سکتا ہوں۔''

حافظ شیرازی نے کہا ''میری اتنی جرأت کہاں کہ تم جیسے انسان کا امتحان لے سکوں۔''

''میں خود تمہیں اپنا امتحان لینے کی اجازت دے رہا ہوں۔'' تیمور بولا۔ اس پر حافظ شیرازی نے سورہ البقرہ کا نام لیا۔ تیمور نے فوراً مذکورہ سورۃ آخری آیت سے پہلی آیت کی طرف پڑھنا شروع کی۔ ابھی چند آیتیں ہی پڑھیں تھیں کہ وہاں موجود تمام علماء کی زبان سے جزاک اللہ، جزاک اللہ کے تحسین آمیز جملے نکلنے لگے اور بوڑھے حافظ شیرازی نے بات ختم کرتے ہوئے کہا!

''اے امیر، میں اعتراف کرتا ہوں کہ تجھ جیسے باکمال انسان کے سامنے خود کو حافظ قرآن نہیں سمجھتا۔''

تیمور نے وہاں موجود تمام عارفوں کو ایک ایک ہزار دینار عطا کیے اور شیخ بن قربت کو پانچ سو دینار اضافی بھی بخش دیئے۔

تیرہواں باب

اصفہان کی جنگ

سن 780ھ میں تیمور نے اصفہان فتح کرنے کا ارادہ کیا اور ایک لاکھ بیس ہزار کی فوج لے کر خراسان میں داخل ہو گیا۔ اُس نے اپنی فوج کو تین حصوں میں تقسیم کیا، دو حصوں کی سربراہی اپنے دو بیٹوں کو سونپی اور تیسرے حصے کو اپنی کمان میں لے لیا۔ طوس کے شہر سے ایک راستہ ''رے'' کی طرف جاتا ہے، تیمور اسی راستے پر چل کر ''رے'' نامی شہر تک پہنچا مگر وہاں اس کے استقبال کے لیے کوئی حکمران آیا اور نہ کوئی فوج، بلکہ ایک کھنڈر نما شہر اُس کا منتظر تھا۔ آس پاس کے لوگوں نے بتایا کہ یہ شہر زلزلے کا شکار ہو گیا ہے، یہاں ہزاروں لاشیں دبی ہوئی ہیں اور کسی میں ان جنازوں کو ملبے کے نیچے سے نکالنے کی ہمت نہیں۔ اس شہر کے جو چند لوگ بچ گئے تھے وہ قریبی شہروں میں جا بسے تھے۔ قریبی بستیوں والے دیہی باشندوں کا بس یہی کام تھا کہ شہر کے ملبے سے قیمتی اشیاء تلاش کرتے رہتے تھے۔ انہیں کافی مقدار میں سونا، چاندی اور دیگر قیمتی اشیاء مل چکی تھیں اور وہ خاصے مالدار بن چکے تھے۔

تیمور نے ''رے'' میں زیادہ توقف نہیں کیا اور جلد ہی اصفہان کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں ''قم'' نامی شہر سے اُس کا گزر ہوا جس کا اصل نام ''کُم'' اور معنی غالباً ''مصر'' کے ہیں۔ اس سے آگے اصفہان کی حدود شروع ہو گئیں لہٰذا تیمور نے جنگی صف بندی کا حکم دے دیا اور دو ہراول دستے آگے بھیج دیئے تا کہ حالات سے باخبر کرتے رہیں۔ جلد ہی یہ خبر آ گئی کہ اہل اصفہان قلعہ بند ہو کر دفاع کے لیے آمادہ ہو چکے ہیں۔ اگرچہ تیمور نے ہر ممکن کوشش کی تھی کہ جلد از جلد اصفہان پہنچ کر انہیں بے خبری میں جا لے مگر انہیں کسی نہ کسی طرح اس کی آمد کی خبر ہو گئی تھی۔

آس پاس کے لوگوں سے معلومات لینے پر پتہ چلا کہ اصفہان کے عین وسط میں ایک دریا بہتا ہے جس کو ''زائندہ رود'' کہتے ہیں۔ جبکہ شہر کی فصیل کے بارے میں یہ بتایا گیا کہ اصفہان کے اصلی حصار کے سامنے ایک چھوٹا سا حصار اور بھی بنایا گیا ہے۔ تیمور کو علم تھا کہ یہ حصار اس لیے بنایا گیا ہے کہ اگر کوئی حملہ آور فوج حصار کو مسمار کرنے کے لیے سرنگ کھودنا چاہے تو اُسے بہت طویل سُرنگ کھودنی پڑے اور کئی مہینوں کی محنت کے باعث اس کی فوج مشکلات سے دوچار ہو جائے۔ ایک اور بات یہ معلوم ہوئی کہ اصفہان میں پانی کے نکاس کا باقاعدہ نظام وضع کیا گیا ہے اور اس مقصد کے لیے باقاعدہ نالیاں تعمیر کی گئی ہیں۔ تیمور کے لیے یہ نظام بالکل نیا اور حیرت انگیز تھا۔

تیمور نے سب سے پہلے شہر میں داخل ہونے والے دریا کا رُخ کیا تا کہ دیکھ سکے کہ آیا اس میں فوج اُتار کر شہر میں داخل ہوا جا سکتا ہے یا نہیں۔ مگر قریب پہنچتے ہی اسے احساس ہو گیا کہ یہ ناممکنات میں سے ہے کیونکہ دریا طغیانی پر تھا اور اس کا پانی موجوں کی صورت ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ اب تیمور نے شہر کی فصیل پر نقب لگانے کا حکم دیا۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ پہلے اصفہان کا چھوٹا حصار فتح کیا جائے۔ چنانچہ تیمور نے فوراً اس چھوٹے محاذ پر ہلہ بولنے کا حکم دیا۔ اہل اصفہان نے اس محاذ پر زیادہ مزاحمت نہ کی اور جلد ہی شہر کے اندر بڑے حصار کے پیچھے قلعہ بند ہو گئے۔

تیمور نے فوراً اپنے معماروں کو بلایا اور سابقہ روایت کے مطابق ایک طرف نقب لگانے کے لیے کھدائی اور دوسری طرف بارود کی تیاری کا حکم دے دیا۔ مگر چند ہی دنوں میں اسے معلوم ہوا کہ اس کی یہ حکمت عملی بھی قطعی ناکام ہے۔ کیونکہ اصفہان میں پانی کی سطح بے حد اونچی تھی اور تیمور کے سپاہیوں کی کھودی سُرنگیں چند ہی دنوں میں پانی سے بھر گئیں۔ اس سے اندازہ ہوا کہ اصفہان کی حفاظتی دیوار کو بے حد گہرائی میں اور بھاری پتھروں سے چنائی کروا کے تعمیر کیا گیا ہے اور اسے مسمار کرنا بے حد مشکل ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ دیوار بے حد مضبوط تھی اور دوسری وجہ یہ کہ پانی کی سطح بلند ہونے کی وجہ سے سُرنگوں میں بارُود نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ کیونکہ پانی بارود کو ناکارہ بنا دیتا۔

اب اصفہان پر قابو پانے کے دو ہی طریقے بچے تھے، ایک یہ کہ کسی طرح اصفہان کے اندر تک بہنے والے دریا کا رُخ موڑا جائے اور اس کے داخلی راستے سے شہر میں فوج اُتار دی جائے اور دوسرا یہ کہ متحرک بُرجیاں بنا کر فصیل پر حملہ کیا جائے اور کسی طرح شہر میں اُترنے اور دروازے کھولنے کی کوشش کی جائے۔ تیمور نے مشورے کے لیے معماروں کو طلب کیا۔ اُن سب نے متفقہ رائے دی کہ دریا کا رُخ موڑنا بے حد دشوار ہے کیونکہ اول تو اس وقت دریا بے حد طغیانی پر ہے اور اس مقصد کے لیے طویل متبادل راستہ تیار کرنا پڑے گا جس میں کئی مہینے کا انتظار کرنا پڑ سکتا ہے۔ آس پاس کے لوگ پہلے ہی یہ بتا چکے تھے کہ تین ماہ کے بعد دریا معمول کے مطابق بہنے لگے گا اور اس میں پانی کی سطح بے حد کم ہو جائے گی۔ لہٰذا اس کے لیے تین ماہ کی بے کار کوشش کرنے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔

تیمور نے خوب سوچ بچار کے بعد متحرک بُرجیاں بنانے کا حکم دیا اور کچھ سپاہیوں کو حصار کی توڑ پھوڑ کے کام پر لگا دیا۔ اگر متحرک بُرجیاں تیار نہ کروائی جاتیں تو تیمور کے سپاہی کسی بھی طرح دیوار مسمار کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ دیوار کے اُوپر کھڑے محافظ اُن پر پتھر برسا کر یا کھولتا ہوا تیل پھینک کر فوراً موت کے گھاٹ اُتار دیتے۔ تاہم ایک طرف سے بُرجیوں کے ذریعے اوپر موجود پہرے داروں کو اُلجھانا اور دوسری طرف سے دیوار کو مسمار کرنے کا کام کرنا، تیمور کی سوچی سمجھی حکمت عملی تھی۔

تیمور اور اس کے سپاہیوں نے ہر ممکن کوشش کی کہ صفہان کی فصیل کو عبور یا مسمار کر کے شہر میں داخل ہوا جائے مگر ایسا ممکن نہ ہو سکا کیونکہ جیسے ہی اس کے سپاہی دیوار کے قریب جاتے اصفہان کے پہرے دار اُن پر کھولتا ہوا تیل برسا کر ان کا کام تمام کر دیتے۔ دوسری طرف پتھروں اور تیروں سے بھی وہ خوب مقابلہ کر رہے تھے۔ تیمور کا یہ بھی خیال تھا کہ اصفہان بہت بڑا شہر ہے اور جلد ہی اس کے لوگ بھوک اور قحط سالی کا شکار ہو کر گھٹنے ٹیک دیں گے، مگر ایسا بھی ممکن نہ ہوا اور کئی مہینوں کے صبر آزما انتظار کے بعد بھی قحط یا بھوک کا شکار ہونے کی علامات ظاہر نہ ہو سکیں۔

تیمور نے اس حوالے سے معلومات حاصل کیں تو معلوم ہوا کہ اصفہان کے باشندوں کا معمول یہ ہے کہ ایک برس کی فصل آنے پر سال بھر کی فصل خرید لیتے ہیں اور اگلی فصل کٹنے تک اُن کا اناج ذخیرہ رہتا ہے۔ یہ بھی بتایا گیا کہ اصفہان کے لوگ ہر چیز تھوک کے حساب سے خریدنے کے عادی ہیں، یہی وجہ ہے کہ اُن کے گھروں میں سال بھر کے لیے اشیاء ضرورت موجود رہتی ہیں۔ حتیٰ کہ سردیوں کے لیے ایندھن کا بندوبست بھی وہ گرمیوں اور خزاں کے موسم میں کر لیتے ہیں، لہٰذا یہ اُمید قطعی بے کار ہے کہ یہاں کے باشندے بھوک پیاس یا قحط کا شکار ہو کر گھٹنے ٹیک دیں گے۔

تیمور جانتا تھا کہ ایک لاکھ بیس ہزار سپاہیوں پر مشتمل بڑی فوج کو زیادہ عرصہ تک اس جگہ بے کار رکھنا خطرے سے خالی نہیں، اس پر بھاری

اخراجات آ رہے تھے اور دوسری طرف شمال کی جانب سے کسی بھی وقت کوئی فوج اُن پر حملہ کر کے انہیں نیست و نابود کر سکتی تھی۔ دراصل شمال کی طرف خوزستان میں تیمور کے خون کے پیاسے لوگ رہتے تھے اور اُن کے علاوہ آذربائیجان پر ایک طاقتور بادشاہ کی حکومت تھی، اگر یہ دونوں ملک اور شمالی علاقوں کے دیگر حاکم متحد ہو کر اُس پر حملہ کر دیتے تو بہت ممکن تھا تیمور کی فوج نیست و نابود ہو جاتی۔ اس لیے ضروری تھا کہ جلد از جلد اصفہان کی مہم کو نتیجہ خیز بنایا جائے۔

لیکن حقیقت یہ تھی کہ اہل اصفہان نے مقابلے کی پوری تیاری کر رکھی تھی، وہ لوگ نہ صرف دیوار کو مسمار کرنے والوں کو سختی سے کچل رہے تھے بلکہ انہوں نے ایسے ہُنر مندوں کا بھی انتظام کر رکھا تھا جو دیوار کا کوئی حصہ مسمار ہونے کی صورت میں پتھر چُن کر فوراً اُس حصے کی دوبارہ تعمیر کر دیتے تھے۔ تیمور نے یہ طریقہ اپنایا کہ دیوار میں سُوراخ بنانے کا کام رات کی تاریکی میں انجام دیا جائے، مگر یہ حکمت عملی بھی ناکام رہی، کیونکہ رات کی تاریکی میں کدال کی آواز سے پہرے داروں کو فوراً پتا چل جاتا کہ کُھدائی کا کام کہاں ہو رہا ہے اور فوراً ہزاروں مشعلیں دیوار پر روشن ہو جاتیں اور پہرے دار دیوار توڑنے والوں پر کھولتا ہوا تیل انڈیل دیتے۔

اصفہان کے لوگوں کے بارے میں ایک نئی اور بے حد دلچسپ بات یہ معلوم ہوئی کہ یہ لوگ کبوتر پالنے کے شوقین ہیں اور نہ صرف کبوتر پالتے ہیں بلکہ اُن سے پیغام رسانی کا کام بھی لیتے ہیں۔ تیمور نے اندازہ لگایا کہ اہل اصفہان کو اُس کی آمد کا پتہ یقیناً ان کبوتروں کے ذریعے پیغام رسانی سے ہی چلا ہوگا۔ اسے یہ خطرہ بھی لاحق ہوگیا کہ کہیں اہل اصفہان کبوتروں کی مدد سے بیرونی مدد طلب نہ کر لیں۔ تیمور کو خیال آیا کہ آئندہ اپنے ساتھ شاہین رکھا کرے گا جو کبوتروں کے ذریعے پیغام رسانی کا توڑ کر سکیں گے اور پیغام رسانی کے لیے استعمال کیے جانے والے کبوتروں کا راستے میں ہی صفایا کر دیں گے مگر اس وقت وہ اس کارگر ہتھیار کا کوئی توڑ نہ کر سکتا تھا۔

اہل اصفہان کی استقامت اور زبردست دفاعی تدبیروں سے تیمور کے غیض و غضب میں بے حد اضافہ ہوگیا۔ اُس نے تیروں کے ذریعے بہت سے پیغامات شہر میں ارسال کیے، جن میں کہا گیا کہ اہل اصفہان از خود اُس کے سامنے گھٹنے ٹیک دیں ورنہ وہ شہر میں داخل ہونے کے بعد کسی کو بھی زندہ نہیں چھوڑے گا، مگر ان سب باتوں کا بھی کوئی اثر نہ ہوا اور تیمور شہر کے طویل محاصرے پر مجبور رہا۔

رفتہ رفتہ موسم بہار بیت گیا اور گرمیوں کا آغاز ہوگیا، مگر اصفہان میں قحط پڑا اور نہ ہی اہل اصفہان دروازے کھولنے پر تیار ہوئے۔ بلکہ اُلٹا تیمور کے سپاہی ملیریا کا شکار ہو کر بیمار پڑنے لگے۔ تیمور اس طویل محاصرے سے تنگ آ چکا تھا اور اُس کی فوج کی حالت بھی خراب ہونے لگی تھی مگر اُس کا غرور اُسے واپس جانے کی اجازت نہ دیتا تھا۔ کبھی کبھی اُس کے دل میں خیال آتا کہ اصفہان کا محاصرہ چھوڑ کر فارس کا رُخ کرے مگر پھر وہ سوچتا کہ اپنے پیچھے اصفہان جیسا طاقتور شہر چھوڑ کے جانا سراسر بے وقوفی ہوگی، اہل اصفہان یقیناً واپسی پر اُس کا راستہ روک لیتے اور مضبوط فوج تیار کر کے جنگ سے لوٹی اُس کی فوج کا قلع قمع کر دیتے۔ گرمیاں عروج پر پہنچنے پر اُس نے ایک بار پھر اپنے معماروں کو طلب کر کے دریا کا رُخ موڑنے کا حکم دیا مگر اس بار بھی انہوں نے یہی جواب دیا کہ ابھی پانی کی سطح اتنی نیچی نہیں ہوئی اور اس کام کے لیے طویل عرصہ لگ جائے گا۔

تیمور کے سپاہی تیزی سے بیمار ہو رہے تھے، اُس نے ان بیمار سپاہیوں کو اصفہان سے پرے "مورچہ" نامی شہر میں منتقل کرا دیا جہاں کے

پانی میں مچھروں کے جراثیم موجود نہیں تھے۔اس دوران اصفہان میں اناج کی قلت کے آثار نمایاں ہونے لگے مگر اہل شہر اب بھی تسلیم ہونے پر تیار نہ تھے ،انہیں یقین تھا کہ اس طویل محاصرے سے تنگ آ کر تیمور واپس چلا جائے گا۔ وقت گزرتا رہا حتیٰ کہ گرمیوں کا موسم بھی گزر گیا اور خزاں کی ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگیں۔اس موقع پر دریا کا پانی اس قدر کم ہو گیا کہ اس میں نہ صرف سوار فوج بلکہ پیادہ فوج بھی آسانی سے اُتر کر دریا عبور کر سکتی تھی۔ اس وقت تک تیمور کے 9 ہزار سپاہی بیمار پڑ چکے تھے اور کم و بیش پانچ ہزار مختلف جھڑپوں میں کام آ چکے تھے۔

بہر حال تیمور نے ایک لاکھ چھ ہزار سپاہیوں کی بقیہ فوج میں سے پچاس ہزار سپاہیوں کو دورسالوں میں تقسیم کیا اور انہیں فاضل فوج کے طور پر شہر کے باہر ٹھہرنے کا پابند کیا۔ اس کے بعد اس نے بقیہ چھپاسٹھ ہزار سپاہیوں کو تین دستوں میں تقسیم کر کے دو دستوں کو دریا کے مدخل اور باہر نکلنے کے راستے سے شہر میں داخل ہونے کا حکم دیا جبکہ تیسرے دستے کو یہ ذمہ داری سونپی کہ جب بقیہ فوج شہر میں داخل ہو اور اصفہان کے پہرے دار دیوار سے اُتر کر فوج پر حملہ کریں تو وہ با آسانی دیوار سے شہر میں داخل ہو جائیں اور دیوار کو مسمار کر دیں یا دروازے کھول دیں۔

جب تیمور کے فوجی شہر میں داخل ہوئے تو انہیں وہاں کوئی مویشی حتیٰ کے کتا تک نظر نہ آیا، معلوم ہوا کہ اہل اصفہان بھوک کے ہاتھوں مجبور ہو کر شہر کے سارے جانور کھا گئے ہیں۔

اس دن اگر اہل اصفہان بھوک اور قحط کے ہاتھوں مجبور نہ ہوتے تو تیمور کا اُن پر غلبہ پانا شاید ناممکن ہوتا کیونکہ اُس حالت میں بھی ان لوگوں نے اس پامردی اور استقامت سے مزاحمت جاری رکھی کہ تیمور کی فوج کو زبردست مشکلات کا شکار کر دیا۔ اس دن کچھ ہی دیر کے بعد آسمان پر بادل چھا گئے اور موسلا دھار بارش شروع ہو گئی، یہ بارش اہل اصفہان کے لیے بھی اس لحاظ سے نقصان دہ ثابت ہوئی کہ وہ لوگ آگ اور دھوئیں کا کھیل کھیل کر تیمور کے فوجیوں کو بوکھلاہٹ کا شکار کرنے کی کوشش کر رہے تھے مگر بارش نے اُن کی لگائی آگ بجھا دی، دوسری طرف تیمور کے فوجیوں کو بھی اس لحاظ سے مشکلات کا سامنا کرنا پڑا کہ بارش کا پانی دوسری رکاوٹوں کے ساتھ ان کی راہ میں ایک اور رکاوٹ بن گیا، نیز بارش نے اُن کے بارود کو بھی ناکارہ کر دیا اور وہ مکانات مسمار کرنے کے کام میں زبردست مشکلات کا شکار ہو گئے۔

تیمور کے جو سپاہی شہر میں داخل ہوئے اُن میں چینتن سپاہی بھی شامل تھے جن کی بہادری اور دلیری کا ذکر پہلے آ چکا ہے، ان کا سردار اور گن چینتن بھی حملہ کرنے والوں میں شامل تھا۔ چینتن کے کئی سپاہی شہر میں داخل ہوتے ہی مارے گئے تھے، کچھ دیر میں پتا چلا کہ اور گن چینتن بھی ہلاک ہو گیا ہے اور اہل اصفہان نے اُس کا سر کاٹ کر نیزہ پر چڑھا دیا ہے۔ تیمور نے اس کی باقی چیزوں کو محفوظ کرنے اور جنازے کی تدفین کا حکم دیا۔ اور اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ رات کا اندھیرا پھیلنے سے پہلے لڑائی ختم کرنے کی کوشش کریں۔ اس دوران مزید بارش نے ان کا کام اور دشوار کر دیا اور اہل اصفہان نے بھی تیمور کی فوج کی مشکلات دیکھتے ہوئے رکاوٹیں مضبوط کر کے مزاحمت شدید کر دی۔

جب رات کا اندھیرا پھیل گیا تو تیمور کا ایک تجربہ کار سردار غولر بیگ اُس کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ ''اے امیر، بارش اور رات کے اندھیرے نے ہمارا کام ناممکن بنا دیا ہے، اگر تم اجازت دو تو ہم اہل اصفہان کے قلع قمع کا کام صبح تک ملتوی کر دیں۔''

تیمور نے جواب دیا، ''غولر بیگ، اہل اصفہان اس وقت بھوکے اور قحط کا شکار ہیں پھر بھی زبردست مقابلہ کر رہے ہیں۔ ہمارے طویل

محاصرے نے بھی ان کا حوصلہ نہ توڑا اور اب اُن کی عورتیں اور بچے بھی مزاحمت کر رہے ہیں۔ اگر ہم نے اس وقت جنگ سے ہاتھ کھینچ لیا تو پھر ممکن ہے کہ وہ ہم پر شب خون مار کر ہمارا قلع قمع کر دیں اور ایسی صورت میں صورت حال ہمارے قابو سے باہر ہو جائے گی۔''

غولر بیگ کہنے لگا، ''امیر! میں نے لڑائی بند کرنے کی تجویز اس لیے پیش کی ہے کہ یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ ہم بارش اور تاریکی کے باعث عمارتیں ڈھانے کا کام انجام نہیں دے سکتے اور یہ کام کیے بغیر اہل اصفہان کو زیر کرنا ناممکن ہے۔''

تیمور نے کہا، ''اس وقت جنگ روکنا خلاف مصلحت ہوگا، ہمیں از خود اہل اصفہان کو یہ موقع نہیں دینا چاہیے کہ وہ اپنی قوت مجتمع کر کے ہم پر شب خون ماریں یا کل تازہ دم ہو کر ہمارے مقابلے پر نکل آئیں۔ آج رات لڑائی جاری رکھو، خواہ یہ کام چند ہزار سپاہی کریں اور باقی سپاہیوں کو خیموں میں جا کر سونے کی اجازت دے دو۔''

تیمور نے صورت حال کا جائزہ لیا تو پتا چلا کہ سارے راستوں میں کیچڑ پھیل چکا ہے اور اہل اصفہان کی حکمت عملی یہ ہے کہ گھروں میں چھپ کر تیروں اور پتھروں سے تیمور کی فوج کا مقابلہ کیا جائے۔ وہ تن تنہا مقابلے کے لیے سامنے نہ آتے تھے بلکہ ٹولیوں میں بٹ کر مقابلہ کر رہے تھے۔ اُس رات شدید بارش جاری رہی اور رات گئے تیمور کو پتا چلا کہ اس کے آٹھ ہزار پانچ سو سپاہی اصفہان کے ہاتھوں قتل ہو چکے ہیں۔ اہل اصفہان نے اُس کے کئی سپاہیوں کو زندہ جلا دیا تھا تاکہ دوسرے سپاہی سراسیمگی اور خوف کا شکار ہو جائیں۔ نیز وہ قتل ہونے والے سپاہیوں کے سر کاٹ کر نیزے پر چڑھا دیتے۔

اُس رات صبح تک بارش جاری رہی اور تیمور کے سپاہی صبح تک عمارتیں مسمار کرنے کے کام میں مصروف رہے تاہم انہیں اس کام میں دشواری پیش آئی۔ اگلی صبح جب بارش تھم گئی اور سورج کی کرنیں چاروں طرف پھیل گئیں تو تیمور نے اپنے تمام افسروں کو جمع کر کے حکم دیا کہ لشکر میں موجود تمام وسائل سپاہیوں کو دے دیئے جائیں اور انہیں بتا دیں کہ انہیں اہل اصفہان کا قلع قمع کرنے کے ساتھ ساتھ عمارتوں کو بھی مسمار کرنا ہے۔

تیمور نے بھی اس روز سپاہیوں کے ساتھ شہر میں قدم رکھا اور اسے معلوم ہوا کہ راستے اس قدر خراب ہو چکے ہیں کہ ان سے گزرنا اور اہل اصفہان کی بنائی رکاوٹوں کو عبور کر کے اُن تک پہنچنا کس قدر دشوار ہے۔ تیمور کے پاؤں گھٹنوں تک کیچڑ میں دھنس چکے تھے اور اُسے پاؤں اٹھانے میں بے حد دقت ہو رہی تھی۔ اصفہان کے لوگ گھروں میں پناہ لے کر اُن پر پتھر اور تیر برسا رہے تھے اور تیمور کے سپاہی رکاوٹیں عبور کر کے ان کے گھروں کو مسمار کر رہے تھے، اس دوران جو بھی ان کے ہاتھ لگتا وہ اسے موت کے گھاٹ اُتار دیتے خواہ کوئی بوڑھا، بچہ یا عورت ہی کیوں نہ ہوتی۔ تیمور اور اس کے سپاہیوں کا غصہ اس قدر زیادہ تھا کہ وہ خوبصورت عورتوں کو بھی لونڈیاں بنانے کی بجائے تلوار سے اُن کا پیٹ چیر ڈالتے۔ مرنے والوں کے دھنسے ہوئے رخسار اور زرد چہرے اس بات کی گواہی دے رہے تھے کہ وہ کئی دنوں کے بھوکے ہیں۔ جب کسی عورت کا پیٹ چیرا جاتا تو اس میں سے پتے برآمد ہوتے، گویا وہ آخری دنوں میں صرف پتے کھا کر گزارہ کر رہے تھے۔

بہر حال تیمور اپنے سپاہیوں کے ساتھ مزاحمت کرنے والوں کو قتل اور ان کی عمارتوں کو مسمار کرتا رہا، حتیٰ کہ اس کے راستے میں ایک مسجد آ گئی، اگرچہ تیمور مسجدوں کا احترام ملحوظ رکھا کرتا تھا مگر اس وقت اس نے مجبور ہو کر حکم دیا کہ مسجد کی دیواریں بارود سے شہید کر دی جائیں اور ان تمام لوگوں کو

ہلاک کر دیا جائے جو مسجد میں مورچہ بند ہو کر اُن پر پتھر اور تیر برسا رہے ہیں۔ اس دوران ان کے راستے میں ایک قبرستان آیا، وہ یہ دیکھ کر حیران ہوئے کہ کسی قبر پر کوئی پتھر نصب نہیں ہے۔ بعد میں پتہ چلا کہ اہل اصفہان قبروں کے پتھر تک اکھاڑ کر لے گئے تھے۔ تاکہ تیمور کے سپاہیوں کا مقابلہ کر سکیں۔

تیمور نے اپنے سپاہیوں کو حکم دے رکھا تھا کہ کسی شخص کو معاف نہ کریں اور سامنے آنے والے ہر ذی روح کو موت کے گھاٹ اتار دیں۔

اس دوران خبر آئی کہ غولر بیگ شہر کے شمالی حصے میں ایک وسیع گزرگاہ پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے اور اس نے ساتھیوں سمیت اہل شہر کا قتل عام شروع کر دیا ہے۔ دوسری طرف تیمور کا بیٹا جہانگیر بھی ایک وسیع علاقے پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا اور راستے میں آنے والی ہر عمارت کو مسمار کرتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ اس کے راستے میں بھی ایک مسجد آ گئی، پتا چلا کہ وہ شہر کی جامع مسجد ہے، جہانگیر نے وہاں موجود لوگوں کو قتل کر دیا تاہم تین علماء کو جو حلیہ سے امام مسجد نظر آتے تھے جان بخشی کر کے تیمور کے پاس بھیج دیا۔

تیمور نے اُن سے گفتگو کی تو یہ جان کر حیران رہ گیا کہ وہ تینوں ہی مسجد کے پیش امام ہیں اور ایک ہی مسجد میں تین مختلف جگہوں پر لوگوں کی امامت کراتے ہیں۔ تیمور نے ان سے دریافت کیا کہ وہ تینوں الگ الگ کیوں نماز پڑھاتے ہیں اور اُن میں سے دو کسی ایک کو امام کیوں منتخب نہیں کر لیتے تاکہ سب لوگ ایک ہی شخص کی امامت میں نماز ادا کر سکیں، مگر وہ کہنے لگے کہ ''اے امیر ہمارے لوگ جسے عادل سمجھتے ہیں اُس کی اقتداء کرتے ہیں اس لیے ہمیں الگ الگ نماز پڑھانا پڑتی ہے۔''

تیمور اس وقت جنگ کی حالت میں ہونے کی وجہ سے ان لوگوں سے زیادہ بحث مباحثہ نہ کر سکا اور جنگی امور نپٹانے میں مصروف ہو گیا۔ شہر کی صورت حال ایسی تھی کہ تیمور کو احساس ہو رہا تھا جب تک اصفہان کے سارے گھروں کو مسمار نہیں کیا جائے گا لڑائی ختم نہیں ہو گی۔ اس لیے وہ خود اور اس کے سپاہی تیزی سے گھروں کو مسمار کر رہے تھے۔ شہر کے ایک علاقے میں تعمیر کیے گئے مکانات لکڑی سے بنے تھے، اس وقت تک سورج کی روشنی پوری طرح پھیل چکی تھی اور گرمی نے پانی خشک کر کے تیمور کے سپاہیوں کا کام آسان کر دیا تھا۔ تیمور نے لکڑی کے گھروں کو آگ لگا دینے کا حکم دیا، چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے سارے گھروں میں آگ بھڑک اٹھی اور ان میں موجود مکین جان بچانے کی خاطر باہر کی طرف دوڑے، مگر باہر تیمور کے سپاہیوں کی تلواریں اُن کی منتظر تھیں اور وہ سب تہہ تیغ کر دیئے گئے۔

اس دوران شہر کے کچھ لوگوں نے ایک باریش معمر شخص کی سربراہی میں قرآن تھام کر تیمور سے رحم کی اپیل کی اور اس سے شہر کے باقی لوگوں کے قتل عام سے ہاتھ روک لینے کے لیے کہا، مگر تیمور نے واضح الفاظ میں ان کی درخواست نامنظور کرتے ہوئے کہا کہ اگر اصفہان کے لوگ خود شہر کے دروازے کھول کر اس کے سامنے گھٹنے ٹیک دیتے تو وہ اُن سب کو معاف کر دیتا مگر اتنے طویل انتظار اور ہزاروں سپاہیوں کے قتل کے بعد اب وہ ان کو معاف نہیں کرے گا، البتہ اس نے ایلچی بن کر آنے والے اس گروہ کی جان بخشی کر دی جو قرآن تھامے اس کے سامنے شہریوں کی جان بخشی کے لیے آیا تھا۔

شہر میں قتل و غارت کا بازار گرم تھا اور گھر تیزی سے مسمار ہو رہے تھے۔ اسی اثناء میں تیمور کے پاس اس کے سردار حاضر ہوئے اور اسے بتایا کہ اگر یوں ہی سارے گھر مسمار کر دیئے گئے تو سپاہیوں کے ہاتھ کچھ نہیں لگے گا، تاہم اگر باقی ماندہ شہریوں کو عام معافی دے دی جائے تو وہ فوراً تسلیم بھی ہو جائیں گے اور اس طرح مال غنیمت بھی ہاتھ لگ جائے گا۔ چنانچہ تیمور نے اس شرط پر عام معافی کا اعلان کر دیا کہ شہر کے سارے لوگ جو

چھپے ہوئے ہیں باہر نکل آئیں۔ پھر اس نے ان لوگوں کو میتیں دفنانے کے کام پر لگا دیا۔ اس روز بھی تیمور کے تقریباً 7 ہزار سپاہی ہلاک ہوئے تھے۔ تیمور نے ان کی میتیں دفنانے کا کام بھی اصفہانیوں سے لیا اور ان کی عورتوں اور لڑکیوں کو اپنے سپاہیوں میں تقسیم کر دیا، تاہم اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ شہر سے رخصت ہوتے وقت ان عورتوں کو بیچ دیں یا آزاد کر دیں کیونکہ وہ عورتوں کو اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتے تھے۔ پھر تیمور نے آس پاس کے لوگوں کو شہر کی فصیل مسمار کرنے کا حکم دیا۔ اس کی یہ عادت تھی کہ کسی شہر یا قلعہ کو فتح کرنے کے بعد اس کی حفاظتی دیوار مسمار کرا دیا کرتا تھا۔

اصفہان شہر حقیقتاً ایک کھنڈر میں بدل چکا تھا۔ شہر کی زیادہ تر عمارتیں زمین بوس ہو چکی تھیں اور بڑی آبادی موت کے گھاٹ اُتر چکی تھی۔

تیمور کی توقع کے عین مطابق صدر الدین اصفہانی کہیں نظر نہ آیا، وہ اس کی ہدایت کے مطابق پہلے ہی اصفہان چھوڑ کر جا چکا تھا۔

❁ .... ❁ .... ❁

چودھواں باب

مغل سردار سے پنجہ آزمائی

اصفہان کے بعد تیمور فارس کی طرف جانے کا ارادہ رکھتا تھا تاہم اسی وقت اطلاع ملی کہ توک تامیش جو قپچاق کا رئیس تھا ایک بار پھر ماوراء النہر پر حملہ آور ہوگیا ہے اور اس نے تیمور کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھا کر شہر کے بے گناہ باشندوں کو ہلاک کر دیا اور بہت سے مویشی چُرا کر لے گیا ہے۔ چنانچہ تیمور نے فوراً ماوراء النہر واپسی کا حکم صادر کر دیا۔

تیمور اور اس کے فوجی جب واپسی کا سفر طے کرتے ہوئے سبزوار تک پہنچے تو سردی کی شدت میں اس قدر اضافہ ہوگیا کہ انہیں لاچار ہو کر پڑاؤ ڈالنا پڑا۔ ساری زمین برف سے ڈھک گئی تھی اور یہ ڈر پیدا ہوگیا تھا کہ ان کے گھوڑے سردی کی شدت سے مر نہ جائیں۔ چنانچہ تیمور نے حکم دیا کہ عارضی طویلے بنائے جائیں اور انہیں نمدے کے پردے لٹکا کر گرم رکھا جائے۔ وہ لوگ خود بھی خیموں میں پناہ لے کر سردی کم ہونے کا انتظار کرنے لگے۔

جب موسم میں کچھ اعتدال آیا تو وہ لوگ دوبارہ سفر پر روانہ ہوگئے اور طوس و قوچان سے گزر کر ترکستان پہنچے جہاں سردی کی شدت واضح طور پر کم ہو چکی تھی۔ جب تیمور اور اس کی فوج سمرقند پہنچی تو سردی میں واضح کمی ہو چکی تھی۔

تیمور نے سمرقند میں چند روز سے زیادہ قیام نہ کیا، کیونکہ وہ خدا سے عہد کر چکا تھا کہ اپنی ساری زندگی میدان جنگ میں داد شجاعت دیتے گزار دے گا اور عیش و عشرت اور عورتوں کی صحبت سے پرہیز کرے گا۔ چنانچہ اس نے فوراً جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس نے پختہ ارادہ کر لیا تھا کہ قپچاق کے حکمران توک تامیش کو اُس کی گستاخی کا مزہ چکھا کر رہے گا۔ تیمور کو یقین تھا کہ توک تامیش ایک بزدل حکمران ہے کیونکہ اس نے دونوں بار اس کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی تھی، اگر وہ بہادر ہوتا تو ضرور تیمور کے سامنے آکر اس کا مقابلہ کرتا۔

تیمور نے اصفہان کی لڑائی میں جو سبق سیکھا تھا، فوری طور پر اس پر عملدرآمد شروع کر دیا اور اپنے ملک میں کبوتر خانے قائم کرنے اور ان کے ذریعے پیغام رسانی کا کام لینے کی ہدایات جاری کیں۔ اس سے اسے خبر رسانی کا ایک زبردست ذریعہ میسر آگیا۔ چنانچہ عین اس وقت جب وہ توک تامیش کو سبق سکھانے کے لیے روانہ ہونے والا تھا، کبوتروں کے ذریعے پیغام موصول ہوا کہ مغل فوج کے دستے ماوراء النہر کی طرف بڑھ رہے ہیں اور وہ تیمور کے ملک پر قبضہ کرنے کی خواہش لے کر نکلے ہیں۔ یہ ایسی صورت حال تھی کہ تیمور توک تامیش کو سبق سکھانے کے لیے روانہ نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ اس کی غیر موجودگی میں مغل فوجیں اس کے ملک کو تباہی سے دوچار کر سکتی تھیں۔ چنانچہ اس نے اپنے بیٹے شیخ عمر کو اسی ہزار سپاہیوں کے ساتھ قپچاق کی طرف روانہ کر دیا اور اسے ہدایت کی کہ اگر ہو سکے تو توک تامیش کا سر کاٹ کر تیمور کے لیے روانہ کر دے اور اگر وہ بھاگ نکلے تو اس کے ملک کی اینٹ سے اینٹ بجا کر واپس آجائے۔ تیمور کو یقین تھا کہ توک تامیش اپنی بزدلی کے باعث بھاگ نکلے گا۔

دوسری طرف کبوتروں کے ذریعے پیغام پہنچ رہے تھے، جن سے معلوم ہوا کہ مغل فوج کا سردار بیل اور گن نامی شخص ہے جو خود کو چنگیز خان کا جانشین قرار دیتا ہے اور دنیا فتح کرنے کی غرض سے نکلا ہے اور اپنی اس خواہش پر عمل کرنے کے لیے تیمور کا ملک فتح کرنے آ رہا ہے۔ تیمور نے دل میں کہا کہ ''اے تیمور تجھے ثابت کرنا ہوگا کہ چنگیز خان کا اصل جانشین تُو ہے بیل اور گن نہیں۔''

کبوتروں کے ذریعے اگلا پیغام یہ آیا کہ مغل فوج تقریباً ایک لاکھ بیس ہزار سپاہیوں پر مشتمل ہے تاہم وہ بے حد سست روی سے آگے بڑھ رہی ہے۔ ابھی تیمور کے کبوتر خانے مکمل نہیں ہوئے تھے اس لیے وہ یہ معلوم نہ کر سکا کہ مغل فوج کی سست رفتار کی اصل وجہ کیا ہے۔ تاہم اس نے سمرقند سے نکل کر دشمن کا سامنا کرنے کا فیصلہ کیا۔

تیمور کو برابر اطلاعات مل رہی تھیں کہ دشمن فوج کس طرح سے ان پر حملہ آور ہونے کے لیے آ رہی ہے چنانچہ اس نے ستر ہزار سپاہیوں کی فوج تیار کی اور مشرق کی جانب روانہ ہو گیا۔ اس نے اپنے ہر سپاہی کے لیے دو فالتو گھوڑے فراہم کیے اور انہیں بیس دستوں میں تقسیم کر کے جلد از جلد دشمن کے سر پر پہنچنے کی ہدایت کی۔ تیمور اور اس کے سپاہی تیزی سے سفر کرتے ہوئے دشمن کے نزدیک پہنچ گئے، وہ سارے راستے گھوڑے تبدیل کرتے اور تھکے ہوئے گھوڑے کی پیٹھ سے تازہ دم گھوڑے کی پیٹھ پر منتقل ہوتے رہے تھے۔ دشمن کے نزدیک پہنچ کر تیمور نے دو ہراول دستے آگے روانہ کیے تاکہ وہ دشمن کی حرکات وسکنات سے آگاہ کر سکیں۔ پہلے ہراول دستے نے پیغام بھیجا کہ دشمن کی فوج بہت بڑی ہے تاہم ان کے پاس فالتو گھوڑے نہیں ہیں۔ تیمور سمجھ گیا کہ ان کی سست روی کی اصل وجہ یہی تھی۔ بیل اور گن جو خود کو چنگیز خان کا جانشین قرار دیتا تھا، اس بات سے بے خبر تھا کہ چنگیز کی کامیابیوں کے پس پردہ اہم ترین وجہ یہ تھی کہ اس کے ہر سپاہی کے پاس ایک فالتو گھوڑا ہوتا تھا اور وہ لوگ طویل فاصلے بھی تیزی سے طے کر کے دشمن کے سر پر پہنچ جایا کرتے تھے اور اچانک ہلّہ بول کر دشمن کا صفایا کر دیتے تھے۔

تیمور نے اب اپنے سپاہیوں کو جنگی صف آرائی کا حکم دیا اور پانچ ہزار سپاہیوں کو یہ ذمہ داری سونپی کہ جنگ چھڑ جانے پر وہ ایک لاکھ چالیس ہزار فالتو گھوڑوں کی دیکھ بھال کا کام سنبھال لیں۔ پھر اس نے اپنے باقی پینسٹھ ہزار سپاہیوں کو چار دستوں میں تقسیم کیا، جن میں سے تین پندرہ پندرہ ہزار اور چوتھا بیس ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھا۔ ان میں سے پندرہ پندرہ ہزار کے تینوں دستے فوج کے دائیں بائیں اور مرکزی حصوں کی تشکیل کرتے جبکہ چوتھا دستہ فاضل فوج کے طور پر استعمال ہوتا۔

ہراول دستے کی اطلاعات کے مطابق دشمن اب تک ان کی موجودگی سے بے خبر تھا جو بیل اور گن کی نالائقی کا واضح ثبوت تھا۔ اگرچہ تیمور اسی وقت شب خون مار کر دشمن پر ہلّہ بول سکتا تھا مگر اس نے یہ سوچ کر ایسا نہیں کیا کہ ایک تو دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے اور اتنی بڑی فوج پر اندھیرے میں شب خون مارنے سے سپاہیوں میں افراتفری پھیل جانے کا خطرہ ہوتا ہے اور وہ اپنے ساتھیوں کی پہچان بھی نہیں کر پاتے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ تیمور بیل اور گن کو زندہ گرفتار کر کے اس سے یہ پوچھنا چاہتا تھا کہ اسے چنگیز کی اولاد پر حملہ کرنے کی جرأت کیسے ہوئی۔

بیل اور گن کی نالائقی کا ایک اور ثبوت یہ تھا کہ اس نے اب تک ہراول دستے کو آگے بھیجنا بھی ضروری خیال نہیں کیا تھا اور چونکہ ماوراءالنہر ابھی کافی فاصلے پر تھا اس لیے اسے قطعی امید نہ تھی کہ اسے فوری جنگ کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ بہر حال تیمور نے دشمن کو اپنی موجودگی سے لاعلم رکھنے

کے لیے جگہ جگہ پہرے بٹھا دیئے اور ہراول دستے بھی واپس بلا لیے اور صرف چند لوگوں کو پہرے پر بیٹھا رہنے دیا جو انہیں پل پل کی خبر دینے کے ذمہ دار تھے۔اب تیمور کی فوج اور دشمن کے درمیان صرف چار فرسنگ کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ یہاں اس نے فالتو گھوڑوں کو اُن کی حفاظت کے ذمہ دار سپاہیوں کے حوالے کیا اور باقی سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ آرام کریں اور اپنے گھوڑوں کو بھی تازہ دم ہونے دیں۔

ٹھیک آدھی رات کے وقت تیمور نے فوج کو روانگی کا حکم دے دیا۔ چونکہ ابھی صبح ہونے میں کافی وقت تھا اس لیے وہ لوگ چہل قدمی کے انداز میں آگے بڑھ رہے تھے۔ جیسے ہی پو پھٹی اور سورج کی پہلی کرن نمودار ہوئی تو تیمور نے جنگی صف بندی کا حکم دیا۔اس کے دائیں بائیں دستوں نے جگہ سنبھال لی جبکہ وہ خود مرکزی حصے میں موجود تھا۔

صف آرائی کا کام تقریباً ایک گھنٹے میں مکمل ہوگیا۔ چونکہ انہیں ایک سوار فوج کا سامنا کرنا تھا اس لیے تیمور نے اپنے ہر سپاہی کو ایک نیزہ بھی فراہم کیا تھا کہ لڑائی کے دوران نیزے کی مدد سے دشمن کو نیچے گرا سکیں۔ نیز اس کے ہر سپاہی کے پاس تلوار، کمند اور تیر وکمان بھی تھا، تاہم اس نے اپنے سپاہیوں کو اجازت دے دی کہ اگر وہ لڑائی کے دوران چاہیں تو نیزہ پھینک سکتے ہیں تاکہ اسے سنبھالنا ان کے لیے دشواری کا سبب نہ بن جائے۔

جب سورج کی روشنی پھیلی تو تیمور اور اس کے سپاہی ایک ہموار میدان میں کھڑے تھے، اب وہ خود کو چھپا نہ سکتے تھے مگر دشمن نے اب بھی انہیں نہ دیکھا کیونکہ وہ اپنے خیموں میں غافل پڑے سو رہے تھے۔ تیمور کو یقین ہوگیا کہ مغل حکمران بیل اور گن جنگی فنون سے بے بہرہ لاپرواہ انسان ہے اور اسے یہ بھی یقین ہوگیا کہ مغلوں کا زوال یقینی ہو چکا ہے۔

تیمور نے اشارہ کیا اور اس کی فوج حملے کے لیے تیار ہوگئی مگر اس سے پہلے اس نے اپنی فوج کی سمت تبدیل کر دی تاکہ جب وہ حملہ کریں تو سورج ان کی آنکھوں میں نہ پڑے بلکہ وہ مشرق سے مغرب کی طرف صف آراء تھے۔ پینتالیس ہزار سواروں کی یکساں حرکت سے جو جنوب سے شمال کی طرف ہوا میں اڑے ہوئے جا رہے تھے ایک ایسا حیران کن منظر نظر آ رہا تھا جس کی مثال دینا ناممکن ہے، یوں لگتا تھا جیسے سورج بھی ان کا نظارہ کرنے میں مشغول ہے۔ ان کے پیچھے بیس ہزار فاضل فوج کا دستہ تھا، اس کی صفیں بھی مشرق سے مغرب کی طرف پھیلی ہوئی تھیں۔

تیمور کو گھوڑا دوڑاتے ہوئے یوں لگ رہا تھا جیسے زمین اس کی فوج کی حرکت سے کانپ رہی ہو اور وہ اپنے جوش اور ولولے کے باعث حلق سے نکلنے والا طویل نعرہ نہ روک سکا اور بے اختیار ہو کر نعرہ زنی کرنے لگا، دیکھتے ہی دیکھتے فوج کے ہر حصے سے فلک شگاف نعرے بلند ہونے لگے اور ایسا غوغا پیدا ہوا کہ حشر کا سماں نظر آنے لگا۔ جب تیمور کی فوج مغلوں کے سر پر آ پہنچی تو انہوں نے اپنی صفیں منظم کرنے کی کوشش کی مگر اس سے پہلے کہ وہ سنبھل پاتے تیمور کے سپاہی انہیں گھیرے میں لے چکے تھے۔ جب وہ لوگ مغلوں کی چھاؤنی میں داخل ہوئے تو انہیں یوں لگا جیسے بھیڑ بکریوں کے گلے میں گھس گئے ہوں کیونکہ وہ اس قدر بدحواس اور خوفزدہ تھے کہ اپنی تلواریں بھی برآمد نہ کر سکے۔ چھاؤنی کے صرف چند حصوں میں مزاحمت ہوئی جس سے تیمور کے چند سپاہی مارے گئے مگر باقی جگہوں پر تیمور کے سپاہیوں نے ایسا قتل عام کیا کہ آسمان کانپ اٹھا اور زمین لرز اٹھی۔ تیمور حیران تھا کہ خود کو چنگیز کی نسل قرار دینے والے مغل اس قدر کمزور اور ناتواں تھے کہ ان کے سامنے بچوں سے زیادہ اہمیت نہ رکھتے تھے۔

تیمور نے حکم دے رکھا تھا کہ بیل اور گن کو زندہ گرفتار کیا جائے، چونکہ مغل فوج ان کے گھیرے میں آ چکی تھی لہٰذا جلد بیل اور گن اور اس کے

سرداروں کو تیمور کے سامنے گرفتار حالت میں پیش کر دیا گیا۔

تیمور نے ترجمان کی مدد سے بیل اور گن سے پوچھا ''تجھے میرے ملک پر حملے کی جرأت کیسے ہوئی؟ کیا تجھے میری طاقت کا اندازہ نہ تھا؟''

وہ کہنے لگا ''مجھے ہرگز امید نہ تھی کہ تو اس قدر طاقتور اور چوکنا ہوگا۔''

تیمور نے اس سے کہا، ''میں چاہوں تو ابھی تیری اور تیرے سارے سپاہیوں کی گردنیں اُڑا دوں مگر مجھے تجھ جیسے کمزور انسان کو مارتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے۔ البتہ میں تجھے اور تیرے سرداروں کو قید میں ڈال دوں گا اور اس وقت تک آزاد نہیں کروں گا جب تک کہ تو فدیہ ادا نہ کرے گا۔''

بیل اور گن نے اپنی فوج کے آدھے گھوڑے دینے کی پیشکش کی مگر تیمور نے ڈپٹ کر کہا، ''ان گھوڑوں کی تو بات ہی نہ کر کیونکہ یہ مال غنیمت کے طور پر اب ہماری ملکیت ہیں، اپنی اور اپنے سرداروں کی جان بخشی کے لیے کوئی اور چیز فدیہ کر۔''

دو دن تک فدیہ کے بارے میں مذاکرات کے بعد طے پایا کہ بیل اور گن اپنی آزادی کے لیے ساٹھ ہزار گھوڑے اور اڑھائی لاکھ بھیڑیں ادا کرے جبکہ ہر افسر کو رہائی کے لیے ایک ہزار گھوڑے دینا ہوں گے۔ تیمور نے بیل اور گن اور اس کے سرداروں کو اس وقت تک رہا کرنے سے انکار کر دیا جب تک کہ مغلستان سے گھوڑے اور بھیڑیں نہ پہنچ جائیں۔ البتہ اس نے اجازت دے دی کہ مویشیوں کو چھوٹے چھوٹے گلوں کی صورت میں پہنچا دیا جائے حتیٰ کہ مطلوبہ تعداد پوری ہو جائے۔

تیمور نے وہ سال اپنے ملک کی ترقی اور فوج کے معاملات کو بہتر بنانے میں صرف کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے اپنے بیٹوں کی تربیت پر بھی توجہ دی۔

انہی دنوں تیمور نے خواب دیکھا کہ اس کے سامنے سات شیر خوار بچے بیٹھے ہیں، ان میں چار کے نام وہ جانتا تھا یعنی جہانگیر، شیخ عمر، میراں شاہ، اور شاہ رُخ، باقی تین بچوں کے ناموں سے وہ ناواقف تھا۔ ان میں سے شاہ رُخ کے سر پر پہاڑی گائے کی دُم لٹک رہی تھی۔

اگلے دن خواب کی تعبیر بیان کرنے والوں نے بتایا کہ تیمور سات بیٹوں کا باپ بنے گا، ان میں سے چار اس وقت دنیا میں آ چکے تھے جبکہ باقی تین آنے والے تھے۔ البتہ تعبیر بتانے والوں میں سے کسی نے (شاید جان بوجھ کر) شاہ رُخ کے سر پر لٹکتی گائے کی دُم کی تعبیر نہ بتائی۔ تیمور نے از خود اندازہ لگایا کہ شاید شاہ رُخ اس کی جگہ لینے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ شاہ رُخ اس وقت سب سے چھوٹا ہونے کے باعث تیمور کو بے حد عزیز تھا اور وہ اسے ایک نڈر، بے باک اور جنگجو انسان بنانا چاہتا تھا۔

تیمور کو اپنے بیٹے شیخ عمر کی جانب سے مسلسل پیغامات موصول ہو رہے تھے، اس نے بتایا تھا کہ اس کا اور توک تامیش کا دوبارہ آمنا سامنا ہو چکا ہے مگر کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔ کچھ عرصہ بعد شیخ عمر کی طرف سے پیغام موصول ہوا کہ اسے فوراً امداد کی ضرورت ہے۔ پیغام سے واضح ہوتا تھا کہ اگر اسے فوراً مدد نہ پہنچی تو اس کی فوج فنا ہو جائے گی۔ مگر تیمور ابھی اس کی مدد کو نہیں جا سکتا تھا۔ ایک تو اسے ابھی مغل فوج کے سردار بیل اور گن اور دیگر افسروں کا فیصلہ کرنا تھا۔ وعدہ کے برخلاف اب تک ان کی طرف سے کوئی مویشی موصول نہیں ہوئے تھے اور مقررہ وقت قریب پہنچ رہا تھا، دوسرا اسے

موسم بدلنے کا بھی انتظار کرتا تھا۔ جب مقررہ تاریخ تک بیل اور گن کے فدیہ کے لیے کوئی مویشی نہ پہنچے تو اس نے اپنے جلادوں کو حکم دیا کہ ان سب کی گردنیں اُڑا دی جائیں۔ بیل اور گن نے گڑگڑاتے ہوئے رحم کی اپیل کی، مگر تیمور نے کہا، "تو نہ صرف حربی کافر ہے بلکہ ایک دروغ گو انسان بھی ہے۔ تُو نے جھوٹ بول کر میرا بہت سا وقت بھی برباد کیا ہے۔ اب مقررہ مہلت ختم ہو چکی ہے اور مجھ پر لازم ہے کہ تم سب کو انجام سے دوچار کروں۔"

اگلے ہی لمحے بیل اور گن اور اس کے سرداروں کی گردنیں ہوا میں اُڑا دی گئیں۔ اس کے فوراً بعد تیمور ایک لاکھ سپاہیوں کے ساتھ مغرب کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس دوران تیمور نے کئی ہراول دستے آگے روانہ کیے جن کے ذمہ خوراک اور دیگر ضروری اشیاء فراہم کرنا تھا۔

ہراول دستوں نے دریائے آبسکون تک مطلوبہ اشیاء فراہم کر دیں تھیں، تیمور کو اب دریائے آبسکون کے شمال سے آگے بڑھنا تھا، اس کا بیٹا شیخ عمر بھی اسی راستے سے آگے گیا تھا مگر شیخ عمر بہار کے موسم میں یہاں سے گزرا تھا جبکہ تیمور کو سردیوں کے موسم میں وہاں سے گزرنا تھا۔ بہرحال تیمور نے ہراول دستے کو حکم دیا کہ اب وہ "دریائے طرخان" کے کنارے اشیاء خوردونوش کے بڑے بڑے ڈھیر لگا دیں اور ایندھن اور چارہ بھی فراہم کر دیں اور اس کے بعد قپچاق کی طرف روانہ ہو جائیں۔

تیمور جب اپنی فوج کے ساتھ دریائے آبسکون کے شمال کی طرف روانہ ہوا تو یکا یک سردی کی شدت میں زبردست اضافہ ہو گیا۔ شدید سردی میں تیمور خود اور اس کے سپاہی اذیت میں مبتلا تھے، ان کے گھوڑوں کی خوراک خشک چارہ تھی اور وہ چونکہ مسلسل بھاگ رہے تھے اس لیے انھیں ٹھنڈ کا زیادہ احساس نہ تھا مگر تیمور اور اس کے سپاہیوں کے لیے سفر جاری رکھنا بہت مشکل ہو رہا تھا۔ تیمور دریائے طرخان تک پہنچے بغیر قیام نہ کرنا چاہتا تھا اس لیے رُکنے کا حکم نہیں دے رہا تھا۔ آخر کار جب وہ دریائے طرخان کے کنارے پہنچ گئے تو تیمور نے فوراً پڑاؤ کا حکم دے دیا۔ وہاں انہوں نے پہلے سے موجود عارضی طویلوں میں گھوڑوں کو باندھا اور خود خیموں میں گھس گئے۔

تیمور نے اپنے سرداروں کو ہدایت کی کہ سپاہیوں کو خوب آرام کرنے دیں کیونکہ آگے سخت اور دشوار سفر درپیش تھا اور انہیں مسلسل سفر کرنا تھا۔ چار دن تک آرام کے بعد وہ پھر سفر پر روانہ ہو گئے مگر اس بار انہیں دریا کو عبور کرتے ہوئے زبردست مشکلات سے گزرنا پڑا۔ شدید سردی کے باعث دریا کا پانی بھی منجمد ہو چکا تھا۔ گھوڑوں کے پیر پھسل رہے تھے اور ان میں سے بعض کی ٹانگیں اور ہاتھ ٹوٹ گئے۔ دراصل تیمور اس علاقے کے تقاضوں سے ناواقف تھا۔ انہیں معلوم ہوا کہ مقامی لوگ اس طرح کے حالات میں گھوڑوں کے لیے مخصوص نعلیں تیار کرتے اور انہیں باندھتے ہیں جس سے وہ یخ بستہ زمین پر بآسانی چل سکتے ہیں۔ مگر تیمور اور اس کے سپاہیوں کو بہت کم مقدار میں مطلوبہ نعلیں دستیاب ہو سکیں۔ اور جو ہو سکیں وہ بھی ان کے لیے عذاب بن گئیں کیونکہ ان کے گھوڑے ان نعلوں کے عادی نہ تھے اور بالکل ناکارہ بن جاتے تھے، تیمور کے افسروں نے بھی اس بات کی شکایت کی کہ نعل کی تبدیلی سے ان کے گھوڑے ایسے ہو گئے ہیں جیسے کہ لنگڑے ہو چکے ہوں۔ چنانچہ انہوں نے دوبارہ پرانی نعلیں گھوڑوں کو باندھ دیں تاکہ وہ کم سے کم چل تو سکیں۔ تیمور کو احساس تھا کہ اگر وہ رُک گئے تو سب کے سب سردی کی شدت سے ہلاک ہو جائیں گے۔ تیمور کو اگرچہ ان منجمد سرزمینوں کے تقاضوں اور حالات کا کوئی علم نہ تھا۔ پھر بھی اس نے ہر ممکن حد تک نمدہ فراہم کرنے کی کوشش کی تاکہ سپاہیوں اور گھوڑوں کو سردی کی شدت سے بچایا جا سکے۔

کچھ دُور آگے جا کر انھیں ایسی برفانی ہواؤں کا سامنا کرنا پڑا کہ تیمور یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ اگر وہ یوں ہی آگے بڑھتے رہے تو سارے گھوڑے اور سپاہی ٹھٹھر کر مر جائیں گے، چنانچہ اس نے فوری طور پر ٹھہرنے کا حکم جاری کرتے ہوئے گھوڑوں کے لیے عارضی طویلے بنوائے۔ ان طویلوں میں ان کے گھوڑے تو نسبتاً محفوظ ہو گئے مگر وہ لوگ خود زبردست عذاب میں مبتلا تھے۔ برف باری مسلسل جاری تھی اور انھیں برف صاف کرنے کا کام بھی انجام دینا پڑ رہا تھا۔ ایسی سردی پڑ رہی تھی کہ انہوں نے اس کا تصور بھی نہیں کیا تھا۔ رگوں میں دوڑتا خون منجمد ہوتا محسوس ہوتا، سردی کے خوف سے بڑے بڑے سرداروں کو خیموں سے نکلنے کی جرأت نہ ہوتی۔ اگرچہ دن کے وقت سورج نکلتا مگر اس کی دھوپ میں ہرگز حرارت نہ تھی گویا اس علاقے میں سورج بھی اپنی حرارت کھو بیٹھا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس خوف ناک علاقے کی وحشت میں ہر وقت آتی جنگلی بھیڑیوں کی آوازیں مزید اضافہ کر رہی تھیں جو ان کے گھوڑوں اور خود ان کے لیے بھی بہت بڑا اور مستقل خطرہ تھے۔

پھر ایک رات انھیں ایک عجیب سی آواز سنائی دی جیسے کہیں دُور بجلی کڑک رہی ہو۔ اس آواز کے ساتھ ہی تیمور کے دل میں سب سے پہلا خیال یہ آیا کہ ضرور توک تامیش اس کی فوج پر شب خون مارنے آ رہا ہے حالانکہ اس شدید سردی اور برف باری میں اس بات کا امکان بہت کم تھا مگر پھر بھی تیمور خود کو غافل نہیں رکھنا چاہتا تھا، خصوصاً جب کہ وہ بیل اور گن کی غفلت کا انجام دیکھ چکا تھا۔ چنانچہ شدید سردی اور برف باری کے باوجود تیمور نے اپنے گرد نمدہ (کمبل نما گرم کپڑا) لپیٹا اور باہر نکل کر آواز کی طرف کان لگا دیے، اس نے دیکھا کہ اس کے افسر اور سپاہی بھی اس کی طرح آواز سے چوکنے ہو کر اندازہ لگانے کی کوشش کر رہے ہیں مگر وہ اس آواز کو چاہ کر بھی گھوڑوں کی ٹاپوں سے مشابہت نہ دے پا رہے تھے کیونکہ آواز بے حد عجیب تھی۔

اس آواز کے بارے میں کوئی فوری فیصلہ ضروری تھا لہٰذا تیمور نے مجبوراً کچھ ٹولیاں آواز کے تعاقب میں دوڑائیں، حتیٰ کہ اس نے اس راستے کی طرف بھی کچھ سپاہیوں کو تفتیش کرنے بھیج دیا جس طرف سے وہ لوگ آ رہے تھے، کیونکہ تیمور نہیں چاہتا تھا کہ دشمن کے علاقے میں غافل گیر ہو کر دشمن کے نرغے میں آ جائے اور اپنی ساری فوج تلف کروا بیٹھے۔ اُسے اس بات کا بھی شدید احساس تھا کہ اسے اس موسم میں ایسے برفانی علاقے میں اتنی بڑی فوج کے ساتھ نہیں آنا چاہیے تھا، اگرچہ وہ اپنے بیٹے کی وجہ سے مجبور تھا مگر پھر بھی پوری فوج کو اس ہلاکت خیز موسم کے رحم و کرم پر ڈال کر وہ خود کو کوس رہا تھا اور ملامت کر رہا تھا کہ ابھی اسے سپہ سالاری کے حوالے سے بہت کچھ سیکھنے کی ضرورت ہے۔

اس دوران سپاہیوں کی ایک ٹولی خبر لائی کہ وہ آواز نہ تو گھوڑوں کی ٹاپوں کی ہے اور نہ ہی آسمانی بجلی کے کڑکنے کی بلکہ بے شمار لمبے سینگوں والے جانور منہ اٹھائے دوڑے چلے جا رہے ہیں جن کے دوڑنے سے یہ آواز پیدا ہو رہی ہے۔ یہ بات سُن کر تیمور اور اس کے افسروں کو بے حد حیرت ہوئی اور جب سورج ذرا بلند ہوا تو وہ سب جانوروں کے اس سمندر کو دیکھنے جا پہنچے۔ ان جانوروں کو دیکھتے ہی تیمور سمجھ گیا کہ وہ بڑے سینگوں والے ہرن تھے، اس کے سپاہیوں نے اس سے قبل ہرن نہ دیکھے تھے مگر وہ ہرنوں سے بخوبی واقف تھا۔ یکایک اس کے دماغ میں ایک خیال بجلی کی طرح کوندا، ہرنوں کا وہ گلہ اس قدر طویل تھا کہ دونوں جانب سے ان کا سرا دکھائی نہ دیتا تھا اور یوں لگتا تھا کہ ان کا یہ سفر کبھی ختم نہ ہوگا، اسی وجہ سے اچانک تیمور کو یہ خیال آیا کہ یہ ہرن دراصل ان کے لیے عطیۂ خداوندی ہیں اور اس اجاڑ بیابان میں جہاں برف کے سوا کچھ نہیں ملتا تو یہ ہرن ان کے

لیے ایک خاص نعمت ثابت ہو سکتے تھے، چنانچہ تیمور نے فوراً ان ہرنوں کے شکار کا حکم دے دیا۔ اس کے سپاہی فوراً شکار میں لگ گئے اور سورج ڈوبنے تک انہوں نے اس قدر ہرن شکار کر لیے کہ انہیں سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ تاہم حیرت انگیز بات یہ تھی کہ ہرنوں کا گلہ اب بھی وہاں سے اسی طرح گزر رہا تھا اور ابھی بھی ان کا سفر ختم ہونے کے کوئی آثار نہ تھے۔

اس رات وہ ان ہرنوں کو اپنے خیموں میں لانے کا کام انجام دیتے رہے، اگرچہ انہوں نے بھوکے بھیڑیوں کا حصہ وہیں چھوڑ دیا مگر پھر بھی بھیڑیئے ان ہرنوں کی لاشوں پر بُری طرح ٹوٹ رہے تھے اور انہیں باقاعدہ مقابلہ کر کے بھیڑیوں کو پیچھے ہٹانا پڑ رہا تھا۔ بہر حال انہوں نے اس قدر زیادہ ہرن حاصل کر لیے تھے کہ وہ کافی عرصے کے لیے ان کی ضرورت پوری کر سکتے تھے۔ ان ہرنوں میں سے جوان ہرنوں کا گوشت تو آسانی سے گل جاتا تھا مگر بوڑھے ہرنوں کا گوشت آسانی سے نہ گلتا اور اسے چبانے میں کافی دقت پیش آتی۔ اس کا حل انہوں نے یہ نکالا کہ ان ہرنوں کو برف میں دبا دیتے تو ان کا گوشت بھی نرم اور با آسانی گلنے والا ہو جاتا تھا۔

یخ بستہ ہواؤں نے انہیں اس قدر شدت سے گھیر لیا تھا کہ وہ آگے بڑھنے سے معذور تھے۔ تیمور کو اپنے بیٹے کے بارے میں عجیب خیالات گھیرے رہتے کیونکہ اس کے بارے میں کوئی اطلاع موصول نہیں ہو رہی تھی۔ اگرچہ وہ ذہنی طور پر اپنے بیٹے کی موت کی اطلاع کے لیے تیار تھا مگر اس حوالے سے فکر مند بھی تھا۔ اسے یہ فکر بھی لاحق تھی کہ اگر توک تامیش نے اس کے بیٹے کو زندہ گرفتار کر لیا تو وہ اسے بھی مشکل میں ڈال سکتا تھا۔ چنانچہ یہ عجیب بے قراری اس پر طاری تھی اور اسی سبب اس نے فوج کو چلنے کا حکم دے دیا۔

کچھ دن مزید یوں ہی گزر گئے، تیمور کا خیال تھا کہ موسم میں اعتدال آ جائے گا مگر موسم کی شدت میں مزید اضافہ ہو گیا، اس قدر یخ بستہ برفانی ہوائیں چلیں کہ انہیں خود کو ٹھنڈ سے بچانا مشکل لگنے لگا، جیسے ہی ٹھنڈی برفانی ہوا ان کے چہروں سے ٹکراتی تو یوں محسوس ہوتا کہ جیسے چھریاں چل رہی ہوں۔ اگر کسی کے جسم کا کوئی حصہ ننگا رہ جاتا تو سردی کی شدت سے فوراً سیاہ پڑ جاتا۔ ان کے گھوڑوں کا بھی بُرا حال تھا۔ ان کے راستے کی برف بھی ٹھوس شکل اختیار کر چکی تھی اور انہیں یوں محسوس ہوتا جیسے وہ شیشے پر چل رہے ہوں۔ ان کے متعدد گھوڑے پھسلنے سے ہلاک یا شدید زخمی ہو کر بے کار ہو گئے تھے۔ تیمور خود بھی شدید سردی محسوس کر رہا تھا مگر جلد سے جلد شیخ عمر تک پہنچنے کے لیے وہ فوج کو رُکنے کے لیے نہ کہہ رہا تھا۔

تیمور کے سرداروں میں عبداللہ نامی ایک شخص بھی تھا اور اپنی قابلیت خصوصاً عربی سے واقفیت اور پڑھا لکھا ہونے کی وجہ سے اس کے پسندیدہ ترین سرداروں میں شامل تھا۔ عبداللہ تیمور کے سامنے ایسی باتیں بھی کہہ جاتا جو دوسرے افسر کرنے سے گھبراتے تھے۔ ایک روز عبداللہ تیمور کے پاس پہنچا اور کہنے لگا، ''اے امیر، کیا کر رہے ہو! اس خوفناک سردی میں کیوں چلتے رہنے پر اصرار کر رہے ہو؟ اگر ہم یونہی چلتے رہے تو یقین جانو شام ہوتے ہوتے پوری فوج فنا ہو جائے گی۔

جب عبداللہ یہ باتیں کر رہا تھا تو تیمور کو سامنے دُور اُفق پر ایک سیاہ دھبہ دکھائی دیا۔ اسے گمان گزرا کہ شاید وہاں درختوں کا جھنڈ ہے، اگرچہ اس برفانی موسم میں درختوں کے جھنڈ کی کوئی اُمید نہ تھی پھر بھی اس نے سیاہ دھبے کی طرف اشارہ کر کے عبداللہ سے کہا، ''جب ہم اس مقام پر پہنچ جائیں گے تو میں پڑاؤ کا حکم دے دوں گا۔''

جب دن کا کچھ اور حصہ گزر گیا تو اچانک آسمان پر سیاہ بادل چھا گئے، مگر ان کا فائدہ یہ ہوا کہ جسموں کو منجمد کر دینے والی برفانی ہوائیں کچھ دیر کے لیے رُک گئیں، تاہم سیاہ بادلوں کی وجہ سے سفید پوش زمین بھی کالی نظر آ رہی تھی۔ پھر بھی تیمور اور اس کے سپاہی اس سیاہی کو برفانی ہواؤں سے بہتر خیال کر رہے تھے۔

جب وہ اس سیاہ دھبے کے نزدیک پہنچے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ واقعی وہاں درختوں کا جھنڈ تھا۔ تاہم تاریکی اس قدر پھیل چکی تھی کہ انھیں درخت بھی کالے نظر آ رہے تھے۔ چونکہ ہوا اب آندھی کی صورت نہ چل رہی تھی لہٰذا انھوں نے درختوں کے ساتھ خیمے کھڑے کرنے کے علاوہ گھوڑوں کے طویلے بھی بنا لیے، پھر کچھ درخت گرا کر ان کی لکڑی کو آگ دکھائی، حیرت انگیز طور پر ان کی لکڑی نے فوراً آگ پکڑ لی اور جب دھواں بیٹھ گیا تو انہوں نے جلتی ہوئی لکڑیاں طویلوں کے اندر رکھ لیں تا کہ گھوڑے کچھ حرارت محسوس کر سکیں۔

وہ دن ایسا سیاہ اور بھیانک تھا کہ تیمور نے اس وقت تک اتنا تاریک دن نہ دیکھا تھا۔ ایسی حالت میں اس پر عجیب کیفیت طاری ہو رہی تھی چنانچہ اس نے اپنے افسروں کو مشورے کے لیے طلب کر لیا اور ان کے سامنے سارے حالات رکھتے ہوئے کہنے لگا، ''ہمارے پاس گھوڑوں کے لیے چارہ بالکل نہیں، اب ہمیں انہیں خشک چارے کے نوالے دینے ہوں گے وہ بھی محدود مقدار میں۔ خود ہمارے لیے اشیائے خوردنی کی کمی ہے۔ صاف پانی کی دستیابی بھی بڑا مسئلہ ہے، اگرچہ میں نے برف کو پگھلا کر پانی حاصل کرنے کی ہدایت کی ہے مگر ہمارے پاس بڑے برتن بھی محدود ہیں۔ میں یہ باتیں اس لیے بتا رہا ہوں کہ ہمیں اب ہر حال میں کوچ کرنا ہو گا ورنہ ہم ٹھٹھر کر مر جائیں گے۔ اور اب میں تم لوگوں سے پوچھنا چاہوں گا کہ کیا تم میں سے کسی کو اندازہ ہے کہ میرا بیٹا شیخ عمر اور اس کی فوج اس وقت کہاں ہو گی؟''

ایک افسر کہنے لگا، ''اے امیر، میرا خیال ہے تمہارا بیٹا باب الابواب (فی زمانہ ''دربند'') میں ہے۔''

تاہم عبداللہ نے اس کی تردید کرتے ہوئے کہا، ''شیخ عمر باب الابواب کیسے پہنچ سکتا ہے، اس نے پانی کا راستہ اختیار نہیں کیا کہ ہم کہہ سکیں وہ کشتیوں کے ذریعے وہاں پہنچا ہو گا۔ میرے خیال سے تو وہ خشکی کے راستے بھی وہاں نہیں پہنچ سکتا کیونکہ انوشیروان کا بند شمال کے راستے وہاں پہنچنے میں بڑی رکاوٹ ہے۔ مزید یہ کہ اگر فرض کر لیا جائے کہ وہ جنوب کی طرف سے چکر کاٹتا ہوا باب الابواب پہنچا ہو گا تو اس صورت میں اسے آگ کی سرزمین سے گزرنا پڑا ہو گا۔''

ایک افسر نے آگ کی سرزمین کے بارے میں حیرت سے دریافت کیا تو تیمور نے اسے بتایا، ''آگ کی سرزمین باب الابواب کے جنوب میں دریائے آبسگون کے کنارے ہے اور اسے اس لیے آگ کی سرزمین کہتے ہیں کہ وہاں تیل کے چشمے پھوٹتے ہیں اور ان میں سے کچھ تو اس قدر بلند ہوتے ہیں کہ ان کے شعلے آسمان سے باتیں کرتے ہیں۔''

وہ افسر حسرت سے کہنے لگا، ''کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ کہ آگ ہمیشہ ان کے پاس رہتی ہے اور ایک ہم ہیں کہ یہاں سردی سے ٹھٹھر رہے ہیں۔''

اس پر تیمور نے اسے بتایا، ''آگ کی سرزمین کے وہ چشمے اس قدر ہیبت ناک ہیں کہ کئی سو ذراع کے فاصلے سے بھی ان کی حرارت ناقابل

برداشت ہوتی ہے اوران کے قریب جانے کی کوشش کرنے والا انسان فوراً جل کر بھسم ہو جاتا ہے۔''

اس پر اس افسر نے حیرت سے پوچھا،''اے امیر کیا ہم آگ کی سرزمین دیکھ سکیں گے؟''

تیمور نے اسے کہا،''ہم پہلے لشکر کشی کے تقاضوں کے پابند ہیں، اگر موقع ملا تو آگ کی سرزمین بھی دیکھ لیں گے۔''

ایک افسر نے بات کا رُخ بدلتے ہوئے کہا،''اے امیر، میرے خیال سے تیرا بیٹا باب الابواب میں ہے اور نہ آگ کی سرزمین میں، کیونکہ یہ دونوں علاقے دریائے آبسگون کے کنارے واقع ہیں۔ اگر شیخ عمر وہاں موجود ہوتا تو اس کا قاصد خشکی کے راستے ہم تک نہ پہنچتا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ شیخ عمر پانی کے راستے سے بہت دُور ہے۔''

تیمور کو اس افسر کی بات سُن کر بہت خوشی ہوئی کیونکہ اس نے بالکل منطقی بات کی تھی اور اس کا خیال اب تک تیمور کو بھی نہیں آیا تھا۔

بہرحال انہوں نے مشاورت سے طے کیا کہ اگلی صبح کوچ کیا جائے اور قپچاق کی سرزمین میں آبادی تلاش کرنے کی کوشش کی جائے۔

اس رات دوبارہ برف باری شروع ہوگئی اور برفانی ہواؤں کی شدت میں کمی واقع ہوگئی۔ تیمور کو علم تھا کہ برف باری سے راستے نرم برف سے ڈھک جائیں گے اور وہ پھسلنے سے بچے رہیں گے۔ چنانچہ صبح اُٹھتے ہی اس نے کوچ کا حکم دے دیا۔ موسم یخ بستہ نہ تھا اور گھوڑے بھی پھسلے بغیر قدم اٹھا رہے تھے لہٰذا وہ تیزی سے آگے بڑھنے لگے۔

اسی دوران آسمان پر چھائے بادلوں کی اوٹ سے اچانک سورج نمودار ہوا تو ایسی روشنی برآمد ہوئی جو اُن کی آنکھوں کو اندھا کیے دیتی تھی۔ دوبارہ جب بادل چھا گئے تو انہوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ تاہم جیسے ہی سورج برآمد ہوتا تو اس کی روشنی انہیں اندھا کر دیتی اور وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھے کہ آخر سورج کو کیا ہو گیا ہے اور وہ اس کا کیا علاج کریں۔ صرف یہ دعا ہی کرتے آگے بڑھتے رہے کہ سورج چھپا رہے اور بادل چھائے رہیں۔ اس دوران انھیں کچھ مقامی لوگ دکھائی دیے جو بغیر پہیوں کی گاڑی میں بیٹھے پھسلتے ہوئے کہیں جا رہے تھے۔ ان سب نے اپنے چہروں کو سیاہ نقاب سے چھپا رکھا تھا اور اسی کی اوٹ سے دیکھ رہے تھے۔ تیمور اور اس کے سپاہیوں نے بھی یہی طریقہ استعمال کر کے دیکھا تو پتا چلا کہ وہ اس تیز روشنی سے محفوظ ہو گئے ہیں جو انہیں اندھا کر رہی تھی۔ اب جس کے پاس سیاہ کپڑا تھا اس نے وہ نقاب کی طرح اوڑھ لیا اور جس کے پاس نہ تھا اس نے گہرے رنگ کے کپڑے کا نقاب بنا لیا۔

وہ سارا دن سفر کرتے رہے، جب رات پھیلنے لگی تو اس وقت بھی برف باری ہو رہی تھی، تیمور نے سوچ رکھا تھا کہ جب تک یخ بستہ ہواؤں سے بچاؤ ممکن ہوا تیزی سے سفر جاری رکھے گا مگر ہراول دستے کی جانب سے اطلاع موصول ہوئی کہ ان کے گھوڑے آگے راستہ نہیں دیکھ رہے اور وہ سفر جاری رکھنے سے معذور ہیں۔ یہ عجیب صورت حال تھی۔ تیمور پہلے ہی ایک ہراول دستے کی گمشدگی کی وجہ سے پریشان تھا جو ان کے لیے اشیائے خورد و نوش اور دیگر زادِ راہ فراہم کرنے کا ذمہ دار تھا مگر کافی عرصے سے اس کی کوئی اطلاع نہ تھی۔ اب اگر وہ رُکنے پر مجبور ہو جاتے تو انھیں اشیائے خورد و نوش کی قلت کے باعث زبردست پریشانی کا سامنا کرنا پڑ سکتا تھا۔ برف پوش صحرا میں راستہ بھٹک جانے کا بھی اندیشہ تھا۔ دوسری طرف یہ خوف بھی مسلط تھا کہ اگر ٹھہرنے کا حکم دیا جائے تو سب کے سب ٹھٹھر کر ہلاک نہ ہو جائیں۔ لیکن ناچار انہیں پڑاؤ ڈالنے پر مجبور ہونا پڑا۔

سب سے پہلے انہوں نے عارضی طویلے بنائے اور پھر خیمے کھڑے کیے۔ ان کے پاس ایندھن سرے سے تھا ہی نہیں اور اب وہ خود کو گرم رکھنے کا بھی خاطر خواہ انتظام نہ کر سکتے تھے۔

وہ رات تیمور کی زندگی کی بھیانک ترین رات تھی۔ اوائل شب میں کچھ دیر کے لیے اس کی آنکھ لگی مگر ایسی ہلاکت خیز سردی پڑی کہ سردی کی شدت سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ اور وہ صبح تک اپنے خیمے میں چین سے لیٹ نہ سکا۔ اس نے کچھ سپاہیوں کو پہرے پر بھی بٹھا رکھا تھا تاکہ بے خبری میں دشمن کے حملے کا شکار نہ ہو جائے مگر پہرے داروں کی حالت خراب تھی، جب بھی سپاہی پہرہ دے کر لوٹتے تو سیدھے طویلے میں ہی گھس جاتے کیونکہ صرف وہی ایسی جگہ تھی جہاں نسبتاً کم سردی ہوتی تھی۔

ساری رات تیمور وقفوں وقفوں سے پہرے داروں کو بدلتا رہا تاکہ وہ سردی کی شدت سے ہلاک نہ ہو جائیں ان کے گھوڑے بھی سخت اذیت میں مبتلا تھے، ان کے لیے محفوظ خوراک بھی ختم ہو رہی تھی۔

صبح ہوتے ہی تیمور نے کہا کہ گھوڑوں کو چارے کے آخری نوالے کھلا دیئے جائیں تاکہ وہ چلنے کے قابل ہو جائیں۔ تیمور اور اس کے سپاہی ساری رات سردی میں ٹھٹھرتے رہے تھے اور صبح سب ہی بے حال تھے مگر تیمور کو یہ فکر لاحق تھی کہ اگر ایک اور دن ان پر ایسی سردی کا گزرا تو وہ سب برف تلے دب کر صفحۂ ہستی سے ہمیشہ کے لیے مٹ جائیں گے۔ اسے اپنی نااہلی کا بھی شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ بغیر تجربے کے اتنی بڑی فوج کو اس برفانی علاقے میں ہلاکت میں ڈال دیا تھا۔ اس وقت اس قدر شدید سردی پڑ رہی تھی کہ وہ غلطی سے کسی لوہے کی شے کو ہاتھ لگاتے تو ان کا ہاتھ چپک کر رہ جاتا۔

صبح ایک حیرت انگیز شے نے تیمور کو اپنے حصار میں لے لیا تھا۔ اس کے کچھ افسر اس کے پاس آئے اور دریافت کیا، ''اے امیر، روشنی پھیل رہی ہے اور صبح کا آغاز ہو رہا ہے کیا کوچ کرنے کا حکم نہ دو گے؟'' تیمور نے ان سب کی توجہ اس حیرت انگیز شے کی طرف مبذول کرواتے ہوئے کہا، ''اس سرزمین پر صبح کی روشنی مشرق کے بجائے شمال سے پھوٹ رہی ہے'' پھر اس نے ستارہ جدی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، ''اس ستارے کو دیکھو اور پھر مشرق کی طرف نظر ڈالو۔''

جب تیمور کے سرداروں نے مشرق کی طرف نظر دوڑائی تو انہیں بھی تیمور کی طرح وہاں تاریکی کے سوا کچھ نظر نہ آیا جبکہ شمالی افق روشن ہوتا جا رہا تھا۔ تیمور کے افسر کہنے لگے کہ شاید ہم غلطی پر ہیں اور نظر آنے والا ستارہ جدی نہیں ہے۔ تیمور نے فلکیاتی نقشہ ان کے سامنے پھیلا دیا اور ستارہ جدی کی نشاندہی کرتے ہوئے کہا، ''غلطی پر ہم نہیں بلکہ اس سرزمین کی صبح غلطی پر ہے اور یہاں سورج مشرق کے بجائے شمال سے طلوع ہو رہا ہے۔

تیمور اور اس کے سردار حیرت سے شمال کی طرف دیکھنے لگے، وہ اس بات کے منتظر تھے کہ شفق کی روشنی پوری طرح پھیلنے کے بعد سورج کو طلوع ہوتا ہوا دیکھ سکیں۔ یکا یک ان کے دلوں کی دھڑکنیں بے حد تیز ہو گئیں اور ایک زبردست خوف نے ان سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ تیمور جیسا انسان بھی جو خود کو بے حد نڈر اور دلیر سمجھتا تھا ایسے خوف کا شکار ہوا کہ اس پر لرزہ طاری ہو گیا اور وہ اپنے خوف کا اظہار کیے بغیر نہ رہ سکا۔

تیمور کے افسر بھی بے حد خوفزدہ تھے اور اس سے پوچھنے لگے، ''اے امیر، اب کیا ہوگا؟''

تیمور نے کہا، ''اب کچھ نہیں ہو سکتا، اب تو وہی ہوگا جو مالک تقدیر نے ہماری قسمت میں لکھ رکھا ہے اور ہم سب کو معلوم ہے کہ جس دن سورج مشرق کی بجائے کسی اور مقام سے طلوع ہوا تو وہی قیامت کا دن ہوگا۔ اب ہم سب صرف یہی کر سکتے ہیں کہ خود کو خدا کے حضور پیش کرنے کے لیے تیار کرلیں۔''

تاہم ان کی توقع کے برعکس نہ سورج طلوع ہوا اور نہ ہی قیامت کے آثار نمایاں ہوئے، بلکہ شمال کی جانب سے پھوٹنے والی روشنی رفتہ رفتہ مدھم پڑ کر نظروں سے اوجھل ہوگئی اور دوبارہ تاریکی پھیل گئی۔ اس پر ان سب نے اطمینان کا سانس لیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس سرزمین پر صبح کا ذب شمال کی جانب سے طلوع ہوتی ہے۔

تیمور واپس اپنے خیمے میں چلا آیا تاہم بے پناہ ٹھنڈ اور اضطراب کے باعث سو نہ سکا۔ جب صبح صادق طلوع ہوئی اور سورج کی کرنیں چار سُو پھیل گئیں تو تیمور نے مغرب کی سمت نظریں دوڑائیں، اسے وہاں دُور پار ایک جھنڈ کے آثار دکھائی دیئے۔ اس نے کچھ افسروں کو طلب کیا اور پوچھا کہ کیا وہ بھی پیڑوں کے جھنڈ کو دیکھ سکتے ہیں یا نہیں؟ انہوں نے تصدیق میں سر ہلاتے ہوئے کہا کہ ہاں وہ جھنڈ سراب نہیں بلکہ حقیقت ہیں۔ چنانچہ تیمور نے فوراً روانگی کا حکم دے دیا اور کہا کہ گھوڑوں کو آخری نوالے کھلا کر کچھ دیر کے لیے کھلا چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ اپنی ٹھنڈی برف پر مل کر کچھ پیاس بجھا سکیں۔ پھر اس نے حسب معمول ہراول دستے بھی آگے روانہ کر دیئے اور سپاہیوں کو فوراً چلنے کے لیے تیار ہونے کی ہدایت کی۔ اگرچہ اس کے سپاہی رات بھر سردی سے ٹھٹھرتے رہے تھے اور انتہائی بے حال تھے تاہم جب انہیں پتا چلا کہ قریب ہی جنگل ہے تو ان کی ڈھارس بندھی اور وہ چلنے کے لیے تیار ہوگئے۔ تیمور جانتا تھا کہ درختوں کا جھنڈ اتنا قریب نہیں جتنا لگ رہا ہے بلکہ چار یا پانچ فرسنگ کے فاصلے پر ہے۔

کچھ دیر بعد ہراول دستے کی طرف سے اطلاع موصول ہوئی کہ وہ جھنڈ دراصل ایک گنجان آباد جنگل ہے اور اس کے کنارے آبادی بھی نظر آ رہی ہے۔ یہ خوش خبری سن کر وہ لوگ تیزی سے آگے بڑھنے لگے، اس کے تھوڑی دیر بعد یہ خوش خبری بھی ملی کہ پہلے سے گم شدہ ہراول دستے کو بھی تلاش کر لیا گیا ہے اور وہ جنگل کے کنارے اسی آبادی میں ٹھہرا ہوا تھا۔ تیمور کو یہ احساس ہوا کہ اس کی فوج شاید اب فنا ہونے سے بچ جائے کیونکہ آبادی کا مطلب تھا کہ انہیں وافر اشیاء خورد و نوش حاصل ہو سکیں گی۔ جیسے ہی وہ آبادی تک پہنچے تو انہوں نے فوراً گھوڑوں کو طویلوں میں پناہ دے دی، پھر آگ جلائی اور دھواں بیٹھ جانے کے بعد دہکتی ہوئی لکڑیاں طویلوں میں منتقل کر دیں۔

گم شدہ ہراول دستے کے کمانڈر نے بتایا کہ شدید برف باری نے اسے ''کلنا'' نامی اس آبادی میں رکے رہنے پر مجبور کر دیا تھا اور وہ تیمور سے رابطہ کرنے سے قاصر تھا۔ اس نے بتایا کہ شدید برف باری کی وجہ سے راستے بند ہونے سے پہلے شیخ عمر کے بارے میں اسے یہ اطلاع ملی تھی کہ وہ باب الابواب میں ہے، لیکن اب وہ کہاں ہے اس بات کا اسے کوئی پتہ نہیں۔

تیمور نے مقامی لوگوں کو اکٹھا کر کے دریافت کیا کہ ''یہاں سے باب الابواب کتنے دنوں میں پہنچا جا سکتا ہے'' آبادی کا سردار کہنے لگا، ''اے امیر، باب الابواب تک پندرہ دن کا راستہ ہے اگر تیزی سے سفر کرو تو بارہ دن میں پہنچ سکتے ہو۔'' تیمور نے کہا، ''یعنی دن رات سفر کیا جائے تو چھ دن میں پہنچا جا سکتا ہے۔'' بوڑھا کہنے لگا، ''ہاں، مگر اس قدر شدید برف باری کے موسم میں سیمرغ بھی کوہ قاف سے نہیں گزر سکتا، انسان کی تو بات ہی الگ ہے۔''

تیمور کو خوشی ہوئی کہ وہ شخص اتنے دُور افتادہ علاقے میں رہنے کے باوجود سیمرغ کے نام سے واقف تھا۔ بہرحال اس نے باب الابواب تک جانے والے راستوں کے بارے میں دریافت کیا تو بوڑھا کہنے لگا کہ ''اے امیر، اس طرف جانے والا پہاڑی راستہ اس قدر دشوار ہے کہ بعض جگہ اس کی چوڑائی ایک ذراع سے کم ہے۔ سردیوں میں وہاں سے گزرنے کی بات بھی نہیں کی جا سکتی جبکہ گرمیوں میں بھی وہاں سے گزرنا اس قدر مشکل ہے کہ ذرا سی غفلت گھڑ سوار کو گہری کھائیوں میں پہنچا دیتی ہے۔ ان کھائیوں کی گہرائی بھی اتنی زیادہ ہے کہ اگر کوئی مسافر پگڈنڈی پر کھڑا ہو کر نیچے کھائی میں جھانکے تو اس کا سر چکرا جائے۔'' بوڑھے نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا، ''ایک اور راستہ بھی باب الابواب کی طرف جاتا ہے مگر وہاں گھڑ سوار نہیں جا سکتے بلکہ صرف پیدل سفر کیا جا سکتا ہے، البتہ اس موسم میں وہاں سے پیدل بھی نہیں گزرا جا سکتا۔''

تیمور نے پوچھا ''یہ سب تو تُو نے ناممکن باتیں بتائی ہیں۔ اب کوئی ایسا راستہ بھی بتا جس سے وہاں تک پہنچنا ممکن ہو سکے۔''

بوڑھا کہنے لگا، ''اے امیر، اس موسم میں سوائے سمندر کے کوئی ایسا راستہ نہیں جس کے ذریعے باب الابواب تک پہنچا جا سکے۔ لیکن سمندر تک پہنچنا بھی ایک بہت بڑی مصیبت ہے کیونکہ یہاں سے سمندر تک آبادی کا نام و نشان نہیں اور راستے میں کھانے پینے کی اشیاء ملنا بھی ناممکن ہے۔ لیکن اے امیر، اگر کوئی ماہر گھڑ سوار یا نڈر پیدل مسافر کافی خوراک ساتھ لے کر چلے تو سمندر تک پہنچ سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ بھوکے بھیڑیوں سے بچا رہے۔''

یہ باتیں سُن کر تیمور کو اندازہ ہوا کہ اس کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ سمندر کے راستے ایک قاصد بھیج کر اپنے بیٹے سے رابطہ کرے اور خود موسم تبدیل ہونے تک وہیں رُکا رہے۔ کیونکہ خشکی کے راستے اس کی فوج کا اس موسم میں وہاں تک پہنچنا ناممکن تھا اور سمندر تک پہنچنے کا خطرہ مول لینا خود موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ راستے میں خوراک اور آبادی کے ملنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ پھر اتنی بڑی فوج کو یخ بستہ سمندر کے راستے دوسری طرف پہنچانا بھی ممکن نہ تھا۔

اگرچہ تیمور کے سپاہیوں میں بہت سے تجربہ کار اور سخت جان قاصد موجود تھے مگر ان سب میں ایک نام منفرد اور سب سے الگ تھا، یہ سرزمین غور کے رہنے والے قاصد ختین غور کا نام تھا۔ اس شخص کو اللہ تعالیٰ نے حیرت انگیز صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ وہ بغیر رُکے کئی دن تک مسلسل چل سکتا تھا۔ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ ختین غور ہموار زمینوں اور راستوں پر چلتے چلتے سو جاتا اور اسی حالت میں چلتا رہتا، البتہ غیر ہموار راستوں پر اُس کی آنکھ نہ لگتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ دیگر قاصدوں کی نسبت زیادہ تیزی سے منزل مقصود تک پہنچ جاتا۔ چنانچہ تیمور نے ختین غور کو دو ساتھیوں کے ساتھ سمندر کے راستے باب الابواب کی طرف روانہ کیا اور اسے ہدایت کی کہ جلد از جلد اس کے بیٹے شیخ عمر تک پہنچ کر اسے تیمور کا خط دے اور اس کا جواب لے کر آئے۔ تیمور نے ان لوگوں کو ہدایت کی کہ جب تک راستہ ساتھ دے تو گھوڑوں پر سفر کریں اور جب ایسا ممکن نہ رہے تو بے شک گھوڑے چھوڑ کر پیدل سفر کریں۔ چونکہ ختین غور پر بھوکے بھیڑیوں کے حملے کا خطرہ تھا، اس لیے تیمور نے اس کے ساتھ دو ساتھی بھی بھیجے تھے تاکہ وہ بلا خوف و خطر سفر جاری رکھ سکیں۔

تیمور نے اپنے بیٹے کو خط میں لکھا تھا کہ وہ توک تامیش کے بارے میں صحیح صورت حال سے آگاہ کرے اور یہ بھی بتائے کہ وہ اس سے کب اور کیسے مل سکتا ہے۔ تیمور نے اپنے بیٹے کو لکھا تھا کہ وہ شدید برفباری اور ٹھنڈ کے باعث سفر جاری رکھنے سے قاصر ہے تاہم جیسے ہی گائے

نے سانس لی (یعنی موسم تبدیل ہوا۔ دراصل قدیم مشرقی لوگوں کا خیال تھا کہ زمین گائے کے سینگوں پر کھڑی ہے جب گائے سینگ ہلائے تو زلزلہ آتا اور گہرا سانس لے تو موسم بدل جاتا ہے۔ وغیرہ) تو وہ چل پڑے گا۔ تاہم یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ دونوں کس مقام پر مل سکتے ہیں۔

قاصدوں کے چلے جانے کے بعد تیمور نے اردگرد کے علاقوں میں سخت پہرا بٹھا دیا اور سپاہیوں کو چوکنا رہنے کی ہدایت کی، وہ جانتا تھا کہ وہ اور اس کی فوج دشمن کی سرزمین میں ہیں اور یہ ناممکن تھا کہ توک تامیش اپنے ملک میں اتنی بڑی فوج کی موجودگی سے لاعلم رہے۔ اس لیے تیمور کو یہ فکر تھی کہ کہیں توک تامیش بے خبری میں اُس پر حملہ آور نہ ہو جائے، لہٰذا اُس نے اپنے سپاہیوں کو راستوں کی کڑی نگرانی کرنے اور ہوشیار رہنے کی تاکید کر رکھی تھی۔

تیمور چونکہ فارغ بیٹھنا پسند نہیں کرتا تھا اس لیے اس نے سوچا کہ کیوں نہ قریبی جنگل میں شکار پر نکلا جائے۔ مقامی لوگوں نے تجویز پیش کی کہ ریچھ کا شکار کیا جائے کیونکہ یہ بے حد دلچسپ ہے۔ تیمور کو مقامی لوگوں سے ریچھ کے بارے میں بہت سی نئی باتیں بھی معلوم ہوئیں۔ جیسے یہ کہ ریچھ برف باری کے موسم میں اپنے بھٹ سے باہر نہیں نکلتا اور یہ موسم سو کر گزارتا ہے۔ اس موسم کے آنے سے پہلے وہ اپنے بھٹ میں کھانے پینے کی بے شمار چیزوں کا ذخیرہ کر لیتا ہے اور پھر سردیوں کے موسم میں اس کا بھٹ ہی اس کا مستقل مسکن ہوتا ہے۔ مقامی لوگوں نے بتایا کہ اس موسم میں ریچھ کا بھٹ تلاش کرنا کسی کے بس کی بات نہیں ہوتی، حالانکہ شکاری کتے بھی اس کی بُو کا پتہ نہیں لگا پاتے، البتہ ایک جانور ایسا ہے جو اس موسم میں بھی ریچھ کے رہنے کی جگہ کا پتا لگا لیتا ہے اور وہ ہے لومڑی!

تیمور نے حیرت سے دریافت کیا، ''کیا اس موسم میں بھی لومڑی اپنے بل سے باہر نکلتی ہے؟''

مقامی لوگوں نے جواب دیتے ہوئے بتایا، ''ہاں اے امیر! لومڑی کی کھال بہت موٹی ہوتی ہے جو اسے اس برفانی سردی سے بچائے رکھتی ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ بھوک کی وجہ سے اپنے بل سے نکلنے پر مجبور ہے کیونکہ وہ ریچھ کی طرح جنگلی پھل اور شہد وغیرہ نہیں کھا سکتی بلکہ چھوٹے موٹے جانور شکار کر کے ہی اپنا پیٹ بھرتی ہے۔ چنانچہ بھوک لگنے پر وہ سیدھی ریچھ کے بھٹ کا رُخ کرتی ہے کیونکہ اسے معلوم ہے کہ ریچھ کے بھٹ میں اسے صحرائی چوہے اور نیولے وغیرہ مل سکتے ہیں۔''

تیمور نے حیرت سے پوچھا، ''ریچھ کے بھٹ میں ان جانوروں کا کیا کام؟''

اس پر مقامی لوگوں نے اسے بتایا، ''چونکہ ریچھ اپنے بھٹ میں اس موسم کے لیے کھانے کی چیزوں کا ذخیرہ کر لیتا ہے اور سونے کی جگہ کو بلوط کے میووں، جنگلی اناروں اور شہد سے بھر لیتا ہے لہٰذا جب ریچھ گہری نیند سو جاتا ہے تو یہ چھوٹے موٹے جانور ریچھ کے بھٹ میں گھس جاتے ہیں اور وہیں پر ڈیرا ڈال لیتے ہیں، چونکہ وہ جگہ گرم ہونے کے علاوہ کھانے کی چیزوں سے بھری ہوتی ہے۔ لہٰذا ان جانوروں کے لیے پیٹ کی آگ بجھانے کا بہترین وسیلہ بن جاتی ہے۔ برف باری کی وجہ سے ان جانوروں کے نشانات بھی مٹ جاتے ہیں اس لیے وہ سوتے ہوئے ریچھ کے پہلو میں بڑی آرام دہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ لومڑی اس راز سے بخوبی واقف ہے۔ لہٰذا ان جانوروں کا شکار کرنے کے لالچ میں چپکے سے ریچھ کی پناہ گاہ تک پہنچ جاتی ہے اور چپکے سے اپنا شکار ہڑپ کر لیتی ہے۔''

مقامی لوگوں نے مزید بتایا، ''ہم لوگ بھی لومڑی کے پنجوں کے نشانات کا تعاقب کرتے ہوئے ریچھ کے بھٹ تک پہنچ جاتے ہیں۔''

چنانچہ شکار شروع ہوا اور مقامی لوگ لومڑی کے پنجوں کے نشانات کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ تھوڑی ہی دیر میں انھیں اس میں کامیابی حاصل ہوگئی اور وہ ایک سمت میں ان نشانات کا تعاقب کرتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ کچھ دور آگے جا کر جب اچانک وہ نشانات ایک شگاف کے اندر معدوم ہوگئے تو ان لوگوں نے خبردار کیا، ''یہیں پر ہے۔''

تیمور کو اس بات پر حیرت تھی کہ شکار پر نکلنے والے مقامی لوگوں میں سے کسی کے پاس بھی تلوار یا نیزہ وغیرہ نہیں تھا بلکہ وہ صرف ڈنڈے ہاتھوں میں پکڑے آگے بڑھ رہے تھے۔ اسی اثناء میں مقامی لوگوں نے دو شکاری کتے اس شگاف میں چھوڑ دیئے۔ کتوں نے پوری شدت سے بھونکنا شروع کر دیا اور گہری نیند سویا ہوا ریچھ ہولناک غراہٹ کے ساتھ بیدار ہوگیا۔ پھر ان سب کے سامنے بے شمار چھوٹے موٹے جانور وہاں سے نکل کر بھاگنے لگے، ان کے پیچھے پیچھے لومڑی بھی خون آلود تھوتھنی کے ساتھ باہر نکلی اور تیزی سے ایک طرف بھاگ گئی، غالباً اس نے اسی وقت کوئی جانور شکار کیا تھا اور دعوت اڑا رہی تھی کہ یہ افتاد آن پڑی۔ چند لمحوں بعد بھورے رنگ کا ایک عظیم الجثہ ریچھ غار کے دہانے سے ظاہر ہوا اور باہر نکل کر غرانے لگا۔ تیمور نے ریچھ کو دیکھتے ہی تیر کمان میں رکھا اور ریچھ کی طرف نشانہ لینے ہی والا تھا کہ مقامی لوگ زور سے چلائے، ''اے امیر، ایسا نہ کرو ورنہ ریچھ کی کھال بے کار ہو جائے گی اور ساری محنت ضائع جائے گی۔'' اب تیمور کو پتا چلا کہ مقامی لوگ شکار کے لیے نیزہ یا تلوار کیوں استعمال نہ کر رہے تھے۔ دراصل وہ ریچھ کی کھال کو قیمتی خیال کرتے اور اسے بغیر نقصان پہنچائے حاصل کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ وہ تلوار یا نیزے کا استعمال اس لیے نہ کرتے تھے کہ اس کی کھال پھٹنے سے بچ جائے۔

تیمور نے تیر کمان سے اتارا اور شکار کا منظر دیکھنے لگا۔ غار سے نکلنے کے بعد ریچھ ان کے سامنے اپنے پیروں پر کھڑا تھا۔ اس کی قامت اس قدر زیادہ تھی کہ تیمور کو حیرت ہوئی، اس کے گمان میں بھی نہ تھا کہ ریچھ اس قدر بڑا بھی ہو سکتا ہے۔ مقامی لوگوں نے بتایا کہ وہاں اس سے بھی بڑی قامت والا ریچھ پایا جاتا ہے۔ بہرحال ریچھ کے باہر نکلتے ہی مقامی لوگ ڈنڈوں سمیت اس پر ٹوٹ پڑے اور ان میں سے ایک نے تیمور کو بھی اپنی لاٹھی پیش کی کہ وہ بھی شکار میں حصہ لے، مگر تیمور نے یہ کہہ کر لاٹھی پکڑنے سے انکار کر دیا کہ ''میرا کام تلوار چلانا ہے، مجھے زیب نہیں دیتا کہ ڈنڈے گھماتا پھروں۔'' ریچھ نے اپنے بچاؤ کی کوشش کی، وہ اپنا جبڑا کھول کر سر کو غصے سے دائیں بائیں جھٹکے دیتا اور سرخ زبان نکال کر مقامی لوگوں پر حملہ آور ہونے کی کوشش کرتا مگر اس کے مقابلے میں اتنے زیادہ لوگ تھے کہ وہ بوکھلا کر یہ فیصلہ نہ کر پاتا کہ کس طرف سے بچاؤ کرے جبکہ مقامی لوگ چاروں طرف سے اس پر ڈنڈے برسا رہے تھے۔ ان لوگوں نے ریچھ پر اس قدر ڈنڈے برسائے کہ تھوڑی ہی دیر میں وہ زمین پر ڈھیر ہوگیا۔

اب تیمور ریچھ کے قریب پہنچا اور دیکھا کہ اس کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں مگر جسم میں جان نہیں۔ حیرت انگیز طور پر ریچھ کے جسم پر کوئی زخم کا نشان نہ تھا گویا اس کی کھال پوری طرح محفوظ تھی۔ اس کے بعد ایک شخص آگے بڑھا اور اس نے ریچھ کی کھال میں کسی طرح ایک سوراخ بنایا اور پھر اس پر اپنا منہ رکھ کر پوری قوت سے ہوا بھرنے لگا، یہاں تک کہ ریچھ کا جسم پوری طرح پھول گیا۔ یہ شخص دراصل ریچھ کی کھال اتارنے کا ماہر تھا۔ اس نے پھولے ہوئے جسم سے انتہائی آسانی سے کھال اتار دی۔

کھال اترنے کے بعد ریچھ کا گوشت مقامی لوگوں نے آپس میں بانٹ لیا اور ایک حصہ تیمور کے سامنے پیش کر دیا۔ مگر تیمور نے یہ گوشت لینے سے انکار کرتے ہوئے کہا، ''ہم مسلمان ہیں اور ریچھ کا گوشت ہمارے لیے جائز نہیں کیونکہ ہمارا دین ہمیں صرف سُم دار جانوروں کا گوشت

کھانے کی اجازت دیتا ہے جبکہ ریچھ ایک پنجے دار جانور ہے اس لیے ہم اس کا گوشت نہیں کھا سکتے۔"

ایک چیز تیمور کے لیے حیرت کا باعث تھی کہ توک تامیش اس کے سامنے کیوں نہیں آ رہا۔ تیمور کو یقین ہو چلا تھا کہ وہ اس کی اپنے ملک میں موجودگی سے بخوبی واقف ہے اور جان بوجھ کر اسے غافل گیر کرنے کے لیے سامنے نہیں آ رہا۔

تیمور کا بھیجا ہوا قاصد اس کی توقع سے بھی زیادہ جلد واپس آ گیا اور اس کے بیٹے کی طرف سے پیغام لایا کہ وہ اور اس کی آدھی فوج باب الابواب میں ہے، جبکہ اس کی آدھی فوج توک تامیش سے لڑتے ہوئے مختلف جھڑپوں میں ماری گئی ہے۔

تیمور کے بیٹے شیخ عمر نے لکھا کہ وہ سمندر کے راستے ماوراء النہر لوٹنے کا ارادہ رکھتا تھا مگر چونکہ آدھی فوج سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا اور توک تامیش پر غلبہ بھی نہیں پا سکا تھا لہٰذا اسے ڈر تھا کہ کہیں تیمور کے غضب کا نشانہ نہ بن جائے۔ اس لیے اس نے تیمور سے مدد کی درخواست کی تھی اور اگر تیمور اس کی مدد کو نہ آتا تو وہ آخری دم تک قپچاق میں ٹھہرا رہتا اور موت کو گلے لگا لیتا مگر شکست کی ذلت لے کر ماوراء النہر کبھی نہ لوٹتا۔ شیخ عمر نے اپنے خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ توک تامیش "شنگری" نام کے علاقے میں ٹھہرا ہوا ہے۔ اس کے پاس ساٹھ یا ستر ہزار سپاہی ہیں۔ وہ بھی برف باری کی وجہ سے ایک جگہ ٹھہرے رہنے پر مجبور ہے لیکن برف پگھلتے ہی چل نکلے گا اور سمندر یا درہ طبر کے پہاڑی علاقے سے گزرتا ہوا باب الابواب پہنچ جائے گا۔

اپنے بیٹے کا خط پڑھنے کے بعد تیمور نے مقامی لوگوں کو جمع کیا اور ان سے پوچھا کہ شنگری کہاں واقع ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ قپچاق کا مغربی علاقہ ہے اور کالے سمندر (بحیرہ اسود) کے کنارے واقع ہے۔ باتوں باتوں میں تیمور کو یہ بھی پتا چلا کہ اگر شنگری سے باب الابواب پہنچنا ہو تو کلنا سے ضرور گزرنا ہو گا خواہ گزرنے والا کسی بھی راستے سے آئے۔

تیمور نے اپنے بیٹے کے خط کا ذکر کسی سے نہ کیا، حتیٰ کہ فوج کے سرداروں کو بھی نہیں بتایا کہ توک تامیش اپنی فوج کے ساتھ شنگری میں ٹھہرا ہوا ہے۔ دراصل وہ جانتا تھا کہ وہ اور اس کی فوج دشمن کے علاقے میں ہیں اور اگر یہ خبر کسی بھی طرح پھیل گئی کہ تیمور توک تامیش کی شنگری میں موجودگی سے باخبر ہے تو یقیناً مقامی لوگ توک تامیش کو خبردار کر دیں گے اور تیمور کے لیے اس تک پہنچنا مزید مشکل ہو جائے گا۔

تیمور نے اپنے قاصد قتین غور کو ایک اور خط دے کر اپنے بیٹے کی طرف روانہ کیا، جس میں اسے ہدایت کی کہ وہ بحری راستے سے کچھ اس طرح روانہ ہو کہ جب موسم بدلنا شروع ہو تو وہ دوسرے ساحل تک پہنچ جائے۔ اس نے شیخ عمر کو یہ بھی ہدایت کی کہ وہ اپنے ساتھ اشیاء خورد و نوش اور گھوڑوں کا چارہ لے کر چلے کیونکہ سمندر سے کلنا تک کوئی شے دستیاب نہیں ہوتی۔ تیمور نے خط میں اپنے بیٹے کو بتایا تھا کہ وہ شنگری جا کر توک تامیش کو غافل گیر کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ جتنا جلدی ہو سکے وہ بھی اپنی باقی فوج کے ساتھ کلنا پہنچ جائے۔

دوسری طرف تیمور نے کلنا تک راستوں کی جانچ پڑتال کا کام شروع کر دیا اور اپنے سپاہیوں کی ٹولیوں کو کلنا تک اس ہوشیاری سے بھیجتا رہا کہ قصبے والے یہی سمجھے کہ اس کے سپاہی آس پاس کے علاقوں میں بلا مقصد گھومتے پھرتے ہیں، لیکن دراصل تیمور چالیس فرسنگ دور تک کے جغرافیائی حالات معلوم کر چکا تھا اور یہ بھی معلومات حاصل کر چکا تھا کہ ان کے راستے میں کتنی ہموار زمین اور کتنا پہاڑی علاقہ ہے۔ سردی کی وجہ سے چونکہ پانی منجمد تھا اس لیے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ ان کے راستے میں دریا اور نہریں کہاں واقع ہیں۔ وہ لوگ یہ معلومات مقامی لوگوں سے حاصل کر سکتے تھے مگر تیمور نہیں چاہتا تھا کہ مقامی لوگوں کو اس کے ارادوں کا ذرا بھی علم ہو۔

جیسے ہی موسم تبدیل ہوا اور برف پگھلنا شروع ہوئی اور رات کے وقت آسمان پر اڑتی ہوئی مرغابیوں کی آوازیں سنائی دیں تو تیمور نے فوج کو روانگی کا حکم دے دیا اب اسے یہ ڈر نہ تھا کہ مقامی لوگ توک تامیش کو اس کے بارے میں کوئی اطلاع پہنچا دیں گے کیونکہ وہ جانتا تھا کہ کوئی بھی اس کی فوج سے زیادہ تیز رفتاری سے سفر نہیں کر سکتا اور اگر کوئی ان سے آگے نکلنے کی کوشش کرتا تو وہ زندہ نہ بچ سکتا تھا۔ تیمور کی ہر ممکن کوشش تھی کہ دشمن کو کسی نہ کسی طرح غافل گیر کر سکے اور ان کی کامیابی کی اولین شرط بھی یہی تھی کہ توک تامیش کو بے خبری میں جالیں۔ برف پگھلنے سے چھوٹی چھوٹی ندیاں بہنے لگی تھیں مگر ان میں سے کوئی بھی تیمور اور اس کی فوج کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکیں اور وہ تیزی سے مغرب کی طرف سفر کرتے رہے۔ اس دن وہ شام تک اور شام سے اگلی صبح تک مسلسل سفر کرتے رہے۔ اگلے دن انہوں نے خستہ حال گھوڑے بدلے اور تازہ دم گھوڑوں پر سوار ہو کر سفر جاری رکھا۔ اسی دن دوپہر کو ہراول دستوں نے اطلاع دی کہ انہیں اپنے سامنے دشمن کے لشکر کی سیاہی نظر آ رہی ہے۔ چنانچہ تیمور نے ٹھہرنے کا حکم جاری کر دیا اور جنگی صف آرائی کی ہدایت کر دی۔

اگرچہ توک تامیش کا یوں اچانک سامنے آنا تیمور کے لیے حیرت انگیز بات تھی مگر وہ دشمن کی سرزمین پر ایسے حیرت انگیز اور غیر معمولی واقعات کے لیے ہمہ وقت تیار تھا۔ بلکہ اگر توک تامیش اچانک اس کے سامنے نہ آتا تو اسے اس بات پر زیادہ حیرت ہوتی۔ کیونکہ وہ یہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ کوئی حکمران اس قدر غافل گیر ہو کہ دشمن فوج اس کے ملک میں اسے ہی بے خبری کی حالت میں آ لے۔

بہر حال کچھ دیر بعد ہراول دستے نے اطلاع دی کہ انہیں دشمن کی فوج میں سیاہ رنگ کے سوا کچھ دکھائی نہیں دے رہا۔ تیمور نے سوچا کہ توک تامیش کے سپاہی اس لیے سیاہ پوش ہوں گے کہ وہاں بکریوں اور بھیڑوں کی اون سیاہ رنگ کی ہے۔ مگر تقریباً ایک گھنٹے کے انتظار کے بعد اطلاع موصول ہوئی کہ جسے وہ دشمن کی فوج سمجھ رہے ہیں وہ دراصل سیاہ رنگ کے عظیم الجثہ جانور ہیں جو مغرب سے شمال کی جانب کوچ کر رہے ہیں۔ یہ جانور گائے سے مشابہت رکھتے تھے، تاہم ان کا جسم تو گائے جیسا تھا مگر سر انسانوں سے مشابہ تھا۔ ان کے سروں پر مینڈھوں جیسے دو خمیدہ سینگ بھی تھے۔ تیمور کو یہ جانور دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی۔ تاہم ان کے جسم چونکہ گائے کی طرح تھے اور ان کے درمیان فاصلہ بھی تھا، چنانچہ تیمور سمجھ گیا کہ ان جانوروں کا گوشت حلال ہے، چنانچہ اس نے ان کا شکار کرنے کی اجازت دے دی۔ جلد ہی بیس سے زیادہ گائیں زمین پر پڑی نظر آئیں مگر باقی جانور بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ قریب سے دیکھنے پر تیمور سمجھ گیا کہ وہ بلاشبہ گائیں ہی تھیں بس فرق اتنا تھا کہ ان کے کندھے عام گائے کی نسبت زیادہ چوڑے چکلے تھے۔ تیمور کے سپاہی وہیں ان کا گوشت بھون کر عظیم الشان ضیافت اڑانا چاہتے تھے مگر تیمور وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے اس نے حکم دیا کہ ان جانوروں کا گوشت کاٹ کر محفوظ کر لیا جائے اور مناسب وقت ملنے پر اسے پکا کر کھائیں۔

اس دن شام کے وقت وہ لوگ ایک چھوٹی سی آبادی میں پہنچ گئے، مقامی لوگوں نے بتایا کہ یہ جنگلی بھینسیں ہیں۔ یہ موسم تبدیل ہونے پر شمال کی طرف کوچ کرنے لگتی ہیں تاکہ اپنے آپ کو سرد علاقوں تک پہنچا سکیں، یہ بھینسیں گرم علاقوں میں نہیں رہ سکتیں اس لیے موسم تبدیل ہوتے ہی قپچاق کی سرزمین سے کوچ کر جاتی ہیں۔

پندرھواں باب

سرزمین قپچاق میں جنگ

تیمور نے اس آبادی کے گرد پہرا بٹھادیا تاکہ وہ لوگ توک تامیش تک اس کی اطلاع نہ پہنچاسکیں اور اپنے سپاہیوں کو ہدایت کی کہ وہ چند گھنٹے آرام کرلیں تاہم آدھی رات کے وقت چلنے کے لیے تیار ہوجائیں۔ تیمور خود بھی خیمے میں جاکر لیٹ گیا۔ آنکھ لگتے ہی اسے ایک عجیب سا خواب دکھائی دیا۔

اس نے دیکھا کہ وہ ایک برف پوش سرزمین پر درختوں کے جھنڈ پر کھڑا ہے۔ آسمان پر گہرے سیاہ رنگ کے بادل چھائے ہوئے ہیں، ایسے سیاہ کہ برف پوش زمین بھی سیاہ نظر آتی ہے۔ ایسے میں اچانک توک تامیش اس کے سامنے آتا ہے اور اس پر حملہ کردیتا ہے۔ لیکن تعجب کی بات یہ تھی کہ توک تامیش کے سارے سپاہی جنگلی بھینسوں جیسے تھے اور انہیں کی طرح ڈکرا رہے تھے۔ تیمور نے بھی اپنے سپاہیوں کو حملے کا حکم دیا اور دشمن پر خود بھی حملہ آور ہوگیا۔ یکا یک اسے احساس ہوا کہ اس کا سیدھا ہاتھ کٹ کر الگ ہوگیا ہے۔ تیمور کو یہ دیکھ کر بڑی حیرانی ہوئی اور وہ بار بار دائیں کندھے پر نظر ڈالتا اور دیکھتا کہ اس کا سیدھا ہاتھ بے کار ہوچکا ہے۔ یہ خواب دیکھ کر تیمور اس قدر خوفزدہ ہوا کہ اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے بے اختیار اپنے سیدھے ہاتھ کو چھو کر دیکھا اور اسے صحیح سلامت پاکر اطمینان کی سانس لی۔

اگرچہ تیمور کا خیال تھا کہ چونکہ وہ ایسی حیران کن سرزمین پر ہے اور وہاں برف پوش زمین گہرے سیاہ بادلوں اور جنگلی بھینسوں کے حیرت انگیز مناظر دیکھ چکا ہے اس لیے ایسی چیزوں کا خواب میں نظر آنا قدرتی عمل ہے، تاہم دائیں ہاتھ کا بے کار ہونا اس کے دل پر دباؤ ڈال رہا تھا۔ چونکہ ایک بار پہلے بھی اسے خواب میں اس بات سے خبردار کیا جاچکا تھا اس لیے اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ کوئی بڑا حادثہ اس کا منتظر ہے۔ تیمور کی جگہ کوئی اور ہوتا تو بلاشبہ اپنا راستہ بدل لیتا مگر تیمور کے دل میں ذرا بھی ہچکچاہٹ نہ تھی۔ آدھی رات کو جب فوج کی روانگی کے بگل بجے تو وہ تیزی سے اٹھا اور چلنے کو تیار ہوگیا۔ اس وقت اس پر قطعاً کوئی گھبراہٹ طاری نہ تھی۔ تیمور جانتا تھا کہ جب کوئی سپاہی میدان جنگ کا رُخ کرے تو وہ درحقیقت موت کا استقبال کرنے اور عزرائیل کا سامنا کرنے جارہا ہوتا ہے۔

تیمور کبھی بھی میدان جنگ میں کودنے اور موت کا سامنا کرنے سے نہیں گھبرایا تھا۔ بعض جنگوں میں وہ خود شریک نہ ہوا مگر وہ بھی مصلحتوں کے تحت، کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس لمحہ اس کی فوج سپہ سالار سے محروم رہے، تاہم اس کے دل میں اور کوئی خوف ہو تو ہو موت کا خوف ہرگز نہیں تھا۔

آدھی رات سے صبح تک وہ مغرب کی طرف سفر کرتے رہے اور کوئی خاص واقعہ پیش نہ آیا۔ دوپہر کے وقت ہراول دستے نے اطلاع دی کہ وہ ایک بار پھر جنگلی بھینسوں کو آتا دیکھ رہے ہیں۔ اس بار ہراول دستہ بخوبی جانتا تھا کہ وہ جو دیکھ رہا ہے وہ بھینسیں ہیں اور دشمن کے سپاہی نہیں۔ معلوم ہوا کہ

بھینسوں کا گلہ سیدھا ان کی طرف آ رہا ہے کیونکہ اب تیمور اور اس کی فوج کا راستہ بدل چکا تھا۔ عصر کے وقت تیمور اور اس کے سپاہی ان بھینسوں کے سامنے پہنچ گئے، انہیں ایک بار پھر اپنے سامنے پا کر وہ بھینسیں پلٹیں اور جس طرف سے آئی تھیں اسی طرف لوٹ گئیں۔

اس دن شام ڈھلے تک وہ بھینسیں تیمور کی فوج کے آگے آگے دوڑتی رہیں، وہ کبھی کبھی ٹھہر جاتیں، پلٹ کر اپنی لال لال آنکھوں سے انھیں گھورتیں اور جب دیکھتیں کہ فوج ان کے پیچھے آ رہی ہے تو وہ دوبارہ بھاگنے لگتیں۔ وہ لوگ رات بھر چلتے رہے اور جب صبح ہوتی تو انھیں بہت دور ایک بار پھر بھینسوں کا گلہ دکھائی دیا۔ لیکن اس بار ان کا اندازہ غلط نکلا، اور نظر آنے والا جنگلی بھینسوں کا گلہ نہیں تھا بلکہ درحقیقت دشمن کی فوج تھی۔

بعد میں انھیں معلوم ہوا کہ دراصل بھینسوں کا وہ گلہ ہی ان کے دشمن کو ان کی وہاں موجودگی سے خبردار کرنے کا سبب بن گیا۔ توک تامیش اور اس کے سپاہی چونکہ مقامی تھے اور جانتے تھے کہ بھینسوں کا وہ گلہ موسم بدلنے پر شمال کی طرف بھاگنے لگتا ہے مگر جب تیمور کی فوج کے سامنے آنے پر بھینسوں نے اپنا راستہ تبدیل کیا اور واپس پلٹ پڑیں تو توک تامیش اور اس کی فوج سمجھ گئی کہ ایسا دشمن کی فوج آنے سے ہوا ہے۔ یوں توک تامیش کو غفلت میں جا لینے کا تیمور کا ارادہ خاک میں مل گیا۔

اس سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ کوئی سپہ سالار کتنا ہی قابل کیوں نہ ہو اور کتنی ہی عقلمندی سے کام کیوں نہ لے، مستقبل میں کیا ہونے والا ہے، اس کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔

تیمور کے ہراول دستے نے واضح طور پر اطلاع دی تھی کہ انہوں نے کچھ سواروں کو دیکھا ہے جو انہیں دیکھتے ہی ٹھہر گئے اور پھر تیزی سے واپس پلٹ گئے، کافی کوشش کے باوجود ان میں سے کسی کو پکڑا نہ جا سکا۔

اس رات وہ لوگ ساری رات سفر کرتے رہے اور صبح کی روشنی پھیلنے پر تیمور نے حسب عادت سورہ الفلق کی تلاوت کی۔ اسی لمحے اس کی نظر پیڑوں کے جھنڈ پر پڑی اور نزدیک پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ گھنے درختوں پر مشتمل جنگل ہے چنانچہ تیمور نے وہیں پڑاؤ ڈالنے کا حکم دے دیا۔ اگرچہ وہ جانتا تھا کہ دشمن قریب ہے اور کسی بھی وقت جنگ چھڑ سکتی ہے مگر اس نے سپاہیوں کو آرام کی اجازت دے دی تاکہ ان کی تھکن دور ہو جائے، البتہ اس نے چاروں طرف سخت پہرہ بٹھا دیا تاکہ افسر اور سپاہی آرام سے سو سکیں۔ البتہ خود تیمور بالکل نہ سو سکا، اس پر اضطراب کی سی کیفیت طاری تھی۔ اس کے ہراول دستے کی طرف سے اطلاعات موصول ہو رہی تھیں کہ وہ مسلسل کچھ سواروں کو دیکھ رہے ہیں جنہوں نے کھال سے بنی ہوئی ٹوپیاں پہن رکھی ہیں۔ وقفے وقفے سے کچھ اور سوار ان سے آکر ملتے ہیں اور پھر لوٹ جاتے ہیں۔ تیمور کے لیے شک کی گنجائش نہ رہی تھی کہ وہ توک تامیش کی فوج کے ہراول دستے کے سوار ہیں، ان کے پیچھے آنے والے لوگ نئے احکام لاتے اور تازہ اطلاعات لے کر لوٹ جاتے ہیں۔

اگرچہ تیمور توک تامیش کو غافل نہ کر سکا تھا مگر اسے امید تھی کہ اسے جنگی ساز و سامان مہیا کرنے کی مہلت نہیں مل سکی ہو گی۔ بہر حال جب سورج کافی بلند ہو گیا تو تیمور نے سپاہیوں کو بیدار کرنے کے لیے بگل بجانے کا حکم دے دیا۔ چلنے سے پہلے اس نے جنگی صف آرائی مکمل کی اور فاضل فوج کا دستہ بھی الگ کر دیا۔ اب موسم قدرے خوشگوار تھا اور آرام کے باعث گھوڑے اور سپاہی تازہ دم لگ رہے تھے۔ اسی اثناء میں ہراول دستے کی طرف سے اطلاع موصول ہوئی کہ وہ دشمن کے قریب پہنچ گئے ہیں اور چونکہ مقابلہ نہیں کر سکتے اس لیے پیچھے ہٹ رہے ہیں۔ دراصل ہراول

دستے کا کام دشمن پر نظر رکھنا اور ان کے بارے میں اطلاعات مہیا کرنا ہی ہوتا ہے اور جب دشمن کی فوج سامنے آجائے تو اس کے پاس لوٹ آنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا کیونکہ تعداد کم ہونے کے باعث وہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

تیمور اور اس کے سپاہی اب شنگری نامی سرزمین میں داخل ہو چکے تھے۔ ان کے سامنے زمین ہموار تھی گویا تیمور آدھے گھنٹے میں اپنی فوج کو دائیں بائیں پھیلا کر خود مرکزی حصے کی کمان سنبھال سکتا تھا۔ تیمور نے اپنے افسروں کے ذریعے تمام سپاہیوں تک پیغام پہنچا دیا کہ آج لڑائی کا دن ہے، یاد رکھو ہمارے پاس فتح کے سوا کوئی اور راستہ نہیں، اگر توک تامیش نے ہم پر غلبہ پا لیا تو ہماری ہڈیوں کو اس برف زار میں بکھیر دے گا اور ہمارا نام ونشان تک باقی نہ رہے گا۔ یاد رکھو کہ واپسی کا بھی کوئی راستہ نہیں، کیونکہ اگر ہم واپس ہوئے تو توک تامیش راستے میں آنے والے قبائل کو ساتھ ملا کر ہمارے مقابلے پر لا کھڑا کرے گا اور ہم میں سے کوئی دریائے آبسگون کے کنارے تک نہ پہنچ سکے گا، لہٰذا ہماری بقا کا واحد راستہ یہی ہے کہ جی جان سے لڑیں اور فتح حاصل کریں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ فتح کی صورت میں قبچاق کی تمام مملکتوں کو تاراج کرنے کی تمہیں کھلی چھٹی دے دوں گا اور تمہیں یہ بھی اجازت ہوگی کہ یہاں کی جوان لڑکیوں اور عورتوں کو اپنی کنیزیں بنا لو، توک تامیش چونکہ حربی کافر ہے اس لیے اس کے ملک کی عورتوں پر قبضہ جائز ہے۔ فتح کی صورت میں تم میں سے ہر کوئی اس قدر مالدار ہو جائے گا کہ زندگی بھر عیش کرے گا، اور تمہاری اولاد بھی پرسکون اور بے فکری کی زندگی بسر کرے گی، اس لیے ایک دن جی توڑ کوشش کر لو اور پھر زندگی بھر عیش کرو۔

تیمور نے یہ باتیں اپنے سپاہیوں سے اس لیے کہیں تاکہ وہ جان لیں کہ فتح کی صورت میں قبچاق کا سارا حُسن اور ساری دولت اُن کے قبضے میں ہوگی۔ دوپہر سے کچھ پہلے توک تامیش کی فوج جنگی صف آرائی کے ساتھ ظاہر ہوگئی۔ اس کی فوج کا دوتہائی حصہ پیادہ سپاہیوں پر مشتمل تھا اور کل فوج ایک لاکھ کے لگ بھگ تھی۔

توک تامیش نے اپنے پیادہ فوجیوں کو دائیں بائیں پھیلا رکھا تھا جبکہ اس کے سوار سپاہی مرکزی حصے میں تھے، پیادہ سپاہیوں کے پاس نیزے نہ تھے مگر وہ اس کی بجائے تیر کمان سنبھالے ہوئے تھے، چونکہ توک تامیش جانتا تھا کہ اس کے سپاہی تیر اندازی زیادہ بہتر طور پر کر سکتے ہیں اس لیے اس نے انھیں نیزوں کے بجائے تیر کمان سونپ رکھے تھے۔ تیمور نے اپنے دائیں بائیں حصے کے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ توک تامیش کے لشکر کے میمنہ اور میسرہ پر ہلہ بول کر اس کے پیادہ سپاہیوں کا شیرازہ بکھیر دیں اور وہ خود اپنے سواروں کے ہمراہ دشمن کی طرف بڑھ کر یہ ظاہر کرنے لگا کہ جیسے وہ حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، مگر دراصل وہ یہ ناٹک کھیل رہا تھا اور اس کا ارادہ تھا کہ دشمن کے گھڑ سواروں کو اپنی جگہ چھوڑنے پر مجبور کر دے۔

تیمور کے افسر اس کے ارادے سے باخبر تھے، وہ جانتے تھے کہ تیمور سب سے پہلے توک تامیش کی پیادہ فوج میں انتشار پھیلانا چاہتا ہے، پھر سوار فوج کو اپنے پیچھے لگا کر منظم صفیں چھوڑنے پر مجبور کرنا چاہتا ہے تاکہ اس کی فوج کے دونوں رسالے چکر کاٹتے ہوئے دشمن کو گھیرے میں لے لیں۔ تب وہ خود سامنے سے حملہ کر دے تاکہ توک تامیش کی فوج دونوں طرف سے گھیرے میں آکر ہار ماننے پر مجبور ہو جائے۔

جس سرزمین پر وہ موجود تھے، وہ بالکل ہموار تھی اور سپاہی جس طرح چاہتے باآسانی حرکت کر سکتے تھے، ان کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ تھی، تیمور کی فاضل فوج کا دستہ میدان جنگ سے باہر تھا تاہم وہ کسی بھی وقت اسے باقاعدہ فوج کے طور پر طلب کر سکتا تھا۔

تیمور نے دشمن کی فوج پر نظر ڈال کر اندازہ لگایا کہ اسے دشمن کے میمنہ اور میسرہ میں شگاف ڈالنے کے لیے شاید کافی سپاہیوں کی قربانی دینا ہوگی، عین ممکن تھا کہ اس کی آدھی فوج اس ضمن میں کام آجائے، تاہم اس سوچ کے باوجود تیمور کے عزم و ہمت میں لغزش نہ آئی۔

تیمور کے سپاہی پہلے تو دھیمی رفتار سے توک تامیش کی فوج کی طرف بڑھے تاہم نزدیک پہنچ کر انھوں نے اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگا دی اور سرپٹ دوڑتے ہوئے دشمن کی طرف بڑھنے لگے، ان کا مقصد اپنی رفتار سے شاہِ قپچاق کی فوج کو تباہ و برباد کرنا نہ تھا بلکہ وہ دشمن کے تیراندازوں سے بچنے کے لیے ہر ممکن حد تک تیز رفتاری سے اس تک پہنچنا چاہتے تھے۔

اگر کوئی سپاہی دشمن کی طرف آہستہ رفتار سے بڑھے تو دشمن کے تیراندازوں کو اس کی طرف 30 کے قریب تیر چلانے کا موقع مل جاتا ہے لیکن اگر وہ تیز رفتاری سے آگے بڑھے تو ان تیروں کی تعداد نصف رہ جاتی بلکہ بعض صورتوں میں ایک تہائی رہ جاتی ہے۔ اس ضمن میں یہ بات بھی اہمیت کی حامل تھی کہ اگر گھڑ سوار دشمن کی فوج کے قریب پہنچ کر فوری طور پر اپنے گھوڑوں کو نہ روک سکیں تو وہ خود کو مزید خطرے میں ڈال لیں گے کیونکہ دشمن کے تیراندازوں سے بچنے کے لیے جب وہ اس کی صفوں سے آگے نکل جائیں گے تو دشمن کے تیرانداز ان کے پیچھے اپنی صفیں منظم کر کے دوبارہ انہیں پیچھے سے نشانہ بنالیں گے اور ان کے پاس بچاؤ کا کوئی راستہ نہ بچے گا۔ تیمور کے سپاہی جانتے تھے کہ انھیں دشمن کے تیراندازوں کے حملوں سے بچنے کے لیے ہر ممکن حد تک تیز رفتاری سے ان تک پہنچنا ہے مگر ان کے قریب پہنچتے ہی گھوڑوں کو روک کر دشمن پر ہلہ بول دینا ہے۔ تیمور کے سپاہی جب دشمن کی طرف بڑھ رہے تھے تو وہ اپنے گھوڑوں کی پیٹھ سے چپکے ہوئے تھے تاکہ دشمن کے تیراندازوں کو ہدف کم سے کم نظر آئے۔ تیمور یہ بھی جانتا تھا کہ گھڑ سواروں کو قریب پہنچنے سے روکنے کے لیے دشمن ان کے گھوڑوں کو ہلاک کرنے سے بھی گریز نہیں کرے گا۔ اس لیے اس نے حکم دے رکھا تھا کہ اگر کسی سپاہی کا گھوڑا بے کار ہو جائے تو وہ فوراً میدان جنگ کے پچھلے حصے کی طرف منتقل ہو کر نیا گھوڑا لے اور واپس جنگ میں شریک ہو جائے۔

جب تیمور کے گھڑ سواروں نے دشمن کے دائیں بائیں حصوں پر حملہ شروع کیا تو تیمور بھی اپنے سپاہیوں کے ساتھ توک تامیش کے گھڑ سواروں پر حملہ آور ہو گیا، اسے یہ علم نہ تھا کہ توک تامیش میدان جنگ میں موجود ہے یا کہیں پیچھے کھڑا ہے۔

چونکہ تیمور اپنی فوج کے مرکزی حصے میں تھا اور دشمن کی طرف بڑھ رہا تھا، ہموار زمین ہونے کی وجہ سے وہ دیکھ سکتا تھا کہ اس کے سپاہی اور اُن کے گھوڑے اس طرح زمین پر آرہے تھے جیسے خزاں رسیدہ پتے ہوں۔ دشمن کے تیرانداز بڑی پھرتی سے تیر چلا رہے تھے اور صاف ظاہر تھا کہ وہ بے حد ماہر تیرانداز ہیں۔ تیمور کے کچھ سپاہی گھوڑے کی پیٹھ سے نیچے آتے ہی میدان جنگ کے عقبی حصے کی طرف دوڑنے لگتے اور تیمور سمجھ جاتا کہ یا تو ان کا گھوڑا مارا گیا ہے یا زخمی ہو گیا ہے، جبکہ اس کے کچھ سپاہی گرنے کے بعد دوبارہ اُٹھ نہ پاتے تو تیمور سمجھ جاتا کہ وہ خود مارے گئے ہیں یا بُری طرح زخمی ہو گئے ہیں۔

تیروں کے زخم اگرچہ جان لیوا ہوتے ہیں تاہم اکثر اوقات اتنے مہلک نہیں ہوتے بالخصوص اگر آپ جنگی لباس پہنے ہوئے ہوں۔ تاہم اگر تیر زہر میں بجھے ہوں تو وہ بہت زیادہ مہلک ثابت ہو سکتے ہیں۔ تیمور کو مختلف جنگوں میں کئی بار تیروں کے زخم لگ چکے تھے، اس نے اپنے کئی ایسے سپاہیوں کو بھی دیکھا تھا جنہیں ایک ہی جنگ میں دس دس تیروں کے زخم لگے مگر چونکہ یہ تیر ان کے بدن کے ایسے حصے پر نہیں لگے تھے جو جان لیوا

ثابت ہوسکیں لہٰذا وہ تیر بدن سے الگ کر کے دوبارہ جنگ میں مصروف ہو جاتے۔ مگر یہ بھی حقیقت تھی کہ اگر تیر زہر آلود ہوتے تو بعد از اں زخم نہ بھرنے کے باعث سپاہیوں کی موت واقع ہو جاتی۔

جب تک تیمور کے سپاہی دشمن کی فوج تک نہ پہنچے تھے تو وہ ایک کے بعد ایک زمین پر گر رہے تھے کیونکہ دشمن کے تیر انداز ان پر مسلسل حملے کر رہے تھے، تاہم جب وہ دشمن کی صفوں تک پہنچ گئے تو تیمور نے سکھ کا سانس لیا کیونکہ اب وہ اپنی تلواریں، گرز اور ہتھوڑے استعمال کر سکتے تھے۔ اور دشمن کے تیروں سے خود کو بچا سکتے تھے۔ اس دوران تیمور بھی دشمن کے مرکزی حصے کی طرف بڑھتے ہوئے ظاہر کرنے لگا کہ جیسے وہ حملہ کرنا چاہتا ہو مگر دراصل اس کا ارادہ حملہ کرنے کا نہیں تھا۔ تیمور نے اپنے رسالے کے سپاہیوں کو ہدایت کر رکھی تھی کہ اگر توک تامیش کے سوار ان پر حملہ کرنے کے لیے اپنی جگہ چھوڑ دیں تو وہ بھی آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے جائیں البتہ ساتھ ساتھ ان پر تیر برساتے جائیں تیمور جانتا تھا کہ اس کے سواروں کو دشمن تک پہنچنے اور اس کی صفوں میں شگاف ڈالنے میں کافی نقصان اٹھانا پڑے گا اسی لیے وہ اپنے رسالے کو محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔ جنگ میں سپاہیوں کی قربانی لازمی ہوتی ہے مگر تیمور اس بات کا قائل تھا کہ یہ قربانی ضروری جگہ پر دی جائے یوں ہی بے فائدہ نہیں۔ تیمور کا خیال تھا کہ اگر وہ دشمن پر حملہ کرنے میں تھوڑی تاخیر کرے تو اس دوران اس کے سپاہی دشمن کے میمنہ اور میسرہ کا چکر کاٹ کر اس کے عقب میں پہنچ جاتے اور اسے گھیرے میں لے لیتے، اور پھر وہ بھی سامنے سے دشمن پر بھرپور حملہ کر دیتا۔ اسی لیے وہ ان سے ٹکرانے سے گریز کر رہا تھا۔

تیمور کی یہ حکمت عملی کچھ حد تک درست اور کچھ حد تک غلط ثابت ہوئی۔ کیونکہ وہ دشمن کے گھڑ سواروں کو اپنی جگہ چھوڑنے پر مجبور کرنے میں تو کامیاب ہو گیا مگر خود کو ان سے ٹکرانے سے نہ بچا سکا کیونکہ دشمن کے گھڑ سوار بہت تیزی سے اس کے گھڑ سواروں تک پہنچ گئے۔ اگر تیمور اپنے ساتھیوں کو قپچاق کے سپاہیوں سے فاصلہ برقرار رکھنے کے لیے گھوڑوں کو تیز رفتاری سے دوڑانے کا حکم دیتا تو عین ممکن تھا کہ وہ اور اس کے ساتھی میدان جنگ سے بالکل دُور ہو جاتے اور ان کا رابطہ اپنی فوج کے بقیہ حصوں سے کٹ جاتا اور عین ممکن تھا کہ دشمن انھیں نیست و نابود کر دیتا۔ چنانچہ تیمور کو مجبوراً قپچاق کے سپاہیوں سے لڑنا پڑا اور اس کی حکمت عملی پوری طرح کارگر نہ ہو سکی۔ تیمور کے حکم پر اس کے پرچم بردار نے پرچم ہلا کر تمام سپاہیوں تک یہ پیغام پہنچا دیا کہ لڑائی کا آغاز کر دیں اور اس کے سب سپاہی جان گئے کہ اب انھیں پیچھے ہٹنے کی بجائے پوری طرح لڑنا ہے۔

اس روز یہ دیکھ کر تیمور کو خوشی اور اطمینان ہوا کہ اس کی فوج میں نظم وضبط موجود ہے۔ اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے خود تیمور کو نظم و ضبط کی صفت عطا کی تھی کیونکہ اگر کسی فوج کا سپہ سالار نظم وضبط کا عادی نہ ہو تو وہ فوج کبھی بھی نظم وضبط کی پابند نہیں ہو سکتی۔ اگر تیمور خود سُست ہوتا، عیش پرستی اور آرام طلب طبیعت کا مالک ہوتا، اپنا زیادہ تر وقت دیگر حکمرانوں کی طرح شراب نوشی اور عورتوں کی صحبت میں گزارتا تو کبھی بھی اپنی فوج میں نظم وضبط قائم کرنے میں کامیاب نہ ہو پاتا۔ اگر وہ خود لاپرواہ اور عیش پرست ہوتا تو کبھی بھی اپنے افسروں اور سپاہیوں کی نظروں میں عزت واحترام نہ حاصل کر پاتا۔ مگر وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ خواہ دن ہو یا رات، اپنا وطن ہو یا دیارِ غیر تیمور ہمیشہ اپنی فوج کی بہتری کے بارے میں فکرمند رہتا، وہ خود پوری طرح جنگی مشقیں انجام دیتا اور کبھی بھی ناغہ نہ کرتا تھا۔ اس کے افسر اور سپاہی جانتے تھے کہ چونکہ ان کا سپہ سالار خود اپنے بدن کو سخت آزمائشوں میں ڈالنے کا عادی ہے لہٰذا وہ کسی کی بھی سُستی اور لاپرواہی کو برداشت نہ کرے گا۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ چونکہ تیمور خود میدان جنگ میں موت کو گلے

لگانے سے نہیں گھبراتا، لہٰذا وہ اپنے کسی سپاہی کا موت کے خوف سے میدانِ جنگ میں کمزوری دکھانے کا جرم کبھی معاف نہیں کر سکتا۔ میدان جنگ سے بھاگنے کی بات کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔

جب تیمور کے پرچم بردار نے پرچم ہلا کر مقابلے کا پیغام سپاہیوں تک پہنچا دیا تو چند سیکنڈوں میں ہی سب کی تلواریں نیاموں سے باہر تھیں، گرز اور ہتھوڑے ہاتھوں میں پکڑے جا چکے تھے۔ پھر انہوں نے اپنے گھوڑوں کا رُخ موڑا اور پیچھے آنے والے دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ جب تیمور دشمن کے گھڑسواروں سے ٹکرایا تو فوری طور پر اسے اندازہ ہو گیا کہ دشمن کے سپاہی نہایت بہادر اور جری ہیں۔ اُن کے اچانک حملے نے بھی دشمن کے سپاہیوں کو خوفزدہ نہ کیا تھا اور وہ بڑی بے جگری سے اُن کا مقابلہ کر رہے تھے۔ تیمور نے اپنے پرچم بردار کو اشارہ کیا کہ وہ یہ پیغام سپاہیوں کو پہنچا دے کہ دشمن کے سپاہی بہادر اور سخت جان ہیں، لہٰذا انھیں اپنی بھرپور قوت سے حملہ کرنا ہوگا۔

تیمور کا پیغام افسران تک اور ان کے ذریعے تمام سپاہیوں تک پہنچ گیا اور وہ موت کے فکر سے آزاد ہو کر پوری قوت سے توک تامیش کے گھڑسواروں پر حملے کرنے لگے۔ تیمور خود بھی اپنے سپاہیوں کی طرح دشمن پر تابڑ توڑ حملے کر رہا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں کلہاڑا تھا۔ تیمور وقتاً فوقتاً تلوار اور کلہاڑے کو دائیں بائیں ہاتھ میں منتقل بھی کر رہا تھا۔ جب بھی وہ کلہاڑا اچھالتا تو دشمن کا کوئی نہ کوئی سپاہی ڈھیر ہو جاتا۔ اگرچہ توک تامیش کے سپاہی زرہ بکتر اور آہنی خود پہنے ہوئے تھے تاہم وہ بھی خود کو تیمور کے کلہاڑے کی ضربوں سے نہ بچا پا رہے تھے اور ہتھوڑے کی ضرب سے زخمی ہو رہے تھے، تیمور کی تلوار بھی دشمن کے سپاہیوں کی آہنی ڈھال سے نہ ٹکراتی تو مدمقابل کی گردن لے اُڑتی۔ اگر تیمور گھوڑے کی لگام گردن میں ڈال لیتا تو باآسانی دونوں ہاتھوں سے لڑائی جاری رکھ سکتا تھا مگر میدان جنگ کی صورت حال کچھ ایسی تھی کہ اسے گھوڑے کو بار بار اِدھر اُدھر کرنا پڑ رہا تھا، اس لیے کبھی وہ کلہاڑا کاٹھی سے لٹکا کر لگام تھام لیتا اور تلوار سے لڑائی جاری رکھتا اور کبھی کلہاڑا تھام کر تلوار نیام میں ڈال لیتا اور گھوڑے کی جگہ بدل بدل کر میدان جنگ پر پوری طرح نظریں جمائے ہوا تھا۔ اس کے سپاہی پوری دلجمعی سے لڑ رہے تھے کیونکہ اُن پر میدان جنگ پر نظر رکھنے کی اضافی ذمہ داری نہ تھی۔ زیادہ تر جنگ کے دوران ایک سپاہی کا ذہن میدان جنگ میں بالکل صاف ہوتا ہے کہ اسے صرف دشمن کے سپاہیوں کو قتل کرنا اور اپنی جان بچانا ہوتی ہے، جبکہ ایک فوجی سپہ سالار پر اپنی پوری فوج پر نظر رکھنے اور دشمن کی حالت پر توجہ دینے کی ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں۔

تیمور کو میدان جنگ کا سماں انتہائی دل پذیر معلوم ہوتا تھا، اس کا دل دشمن کے خلاف دادِ شجاعت دینے، تلواروں کی چھنکار، سپاہیوں کی للکاریں سننے، گردنوں سے پھوٹتے خون کے فوارے دیکھنے کو بے تاب تھا۔ اس کے دل میں خواہش اُٹھ رہی تھی کہ اس کا گھوڑا دشمن کے سپاہیوں کو زمین پر گرا کر انھیں اپنے سموں سے روندھتا ہوا گزر جائے۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کے افسر اور سپاہی جان لیں کہ ان کا سپہ سالار ایسا شخص نہیں جو موت سے گھبراتا ہے اور یہ کہ وہ بھی ان کی طرح خطرے کا سامنا کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتا ہے۔

اس روز تیمور میدان جنگ کی حالت کا جائزہ لینے پر توجہ مرکوز کیے ہوئے تھا، وہ اردگرد کے حالات سے چند لمحوں کے لیے بے خبر ہو گیا، اور اس بے خبری کا نتیجہ یہ نکلا کہ امیر قپچاق کے سپاہیوں میں سے ایک نے اُس کے دائیں ہاتھ پر کلہاڑے کا بھرپور وار کیا، جس میں تیمور تلوار تھامے ہوا تھا۔ تیمور کے ہاتھ سے تلوار دُور جا گری اور اسے یوں محسوس ہوا کہ گویا اس کا سیدھا ہاتھ بدن سے الگ ہو گیا ہے۔ تاہم تیمور نے اپنے زخم اور تکلیف

پر قابو پاتے ہوئے اگلے ہی لمحے کلہاڑے کا بھرپور وار حملہ آور کے چہرے پر کیا اور وہ زمین پر آ گرا۔

تیمور کا دایاں ہاتھ بے کار ہو چکا تھا، مگر پھر بھی اس نے میدان جنگ چھوڑنا گوارا نہ کیا، کیونکہ اس نے اپنا کلہاڑا بائیں ہاتھ میں تھاما اور دشمن کے سپاہیوں پر تیر برساتے ہوئے دل ہی دل میں کہنے لگا، ''اے شمر طرخان، خدا تیری روح کو کروڑ کروڑ جنت نصیب کرے۔ کیونکہ یہ تُو ہی تھا جس نے مجھے ابتدا ہی میں ایک ہاتھ پشت پر باندھ کر ایک ہاتھ سے لڑنے کی تربیت دیتے ہوئے کہا تھا، ''یوں سمجھو کہ تمہارا دایاں ہاتھ بے کار ہو چکا ہے اور تمہیں صرف بائیں ہاتھ سے تلوار چلانی ہے۔'' تیمور کو اس سے قبل بھی شمر طرخان کی تربیت کے ثمر کا اندازہ ہو چکا تھا اور وہ جانتا تھا کہ ایک ایسا شخص جو دونوں ہاتھوں سے تلوار چلانا جانتا ہو، دشمن کے کئی سپاہیوں پر بھاری ہوتا ہے۔ مگر اس روز اسے سب سے زیادہ شمر طرخان کی تربیت کی اہمیت اور فائدے کا اندازہ ہوا کیونکہ اسی تربیت کے نتیجے میں اس کا بایاں ہاتھ بالکل دائیں ہاتھ کی طرح کام کر سکتا تھا اور اسی طرح دشمن کا قلع قمع کرنے کے قابل تھا۔ اگر اس روز تیمور کے پاس یہ صلاحیت نہ ہوتی تو اس کے پاس میدان جنگ چھوڑنے کے سوا کوئی راستہ باقی نہ رہتا اور چونکہ وہ اپنے افسروں اور سپاہیوں کے سامنے ایسی ذلت برداشت نہیں کر سکتا تھا، لہٰذا میدان جنگ میں کھڑے رہنا اور مر جانا قبول کر لیتا۔ اس روز تیمور کے بائیں ہاتھ کی مہارت اور قابلیت نے اس کی جان بچائی۔ تیمور کے ہاتھ سے مسلسل خون بہہ رہا تھا مگر اس نے اس پر کوئی توجہ نہ دی، کیونکہ اسی لمحے اُسے پہلی بار توک تامیش کافی فاصلے پر اپنے پرچم کے پیچھے کھڑا نظر آ گیا۔

تیمور دو چیزوں کی مدد سے توک تامیش کو پہچان پایا، ایک تو اس کا پرچم اس کی پہچان کا سبب بنا اور دوسرا وہ بیش قیمت اور بھاری بھرکم جنگی لباس جو وہ زیب تن کیے ہوئے تھا۔ تیمور نے دیکھا کہ توک تامیش نے اپنی داڑھی مونچھیں مونڈھ رکھی ہیں، اور بعد ازاں معلوم ہوا کہ اس نے یہ رومیوں سے سیکھا ہے۔ تیمور اور توک تامیش کے درمیان اتنا فاصلہ تھا کہ وہ اس پر تیر سے حملہ کر سکتا تھا مگر اپنے زخمی ہاتھ کے باعث وہ ایسا کرنے سے قاصر تھا، لہٰذا اس نے اپنے کئی سپاہیوں کو قبچاق کے بادشاہ کی موجودگی سے آگاہ کر کے اسے تیروں سے نشانہ بنانے کی ہدایت کی۔ اس دوران توک تامیش نے بھی تیمور کو دیکھ لیا اور جب تیمور کے کچھ سپاہی اس کی طرف تیر چلا رہے تھے تو تیمور نے توک تامیش کی طرف اشارہ کر کے کہا، ''اس شخص کو میرے لیے زندہ پکڑ لاؤ یا قتل کر دو۔''

اُس وقت تک چونکہ تیمور بذات خود بھرپور لڑائی میں مصروف تھا اس لیے فوج کے میمنہ اور میسرہ سے بے خبر تھا۔ اور اسے یہ معلوم نہ تھا کہ اس کے سپاہی دائیں اور بائیں طرف سے تیزی سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ توک تامیش کے پیادہ سپاہیوں میں سے بہت سے مارے جا چکے تھے اور ان میں سے کئی تیمور کے سپاہیوں کی طرف سے زبردست دباؤ کے باعث پیچھے ہٹ رہے تھے۔ توک تامیش تیمور سے زیادہ میدان جنگ کی صورت حال سے باخبر تھا اور عین اس وقت جب تیمور اسے زندہ یا مُردہ حالت میں گرفتار کرنے کا سوچ رہا تھا اس نے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر وہ پیچھے نہیں ہٹے گا تو گھیرے میں آ جائے گا اور تیمور کے سپاہی اسے نرغے میں لے لیں گے۔

توک تامیش کے یوں پیچھے ہٹنے سے تیمور کو پتا چل گیا کہ اس کی فوج کے دائیں بائیں حصوں نے دشمن کو کافی نقصان سے دوچار کر دیا ہے، لہٰذا اس نے پرچم ہلا کر دونوں حصوں کے سرداروں کو ہدایت کی کہ وہ جلد از جلد دشمن کے مرکزی حصے کو گھیرے میں لینے کی کوشش کریں۔ اپنے حکم

سے بہتر طور پر آگاہ کرنے کے لیے تیمور نے اپنے نزدیک دو سواروں کو اپنے دائیں بائیں حصوں کے سرداروں کی طرف روانہ کیا تا کہ وہ انہیں اس بات سے آگاہ کرسکیں کہ توک تامیش اپنی فوج کے مرکزی حصے میں ہے اور اگر وہ اسے جلد گھیرے میں لے سکیں تو اسے زندہ پکڑنے یا قتل کرنے میں کامیاب ہوسکتے ہیں۔ تیمور نے یہ بھی پیغام بھیجا کہ انھیں فوری طور پر توک تامیش کو موت کے گھاٹ اُتار دینا چاہیے تا کہ یہ شخص دوبارہ ان کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی نہ کر سکے۔ تیمور کے سپاہیوں نے حکم کی پیروی کرتے ہوئے تیزی سے آگے بڑھنا شروع کیا، مگر وہ جتنا آگے بڑھتے، توک تامیش اتنا ہی پیچھے ہٹتا جاتا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے توک تامیش کی عقب نشینی فرار میں تبدیل ہوگئی۔ توک تامیش اور اس کے قریبی ساتھیوں نے اپنے گھوڑوں کا رُخ موڑا اور بجلی کی سی رفتار سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ تیمور نے اپنی فوج کے پورے رسالے کو ان کے تعاقب میں روانہ کر دیا مگر وہ لوگ پوری کوشش کے باوجود توک تامیش اور اُس کے ساتھیوں کو نہ پکڑ سکے اور وہ نظروں سے اوجھل ہوگئے۔

توک تامیش کی فوج کے مرکزی حصے سے اب بھی زبردست مزاحمت جاری تھی، اگرچہ ان سپاہیوں کو علم تھا کہ ان کا امیر فرار ہو چکا ہے مگر پھر بھی وہ بڑی پامردی سے لڑ رہے تھے اور ہرگز ان کے پایہ استقلال میں کمی واقع نہ ہوئی تھی۔ حالانکہ تیمور نے اکثر دیکھا تھا کہ جب کسی فوج کا امیر میدان چھوڑ دے تو اس کے باقی سپاہی بھی بڑی بے دلی سے لڑتے اور حوصلہ ہار دیتے ہیں، اس لیے جلد اُن پر فتح پائی جاسکتی ہے مگر یہاں معاملہ اُلٹ تھا، توک تامیش کے سپاہیوں کو ہرگز یہ پرواہ نہ تھی کہ اُن کا امیر فرار ہو چکا ہے بلکہ وہ پوری قوت سے لڑائی جاری رکھے ہوئے تھے۔

اگرچہ تیمور کے سپاہیوں نے دونوں اطراف سے دشمن کی صفوں کو چیر کر اسے کافی نقصان پہنچایا تھا اور کافی دُور تک پیش قدمی کر چکے تھے مگر پھر بھی دونوں اطراف کے پرچم بردار افسران دشمن کے سپاہیوں کو پوری طرح گھیرے میں لینے میں کامیاب نہیں ہو پا رہے تھے، جس کی وجہ قپچاق کے سپاہیوں کی زبردست مزاحمت اور دلیری تھی۔ اگرچہ دشمن کے پیادہ سپاہیوں کی اکثریت پیچھے ہٹ رہی تھی اور اُن کی صفیں بے نظمی کا شکار ہو چکی تھیں مگر پھر بھی وہ وقفے وقفے سے سخت مزاحمت کرتے اور تیمور کے گھڑسواروں کو آگے بڑھنے سے روکے رکھتے۔ لہٰذا یوں لگ رہا تھا کہ تیمور کے سپاہی شاید اس وقت تک آگے نہ بڑھ پائیں گے جب تک کہ وہ اپنے راستے میں موجود تمام سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اُتارنے میں کامیاب نہ ہو جائیں۔

اگر توک تامیش خود بزدل نہ ہوتا اور یوں فرار ہونے کی بجائے اپنے سپاہیوں کی صفوں کو ازسرِنو منظم کر لیتا تو تیمور اور اس کے سپاہی کبھی بھی ان کو پیچھے ہٹانے اور ان پر غلبہ پانے میں کامیاب نہ ہو پاتے کیونکہ قپچاق کے سپاہی بے حد نڈر، بہادر اور با استقامت تھے۔ مگر ایک بزدل سپہ سالار ایک لاکھ بہادر سپاہیوں کی قدر و قیمت کو خاک میں ملا سکتا ہے، بالکل اسی طرح جیسے کہ توک تامیش کی بزدلی نے اس روز اس کے سپاہیوں کی جنگی صلاحیت کو بے کار کر دیا تھا۔ تیمور اور اس کے سپاہی سورج غروب ہونے تک مسلسل لڑتے رہے، پھر اُس وقت تیمور کے دونوں اطراف کے سردار ایک دوسرے سے آملے اور انھوں نے توک تامیش کی فوج کے رہے سہے حصوں کو پوری طرح گھیرے میں لے لیا۔

اب تیمور کے ہاتھ سے خون بہنا بند ہو چکا تھا۔ البتہ وہ اپنا دایاں ہاتھ بالکل ہلا نہیں سکتا تھا۔ اگرچہ رات کی تاریکی پھیل رہی تھی اور قپچاق کے سپاہی جانتے تھے کہ وہ پوری طرح گھیرے میں آچکے ہیں مگر پھر بھی وہ مزاحمت جاری رکھے ہوئے تھے۔ تیمور جانتا تھا کہ جب تک ان کی مزاحمت جاری رہی تو وہ جنگ میں مکمل فتح کا اعلان نہیں کر سکتے تھے۔ تیمور نے شمعیں جلانے کا حکم دیا تا کہ اس کے سپاہی اپنے اور پرائے کی تمیز کر

سکیں۔اس وقت تک چونکہ تیمور خود پوری طرح لڑائی میں مصروف رہا تھا تو اسے اپنے ہاتھ میں تکلیف کی شدت کا صحیح اندازہ نہ ہو سکا تھا،مگر جب دشمن کے سپاہی پوری طرح نرغے میں آ گئے اور تیمور نے لڑائی سے ہاتھ کھینچ لیا تو اسے اچانک ہی اپنے دائیں ہاتھ میں ناقابلِ برداشت تکلیف کا احساس ہوا۔اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے ہاتھ کی ہڈیاں تک چکنا چور ہو چکی ہوں۔

چونکہ تیمور میدان جنگ کی صورت حال کے بارے میں زیادہ فکر مند تھا اس لیے اپنے سپاہیوں کو یہ حکم نہ دے سکا کہ وہ اس کے لیے خیمہ نصب کر دیں تا کہ وہ اس میں جا کر آرام کر سکے۔اگر چہ دشمن کے سپاہی نرغے میں تھے اور بادشاہ فرار ہو چکا تھا مگر وہ اب بھی لڑائی جاری رکھے ہوئے تھے۔تیمور کو یہ احساس بھی تھا کہ توک تامیش اس کی طرح اپنے ملک سے تقریباً 6 ہزار کلومیٹر دور نہیں کہ وہ دوبارہ اپنے لیے سپاہ اور قوت فراہم نہ کر سکے۔وہ اپنے ملک میں تھا اور دوبارہ سپاہیوں کی کمک حاصل کر کے ان پر حملہ کر سکتا تھا۔چنانچہ تیمور نے اپنے افسروں کو بلا کر کہا،"ہم اُس وقت تک خود کو پر سکون نہیں کر سکتے جب تک کہ ہمارے سامنے مزاحمت جاری ہے،لہٰذا اس مزاحمت کو ہرگز صبح تک جاری نہ رہنا چاہیے۔عین ممکن ہے کہ توک تامیش صبح تازہ دم فوج کے ساتھ ہم پر پھر حملہ آور ہو جائے چنانچہ اگر تم دیکھو کہ تمہارے سامنے مزاحمت کرنے والے ہتھیار پھینکنے پر تیار نہیں ہوتے تو بلا دریغ انہیں قتل کر دو۔خواہ اس دوران ہمیں خود ہی کچھ حد تک زخم اٹھانا پڑیں۔"

تیمور کے سپاہیوں نے ہر ممکن حد تک شمعیں جلا کر میدان جنگ کو روشن کر رکھا تھا۔وہ رات جو کہ 22 فروری کی رات تھی۔تیمور کی زندگی کی ناقابل فراموش رات تھی۔تیمور شدید تکلیف میں مبتلا تھا،اس کا حکیم اسے افیون کھلانا چاہتا تھا تا کہ وہ درد کی شدت میں کمی محسوس کرے اور سو جائے مگر جنگ کی صورت حال کے باعث تیمور سونے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔اگر چہ اسے اپنے افسران پر اعتماد تھا کہ وہ جنگی صورت حال سنبھالنے کی صلاحیت رکھتے ہیں تاہم اُن میں سے کوئی بھی موقع کی نزاکت سمجھنے اور جنگی حالات کے مطابق فوری فیصلہ کرنے کے حوالے سے تیمور کے پائے کا نہ تھا۔اس لیے تیمور کو ڈر تھا کہ اگر وہ سو گیا اور توک تامیش کسی نہ کسی طرح مدد حاصل کر کے اپنے سپاہیوں کی مدد کو پہنچ گیا تو اس کی فوج کو نیست و نابود کر دے گا۔

رات کا کچھ پہر گزرنے پر تیمور کو شدید بخار نے آ گھیرا اور اگر چہ اس نے کمبل لپیٹ رکھا تھا اُس پر شدید کپکپی طاری ہو گئی۔اس کا حکیم اسے کپکپی سے بچانے کے لیے مسلسل سبز قہوہ پلا رہا تھا۔

میدان جنگ سے توک تامیش کے سپاہیوں کی آوازیں بالکل ویسے ہی آ رہی تھیں جیسے جانور ڈکراتے ہیں جبکہ تیمور کے افسران اپنے سپاہیوں سے کہہ رہے تھے،"مارو...... مارو...... کسی کو بھی زندہ نہ چھوڑنا......!" وقفے وقفے سے تیمور کے افسر اُس کے پاس حاضر ہو کر جنگ کی صورتِ حال سے آگاہ کرتے اور وہ دیکھتا کہ اُن کے گھوڑے خون میں نہائے ہوئے ہیں اور وہ خود بھی پوری طرح خون میں لتھڑے ہوئے ہیں۔

آدھی رات تک تیمور کے سپاہیوں اور مزاحمت کرنے والوں کے درمیان خوف ناک جنگ جاری رہی،تاہم اس کے بعد تلواروں کے ٹکرانے اور جھڑپوں کی آوازیں وقفوں وقفوں سے آنے لگیں اور تیمور نے جان لیا کہ جنگ کا خاتمہ ان کی کامیابی پر ہو چکا ہے۔

توک تامیش کے باقی سپاہیوں نے ہتھیار پھینک دیئے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اب اُن کی مزاحمت بے کار ہے۔تیمور نے اپنے افسران

کے ذریعے دشمن کے سپاہیوں تک پہلے ہی پیغام پہنچا دیا تھا کہ ہتھیار پھینکنے والوں کو امان مل جائے گی۔ جیسے ہی جنگ ختم ہوئی تو تیمور نے حکم دیا کہ فوراً خیمے کھڑے کیے جائیں تا کہ اُس کے افسران اور سپاہی آرام کر سکیں اور زخمیوں کا علاج معالجہ ہو سکے۔ گھوڑوں کی دیکھ بھال کی ذمہ داری فاضل فوج کو سونپ دی گئی جو اب تک جنگ کا حصہ نہیں تھے۔ تیمور کے سپاہی ایک مسلسل سفر کے بعد شنگری پہنچے تھے اور یہاں پہنچتے ہی انھیں جنگ کا سامنا کرنا پڑا تھا، لہٰذا انھیں آرام کی سخت ضرورت تھی تا کہ اگلے دن تازہ دم ہو کر ہر طرح کی صورت حال کا سامنا کر سکیں۔ میدان جنگ لاشوں سے اٹا پڑا تھا اور تیمور سوچ رہا تھا کہ بھیڑیئے اور گیدڑ یقیناً اس کے سپاہیوں کی لاشوں کو چیر پھاڑ ڈالیں گے۔ اس رات وہ میتیں دفن کر سکتے تھے اور نہ اُن کی حفاظت۔ تاہم اگلے روز تیمور کو یہ سُن کر خوشی ہوئی کہ اس رات میتوں کو بھیڑیوں نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ دراصل تیمور کو یہ اندازہ ہی نہ تھا کہ اس خطے میں بھڑیئے وغیرہ نہیں پائے جاتے تھے، خاص طور پر فروری کے مہینے کے دوران۔

پھر جب سپاہیوں کے لیے خیمے کھڑے ہو گئے، زخمیوں کا علاج معالجہ شروع ہو گیا اور خیمہ گاہ کے پاس پہرہ بٹھا دیا گیا، تو تیمور نے اپنے حکیم کو اجازت دے دی کہ وہ اسے افیون کھلا دے تا کہ وہ آرام سے سو سکے۔

اگلی صبح جب تیمور سو کر اُٹھا تو اس کا دایاں ہاتھ اس قدر پھول چکا تھا کہ دیکھنے سے یوں محسوس ہوتا جیسے اس نے اپنے ہاتھ کے ساتھ گرم پانی کا مشکیزہ باندھ رکھا ہے، تاہم اب اُس میں گذشتہ رات کی طرح ناقابل برداشت تکلیف نہیں ہو رہی تھی۔ اس کے طبیب نے زخم پر دوا مل کر اسے باندھ دیا تھا۔ تیمور نے بستر سے اٹھنے کی کوشش کی تاہم شدید بخار سے ہونے والی نقاہت کے باعث ایسا نہ کر سکا۔ تیمور نے اس روز میتوں کو دفنانے کا حکم دیا۔ میدان میں اس قدر لاشیں تھیں کہ سب کو الگ الگ دفنانا ممکن نہ تھا چنانچہ انہوں نے بڑے بڑے گڑھے کھود کر ان میں میتیں دفنا دیں۔ اس جنگ میں جو دوپہر سے آدھی رات تک جاری رہی تیمور کی فوج کے ستائیس ہزار سپاہی مارے گئے یا شدید زخمی ہوئے، تاہم اس کے بدلے میں انہوں نے توک تامیش کی ایک لاکھ کی فوج کا شیرازہ بکھیر دیا تھا۔

صبح کے وقت جب قبچاق کے سپاہی تیمور کی فوج کے ساتھ میتیں دفنانے کے کام میں مشغول تھے، تیمور نے قبچاق کے کچھ سپاہیوں کو طلب کر کے دریافت کیا کہ توک تامیش کس طرف فرار ہوا ہے، کہاں جا سکتا ہے؟ اور کیا یہ ممکن ہے کہ وہ جلد فوج جمع کر کے دوبارہ حملہ کر دے۔ انہوں نے شمال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، "چونکہ وہ اس سمت میں گیا ہے لہٰذا جلد کسی بڑی فوج کے ساتھ واپس نہیں لوٹ سکتا کیونکہ وہاں ایسے قبائل آباد ہیں جن کے ہمارے ساتھ زیادہ اچھے تعلقات نہیں ہیں۔ لیکن اگر وہ جنوب کی طرف نکل گیا اور فولادی دیوار عبور کر گیا تو پھر اس کے لیے ممکن ہے کہ وہ قبائل کو ساتھ ملا کر نئی فوج تیار کر لے اور واپس چلا آئے۔"

تیمور نے ان سے دریافت کیا کہ "یہ فولادی دیوار کہاں واقع ہے؟"۔ ان لوگوں نے وضاحت کی کہ فولادی دیوار دریائے آبسکون اور بحیرہ اسود کے درمیان بنائی گئی ہے، اس میں کئی راستے ہیں جن کے ذریعے گزر کر ایک طرف سے دوسری طرف جایا جا سکتا ہے۔ تب تیمور کو یاد آیا کہ یہ وہی فولادی دیوار ہے جسے یاجوج ماجوج کی دیوار کہا جاتا ہے اور جس کے بارے میں وہ بہت پہلے سُن چکا تھا۔ چنانچہ تیمور نے دریافت کیا، "کیا یہ دیوار واقعی فولاد کی بنی ہوئی ہے؟" قبچاق کے سپاہیوں نے جواب دیا، "نہیں، بلکہ انہوں نے پتھروں پر چونے کا مسالہ اور اس پر پگھلا ہوا سیسہ ڈال کر اسے

تعمیر کیا تھا، اسی لیے وہ اسے فولادی دیوار کہتے ہیں۔'' تیمور نے اُن سے پوچھا، ''پھر وہ لوگ اسے سیسہ کی دیوار کیوں نہیں کہتے، فولادی دیوار کیوں کہتے ہیں؟'' قبچاق کے سپاہی کہنے لگے، ''ہم نے اپنے آباؤ اجداد سے اس کا یہی نام سُنا ہے، ممکن ہے ماضی میں دیوار کا کوئی حصہ فولاد سے بنایا گیا ہو۔''

تیمور ایک ایسا انسان تھا جو ہمہ وقت علم اور معلومات حاصل کرنے کی جستجو میں رہتا تھا، چنانچہ اس وقت بھی جبکہ اس کا دایاں ہاتھ شدید تکلیف میں مبتلا تھا اور وہ خود بخار کی شدت سے بے حال تھا، کسی نہ کسی طرح اُٹھا اور ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور اس نے قبچاقی سپاہیوں سے پوچھا، ''آیا تم جانتے ہو کہ کس نے اور کس زمانے میں یہ دیوار تعمیر کروائی تھی؟'' وہ کہنے لگے، ''فولادی دیوار کو ایک ایرانی سلطان نے تعمیر کروایا تھا، تاہم ہم یہ نہیں جانتے کہ اس نے کب اسے تعمیر کروایا۔'' تیمور نے اُن سے پوچھا، ''انہوں نے یہ دیوار کیوں تعمیر کروائی تھی؟'' قبچاقی سپاہی کہنے لگے، ''یہ دیوار اسی لیے بنائی گئی تھی تا کہ ہم جنوب کی طرف سے ایران پر حملہ نہ کر سکیں، جو کہ پہاڑیوں کے درمیان جنوب میں واقع ہے۔'' تیمور نے فیصلہ کیا کہ جیسے ہی اس کی حالت بہتر ہوئی، وہ خود جا کر دیوار ضرور دیکھے گا۔ میتیں دفنانے کا کام تین روز تک جاری رہا اور اس دوران توک تامیش کی طرف سے کوئی خطرہ ظاہر نہیں ہوا۔

چونکہ تیمور کے سپاہی توک تامیش کے خلاف جنگ جیت چکے تھے، لہٰذا اس نے انہیں حسبِ وعدہ سرزمین قبچاق میں جا کر لوٹ مار کرنے اور غارت گری کرنے کی اجازت دے دی، بشرطیکہ اپنا مال ماوراء النہر لے جائیں راستے میں خرچ نہ کریں۔ گو کہ تجربہ کار سپاہی مالِ غنیمت کی اہمیت سے واقف ہوتے ہیں اور اسے راستے میں خرچ کرنے کی بجائے اپنے ملک میں لے جاتے ہیں مگر نوجوان اور ناتجربہ کار سپاہی دور اندیش نہیں ہوتے۔ اسی لیے وہ اپنا سارا مالِ غنیمت راستے میں ہی دادِ عیش دیتے لُٹا دیتے ہیں اور جب واپس گھر پہنچتے ہیں تو اُسی طرح خالی ہاتھ ہوتے ہیں جیسے کہ جاتے وقت تھے۔ اگرچہ تیمور کو اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ جب اس کے سپاہی گھر واپس پہنچیں تو خالی ہاتھ ہوں یا مال سے لدے ہوئے، تاہم اس کا یقین تھا کہ جب سپاہی اپنا مال عیش و عشرت میں لٹانے لگتے تو وہ کاہلی کا شکار ہو جاتا ہے اور کاہلی ایک سپاہی کے لیے زہر کے مترادف ہے کیونکہ وہ اسے اندر ہی اندر کھوکھلا کر دیتی ہے، جیسے کہ تیمور خود 40 سال کی عمر کو پہنچنے پر اس چیز کا شکار ہو گیا تھا۔

اگرچہ تیمور نے اپنے سپاہیوں کو مکمل اجازت دی تھی کہ وہ جہاں بھی چاہیں لُوٹ مار کریں اور جو مزاحمت کرے اسے تہ تیغ کر ڈالیں مگر ساتھ ہی اس نے انہیں یہ ہدایت بھی کی کہ وہ دشمن کی اتنی ہی عورتوں کو کنیز یا لونڈی بنائیں جن کی دیکھ بھال بھی کر سکیں کیونکہ جب سپاہی کسی عورت کو اپنی کنیزی میں لیتا ہے تو اس کی خوراک اور لباس کا بھی خیال رکھنا پڑتا ہے اور اگر وہ اس قابل نہ ہو تو وہ انہیں غلاموں کی منڈی تک لے جا کر فروخت کرنے کا مجاز بھی نہیں رہتا۔ چنگیز خان اپنے سپاہیوں کو فتح کے بعد یہ اجازت دے دیتا تھا کہ وہ جتنی چاہیں عورتوں کو کنیزیں اور مردوں کو غلام بنا لیں۔ لیکن جب وہ لوگ ان غلام مردوں اور لونڈیوں کو خوراک اور لباس فراہم کرنے سے عاجز آ جاتے اور ان کے لیے ان سب غلام مرد اور عورتوں کو غلاموں کی منڈی تک لے جانے کے لیے سواری اور راستے کے اخراجات ادا کرنا بھی ممکن نہ ہوتا تو وہ اس قدر بے رحم بن جاتے کہ ایک ہی دن میں تمام غلام مرد اور عورتوں کو ایک جگہ اکٹھا کر کے قتل کر دیتے۔ تاہم تیمور نے اپنے سپاہیوں کو ہدایت کر رکھی تھی کہ اتنے ہی غلام اور کنیزیں ساتھ لو جن کی ضرورت پوری کر سکو۔ اس کے سپاہی چار ہفتوں تک قبچاق کے شہروں اور قصبوں میں لُوٹ مار کرتے رہے۔ اس دوران جھڑپوں میں کچھ سپاہی مارے بھی گئے کیونکہ جب مقامی باشندوں کو پتا چلتا کہ انہیں غلام بنایا جا رہا ہے تو وہ مزاحمت کرتے تھے۔ اسی لیے انہوں نے چھوٹے چھوٹے مزاحمتی

گروپ بنالیے تھے اور تیمور کے سپاہیوں کے خلاف لڑ رہے تھے، ان سے جھڑپوں ہی کے نتیجے میں تیمور کے چند سپاہیوں کو جان گنوانا پڑی تاہم اکثر مقامات پر مزاحمت کاروں کو کم تعداد کے باعث فرار ہونا پڑا۔

تیمور کو علم تھا کہ لوٹا ہوا مالِ غنیمت اس راستے سے لے جانا بے حد خطرناک ہے جہاں سے وہ قپچاق میں داخل ہوئے تھے، کیونکہ اس بات کا خطرہ تھا کہ ان علاقوں کے مقامی لوگ مالِ غنیمت کے لالچ میں ان کی ناکہ بندی کر دیں۔ یہی وجہ تھی کہ تیمور نے سارا مالِ غنیمت سمندر کے راستے ماوراءالنہر بھیجنے کا فیصلہ کیا تا کہ وہ جلدی پہنچنے کے ساتھ ساتھ محفوظ بھی رہے۔

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ تیمور کا دایاں ہاتھ لڑائی کے دوران بہت بُری طرح زخمی ہوا تھا اور اسی زخم کی وجہ سے تیمور شدید بخار میں مبتلا تھا۔ اس کا یہ بخار دس روز تک جاری رہا، جس کے باعث طبیب یہ باتیں کرنے لگے کہ تیمور کی زندگی بچانے کے لیے اس کا دایاں ہاتھ کاٹ دینا ناگزیر ہے۔ ایک روز مقامی باشندوں میں سے ایک معمر شخص تیمور کے پاس آیا۔ اس شخص کے بارے میں تیمور کو بتایا گیا کہ وہ ایک طبیب ہے۔ اس نے تیمور کے زخم کا معائنہ کرنے کے بعد اسے بتایا کہ اگر وہ اپنے زخم پر مقامی بُوٹی کا بنا ہوا مرہم رکھے تو اُس کا زخم جلد ٹھیک ہو جائے گا۔ تیمور نے بوڑھے کی بتائی بوٹی کا نام کبھی نہیں سُنا تھا، مگر اس نے فوراً اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس کے لیے بوٹی کا انتظام کریں۔ اگر چہ اس وقت تک موسم نسبتاً گرم ہو چکا تھا مگر بظاہر بوٹیوں کے اُگنے کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے اس لیے تیمور کے سپاہی خشک بوٹی دوسرے علاقوں میں تلاش کرنے نکل کھڑے ہوئے اور بالآخر اسے حاصل کر کے تیمور کی خدمت میں حاضر کر دیا۔ پھر انہوں نے اس بوٹی کا مرہم بنا کر تیمور کے زخم پر باندھ دیا۔

اُس بوڑھے طبیب نے تیمور کو ہدایت کی کہ جیسے ہی یہ مرہم خشک ہو تو فوراً اس کی جگہ نیا مرہم تیار کر کے زخم پر لگا دیا جائے۔ تیمور نے ایسا ہی کیا اور تین دن کے بعد ہی تیمور کے ہاتھ کے زخم میں بہتری کے آثار نمودار ہو گئے اور ایک ہفتے کے بعد یہ بات واضح ہو گئی کہ تیمور کا ہاتھ ٹھیک ہو جائے گا۔ تیمور نے اس بوڑھے طبیب کو، جو مقامی گاؤں سے تعلق رکھتا تھا، ایک ہزار سونے کے سکے عطا کیے اور اس کے ساتھ ہی اس کے پورے گاؤں کو امان بخشتے ہوئے فرمان جاری کیا کہ کوئی سپاہی بوڑھے کے گاؤں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا۔

اس دن کے بعد سے وقت آخر تک تیمور اپنے دائیں ہاتھ سے لکھ نہ پاتا تھا۔ البتہ وہ دائیں ہاتھ سے تلوار چلانے کا کام لے سکتا تھا، دراصل اس کے دائیں ہاتھ کا پنجہ تلوار تھام سکتا تھا مگر اس ہاتھ کی انگلیاں قلم نہیں پکڑ سکتی تھیں۔ تاہم تیمور اپنے اُلٹے ہاتھ سے بخوبی لکھ سکتا تھا اور دائیں ہاتھ کے اس نقص کو اس نے لکھنے کی صلاحیت ختم کرنے کا سبب نہ بننے دیا تھا۔

جب تیمور کے ہاتھ کا زخم بالکل ٹھیک ہو گیا تو اس نے فولادی دیوار دیکھنے کا ارادہ کیا تا کہ یاجوج ماجوج کی دیوار کا بذاتِ خود مشاہدہ کر سکے۔ جیسا کہ تیمور کو قپچاق کے قیدیوں نے بتایا تھا کہ یہ دیوار ایران کے بادشاہوں میں سے کسی ایک نے بنوائی تھی اور یہ دریائے آبسگون اور کالے سمندر کے درمیان واقع تھی۔ جب یہ دیوار تعمیر ہوئی تو کوئی بھی انسان کوہ قاف کے شمال میں واقع بیابانوں سے جنوب کی طرف نہیں جا سکتا تھا، ما سوائے اس کے کہ دیوار میں بنے ہوئے دروازوں میں سے عبور کرے۔ یہ دروازے لوہے کے بنے ہوئے تھے، اور وقت کے ساتھ ساتھ مکمل طور پر خراب ہو گئے تھے، کیونکہ لوہا...... بارش، آندھی اور دیگر آفات کا اس طرح مقابلہ نہیں کر سکتا تھا جیسا کہ پتھر کرتا ہے اور جلد خراب ہونے لگتا ہے۔ تاہم

دیوار باقی تھی، جسے تیمور نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

یا جوج ماجوج کی یہ دیوار جسے تیمور نے دیکھا ایسی دیوار تھی جس کی اونچائی دس ذراع اور چوڑائی تین ذراع کے برابر تھی۔ یہ دیوار پتھر کی بڑی بڑی سلوں کو جوڑ کر پگھلے ہوئے سیسے کے ذریعے تعمیر کی گئی تھی۔ اس وقت تک اس دیوار کے کچھ حصے تباہ ہو چکے تھے مگر جو باقی تھے، وہ اس قدر محفوظ تھے کہ بارود کے بغیر انہیں گرانا ناممکن تھا۔ دیوار کی تعمیر کچھ یوں کی گئی تھی کہ کوئی انسان پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ کر بھی اس کے پار نہیں جا سکتا تھا کیونکہ اس کے آثار پہاڑوں کی قابل عبور چوٹیوں پر بھی موجود تھے۔ دیوار کو ممکنہ سیلاب کے ریلوں سے بچانے کے لیے بھی ضروری اقدامات کیے گئے تھے اور اس کی تعمیر ایسے کی گئی تھی کہ سیلاب کی صورت میں اسے نقصان نہ پہنچ سکے۔

جب تیمور نے اس دیوار کا بغور جائزہ لیا، اس کی بلندی اور پیچ وخم کا مشاہدہ کیا تو اسے اندازہ ہوا کہ اس دیوار کی تعمیر کا کام ایسا مشکل اور کٹھن تھا کہ کوئی بھی اسے سال دو سال میں مکمل نہ کر سکتا تھا۔ مقامی بزرگوں نے بتایا کہ دیوار کی تعمیر میں اتنا عرصہ لگا کہ ایران کا بادشاہ خود اسے مکمل نہ کر سکا اور اس کی وفات کے بعد اس کے بیٹے نے یہ کام جاری رکھا اور پچاس برس کے عرصہ میں پانچ لاکھ سے زیادہ کاریگروں کے ذریعے اس کی تعمیر مکمل ہو سکی۔ تاہم اس دیوار کی تعمیر سے ایران پر قپچاق میں رہنے والے قبائل کی شورشوں کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا۔

اس عظیم دیوار کو دیکھنے کے بعد تیمور کے دل میں یہ خیال بھی آیا کہ شاہ ایران اور اس کے بیٹے نے اس عظیم دیوار کی تعمیر میں کس قدر سرمایہ، وقت اور افرادی قوت ضائع کی، آیا یہ بہتر نہ تھا کہ وہ سرزمین قپچاق پر قبضہ کر کے وہاں آباد قبائل کو اپنا مطیع بنا لیتا، تا کہ اس کا ملک ہمیشہ کے لیے خطرے سے محفوظ ہو جاتا۔

موسم بہار شروع ہو چکا تھا، تیمور اور اس کی فوج دشمن کی سرزمین میں تھی۔ توک تامیش ایسے علاقے کی طرف نکل گیا تھا، جہاں وہ مقامی قبائل کو اُن کے خلاف لڑنے کے لیے تیار کر سکتا تھا۔ تیمور کو اس کی قابلیت کا اندازہ ہو چکا تھا اور عین ممکن تھا کہ وہ تھوڑے عرصہ میں نئی فوج تیار کر کے دوبارہ جنگ کے لیے سامنے آ جاتا۔ اسی لیے تیمور سوچ رہا تھا کہ اسے اپنی فوج کو متحد رکھ کر اس طرح اس علاقے سے نکلنا چاہیے کہ توک تامیش ان کے لیے خطرہ ثابت نہ ہو سکے۔

چلنے سے پہلے تیمور نے قپچاق کے قیدیوں کا مسئلہ بھی حل کرنا ضروری سمجھا اور ان سے کہا کہ جزیہ ادا کرنے کی آخری تاریخ آ پہنچی ہے۔ جو افسر یا سپاہی جزیہ نہیں دے سکتا تو اس کے پاس دو راستے بچتے ہیں۔ یا تو وہ تیمور کی فوج میں شامل ہو جائیں اور یا پھر اس کے ہاتھوں قتل ہونا پسند کر لیں۔ قپچاق کے کچھ افسروں نے قبل از وقت جزیہ ادا کر کے اپنی جان بچا لی تھی اور آزاد ہو چکے تھے مگر باقی نے اب تک جزیہ ادا نہ کیا تھا۔ ان میں سے جنہوں نے تیمور کی فوج میں شامل ہونا منظور کر لیا وہ تو بچ گئے اور جنہوں نے ایسا کرنا گوارا نہ کیا، انہیں جلادوں کے حوالے کر دیا گیا۔ اگر وہ لوگ جزیہ ادا کر دیتے تو تیمور انہیں آزاد کر دیتا مگر جزیہ ادا کیے بغیر وہ انہیں آزاد نہیں کر سکتا تھا کہ وہ دوبارہ توک تامیش سے جا ملیں اور اس کے مقابلے پر دوبارہ نکل آئیں۔ جب تیمور کے جلاد جزیہ ادا نہ کرنے والوں کی گردنیں تن سے جدا کر رہے تھے تو تیمور شیخ عمر اور دیگر افسروں سے مشورہ کر رہا تھا کہ ماوراء النہر واپس جانے کے لیے کون سا راستہ مناسب رہے گا۔

تیمور کے سپاہی پہلے ہی مال غنیمت اور کچھ مویشی سمندر کے راستے ماوراء النہر منتقل کر چکے تھے، جبکہ زیادہ تر مویشیوں کو مقامی قبائل نے

خرید لیا تھا۔ تیمور کے سپاہیوں نے اپنے غلام اور کنیزیں بھی وہیں پر فروخت کر دی تھیں اور بہت کم غلام اور کنیزیں ماوراءالنہر مال غنیمت کے ساتھ بھجوا دی گئی تھیں۔ تیمور اس سب سے تو مطمئن تھا مگر اب مشکل یہ تھی کہ اتنی بڑی فوج کا بحری راستے سے واپس جانا ممکن نہ تھا کیونکہ ان کے پاس کشتیوں کی تعداد بہت کم تھی۔ یوں ان محدود کشتیوں کے ذریعے اتنی بڑی فوج کی منتقلی میں بہار تو کیا گرمیوں کا موسم بھی گزر جاتا اور اس مدت میں توک تامیش موقع پا کر تیمور اور اُس کی فوج کو تباہ کر سکتا تھا۔ چنانچہ اب تیمور کے پاس سمندر کو چھوڑ کر دو اور راستے تھے جن کے ذریعے وہ اپنی فوج کو واپس پہنچا سکتا تھا۔ ایک بحیرہ آبسکون کے شمال سے گزر کر دریائے طرخان تک پہنچنے کا، جبکہ دوسرا راستہ جنوب میں مازندران اور خراسان سے گزرتا تھا۔ البتہ وہ لوگ کوہ قاف سے گزر کر بھی جنوب میں پہاڑوں کے پار پہنچ سکتے تھے، مگر توک تامیش وہیں چھپا بیٹھا تھا۔ وہ مقامی شخص تھا اور اسے وہاں کے پہاڑی علاقوں سے مکمل واقفیت حاصل تھی جبکہ تیمور اور اس کے سپاہیوں کے لیے وہ راستے قطعی اجنبی تھے۔ اس سے پہلے جب تیمور اپنی فوج کے ساتھ ان راستوں سے گزر کر آیا تھا تو زمین اور کوہسار برف پوش تھے جب کہ اب برف پگھلنے کے بعد اس سرزمین کا نقشہ بدل چکا تھا۔ توک تامیش ان اجنبی راستوں پر ان کی ناکہ بندی کر کے اس کی فوج کو نیست و نابود کر سکتا تھا۔ لہٰذا تیمور نے یہی بہتر جانا کہ دریائے آبسکون کے شمال سے ہوتا ہوا ماوراءالنہر پہنچ جائے۔

سولہواں باب

ماوراء النہر میں واپسی اور ٹڈی دل کا حملہ

تیمور نے قپچاق سے نکلتے ہوئے تین راہنما دستے آگے روانہ کر دیئے جن کے ذمہ راستے کی نگرانی کرنا تھا۔ تیمور نے انہیں سختی سے ہدایت کی تھی کہ گردونواح پر کڑی نظر رکھیں کیونکہ وہ دشمن کی سرزمین سے گزر رہے تھے اور اس بات کا اندیشہ تھا کہ راستے میں آنے والے قبائل اُن کے مال ومتاع پر نظر جمائے بیٹھے ہوں اور اسے حاصل کرنے کے لالچ میں اُن پر حملہ کر دیں۔ آگے بھیجے گئے تینوں دستوں اور باقی فوج کے درمیان مسلسل رابطہ قائم تھا۔ سب سے آگے چلنے والے دستے کے ذمہ اشیاء خوردنی کی فراہمی بھی تھی۔ تیمور کو اپنے پیچھے سے کسی کے حملے کی فکر نہ تھی کیونکہ وہ اس قدر تیزی سے چل رہے تھے کہ کوئی پیچھے سے حملہ نہیں کرسکتا تھا، تاہم طرفین سے حملہ ہونے کا خطرہ ضرور موجود تھا، اسی لیے انہوں نے مناسب احتیاطی تدابیر اختیار کر رکھی تھیں۔ بہر حال دریائے طرخان تک پہنچنے میں کوئی قابل ذکر واقعہ پیش نہ آیا۔ تیمور نے جب پہلی بار دریائے طرخان کو دیکھا تھا تو اس کا پانی منجمد تھا، لیکن اب اس کے کناروں سے پانی چھلک رہا تھا۔

تیمور کی فوج کے پہلے نگران دستے نے اطلاع دی کہ دریائے طرخان کے کنارے ایک عظیم بازار لگایا گیا ہے۔ جب بازار کے منتظمین نے تیمور کی فوج کے ہراول دستے کو دیکھا اور انہیں پتا چلا کہ تیمور وہاں پہنچ رہا ہے۔ تو وہ فوراً امان کے طلب گار ہوئے اور کہا کہ وہ اپنی حیثیت کے مطابق خراج دینے کو تیار ہیں۔ بشرطیکہ تیمور بازار پر حملہ نہ کرے اور بازار میں موجود دکانداروں اور آنے والے خریداروں کو اپنا کام کرنے دے۔ تیمور نے ہراول دستے کے ذریعے بازار کے منتظمین کو پیغام بھجوایا کہ اسے ان کے خراج سے کوئی دلچسپی ہے اور نہ ہی اس کا ارادہ بازار میں موجود لوگوں کو نقصان پہنچانے کا ہے بلکہ وہ محض ایک رہگزر ہے، اسے کسی سے کوئی سروکار نہیں، البتہ اگر اس کی راہ میں کوئی فتنہ کھڑا کیا گیا تو وہ بازار کا نام ونشاں مٹا دے گا۔

بعد میں معلوم ہوا کہ اس جگہ ہر سال برف پگھلنے کے بعد یہ عظیم بازار لگایا جاتا تھا جہاں ہر طرح کی اشیاء کی خرید وفروخت کے لیے لوگ آتے تھے۔ کہا جاتا تھا کہ اس بازار میں ایک لاکھ سے زیادہ تاجر اور خریدار شرکت کرتے تھے۔ یہ بازار جسے حاجی طرخان کا بازار کہا جاتا تھا، اپنے دور میں ہیں دنیا کے عظیم ترین بازاروں میں سے ایک تھا اور یہ بازار 1917ء تک باقاعدگی سے منعقد ہوتا رہا۔ اس بازار میں فروخت ہونے والی اشیاء میں دستکاری کی مصنوعات، پوستین، خنجر، تلوار، سوتی اور ریشمی کپڑے کی مصنوعات وغیرہ زیادہ اہم تھیں۔ تیمور نے اپنے سپاہیوں کو متنبہ کر دیا کہ اگر کسی نے اس بازار کے دکانداروں یا خریداروں کو بُری نگاہ سے دیکھا تو وہ قتل کر دیا جائے گا۔ تاہم خوش قسمتی سے ایسا کوئی واقعہ پیش نہ آیا جو کسی کی موت یا سزا کا سبب بن جاتا۔

جب تیمور کے سپاہیوں نے دیکھا کہ بازار کا ایک حصہ غلاموں کی خرید وفروخت کے لیے مخصوص ہے اور وہاں باقاعدہ بولی کے ذریعے

غلاموں اور کنیزوں کو فروخت کیا جاتا ہے تو انہیں افسوس ہوا کہ انہوں نے اپنے غلاموں اور کنیزوں کو پہلے ہی سستے داموں کیوں فروخت کر دیا اور یہاں لاکر مہنگی قیمت وصول کرنے سے محروم رہ گئے۔ مگر وہ اس بات سے نا آشنا تھے کہ جس رفتار سے اُن لوگوں نے دریا تک کا سفر طے کیا تھا اس رفتار سے غلاموں اور کنیزوں کو بازار تک لانا ناممکن تھا۔

دریائے طرخان پر کشتیوں کا پل بنا ہوا تھا۔ تیمور نے اس پل کی مضبوطی کا یقین کر لینے کے بعد اپنی فوج کو اس پر سے گزرنے کی اجازت دے دی۔ اگر چہ اس وقت دریا اپنے پورے زوروں پر تھا مگر پھر بھی تیمور کو وہ زیادہ بڑا نہ لگا، کیونکہ ماوراء النہر میں بہنے والا دریائے جیحون اس سے کم از کم پانچ گنا بڑا تھا۔ موسم گرما میں بالخصوص جب دریائے جیحون کا پانی چڑھتا تو اس کے ایک کنارے پر کھڑا ہوا انسان دوسرا کنارہ نہ دیکھ پاتا تھا۔ تیمور نے ایک بار خود موسم گرما میں دریائے جیحون کو پار کیا تھا۔ اس کے ملاح مسلسل دو گھنٹے تک چپو چلاتے رہے، تب کہیں جا کر دوسرے کنارے کے آثار نمودار ہوئے۔

جب تیمور کی پوری فوج دریا پار کر گئی تو اسے احساس ہوا کہ اب وہ ایسے علاقے میں پہنچ گئے ہیں جہاں انہیں کوئی خطرہ نہ تھا۔ پھر وہ دریائے آبسگون کے کنارے چلتے ہوئے پہلے مشرق پھر جنوب کی طرف روانہ ہوئے اور ایسی شاہراہ پر پہنچ گئے، جو سیدھی ماوراء النہر کی طرف جاتی تھی۔ یہاں سے آگے تیمور نے سفر کی رفتار کو کم کر لیا کیونکہ اب وہ ترکستان میں داخل ہو چکے تھے اور تیمور جانتا تھا کہ اب ان کا راستہ خطرے سے پاک ہے۔ اس کے باوجود، تیمور نے غافل گیر ہونے کی غلطی نہ کی، کیونکہ وہ تو اپنے ملک میں بھی احتیاط کا دامن نہ چھوڑتا تھا اور یہی احتیاط پسندی اس کی کامیابی کی ایک اہم وجہ بھی تھی۔

مئی کے مہینے کی تین تاریخ کو جب وہ لوگ شاہراہ پر اپنا سفر جاری رکھے ہوئے تھے، اچانک جنوب کی سمت سے ایک بادل نمودار ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے پورے آسمان پر چھا گیا۔ سورج کی روشنی چھپ گئی اور تھوڑی دیر پہلے روشن نظر آنے والا دن غروب آفتاب کا منظر پیش کرنے لگا۔ جب تیمور نے بغور اوپر دیکھا تو اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا، اس کے سپاہی بھی حیرت کا مرقع بنے کھڑے رہ گئے۔

دراصل کروڑوں کی تعداد میں چھوٹے چھوٹے پردار کیڑے شمال کی طرف اُڑ رہے تھے اور وہ بادل دراصل یہی ٹڈی دل تھے۔ تیمور نے اس سے قبل ٹڈی دل کا حملہ نہ دیکھا تھا۔ ٹڈیوں کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ خدا کی پناہ۔ انہوں نے آسمان کو یوں چھپا دیا تھا کہ سورج کی روشنی کی ہلکی سی کرن بھی ان کے پار نہ گزر سکتی تھی۔ تیمور اور اس کے سپاہیوں کے گھوڑے خوف سے ہنہنانے لگے اور صحرا کے جنگلی جانور سہم کر جدھر منہ اٹھا بھاگ کھڑے ہوئے۔ تیمور اور اس کے سپاہی بھی کچھ کم خوفزدہ نہ تھے۔ تیمور کے سرداروں میں سے ایک کہنے لگا، ''اے امیر، اگر اس ٹڈی دل نے ماوراء النہر کے باغوں اور سبزہ زاروں کو لپیٹ میں لے لیا تو اس سال ہمارا ملک قحط کی لپیٹ میں آجائے گا۔'' تیمور نے اپنے سردار کو جواب دیتے ہوئے کہا، ''جو مصیبت کسی انسان کی طرف سے آتی ہے تو اس کا کوئی نہ کوئی توڑ کیا جا سکتا ہے مگر جو مصیبت خدا کی طرف سے نازل ہو تو اس کو روکنا کسی کے بس کی بات نہیں ہوتی، لہٰذا میں اس مخلوق کو ماوراء النہر کے باغات اور سبزہ زاروں پر حملہ کرنے سے نہیں روک سکتا۔''

اُس روز ٹڈی دل کی فوج، موج در موج شام تک ان کے سروں پر سے گزرتی رہی اور ان کا یہ سفر رات گئے بھی جاری تھا کیونکہ اندھیرا

پھیلنے کے باوجود وہ ان کے پروں کی آواز سُن سکتے تھے۔ اگلی صبح بھی ٹڈیوں کے جھنڈ گھرے بادل بن کر آسمان پر چھائے ہوئے تھے۔ چنانچہ جب تیمور کی فوج نے سفر دوبارہ شروع کیا تو انھیں ایسا محسوس ہوا کہ گویا وہ دن کے اُجالے میں نہیں بلکہ ڈوبتے سورج کی ہلکی روشنی میں سفر کر رہے ہیں۔

تیمور کے افسر کہنے لگے، یہ ٹڈیاں پورے ماوراء النہر میں ایک بھی ہری ٹہنی باقی نہیں چھوڑیں گی اور وہاں موجود ہر شے ہڑپ کر جائیں گی۔ کچھ ٹڈیاں تھکن کے باعث یا کسی اور وجہ سے، جسے تیمور سمجھ نہ سکا، زمین پر آ گرتیں اور وہ دیکھتے کہ وہ مٹیالے رنگ کی خاصی بڑی ٹڈیاں تھیں۔ تیمور کے افسروں نے کہا کہ یہ ٹڈی دل ترکستان کے کھیتوں اور باغات پر حملہ کرنے کا ارادہ نہیں رکھتیں بلکہ کسی اور ملک کی طرف جا رہی ہیں۔ خدا کرے کہ یہ ماوراء النہر کا رُخ نہ کریں، وگرنہ وہاں کی فصلیں اور باغات تباہی سے نہ بچ سکیں گے۔

اُس روز بھی ٹڈی دل کا لشکر سورج ڈھلے تک مسلسل آسمان پر بادل بن کر چھایا رہا اور دوسری رات بھی صبح تک ان کے پروں کی آوازیں سنائی دیتی رہیں۔ آخر کار تیسرے دن آسمان ان کے وجود سے صاف ہوا اور سورج نے اپنی کرنیں زمین پر ڈالنا شروع کیں۔

جیسے ہی تیمور پہلے کبوتر خانے پر پہنچا تو سمرقند سے معلومات حاصل کیں کہ وہاں کے کھیتوں اور باغات پر کیا گزری ہے۔ آیا وہ ٹڈی دل کے حملے سے محفوظ رہے یا نہیں؟ کبوتروں کے ذریعے جو جواب موصول ہوا، اس نے تیمور کو بے حد پریشان کر دیا۔ تیمور کے سپاہیوں کے چہرے بھی اُتر گئے۔ پیغام ملا کہ ٹڈیوں کی جو تعداد ماوراء النہر پر حملہ آور ہوئی ہے اُس کی تعداد ریگستان میں موجود ریت کے ذروں سے بھی زیادہ ہے۔ بلاشبہ، پورے ماوراء النہر میں جلد ہی قحط پھوٹ پڑے گا۔

تیمور کے افسر اور سپاہی اپنے ملک میں ایک عظیم جنگ جیتنے کے بعد لوٹ رہے تھے، ان سب کے پاس سونے اور چاندی کی وافر مقدار تھی۔ ان میں سے کچھ نے پہلے ہی گراں قیمت اشیاء ماوراء النہر روانہ کر دی تھیں لیکن اب وہ ایک ایسے وقت میں اپنے وطن میں داخل ہو رہے تھے جبکہ ان کا وطن قحط کی لپیٹ میں تھا۔ پھر جب وہ لوگ ماوراء النہر میں داخل ہوئے تو انھوں نے دیکھا کہ کہیں بھی سبزہ نظر نہیں آ رہا۔ ٹڈی دل نے صرف کھیتوں کی فصلیں ہی ہڑپ نہ کی تھیں بلکہ درختوں پر ایک پتا بھی نہ چھوڑا تھا۔ جہاں کبھی سرسبز درختوں کے جھنڈ تھے وہاں اب صرف خشک اور بغیر پتوں کے درخت کھڑے تھے جن کی ٹہنیاں تک اپنے حال پر ماتم کر رہی تھیں۔ وہ وسیع و عریض سبزہ زار جن پر وہ سال کے چار موسموں میں سے تین کے دوران اپنے گھوڑوں کو دل بھر کر چرنے کے لیے کھلا چھوڑ دیتے تھے، اب انھیں دیکھ کر یوں لگتا تھا کہ جیسے یہاں کبھی سبزہ کا نام و نشان ہی نہ تھا۔

جب تیمور سمرقند پہنچا تو اس نے دیکھا کہ اتنے بڑے شہر میں نانبائی کی ایک دکان بھی کھلی نہ تھی اور نہ ہی کہیں گندم کا ایک دانہ تک فروخت ہو رہا تھا۔ شہر کے سارے لوگ افسردہ اور پریشان حال تھے اور ان کے چہروں سے ان کا غم عیاں تھا۔ ماوراء النہر کے دوسرے شہروں کی صورت حال بھی سمرقند جیسی ہی تھی اور وہاں روٹی یا گیہوں ڈھونڈنے سے نہ ملتے تھے۔ اگرچہ تیمور جانتا تھا کہ سمرقند اور دوسرے شہروں میں بھی کم سے کم سال کے چوتھے مہینے یعنی برج سرطان تک اشیائے خوردنی کا ذخیرہ موجود ہے۔ لیکن چونکہ ٹڈی دل نے ہر چیز کو ہڑپ کر لیا تھا، اس لیے جن لوگوں کے پاس اشیائے خوردنی کا ذخیرہ تھا وہ اسے فروخت کرنے سے گریزاں تھے کیونکہ انہیں خود اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ سمرقند میں ہر طرح کی اشیائے خوردنی کی زبردست قلت تھی اور موسم بہار کی تازہ فصلوں کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ ماوراء النہر میں موسم بہار کے دوسرے مہینے میں چنے اور

کھیرے کی فصل خاص طور پر وافر ہوتی تھی اور فروخت کے لیے بازاروں میں عام موجود ہوتی تھی مگر اب سمرقند میں کہیں کوئی ایک کھیرا یا چنے کا ایک دانا بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ اس قحط سالی سے صرف انسان ہی متاثر نہ ہوئے تھے بلکہ مویشی بھی بھوک سے مر رہے تھے۔

مویشیوں کے گلّے رکھنے والوں نے اپنے مویشیوں کو دور دراز علاقوں میں منتقل کر دیا تھا کہ شاید وہاں انھیں سبزہ اور گھاس میسر آسکے اور وہ بھوک سے بچ سکیں۔ جبکہ وہ تمام مویشی جو دوسرے علاقوں میں منتقل نہیں کیے جاسکے تھے بھوک کا شکار تھے۔ کچھ لوگوں نے اپنے مویشیوں کے لیے خشک چارہ حاصل کر رکھا تھا اور اس کی مدد سے جانوروں کو زندہ رکھنے کی تگ و دو کر رہے تھے جبکہ باقی مویشی تیزی سے لقمہ اجل بن رہے تھے۔ اس کے نتیجے میں گوشت بھی سمرقند میں کمیاب ہوگیا۔

تیمور نے حکم دیا کہ فوج کے تمام مویشی کابلستان کے جنوب میں واقع چراگاہوں پر منتقل کر دیے جائیں تاکہ وہ بھوک کے ہاتھوں ہلاک ہونے سے بچ جائیں۔ پھر تیمور نے فرمان جاری کیا کہ دریائے جیحون اور سیحون سے (جو موسم بہار میں مچھلیوں سے بھرے رہتے تھے) وافر مقدار میں مچھلیاں پکڑ کر بازاروں میں لائی جائیں تاکہ لوگ بھوک کے ہاتھوں مرنے سے بچ سکیں۔

اگرچہ گندم کی کاشت کا وقت گزر چکا تھا پھر بھی تیمور نے حکم دیا کہ سمرقند اور ماوراء النہر کے دوسرے شہروں میں اعلان کیا جائے کہ یہاں گندم اور جو کی بے حد ضرورت ہے۔ تیمور نے 100 کلوگرام گندم کی قیمت پانچ گرام سونا اور جو کی قیمت ڈیڑھ گرام سونا مقرر کر دی۔ تیمور نے اپنے منادیوں کے ذریعے اعلان کرا دیا کہ جس کے پاس اناج کا ذخیرہ موجود ہے تو وہ فی کس تین من کے حساب سے اپنے پاس غلہ رکھ سکتا ہے جبکہ اضافی اجناس کو مقرر کردہ قیمت پر فروخت کرنا ہوگا جو کہ ٹڈی دل کے حملے سے پہلے قیمت سے کئی گنا زیادہ تھی۔ تیمور نے یہ بھی اعلان کروایا کہ جو شخص اضافی اناج فروخت کرنے سے اجتناب کرے گا تو اسے اپنی جان اور مال سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔ تیمور کی ہدایت پر ذخیرہ اندوزی اور گراں فروشی کے خلاف قرآن پاک کی آیات کو مساجد میں اجتماعات اور خطبات کے دوران باقاعدگی سے دُہرایا جانے لگا تاکہ ہر کوئی جان لے کہ قحط سالی کے دوران اسے غلہ ذخیرہ کرنے کی ہرگز اجازت نہیں ہے۔

تیمور کی سلطنت میں صرف ایک خطہ ایسا تھا جو قحط سالی کے اثرات سے محفوظ تھا اور جو اس کڑے وقت میں سلطنت کے دوسرے حصوں کے کام آسکتا تھا اور وہ تھا خراسان۔ چنانچہ تیمور نے اپنے بے شمار خریداروں کو خراسان بھیجا تاکہ وہ خراسان سے جس قدر ممکن ہو سکے گندم خرید کر ماوراء النہر پہنچا سکیں۔ خراسان سے اشیائے خوردنی کی ماوراء النہر منتقلی کا کام آسان نہ تھا کیونکہ خراسان میں نقل و حمل کے لیے مناسب راستے موجود نہ تھے، ماسوائے صحرائے ترکمن کے، جو کہ بے حد طویل اور کٹھن راستہ تھا۔ دوسری طرف ماوراء النہر میں کشادہ راستے اور سڑکیں موجود تھیں۔ چنانچہ تیمور نے حکم دیا کہ اشیائے خوردنی کو گھوڑوں اور اونٹوں پر لاد کر ماوراء النہر کی سرحدوں پر پہنچایا جائے تاکہ وہاں سے تیز رفتاری سے تمام شہروں میں منتقل کیا جاسکے۔

اس دوران ماوراء النہر میں بھی گندم اور جو بوئے گئے۔ مئی اور جون کے مہینوں میں ان فصلوں کو دریاؤں میں موجود وافر پانی مہیا کیا گیا۔ تیمور نے خدا سے وعدہ کر رکھا تھا کہ وہ اپنا زیادہ وقت صحرا میں گزارے گا اور شہر میں ضروری کام کے سوا قیام نہیں کرے گا۔ مگر اس سال تیمور کو مستقل شہر میں قیام کرنا پڑا۔ وہ زیادہ وقت فصلوں کی نگرانی کرنے اور کھیتی باڑی پر نظر رکھنے میں گزارتا۔ تیمور صرف گندم اور جو کی کاشت سے مطمئن نہ تھا، اسی

لیے اس نے کسانوں کو حکم دیا کہ وہ کھیتوں میں موسم گرما کی تمام فصلوں کو کاشت کریں۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ وہ فصلوں سے جس قدر اشیائے خوردنی حاصل کر سکیں گے، اسی قدر قحط سالی کے اثرات کو کم کرنے میں کامیاب ہو سکیں گے۔

چنانچہ اس سے پہلے کہ دریاؤں کے پانی میں کمی واقع ہو جاتی، تیمور کے حکم سے ماوراء النہر کے مختلف علاقوں میں کھیرے، چنے، لوبیا اور ہر طرح کی سبزیاں وافر مقدار میں اُگائی گئیں۔ جب دریاؤں کا پانی کم ہو گیا تو بارانِ رحمت نازل ہوئی اور جولائی کے مہینے میں بارشوں سے فصلوں کو خوب سیراب ہونے کا موقع میسر آ گیا۔ پھر اگست کے مہینے میں بھی بارانِ رحمت یونہی برستی رہی۔

تیمور کو یقین تھا کہ اگست کے مہینے میں برسنے والی بارشیں جن کی اس سے قبل ماوراء النہر میں مثال نہ تھی، دراصل رحمتِ خداوندی تھی اور اس بات کا اشارہ تھا کہ خدا ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ تیمور کے ملک کے لوگ بھوک اور فاقہ کشی کا شکار ہو کر مارے جائیں۔

ستمبر کے مہینے میں گندم اور جو کی فصلیں پک کر تیار ہو گئیں اور کسانوں نے فوری طور پر کٹائی شروع کر دی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر انھوں نے زیادہ انتظار کیا تو موسمِ خزاں کی بارشیں شروع ہو جائیں گی اور تمام فصلیں برباد ہو جائیں گی۔ کٹائی کے بعد اناج اس قدر وافر ہو گیا کہ گندم کی قیمت جو اس سے قبل پانچ گرام سونا فی سو کلوگرام مقرر تھی کم ہو کر ڈیڑھ گرام سونے پر آ گئی، لہٰذا تیمور نے حکم دیا کہ خُراسان سے اناج کی خریداری روک دی جائے۔

جولائی اور اگست میں ہونے والی بارشوں اور ستمبر میں پڑنے والی اوس نے ماوراء النہر کے لالہ زاروں کو پھر سے سرسبز کر دیا۔ چنانچہ انھوں نے اپنے گھوڑوں کو بھی واپس ماوراء النہر منتقل کر لیا۔ اگر اس برس تیمور ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھ جاتا، خاموش تماشائی بن کر قحط سالی کا نظارہ کرتا رہتا اور اپنے لوگوں کو بچانے کے لیے ضروری اقدامات نہ کرتا تو شاید ماوراء النہر میں موجود ہر ذی روح موت کا شکار ہو جاتا اور تیمور کی فوج بھی فنا ہو جاتی۔ مگر چونکہ تیمور نے تیزی سے قحط سالی کے توڑ کے لیے اقدامات کیے، اسی لیے وہ قحط سالی کو شکست دینے میں کامیاب ہوا۔ یہی نہیں بلکہ حیرت انگیز طور پر انھوں نے اس سال کے باقی حصے میں زراعت کے حوالے سے اس قدر کامیابی حاصل کی کہ وہ سال ماوراء النہر میں کاشت کاری کے حوالے سے کامیاب ترین سال بن گیا۔

جب قحط سالی کا خطرہ ٹل گیا اور تیمور کو اس حوالے سے فرصت ملی تو اس نے اپنی فوج کو ازسرِنو منظم کرنا شروع کر دیا۔ قپچاق کے بادشاہ توک تامیش نے اپنی سرزمین پر تیمور کی فوج کو بڑی طرح نقصان پہنچایا تھا اور تیمور کی فوج کے کئی بہترین افسر اور سپاہی مارے گئے تھے، لہٰذا اب تیمور کے لیے ضروری تھا کہ اپنی فوج کے اس نقصان کا ازالہ کر کے اسے دوبارہ مضبوط اور طاقتور بناتا۔ اس برس موسمِ خزاں اور سرما کا زیادہ تر حصہ تیمور نے محض اپنی فوج کی قوت میں اضافہ کرنے میں گزارا۔ اس نے بہت سے صحت مند نوجوان سپاہیوں کو فوج میں بھرتی کیا اور انھیں جنگی حکمتِ عملی اور ضروری تربیت حاصل کرنے کا پابند بنایا۔ اس برس تیمور نے کبوتروں کے ذریعے پیغام رسانی کے نظام کو بھی وسعت دی کیونکہ وہ اچھی طرح جان چکا تھا کہ یہ طریقہ نہ صرف زمانہ جنگ بلکہ امن کی حالت میں بھی بے حد مفید تھا کیونکہ اس کے ذریعے وہ تیز رفتاری سے دُور دراز علاقوں سے سمرقند تک پیغام رسانی کر سکتے تھے۔ اس برس تیمور نے ایک اور اہم کام یہ کیا کہ اپنی ایک سفری مسجد تیار کروائی، جسے وہ بعد ازاں ہر سفر میں اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ یہ مسجد انتہائی کم وزن اور خوبصورت تھی۔ اس کے مختلف حصے کچھ اس طرح بنائے گئے تھے کہ انھیں باآسانی جوڑا اور الگ کیا جا سکتا تھا اور بغیر کسی مشکل کے اسے کہیں بھی لے جانا ممکن تھا۔

موسمِ سرما کی راتوں میں ضروری کاموں سے فارغ ہو کر تیمور اپنے خیمے میں آتا تو دریائے آبسگون کے جنوب میں واقع ملکوں کے بارے میں تحقیق کرتا اور اپنے آس پاس موجود لوگوں سے دریافت کرتا کہ آیا وہ ان ممالک کے بارے میں کچھ جانتے ہیں۔ تیمور نے ان ممالک کے بارے میں کچھ کتابیں پڑھ رکھی تھیں، مگر ان کتابوں سے ملی معلومات سے مطمئن نہ تھا۔ تیمور نے سُن رکھا تھا کہ دریائے آبسگون کے جنوب میں طبرستان نامی سرزمین موجود ہے جس کے باشندے شیر اور چیتوں کی کھال سے بنا لباس پہنتے ہیں، جنگلوں میں بسیرا کرتے اور اُن کی خوراک صرف جنگلی جانور اور پھل ہیں۔ ان لوگوں کو کسی شے کا خوف نہیں اور کوئی ان کی سرزمین کو فتح نہیں کر سکتا۔ تیمور کو بتایا گیا تھا کہ فردوسی کی کتاب میں جس سفید دیو کا ذکر ہوا ہے وہ اسی سرزمین سے تھا۔

تیمور نے یہ بھی سُنا تھا کہ دریائے آبسگون کے جنوب میں ایک اور ملک ''گیلان'' نامی آباد ہے جس کے لوگوں کی خوراک چاولوں پر مشتمل ہے اور ان چاولوں میں سے خاص قسم کی خوشبو آتی ہے۔ تیمور کو بتایا گیا تھا کہ دنیا میں کہیں اور ''گیلان'' کی عورتوں سے زیادہ خوب صورت اور نازک اندام عورتیں نہیں پائی جاتیں۔ وہ شاید اسی لیے اس قدر خوب صورت اور نازک اندام تھیں کہ اُن کی خوراک ایسے خاص چاولوں پر مشتمل تھی جو بے حد خوشبودار تھے۔

تیمور نے سُن رکھا تھا کہ دریائے آبسگون کے جنوب میں ''طالش'' نامی سرزمین بھی واقع ہے جس کے مرد انتہائی مضبوط و توانا بدنوں والے ہیں اور جن کے بال اس قدر لمبے ہیں کہ اُن کے گھٹنوں تک پہنچتے ہیں اور جو جانوروں کی کھال سے بنا لباس پہنتے اور جنگلی ہرنوں پر سواری کرتے ہیں۔ اُن کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا تھا کہ یہ لوگ جنگلی کتوں کے درمیان زندگی بسر کرتے ہیں اور اُن کے کتے اتنے بڑے ہیں کہ اُن پر گدھوں کا گمان ہوتا ہے۔ تیمور کو بتایا گیا تھا کہ آج تک کوئی ان لوگوں پر فتح پانے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

تیمور چاہتا تھا کہ جا کر خود ان ممالک کو دیکھے اور خود یہ مشاہدہ کرے کہ آیا واقعی یہ قبائل اتنے ہی خوب صورت اور مضبوط ہیں جیسے کہ اُن کے بارے میں بتایا جاتا ہے اور اگر ایسا ہی ہے تو کیا یہ ممکن ہے کہ وہ ان قبائل کو اپنی سلطنت میں شامل کر لے۔ موسمِ سرما کی راتوں میں جب تیمور اپنے اردگرد موجود افسران سے آنے والی جنگی مہمات کے بارے میں تبادلہ خیال کرتا تو انھیں یہ بھی ہدایت دیتا کہ جیسے جیسے ہم آگے بڑھتے جائیں تو ضروری ہے کہ ہم اپنے پیچھے کبوتر خانے قائم کرتے جائیں تاکہ ہم اپنے پیچھے سمرقند سے مسلسل رابطے میں رہیں۔ کبوتر خانے قائم کرنے کا ایک فائدہ یہ بھی تھا کہ اگر کوئی واپسی کا راستہ بند کر دیتا تو سمرقند سے امداد منگوائی جا سکتی تھی کیونکہ کوئی بھی کبوتروں کو گزرنے سے نہیں روک سکتا تھا، ماسوائے اس کے کہ باز کے ذریعے کبوتر کا راستہ روکا جائے۔

اگلے برس موسمِ بہار کے لیے تیمور نے یہ منصوبہ بندی کی تھی کہ بحرِ آبسگون کے جنوبی ملکوں کی طرف نکل جائے اور اگر ممکن ہو تو انھیں فتح کر لے اور اُن سے آگے نکل کر آذربائیجان تک پہنچ جائے۔ اس کے بعد اُسے خود معلوم نہیں تھا کہ وہ کیا کرے گا، آیا مغرب کی طرف نکل جائے گا یا جنوب کا رُخ اختیار کرے گا۔ اگر مغرب کی طرف جاتا تو دجلہ کے پاس پہنچ کر بغداد پر قبضہ کر سکتا تھا۔ جبکہ اگر وہ جنوب کی طرف جاتا تو یہ ممکن تھا کہ وہ فارس کے حکمران سلطان منصور مظفری کو جا پکڑتا اور اُسے آئندہ کسی سے گستاخانہ کلمات کہنے کے قابل نہ چھوڑتا۔

ستر ہواں باب

بحرِ آبسگون کے کنارے

موسمِ بہار کی آمد کے ساتھ ہی تیمور نے اپنے بیٹے شیخ عمر کو ماوراء النہر میں اپنا جانشین مقرر کیا اور خود ایک لاکھ سوار فوج کے ساتھ دریائے جیحون کے خشک راستے سے بحرِ آبسگون کی طرف روانہ ہو گیا۔ دریائے جیحون نے اپنا راستہ بدل لیا تھا اور اب مغرب کی بجائے مشرق کی جانب بہنے لگا تھا جو ایک طرح سے تیمور کے لیے خدا کی خاص عنایت تھی ورنہ اس کا آدھا ملک بنجر رہ جاتا۔ تیمور اور اس کے سپاہی معمول کے مطابق تیز رفتاری سے سفر کر رہے تھے، اور سمندر کے پاس پہنچ کر وہ مغرب کی طرف مڑ گئے، اور تبھی اچانک ایک اور عظیم دریا اُن کے سامنے نمودار ہو گیا۔ تیمور نے اپنے سپاہیوں سمیت دریا سے گزر جانا چاہا، مگر جلد ہی انہیں معلوم ہو گیا کہ اگر وہ لوگ پانی میں اُترے تو پانی کے تیز بہاؤ کا سامنا نہیں کر سکیں گے اور دریا کا پانی انہیں خس و خاشاک کی طرح بہا لے جائے گا۔ دریا کے کنارے کسی طرح کی آبادی یا انسانی زندگی کے آثار بھی نظر نہیں آ رہے تھے۔ تیمور نے اپنے چند سپاہیوں کو ہدایت کی کہ وہ جائیں اور اردگرد کے علاقوں کے لوگوں میں سے کچھ کو تلاش کر کے لے آئیں تاکہ اُن سے دریا کے کم گہرائی والے حصے کے متعلق دریافت کیا جا سکے۔

تیمور کے گھڑ سوار سپاہی کچھ مقامی لوگوں کو تلاش کر کے لے آئے، جنہوں نے بتایا کہ دریا کا کم گہرائی والا حصہ یہاں سے تین فرسخ کے فاصلے پر واقع ہے مگر اس موسم میں وہاں سے بھی دریا کو عبور کرنا ممکن نہیں۔ بلکہ اس میں آنے والے سیلاب کے اُترنے کا انتظار کرنا پڑے گا۔ تیمور کے پوچھنے پر مقامی افراد نے بتایا کہ دریا کے سیلاب اُترنے میں کم سے کم پندرہ روز لگ جائیں گے۔ اگر اس دوران پانی کم ہو گیا تو وہ لوگ دریا عبور کر پائیں گے ورنہ اُنہیں مزید انتظار کرنا پڑے گا۔ تیمور جانتا تھا کہ کوئی فوجی سپہ سالار خواہ کتنا ہی عقل مند اور دانا کیوں نہ ہو وہ راستے میں آنے والی تمام دشواریوں اور رکاوٹوں کا اندازہ نہیں لگا سکتا بلکہ بعض اوقات اس کی راہ میں ایسی رکاوٹیں آ جاتی ہیں کہ جن کے بارے میں فوری فیصلے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر اُس وقت وہ کسی ایسے علاقے میں ہوتے جہاں آس پاس جنگلات ہوتے تو تیمور فوراً اپنے سپاہیوں کو درخت کاٹ کر پُل تیار کرنے کا حکم دے دیتا لیکن اس علاقے میں درخت اور جنگل نہ تھے اور نہ ہی آس پاس اتنی کشتیاں مل سکتی تھیں کہ ان کے ذریعے اتنی بڑی فوج کو دریا کے پار پہنچایا جا سکتا۔ چنانچہ تیمور نے وہاں بے کار پڑاؤ ڈالنے کے بجائے مقامی لوگوں کو بطور راہنما اپنے ساتھ لیا اور دریا کے دھانے کی طرف چل پڑا جو کہ سمندر میں گرتا تھا۔

تیمور کو بتایا گیا تھا کہ دھانے پر دریا کئی چھوٹی شاخوں میں بٹ جاتا ہے جو چھوٹی اور کم گہری ہیں اور انہیں عبور کرنا نسبتاً آسان ہے۔ ان لوگوں کی بات درست ثابت ہوئی اور دھانے پر پہنچ کر دریا پندرہ کے قریب ندیوں میں تقسیم ہو گیا اور تیمور کے سپاہی ان کو باآسانی عبور کرنے میں

کامیاب ہو گئے۔ پھر وہ لوگ دریا کو پیچھے چھوڑتے ہوئے جنوب کی طرف آگے بڑھ گئے اور ایک ایسے علاقے میں داخل ہو گئے جہاں کے چمن زار ماوراء النہر کے بہترین چمن زاروں سے بھی زیادہ سرسبز اور خوب صورت تھے۔ بہار کے موسم میں وہاں اُگی ہوئی گھاس تیمور کی فوج کے گھوڑوں کے پیٹ کو چھو رہی تھی۔

اگر وہ لوگ اس وقت جنگی سفر کی حالت میں نہ ہوتے تو تیمور اس خوب صورت ترین چمن زاروں کی سرزمین میں چند دن قیام کو کہتا اور گھوڑوں کو وہاں تازہ گھاس چرنے کے لیے چھوڑ دیتا۔ مگر کسی بھی وقت لڑائی چھڑ جانے کے خطرے کے پیش نظر وہ ایسا نہ کر سکتا تھا کیونکہ ہری گھاس کھانے کے لیے کھلا چھوڑنے سے گھوڑے سُستی کا شکار ہو سکتے تھے۔ تیمور اور اُس کے سپاہی پانچ روز تک مسلسل سفر کر کے اس سبزہ زاروں کی سرزمین سے آگے نکل آئے جو دراصل ترکمنوں کی سرزمین تھی۔ اس سفر کے دوران چند مقامات پر کچھ قبائلی سردار تیمور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مویشیوں کے تحفے پیش کیے، جواباً تیمور نے بھی انہیں کچھ تحفے تحائف دے کر رخصت کر دیا۔

جب وہ لوگ اُن وسیع و عریض سبزہ زاروں کو عبور کر کے آگے پہنچ گئے تو زمین کا نقشہ بھی تبدیل ہو گیا اور سبزہ زاروں کی جگہ جنگلات نظر آنے لگے۔ جب وہ لوگ جنگل میں داخل ہوئے تو انہیں بتایا گیا کہ یہ اُس عظیم گھنے جنگل کا آغاز ہے جس کا دوسرا کنارہ دنیا کے آخری سرے پر واقع ہے۔ تیمور فوراً سمجھ گیا کہ یہ بات سچ نہیں ہو سکتی تاہم وہ یہ بھی آگاہی رکھتا تھا کہ اس گھنے جنگل سے گزرنا پُرخطر ہو سکتا ہے کیونکہ اگر کوئی بہت بڑی فوج ایسے گھنے جنگل میں گھات لگائے بیٹھی ہو تو وہ اُسے دیکھ نہ پاتے اور اچانک حملے کا شکار ہو سکتے تھے۔ اسی لیے تیمور نے اپنے ہراول دستے کے سپاہیوں کو انتہائی ہوشیار رہنے کی تاکید کی تھی اور انہیں ہدایت کی کہ اگر وہ کسی مقام پر اپنے اردگرد پر نظر نہ رکھ پائیں تو فوراً کچھ سپاہیوں کو درختوں پر چڑھا کر اردگرد کی صورت حال کی نگرانی کریں اور کسی صورت غافل گیر نہ ہوں۔

بعض اوقات ایک عجیب وغریب آواز سنائی دیتی جو انہیں حیران کر دیتی کیونکہ وہ لوگ جنگلوں سے گزرنے کے عادی نہ تھے۔ مگر کچھ دن تک سفر کرنے کے بعد انہیں اندازہ ہو گیا کہ جنگل میں آوازوں کی بازگشت سنائی دیتی ہے اور یہ عین ممکن ہے کہ جس آواز کی گونج انسان کو چند قدموں کے فاصلے سے آتی محسوس ہو وہ کوسوں دُور سے آ رہی ہو۔

ایک روز تیمور کی فوج ایک ٹیلہ نما جگہ سے گزر رہی تھی، جب تیمور نیچے والے حصے میں تھا تو اُسے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا مگر جب وہ بلند ترین مقام پر پہنچا تو اُس کی نظریں سامنے عظیم سمندر پر مرکوز ہو گئیں۔ وہ تیمور کی زندگی کے ناقابل فراموش نظاروں میں سے ایک نظارہ تھا۔ جہاں تک نظریں دیکھ سکتی تھیں وہاں تک گہرے نیلے رنگ کا پانی پھیلا ہوا تھا جو دُور اُفق میں آسمانوں سے ہم آغوش ہو رہا تھا۔ اُس سمے آسمان بھی نیلے رنگ کا تھا اور سمندر کا پانی بھی، اور دونوں ہی لامحدود نظر آ رہے تھے۔ یہ نظارہ اس قدر حیرت انگیز تھا کہ تیمور آگے سفر جاری رکھنا ہی بھول گیا اور وہیں کھڑا ایک گھنٹہ تک اس حیرت انگیز نظارے میں کھویا رہا۔ تیمور کے دل سے آواز آئی کہ جو کوئی ایسا نظارہ دیکھنا چاہتا ہے جو اسے ہمیشہ یاد رہے تو اُسے "استر آباد" آنا چاہیے اور بحرِ آبسکون کو اس مقام پر دیکھنا چاہیے جہاں سے تیمور نے اُس کا نظارہ کیا تھا! تب اسے معلوم ہوگا کہ دُور اُفق میں سمندر کا نیلا پانی کتنے مسحور کن انداز میں نیلے آسمان سے گلے ملتا ہے اور دونوں کائنات کی وسعتوں میں لامحدود حد تک پھیلے نظر آتے ہیں۔

اس دن تیمور کو پہلی دفعہ احساس ہوا کہ آسمان گنبدی شکل کا ہے، کیونکہ آسمان کے کنارے سمندر کے پانیوں کے ساتھ کسی عظیم گنبد کی طرح ملے ہوئے نظر آرہے تھے۔ مگر جو کچھ تیمور نے محسوس کیا، وہاں موجود دوسرے افسران اور سپاہی ویسا محسوس نہ کر سکے کیونکہ انھوں نے اس عظیم نظارے کو اتنی توجہ نہ دی اور اسے سرسری طور پر دیکھتے ہوئے گزر گئے۔ بہر حال اس علاقے سے نکل کر وہ ایک ایسے مقام پر پہنچ گئے جہاں تیمور کو بتایا گیا کہ اگر کبھی اس کا ارادہ عراق جانے کا ہو تو وہ اس مقام سے جنوب کا رُخ کر کے وہاں پہنچ سکتا ہے۔ وہاں ایک دشوار گزار پہاڑی راستہ تھا جو 8 ہزار پانچ سو فٹ کی اُونچائی پر تھا، یعنی تیمور کو اس طرف جانے کے لیے پہلے اس بلندی پر چڑھنا اور پھر دوسری طرف اُترنا پڑتا تاکہ عراق پہنچ سکے۔ اس وقت چونکہ تیمور کا ارادہ عراق جانے کا نہ تھا لہٰذا اس نے مغرب کا رُخ اختیار کیا۔

اسی لمحے اچانک بارش شروع ہوگئی۔ یہ بارش دیکھتے ہی دیکھتے اس قدر تیز ہوگئی کہ اس نے طوفان نوح کی یاد دلا دی۔ اس بارش کی شدت اور مسلسل برسنے کی وجہ سے تیمور اور اس کے سپاہیوں کو سفر روک کر قیام کرنا پڑ گیا گھوڑوں کو انہوں نے درختوں تلے پناہ دی اور خود بھی گھنے درختوں کے نیچے کھڑے ہو کر بارش رُکنے کا انتظار کرنے لگے۔ مگر وہ موسلا دھار بارش مسلسل چار روز تک جاری رہی اور اس دوران سارا جنگل سیاہی میں ڈوب گیا۔ اگر اس دوران کوئی فوج تیمور اور اُس کے ساتھیوں پر حملہ آور ہو جاتی تو مختصر وقفے میں انہیں نیست و نابود کر سکتی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مسلسل بارش نے اُن لوگوں کی قوت مزاحمت ختم کر دی تھی۔ پھر چار دن کے بعد بارش رُکی، سورج ظاہر ہوا اور پھر دوپہر ہوتے ہوتے اس قدر گرمی بڑھ گئی کہ تیمور اور اس کے ساتھی اپنی قمیضیں اُتارنے پر مجبور ہو گئے۔ تیمور سمجھ گیا کہ اس علاقے میں موسم کی صورت حال ایسی ہے کہ جب تک بارش ہوتی رہے تو ہوا میں خنکی رہتی ہے، لیکن جیسے ہی بارش تھم جاتی ہے اور سورج ظاہر ہو جاتا ہے تو گرمی لگنے لگتی ہے، خواہ سردی کا موسم ہی کیوں نہ ہو۔

بارش تھمنے کے بعد انھوں نے اپنا سفر دوبارہ شروع کیا اور ایسی سرزمین میں داخل ہو گئے جہاں کے مرد انتہائی لمبے قد کے مالک اور گائیں عظیم الجثہ تھیں۔ اس سرزمین کو طبرستان کہا جاتا تھا۔ طبرستان کے مرد اور عورتیں اپنی ساری زندگی جنگل میں بسر کرتے تھے۔ ان میں سے کچھ چاول کاشت کرتے جو سُرخ رنگ کے ہوتے تھے۔ طبرستان کے مردوں کا لباس جانوروں کی کھال پر مبنی تھا اور اُن کے بال بہت لمبے لمبے تھے، ان میں سے ہر ایک کے پاس ایک کلہاڑی تھی کیونکہ جنگل میں انھیں ہر وقت اس کی ضرورت رہتی تھی۔ اس سے درخت گرانے اور جھاڑیوں بھرا راستہ صاف کرنے کے علاوہ جنگلی جانوروں کا مقابلہ کرنے کا کام بھی لیا جاتا تھا۔ جن کے پاس کلہاڑی نہ تھی وہ لاٹھی کی شکل کا سخت لکڑی سے بنا ہوا نوکیلا آلہ اُٹھائے پھرتے تھے۔ ان کا آلہ اس قدر خطرناک تھا کہ وہ اس کی مدد سے ایک ہی وار میں چیتے کو ہلاک کر سکتے تھے۔ شیر اور چیتے طبرستان میں بکثرت ملتے تھے۔ تاہم شیروں کی نسبت وہاں کے جنگلات میں چیتوں کی تعداد زیادہ تھی۔ طبرستان کے کچھ حصوں میں تو اس قدر چیتے پائے جاتے تھے کہ سمرقند میں اتنی بلیاں نہیں پائی جاتی تھیں۔

طبرستان کی عورتیں بھی وہاں کے مردوں کی طرح دراز قامت تھیں۔ وہ گایوں سے باتیں کرتی اور ان پر سواری کرتی تھیں۔ طبرستان میں گایوں سے وہی کام لیا جاتا تھا جو دوسرے ملکوں میں گھوڑوں سے لیا جاتا۔ تیمور نے دیکھا کہ طبرستان کی عورتیں نہ صرف گایوں کے ساتھ باتیں کر سکتی تھیں بلکہ انہیں پرندوں کی بولیوں پر بھی عبور حاصل تھا۔ اور وہ جنگل کے پرندوں سے بھی گفتگو کرتی رہتی تھیں۔ یعنی وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی

طرح حیوانات سے باتیں کر سکتی تھیں۔ طبرستان کے رہنے والوں کی زبان فارسی تھی مگر وہ کچھ عجیب قسم کی فارسی تھی جسے عام فارسی بولنے والے، بشمول تیمور کے، سمجھ نہیں پاتے تھے۔

طبرستان کے رہنے والوں کا یقین تھا کہ وہ دیوؤں کی نسل سے ہیں، اسی لیے وہاں کے تمام امراء کا نام دیو سے شروع ہوتا۔ ان میں سے کچھ اپنے آپ کو "سفید دیو" کی اولاد سمجھتے تھے۔

تیمور کو طبرستان میں داخل ہونے کے بعد احساس ہوا کہ اُن کے لیے بہتر یہی ہے کہ طبرستان کے لوگوں کے ساتھ دوستانہ رویہ اختیار کریں۔ وہ اچھی طرح سمجھ چکا تھا کہ اگر اُن کے اور مقامی لوگوں کے درمیان کسی بھی طرح کی کشیدگی پیدا ہوگئی تو اُن کے لیے بہت بڑی مصیبت کھڑی ہو جائے گی۔ طبرستانی لوگ تیمور کی اتنی بڑی فوج کو دیکھ کر ذرا بھی نہ گھبرائے تھے بلکہ یوں لگتا تھا کہ انہیں تیمور اور اس کی فوج کی قطعاً کوئی پرواہ ہی نہیں۔ اگر تیمور ان لوگوں سے بیر لیتا تو عین ممکن تھا کہ وہ ان جنگلوں میں اس کی فوج کو با آسانی نیست و نابود کر دیتے۔ چنانچہ تیمور نے طبرستان کے اُمراء کو سمجھایا کہ وہ اُن کے علاقے میں جنگ کی نیت سے نہیں آیا بلکہ محض اُن کے ملک سے گزرنے والا ایک مسافر ہے اور اُسے اپنی فوج کے لیے اشیائے خورد و نوش کے سوا کچھ نہیں چاہیے۔ طبرستان کے اُمراء نے اُن کی ضروریات کے مطابق اشیائے خوردنی فراہم کر دیں مگر وہاں چونکہ گندم نہیں پائی جاتی تھی لہٰذا تیمور کے سپاہیوں کو مقامی لوگوں کی طرح سرخ چاولوں پر ہی گزارہ کرنا پڑا۔ سُرخ چاولوں کے علاوہ طبرستان میں گنا بھی بکثرت ملتا تھا۔ مقامی باشندے گنوں کو چھیل کر اُن کا رَس نکالتے اور اسے پکے ہوئے چاولوں میں ملا کر مزے سے کھاتے۔

طبرستان کی گائیں اس قدر بڑی بڑی تھیں کہ اُن سے خوف محسوس ہوتا تھا اور طبرستانی عورتوں کے سوا کوئی اُن کے نزدیک نہیں پھٹک سکتا تھا۔ وہاں کی عورتیں گائیں کی زبان بخوبی سمجھتی تھیں اور ان سے اپنائیت کے ساتھ باتیں کرتی تھیں جبکہ گائیں بھی صرف انہی کا کہنا مانتی تھیں۔ طبرستانی مرد بھی ان گائیوں کے پاس نہیں جا سکتے تھے، بلکہ اگر کبھی کوئی مرد ان گائیوں کے پاس جانے کی حماقت کرتا تو وہ فوراً اس پر حملہ کر کے اُسے ہلاک کر ڈالتیں۔ طبرستان کی قابلِ دید چیزوں میں سے ایک بیلوں کی لڑائی تھی۔ بیلوں کو بھی طبرستانی عورتیں ہی لڑائی کے میدان میں لاتی تھیں کیونکہ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ طبرستان کے مرد گائے بیلوں کے نزدیک نہیں پھٹکتے تھے۔ مقامی عورتیں بیلوں کو بڑی خوب صورتی سے سجا کر لڑائی کے میدان میں لے آتیں، جہاں دو بیل ایک دوسرے پر حملہ آور ہو جاتے۔ کچھ ہی منٹوں میں اُن میں سے ایک زمین پر آ گرتا اور پھر دوبارہ اُٹھنے کے قابل نہ رہتا، اور بعض اوقات دونوں بیل ہی لڑائی میں مارے جاتے۔

طبرستان کے کچھ باشندے دوا فروشی کا کام بھی کرتے تھے۔ وہاں چونکہ طبی جڑی بوٹیاں بکثرت پائی جاتی تھیں اس لیے وہ لوگ ان سے دوائیں تیار کر کے بیچا کرتے تھے۔ ایک بوڑھے نے تیمور کو بتایا کہ طبرستان میں مختلف طرح کی بیس ہزار سے زیادہ جڑی بوٹیاں پائی جاتی ہیں۔ تیمور کو یقین تھا کہ وہ بوڑھا یقیناً مبالغہ آرائی سے کام لے رہا ہے پھر بھی اگر طبرستان میں ایک ہزار قسم کی بھی جڑی بوٹیاں پائی جاتی تھیں تو بھی وہ خطہ دوائیوں کی پیداوار کے لحاظ سے دنیا کا اہم ترین مرکز قرار دیا جا سکتا تھا۔ طبرستان سے ان جڑی بوٹیوں کو خشک کرنے کے بعد عراق برآمد کیا جاتا تھا اور عراق کے مشہور حکیموں کے پاس جو دوائی ہوتی تھی تو وہ دراصل طبرستان سے ہی درآمد شدہ ہوتی تھی۔ مگر یہ بات بھی حیران کن تھی کہ خود طبرستان

کے لوگ ان ہزاروں جڑی بوٹیوں پر دسترس رکھنے کے باوجود انہیں استعمال نہیں کرتے تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ بیمار ہی نہیں پڑتے تھے، سوائے ان علاقوں کے جہاں آب وہوا نامناسب ہوتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جو لوگ اچھی آب وہوا میں رہتے تھے تو اُن کی عمریں بھی بہت طویل ہوتی تھیں۔ طبرستان کے باشندے بعض جنگلوں سے اتنے خوفزدہ تھے کہ وہاں قدم رکھنے کی جرأت نہیں کرتے تھے کیونکہ انہیں یہ خوف تھا کہ وہاں داخل ہوتے ہی انہیں کوئی بیماری جکڑ لے گی اور وہ قبل از وقت مر جائیں گے۔ تیمور اور اس کے سپاہی بھی طبرستانی لوگوں کی طرح ان جنگلوں سے کترا کر نکل گئے جہاں مختلف بیماریوں کا اندیشہ ہو سکتا تھا۔

تیمور جب طبرستان میں واقع ''چہل درہ'' نامی مقام پر پہنچا تو اُسے بتایا گیا کہ اگر ''قصرِ خان'' نامی قلعہ دیکھنا چاہے تو جنوب کی طرف چلا جائے۔ قصرِ خان دراصل ایک بہت بڑا قلعہ تھا جو اسماعیلیہ فرقے کے پیروکاروں کا سب سے بڑا گڑھ سمجھا جاتا تھا۔ یہ وہ قلعہ تھا جہاں تیمور کی آمد سے قریباً سو سال قبل ہلاکو خان نے حملہ کیا تھا اور طبرستان کے اس حصے میں موجود تمام قلعوں کو مسمار کر دیا سوائے ایک قلعے کے اور وہ یہی ''قصرِ خان'' نامی قلعہ تھا جسے ہلاکو خان فتح نہ کر سکا۔

تاہم ایک اور روایت کے مطابق گیارہ سال کے بعد اس قلعہ کے مکین بھوک ننگ کے ہاتھوں مجبور ہو کر تسلیم ہو گئے اور سب کے سب تہ تیغ کر دیئے گئے۔ قصرِ خان اس قدر مضبوط تھا کہ حملہ آور اسے مسمار نہ کر سکے، البتہ اب وہاں کوئی ذی روح آباد نہ تھا۔ تیمور چاہتا تھا کہ قصرِ خان کا وہ قلعہ بذاتِ خود جا کر دیکھے جسے ہلاکو خان بھی فتح نہ کر سکا تھا، مگر وہ اکیلا یا چند افراد کے ساتھ وہاں نہیں جا سکتا تھا کیونکہ اُن کے قتل کیے جانے کا امکان تھا، جبکہ اگر وہ پوری فوج کے ساتھ جاتا تو انھیں ایسی پہاڑی سے گزرنا پڑتا جو بے حد دشوار گزار تھی اور جس کا نام گیلان تھا۔ اس پہاڑی سے گزرنے والے راستے کو سیالہ کہا جاتا تھا جو دراصل انتہائی دشوار اور خم دار تنگ راستہ تھا، جس پر صرف خچر ہی گزر سکتا تھا، تیمور کی فوج جیسا زبردست لشکر وہاں سے ہرگز نہیں گزر سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ تیمور نے قصرِ خان نامی وہ قلعہ دیکھنے کا ارادہ ترک کر دیا جو تین سو سال کی طویل مدت کے بعد بھی اپنی جگہ قائم تھا۔ پھر انہوں نے مغرب کی طرف اپنا سفر جاری رکھا۔

اُن کا راستہ گھنے جنگلوں سے بھرا پڑا تھا اور وہ لوگ پوری احتیاط کے ساتھ ان جنگلوں کو عبور کر رہے تھے، جیسے کہ پہلے کیا کرتے تھے۔ کچھ دنوں کے سفر کے بعد جنگلوں کا سلسلہ ختم ہو گیا اور وہ لوگ ایسی سرزمین میں پہنچ گئے، جس کا نام ''گیلان'' تھا۔ ''گیلان'' کے لوگ طبرستان کے لوگوں سے قطعی مختلف تھے اور ان کا ڈیل ڈول طبرستانی لوگوں کی طرح بلند و توانا نہ تھا۔ یہ لوگ اگرچہ خود کو مسلمان کہتے تھے، مگر ساتھ ہی گیلان میں بہنے والے ایک بہت بڑے دریا ''سفید رود'' کو اپنا خدا مانتے تھے اور اُن کا کہنا تھا کہ اُن کا سب کچھ دراصل اسی دریا کا دیا ہوا ہے۔ بلاشبہ ''سفید رود'' گیلان کا عظیم اور بہت بڑا دریا تھا اور جب وہ لوگ گیلان پہنچے تو دریا کی طغیانی ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔ یہ دریا بحرِ آبسکون کے نزدیک پہنچ کر دس پندرہ شاخوں میں بٹ کر سمندر میں اُتر جاتا تھا۔ گیلان کے بڑے شہروں میں سے ایک ''رشت'' نامی شہر تھا مگر گیلان کا مرکز لاہیجان نامی شہر تھا جو کہ ''سفید رود'' دریا کے مشرق کی طرف واقع تھا۔ لاہیجان سے سمندر کی طرف سفر کیا جاتا تو ایک بندرگاہ پر پہنچا جا سکتا تھا جو کہ گوتم نامی بندرگاہ تھی۔ یہ بحرِ آبسکون کی سب سے بڑی بندرگاہ تصور کی جاتی تھی۔

جب تیمور گوتم نامی بندرگاہ پر پہنچا تو اُس نے دیکھا کہ دوسو سے زائد کشتیاں وہاں لنگر انداز تھیں۔ دنیا کے مختلف کونوں سے کشتیاں وہاں آتی تھیں اور گیلان کی مصنوعات اپنے ملکوں میں لے جاتی تھیں۔ کہا جاتا تھا کہ گیلان میں اس قدر ریشم حاصل ہوتا ہے کہ شاید ساری دنیا کے استعمال کے لیے کافی ہو۔ ریشم کے بعد گیلان کی اہم ترین مصنوعات چاول تھے۔ تیمور نے وہاں خوشبودار لذیذ چاول دیکھے جو اپنے ذائقے میں بے مثال تھے۔ تیمور نے حکم دیا کہ یہ چاول گوتم کی بندرگاہ سے ماوراء النہر بھی بھیجے جائیں تا کہ وہاں بھی انہیں کاشت کیا جا سکے۔

گیلان کی ایک اور بات بھی بے حد اہم اور خاص تھی اور وہ تھیں گیلان کی عورتیں۔ تیمور جیسا انسان جس کے نام سے بڑے بڑے جنگجو تھر تھر کانپنے لگتے تھے اور جس کا رُعب و دبدبہ دنیا کے وسیع علاقے پر پھیلا ہوا تھا، وہ بھی اس سرزمین سے سر پہ پاؤں رکھ کر بھاگنے پر مجبور ہو گیا۔ جس چیز نے اُسے اس بات پر مجبور کیا وہ دراصل گیلان کی نازک اندام اور حسین ترین عورتیں تھیں۔ تیمور نے اس سے قبل دنیا کے کسی خطے میں گیلان جیسی دلربا اور خوبصورت عورتیں نہ دیکھی تھیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ گیلان ایک جنت تھی جہاں حُوریں ہی حُوریں پھیلی ہوئی تھیں تو غلط نہ ہوگا۔ گیلان کی تمام عورتوں کی رنگت دودھ جیسی سفید تھی اور وہ پھولوں جیسی تازگی لیے ہوئے تھیں۔ ان کی آنکھیں اور ابرو سیاہ اور بعض کی آنکھیں نیلے رنگ کی تھیں۔ ان کے سڈول جسم بلا کی کشش لیے ہوئے تھے۔ تیمور کو بتایا گیا کہ ان کی اس قدر سفید رنگت اور خوب صورتی کا راز اس بات میں ہے کہ وہ چاول اور مچھلی کھاتی ہیں مگر تیمور حیران تھا کہ وہاں کی عورتیں تو اس قدر خوبصورت تھیں مگر مرد اتنے خوبصورت نہ تھے بلکہ عام شکل وصورت کے مالک تھے۔ مگر یہ بات بالکل واضح تھی کہ گیلان کی عورتوں میں کچھ ایسی بات تھی جو انہیں دوسری عورتوں سے ممتاز بناتی تھی اور بلاشبہ وہاں کی سب عورتیں بے حد خوب صورت اور بلا کی کشش لیے ہوئے تھیں۔

جب تیمور اپنی فوج کے ساتھ گیلان میں داخل ہوا تو اسی وقت سمجھ گیا کہ اس نے خود اپنے پیروں پر کلہاڑی چلا دی ہے۔ گیلان کے متعلق اسے جو باتیں بتائی گئی تھیں وہ بالکل سچ تھیں۔ اس خطے میں تیمور اور اس کے سپاہیوں کی بربادی کا بے حد "خوب صورت" سامان پوری طرح مہیا تھا۔ جیسا کہ پہلے بھی ذکر آ چکا ہے کہ تیمور نے خدائے بزرگ و برتر سے عہد کر لیا تھا کہ وہ شہروں میں قیام نہیں کرے گا مگر بوقت ضرورت اور وہ بھی مملکت کے انتہائی ضروری نوعیت کے کاموں کے لیے اور تھوڑے عرصے کے لیے۔ تیمور نے خدا سے یہ بھی عہد کیا تھا کہ وہ اپنی بقیہ ساری زندگی فوج کے سپاہیوں کے ساتھ بیابانوں میں بسر کرے گا اور خود کو عیش و آرام کی عادت میں مبتلا نہیں کرے گا اور یہ کہ عورتوں سے صحبت نہیں کرے گا سوائے اُن عورتوں کے جو ماوراء النہر میں اُس کے نکاح میں تھیں۔ تیمور یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ آرام پسندی اور عورتوں کی صحبت جنگجو آدمی کو کمزور بنا دیتی ہے اور بالآخر ذلت و رسوائی کے دھانے پر لا کھڑا کرتی ہے۔

لیکن گیلان کی بے حد خوب صورت عورتیں تیمور اور اُس کے سپاہیوں کے دلوں میں وسوسے ڈال رہی تھیں۔ اگر تیمور اس گھڑی اپنی نفسانی خواہشات کے ہاتھوں مغلوب ہو کر گیلان میں ٹھہرا رہتا تو یقیناً اپنی جنگی مہم جوئی کا راستہ ختم کر بیٹھتا اور اس کے سپاہی بھی سُست اور کاہل ہو جاتے اور اُن کا جنگی جوش و جذبہ بھی یکسر ختم ہو جاتا۔ اسی لیے تیمور نے گیلان میں بے حد مختصر قیام کیا۔ نیز اُس نے سخت فوجی نظم و ضبط بھی قائم رکھا تا کہ اُس کے سپاہی گیلان کی عورتوں کے فریبِ حُسن کا شکار ہو کر اپنا اصل مقصد نہ بھلا بیٹھیں۔ اس مقصد کے تحت تیمور نے اپنی فوجی چھاؤنی ایسے علاقے میں

قائم کی جو گیلان شہر سے کافی دُور تھی اور جہاں سے اُس کے سپاہی گیلان کی عورتوں کا نظارہ کرنے شہر نہ جا سکتے تھے۔

لاہیجان ...... گیلان کا مرکز تھا تاہم اس کا ایک اور شہر "اسپاہ بیدان" بھی بے حد مشہور تھا۔ جب تیمور اسپاہ بیدان نامی اس شہر میں داخل ہوا تو اس نے فوراً یہ بات نوٹ کی کہ وہاں کے مرد، عورتیں اور بچے سب ایک جیسا سفید لباس پہنے ہوئے تھے۔ معلوم ہوا کہ وہاں کے مرد اور عورتیں اپنی پیدائش سے لے کر موت تک سفید لباس کے علاوہ کوئی دوسرا لباس زیب تن نہ کرتے اور سوتے بھی سفید رنگ کے بستروں پر تھے۔ اگر گیلان کو حوروں کی سرزمین کہا جائے تو اسپاہ بیدان اس کا حسین ترین حصہ کہلائے گا۔ اس خطہ میں مرد بھی عورتوں ہی کی طرح خوب صورت تھے اور یوں لگتا تھا جیسے حوروں کے پہلو میں غلمان کی کمی پوری ہوگئی ہے۔ ایک اور بات جو اسپاہ بیدان نامی اس شہر کو خاص بناتی تھی وہ یہ تھی کہ وہاں کے کسی مرد، عورت یا بچے کی آنکھیں سیاہ رنگ کی نہ تھیں بلکہ سب کے سب نیلی خوب صورت آنکھوں والے تھے۔ تیمور کو بتایا گیا کہ شہر کے لوگ غیر علاقوں کے لوگوں سے شادی بیاہ نہیں کرتے اور صرف اسپاہ بیدان کے رہنے والوں کو ہی شریک حیات بناتے ہیں۔ اس طرح کسی غیر نسل کی آمیزش ان کے ہاں نہیں ہو پاتی اور چونکہ تمام مقامی لوگوں کی آنکھیں نیلے رنگ کی ہیں لہٰذا تمام مرد و عورتوں کی آنکھیں آئندہ نسلوں میں بھی نیلی ہی رہتی ہیں۔

تیمور کو یہ بھی بتایا گیا کہ ماضی میں یہاں بہت سے امیر رہا کرتے تھے جنہیں اسپاہ بیدان کے نام سے پکارا جاتا تھا اور شہر کا نام اُنہی کے نام سے مستعار لیا گیا ہے۔ اسپاہ بیدان کے باشندے ریشم کے کیڑے پالتے اور کاروباری مشغلے کے طور پر ریشمی کپڑے تیار کرتے تھے۔ اس شہر میں ڈھونڈے سے بھی کوئی کسان نظر نہیں آتا تھا۔ شہر کے سارے باشندے بشمول عورتوں اور بچوں کے، ریشم کے کیڑے پالتے اور ریشمی کپڑا بنتے نظر آتے تھے۔ تیمور نے خود جا کر حوروں جیسی خوب صورت عورتوں کو کھڈیوں پر کپڑا بنتے دیکھا اور نظارہ کیا کہ وہ کیسے اپنے نرم و گداز ہاتھوں سے انتہائی لطیف اور نازک ریشمی کپڑا بن رہی تھیں۔ تیمور دل ہی دل میں اعتراف کرتا کہ اس خوب صورت اور دیدہ زیب کپڑے کو بننے والی عورت اس کپڑے سے کہیں زیادہ حسین ہے۔ اور ہر بار جب وہ یہ اعتراف کرتا تو اُسے مولانا کا وہ قول یاد آجاتا جو اُنھوں نے اپنی مثنوی میں رقم کیا ہے کہ، "ہمیشہ ایک تخلیق، اپنے تخلیق کار سے زیادہ حسین ہوتی ہے۔" تیمور سوچتا کہ اگر مثنوی کہنے والا زندہ ہوتا تو وہ ضرور اسے اس شہر میں لاتا اور دکھاتا کہ اُس کا مقولہ غلط ہے۔ وہ اسے دکھاتا کہ اسپاہ بیدانی عورتوں کی اُنگلیوں سے تخلیق پانے والا یہ ریشمی کپڑا اگرچہ بے حد خوب صورت اور نازک ہے مگر اس میں اپنی تخلیق کار عورتوں جیسی روح نہیں ہے بلکہ وہ بے جان ہے اور اس کے پاس دیکھنے کے لیے آنکھیں بھی نہیں ہیں، جبکہ اس کپڑے کو بننے والی عورتیں اپنے اندر روح بھی رکھتی ہیں اور کوئی ان کی نیلی آنکھوں کی طرف بھول کر بھی نہ دیکھے، کیونکہ وہ دیکھنے والے کو بے قرار کر دیں گی اور ایک جنگجو انسان جنگ و جدل بھول کر ان کے حُسن کا نغمہ گانے بیٹھ جائے گا۔

تیمور نے سرزمین اسپاہ بیدان میں دو دن سے زیادہ قیام نہ کیا اور اپنی فوج کے ساتھ گیلان سے دُور بھاگنے کے لیے روانہ ہو گیا۔ تیمور کو خوف لاحق تھا کہ اگر وہ وہاں رُکا رہا تو جلد ہی اس کے اندر کی خواہشات، نفس اور ضبط پر قابو پا کر اسے عیش و نشاط میں ڈوبنے پر مجبور کر دیں گی۔ گیلان کے بعد تیمور سرزمین طالش کی طرف روانہ ہو گیا تاکہ ان مردوں کو دیکھ سکے جن کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ بحر آبسکون کے کنارے بسنے والے ملکوں میں سب سے زیادہ طاقتور ہیں۔ تیمور چاہتا تھا کہ ان لوگوں سے ملے اور دیکھے کہ کیا وہ اتنے طاقتور ہیں کہ اُس سے پنجہ لڑا سکتے ہیں۔

جب تیمور سرزمین طالش میں داخل ہوا تو اُس نے خود کو ایک ایسے ملک میں پایا جو بحرِ آبسگون کے کنارے آباد دوسرے ممالک سے قطعی مختلف تھا۔ یہاں کے مرد اور عورتیں بے حد دراز قد اور طاقتور تھے۔ جس موسم میں تیمور نے اُنہیں دیکھا وہ صرف ستر پوشی کی حد تک کپڑے پہنے ہوئے تھے اور تیمور کو بتایا گیا کہ سردیوں کے موسم میں وہ چمڑے سے بنا لباس پہنا کرتے ہیں۔ طالش کے مردوں کی آوازیں اس قدر بلند تھیں کہ اگر اُن میں سے ایک دامن کوہ کی ایک جانب اور دوسرا دوسری جانب کھڑا ہوتا تو بھی با آسانی ایک دوسرے سے گفتگو کر سکتے تھے۔ طالش کی ایک خاص بات وہاں کے بہت بڑے بڑے اور طاقتور کتے تھے۔ طالش کے لوگ ان کتوں پر سامان لادتے اور وہ گھوڑوں کی طرح بار برداری کا کام انجام دیتے۔ طالش میں ہرن بھی بہت زیادہ تھے اور موسمِ سرما میں مقامی باشندے ان ہرنوں سے بھی جنگلوں میں بار برداری کا کام لیتے تھے۔

تیمور نے طالش میں خشم نامی شہر بھی دیکھا جس کا امیر داعی نامی شخص تھا۔ جب داعی نے سُنا کہ تیمور اُس کے شہر میں پہنچ رہا ہے تو وہ اُس کے استقبال کو آیا اور تیمور کے شہر میں داخل ہونے سے پہلے اُس نے تیمور کے قدموں تلے گائے ذبح کی۔ خشم ایک چھوٹا شہر تھا جس میں مکانوں کی چھتیں کافی نیچی تھیں۔ کھانے کا وقت ہونے پر انہوں نے تیمور کو ہرن کا بھُنا ہوا گوشت پیش کیا۔ رات کا کھانا کھا لینے کے بعد تیمور نے داعی سے کہا کہ طالش کے کچھ مضبوط مردوں کو بلائے تا کہ تیمور اُن سے پنجہ آزمائی کر سکے۔

داعی کہنے لگا، ''اے امیر، براہِ کرم اپنا ارادہ بدل دو، کیونکہ اگر تم نے انہیں شکست دے دی تو اس سے تمہاری بڑائی میں کوئی فرق نہیں پڑے گا، لیکن اگر وہ تمہیں ہرانے میں کامیاب ہو گئے تو یہ میرے لیے بے حد شرمناک ہو گا کہ میرے معزز، قابلِ احترام اور عزیز مہمان کو شکست کیوں ہوئی۔''

تیمور نے داعی سے کہا، ''اے نیک آدمی، میرا اصل مقصد صرف اپنا امتحان لینا ہے کہ آیا اب بھی مجھ میں طاقت باقی ہے یا ختم ہو گئی۔'' داعی نے حکم دیا کہ دو طاقتور آدمیوں کو بلایا جائے، چنانچہ جلد ہی دو کشادہ سینے، سڈول بازوؤں اور کسرتی جسم کے مالک مرد وہاں آ گئے۔ ان میں سے ایک کا قد اتنا ہی بلند تھا جتنا کہ خود تیمور کا، جبکہ دوسرا قدرے کوتاہ قد تھا۔ تیمور نے اپنا چوغہ اُتار دیا تا کہ اُسے حرکت کرنے میں مشکل پیش نہ آئے اور نرمی سے اُس آدمی کو آگے بلایا جو اس کے برابر قد والا تھا۔

تیمور نے اس مضبوط بدن والے آدمی سے پوچھا، ''کیا تم میری باتیں سمجھ سکتے ہو؟'' آدمی نے اپنی طالشی زبان میں جو کہ فارسی ہی کی ایک قسم تھی، کہا ''ہاں، میں تمہاری بات سمجھ سکتا ہوں۔'' پھر تیمور نے اُسے کہا، ''مجھے کوئی امیر یا رئیس خیال نہ کرو بلکہ مجھے اپنی طرح کا ایک عام آدمی تصور کرو اور اپنی پوری طاقت سے میری اُنگلیوں کو شکست دینے کی کوشش کرو۔'' پھر تیمور نے اپنے پیروں کو مضبوطی سے جمایا اور اپنی پانچوں اُنگلیاں کھول دیں اور سامنے کھڑے آدمی کی اُنگلیاں اُن میں پیوست ہو گئیں۔ پنجہ کشی میں دونوں حریفوں کو یہ کرنا ہوتا ہے کہ مقابل کے بازو کو دائیں یا بائیں طرف اس طرح موڑ دے کہ اُس کی بازو مقابل کے گھٹنوں تک پہنچ جائے۔ جس شخص کی بازو گھٹنوں تک مُڑ جاتی ہیں اُسے شکست یافتہ سمجھا جاتا ہے۔

تیمور کے مدمقابل نے ہر ممکن کوشش کی کہ اُس کے بازو کو موڑ سکے مگر کامیاب نہ ہو سکا آہستہ آہستہ تیمور دباؤ بڑھاتا گیا اور مقابل کا بازو مُڑنا شروع ہو گیا، وہ زور لگانے کے باعث لمبے لمبے سانس لے رہا تھا، حتیٰ کہ اس کا بازو گھٹنوں تک پہنچ گیا۔ اسی لمحے نعرہ بلند ہوا جو کچھ مقامی

باشندوں اور تیمور کے سپاہیوں نے مل کر بلند کیا تھا۔ جب تیمور نے طالشی آدمی کے ہاتھ کو چھوڑ دیا تو وہ کہنے لگا، ''اے امیر، تم واقعی بہت طاقتور ہو۔'' تیمور نے اس شخص کو سونے کے چند سکے دیئے، جنہیں وصول کر کے وہ بہت خوش ہوا۔

اب تیمور دوسرے آدمی کے ساتھ پنجہ آزمائی کا ارادہ رکھتا تھا، مگر وہ شخص کہنے لگا'' اے امیر، میرا دوست مجھ سے کہیں زیادہ طاقتور ہے، تم نے تو اسے شکست دے دی، لہٰذا یہ صاف ظاہر ہے کہ تم مجھے بھی باآسانی شکست دے دو گے۔ اسی لیے میں تم سے پنجہ آزمائی نہیں کروں گا۔'' تیمور نے اس شخص کو بھی سونے کے سکے عطا کیے اور انہیں روانہ کر دیا۔

تیمور نے طالش میں ایک عجیب چیز یہ دیکھی کہ وہاں ایسے درخت اُگے ہوئے تھے جن پر صرف چند چوڑے اور لمبے پتے لٹک رہے تھے۔ ان میں سے بعض درختوں پر ایسے خوشے لٹک رہے تھے جن میں دو سو سے تین سو سبز رنگ کے پھل نظر آ رہے تھے، یہ پھل کھیرے کی شکل کے لگتے تھے۔ مقامی لوگوں نے بتایا کہ ان درختوں کو شجرہ کہتے ہیں، ان کی عمر ایک سال ہوتی ہے، یہ ایک بار پھل دینے کے بعد مُرجھا جاتے ہیں۔ طالش کے باشندے ان درختوں کے تنے کو بازو کے برابر کاٹ کر اسے زمین میں دبا دیتے ہیں، وہاں ایک اور درخت اُگ آتا ہے اور صرف ایک سال بعد پھل دینے لگتا ہے۔

اٹھارہواں باب

فتحِ بغداد

طالش میں تیمور کا قیام زیادہ طویل نہ تھا کیونکہ اُس کے پاس اتنی فرصت نہ تھی کہ وہیں رُکا رہتا۔ اگر وہ زیادہ دیر تک رُکتا تو موسم تبدیل ہو جانے کا اندیشہ تھا، جس سے مہمات کا موسم گزر جاتا اور اُن کے راستے میں مشکلات کھڑی ہو جاتیں۔ تیمور بغداد پہنچنا اور اس سرزمین کو فتح کرنا چاہتا تھا جسے ہلاکو خان نے فتح کیا تھا، اگر تیمور طالش سے سیدھا بغداد کا رُخ کرتا تو اسے ایسی چٹانوں اور پہاڑیوں کا سامنا کرنا پڑتا، جن سے اتنی بڑی فوج کے ساتھ گزرنا ناممکن تھا۔ چنانچہ وہ واپس مشرق کی طرف روانہ ہوا اور بحرِ آبسگون کے کنارے سفر کرتا گزوین پہنچا اور وہاں سے بغداد کی طرف چل پڑا۔ راستے میں خشم پہنچنے پر تیمور نے وہاں کے امیر داعی سے کہا کہ اُسے جب کبھی ضرورت محسوس ہو تو وہ تیمور کو مدد کے لیے پکار سکتا ہے۔ تیمور نے اُسے یقین دلایا کہ وہ فوراً اس کی مدد کو آئے گا اور اگر اُس کے لیے خود آنا ممکن نہ ہوا تو وہ اپنے سرداروں کو سپاہیوں کے ساتھ اس کی مدد کے لیے روانہ کر دے گا۔ تیمور نے طالش میں دو کبوتر خانے بھی بنوائے، کہ اگرچہ طالش سے کوئی راستہ براہِ راست ماوراء النہر نہیں جاتا تھا مگر کبوتروں کے ذریعے مسلسل رابطہ رکھا جا سکتا تھا۔

پھر تیمور اور اُس کی فوج تیزی سے منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہ بحرِ آبسگون کے کناروں پر سفر کرتے ہوئے جنوب مشرق کی طرف بڑھتے رہے اور پھر شُفت نامی مقامی سے گزر کر گزوین پہنچ گئے۔ شُفت سے گزوین اور وہاں سے کرمانشاہ اور کرمانشاہ سے دجلہ کے ساحل تک اُن کے سفر میں کوئی ایسا واقعہ پیش نہ آیا جو قابلِ ذکر ہو۔ اس راستے میں کئی شہر آباد تھے اور اُن کے امیر یا گورنر جب یہ سُنتے کہ تیمور اپنی فوج کے ہمراہ اُن کے شہر میں آ رہا ہے تو وہ اُس کے استقبال کو آتے اور عزت و تکریم سے اُسے رخصت کرتے۔ تیمور نے اُن میں سے کسی کو اپنی خاطر مدارت پر مجبور نہیں کیا، البتہ اُن سے فوج کے بحفاظت قیام، خوراک اور چارہ کی فراہمی کے انتظامات کا مطالبہ کیا اور اس کے بدلے مناسب قیمت بھی ادا کر دی۔ راستے میں آنے والے امیر نہ تو زیادہ اہم تھے اور نہ ہی بے حد دولت مند، وہ تو تیمور اور اس کی فوج کے لیے ایک دن خوراک اور چارہ فراہم کرنے کے قابل بھی نہ تھے۔ چنانچہ تیمور نے اُن پر واضح کر دیا تھا کہ وہ ایک رات کا کھانا بھی اعزازی طور پر نہ لے گا۔ وہ اُن سے بس یہ مطالبہ کرتا کہ اپنے ملکوں میں کبوتر خانے تعمیر کرنے اور اس کے آدمیوں کو بطور نگران وہاں رہنے کی اجازت دے دیں، جسے وہ بخوشی قبول کر لیتے۔ تیمور کے لیے انھیں یہ بتانا ضروری نہ تھا کہ اگر اُن کی طرف سے اُس کے آدمیوں کو کوئی گزند پہنچی تو وہ اُن کا کیا حشر کرے گا، کیونکہ وہ اُسے بخوبی جانتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ جب اصول کی بات آتی تھی تو تیمور کوئی عذر نہ سُنتا تھا، وہ جانتے تھے کہ جو اُس کا حکم مانتے تھے تو انہیں اُس سے کوئی خطرہ نہ تھا مگر اگر کوئی اس کے خلاف ارادے رکھتا تو تیمور اُن سب کی گردنیں اُڑانے سے گریز نہ کرتا اور اُن کے بیوی بچوں سے وہی سلوک کرتا جیسا کہ جنگی قیدیوں سے روا رکھا جاتا تھا۔

دریائے دجلہ کے کنارے پہنچنے سے تین روز قبل تیمور نے اپنے دو ہراول دستوں کو وہاں بھیجا تا کہ حالات سے آگاہ کر سکیں۔ ایک ہراول دستے نے خبر بھیجی کہ اُسے ایک فوج راستے میں نظر آ رہی ہے۔ معلوم ہوا کہ اُنھیں تیمور کی بغداد آمد کی خبر ہو گئی تھی اور اُنھوں نے اُس کا راستہ روکنے کے لیے یہ فوج روانہ کر دی تھی۔ ہراول دستہ یہ بتانے سے قاصر تھا کہ دشمن کی فوج میں موجود سپاہیوں کی تعداد کتنی ہے، لہٰذا تیمور نے مقامی باشندوں کو بطور جاسوس استعمال کرنے کا فیصلہ کیا۔ تیمور نے دو افراد منتخب کیے، جن میں سے ایک کا نام ابوسعادہ اور دوسرے کا وجیہہ الدین تھا اور وہ دونوں عرب تھے۔ تیمور عربی زبان پر عبور رکھتا تھا مگر بین النہرین کے مقامی لہجے سے ناواقف تھا، لہٰذا اُس نے مترجم کے ذریعے اُن سے گفتگو کی، البتہ کچھ عرصہ وہاں قیام کے بعد تیمور کو مترجم کی ضرورت نہ رہی کیونکہ وہ مقامی لب ولہجے سے بخوبی واقف ہو گیا تھا۔ اگر کوئی شخص عربی سے واقف ہو اور مقامی لب ولہجے پر عبور نہ رکھتا ہو تو بھی وہ تھوڑے ہی عرصے میں اس لب ولہجے سے واقفیت حاصل کر کے خود اس لہجے اور انداز میں عربی بولنے کے قابل ہو سکتا ہے۔

ابوسعادہ اور وجیہہ الدین نے جاسوسی کرنے کی ذمہ داری قبول کر لی اور تیمور نے ان سے کہا کہ وہ اس کا راستہ روکنے والی فوج کے بارے میں پتا کریں کہ اُن کے پاس کتنے گھڑ سوار اور پیادہ سپاہی ہیں، فوج کا سپہ سالار کون ہے اور اس فوج کے پاس کس قسم کے ہتھیار اور آلات ہیں۔ تیمور نے ان دونوں کو پانچ پانچ سو دینار دیئے اور ان سے کہا کہ جیسے ہی وہ متعلقہ معلومات لے کر آئیں گے تو اُنھیں مزید اتنے ہی دینار دیئے جائیں گے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے کام کی نوعیت سے بے خبر تھے، تیمور نے ایسا اس لیے کیا تھا کہ وہ دونوں اُسے دھوکہ دینے یا غلط معلومات فراہم کرنے کی کوشش نہ کریں۔

دونوں عرب جاسوسوں کو ہدایات دے کر روانہ کرنے کے بعد تیمور نے ہراول دستے کو پیغام بھیجا کہ وہ دشمن کی فوج پر شب خون مارنے کی کوشش کریں اور اگر ممکن ہو تو دُشمن کے چند سپاہیوں کو پکڑ لائیں، خاص طور پر دشمن کی فوج کے سرداروں کو، تا کہ اُن کے ذریعے دشمن کی فوج کی طاقت کا اندازہ لگایا جا سکے۔ تیمور مقامی حالات اور علاقائی محل وقوع کے بارے میں بھی معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ تیمور صرف دشمن کی فوج کے حجم اور آلاتِ حرب ہی سے آگاہی کو کافی نہ سمجھتا تھا بلکہ وہ میدان جنگ کی جغرافیائی کیفیت سے آگاہی کو بھی بہت اہم سمجھتا تھا۔ وہ یہ جاننے کی کوشش کرتا کہ اس مقام کی سرزمین کیسی ہے؟، وہاں پر پستی اور بالائی کی کیا کیفیت ہے؟، وہاں کتنے ٹیلے اور پہاڑ موجود ہیں؟، وہاں کتنے دریا ہیں؟ اور ان دریاؤں کی گہرائی کتنی ہے؟، کس دریا کو عبور کرنا ممکن ہے۔ تیمور یہ سب تفصیلی معلومات اس لیے حاصل کیا کرتا تھا تا کہ ابن خلدون کے ذریعے اپنی آپ بیتی میں اُنہیں درج کر سکے۔

میدان جنگ کی کیفیت سے پوری طرح آگاہ ہونا بے حد ضروری تھا، بالخصوص تیمور کے لیے، کیونکہ اس کی فوج سوار سپاہیوں پر مشتمل تھی۔ ایک پیادہ سپاہی کسی بھی جگہ جنگ کرنے اور کہیں سے بھی گزرنے کے قابل ہوتا ہے، مگر سوار فوج ایسی سرزمین پر جنگ نہیں لڑ سکتی جہاں زمین ہموار نہ ہو اور نہ ہی وہ چٹانوں والی سرزمین اور تنگ گزرگاہوں کو عبور کر سکتی ہے۔

افسوس کے تیمور کے ہراول دستے نے دُشمن کی فوج سے دوبار جنگ چھیڑی مگر دونوں بار دُشمن کے سپاہیوں کو پکڑنے میں ناکام رہا اور

جنگ چھیڑنے والے تیمور کے سپاہی مارے گئے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ دشمن کی فوج کا سپہ سالار قابل ہے اور اس کی فوج میں مکمل نظم وضبط قائم ہے ورنہ تیمور کے سپاہی دشمن کی فوج سے ایک دو سپاہیوں کو پکڑنے میں ضرور کامیاب ہو جاتے۔

تیمور کے بھیجے ہوئے جاسوسوں میں سے ایک ابوسعادہ چار دن بعد لوٹ آیا اور اس نے واپس آکر بتایا کہ دشمن کی فوج ایک لاکھ بیس ہزار سپاہیوں پر مشتمل ہے، جس میں سے 15 ہزار سوار ہیں اور فوج کا سپہ سالار خود امیر بغداد ہے۔ تیمور نے فوج کے پاس موجود ہتھیاروں اور دیگر آلات کے بارے میں دریافت کیا تو ابوسعادہ نے بتایا کہ دشمن کے پاس دو سو جنگی ٹھیلے اور اتنی ہی منجنیقیں ہیں۔ سپاہیوں کے پاس تلوار، نیزے، تیر اور کمان کے علاوہ ''پھنکنے'' ہیں۔ تیمور نے اس سے دریافت کیا کہ یہ ''پھنکنا'' کیا شے ہے، ابوسعادہ نے بتایا کہ ''پھنکنا'' ایک لمبا بانس ہوتا ہے جو اندر سے کھوکھلا ہوتا ہے، سپاہی اپنے سانس کی قوت سے اس بانس میں سے پھونکتا ہے اور ایک چھوٹا سا تیر اس بانس میں سے نکل کر دشمن کے سینے میں پیوست ہو جاتا ہے۔ یہ تیر زہر میں بجھا ہوتا ہے اور چند دن میں جب یہ زہر بدن میں پھیل جاتا ہے تو انسان کی آنکھیں کمزور ہو جاتی ہیں اور اس کا جسم مفلوج ہو کر رہ جاتا ہے۔''

اس وقت تک تیمور نے کسی جنگ میں فوجی ٹھیلوں (گاڑیوں) کا سامنا نہیں کیا تھا۔ پہلی بار اس کے خلاف فوجی ٹھیلوں کا استعمال کیا جا رہا تھا۔ ''پھونکنے'' بھی اس کے لیے بالکل نئی چیز تھے۔ تیمور نے ابوسعادہ سے دریافت کیا، ''ان تیروں پر کون ساز ہر لگایا جاتا ہے؟'' ابوسعادہ نے بتایا کہ ''دریائے دجلہ کے کناروں پر ٹھہرے ہوئے پانیوں میں ایک عجیب قسم کی سیپی پائی جاتی ہے، اس سیپی کو اچھی طرح کوٹ کر شیرہ نکال لیا جاتا ہے۔ پھر یہ شیرہ دھوپ میں رکھ کر اسے گاڑھا کر لیا جاتا ہے۔ یہ شیرہ انتہائی زہریلا ہوتا ہے، چنانچہ اسے تیروں کی نوک پر مل لیتے ہیں اور جو بھی انسان ایسے تیروں کا نشانہ بنے تو اس کی دردناک موت یقینی ہوتی ہے۔

اگلے دن دوسرا جاسوس وجیہہ الدین بھی واپس آ گیا، جس نے ابوسعادہ کی بتائی ہوئی معلومات کی تصدیق کر دی۔ اگرچہ دونوں کی معلومات ایک دوسرے سے مطابقت رکھتی تھیں پھر بھی تیمور نے اپنے ہراول دستے کے ذریعے دشمن کی فوج کے بارے میں آگاہی حاصل کی۔ ہر اول دستے نے بھی یہی خبر دی کہ دشمن کی فوج کے سپاہیوں کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ ہے۔

ایک طاقتور فوج کو شکست دینے کے لیے ضروری ہے کہ دو میں سے ایک کام کیا جائے یا تو اس پر بھرپور حملہ کیا جائے اور اپنا بھی نقصان کر کے دشمن کو تباہ کرنے کی کوشش کی جائے یا پھر دشمن کو گھیر کر اس کی پشت پر کاری ضرب لگائی جائے اور ایسے علاقے میں اس پر حملہ کیا جائے جہاں کی زمین دشمن کے لیے سازگار نہ ہو۔ دشمن کی قوت کا صحیح اندازہ لگانے کے لیے تیمور نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ اس پر حملہ کرنے کا ناٹک کریں جبکہ حقیقت میں حملہ کرنے کا ارادہ نہ ہو۔

چنانچہ تین فوجی دستوں نے جن میں سے ہر ایک 5 ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھا دشمن پر حملے کا ناٹک شروع کر دیا۔ یہ دستے دائیں بائیں کے رسالوں اور مرکزی حصوں پر مشتمل ایک مکمل فوج کی صورت میں دشمن پر حملہ آور ہوئے۔ تاہم دیکھتے ہی دیکھتے ان پر اس زور کی سنگ باری کی گئی کہ اُن کی پیش قدمی فوراً رک گئی۔ دشمن کی فوج نے منجنیقوں کے پیچھے پتھروں کی پہاڑیاں بنا رکھی تھیں اور اس کے سپاہی مسلسل پتھروں کو منجنیقوں میں ڈال رہے تھے۔ اسی لیے تیمور کے سپاہیوں پر اس قدر پتھروں کی بارش ہوئی کہ ان کے لیے آگے بڑھنا ناممکن ہو گیا۔ دشمن کی منجنیق سے نکلنے والے

پتھر تیمور کے سوارہ سپاہیوں کا سر کھول دیتے اور وہ مارے جاتے یا ناکارہ ہو جاتے۔

دائیں طرف کے رسالے پر دشمن کے جنگی ٹھیلوں نے چڑھائی کر دی اور یہ انتہائی مہلک اور خطرناک حملہ ثابت ہوا۔ ہر ٹھیلے کے آگے چار گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ دائیں اور بائیں طرف کے گھوڑوں کے پہلوؤں میں دو افقی محور بنے ہوئے تھے جن پر لمبے لمبے اور تیز دھار نیزے جڑے تھے۔ ان نیزوں کی نوکیں گھوڑوں کے بدن سے کافی آگے کو نکلی ہوئی تھیں۔ جب یہ گھوڑے تیزی سے دوڑتے ہوئے آتے تو ان کے پہلوؤں سے جڑے تیز اور نوکیلے نیزے دُور سے ہی تیمور کے سپاہیوں کے بدنوں کے آر پار ہو جاتے، نیزوں اور گھوڑوں کے درمیان لکڑی کی دیوار حائل تھی جس کی وجہ سے تیمور کے سپاہی گھوڑوں کو نشانہ بنانے کے قابل نہ تھے۔ گھوڑوں کو بھگانے والے بھی ایک اور حفاظتی دیوار کے حصار میں تھے اور انہیں حتیٰ کہ تیروں کی مدد سے بھی نشانہ نہیں بنایا جا سکتا تھا۔ اگرچہ بغداد کے یہ جنگی ٹھیلے انتہائی مہلک ہتھیار تھے مگر ان میں ایک خامی تھی، اور وہ یہ کہ انہیں باآسانی روکا جا سکتا تھا، ان ٹھیلوں پر لگے نیزے جب کسی گھوڑے یا سپاہی کے بدن میں اُترتے تو یہ ٹھیلے عین میدانِ جنگ کے درمیان میں رُک جاتے، اس وقت ٹھیلے والا اپنے ٹھیلے کو روکنے اور اس میں پھنسے گھوڑے اور سپاہیوں کو نکالنے کے لیے رُکنے پر مجبور ہو جاتا اور اس دوران اس کا بہت سا قیمتی وقت بھی ضائع ہوتا۔ البتہ جب ٹھیلہ رُک جاتا تو تیمور کے سپاہی گھوڑوں کو اطراف سے نشانہ بنانے میں کامیاب ہو جاتے، مگر ان ٹھیلوں کو روکنے کے لیے کئی سپاہیوں کی قربانی ضروری تھی اور یہ بات تیمور کے خلاف جاتی تھی۔

بائیں طرف سے جب بھی تیمور کے سپاہیوں نے دشمن پر حملہ کیا تو اُنھیں تیروں کی زبردست بوچھاڑ کا سامنا کرنا پڑا۔ ان پر اس قدر تیر برسائے گئے کہ بے شمار سپاہی اور گھوڑے ناکارہ ہو گئے۔ اس حملے سے یہ بات واضح ہو گئی کہ دشمن مضبوط ہے اور اپنے دفاع کے لیے پوری طرح تیار ہے۔ تیمور اگر براہ راست دشمن پر حملہ کرتا تو عین ممکن تھا کہ اس کی فوج نیست و نابود ہو جاتی، چنانچہ اس نے فیصلہ کیا کہ چکر کاٹ کر دشمن کی پشت پر حملہ کیا جائے۔

تیمور نے سوچا کہ یہ ضروری ہے کہ وہ ایک لمبا چکر کاٹے تاکہ دشمن یہ یقین کر سکے کہ اس نے بغداد پر حملے کا ارادہ ترک کر دیا ہے اور واپس چلا گیا ہے۔ تیمور نے اپنے افسروں کو حکم دیا کہ سپاہیوں کو بتا دیں کہ خود کو طویل سفر کے لیے تیار کر لیں جس میں انہیں دن رات سفر کرنا ہے۔ اس طرح کے سفر کا طریقہ پہلے بھی بتایا جا چکا ہے لہٰذا اسے تفصیلاً یہاں بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ تیمور نے سفر کے آغاز کا وقت آدھی رات مقرر کیا اور اسی لمحے ہراول دستے نے دشمن سے رابطہ منقطع کیا اور ان کی فوج سفر کے لیے روانہ ہو گئی۔ حفظ ماتقدم کے طور پر تیمور نے دریائے دجلہ سے فاصلہ برقرار رکھا کیونکہ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو دشمن کی فوج مسلسل اُن پر نظر رکھ سکتی تھی۔ وہ لوگ مسلسل پانچ دن اور پانچ راتوں تک سفر کرتے رہے، حتیٰ کہ بخت النصر نامی دیوار کے پاس پہنچ گئے۔ بعد کے سالوں میں جب تیمور نے شام کا رُخ اختیار کیا اور وہاں کے علماء کی جماعت سے بات چیت کی تو ان علماء کے ساتھ کئی عیسائی پادری بھی تھے جنہوں نے بخت النصر نامی اس دیوار کے بارے میں تیمور کو بہت سی باتیں بتائیں۔

بخت النصر نامی یہ دیوار دراصل دریائے دجلہ اور فرات کے درمیان بخت النصر نامی بادشاہ نے تعمیر کروائی تھی۔ اس دیوار کا ایک سرا مشرق میں دریائے دجلہ کے ساحل اور دوسرا سرا مغرب میں دریائے فرات سے جا ملتا ہے، لہٰذا یہ دیوار بین النہرین کو شمال سے جدا کرتی ہے۔ بخت النصر نے یہ دیوار اس لیے بنوائی تھی کہ بین النہرین کا علاقہ پہاڑی قبائل کی دست اندازی سے محفوظ رہے۔

تیمور جب شام پہنچا تو عیسائی راہبوں نے اُسے بتایا کہ قدیم زمانے میں دیوار بخت النصر کا نام دیوار بابل تھا۔ بین النہرین میں بابل نام کی ایک ریاست تھی جس کا صدر مقام بابل کہلاتا تھا۔ یہ شہر دریائے فرات کے کنارے واقع تھا۔ عیسائی علماء نے بتایا کہ انہوں نے یونانی تاریخ کی کتابوں میں اس حوالے سے پڑھا تھا کہ اس زمانے میں ایران پر سیروس نامی بادشاہ کی حکومت تھی۔ یونانی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ سیروس نے بابل پر حملہ کیا اور دیوار بابل سے گزرنے کے بعد وہاں کے دارالحکومت پر قبضہ کر کے ان تمام یہودیوں کو آزاد کر دیا جو بابل کے قید خانوں میں بند تھے۔

تیمور جب دیوار بابل کے پاس پہنچا تو اس کے زیادہ تر حصے منہدم ہو چکے تھے مگر جو اس وقت تک موجود تھے وہ اتنے مضبوط تھے کہ وہاں سے کسی فوج کا گزر آسان نہ تھا۔ بہر حال تیمور نے اسی مقام پر پڑاؤ کا حکم دے دیا اور یہ بھی حکم دیا کہ دریائے دجلہ کو پار کرنے اور بین النہرین کے علاقے میں داخل ہونے کے لیے پُل باندھا جائے۔ بین النہرین میں گائے کے چمڑے سے بنی ہوئی بڑی بڑی مشکوں سے پُل بنایا جاتا تھا، وہ اس طرح کہ مشکوں کو ہوا سے بھر کر پانی میں چھوڑ دیتے اور ان پر لکڑی کے پھٹے ڈال کر پُل بنا لیتے۔ ایسے پل بڑی تیزی سے تیار ہو جاتے، لیکن ان میں خرابی یہ تھی کہ اگر مشکوں میں چھید ہو جائے اور ان کی ہوا نکل جائے تو پورا پُل بیٹھ جاتا اور اسی لیے مکمل اطمینان کی خاطر لکڑی کا پُل بنانا بہتر تھا۔

تیمور کے سپاہیوں نے تھوڑے ہی عرصے میں ضرورت کے مطابق کشتیاں حاصل کر لیں اور ان پر لکڑی کے تختے ڈال کر پُل بنا لیا۔ پھر وہ لوگ اپنے گھوڑوں کی لگامیں تھام کر پل کو عبور کر گئے۔ دریا کے پار پہنچتے ہی تیمور نے جنوب کی جانب تیزی سے حرکت کا حکم دے دیا۔ تیمور کی فوج کی رفتار اتنی تیز تھی کہ کوئی ان سے آگے نکل کر اُن کی آمد کی اطلاع بغداد تک نہیں پہنچا سکتا تھا۔ صرف کبوتروں کے ذریعے ہی تیز رفتاری سے اطلاع فراہم کی جا سکتی تھی مگر انہیں راستے میں کہیں کوئی کبوتر خانہ بنا نظر نہیں آیا۔ تیمور کی تیز رفتاری کا سبب یہ تھا کہ وہ امیر بغداد کو غافل گیر کرنا چاہتا تھا۔ اُسے علم تھا کہ امیر بغداد کی فوج فی الحال دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے ہے اور اُسے ابھی تیمور اور اس کی فوج کے مغربی کنارے پر پہنچنے کا علم نہیں ہے۔ اگر تیمور کچھ اس طرح بغداد پہنچ جاتا کہ دُشمن کو خبر نہ ہو پاتی تو پھر اسے اپنی فوج مغربی کنارے پر اُتارنے کی مہلت نہ مل سکتی کیونکہ ایک لاکھ بیس ہزار کی فوج کو جنگی ساز و سامان کے ساتھ ایک کنارے سے دوسرے کنارے پر منتقل کرنے میں خاصا وقت لگتا اور جب تک امیر بغداد اپنی فوج کو مغربی کنارے تک لاتا تو تیمور بغداد پر قبضہ کر چکا ہوتا۔ فتح بغداد کے بعد بین النہرین کی کلید تیمور کے ہاتھ میں ہوتی اور پھر اس بات کی کوئی اہمیت نہ رہتی کہ امیر بغداد کی فوج مکمل طور پر تباہ ہوتی ہے یا کہ نہیں۔

اگر فوج کو مسلسل پانی کی ضرورت نہ ہوتی تو تیمور بین النہرین کے مرکزی ریگستانی سے سفر کرنے کو ترجیح دیتا تا کہ کسی کی نظروں میں نہ آ سکتا، مگر انہیں پانی کی ہر لحہ ضرورت تھی، جس نے اُنہیں دجلہ کے کنارے سفر پر مجبور کر دیا تھا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو سپاہی پانی کی کمی اور گھوڑے پیاس کی شدت سے ضرور ہلاک ہو جاتے۔ بغداد سے پانچ فرسخ کی دُوری پر تیمور نے فوج کو پڑاؤ ڈالنے کا حکم دے دیا تا کہ سپاہی اور گھوڑے تھکن دُور کر سکیں۔ تیمور کو یقین تھا کہ اُس نے امیر بغداد کو غافل کر دیا ہے، لیکن اس کے باوجود وہ دُشمن سے مڈبھیڑ ہونے کے امکان کو نظر انداز نہیں کیے ہوئے تھا۔ یہی وجہ تھی کہ تیمور نے سپاہیوں کو مکمل آرام کرنے کی ہدایت کی تا کہ جنگ چھڑنے کی صورت میں وہ تازہ دم ہو کر لڑ سکیں۔ ایسے میں جبکہ تیمور کے سپاہی سو رہے تھے تو ہراول دستے کی طرف سے اطلاع موصول ہوئی کہ دجلہ کے مغربی کنارے پر ایک فوج اُتر رہی ہے۔ تیمور نے فوری طور پر

سپاہیوں کو جگانے اور آگے بڑھنے کا حکم دیا تا کہ امیر بغداد کی فوج کو پوری طرح ساحل پر اُترنے سے پہلے ہی جالے۔

تیمور اگر ذرا بھی تاخیر سے کام لیتا اور بغداد کی فوج دجلہ کے کنارے اُتر جاتی تو تیمور کے لیے بغداد کی فتح دشوار ہو جاتی، یہی وجہ تھی کہ تیمور نے فوری حملے کا حکم دے دیا اور اپنے سرداروں کو حکم دیا کہ لڑائی کا لائحہ عمل دشمن کو صفحۂ ہستی سے مٹانا اور بغداد فتح کرنا ہے، تاہم فتح کے بعد شہر کو غارت کا نشانہ اُس وقت تک نہ بنایا جائے جب تک کہ تیمور کی طرف سے اس کا حکم جاری نہ ہو۔ ایسا حکم جاری ہونے پر بھی چار مقامات پر قطعی ہاتھ نہ ڈالا جائے، اول جوہر فروشی کی دکانیں، دوئم تلوار اور خنجر بنانے کے کارخانے، سوئم ریشمی کپڑا بُننے کی کھڈیاں اور چہارم کاٹھیاں بنانے کی دُکانیں۔ تیمور نے سُن رکھا تھا کہ دُنیا کے بہترین جواہر ساز بغداد میں رہتے ہیں اور یہ کہ وہاں دُنیا کی سب سے اعلیٰ تلواریں اور خنجر دستیاب ہیں، جو کپڑا بغداد میں بُنا جاتا تھا اس کی خوب صورتی کا چرچا ہر طرف تھا اور وہاں بننے والی کاٹھیاں تو اپنی مثال آپ تھیں۔

تیمور چونکہ ہمیشہ سے صنعت کاروں کی قدر کیا کرتا تھا لہٰذا نہ چاہتا تھا کہ بغداد میں داخل ہونے کے بعد اس کے سپاہی وہاں کے صنعت کاروں کو گزند پہنچائیں۔

بہر حال جب دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا تو تیمور کے سپاہیوں نے اس قدر دباؤ ڈالا کہ مغربی کنارے پر اُترنے والی بغداد کی فوج ایک گھنٹے کے اندر اندر تتر بتر ہو گئی اور تیمور اور اُس کی فوج کے لیے بغداد جانے کا راستہ ہر قسم کی رکاوٹ سے صاف ہو گیا۔ تیمور نے فوج کا کچھ حصہ دجلہ کے کنارے چھوڑا اور خود بقیہ فوج کے ساتھ بغداد کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب تیمور بغداد کی طرف بڑھ رہا تھا تو اپنے ذہن میں ان معلومات کو ٹٹولنے لگا جو اس نے مختلف کتابوں وغیرہ میں پڑھی تھیں۔ اس وقت تک بغداد کو عباس خلیفہ المنصور کے ہاتھوں تعمیر ہوئے 641 برس بیت چکے تھے۔ تیمور جب بغداد میں داخل ہوا تو اس کے گرد حفاظتی دیوار موجود نہ تھی حالانکہ ماضی میں یہ شہر چار دیواری میں محصور تھا۔ سن 656ھ میں چنگیز خان کے بیٹے ہلاکو خان نے بغداد کی حفاظتی دیوار کو مسمار کر دی تھی اور آخری عباسی خلیفہ کو بھی موت کے گھاٹ اُتار دیا تھا۔

تیمور کو معلوم ہوا تھا کہ بغداد کا پہلا نام شہر مدور تھا یعنی ایسا شہر جو دائرے کی شکل کا ہو۔ اس شہر کی بنیاد المنصور نے 145ھ میں رکھی تھی اور اس وقت اس شہر کے چار بڑے دروازے تھے جو باب بصرہ، باب کوفہ، باب شام اور باب خراسان کے نام سے مشہور تھے۔

خلیفہ المنصور کے بعد شہر پھیلتا گیا اور اس کا نام بغداد رکھ دیا گیا۔ شہر کا قبرستان مغربی حصے میں واقع تھا۔ قبرستان ایسے حصے میں تھا جسے دریائے دجلہ کے دونوں اطراف سے گھیر رکھا تھا۔ ایرانی اس قبرستان کو کاظمین کے نام سے پکارتے تھے کیونکہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی اولاد میں سے کاظم نام کے دو فرزند یہاں استراحت فرما ہیں۔

لوگ بغداد کو محلات کا شہر کہا کرتے تھے مگر جب تک تیمور نے خود اس شہر کو نہ دیکھا تھا وہ تصور بھی نہ کر سکتا تھا کہ محلات کا شہر کیسا ہوگا۔ جب تیمور نے بغداد میں داخل ہونے کے بعد ایک نسبتاً اونچی جگہ کھڑے ہو کر شہر پر نظر ڈالی تو اُس نے دیکھا کہ دریائے دجلہ دونوں اطراف میں تا حد نگاہ محل ہی محل ایستادہ تھے۔ یہ محلات عباسی دورِ خلافت کے دوران تعمیر کروائے گئے تھے۔ کیونکہ عباسی خلفاء کے دور میں بغداد 511 برس تک اسلامی دنیا کا دارالحکومت رہا تھا۔

جب کوئی گورنر (کسی بھی حکومت کا) سبکدوش ہو کر بغداد واپس آتا تو یہاں اپنے لیے ایک محل تعمیر کروالیتا اور یہ محل اس کی اولاد کو نسل در نسل منتقل ہوتا رہتا۔ دریائے دجلہ کے دونوں طرف اس قدر محلات تعمیر کیے گئے تھے کہ ان کا سلسلہ قدیم شہر مدائن تک پھیل گیا تھا۔ بغداد اور مدائن کے درمیان قریباً 42 کلومیٹر کا فاصلہ تھا اور بغداد کے محلات میں استعمال ہونے والا کچھ تعمیراتی مواد مدائن سے لیا گیا تھا۔

بغداد کے ہر محل کا رنگ دوسرے سے مختلف تھا، اگر کوئی شخص کسی بلند مقام پر کھڑا ہو کر طلوع یا غروب آفتاب کے وقت بغداد کے محلات کا نظارہ کرتا تو اُسے یوں لگتا کہ جیسے یہ محلات نہیں بلکہ رنگارنگ موتی بکھرے ہوئے ہوں۔ ان محلات میں سے کچھ کی تعمیر میں سفید یا زرد رنگ کا چمکدار پتھر استعمال کیا گیا تھا اور یہ پتھر عراق، فارس، کرمان اور یزد سے منگوا کر عمارت کی مضبوطی کے لیے استعمال کیا گیا تھا۔

بغداد میں داخل ہوتے ہی تیمور نے اپنے سپاہیوں کو آرام کرنے کی ہدایت کر دی تھی۔ اُسے بخوبی علم تھا کہ دجلہ کے مشرقی کنارے ایک فوج موجود ہے اور عین ممکن تھا کہ اس فوج اور اُس کے سپاہیوں کے درمیان خوف ناک جنگ چھڑ جاتی۔ اس فوج کا راستہ روکنے کے لیے ضروری تھا کہ تیمور کے سپاہی آرام کر لیتے۔ وہ ایک طویل اور مسلسل سفر کے بعد یہاں پہنچے تھے اور تھکے ہوئے تھے۔ تیمور، امیر بغداد کو دریائے دجلہ پار کرنے کی اجازت ہرگز نہ دیتا مگر عین ممکن تھا کہ امیر بغداد بھی وہی کام کرتا جو تیمور نے کیا تھا اور دریا پار کر کے اُن کے سر پہ پہنچ جاتا۔ یہی وجہ تھی کہ تیمور نے اپنے سپاہیوں کو آرام کرنے کی اجازت دے دی تھی کہ ایک اور جنگ چھڑنے کی صورت میں وہ تازہ دم ہو کر دشمن کا مقابلہ کر سکیں۔

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ تیمور نے اپنی فوج کے ایک حصے کو دریائے دجلہ کے کنارے ہی چھوڑ دیا تھا تا کہ وہ امیر بغداد کو دریائے دجلہ عبور کرنے اور مغربی کنارے تک پہنچنے سے روک سکے۔ قراگوز نامی ایک افسر اس فوجی دستے کا کمانڈر تھے جسے تیمور نے یہ ذمہ داری سونپی تھی۔ قراگوز ایک چھوٹے قد اور چوڑے کندھوں والا شخص تھا۔ اُس نے تیمور کی فوج میں ایک عام سپاہی کی حیثیت سے شمولیت اختیار کی تھی، مگر مختلف جنگوں میں اُس کی دلیری اور شجاعت کے کارنامے دیکھ کر تیمور نے اُسے ترقی دے کر اپنے سرداروں میں شامل کر لیا تھا۔ چونکہ قراگوز جانتا تھا کہ اُس کی دولت اور کامیابی کا سبب تیمور ہے، لہٰذا وہ تیمور کا انتہائی وفادار اور جاں نثار افسر تھا۔ تیمور کو بغداد میں خبر ملی کہ قراگوز کے آدمیوں اور دشمن کی فوج کے درمیان دریائے دجلہ کے کنارے خوفناک جنگ چھڑ چکی ہے۔ قراگوز نے تیمور کو پیغام بھیجا تھا کہ اُس کا دھیان رکھے اور اگر ممکن ہو سکے تو اس کی مدد کرے۔

قراگوز اور اُس کے گھڑ سوار ساتھی دریائے دجلہ کے مغربی کنارے موجود تھے جبکہ امیر بغداد اور اُس کی فوج دریا کے مشرقی طرف تھی، مگر یوں لگتا تھا کہ امیر بغداد اپنے سپاہیوں کو کسی طرح دریا کے پار پہنچانے میں کامیاب ہو چکا تھا اور دجلہ کے مغربی کنارے پہنچ گیا تھا، اسی لیے قراگوز نے تیمور کو مدد کے لیے پیغام بھیجا تھا۔ عین ممکن تھا کہ امیر بغداد نے فوراً پل کی تعمیر کا کام بھی شروع کر دیا ہوتا کہ اپنی بقیہ فوج کو بھی دریا کے پار پہنچا سکے۔ تیمور کو پتہ تھا کہ امیر بغداد کے پاس 15,000 گھڑ سوار تھے اور یقیناً یہ لوگ قراگوز کی نظروں سے اوجھل ہو کر دریا عبور کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ تیمور کو یہ بھی پتہ تھا کہ دریائے دجلہ میں پانی کی سطح بے حد بلند تھی اور یہ ممکن نہ تھا کہ امیر بغداد اور اُس کے سپاہی دریا کے پانی میں اُتر کر دوسری طرف پہنچ پاتے، اگر ایسا ممکن ہوتا تو تیمور ہرگز اپنے سپاہیوں کے ساتھ اس قدر طویل سفر کی تھکان نہ اُٹھاتا۔ اگرچہ گھوڑے اچھے تیراک ہوتے ہیں مگر وہ اتنے زیادہ پانی میں تیزی سے حرکت نہیں کر سکتے کیونکہ ایسی صورت میں دریا کا پانی انہیں بہا کر کہیں کا کہیں لے جائے گا۔ تیمور نے خود سے کہا، امیر

بغداد نے دریائے دجلہ کو یقیناً اسی طرح عبور کیا ہے جیسا کہ اُس نے خود کیا تھا، یعنی اُس نے کسی جگہ پُل تعمیر کیا اور اپنے سپاہیوں کو اُس کے پار اُتار دیا۔ اور اب جبکہ اُس کے کچھ سپاہی تیمور کی فوج سے لڑائی میں مصروف تھے تو یقینی طور پر بقیہ فوج پُل سے گزر کر اُن پر حملہ آور ہونے والی تھی۔

بغداد میں داخل ہونے کے بعد تیمور نے امیر بغداد کے بہت سے رشتے داروں اور افسروں کے عزیز و اقارب کو گرفتار کر لیا تھا تا کہ ضرورت پڑنے پر اُنہیں استعمال کر سکے۔ چنانچہ قرا گوز کی مدد کے لیے روانہ ہونے سے پہلے تیمور نے اُسے پیغام بھیجا کہ وہ امیر بغداد کو یہ پیغام پہنچا دے کہ اگر اُس نے اپنے حملے بند نہ کیے تو تیمور اُس کے تمام عزیز و اقارب کو قتل کرا دے گا۔ گرفتار ہونے والوں میں امیر بغداد کے دو بیٹے اور تین بیٹیاں بھی تھیں۔ امیر بغداد کے افسران کے بیٹے بیٹیاں بھی گرفتار شدگان میں نمایاں تھے اور تیمور نے واضح پیغام بھجوایا کہ اگر امیر بغداد نے جنگ جاری رکھی تو وہ ایک ایک کر کے اُن سب کو قتل کر دے گا۔ جب امیر بغداد نے یہ سُنا کہ اُس کے تمام عزیز و اقارب جنگ جاری رہنے کی صورت میں مارے جائیں گے تو وہ دل ہار بیٹھا، یہی حالت اس کے افسران کی ہوئی، جن کے بچے تیمور کے قبضے میں تھے۔ امیر بغداد نے فوراً اپنا ایک نمائندہ قرا گوز کے پاس امن کی شرائط طے کرنے کے لیے بھیج دیا۔ تیمور نے امن کے لیے مذاکرات کا کام قرا گوز پر چھوڑا اور خود شہر کی نگرانی کرنے کے کام میں مصروف ہو گیا کیونکہ عین ممکن تھا کہ امن مذاکرات ایک فریب ہوں اور اصل مقصد ان میں اُلجھا کر کسی اور طرف سے حملہ کرنا ہو۔

اگر چہ تیمور شہر کی حالت سے پوری طرح باخبر تھا اور ہرگز غافل نہ تھا، مگر وہ یہ بھی جانتا تھا کہ دُشمن کو اتنا مایوس نہ کرنا چاہیے کہ وہ بالکل مایوس ہو کر سب کچھ تیاگ دینے پر تیار ہو جائے اور اپنے بال بچے کو بھی بھول کر جان کی بازی لگا دے۔ تیمور نے اپنے سردار قرا گوز کے ذریعے امیر بغداد کو پیغام بھجوایا کہ جنگ بندی اسی صورت ممکن ہے کہ وہ اپنے سپاہیوں کو غیر مسلح کر دے، جب اُس کے سپاہی ہتھیار پھینک دیں گے اور اُسے یقین ہو جائے گا کہ امیر بغداد کے پاس کوئی فوج نہیں رہی تو وہ تمام گرفتار شدگان کو رہا کر دے گا تا کہ وہ امیر بغداد اور دیگر افسران سے جا ملیں اور پھر اس کے بعد وہ امن سے متعلق دیگر معاملات طے کر لیں گے۔

امیر بغداد نے اس کے جواب میں کہلا بھیجا کہ وہ اپنے سپاہیوں کو غیر مسلح کرنے پر تیار ہے بشرطیکہ اُسے بغداد کے تمام شہریوں کے محفوظ ہونے کی ضمانت دی جائے۔ تیمور نے جواب دیا کہ ''اگر تم اور بغداد کے شہری مجھے خراج دینے پر تیار ہو تو نہ صرف میں بغداد شہر اور اُس کے تمام شہریوں کے محفوظ رہنے کی ضمانت دیتا ہوں بلکہ یہ بھی عہد کرتا ہوں کہ میں شہر سے نکل جاؤں گا اور تم بدستور امیر بغداد رہو گے اور اپنی حکمرانی جاری رکھ سکو گے۔''

امیر بغداد نے پوچھا، ''کیا میں جان سکتا ہوں کہ بغداد اور اپنی رعایا کی سلامتی کے لیے مجھے کیا خراج دینا ہو گا؟'' تیمور نے جواب دیا، ''میں تم سے عادلانہ خراج چاہتا ہوں اور تمہاری اور تمہاری رعایا کی صرف نصف دولت پر اکتفا کروں گا جبکہ بقیہ نصف تم لوگوں کے پاس رہے گی۔ میری نظر جواہرات پر ہرگز نہیں، جس کے پاس جواہرات ہیں وہ آزادی سے اُنہیں اپنے پاس رکھ سکتا ہے اور اُس سے کوئی زبردستی نہیں کی جائے گی۔''

تیمور جانتا تھا کہ امیر بغداد اور شہر کے لوگوں کے پاس موجود سونے چاندی کا صحیح حساب لگانا بے حد مشکل کام تھا۔ جب لوگوں کو پتہ چلتا کہ اُنھیں اپنی آدھی دولت اور سونا چاندی خراج کے طور پر دینا ہو گا تو وہ یقیناً اُسے چھپانے کی کوشش کرتے، لہٰذا یہ ضروری تھا کہ اُنہیں غصے اور سزا کے ڈر سے یہ بتانے پر مجبور کیا جاتا کہ اُنھوں نے اپنا مال و زر کہاں چھپایا ہے؟۔ اسی لیے تیمور نے یہ عمومی شرط رکھی تا کہ تفصیلات کو بعد میں طے کر

سکے۔ امیر بغداد نے دریافت کیا، ''تم خراج وصول کرنے کے بعد کیا کرو گے؟'' تیمور نے جواب میں کہا، ''خراج وصول کرنے کے بعد میں شہر کا قبضہ چھوڑ دوں گا۔'' امیر بغداد نے پوچھا، ''اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تم اس معاہدے کی پاسداری کرو گے؟ میری فوج کے ہتھیار پھینکنے کے بعد اگر تم نے معاہدے کی پاسداری نہ کی تو میں کیا کر پاؤں گا؟'' تیمور نے جواباً کہا، ''میں حافظِ قرآن ہوں اور اب قرآن کی قسم کھا کر کہتا ہوں جو میرے سینے میں محفوظ ہے کہ اگر تم نے اپنے سپاہیوں کو غیر مسلح کر دیا تو میں گرفتار شدگان کو آزاد کر دوں گا۔ اور اگر تم نے اور شہر کے لوگوں نے اپنی نصف دولت میرے حوالے کر دی تو میں شہر کو لوٹنے سے ہاتھ کھینچ لوں گا اور اپنی فوج سمیت بغداد سے نکل جاؤں گا۔''

تیمور کا اصول تھا کہ جب کوئی شکست خوردہ سلطان امن کی درخواست کرتا اور خراج ادا کرنے کو تیار ہوتا تو وہ حکومت واپس اُس کے حوالے کر دیتا، خاص طور پر اُن ملکوں میں جہاں کا شاہی سلسلہ بہت پرانا ہو۔ اُس کا ماننا تھا کہ جب کوئی فاتح سلطان ایسے شکست خوردہ سلطان کو جو خراج بھی ادا کرنے کو تیار ہو امان دینے پر راضی نہ ہو تو ایسا شکست خوردہ سلطان اُس فاتح سلطان کے لیے کبھی نہ کبھی مشکلات کھڑی کرنے کا سبب بن جاتا ہے۔ ان مشکلات میں سے ایک مشکل یہ ہو سکتی ہے کہ اس ملک میں جس کا سلطان شکست خوردہ ہو حالات قابو میں رکھنے کے لیے مستقل نگران فوجی دستے تعینات کرنا پڑتے ہیں اور اس نگران فوج کو اپنے ملک سے مسلسل سامان بھی پہنچانا پڑتا ہے۔ اگر اس نگران فوج سے مسلسل رابطہ نہ رکھا جائے تو ایسا زخم خوردہ سلطان اپنے عوام کے ساتھ کسی بھی وقت بغاوت کر سکتا ہے کیونکہ عوام ایسے بادشاہ کے ساتھ وفادار ہوتے ہیں۔ ایک اور مشکل یہ ہوتی ہے کہ ہر ملک کے اپنے رسم و رواج اور مزاج ہوتا ہے۔ اگر فاتح سلطان، شکست کھانے والے کو امان نہ دے تو اُسے اپنے ملک کے رسم و رواج اس شکست خوردہ ملک پر مسلط کرنا پڑتے ہیں، یہ ایک طویل اور مشکل کام ہے کیونکہ کسی ملک کے رسم و رواج اور عادات و اطوار کو تبدیل کرنے کے لیے سینکڑوں برس بھی ناکافی ہو سکتے ہیں۔ چند ہفتوں یا مہینوں میں تو ایسا کرنا بالکل ہی ناممکن ہے۔

ایک فاتح سلطان شکست خوردہ بادشاہ سے خراج سے زیادہ کیا طلب کر سکتا ہے، اور اس سے بہتر کیا بات ہو سکتی ہے کہ شکست خوردہ بادشاہ از خود خراج دینے پر آمادہ ہو، بجائے اس کے کہ فاتح سلطان کو زبردستی عوام سے خراج وصول کرنا پڑے۔ اگر ایک فاتح سلطان شکست خوردہ بادشاہ کو امان دیدے اور اس کی بادشاہت باقی رہنے دے، تو اُسے بغیر کسی حیل و حجت کے فتح کے تمام تر ثمرات حاصل ہو جائیں گے۔ اس طرح وہ بادشاہ بھی اُس سے راضی ہو جائے گا اور اُس کی عوام بھی، لہٰذا شکست کھانے والے بادشاہ کو امان دے دینی چاہیے، خاص طور پر اگر وہ قابل بھی ہو۔

تیمور نے امیر بغداد کو ایک قابل انسان پایا تھا اور اُس کے نزدیک وہ اس بات کا اہل تھا کہ اُسے اُس کی حکومت واپس کر دی جاتی۔ امیر بغداد نے اپنی فوج کو غیر مسلح کر دیا، اس کے سپاہیوں میں کچھ دُور دراز قبائل کے لوگ تھے جو واپس اپنے قبائل کو لوٹ گئے۔

جب تیمور کو اطمینان ہو گیا کہ امیر بغداد کے پاس اب کوئی فوج باقی نہیں رہی تو تیمور نے گرفتار شدگان کو رہا کر دیا۔ امیر بغداد کے بیٹے اور بیٹیاں اُس سے جا ملے اسی طرح دیگر فوجی افسران کے عزیز و اقارب بھی اُن کے پاس پہنچ گئے۔ اب خراج کی وصولی کا وقت آن پہنچا تھا، تیمور نے امیر بغداد سے کہا، جسے اب تک اُس نے بالمشافہ نہ دیکھا تھا، کہ وہ خود بغداد کے عوام سے نصف دولت وصول کر کے اُس کے حوالے کر دے۔ اُسے سب سے پہلے اپنے خزانے میں سے نصف حصہ تیمور کو دینا تھا۔

تیمور نے امیر بغداد کو دولت وصول کرنے کا کام اس لیے سونپا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ امیر بغداد شہر کے تمام لوگوں سے بخوبی واقف ہے اور جانتا ہے کہ کس کے پاس کتنی دولت ہے۔ ہر شہر میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن کے پاس سونا چاندی نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی، تیمور ایسے لوگوں سے ہرگز زبردستی نہ کرتا تھا۔ بغداد میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جن کی ملکیت میں باغات، کشتیاں اور پن چکیاں تھیں مگر سونا چاندی نہ رکھتے تھے، تیمور نے ایسے لوگوں سے بھی کچھ طلب نہ کیا کیونکہ نہ تو اُس کا ارادہ باغبانی کرنے کا تھا اور نہ اُسے چکی چلانے کا شوق تھا۔ امیر بغداد کے خزانے کی ہر چیز دفتروں میں درج تھی لہٰذا وہ کسی چیز کو چھپا نہیں سکتا تھا، اُس نے اپنے خزانے میں موجود سونے چاندی کا نصف تیمور کے حوالے کر دیا۔

لیکن جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ مقامی لوگوں کے پاس موجود سیم و زر کی مقدار کا اندازہ کسی کو نہ تھا، اور یہ عین ممکن تھا کہ وہ لوگ مال و زر کو چھپانے کی کوشش کرتے تا کہ اُنھیں نصف مال تیمور کو نہ دینا پڑے، اسی لیے تیمور نے سپاہیوں کو اس کام پر مامور کیا کہ ایسے لوگوں کو سختی کر کے مجبور کریں کہ وہ حقیقی مقدار مال کو ظاہر کریں اور یہ بتائیں کہ اُنھوں نے اپنا مال کہاں چھپا رکھا ہے۔ تاہم اس طریقے میں منفی پہلو یہ تھا کہ نہ صرف جبر و تشدد سے کام لینا پڑتا بلکہ وقت ضائع ہونے کے ساتھ ساتھ مثبت نتائج برآمد نہ ہونے کے امکانات بھی تھے۔ یہی وجہ تھی کہ تیمور نے امیر بغداد کی یہ تجویز قبول کر لی کہ وہ خود اپنے باشندوں کی طرف سے سیم و زر کی درست مقدار میں فراہمی یقین کرے گا۔ تیمور کو امیر بغداد کی تجویز معقول لگی اور اُس کے بہتر نتائج برآمد ہونے کی اُمید تھی۔ تیمور نے اپنی زندگی میں بے شمار شہروں کو مسمار کیا تھا، اس نے مغلوب شہروں کے ہزاروں باشندوں کو تہ تیغ کیا تھا اور اُن کے سروں کے مینار بنوائے تھے۔ وہ جب کسی شہر میں قتل عام کا حکم جاری کرتا تو اس شہر کی ساری گلیاں اور بازار اس شہر کے باشندوں کے خون سے سُرخ ہو جاتے، لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ جب کسی شہر کے باشندے اُس سے امان طلب کرتے اور مزاحمت کیے بغیر تسلیم ہو جاتے، تو تیمور اُنھیں گزند تک نہ پہنچاتا، خاص طور پر اگر وہ اسلام کے پیروکار ہوتے۔ دراصل وہ جانتا تھا کہ اُس جیسے انسان کو جس کی تلوار کے خوف سے مشرق و مغرب کانپتے ہیں، اعلیٰ ظرفی اور بہتر نتائج کے لیے سمجھداری کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ اسی لیے تیمور نے یہ فیصلہ کیا چھ ماہ تک بغداد کے باشندوں کو زدو کوب کر کے چھپی ہوئی دولت فراہم کرنے پر مجبور کرنے کے بجائے جلد بڑی کامیابی یعنی اگلی مہمات پر روانہ ہو جائے۔

ایک روز امیر بغداد نے بتایا کہ شہر کے تمام لوگوں سے خراج وصول کرنے کا کام مکمل ہو گیا ہے اور کوئی شخص ایسا نہیں بچا کہ جس سے خراج وصول نہ کیا گیا ہو۔ امیر بغداد کی طرف سے بطور خراج دیئے گئے سونے کی مقدار 27,500 کلوگرام اور چاندی کی مقدار 60,000 کلوگرام تھی۔ سونا چاندی کے علاوہ قیمتی سکے اور زیورات و ظروف بھی اس خراج کا حصہ تھے۔ چونکہ سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا حرام ہے لہٰذا تیمور نے حکم دیا کہ ایسے تمام ظروف کو پگھلا کر سکّوں میں ڈھال دیا جائے۔

جب خراج کی وصولی کا کام مکمل ہو گیا تو تیمور نے بغداد سے نکلنے کا ارادہ کیا، اس پر امیر بغداد نے اسے ایک ضیافت میں شریک ہونے کی دعوت دی۔ تیمور نے دعوت قبول کر لی اور اپنے چند سرداروں بشمول قراگوز کے ہمراہ امیر بغداد کی ضیافت میں شریک ہوا۔ ضیافت کے اختتام پر کچھ عربی کنیزیں محفل میں داخل ہوئیں اور رباب و چنگ کی دھنوں پر تھرکنے لگیں۔

تیمور نے امیر بغداد سے دریافت کیا، ''ان عورتوں کو تم نے اپنی تفریح طبع کے لیے محفل میں بُلایا ہے یا کہ میرے لیے؟'' امیر بغداد سرگوشی کے

انداز میں کہنے لگا،" اے امیر، میں نے انہیں صرف تمہاری خوشنودی کے لیے بلایا ہے، تم ان میں سے جس کو اشارہ کرو گے، تمہارے حوالے کر دی جائے گی۔" تیمور نے کہا،" مجھے ان کی ہرگز ضرورت نہیں، ان سے کہو کے محفل سے چلی جائیں کیونکہ مجھے ناچ دیکھنے یا رباب و چنگ سننے میں کوئی دلچسپی نہیں۔"

امیر بغداد بے حد حیران ہوا اور پوچھنے لگا،" اے امیر، کیا تم واقعی موسیقی سننے میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتے اور کیا واقعی تمہیں ان سنہرے بدنوں والی عورتوں کو دیکھنے میں کوئی دلچسپی نہیں؟" تیمور نے جواب دیا،" بالکل نہیں، میں ان چیزوں سے توبہ کر چکا ہوں اور عہد کر چکا ہوں کہ خود کو ان لغویات میں مبتلا ہونے نہیں دوں گا۔ جس دن سے میں نے توبہ کی ہے اور عہد کیا ہے، اُس دن سے اب تک میں اس پر مکمل طور پر عمل پیرا رہا ہوں اور اپنا عہد کبھی نہیں بھلا اور مجھے اُمید ہے کہ اپنی آخری سانس تک اس عہد پر قائم رہوں گا۔"

امیر بغداد نے اُسی وقت کنیزوں کو چلے جانے کا حکم دے دیا اور اس کے ایک یا دو گھنٹے بعد تیمور نے بھی وہاں سے رخصت ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ امیر بغداد نے اسے رخصت کرتے ہوئے ایک سونے کی طشتری منگوائی جس میں بہت سے جواہرات موجود تھے، امیر بغداد کہنے لگا،" میں یہ جواہرات بطور یادگار تمہاری نذر کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ تم انہیں قبول فرما لو گے۔ یہ وہ جواہرات ہیں جو میں اپنے خزانے سے لایا ہوں۔" تیمور نے جواہرات قبول کر لیے مگر سونے کی طشتری واپس کر دی۔ امیر بغداد نے اُسے خوش دلی سے رخصت کرتے ہوئے کہا،" اے امیر، تم جب کبھی بھی بغداد میں بطور مہمان قدم رنجہ فرماؤ گے، ہم تمہارے ہر قدم کو سر آنکھوں پر رکھیں گے۔"

چونکہ تیمور کے سپاہیوں کو بغداد میں لُوٹ مار کی اجازت نہ ملی تھی اس لیے تیمور نے شہر سے بطور خراج حاصل ہونے والے سیم وزر کا ایک حصہ افسران اور سپاہیوں میں تقسیم کر دیا۔

بغداد سے وہ لوگ موسمِ خزاں میں روانہ ہوئے، امیر بغداد اپنے بیٹوں اور معززین کے ہمراہ اُنہیں شہر سے باہر کئی کلومیٹر دور تک رخصت کرنے کے لیے ساتھ ساتھ آیا۔

اُنیسواں باب

لُرستان میں قیام

تیمور کی خواہش تھی کہ شیرازی عارفوں کی صحبت میں مزید وقت گزارے اور اُن کی صحبت سے خوب لطف اُٹھائے لیکن اسی وقت اطلاع موصول ہوئی کہ ''لُرستان'' کے حاکم اتا بک افراسیاب بن یوسف شاہ نے تیمور کے سپاہیوں کا راستہ روک کر خراج طلب کیا ہے اور چونکہ اُنھوں نے خراج ادا کرنے سے انکار کر دیا، اس لیے اُس نے ان سب کو، جن کی تعداد ایک سو پچاس تھی، قتل کر دیا ہے۔ یہ خبر ملتے ہی تیمور نے ہر عارف کو ایک ہزار دینار دیکر رخصت کیا اور فارس کی حکومت اپنے لڑکے میرانشاہ کو سونپتے ہوئے تائید کی کہ وہ کسی پرانے فوجی افسر کو معزول نہ کرے۔ تیمور نے اُسے سمجھایا کہ اگر وہ پرانے عہدیداروں کو ان کے عہدوں پر قائم رہنے دے گا تو وہ اُس کے وفادار رہیں گے لیکن اگر وہ انہیں معزول کر دے گا تو چونکہ وہ مقامی لوگوں میں سے ہیں اس لیے وہ اُس کے لیے مشکلات کھڑی کر دیں گے۔ پھر تیمور نے اپنی فوج کو تین حصوں میں تقسیم کیا، ایک حصے کو فارس ہی میں اپنے بیٹے کے لیے چھوڑا اور باقی دو حصوں پر مبنی فوج کے ساتھ ''لُرستان'' روانہ ہو گیا۔

لُرستان جاتے ہوئے تیمور نے راستے میں مقامی لوگوں سے لُرستان کے بارے میں معلومات حاصل کیں تو انہوں نے اسے لُرستان جانے سے منع کیا اور کہا کہ اتا بک افراسیاب بن یوسف شاہ جہاں رہتا ہے وہ علاقہ پہاڑ کے پیچھے ہے اور ایسے علاقے پر مشتمل ہے جہاں بڑی سے بڑی فوج بھی جانے سے کتراتی ہے اور جہاں داخل ہونے والی فوج کا مقدر تباہی و بربادی ہی ٹھہرتا ہے۔ اسے بتایا گیا کہ اس علاقے میں ایسی پہاڑیاں ہیں جن کی بلندی آسمان کو چھوتی ہے اور اتنی گہری کھائیاں ہیں کہ جن کی گہرائی کو اب تک کوئی درست اندازہ نہیں لگا سکا۔ اس طرف جانے کے لیے ان مقامات سے ضرور گزرنا پڑتا ہے۔ تیمور کو یہ بھی بتایا گیا کہ لُرستان کے مرد سات فٹ قد کے مالک ہیں، جب وہ پہاڑوں پر کھڑے ہو کر بلند آواز میں بات کرتے ہیں تو پہاڑوں سے بڑے بڑے پتھر لڑھکنے لگتے ہیں۔ یہ مرد ڈیڑھ سو برس سے زائد عمر پاتے ہیں اور ان کی عورتیں 80 برس کی عمر تک بچے جننے کے قابل ہوتی ہیں۔

لوگوں نے تیمور سے کہا ''اے امیرالمومنین'' تم اپنے ان سپاہیوں کے خون سے چشم پوشی کر لو جو اتا بک افراسیاب کے ہاتھوں مارے گئے ہیں۔ خود کو لرستان کی سرزمین میں داخل کر کے ہلاکت میں نہ ڈالو، بالخصوص پہاڑی کے پیچھے جانے والے راستے پر جانے کی غلطی ہرگز نہ کرنا۔ لُرستان جانے سے منع کرنے والوں نے تیمور سے یہ بھی کہا کہ، اگر اتا بک افراسیاب اپنے مرکز حسین آباد میں ٹھہرا رہے اور وہاں سے نہ نکلے تو اس پر ہاتھ ڈالنا قطعی ناممکن ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمہارے سپاہی پہاڑوں، دروں اور دریاؤں کو عبور کر کے حسین آباد

تک نہ پہنچ پائیں گے، اس راستے میں کچھ مقامات پر گھنے جنگلوں کی وجہ سے اتنی تاریکی چھائی رہتی ہے کہ اگر ان سے گزرنا چاہو تو تمہیں راستے میں چراغ جلانے پڑ جائیں گے۔ ورنہ تم ہرگز وہاں سے نہ گزر سکو گے۔ لوگوں نے تیمور کو اور ابھی اسی طرح کی باتیں بتائیں اور اسے ماضی کے کئی حملہ آوروں کی مثالیں دیکر روکنے کی ہر ممکن کوشش کی، انہوں نے اس سے کہا ''سکندر جیسا عظیم فاتح بھی لُرستان میں داخل ہونے میں کامیاب نہ ہوسکا، تو پھر تم کس طرح لُرستان جانے اور وہاں اتا بک افراسیاب کو شکست دینے کی خواہش لیے بیٹھے ہو، ان لوگوں میں سے کچھ مقامی پسماندہ لوگ تھے اور تاریخ سے اچھی طرح واقف نہ تھے۔ انہیں یہ علم نہ تھا کہ سکندر کو لُرستان سے کوئی لینا دینا ہی نہ تھا لہذا وہ اس طرف کا رُخ کرنے کا ارادہ نہ رکھتا تھا۔ اسی طرح تیمور کا بھی ایسا کوئی اردہ نہ تھا۔ اگر لُرستان کا حاکم تیمور کے آدمیوں کو قتل نہ کرتا تو وہ کبھی بھی اس جنگ کا ارادہ نہ کرتا، جب تیمور بین النہرین میں تھا تو اس نے لُرستان کے بارے میں ضروری معلومات حاصل کر لی تھیں۔ ان معلومات کے حصول کی وجہ یہ تھی کہ تیمور لُرستان کے راستے فارس پہنچنے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن اسے معلوم ہوا کہ لُرستان کا راستہ اس قدر دشوار گزار ہے کہ وہاں سے گزرنا ممکن نہیں۔ یہی وجہ تھی کہ اس وقت تک کوئی فوج مغرب کی طرف سے لُرستان میں داخل نہ ہوئی تھی لیکن مشرق کی طرف سے وہاں داخل ہوا جا سکتا تھا اور تیمور نے تاریخ کی کتابوں میں پڑھ رکھا تھا کہ مشرق کی طرف سے متعدد بار لُرستان پر حملے ہو چکے تھے اور وہاں کے مشہور شہر، مال امیر کے علاوہ صدر مقام حسین آباد کو بھی کئی بار فتح کیا جا چکا تھا۔

تیمور موسم گرما کے وسط میں شیراز سے روانہ ہوا اور اگر لُرستان نہ جانا پڑتا تو سیدھا ماوراء النہر کی طرف نکل جاتا، یہ پہلے ہی بتایا جا چکا ہے کہ تیمور نے ماوراء النہر سے روانہ ہوتے ہی جگہ جگہ کبوتر خانے بنوائے تا کہ اپنی مملکتوں کی صورت حال سے مسلسل باخبر رہ سکے۔ تیمور ان کبوتروں کے ذریعے مسلسل اپنے بیٹے شیخ عمر سے رابطے میں تھا جو ماوراء النہر میں انتظام سلطنت چلا رہا تھا۔ اگر لُرستان کا واقعہ پیش نہ آتا تو تیمور شیخ عمر کو فارس کا سلطان بنا کر اپنے چھوٹے بیٹے میرانشاہ کو واپس ماوراء النہر لے جاتا مگر لُرستان جانے کے باعث تیمور نے شیخ عمر کو بلانے سے اجتناب کیا۔

حسب دستور تیمور نے لُرستان کے راستے میں بھی کبوتر خانے قائم کیئے تا کہ وہ اپنی سلطنت کے مختلف ممالک کے ذریعے لُرستان میں رابطہ قائم رکھ سکے۔

جب تیمور لُرستان میں داخل ہوا تو اس کی فوج جنگی نظم وضبط سے آگے بڑھ رہی تھی۔ فوج کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں حفاظتی دستے تعینات تھے تا کہ اچانک حملے کا نشانہ بن جائیں۔ یونہی آگے بڑھتے وہ ایک دن غروب آفتاب کے وقت ایسے مقام پر پہنچ گئے جو انتہائی مشکل پہاڑی پر واقع تھا وہاں سے انتہائی احتیاط کے بغیر نہیں گزرا جا سکتا تھا۔ اس مقام پر ایک جھونپڑی اور ایک پن چکی کے سواء اور کوئی چیز دکھائی نہ دیتی تھی۔ پہاڑی کی چوٹی پر کچھ بھیڑ بکریاں چرتی نظر آ رہی تھیں۔ ان کے پاس ہی ایک لمبے قد اور چوڑے سینے والا بوڑھا شخص کھڑا تھا جس کی لمبی داڑھی تھی اور اس نے سر پر ایک بڑی ٹوپی پہن رکھی تھی۔ بوڑھے آدمی نے اپنی ٹوپی کے گرد رومال باندھ رکھا تھا اور گویا اسے ایک پگڑی کی شکل دے رکھی تھی۔

تیمور نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ بوڑھے کو اس کے پاس لایا جائے۔ بوڑھا شخص اس کے سامنے آکر درخت کی ٹہنی کی طرح سیدھا کھڑا ہو گیا، عام طور پر تیمور کے سامنے آنیوالے لوگ خوفزدہ ہو جایا کرتے تھے، خاص طور پر اگر وہ جنگی لباس میں ہوتا، مگر بوڑھا ہرگز خوفزدہ نہ تھا اور اس نے انتہائی اکھڑ لہجے میں، جسے تیمور بمشکل سمجھ پایا، دریافت کیا کہ اسے کیا کام ہے؟

تیمور نے اس سے پوچھا یہ بتا اس آبادی کیا نام ہے "بوڑھا کہنے لگا اس جگہ کا نام آسیاب ایزہ ہے" اس پر تیمور نے پوچھا "میں نے سُن رکھا ہے کہ ایزہ دراصل مال امیر نامی شہر کا دوسرا نام ہے، بوڑھے نے پہاڑی کی دوسری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا وہ مال امیر اس طرف ہے اور وہاں کے رہنے والے بھی اسے ایزہ کا نام دیتے ہیں۔ مگر یہ جگہ آسیاب ایزہ ہے۔

تیمور نے بوڑھے سے پوچھا، "اے شخص تُو کیا کام کرتا ہے؟" بوڑھے نے اسی لہجے میں جسے تیمور بہت مشکل سے سمجھ رہا تھا جواب دیتے ہوئے کہا "میں یہاں پن چکی چلاتا ہوں۔"

تیمور نے پوچھا، "کب سے پن چکی چلا رہے ہو؟"

وہ بولا: "تقریباً پچاس برس سے یہ کام کر رہا ہوں۔"

اس پر تیمور نے پوچھا "تمہاری عمر کیا ہوگی؟"

وہ بولا: "ایک سو بیس سال۔"

تیمور کو گمان گزرا کہ شاید اسے سننے میں غلطی لگی ہے، اس لیے اس نے اپنا سوال دہرایا اس پر بوڑھے نے دوبارہ جواب دیا کہ وہ زندگی کے ایک سو بیس برس گزار چکا ہے۔ تیمور نے اشارے سے اسے قریب آنے کو کہا جب بوڑھا اس کے بالکل قریب آگیا تو تیمور نے اسے کہا کہ اپنا منہ کھول کر دکھاؤ تا کہ میں تمہارے دانت دیکھ سکوں۔

اس بات پر بوڑھا خفا ہو گیا اور کہنے لگا، "کیا میں تمہیں کوئی گھوڑا دکھائی دیتا ہوں کہ تم میرے دانت دیکھنا چاہتے ہو؟"

تیمور نے تھوڑا مسکراتے ہوئے کہا، "دراصل میں صرف یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ تمہارے منہ میں کتنے دانت ہیں" اس پر بوڑھے نے بھی مسکراتے ہوئے اپنا منہ کھول دیا اور تیمور یہ دیکھ کر حیرت زدہ ہو گیا کہ اس کے سارے دانت موتیوں کی طرح جگمگا رہے اور ایک بھی دانت نہ جھڑا تھا، تیمور نے بوڑھے سے دریافت کیا، "اے شخص تُو آخر کون سا پانی پیتا ہے کہ تیرے دانت اس قدر شفاف ہیں اور حتی کہ ایک سو بیس سال کی عمر میں تیرا ایک بھی دانت نہ جھڑا ہے۔

بوڑھے نے اپنے ہاتھ سے ایک ندی کے پانی کی طرف اشارہ کیا اور کہنے لگا میں ان پہاڑیوں سے بہہ کر آنے والا پانی پیتا ہوں۔

تیمور نے اس سے دریافت کیا "پچاس برس پہلے جب تم اس پن چکی کے مالک نہ تھے تو اس وقت کیا کرتے تھے۔"

بوڑھے نے پہاڑوں کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا "میں وہاں رہا کرتا تھا جب ہمارے قبیلہ اور بران وند نامی قبیلہ کے درمیان جنگ چھڑی تو میں پہاڑ پر بسیرا قائم نہ رکھ سکا اور وہاں سے کوچ کر کے یہاں چلا آیا اور یہاں پن چکی کا کام کرنے لگا۔"

تیمور نے پوچھا، ''تمہارا تعلق کس قبیلے سے ہے؟''

وہ بولا: ''میں قبیلہ راوند سے ہوں۔''

اس پر تیمور نے بوڑھے سے دریافت کیا'' کیا تم اتابک افراسیاب کو جانتے ہو جو لُرستان کا حاکم ہے؟''

اس سوال پر بوڑھے کا چہرہ غصے اور نفرت کے آثار سے بھر گیا اور وہ کہنے لگا، ''ہاں میں اس اجنبی کو پہچانتا ہوں۔''

پھر تیمور نے اس سے پوچھا، ''تم اتابک افراسیاب کو اجنبی قرار دیتے جو کہ لُرستان پر اپنے آباؤ اجداد کے ساتھ ایک سو ساٹھ سال سے حکمرانی کر رہا ہے؟''

بوڑھا کہنے لگا، ''افراسیاب لُرستان کا رہنے والا نہیں ہے، نہ ہی اس کے آباؤ اجداد مقامی باشندے تھے۔ یہ لوگ دوسرے مقامات سے یہاں آئے تھے۔''

''وہ بوڑھا سچ کہہ رہا تھا کہ اتابک افراسیاب لُرستان کا رہنے والا نہ تھا۔ تیمور کے لُرستان میں داخل ہونے سے ایک سو ساٹھ سال قبل اتابک سلسلے کے پہلے شخص اتابک ابوطاہر نے خوزستان نامی ملک سے لُرستان آ کر اپنی سلطنت کی بساط پھیلائی تھی۔ اس کے بعد ابوطاہر کا بیٹا اتابک ہزر وہاں کا بادشاہ بن گیا اور اس کے بعد اتابک تکلہ نے حکمرانی قائم کی، جب تیمور نے لُرستان کی سرزمین پر قدم رکھا تو اتابک سلسلے کے 9 حکمران اس سرزمین پر حکمرانی کر چکے تھے، جن میں سے آخری یہی افراسیاب بن یوسف تھا۔''

بوڑھے آدمی نے اپنی گفتگو کا سلسلہ جاری رکھا اور کہنے لگا'' ایک سو ساٹھ سال قبل جب ابوطاہر لُرستان آیا تو میرے باپ نے اسے دیکھا تھا اور میرے باپ کے بقول وہ اس قدر کوتاہ قد تھا کہ اسے دیکھ کر گمان گزرتا تھا کہ گویا وہ کوئی بچہ ہے، افسوس کہ کچھ عرصہ سے میرا باپ چلنے پھرنے کے قابل نہ رہا ورنہ میں اسے یہاں لاتا اور وہ تمہیں بتاتا کہ ابوطاہر کیسے لُرستان کا حاکم بنا پھر اس نے یہاں کیا کچھ کیا۔''

تیمور نے پوچھا'' کیا تمہارا باپ جس نے ابوطاہر کو دیکھا ابھی زندہ ہے؟'' بوڑھے نے مسکراتے چہرے کے ساتھ ہاں میں گردن ہلائی۔ تیمور نے بھی حیرت سے دریافت کیا'' اب تمہارے باپ کی عمر کتنی ہوگی؟''

بوڑھے نے جواب دیا'' ایک سو ستر برس۔''

تیمور نے پُر اشتیاق لہجے میں کہا۔'' پھر میں تمہارے باپ سے ضرور ملوں گا۔

تاکہ ایسے شخص کی زیارت کرسکوں جو ایک سو ستر برس کی عمر گزار چکا ہے۔''

پھر تیمور فوراً اُٹھ کھڑا ہوا اور اپنے چند سرداروں کے ساتھ بوڑھے کے باپ کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ بوڑھا آدمی انہیں ایک جھونپڑی میں لے گیا جہاں ایک عمر رسیدہ شخص دیوار سے ٹیک لگائے اور ٹانگیں پھیلائے بیٹھا تھا۔ اس شخص کے سر پر ٹوپی نہ تھی اور تیمور نے دیکھا کہ اسکے سارے بال گر چکے تھے تاہم اسکی لمبی سفید داڑھی اب بھی خاصی گھنی تھی۔

بوڑھے نے اپنے باپ سے لُرستانی زبان میں تیمور کا تعارف کروایا اور عمر رسیدہ شخص بولنے لگا، جب اس نے اپنے پوپلے منہ

سے باتیں شروع کیں تو تیمور سمجھ گیا کہ اس کے منہ میں دانت نہیں ہیں۔ تیمور نے اس کے بیٹے کے ذریعے سوال کیا، ''کیا تم نے ابو طاہر کو دیکھا تھا، جب وہ لُرستان میں پہلی بار داخل ہوا۔''

عمر رسیدہ شخص کہنے لگا، ''ہاں میں نے اسے بھی دیکھا پھر اسکے بیٹے ہزراسب کو اس کے پوتے تکلہ کو اور اس کی اگلی اولاد کو بھی جب میں وہاں پہاڑ پر رہتا تھا، البتہ جب سے ہم یہاں آبسے ہیں تو میں نے انہیں نہیں دیکھا اور مجھے پتہ نہیں کہ اب وہ کیا کر رہے ہیں۔''

تیمور نے پوچھا! ''اے عمر رسیدہ شخص خدا نے اب تک تمہیں کتنی عمر عطا کی ہے؟''

''ایک سو ستر برس۔'' بوڑھے نے جواب دیا۔

تیمور نے مزید کریدتے ہوئے پوچھا ''جب کہ تم تعلیم یافتہ نہیں اور تاریخ وتقویم کے بارے میں بھی نہیں جانتے تو اپنی عمر کا حساب کیسے لگاتے ہو؟''

عمر رسیدہ شخص نے بوڑھے کے ذریعے جواب دیتے ہوئے کہا، ''ہر سال جب پہاڑوں پر پہلی برفباری ہوتی تھی تو میں اپنے خنجر سے بلوط کے درخت پر ایک نشان لگا دیتا تھا۔ جب میں پہاڑ چھوڑ کر یہاں آیا تو وہاں بلوط کے درخت کے تنے پر ایک سو بیس نشان تھے۔ یہاں پہنچ کر میں نے ایک اور بلوط کے درخت پر جو سامنے والی پہاڑی پر واقع ہے، ایک سو بیس نشان لگا دیئے تھے تا کہ اپنی عمر کا حساب کتاب نہ بھول جاؤں، اس کے بعد میں ہر سال پہلی برف باری پر ایک نیا نشان لگا دیتا، اب جب میں چلنے پھرنے کے قابل نہیں رہا تو میں نے یہ کام اپنے بیٹے کے سپرد کر دیا ہے، ہر سال پہلی برف باری پڑتے ہی وہ درخت کے تنے پر ایک نیا نشان لگا دیتا ہے، اگر تم اب جا کر درخت کا معائنہ کرو تو تمہیں درخت پر ایک سو ستر نشان ملیں گے۔''

تیمور نے بوڑھے سے دریافت کیا، ''اے شخص تمہارا دین کیا ہے؟''

اس نے جواب دیا، ''میرا مذہب خدا کا مذہب ہے۔''

تیمور نے کہا، ''خدا کے کئی دین مانے جاتے ہیں تم کس دین کے پیروکار ہو؟''

بوڑھے نے حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا، ''خدا کے کئی دین نہیں بلکہ ایک ہی دین ہے۔''

تیمور نے اب اس ایک سو ستر سالہ شخص سے پوچھا، ''اچھا یہ بتاؤ کہ تمہارے دل میں اب کوئی شوق باقی ہے؟''

وہ بولا: ''نہیں میری کوئی آرزو باقی نہیں۔''

تیمور نے پوچھا ''موت سے خوف آتا ہے؟''

اس نے ہنس کر جواب دیا، ''اے جوان، موت بھی کوئی ڈرنے کی چیز ہے؟''

تیمور نے کہا، ''اے بزرگ شخص میں ایک مسافر ہوں اور میرا یہاں سے جانا ضروری ہے، اگر میں رُک سکتا تو ضرور ٹھہر جاتا اور تم سے کہتا کہ اس طویل زندگی کے تجربات ومشاہدات میرے لیے بیان کرو، کہ تم وہ خوش قسمت انسان ہو جس کی آنکھوں نے دنیا میں ایک سو

ستر برس دیکھے ہیں۔''

عمر رسیدہ شخص کہنے لگا، ''اے مسافر تو اپنا وقت ضائع نہ کر، میری آنکھوں نے سوائے پہاڑوں، گھاٹیوں، درختوں اور بھیڑ بکریوں کے کچھ نہیں دیکھا۔''

جب تیمور نے بوڑھے کی یہ بات سُنی تو دل میں کہا، ''شاید لمبی عمر پانے کا راز اسی میں ہے کہ انسان زیادہ تر چیزوں سے لاتعلق رہے۔''

بہر حال اس ایک سو ستر سالہ شخص سے رخصت ہو کر تیمور نے اس کے ایک سو بیس سالہ بیٹے سے پوچھا ''تمہارا نام کیا ہے؟''

وہ کہنے لگا، ''میرا نام گیورادوند ہے۔''

تیمور نے کہا، میں حسین آباد جانا چاہتا ہوں، کیا تم رہنما کے طور پر ہمارے ساتھ چلو گے؟''

گیو بولا: ''اگر اس راستے سے جانا چاہو تو تمہیں اپنے گھوڑے چھوڑنا ہوں گے اور پیدل آگے بڑھنا ہوگا، تاہم ایک اور راستہ بھی ہے جو قدرے طویل ہے، اس راستے میں ایک رکاوٹ ہے اور وہ ہے راستے میں آنے والا دریا جسے دریائے سیمرہ کہتے ہیں۔ البتہ میں دریا کی کم گہرائی والے حصے سے واقف ہوں تم اپنے سپاہیوں کو گھوڑوں سمیت وہاں سے گزار سکتے ہو۔

تیمور نے گیو سے دریافت کیا، ''اگر یہ راستہ اختیار کیا جائے تو حسین آباد پہنچنے میں کتنا وقت لگ جائے گا؟''

گیو بولا: ''ایک تجربہ کار گھڑ سوار دس دن میں حسین آباد پہنچ سکتا ہے، لیکن چونکہ تمہارے ساتھ ایک بڑی فوج ہے اس لیے تمہیں وہاں پہنچنے میں پندرہ دن لگ جائیں گے۔''

تیمور نے اس سے پوچھا، ''تم جس راستے کی بات کر رہے ہو، وہ کہاں سے گزرتا ہے؟''

گیو نے ہاتھ سے جنوب مغرب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، ''حسین آباد وہاں واقع ہے اگر تم پیدل سفر کرو تو تین دن میں وہاں پہنچ جاؤ گے لیکن گھوڑے بھی ساتھ لے جانا چاہو تو تمہیں دوسرے راستے سے جانا ہوگا،'' پھر اس نے اپنی انگلی سے مختلف اطراف کے درمیان دائرہ بناتے ہوئے کہا، ''تمہارا راستہ ان علاقوں سے گزرتا ہے۔''

تیمور سمجھ گیا کہ اسے حسین آباد گھوڑوں کے ذریعے پہنچنے کے لیے ایک طویل چکر کاٹنا پڑے گا، لُرستان پہنچنے سے پہلے تیمور اس راستے کے بارے میں جانتا تھا مگر اس کی طوالت کی وجہ سے یہ فیصلہ نہ کر پایا تھا کہ آیا اس راستے کو اپنائے یا مختصر راستے سے ہی سفر کرے، دونوں ہی صورتوں میں اسے آسیاب ایزہ نامی کا جگہ پہنچنا تھا، اس لیے اس نے سوچا تھا کہ وہیں پہنچ کر فیصلہ کرے گا۔

کچھ دیر کے بعد تیمور کے بھیجے ہوئے ہراول دستہ کے سپاہی واپس آئے اور بتایا کہ راستہ اتنا تنگ اور خطرناک ہے کہ وہاں سے گھوڑے پر سوار ہو کر نہیں گزرا جا سکتا، کیونکہ راستہ کی چوڑائی چند ہاتھ سے زیادہ نہیں بلکہ بعض جگہوں پر اس سے بھی کم ہو جاتی ہے کہ پیدل بھی گزرنا مشکل لگتا ہے وہاں کے پتھر بھی ایسے شفاف ہیں کہ گھوڑوں کے پھسلنے کا واضح امکان ہے۔

تیمور جانتا تھا کہ ہراول دستہ کے سپاہیوں کا نظریہ درست ہے وہ لوگ تجربہ کار تھے اور جو بات کر رہے تھے اس میں شک کی

گنجائش نہ تھی تیمور نے ہراول دستے کے سردار کو پیغام بھیجا کہ وہ لوگ صبح تک اپنی جگہ ٹھہرے رہیں، تاہم پوری طرح ہوشیار رہیں، تا کہ دشمن انہیں غفلت میں نہ آلے، البتہ صبح کی روشنی ہوتے ہی واپس آجائیں تا کہ دوسری سمت سے حسین آباد کی طرف فوج کی روانگی کے باعث عقب سے اُس کی نگرانی کر سکیں۔

اگلے دن گیو نے اپنے باپ کی دیکھ بھال ایک شخص کو سونپی اور تیمور کے پاس آکر کہنے لگا،''میں تمہارے ساتھ بطور رہنما چلنے کو تیار ہوں۔''

تیمور کے دل میں ایک سوبیس سالہ شخص کے بارے میں اعتماد بڑھتا جا رہا تھا، کیونکہ اس کی باتوں میں سچائی نظر آتی تھی، اور اسے یقین ہو چکا تھا کہ وہ اسے دھوکہ نہیں دینا چاہتا۔

تیمور نے اپنے سپاہیوں کو اشارہ کیا کہ گیو کو بھی ایک گھوڑا دیا جائے، لیکن گیو اپنی ٹانگوں کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا میری ٹانگیں ہی میرے گھوڑے ہیں، میں ان کے ذریعے تمہارے گھوڑوں سے زیادہ تیز رفتاری سے سفر کر سکتا ہوں۔''

گیو سچ کہتا تھا، جب وہ لوگ وہاں سے آگے بڑھے تو وہ سپاہیوں کے ساتھ پیدل ہی چلتا رہا اور اس نے کسی بھی مرحلے پر تھکن کا اظہار نہ کیا، جس راستے پر وہ لوگ چل رہے تھے وہ دوسرے پہاڑی راستوں ہی کی طرح گہری کھائیوں کے پاس سے گزرتا یا اچانک تیز ڈھلان میں بدل جاتا تھا۔

وہ لوگ یونہی سفر کرتے آگے بڑھ رہے تھے کہ ایک دن عصر کے وقت اچانک دُور سے عجیب طرح کی گڑگڑاہٹ کی آواز سنائی دی۔ تیمور نے گیو سے پوچھا،''یہ کیسی آواز ہے؟'' اس نے جواب دیا،''یہ دریائے سیمرہ کی آبشار گرنے کی آواز ہے۔'' رات کو وہ لوگ ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں سے آبشار کا فاصلہ بقول گیو کے نصف فرسخ سے زیادہ کا تھا لیکن آبشار کی آواز اتنی شدت سے پہاڑوں میں گونج رہی تھی کہ یوں لگتا تھا جیسے وہاں سے چند قدم کے فاصلے پر آبشار گر رہی ہو۔ انکے گھوڑے ڈرپوک نہیں تھے کیونکہ میدان جنگ میں مختلف قسم کی آوازیں سُننے کے عادی تھے، حتیٰ کہ بارود پھٹنے کی آواز سے بھی خوفزدہ نہ ہوتے تھے، لیکن پہاڑوں میں گونجی آبشار کی آواز نے انہیں خوفزدہ کر دیا تھا۔ در اصل یہ آواز ان کے لیے بالکل اجنبی اور نئی تھی اسی لیے وہ رات گئے تک گھبراہٹ کا شکار رہے اور اپنا چارہ بھی نہ کھا سکے، البتہ کافی رات گزر نے کے بعد اس آواز سے مانوس ہو کر چارہ کھانے لگے۔

ماوراء النہر میں جیحون اور سیحون جیسے عظیم دریا موجود تھے لیکن ان دریاؤں سے آبشاریں نہیں بنتی تھیں، بلکہ ان میں کشتی رانی کا کام لیا جاتا تھا اسی لیے آبشار گرنے کی آواز تیمور کے لیے بھی نئی تھی اور اسے اندازہ نہ تھا کہ پانی گرنے کی آواز اس قدر خطرناک ہو سکتی ہے۔

اگلے روز وہ آگے بڑھے اور آبشار کے پاس پہنچ گئے تیمور آبشار کے پاس پہنچ کر گھوڑے سے نیچے اُتر آیا تا کہ اس کا بہتر نظارہ کر سکے۔ زمین پر قدم رکھتے ہی تیمور کو یوں محسوس ہوا کہ زمین آبشار کی آواز سے لرز رہی ہے گیو کو تیمور سے بات کرنے کے لیے چیخنا پڑ رہا تھا۔ وہ بتا رہا تھا کہ ابھی دریا کا پانی کم ہے گرمیوں کے موسم میں جب پانی زیادہ ہو جاتا ہے تو پانی گرنے سے ایسی آواز پیدا ہوتی ہے کہ آس پاس

کے پہاڑوں سے پتھر ٹوٹ کر گرنے لگتے ہیں۔ اس نے آبشار کے کنارے موجود پہاڑوں کی طرف اشارہ کیا اور تیمور نے دیکھا کہ اُن پہاڑوں کے کچھ حصے ٹوٹے ہوئے تھے گیو نے بتایا کہ دریا سے اور بھی آبشاریں نکلتی ہیں مگر ان میں سے کوئی بھی اس آبشار کے مقابلے کی نہیں، تیمور نے آبشاروں کی بلندی کا اندازہ لگایا تو وہ تقریباً سو فٹ تھی۔

آبشار دیکھنے کے بعد وہ لوگ واپس چلے آئے کیونکہ اس مقام سے دریا عبور کرنا قطعی ناممکن تھا گیو بدستور پیدل ہی ان کی رہنمائی کر رہا تھا یہاں تک کہ وہ دریائے سیمرہ کے کم گہرائی والے علاقے میں پہنچ گئے، اس مقام سے دریا کی چوڑائی کافی زیادہ تھی جس کا اندازہ تیمور نے 1300 فٹ لگایا، تیمور کو نظر آ رہا تھا کہ وہاں پانی کا بہاؤ کم ہے پھر بھی اس نے احتیاط کا دامن نہ چھوڑا چنانچہ اس نے پوری فوج کو دریا میں اُتارنے سے قبل کچھ سپاہیوں کو بطور آزمائش آگے بڑھنے کو کہا تاکہ یہ پتہ چل جائے کہ کہیں عین درمیان میں کوئی گڑھے تو نہیں ہیں۔ تیمور کو علم تھا کہ ان کے یہاں دریائے جیحون میں گہرائی کے مقام پر بھی بہت سے گہرے گڑھے تھے، جب کوئی دیکھنے والا دریا کی گہرائی دیکھتا تو سمجھتا کہ وہاں سے باآسانی گزرا جا سکتا ہے۔ مگر عین دریا کے وسط میں وہ گہرے گڑھوں میں جا گرتا اور وہیں ڈوب جاتا تاہم دریائے سیمرہ میں اس وقت ایسا کوئی گڑھا نہ تھا اور تیمور کے گھڑ سوار سپاہی بغیر کسی خطرے کے وہاں سے گزر گئے اور بقول گیو انہوں نے لُرستان کا سب سے بڑا دریا عبور کر لیا۔

دریا عبور کرنے کے بعد تیمور نے ایک بار پھر ہراول دستے کو آگے روانہ کر دیا۔ اگرچہ گیو نے بتایا تھا کہ ان کے راستے میں ابھی ایک اور دریا تھا مگر تیمور نے اپنے ہراول دستے کو ہدایت کی کہ وہ ندیوں اور نالوں پر نظر رکھیں تاکہ فوج کو کسی بھی صورت پانی کی قلت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ تیمور جانتا تھا دریا عموماً سردیوں کے موسم میں خشک ہو جاتے ہیں، گیو جھوٹ نہ بولتا تھا مگر اس سے بھی غلطی ہونا ممکن تھی اور تیمور نہیں چاہتا تھا کہ اس کی وجہ سے ایسی جگہ پہنچ جائے جہاں پانی دستیاب نہ ہو سکے۔

ایک روز ہراول دستے کی طرف سے پیغام موصول ہوا کہ وہ ایک ایسے مقام تک پہنچ گئے ہیں جہاں سے آگے بڑھنا ممکن نہیں۔

تیمور نے گیو سے دریافت کیا، "کیا آگے کوئی ناقابل عبور پہاڑی موجود ہے؟"

گیو کہنے لگا، "آگے ایک پہاڑی جنگل ہے جو بلوط کے درختوں سے بھرا ہے اس جنگل کی چڑھائی چڑھنے اور پھر دوسری طرف اُترنے کے لیے تمہارے آدمیوں کو گھوڑوں سے نیچے اُتر کر انہیں کھینچتے ہوئے چلنا ہو گا۔

وہ لوگ جس جنگل میں پہنچے تھے وہ استر آباد، مازندران اور گیلان کے جنگلات سے زیادہ تاریک تھا، اس میں بلوط کے درختوں کے سوا کوئی درخت نظر نہ آتا تھا، گیو نے تیمور کو چند درخت دکھاتے ہوئے بتایا کہ یہ درخت ہزار سال سے بھی زیادہ پرانے ہیں تیمور اور اس کے سپاہیوں نے گھوڑوں کی لگامیں تھامیں اور آہستہ آہستہ چڑھائی چڑھنے لگے ان کے اوپر بلوط کے درخت سایہ فگن تھے چونکہ پہاڑی راستہ پر مٹی پڑی تھی اس لئے وہ پھسلن زدہ نہ تھا راستے میں بعض موقعوں پر جنگلی ریچھ دکھائی دیتے مگر وہ تیزی سے جنگل میں بھاگ جاتے، زمین پر ایسے کوئی آثار نہ تھے جن سے یہ پتہ چلتا ہو کہ یہاں سے کوئی کارواں وغیرہ گزرا ہو گا اور بظاہر یہی لگتا تھا کہ وہ لوگ اس راستے سے

گزرنے والے پہلے مسافر تھے۔

گیو نے تیمور کو بتایا کہ جنگل سے گزرے بغیر ان لوگوں کا حسین آباد پہنچنا ناممکن تھا، اس نے یہ بھی بتایا کہ جنگل سے آگے پہاڑی سے نیچے اُترنا اس پر چڑھنے سے زیادہ مشکل کام ہے، وہ لوگ دوپہر کے وقت پہاڑی کے عین اوپر پہنچ گئے اور اس کے بعد اُترائی کا سفر شروع ہوگیا، جنگل سے ڈھکے پہاڑ کی ڈھلان اس قدر تیز تھی کہ تیمور نے اندزہ لگایا اگر انہوں نے گھوڑوں کو رسی باندھ کر مضبوطی سے نہ پکڑا تو وہ نیچے گر جائیں گے۔ چنانچہ اس نے فوری طور پر تمام گھوڑوں کی کاٹھیاں رسیوں سے مضبوط باندھنے کا حکم دے دیا سپاہیوں کو درختوں کے تنے تھام کر آہستہ آہستہ گھوڑوں کو نیچے اُترنے میں مدد دینا پڑی، پہاڑی کے نیچے ایک ندی جاری تھی اور وہ لوگ پہاڑ سے اُترتے ہوئے اُسے دیکھ سکتے تھے، اوپر بلندی پر پانی میسر نہ تھا اور گھوڑوں کو پیاس کی شدت تڑپانے لگی تھی۔ مگر وہ لوگ نیچے پہنچنے تک انہیں پانی پلانے سے قاصر تھے۔

جب سورج غروب ہوا تو تیمور کی فوج کے نصف گھڑسوار اب بھی پہاڑی کے اوپر موجود تھے، مگر خوش قسمتی سے پورا چاند روشن تھا جس کی روشنی میں اس درختوں سے ڈھکے پہاڑ کی چوٹی سے نیچے اُترنا ممکن ہوگیا تھا۔ باوجود اس کے کہ ان لوگوں نے بے حد احتیاط سے کام لیا، پھر بھی تقریباً پچاس گھوڑے پہاڑ سے نیچے جا گرے اور یا تو مارے گئے یا پسلیاں ٹوٹنے سے بے کار ہوگئے، اس کے علاوہ سو کے قریب سپاہی زخمی ہوگئے، تاہم ان میں سے کوئی بھی مارا نہیں گیا۔ جب تیمور پہاڑی سے نیچے اُترا تو آسمان پر موجود ستاروں سے ظاہر تھا کہ نصف رات گزر گئی تھی اگرچہ تیمور بُری طرح تھک چکا تھا مگر اس نے سونا گوارا نہ کیا اور فوجی چھاؤنی کے قیام اور نظم وضبط قائم کرنے کی نگرانی کرتا رہا، جب صبح صادق طلوع ہوئی تو نماز پڑھنے اور گیو سے کچھ دیر گفتگو کے بعد تیمور آرام کی غرض سے اپنے خیمے میں چلا گیا۔

گیو نے بتایا کہ اس مقام سے حسین آباد تک ایک دن سے زیادہ کا فاصلہ باقی نہیں مگر اس کے لیے اُنہیں کچھ اس طرح سفر کرنا چاہیے کہ وہ اگلی صبح حسین آباد پہنچ جائیں۔ اس بات کا یقین کرنے کے بعد کہ ان کی خیمہ گاہ مکمل طور پر محفوظ ہے تیمور سونے کے لیے چلا گیا، ابھی اسے سوئے ہوئے ایک گھنٹہ بھی نہ گزرا تھا کہ بگل کی آواز نے اسے جگا دیا اپنے معمول کے مطابق تیمور جنگی لباس میں ہی سویا ہوا تھا۔ اُٹھنے کے بعد وہ خیمے سے باہر نکلا اور دریافت کیا کہ کیا ہوا ہے، سپاہیوں نے بتایا کہ ہراول دستے کی جانب سے یہ اطلاع موصول ہوئی ہے کہ ایک پیدل سپاہیوں پر مشتمل فوج ان کی طرف بڑھ رہی ہے اور لگتا ہے کہ وہ حسین آباد سے آرہے ہیں۔

تیمور نے گیو سے پوچھا، ''کہ تمہارے خیال میں یہ کس کی فوج ہوسکتی ہے؟''

گیو کہنے لگا ''اتابک افراسیاب کے سوا یہاں کسی کے پاس فوج نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔'' تیمور نے پوچھا، ''اتابک افراسیاب کو یہ کیسے معلوم ہوگیا ہے کہ میں اس کی طرف آرہا ہوں'' گیو نے جواب دیتے ہوئے کہا ''آسیاب ایزہ میں ہر کسی نے تمہاری فوج دیکھی تھی اور انہیں محسوس ہوگیا ہوگا کہ تم حسین آباد جانے کا ارادہ رکھتے ہو اور جب تم نے اپنی سمت تبدیل کی تو انہوں نے جان لیا کہ تم کسی اور سمت سے حسین آباد جانا چاہتے ہو، چونکہ آسیاب ایزہ اور حسین آباد کے درمیان کسی فوج کے لیے تیسرا کوئی راستہ موجود نہیں ہے لہٰذا اتابک

افراسیاب تمہارے ارادوں سے باخبر ہو گیا اور اس نے تمہاری فوج کا راستہ روک لیا ہے۔''

تیمور نے پوچھا، ''کیا تمہیں اندازہ ہے کہ اس کی فوج میں سپاہیوں کی کتنی تعداد ہے؟''

گیو بولا: ''میں ایک عرصہ سے اتابک لوگوں سے رابطے میں نہیں اور نہ ہی مجھے ان کے بارے میں درست معلومات میسر ہیں تاہم اتنا ضرور جانتا ہوں کہ اگر وہ چاہے تو قبیلہ بران وند کے تمام باشندوں کو اپنی فوج میں شامل کر سکتا ہے، مگر وہ سب پیدل ہیں اور ان کے پاس گھوڑے نہیں ہیں۔''

گیو کا کہنا بالکل درست تھا پہاڑوں کے پیچھے تیمور کی آمد کی خبر اتابک افراسیاب تک آسیاب ایزہ کے لوگوں کے ذریعے ہی پہنچی تھی چونکہ وہ مقامی حالات اور محل وقوع سے بخوبی واقف تھا اس لیے اس نے جان لیا تھا کہ تیمور کس سمت سے حسین آباد پہنچے گا۔

مگر لُرستان کے حاکم نے ایک بڑی غلطی کی تھی کیونکہ وہ اپنے محفوظ پہاڑی علاقے سے نکل کر ہموار مقام پر تیمور کے مقابلے میں آ گیا تھا اور وہ بھی پیادہ کے ساتھ جس جگہ تیمور نے اپنی چھاؤنی قائم کی تھی وہ دامن کوہ میں پانی کے نزدیک ایک وسیع اور ہموار جگہ تھی، تیمور اس ہموار خطہ میں جس سمت میں چاہتا اپنے سپاہیوں کو پھیلا سکتا تھا۔ اگر اتابک افراسیاب خود چل کر تیمور کے مقابلے پر نہ آتا تو تیمور اس پہاڑی علاقے میں گھڑ سواروں کو صحیح طور پر استعمال نہ کر سکتا تھا۔ درحقیقت لُرستان کا حاکم بقول فردوسی کے اپنے پیروں پر چل کر اپنی مقتل گاہ تک پہنچ گیا تھا۔

ابھی اتابک افراسیاب کے لشکر کے آثار نمایاں نہ ہوئے تھے کہ انہوں نے خیمے اُکھاڑ کر چھاؤنی ختم کر دی اور تیمور کی فوج نظم وضبط اور خاص ترتیب کے ساتھ لڑائی کے لیے تیار ہو گئی، پھر جلد ہی ہراول دستہ بھی ان سے آملا، تیمور نے اپنی فوج کو چار حصوں میں تقسیم کیا، تین حصے فوج کے میمنہ میسرہ اور قلب سپاہ پر مشتمل تھے جبکہ چوتھا حصہ حسب معمول فاضل فوج کے طور پر الگ تھا۔

کچھ ہی دیر کے بعد اتابک کی فوج دُور سے آتی دکھائی دی، اس کے سپاہی پہاڑی کی تنگ گھاٹی سے نکل کر ان کی جانب بڑھ رہے تھے۔ تیمور کو اتابک کے سپاہیوں کے ہاتھ میں ہتھیار نظر نہ آ رہے تھے۔ معلوم ہوا کہ ان کے ہتھیار چھوٹے دستوں والے اسلحے پر مشتمل تھے۔ مگر انکی تعداد بہت ہی زیادہ تھی۔ تیمور نے اندازہ لگایا کہ ان کی تعداد 80 ہزار قریب تھی۔ وہ لوگ ان کی طرف بغیر کسی جنگی نظم وضبط سے بڑھ رہے تھے۔ اتابک کے تمام سپاہی دراز قد تھے اور ان سب کی لمبی داڑھیاں تھیں۔ ان کے آگے بڑھنے کے انداز سے لگ رہا تھا کہ جیسے وہ ہرگز خوفزدہ نہیں، تیمور کی فوج کے پاس پہنچ کر انہوں نے اچانک بھاری پتھر برسانے شروع کر دیئے۔

یہ پہلی بار نہ تھا کہ تیمور کی فوج کو پتھروں سے نشانہ بنایا گیا ہو، بلکہ انہیں پہلے بھی کئی بار ایسی صورت حال کا سامنا کرنا پڑ چکا تھا، سبزوار کی جنگ کے دوران بھی علی سیف الدین کے سپاہیوں نے انہیں بھاری پتھروں کا نشانہ بنایا تھا، اور اگرچہ ان کے ہاتھوں میں لمبے لمبے نیزے تھے مگر تیمور کے سپاہی ہرگز نہ گھبرائے تھے بلکہ انہیں شکست دینے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ تیمور کو علم تھا کہ جب جنگ میں مخالف فوج سروں پر پتھر برسانے لگے تو اس فوج پر شدید حملہ کر دینا چاہیے تاکہ ان کے پتھروں کا توڑ ہو سکے۔ اس وقت بھی تیمور نے ان پر عا

م حملے کا حکم جاری کرتے ہوئے اپنے رہنما ایک سو بیس سالہ گیو سے کہا کہ وہ فوج کے عقبی حصے میں چلا جائے کیونکہ یہاں اس کی جان خطرے میں تھی۔ گیو نے تیمور کا کہا مانا اور پیچھے کھڑی فاضل فوج میں چلا گیا۔

تیمور نے خود بھی لمبا کلہاڑا اپنے بائیں ہاتھ میں تھاما اور دائیں ہاتھ سے گھوڑے کی لگام پکڑتے ہوئے دشمن کی سمت ایڑ لگا دی، تیمور کے سپاہی جانتے تھے کہ جب ایسے دشمن کی طرف آگے بڑھ رہے ہوں جو انہیں پتھروں سے نشانہ بنا رہا ہو تو انہیں گھوڑے کی پشت پر آگے کی طرف جھک جانا چاہیے تا کہ پتھروں کا نشانہ بننے کا امکان کم سے کم ہو جائے۔

یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ جب دشمن ان پر پتھر برسا رہا تھا تو تیمور کے سپاہی بھی کیوں نہ ان پر پتھر برسانے لگے، ہاں بالکل وہ ایسا کر سکتے تھے یا ان پر تیروں کی بوچھاڑ کر سکتے تھے۔ لیکن تیمور جانتا تھا کہ یہ کام لڑائی کے اصل نتائج کے لحاظ سے بالکل بے فائدہ تھا۔

اگر تیمور کی فوج اور اتابک کے سپاہی ایک دوسرے کو پتھروں سے نشانہ بناتے رہتے تو شاید مسلسل کئی روز ایسا کرتے رہنے پر بھی وہ جنگ کا نتیجہ نکالنے میں کامیاب نہ ہو پاتے۔ مگر تیمور کی فوج کا شدید حملہ اتابک کی فوج کا شیرازہ بکھیر کر اُسے مکمل شکست پر مجبور کر سکتا تھا۔

تیمور کے تمام گھڑ سوار بشمول خود اسکے انتہائی تیز رفتاری سے دشمن کی طرف بڑھ رہے تھے اور سب کے سب گھوڑوں کی پشت پر جھکے تھے۔ اور کبھی کبھی سر اٹھا کر دیکھ لیتے کہ وہ درست سمت میں جا رہے ہیں، تیمور خود پہلی صف میں گھوڑے کو دوڑا رہا تھا اور ایک بار پھر اپنے سپاہیوں کو یہ پیغام دے رہا تھا کہ وہ دوران جنگ اپنی جان کو عام سپاہی کی جان سے زیادہ قیمتی نہیں سمجھتا اور یہی سچ بھی تھا۔

اس وقت بھی جبکہ تیمور مشرق و مغرب تک پھیلی سلطنتوں کا حکمران تھا تو اپنی جان کو معمولی سپاہی کی جان پر ترجیح نہ دیتا تھا اور نہ ہی موت سے گھبراتا تھا شاید اسی لیے موت اس کے پاس نہ پھٹکتی تھی۔ اور اس کا ماننا تھا کہ جو لوگ موت کے خوف میں مبتلا رہتے ہیں وہ جلد مارے جاتے ہیں۔ اور شکست ان کا مقدر ہوتی ہے، یہی بات تیمور نے روم کے بادشاہ سے ایلدرم بایزید سے کہی تھی کہ اگر تو موت سے نہ ڈرتا تو شکست کی ذلت نہ اٹھاتا۔ (ایلدرم بایزید سے معرکے کا تذکرہ آگے تفصیل سے آئے گا) کسی قلعے کو فتح کرنے کی مہم میں تیمور فوج کے عقبی حصے میں رہتا تھا، ایسا کرنے کی وجہ پہلے بیان کی جا چکی ہے لیکن میدان میں وہ ہمیشہ صف اول میں شامل رہتا اور ایسا کرنے میں کبھی ہچکچاہٹ کا شکار نہ ہوتا تھا تیمور کو اپنے درمیان پا کر اس کے افسروں کا جذبہ بھی دو چند ہو جاتا اور وہ دیوانہ وار جان کی بازی لگا دیتے۔

تیمور کو احساس تھا کہ اتابک کے سپاہیوں تک پہنچے اس کے کئی سپاہی اور بالخصوص گھوڑے مارے جائیں گے کسی بھی حملے سے پہلے اس نقصان کے لئے تیار رہنا ضروری ہوتا ہے کیونکہ اس کے بغیر دشمن کی فوج پر ہاتھ ڈالنا ممکن نہیں ہو سکتا۔ جب وہ لوگ دشمن کے سر پر پہنچے تو تیمور کی فوج کے افسر اور سپاہی فلک شگاف نعرے لگانے لگے، ان لوگوں نے دشمن پر تلوار اور کلہاڑیوں سے بھرپور حملہ کر دیا۔ تیمور نے کبھی اپنے سپاہیوں کو نعرے لگانے کی ہدایت نہ کی تھی مگر وہ انہیں یہ بھی نہ کہتا تھا کہ نعرے نہ لگایا کریں، کیونکہ بعض اوقات وہ خود بھی نعرے لگانے لگتا تھا تو پھر اپنے سپاہیوں کو اس سے کیسے روک سکتا تھا۔ اس کے علاوہ ایک سپاہی کو یہ آزادی ہونی چاہیے کہ وہ جیسے چاہے لڑے۔ اگر اسے روک کر پابند کر دیا جائے اور ہدایت کی جائے کہ نعرے نہ لگاؤ یا گھوڑے کو تیز نہ دوڑاؤ تو اس طرح اس کی جنگی صلاحیت کم ہو کر رہ جاتی ہے۔

جب تیمور اتابک سپاہیوں کے سامنے پہنچا تو اس نے گھوڑے کی لگام سیدھے ہاتھ سے نکال کر گردن میں ڈال لی اور اس ہاتھ میں تلوار تھام لی، اس کے بائیں ہاتھ میں پہلے سے کلہاڑا موجود تھا۔ اتابک کے سپاہی تبر، تلوار اور گرز کی مدد سے خوب لڑ رہے تھے اور صاف ظاہر تھا کہ وہ تیمور کی فوج سے ہرگز خوف زدہ نہیں۔

ان سپاہیوں سے نبرد آزما ہوتے ہی تیمور سمجھ گیا تھا کہ اگر اتابک افراسیاب اپنے سپاہیوں کے ہاتھوں میں نیزے تھما دیتا تو انہیں پیچھے ہٹنے پر مجبور کر سکتا تھا کیونکہ نیزوں کی مدد سے وہ گھوڑوں کو ناکارہ بنا سکتے تھے، اور انہیں زمین پر اُترنے پر مجبور کر سکتے تھے۔ تب تیمور کے سپاہیوں کو ان سے تن بہ تن لڑنا پڑتا جو قد کاٹھ میں ان سے بلند اور بظاہر کہیں زیادہ طاقتور تھے۔

عین اس لمحے تیمور کی بائیں جانب ایک لُرستان سپاہی نے اپنے گُرز کا وار کر کے تیمور کے سپاہی کو گھوڑے سے نیچے گرا لیا اور اس سے پہلے کہ تیمور اس کی مدد کر پاتا لُرستانی سپاہی نے گُرز مار کر اس کے سر کے پرخچے اُڑا دیئے۔ تاہم اگلے ہی لمحے تیمور نے اپنے کلہاڑے کی مدد سے اس لُرستانی سپاہی کی ریڑھ کی ہڈی کو چیر دیا۔ اس کے منہ سے خوفناک چیخ نکلی گُرز اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کا جسم گھوڑوں کے سموں تلے روندا گیا۔ اسی دوران تیمور پر دائیں جانب سے تلوار کا وار کیا گیا، مگر تیمور کے دائیں ہاتھ میں موجود تلوار نے بروقت اس وار کو روکا اور اگلے ہی لمحے وار کرنے والے کی کلائی کٹ گئی وہ بھی کراہتا ہوا زمین پر بیٹھ گیا اور دوسرے ہی لمحے کئی گھڑسوار اس کے سر پر سے گزر گئے۔

تیمور کی فوج کے میمنہ اور میسرہ کے سرداروں کو اچھی طرح علم تھا کہ انہیں کیا کرنا ہے۔ پھر بھی تیمور نے انہیں پیغام بھجوایا کہ دشمن بہت نڈر ہے انہیں چاہیے کہ اس کا محاصرہ کر کے عقب سے حملہ کر دیں۔ لڑتے فرصت ملتی تو تیمور نظر اُٹھا کر میدانِ جنگ کی صورتحال پر نظر ڈال لیتا۔ تیمور نے کوشش کی کہ افراسیاب بن یوسف کو بھی دیکھ سکے مگر وہ اسے کہیں نظر نہیں آیا۔ لُرستان کے سپاہی زرہ یا خود نہیں پہنے ہوئے تھے بلکہ ان کے سروں پر کالے یا بھورے رنگ کی بڑی بڑی ٹوپیاں تھیں جو دُور سے یوں دکھائی دیتی تھیں جیسے اُن کے سروں پر ہانڈیاں اُلٹی رکھی ہوں۔ یہ ٹوپیاں اگرچہ تلوار کے وار میں کمی کا سبب تھیں مگر کلہاڑے کی ضرب کے سامنے بالکل بے فائدہ تھیں ان کے مقابلے میں تیمور کے سپاہی زرہ خود اور چار آئینہ پہنے ہوئے تھے اور ان کی فوج میں ایک بھی سپاہی ایسا نہ تھا کہ جس کے بدن پر کم سے کم چار آئینہ نہ ہو۔ (چار آئینہ قدیم زمانے کا ایک خاص زیر جامہ تھا جو جسم کی حفاظت کی خاطر پہنا جاتا تھا)۔

دراصل ہر سپاہی کے لئے زرہ اور آئینی خود فراہم کرنا خاصا دشوار کام تھا چونکہ اس پر کافی خرچ آتا تھا۔ دنیا کے اکثر سپاہی ان لوازمات کے بغیر میدان جنگ میں اُترتے تھے، کیونکہ ان کے حکمران اُن کے لیے جنگی لباس فراہم نہ کر پاتے تھے یا ایسا کرنے سے کتراتے تھے اور اپنا پیسہ دوسرے کاموں میں لگانے کو ترجیح دیتے تھے۔ جوانی میں تیمور بھی ایسا ہی سوچتا تھا اور جن سپاہیوں کے پاس جنگی لباس نہ تھا تو وہ ان کی اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش نہ کرتا کیونکہ اس کام پر خاصا خرچ آتا تھا، اس زمانے میں تیمور کی مالی حالت بھی اتنی اچھی نہ تھی اس لیے وہ اس طرف دھیان نہ دیتا تھا لیکن جیسے جیسے اسکی امارت میں اضافہ ہوتا گیا تو جنگوں کے تجربات نے بھی اس پر واضح

کر دیا کہ ایک سپاہی کو جنگی لباس میں میدانِ جنگ میں اُترنا چاہیے اس کے علاوہ جو بادشاہ اپنی فوج کو مضبوط اور ناقابلِ تسخیر بنانا چاہتا ہو تو اسے چاہیے کہ دیگر اخراجات کی طرح اپنے سپاہیوں کے لیے جنگی لباس بھی فراہم کرے۔ جب تیمور پر جنگی لباس کی اہمیت واضح ہوگئی تو اُس نے اپنے ملک کے مختلف شہروں مثلاً اصفہان، رے، زنجان اور تاشقند کے کاریگروں کو اپنے سپاہیوں کے لیے زرہ بکتر، چار آئینہ مختلف اقسام کی زرہ بکتر اور آہنی خود تیار کرنے کا حکم دیا اور اس دن کے بعد سے ماوراء النہر کے کاریگر فوج کے لیے جنگی لباس تیار کرنے میں ہمہ وقت مصروف رہتے تھے۔ اس کے بعد جب تیمور اپنی فوج کے ساتھ میدانِ جنگ میں قدم رکھتا تو اس کے تمام افسر اور سپاہی جنگی لباس پہنے ہوتے چنانچہ تلوار، تیر اور تبران پر کم ہی اثر کرتے۔

لُرستان کے اتابک کے خلاف جنگ میں بھی، اگرچہ تیمور کے کچھ سپاہی چار آئینہ کے سوا کوئی دوسرا جنگی لباس نہ پہنے ہوئے تھے۔ پھر بھی یہ صاف ظاہر تھا کہ وہ اپنے مدمقابل سپاہیوں پر برتری رکھتے ہیں، جیسے ہی کوئی لُر سپاہی زخمی ہوتا تو وہ اسی وقت زمین پر ڈھیر ہو جاتا اور زخموں کی تاب نہ لا کر لڑائی سے ہاتھ کھینچ لیتا، جبکہ تیمور کے سپاہی اس وقت تک بے جگری سے لڑتے رہتے جب تک کہ اُنھیں بہت گہرا زخم یا انتہائی زوردار چوٹ نہ لگتی۔ لُرستان کے حاکم نے اضافی فوج کا بھی کوئی انتظام نہ کر رکھا تھا، جس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ جنگی فنون اور حکمت عملی سے قطعی نابلد ہے اور محض اپنے سپاہیوں کے ڈیل ڈول اور جسمانی قوت کے بھروسے میدانِ جنگ میں کود پڑا ہے۔ ایک اور اہم بات یہ تھی کہ اتابک افراسیاب، جسے تیمور نے اب تک نہ دیکھا تھا، پسپائی اور پیچھے ہٹنے کی حکمت سے بھی ناواقف تھا، یہ بھی اس بات کا غماز تھا کہ وہ جنگی علوم سے قطعی بے بہرہ ہے۔ اگر وہ جنگی حکمت عملیوں سے واقف ہوتا تو اُسے علم ہوتا کہ جب فوج گھیرے میں آجانے کے خطرے سے دوچار ہو اور محاصرے سے بچنا بھی محال ہو تو عقب نشینی میں ہی بہتری ہوتی ہے۔ اگر اس موقع پر فوج کا سپہ سالار عقب نشینی اختیار کر لے تو وہ زمینی حالات سے فائدہ اُٹھانے اور کسی دوسری ایسی جگہ پر مزاحمت کرنے کے قابل ہو سکتا ہے جو اس کے اور اس کی فوج کے لیے بہتر ثابت ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ عقب نشینی اختیار نہیں کرتا تو وہ گھیرے میں آجائے گا اور ایک بار محاصرے میں آنے کے بعد اس کے لیے بچ نکلنا ناممکن ہو جائے گا۔ اگر اتابک افراسیاب اس لمحے عقب نشینی کا حکم جاری کر دیتا اور اُس جگہ واپس چلا جاتا جہاں سے آیا تھا تو تیمور کو اُس کی فوج کے خاتمے کے لیے بے انتہا مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔ اتنی بڑی فوج کو مکمل طور پر ختم کرنا، خاص طور پر اتابک افراسیاب کے بہادر فوجیوں پر مشتمل فوج کا خاتمہ، جنہیں کوئی خوف نہ ہو، ایک پہاڑی خطہ میں انتہائی مشکل ترین کام تھا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ تیمور کو اپنے کئی زخمی ساتھیوں کے ساتھ بغیر جنگ کا نتیجہ حاصل کیے مایوس واپس لوٹنا پڑ جاتا، مگر بعد میں پتہ چلا کہ لُرستان کے لوگ عقب نشینی کو انتہائی بزدلی اور قابلِ نفرت سمجھتے ہیں اور جنگوں میں کبھی عقب نشینی اختیار نہیں کرتے۔ بلکہ جس جگہ لڑ رہے ہوں تو وہاں اس پامردی سے لڑتے ہیں کہ یا خود مر جاتے ہیں یا پھر دشمن کا قلع قمع کر دیتے ہیں۔

گو کہ تیمور جان گیا تھا کہ لُرستان کے باشندے غیرت کے باعث عقب نشینی اختیار نہیں کرتے مگر تیمور کو یقین تھا کہ دراصل اُن کا حاکم عقب نشینی کے ثمرات سے لاعلم تھا، ورنہ اگر وہ ہموار زمین چھوڑ کر پہاڑوں کے پیچھے چلا جاتا اور اپنے سپاہیوں کو اوپر سے پتھر برسانے کا کہتا تو پہاڑوں پر چڑھنے تک شاید تیمور کی فوج نیست و نابود ہو جاتی۔ اگر وہ لوگ پہاڑوں کا محاصرہ کر لیتے تب بھی اُن پہاڑیوں پر اس قدر بلوط کے درخت

موجود تھے کہ لُرستان کے سپاہی ان درختوں کے پھل سے روٹی بنا سکتے تھے۔ ان پہاڑیوں پر پانی بھی اچھی خاصی مقدار میں دستیاب تھا۔

اگرچہ لُر سپاہی بڑی بے جگری اور بہادری سے مقابلہ کر رہے تھے مگر تیمور کی فوج کے میمنہ اور میسرہ کے سپاہی اتابک افراسیاب کی فوج کے گرد گھیرا تنگ کرتے ہوئے آپس میں آ ملے تھے۔ دشمن کی فوج کے نرغے میں آنے کی خبر فوراً تیمور تک پہنچ گئی اور اس کے فوری نتائج کے لیے تیمور نے مرکزی حصے سے شدید دباؤ ڈالنا شروع کر دیا۔ دوسری طرف میمنہ اور میسرہ کی طرف سے بھی گھیرے میں آئے لُر سپاہیوں پر زبردست حملے شروع ہو گئے۔ اس کے تھوڑی دیر بعد تیمور کو ایک بھاری بھرکم آواز سنائی دی۔ پکارنے والا ایک لمبی سیاہ داڑھی کا مالک شخص تھا جو گھوڑے پر بیٹھا اپنے بھاری بھرکم گرز کو ہوا میں لہرا رہا تھا۔ اس نے سر پر لُرستان کے لوگوں کا مخصوص کلاوہ باندھ رکھا تھا جس کے گرد شال لپٹی ہوئی تھی۔ وہ اونچی آواز میں پکار رہا تھا۔ ''تیمور شاہ کون ہے؟ تیمور شاہ کون ہے؟''

تیمور نے بھی بلند آواز میں جواب دیا، ''تجھے تیمور سے کیا کام ہے؟''

اس آدمی نے کہا، ''میں اس سے لڑنا چاہتا ہوں۔''

تیمور نے اس سے پوچھا، ''تو کون ہے؟''

''میرا نام اتابک افراسیاب ہے اور میں لُرستان کا حاکم ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔

اس کے حلیے سے ظاہر تھا کہ وہ جو کہہ رہا ہے سچ ہے۔ عام لُرستانی سپاہی تو اس کا احترام کر ہی رہے تھے، اس کے علاوہ اُس نے انتہائی دیدہ زیب لباس پہن رکھا تھا اور ایک مرصع خنجر اس کی کمر سے لٹک رہا تھا۔

تیمور نے بلند آواز سے اس شخص کو کہا، ''میں تیمور ہوں اور تیرا مقابلہ کرنے کو تیار ہوں۔ اپنے سپاہیوں سے کہہ کہ پیچھے ہٹ جائیں۔'' اس شخص نے اپنے سپاہیوں سے کچھ کہا اور وہ چند قدم پیچھے ہٹ گئے۔ تب اس حصے میں تیمور نے بھی اپنے سپاہیوں کو پیچھے ہٹ جانے کا حکم دے دیا، البتہ میدانِ جنگ کے دوسرے حصوں میں تیمور کے سپاہی مخالف فوج کو نرغے میں لے کر جلد از جلد انھیں چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں تقسیم کرنے اور مغلوب کرنے کے لیے بھرپور حملے کر رہے تھے۔ تاہم جس مقام پر تیمور اور اتابک موجود تھے وہاں یک دم گہری خاموشی چھا گئی تھی، دونوں طرف کے سپاہی بے حرکت ہو کر اپنے سرداروں کی لڑائی کا نتیجہ دیکھنے کے منتظر تھے۔

جب اتابک افراسیاب تیمور کے مقابلے میں آیا تو تیمور نے دیکھا کہ اُس کا قد عام لُرستانی سپاہیوں جیسا بلند نہیں ہے، حالانکہ وہ گھوڑے پر سوار تھا مگر پھر بھی بلند قامت نہ نظر آتا تھا۔

اتابک افراسیاب نے چلا کر کہا، ''تیمور شاہ تم اپنے دونوں ہاتھوں میں ہتھیار تھامے ہوئے ہو جبکہ میرے صرف ایک ہاتھ میں ہتھیار ہے، لہٰذا تم بھی اپنے ایک ہاتھ کا ہتھیار پھینک دو تاکہ ہم دونوں برابری کی سطح پر آ جائیں۔''

تیمور نے جواب دیتے ہوئے کہا، ''اتابک افراسیاب، خدا نے مجھے دو ہاتھ دیئے ہیں، لہٰذا میں دونوں کو استعمال کر سکتا ہوں۔ اگر خدا چاہتا کہ انسان صرف ایک ہاتھ سے کام کرے تو وہ اسے صرف ایک ہاتھ ہی عطا کرتا۔ اپنے بائیں ہاتھ کو ناکارہ بنا چھوڑنا دراصل خدا کی ناشکری کے

مترادف ہے۔ تاہم میں اپنے ایک ہاتھ کا ہتھیار اس لیے چھوڑنے کو تیار ہوں کہ میں بھی برابری کا قائل ہوں'' پھر اس نے اتا بک کو مخاطب کر کے پوچھا، ''تو ہی بتا، میں کس ہاتھ کا ہتھیار چھوڑوں؟''

اتا بک بولا، ''دائیں ہاتھ کا ہتھیار چھوڑ دے۔''

اتا بک افراسیاب نے شاید اس لیے تیمور کو دائیں ہاتھ کا ہتھیار چھوڑنے کو کہا تھا کہ وہ اُسے بھی اپنے جیسا عام انسان سمجھ رہا تھا جو صرف اپنے دائیں ہاتھ سے بہتر طور پر کام لینا جانتا ہے۔ وہ اس بات سے بے خبر تھا کہ جب سے تیمور کا دایاں ہاتھ بڑی طرح زخمی ہوا تھا تو وہ بائیں ہاتھ کا زیادہ استعمال کرتا تھا۔ اگرچہ وہ دائیں ہاتھ میں تلوار پکڑ اور چلا سکتا تھا مگر اس ہاتھ سے لکھنے سے قاصر تھا اور لکھنے کا کام بائیں ہاتھ سے لیا کرتا تھا۔

جب تیمور نے اپنی تلوار میان میں رکھ لی تو اتا بک نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ اس دن تیمور نے جان لیا کہ کُرستان کے لوگ جنگوں میں تلوار کی نسبت گُرز استعمال کرنے کو ترجیح اس لیے دیتے کیونکہ وہ اسے دیگر ہتھیاروں کی نسبت با آسانی اور مہارت سے استعمال کر سکتے تھے۔ اتا بک افراسیاب نے بھی اپنے ہاتھ میں ایک بڑا گُرز تھام رکھا تھا۔ گھوڑے کی پشت پر وہ تیزی سے تیمور کی طرف بڑھ رہا تھا۔

چاروں طرف لڑائی کا شور برپا تھا مگر اس جگہ جہاں تیمور اور اتا بک افراسیاب کے درمیان معرکہ ہونے جا رہا تھا، مکمل خاموشی تھی۔ وہاں تیمور کے سپاہی اور کُرستان کے سپاہی بالکل خاموش کھڑے تھے۔ ہر کوئی اس بات کا منتظر تھا کہ تیمور اور اتا بک کی لڑائی کا انجام کیا ہوگا۔ جیسے ہی اتا بک تیمور کے پاس پہنچا تو اُس نے اپنے گُرز کو پوری قوت سے تیمور کی طرف چلا دیا، تیمور نے بھی اپنے گھوڑے کی لگامیں کھینچ لی تھیں اور اس کا گھوڑا اپنی اگلی دونوں ٹانگیں اٹھا کر کھڑا ہو گیا تھا، اتا بک نے اپنے گُرز سے تیمور کے سر کا نشانہ لیا تھا مگر گھوڑے کے اوپر اُٹھنے کے باعث وہ سر کے بجائے تیمور کی ٹانگ پر پڑا۔ چونکہ تیمور کا گھوڑا اپنی پچھلی ٹانگوں پر کھڑا تھا تو تیمور نے موقع کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنا کلہاڑا بھرپور قوت سے چلا دیا اور اسی لمحہ گھوڑے کی اگلی ٹانگیں بھی زمین پر واپس آ گئیں۔

یہ پہلے بھی ذکر آ چکا ہے کہ جب گھوڑا ٹانگوں پر کھڑا ہو تو اس وقت تلوار یا کلہاڑا چلانے کا بہترین موقع ہوتا ہے کیونکہ گھوڑا جب اپنی ٹانگیں واپس زمین کی طرف لاتا ہے تو اس کی حرکت سے پیدا ہونے والی قوت سپاہی کی طاقت سے مل کر ایسا بھرپور وار کرتی ہے کہ اس کا نشانہ بننے والا کبھی نہیں اُٹھ پاتا۔ تیمور کا کلہاڑا بھی جب ایسے ہی وار کی قوت سے نیچے آیا تو اتا بک کی ران پر پڑا اور یہ ضرب اتنی شدید تھی کہ اس نے ہڈی تک کاٹ ڈالی اور تیمور نے دیکھا کہ اتا بک بن یوسف شاہ درد کی شدت سے گھوڑے کی پیٹھ پر دوہرا ہو گیا اور گُرز اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا۔

چونکہ تیمور جانتا تھا، اس صورت حال کو دیکھ کر کُرستان کے سپاہی ہلہ بول دیں گے اس لیے اُس نے جلدی سے اپنی تلوار نیام سے نکال لی اور اپنے گھڑسواروں کو بھی حملے کا اشارہ کر دیا۔ پھر تیمور کی فوج اور کُرستان کے سپاہیوں کے درمیان اتا بک افراسیاب کی بظاہر بے جان لاش کے حصول کے لیے ایک خوفناک جنگ چھڑ گئی۔ کُرستان کے سپاہی اتا بک افراسیاب کو میدان جنگ سے دُور لے جانا چاہتے تھے، مگر تیمور کے سپاہی اُسے اپنے قبضے میں کرنا چاہتے تھے۔ بالآخر، تیمور کے سپاہی اسے قیدی بنانے میں کامیاب ہو گئے۔

تیمور کو یقین تھا کہ اُس کے کلہاڑے کے وار نے اتا بک کی ہڈی کاٹ ڈالی ہے، لہٰذا اُس نے اپنے سپاہیوں سے کہا کہ اُسے میدان جنگ

کے پیچھے لے جائیں اور اس کی مرہم پٹی کا بندوبست کریں۔ پھر تیمور نے حکم دیا کہ وہ میدانِ جنگ کے ہر حصے میں لُرستانی سپاہیوں کو اس بات سے آگاہ کر دیں کہ تیمور یہاں صرف اتا بک افراسیاب کو سزا دینے آیا ہے، جس نے اس کے ڈیڑھ سو سپاہیوں کو قتل کر دیا تھا۔ اُسے لُرستان کے لوگوں سے کوئی دشمنی نہیں اور اب جبکہ اتا بک افراسیاب تیمور کی قید میں ہے تو وہ لُرستانی سپاہیوں سے لڑنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ وہ اپنے ہتھیار پھینک دیں اور تسلیم ہو جائیں۔ انھیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا، لیکن اگر انھوں نے ہتھیار نہ پھینکے اور یونہی لڑتے رہے تو پھر سب کے سب فنا ہو جائیں گے۔ اس واضح اعلان کے باوجود لُرستان کے نڈر سپاہی بے خوف ہو کر لڑ رہے تھے اور تیمور کے سپاہیوں کے اعلانات پر ہرگز توجہ نہ دے رہے تھے۔

تیمور نے سوچا کہ شاید ان لوگوں کو اعلان کرنے والوں کی باتیں سمجھ نہیں آ رہیں، لہٰذا اُس نے حکم دیا کہ ایک سو بیس سالہ گیو کو جنگ کے پچھلے حصے سے بُلایا جائے تا کہ وہ لُرستان کے سپاہیوں کو سمجھا سکے کہ تیمور کو اُن سے کوئی دشمنی نہیں اور وہ اب اُن سے لڑنا نہیں چاہتا اور یہ کہ اتا بک گرفتار ہو چکا ہے۔ تیمور نے اُس ایک سو بیس سالہ شخص کو ایک گھوڑے پر سوار کر دیا تا کہ لُرستان کے لوگ اُسے با آسانی دیکھ سکیں۔ بوڑھے گیو نے لُرستان کے لوگوں تک پیغام پہنچانا شروع کیا اور اُنہیں تیمور کے ارادوں سے باخبر کرنے لگا۔ مگر تیمور نے دیکھا کہ لُرستان کے لوگ ہرگز لڑائی سے ہاتھ کھینچنا نہیں چاہتے۔ بلکہ اُلٹا اُنہوں نے کہلا بھیجا کہ تیمور کو اُن کا مغوی سردار واپس کرنا ہوگا۔

اب تیمور نے گیو سے کہا کہ لُرستان کے سپاہیوں کو بتا دو کہ وہ صرف اتا بک افراسیاب کو درسِ عبرت دینے کے لیے یہاں آیا تھا کیونکہ اس نے تیمور کے سپاہیوں کو بلاوجہ مار ڈالا حالانکہ انھیں اس سے کوئی سروکار نہ تھا۔ وہ تم سے لڑنے کے لیے نہیں آیا مگر چونکہ وہ اتا بک کے ساتھی تھے اور اس کے لیے لڑ رہے تھے اس لیے اُن کے اور تیمور کے سپاہیوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی اور اب جبکہ اتا بک افراسیاب تیمور کی قید میں ہے تو وہ اسے ہرگز واپس نہ دے گا اور تم بھی اُسے اب چھین نہیں سکتے۔ بالفرض تم کسی طرح اُس کی طرف بڑھنے لگو تو بھی تیمور اُسے زندہ تمہارے حوالے نہ کریگا بلکہ اُسے مار ڈالے گا اور تم صرف اُس کی لاش ہی حاصل کر سکو گے۔ چنانچہ تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ ہتھیار پھینک دو اور یہاں سے چلے جاؤ، تمہیں قیدی بنایا جائے گا اور نہ ہی خسارہ طلب کیا جائے گا لیکن اگر تم لوگ یونہی مزاحمت کرتے رہے تو چونکہ تمہاری وجہ سے تیمور کے سپاہیوں کا خون بہے گا تو پھر تم پر فتح پانے کے بعد تیمور تم سے جنگی قیدیوں والا ہی سلوک کرے گا یعنی تمہارے قیدیوں کو فدیہ لیے بغیر نہ چھوڑے گا اور جو فدیہ ادا نہ کرے گا تو اسے جلاد کے حوالے کر دیا جائے گا یا غلام بنا کر بیچ دیا جائے گا۔

بوڑھے گیو نے تیمور کی باتیں لری زبان میں دُہرا دیں اور تیمور نے دیکھا کہ اب لُرستان کے سپاہی ایک دوسرے سے مشورہ کرنے لگے۔ یہ ظاہر ہو گیا کہ تیمور کی تجویز اُنہیں معقول لگی تھی۔ مگر اپنے آس پاس کے لوگوں سے مشورہ کرنے کے بعد ایک بغیر داڑھی والا شخص آگے بڑھا اور اُس نے تیمور سے اپنی زبان میں کچھ کہا، جسے وہ سمجھ نہ سکا۔ گیو نے بتایا کہ وہ آدمی کہہ رہا ہے، ''وہ اپنے نو دیگر ساتھیوں سمیت تمہاری قید میں آنے کو تیار ہے اور تمہیں اختیار ہے کہ چاہو تو ان دس آدمیوں کو موت کے گھاٹ اُتار دو، مگر اتا بک افراسیاب کو رہا کر دو۔ دوسرے الفاظ میں یہ دس لوگ اپنی جان کے بدلے اتا بک افراسیاب کی رہائی کا سودا کرنا چاہتے ہیں۔''

تیمور نے گیو کی زبانی کہلوایا کہ اگر وہ لوگ دس کے بجائے دس ہزار آدمی بھی پیش کریں تو بھی وہ اتا بک افراسیاب کو رہا نہ کرے گا۔ وہ فی

الحال بُری طرح زخمی ہے، اگر زخموں کی شدت سے مرگیا تو اس کا جنازہ تمہیں مل جائے گا، پھر تم جہاں چاہو اسے دفنا سکتے ہو۔ لیکن جب تک وہ زندہ ہے تو اسے رہا نہ کیا جائے گا بلکہ اُسے اُسی جگہ لے جایا جائے گا جہاں اُس نے تیمور کے ڈیڑھ سو سپاہیوں کو قتل کیا تھا اور وہیں اس کا سر تن سے جدا کر دیا جائے گا اور وہیں اسے دفن ہونا ہوگا۔ تاکہ تیمور کے مرنے والے سپاہیوں کی روحوں کو سکون مل سکے اور وہ جان لیں کہ اُن کے امیر نے اُن کے قتل کا بدلہ لے لیا ہے۔

پھر تیمور نے گیو سے کہا کہ وہ یہ سب باتیں لُرستانی لوگوں کو بخوبی بتا دے تاکہ یہ فیصلہ کیا جا سکے کہ وہ ہتھیار پھینکیں گے یا پھر اُن سب کو پکڑنا یا قتل کرنا پڑے گا۔

لُرستان کے سپاہی اب بھی تردد کا شکار تھے مگر چونکہ تیمور کے سپاہی چاروں طرف سے تیزی سے حملے کرتے آگے بڑھ رہے تھے لہٰذا جلد ہی انھیں یقین ہو گیا کہ وہ بُری طرح محاصرے میں پھنس چکے ہیں اور اُن کے لیے فرار کی کوئی راہ نہیں بچی ہے۔ پھر اُنھیں یہ بھی پتہ لگ گیا تھا کہ اُن کی ثابت قدمی سے اتابک افراسیاب کی رہائی ممکن نہ ہو سکے گی۔ چنانچہ انھوں نے اپنے ہتھیار پھینک دیئے اور تسلیم ہو گئے۔ تیمور نے اپنے سپاہیوں کو ہدایت کی کہ انہیں راستہ دے دیا جائے تاکہ وہ اپنے گھروں کو لوٹ جائیں۔ لُرستان کے سپاہی میدان چھوڑ کر اپنے گھروں کو لوٹ گئے، اور یوں جنگ کا مکمل خاتمہ ہو گیا۔

چونکہ سردیوں کا موسم تھا، لہٰذا جلد ہی دن کا خاتمہ ہو گیا اور رات کا اندھیرا پھیلنے لگا۔ اگرچہ جنگ ختم ہو چکی تھی مگر پھر بھی حفظِ ماتقدم کے طور پر تیمور نے ایک حفاظتی دستے کو اردگرد کے راستوں کی نگرانی کے لیے تعینات کر دیا تاکہ شب خون کی صورت میں کوئی اُنہیں غافل گیر نہ کر سکے۔ کیونکہ اس بات کا بہر حال امکان تھا کہ ہتھیار پھینک کر جانے والے لُرستانی سپاہی ایک بار پھر ہتھیار لے کر مقابلے کے لیے نکل آئیں۔

سورج غروب ہونے کے بعد پہاڑوں کی طرف سے سرد ہوا چلنے لگی۔ اگرچہ تیمور کی بائیں ٹانگ اتابک افراسیاب کا گُرز لگنے سے زخمی تھی اور وہ تکلیف میں تھا مگر اس کے باوجود ٹھنڈی ہوا کا مزہ لینے اپنے خیمے سے باہر نکل آیا۔ کچھ دیر بعد چاند کی روشنی پھیل گئی اور میدانِ جنگ جو ہزاروں انسانوں اور گھوڑوں کی لاشوں سے بھرا پڑا تھا، روشن ہو گیا۔ چاند کی چاندنی میں میدانِ جنگ یوں دکھائی دے رہا تھا کہ گویا وہ لامتناہی ہو اور وہاں بکھری ہوئی لاشیں بھی اپنی اصل تعداد سے کہیں زیادہ لگ رہی تھیں۔ کبھی کبھی میدان میں سایہ لہراتا اور تیمور سمجھ جاتا کہ وہ کوئی ایسا مجروح گھوڑا ہے جو ابھی تک زخمی حالت میں پڑا ہوا ہے مگر مرا نہیں ہے۔ مگر انسانی جسم کی حرکت کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا کیونکہ وہاں صرف مُردہ انسان ہی پڑے تھے، زخمیوں کو پہلے ہی میدان سے لے جایا جا چکا تھا۔

تیمور کی فوج نے اپنے مُردہ سپاہیوں کو اگلے روز دفن کرنا تھا، لُرستان کے باشندے بھی اُن کے بعد آ کر اپنے ساتھیوں کی لاشوں کو اُٹھا کر لے جاتے اور میدانِ جنگ انسانی جنازوں سے خالی ہو جاتا مگر گھوڑوں کے لاشے ویسے ہی پڑے رہتے۔ اگر دس سال بعد کوئی شخص اس مقام سے گزرتا تو گھوڑوں کی سفید ہڈیاں دیکھ کر فوراً سمجھ جاتا کہ کبھی یہاں خوفناک جنگ ہوئی تھی۔

چاند کی چاندنی میں میدان جنگ میں بکھری ہزاروں انسانی لاشوں کو دیکھتے ہوئے تیمور کو اپنی قوت اور برتری کا احساس ہوا کیونکہ اُس روز

میدانِ جنگ میں جن لوگوں کی لاشیں بکھری ہوئی تھیں، وہ اس لیے اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے کہ انہوں نے تیمور کے مقابلے پر آنے کی جسارت کی تھی۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو زندہ ہوتے۔

جب تیمور میدانِ جنگ کے منظر میں کھویا ہوا تھا تو اچانک ہوا کے دوش پر ایک آواز اُس کے کانوں میں پڑی جو ایسی تھی جیسے کوئی بھیڑیوں کا ریوڑ مل کر چلا رہا ہو۔ تیمور نے گیو کو طلب کیا اور اُس سے دریافت کیا "موسم ابھی اتنا سرد نہیں ہوا کہ بھیڑیے راتوں کو نکل کر یوں چیخنے لگیں۔ کیا یہ واقعی بھیڑیوں کے چیخنے کی آواز ہے؟"

گیو کہنے لگا، "نہیں، میرے امیر، یہ آواز دراصل لر سپاہیوں کی ہے جو آہ وزاری کر رہے ہیں۔"

تیمور نے دریافت کیا، "وہ کس کا ماتم کر رہے ہیں؟"

گیو کہنے لگا، "وہ لوگ پہاڑ کے نیچے جمع ہو کر ماتم کر رہے ہیں، دراصل انہیں اپنے گھروں کو جانے کی ہمت نہیں ہو رہی، کیونکہ ان سے پوچھا جائے گا کہ اُن کے ہوتے ہوئے اتابک افراسیاب کہاں گیا، اگر وہ مارا گیا تو اس کا جنازہ کیوں نہیں لائے؟۔ اسی لیے وہ لوگ اپنی بے چارگی کا ماتم کر رہے ہیں۔"

تیمور نے کہا، "لرستان کے سپاہی انتہائی بے خوفی سے لڑے، اور ایسے جی دار انسانوں کی طرف سے گریہ زاری کرنا انتہائی عجیب بات لگتی ہے!"

گیو نے وضاحت کرتے ہوئے بتایا، "لری مرد کبھی نہیں روتے، ماسوائے اس کے کہ اپنا سردار کھو دیں۔ چونکہ اب انھوں نے اپنا سردار کھو دیا ہے، لہٰذا اسی لیے ماتم کر رہے ہیں۔"

تیمور نے گیو کو ہدایت کی کہ وہ جا کر دیکھے کہ اتابک افراسیاب کا کیا حال ہے۔

بوڑھا گیو چلا گیا اور جلد ہی واپس لوٹ کر بتانے لگا، "اتابک کی حالت خاصی خراب ہے! تمہارے سپاہی جتنی بھی کوشش کر لیں وہ اس کے زخم سے بہتا خون نہیں روک سکتے۔"

تیمور نے کہا، "اس کا خون اس لیے نہیں رُک پا رہا، کیونکہ اس کی ہڈی مکمل طور پر کٹ چکی ہے۔ طبیب نے اس کی ہڈی کو واپس رکھ کر مرہم پٹی تو کر دی ہے، مگر اس کا کہنا ہے کہ ہڈی جڑنے اور خون بند ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اتابک کم از کم ایک مہینے تک بستر سے بالکل نہ ہلے۔ مگر چونکہ اسے آج پہلے ہی کئی بار ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جایا جا چکا ہے اور کل بھی چونکہ ہم اپنے آدمیوں کو دفنانے کے بعد یہاں سے روانہ ہو جائیں گے تو ہم اتابک کو بھی اپنے ساتھ لے جائیں گے۔"

گیو کہنے لگا، "اس طرح تو وہ یقینی طور پر مر جائے گا۔"

تیمور نے کہا، "وہ خود اپنی موت کا ذمہ دار ہے، کیونکہ اس نے میرے سپاہیوں کو قتل کیا تھا اور آج وہ میرے ساتھ دو بدو لڑنا چاہتا تھا اور میرے کلہاڑے کے وار نے اس لڑائی میں جو اس کی مرضی سے ہوئی تھی، اس کی ٹانگ کی ہڈی کاٹ ڈالی تھی۔"

رات گئے تک تیمور کو لُرستانی سپاہیوں کے ماتم کی آوازیں آتی رہیں، پھر اُسے نیند آ گئی اور وہ سو گیا۔ اگلی صبح اُن لوگوں نے اپنے ساتھیوں کی میتیں دفنانے کا کام شروع کر دیا اور واپسی کی تیاریاں کرنے لگے۔ تیمور کو اچھی طرح علم تھا کہ اُنہیں اُسی پہاڑی جنگل کے راستے واپس جانا ہوگا، جس کے ذریعے وہ اس مقام تک پہنچے تھے۔ جب وہ لوگ میتیں دفنانے کا کام انجام دے رہے تھے تو انھیں دُور سے لُرستان کے سپاہی نظر آ رہے تھے۔ وہ سب اب بھی پہاڑ کے نیچے میدان کی دوسری طرف جمع تھے اور واپس اپنے گھروں کو نہیں گئے تھے۔

دن کا کچھ حصہ ہی گزرا تھا کہ تیمور کو معلوم ہوا، اتابک نزع کی حالت میں ہے۔ تیمور خود اُسے دیکھنے گیا، تو اُسے معلوم ہوا کہ واقعی سپاہی ٹھیک کہہ رہے تھے، اتابک افراسیاب چند گھڑیوں کا مہمان دکھائی دیتا تھا۔ پھر جب سورج پہاڑوں کے پیچھے نیچے کی طرف سرکنے لگا تو لُرستان کے حاکم اتابک افراسیاب بن یوسف شاہ کی آنکھیں ہمیشہ کے لیے بند ہو گئیں۔ تیمور نے حکم دیا کہ اب اُس کی میت لُرستان کے سپاہیوں کے حوالے کر دی جائے۔

تیمور کے سپاہیوں کا ایک دستہ گیو کے ہمراہ گھوڑوں پر سوار ہو کر لُرستانی سپاہیوں کے پاس پہنچا اور اُنھیں خبر دی کہ اتابک افراسیاب مر چکا ہے اور یہ کہ اب وہ اُس کی میت لے جا سکتے ہیں۔ لُرستانی سپاہی اس خبر کو سُن کر اس قدر خوش ہوئے، جیسے کہ اُنھیں کسی بہت بڑی فتح کی خوش خبری دی گئی ہو۔ اب اُنھوں نے اتابک افراسیاب کی میت کو لیا اور اپنے گھروں کی طرف روانہ ہو گئے۔ لُرستان کی جنگ میں تیمور کے سپاہیوں کو کسی طرح کا مالِ غنیمت حاصل نہ ہوا تھا اور ان میں سے بہت سے مارے گئے تھے۔ اس جنگ میں انھیں مالِ غنیمت حاصل نہ ہو سکنے کی دو اہم وجوہات تھیں، لُرستان میں دولت زیادہ تر مویشیوں کی صورت تھی جو تیمور کے سپاہیوں کے کسی کام کے نہ تھے کیونکہ وہ انہیں اس پہاڑی علاقے سے نکال کر مشکل اور دشوار گزار چوٹیاں عبور کر کے شہروں میں لے جا اور پھر فروخت نہیں کر سکتے تھے۔ لُرستانی لوگوں کے پاس سیم و زر اور جواہرات بھی نہ تھے۔ پہاڑیوں کے پیچھے کے علاقے میں ایسے شہر بھی موجود نہ تھے کہ جہاں وہ مالِ غنیمت لوٹ سکتے، صرف حسین آباد کا ایک چھوٹا سا شہر تھا جہاں سے کچھ حاصل ہونے کی اُمید ہو سکتی تھی۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ سردیوں کا موسم شروع ہو رہا تھا، تیمور اپنی فوج کے ساتھ سردیوں کا سارا موسم پہاڑوں کے درمیان نہیں گزار سکتا تھا، لہٰذا اُس کے پاس اس کے سواء اور کوئی راستہ نہ تھا کہ جسموں کو منجمد کر دینے والی ٹھنڈ پڑنے سے پہلے وہاں سے نکل جائے۔ اگر وہ اسی جگہ ٹھہرا رہتا تو یقیناً اس شدید ٹھنڈ میں اس کی فوج تباہ ہو جاتی۔ لُرستان کی طرف پیش قدمی کا مقصد اتابک افراسیاب کو سبق سکھانا تھا جسے تیمور نے اپنے ہاتھوں انجام تک پہنچا دیا تھا، لہٰذا وہ واپس لوٹ گیا۔

اُنھوں نے واپسی کے سفر کا آغاز اُسی جنگلات سے ڈھکی مشکل پہاڑی پر چڑھ کر کیا، جس سے اترتے ہوئے انھیں کئی گھوڑوں کی قربانی دینا پڑی تھی۔ تیمور خود پہاڑی کے نیچے کچھ سپاہیوں کے ساتھ موجود رہا اور اس کی فوج آہستہ آہستہ پہاڑی پر چڑھ کر دوسری طرف اُترنے لگی۔ اس بات کا امکان تھا کہ لُرستانی سپاہی یہ دیکھ کر کہ فوج کا ایک بڑا حصہ پہاڑ کے اوپر پہنچ گیا ہے اُن پر حملہ بول دیتے، چنانچہ تیمور نے فیصلہ کیا کہ وہ آخری دستے کے ساتھ اوپر چڑھے گا اور کسی اچانک حملے کو روکنے کے لیے حفاظتی امور کی نگرانی بھی کرے گا۔ تاہم بعد میں اُسے پتہ چلا کہ اتابک افراسیاب کی میت لے جاتے ہوئے لُرستانی سپاہیوں کے ذہنوں میں اور کوئی بات نہ تھی۔ اس وقت اُن کا مطمع نظر صرف اور صرف حسین آباد پہنچ کر اتابک کی میت کو اس کے رشتے داروں کے حوالے کرنا تھا۔ تاکہ وہ یہ ثابت کر سکیں کہ اُنھوں نے اپنے سلطان کی میت کو میدانِ جنگ سے نکال لیا ہے۔

تیمور نے حکم دیا کہ پہاڑی کے عین درمیان گھوڑوں کے لیے راستہ بنایا جائے۔ پھر انھوں نے اس راستے پر رسیوں کی مدد سے گھوڑوں کو کھینچ کر اوپر منتقل کر لیا۔ اس کام میں انھیں تین روز لگے تاہم انھوں نے پہاڑی کے عین درمیان کچھ کھدائی وغیرہ کر کے محفوظ راستہ تیار کر لیا تھا۔ پھر بھی تقریباً 200 کے قریب سپاہی زخمی ہوئے یا مارے گئے۔ کئی گھوڑے بھی ان سب کوششوں کے باوجود مارے گئے، تاہم وہ لوگ بالآخر پہاڑ کے اوپر پہنچ گئے اور پھر اُترائی کے لیے روانہ ہو گئے۔ اُترائی کے دوران موسم سرد ہونا شروع ہو گیا اور جب وہ لوگ دریائے ہمیرہ کے کنارے پہنچے تو بارش ہونے لگی۔ تین دن اور تین راتوں تک مسلسل بارش ہوتی رہی اور اسی دوران وہ آسیاب ایزہ پہنچ گئے جہاں گیو رہتا تھا۔ یہاں پہنچ کر بارش تھم گئی۔

تین دن کی مسلسل بارش میں بھیگتے رہنے کے باعث تیمور کے متعدد سپاہی بیمار پڑ گئے۔ تیمور نے حکم دیا کہ درختوں کے بڑے بڑے چھتر کاٹ کر جھونپڑیاں بنائی جائیں تا کہ اُس کے سپاہی بالخصوص بیمار سپاہی اُن میں سردی سے محفوظ رہ کر آرام کر سکیں۔

فارس کی طرف روانہ ہونے سے پہلے تیمور نے گیو سے کہا، ''تم نے لُرستان کی طرف لشکر کشی میں میری بے حد مدد کی ہے۔ اگر تمہاری مدد حاصل نہ ہوتی تو میں اتابک افراسیاب کو شکست دینے میں کامیاب نہیں ہو سکتا تھا۔ اب تو بتا تجھے کیا انعام چاہیے؟''

گیو بولا، ''اے امیر، اب جبکہ لُرستان کے سپاہی یہ دیکھ اور جان چکے ہیں کہ میں نے تمہاری اُن کے خلاف رہنمائی کی اور وہ سب بران وند قبیلے سے ہیں، اس لیے تمہارے جاتے ہی وہ مجھے قتل کر دیں گے۔ شاید وہ میرے بوڑھے باپ اور بیٹوں کو بھی مار ڈالیں۔''

تیمور نے کہا، ''اگر تم یہاں سے فارس منتقل ہو جاؤ تو کوئی تمہیں گزند نہ پہنچا سکے گا۔''

گیو کہنے لگا، ''اگر میں فارس چلا گیا تو اس پن چکی کا کیا ہو گا، جسے بنانے کے لیے میں نے بے حد جدوجہد کی ہے؟''

تیمور نے جواب دیا، ''اسے بیچ دے۔''

گیو بولا، ''یہاں اچھا خریدار ملنا بے حد مشکل ہے۔''

تیمور نے کہا، ''پن چکی کو یہیں چھوڑ دو اور اپنے باپ اور بچوں کو لے کر میرے ساتھ فارس چلے چلو، میں وہاں تمہیں ایک وسیع اراضی، پن چکی اور کھیتی باڑی کے آلات بھی دوں گا تا کہ تم پرسکون زندگی بسر کر سکو۔'' چنانچہ گیو، اس کا باپ اور بچے آسیاب ایزہ چھوڑ کر فارس منتقل ہو گئے۔ وہاں تیمور نے گیو، اس کے باپ اور بچوں کو ایک وسیع قطعہ اراضی دے دیا۔ تیمور نے گیو کو دو ہزار سونے کے سکے بھی عطا کیے۔ پھر جب وہ اُس سے رُخصت ہونے لگا تو گیو بولا، ''اے امیر، میری تجھ سے ایک درخواست بھی ہے۔'' تیمور نے اس سے دریافت کیا، ''بتا، تیری اور کیا درخواست ہے؟'' گیو کہنے لگا، ''اے امیر، اگر اجازت ہو تو میں تیرے گال پر بوسہ دینا چاہتا ہوں۔'' تیمور نے اپنا چہرہ آگے بڑھاتے ہوئے اجازت دے دی۔ گیو نے آگے بڑھ کر تیمور کی پیشانی اور رخساروں پر بوسے ثبت کر دیئے۔ تیمور نے دیکھا کہ اُس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے ہیں۔ تیمور اُس سے جُدا ہو کر آگے بڑھ گیا اور پھر وہ دوبارہ کبھی ایک دوسرے سے نہ مل سکے۔ لیکن تیمور اُس سے باخبر رہا اور ایک عرصے بعد تک اس کے زندہ ہونے کی اطلاعات اُسے ملتی رہیں۔

بیسواں باب

ابدال کلزئی اور اس کا علاقہ

تیمور جب فارس پہنچا تو کچھ ہی دنوں بعد اُس کے بیٹے شیخ عمر نے کبوتر کے ذریعے پیغام بھیجا کہ چین سے ایک وفد آیا ہے جو سمرقند میں ٹھہرا ہوا ہے۔ شیخ عمر نے پوچھا تھا کہ تیمور کب ماوراء النہر واپس پہنچے گا۔ اس نے یہ بھی لکھا تھا کہ چینی وفد اپنے ساتھ بیش بہا تحائف لایا ہے اور ان کا سربراہ کہتا ہے کہ چین کا بادشاہ امیر تیمور کے ساتھ دوستانہ تعلقات کا خواہش مند ہے۔

تیمور نے اپنے بیٹے کو لکھا کہ فارس اور لُرستان میں اُس کا کام ختم ہو چکا ہے اور وہ عنقریب ماوراء النہر لوٹ رہا ہے۔ اُس نے اپنے بیٹے کو ہدایت کی کہ وہ چینی وفد کی آؤ بھگت کرے اور اسے اس کی آمد تک روکے رکھے۔

اگر تیمور اصفہان اور رے کے راستے سمرقند پہنچنا چاہتا تو اُسے ایک بہت طویل سفر کرنا پڑتا۔ چنانچہ وہ ریگستان کا راستہ اختیار کر کے خراسان کی طرف روانہ ہو گیا۔ جیسا کہ زابلستان کی طرف جاتے ہوئے اس ریگستان کا ذکر آیا تھا تو بتایا گیا تھا کہ موسم گرما میں اس ریگستان سے گزرنا ناممکن تھا، لیکن اس موقع پر چونکہ ہوا میں خنکی تھی اور گرمی کا ڈر نہ تھا لہٰذا تیمور بغیر کسی حادثے کے بیرجند تک پہنچ گیا۔ یہاں سے آگے وہ اپنے ہراول دستے کے پیغام کا انتظار کر رہا تھا مگر کافی دیر گزرنے پر بھی اس کی طرف سے کوئی اطلاع موصول نہیں ہوئی۔ تیمور سمجھ گیا کہ ہراول دستے کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے۔ تیمور نے ایک اور دستہ ان کے تعاقب میں روانہ کیا تاکہ اصل احوال معلوم کر سکے۔ دوسرے دستے نے آگے پہنچ کر پیغام بھیجا کہ ہراول دستے کے تمام ارکان کو موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا اور ان کا سارا سامان بھی لوٹ لیا گیا ہے۔

تیمور جس مقام پر موجود تھا اُس کا نام ہنگر تھا اور وہ بیرجند سے ایک منزل کی دُوری پر تھا۔ تیمور نے ہراول دستے کی ہلاکت پر فوری حکم دیا کہ بیرجند کے حاکم کو اس کے حضور پیش کیا جائے۔ جب وہ سٹپٹاتا ہوا آیا تو تیمور نے اس سے پوچھا کہ آیا وہ جانتا ہے کس نے اُس کے آدمیوں کا خون کیا ہے۔ وہ بولا، ''امیر والا۔ اس علاقے میں کسی کو اتنی جرأت نہیں ہو سکتی ہے کہ تمہارے آدمیوں کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھ سکے۔ بلاشبہ یہ کام کسی دوسرے علاقے کے لوگوں کا ہے۔ کوئی خراسانی ایسا کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اگر مجھے اجازت دیں تو میں موقع کا معائنہ کر کے جاننے کی کوشش کرتا ہوں کہ یہ کام کس کا ہے۔''

تیمور کے اشارے پر بیرجند کا حاکم تیمور کے چند افسروں کے ساتھ جائے وقوعہ پر پہنچا اور جلد ہی واپس آ کر کہنے لگا، ''اے امیر! تمہارے آدمیوں کو کلزئی لوگوں نے قتل کیا ہے۔''

تیمور نے پوچھا: ''کلزئی کون ہیں؟''

اس نے جواب دیا، ''یہ لوگ ملک ''غور'' کے رہنے والے ہیں۔ ملک غور ایک وسیع سلطنت ہے، جو ہرات سے لے کر کابل تک پھیلی ہوئی ہے۔ آج کل وہاں پر ابدال کلزئی کی حکمرانی ہے۔''

تیمور نے پوچھا، ''مجھے یہاں سے غور کے لیے کون سا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ کیونکہ اگر یہاں سے ہرات اور ہرات سے غور جانا چاہوں تو یہ بے حد طویل راستہ ہو جائے گا۔ مجھے یقین ہے کہ میرے سپاہیوں کو قتل کرنے والے یقیناً کسی دوسرے مختصر راستے سے آئے ہوں گے۔''

بیر جند کا گورنر کہنے لگا، ''اے امیر والا، تُو یہاں سے سیدھا اسکندریہ اور وہاں سے شمال کی طرف ملک غور میں داخل ہو سکتا ہے۔ لیکن میں کہوں گا کہ تُو غور جانے سے چشم پوشی کر لے کیونکہ وہاں داخل ہونا بے حد خطرناک ہے۔ کلزئی لوگ جو اس ملک کے حکمران ہیں، انتہائی نڈر اور بہادر لوگ ہیں۔''

تیمور نے بیر جند کے گورنر سے پوچھا، ''تجھے یہ کیسے معلوم ہوا کہ میرے آدمیوں کو قتل کرنے والے کلزئی ہیں؟''

وہ بولا، ''عام طور پر حملہ آوروں کی کوئی نہ کوئی چیز مقام واردات پر رہ جاتی ہے۔ جب میں تمہارے آدمیوں کی مقتل گاہ پہنچا تو میری نظر ایک تلوار پر پڑی اور میں فوراً سمجھ گیا کہ حملہ آور کلزئی سپاہی تھے کیونکہ وہ تلواروں کی مدد سے لڑتے ہیں۔''

تیمور نے پوچھا، ''یہاں سے اسکندریہ اور پھر اسکندریہ سے غور تک کا راستہ کتنا ہے؟''

بیر جند کے گورنر نے بتایا، ''تقریباً 420 کلومیٹر کا فاصلہ اسکندریہ تک کا ہے اور وہاں سے فیروز آباد تک جو کہ ابدال کلزئی کا مرکز ہے، مزید 360 کلومیٹر کا فاصلہ ہے۔''

تیمور نے اس سے دریافت کیا، ''فیروز آباد کیسی جگہ ہے؟'' اس پر بیر جند کے گورنر نے بتایا کہ ''یہ ایک بہت بڑا شہر ہے جس میں ابدال کلزئی کے آباؤ اجداد نے بڑے بڑے پتھروں کی دیواریں تعمیر کرا رکھی ہیں۔ اگر تم اس شہر کا دس برس تک بھی محاصرہ کیے رکھو تو بھی اسے تسخیر نہ کر سکو گے۔''

تیمور نے مزید دریافت کرتے ہوئے پوچھا، ''کلزئی لوگ کس قسم کے ہیں؟''

اس نے جواب دیا، ''وہ لوگ لمبے قد والے اور انتہائی نڈر ہیں۔ وہ کسی لڑائی میں اُس وقت تک حملہ نہیں روکتے جب تک کہ دشمن کے ایک ایک آدمی کو ختم نہ کر لیں، بالکل اسی طرح جیسے کہ انھوں نے تمہارے ہراول دستے کے ہر ایک سپاہی کو قتل کر دیا ہے۔'' اس نے یہ بھی بتایا کہ غور میں کئی پہاڑ اور بہت سا سیم و زر بھی ہے۔

تیمور ہنگر نامی گاؤں سے نکل کر اپنے سپاہیوں کے مقتل کا معائنہ کرنے خود گیا۔ حملہ آوروں ہراول دستے میں شامل 250 سپاہیوں میں سے ہر ایک کو قتل کر دیا تھا اور گھوڑوں سمیت ان کی ہر شے لوٹ کر لے گئے تھے۔ اس جگہ کو دیکھ کر یوں لگتا تھا کہ جیسے تیمور کے آدمیوں پر بالکل اچانک حملہ کیا گیا ہے۔ یہ بات بے حد عجیب تھی کیونکہ ہراول دستہ کو آگے معلومات کے حصول کے لیے بھیجا جاتا ہے اور اُن کا کام ہوتا ہے کہ اردگرد ہر شے پر گہری نظر رکھیں اور کسی بھی خطرے کی صورت میں باقی فوج کو فوراً مطلع کریں۔

ہراول دستہ اگر غافل گیر ہو کر مارا جائے تو سمجھ لینا چاہیے کہ دشمن انتہائی چالاک اور حریف کو جال میں پھنسانے کا ماہر ہے۔ تیمور نے برجند

کے گورنر سے کہا کہ کچھ کھوجیوں کو اُس کے ساتھ روانہ کردے تاکہ دشمن کی واپسی کے راستے کا کھوج لگایا جاسکے۔ خراسان کے کھوجی اپنے کام میں بے حد مہارت رکھتے تھے اور وہ ریگستان میں اونٹوں کے قدموں کے نشانات کا کھوج بھی لگا لیتے تھے، چنانچہ گھڑسواروں کے قدموں کے نشان تلاش کرنا اُن کے لیے بے حد آسان تھا۔ تیمور کے آدمیوں کو قتل کرنے والے کلزئی گھڑسوار تھے اور وہ اس کے سپاہیوں کے گھوڑے بھی ساتھ لے گئے تھے۔ چنانچہ کھوجی باآسانی اُن کے راستے کا نشان پاسکتے تھے کیونکہ گھوڑوں کے سموں کے واضح نشانات موجود ہونے چاہیے تھے۔

کھوجی جنھیں بیرجند کے گورنر نے تیمور کے لیے کھوج لگانے کی ہدایت کی تھی، 150 کلومیٹر تک کلزئی حملہ آوروں کے نشانات کا پیچھا کرتے رہے۔ پھر انھیں پتہ چلا کہ حملہ آور اسکندریہ کی طرف نہیں گئے، بلکہ وہ اس مقام سے سیدھا فیروزآباد کی طرف گئے تھے۔ جس راستے سے وہ سفر کر رہے تھے وہاں پانی کے ذرائع موجود تھے، لہٰذا انہیں گھوڑوں کی پیاس سے ہلاکت کا کوئی ڈر نہ تھا۔

جب تیمور کو پتہ چلا کہ کلزئی حملہ آور فیروزآباد کی طرف گئے ہیں تو اُس نے پھر بیرجند کے گورنر کو مشورہ کے لیے طلب کیا۔ وہ کہنے لگا، ''اب تو یہ بات بالکل واضح ہوگئی ہے کہ جن لوگوں نے تمہارے آدمیوں کو قتل کیا ہے وہ بلاشبہ کلزئی ہی کی طرف سے بھیجے گئے تھے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ابدال کلزئی خود ان حملہ آوروں کی قیادت کر رہا ہو۔''

اب تیمور کے لیے ضروری ہوگیا تھا کہ وہ ابدال کلزئی کو اس کی دیدہ دلیری اور جسارت پر سزا دے۔ تیمور نے کبھی ایسے شخص کو نقصان نہ پہنچایا تھا جو اُس کا حکم مانتا ہو اور جان بوجھ کر کسی بے گناہ کو نقصان پہنچانے سے گریز کرتا تھا۔ مگر وہ کسی کی اہانت، غنڈہ گردی اور سینہ زوری کو بھی معاف نہیں کیا کرتا تھا اور اس کا ضرور جواب دیا کرتا تھا۔ چنانچہ اس کے لیے ابدال کلزئی کو سزا دینا لازم تھا۔ تاہم وہ یہ سوچ رہا تھا کہ آخر ابدال کلزئی نے اُس کے ہراول دستے کو کیسے غافل گیر کرلیا اور حتیٰ کہ اُس کے ہر سپاہی کو موت کے گھاٹ اُتارنے میں کامیاب ہوگیا۔ برجند کے گورنر نے کہا کہ ''ہوسکتا ہے کلزئی کسی کاررواں کو نشانہ بنانے آئے ہوں، مگر چونکہ وہ انتہائی بے خوف اور دیدہ دلیر ہیں لہٰذا انھوں نے تمہارے آدمیوں کے جنگی سازو سامان، گھوڑوں اور دیگر اسباب کے لالچ میں انھیں قتل کردیا ہو۔''

اسکندریہ پہنچ کر تیمور ایسے علاقے میں قدم رکھ چکا تھا جہاں کسی بھی وقت دشمن سے مڈبھیڑ ہوسکتی تھی۔ تیمور کو اس علاقے کے بارے میں کوئی خاص معلومات بھی حاصل نہیں تھیں۔ اسکندریہ میں اُسے طویل قامت مرد نظر آئے جن کی نیلی آنکھیں اور سنہرے بال تھے۔ ان میں سے ہر کوئی خود کو گرم چادر سے لپیٹے ہوئے تھا یا یہ چادر اُس کے کاندھوں پر رکھی ہوئی تھی۔ تیمور کو بتایا گیا کہ یہ لوگ پٹھان قبائل سے تعلق رکھتے ہیں جو قریبی پہاڑی علاقوں میں رہتے ہیں اور گاہے بہ گاہے مختلف اشیاء خریدنے شہر میں آتے رہتے ہیں۔

یہاں تیمور نے راستہ بتانے والے اور چند نئے لوگ بھی ساتھ لیے اور کچھ لوگوں کو زادِراہ فراہم کرنے کے لیے آگے روانہ کردیا۔ تیمور کو علم تھا کہ سرد موسم کی آمد تھی اور فوج کے سپاہیوں کو گرم کپڑوں کی اشد ضرورت تھی۔ لہٰذا تیمور نے زادِراہ فراہم کرنے والوں کو ہدایت کی کہ جس قدر ممکن ہوسکے گرم کپڑے، چادریں اور کمبل وغیرہ خرید لیں کیونکہ وہ ایسے راستے سے گزر رہے تھے جہاں یہ چیزیں بکثرت دستیاب تھیں۔

تیمور کی رہنمائی کرنے والے کھوجیوں نے بتایا کہ ابدال کلزئی کا دارالسلطنت فیروزآباد انتہائی سرد علاقے میں واقع ہے اور عین ممکن ہے

کہ تیمور کی فوج کو وہاں پہنچ کر برف کے طوفانوں کا سامنا کرنا پڑے، جس کے باعث اُس کے فوجی شدید ٹھنڈ کے ہاتھوں پریشان ہو سکتے ہیں۔ تیمور نے اُن سے کہا، "میں ایسی آگ لگاؤں گا کہ میرے سپاہیوں کو سردی کا احساس نہ ہوگا۔" وہ لوگ حیرت سے تیمور کی طرف دیکھنے لگے۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ تیمور سچ مچ آگ جلانے کی بات کر رہا ہے حالانکہ اُس کا مطلب کچھ اور تھا۔

تیمور زیادہ تیز رفتاری سے آگے نہیں بڑھ رہا تھا کیونکہ وہ اپنے سپاہیوں کو تھکاوٹ کا شکار نہیں کرنا چاہتا تھا۔ دوسرا وہ اس لیے بھی جان بوجھ کر آہستہ چل رہا تھا کہ شیخ عمر کی فوج بھی اُس سے آن ملے جسے اُس نے نئی صورت حال کے بارے میں آگاہ کر کے بلوا لیا تھا۔ شمال کی طرف جاتے ہوئے تیمور کی فوج اُسی راستے سے جا رہی تھی جس پر سے گزر کر محمود غزنوی ہندوستان پہنچا اور سومنات فتح کیا تھا۔

اس راستے میں جگہ جگہ تیمور کو محمود غزنوی کی نشانیاں نظر آئیں، اسے وہاں چنگیز خان کے سرداروں کی نشانیاں بھی نظر آئیں جو اسی راستے سے گزر کر ہندوستان پہنچے تھے۔ کبھی کبھی کسی پہاڑ کی چوٹی پر کوئی چھوٹا قلعہ بنا نظر آ جاتا۔ یہ کسی کو پتہ نہ تھا کہ یہ چھوٹے چھوٹے قلعے کس نے بنوائے تھے یا وہاں کون رہا کرتا تھا اور کس زمانے میں ان کی تعمیر عمل میں آئی۔ ایک روز وہ ایسے مقام پر پہنچ گئے جسے راستے کی راہنمائی کرنے والوں کے بقول بامیان کہا جاتا تھا۔ یہ جگہ کبھی دنیا کے سب سے بڑے بُت خانے کے طور پر جانی جاتی تھی۔ بُتوں کے اس وقت بھی کافی آثار نظر آ رہے تھے۔ پہاڑیوں اور ٹیلوں کو تراش کر بنائے گئے بُت اس قدر بڑے تھے کہ اُنھیں مسمار کرنے کے لیے بہت سا وقت درکار تھا۔ جب تیمور بامیان پہنچا تو وہاں بُتوں کو پوجا کرنے والا کوئی نہ تھا مگر بُت پھر بھی موجود تھے۔ تیمور کے پاس وقت تھا اور نہ ہی اُسے اس کام سے دلچسپی تھی کہ ان بُتوں کو توڑتا ہوا گزرتا۔

ویسے بھی وہ جب جنگ کے لیے نکلتا تو صرف سپاہیوں اور آلاتِ جنگ کے ساتھ روانہ ہوتا اور انسانوں کے ساتھ ہی جنگ کرنا مردانگی خیال کرتا۔ بے جان چیزوں سے لڑنا اپنی شان کے خلاف سمجھتا تھا۔

بامیان پہنچتے ہی ظاہر ہو گیا کہ اُن کا سفر مزید طویل ہو گیا ہے کیونکہ وہ ایسے علاقے میں سفر کر رہے تھے جہاں شدید سردی پڑتی تھی۔ تیمور کے تمام سپاہی پوستین پہنے ہوئے تھے۔ اسی لیے سردی کے عذاب سے بچے رہے، تاہم جہاں پڑاؤ ڈالتے تو گھوڑوں کے لیے نمدے سے ڈھکے عارضی طویلے بنا لیتے۔ اس علاقے میں اشیاءِ خوراک کی کمی نہ تھی تاہم سردی پریشان کر رہی تھی۔ تیمور کو امید تھی کہ فیروز آباد پہنچ کر وہ شہر کے گرم گھروں میں قیام کر سکیں گے۔

تیمور نے اپنے بیٹے کو پیغام بھیجا تھا کہ چونکہ ابدال کلوئی نے ہم پر حملہ کر دیا ہے لہٰذا جتنی جلدی ہو سکے، مدد کے لیے پہنچ جائے۔ اس نے اپنے بیٹے کو ہدایت کی تھی کہ چینی وفد کو کہو کہ اگر ہو سکے تو کچھ انتظار کرے، چند مہینوں بعد تیمور واپس آ جائے گا۔ تیمور نے ہدایت کی تھی کہ چینی وفد کی خاطر مدارت میں کوئی کمی نہ آنے پائے۔ اگر وہ خود ٹھہرنا نہ چاہیں تو باعزت طور پر رخصت کیا جائے۔ تیمور کے نزدیک ایلچی کی عزت افزائی کرنا خود بادشاہ کی عزت کرنا تھا۔ ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ کی عزت کر کے اپنی عظمت کا ثبوت دیتا ہے۔

تیمور نے اپنے بیٹے کو پیغام بھیجا تھا کہ وہ ایک امدادی فوج، جس کے سپاہیوں کی تعداد کم از کم بیس ہزار ہو، بدخشاں کے راستے کابلستان روانہ کر دے اور وہ ملک غور میں تیمور سے آ ملے۔ تیمور کو علم تھا کہ بدخشاں کا حاکم اُس کا دوست ہے اور اس کی امدادی فوج کو وہاں سے گزرتے ہوئے کسی مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔

جس راستے سے ابدال کلزئی کے آدمی فیروز آباد گئے تھے تو وہاں پانی وافر موجود تھا اور قلیل مقدار میں اشیائے خوردنی بھی دستیاب تھیں چنانچہ وہ اپنے اور گھوڑوں کے لیے خوراک اور چارہ فراہم کر سکتے تھے۔ مگر اگر تیمور اسی راستے سے اپنی فوج کو لے کر جاتا تو وہ بھوک کے ہاتھوں ہلاکت کا شکار ہو سکتے تھے۔ لیکن اگر وہ اسکندریہ کے راستے فیروز آباد جاتے تو انہیں کسی قسم کا مسئلہ پیش نہ آتا۔ برجند کے گورنر نے آخری وقت تک تیمور کو غور جانے سے منع کیا اور کہا کہ وہاں جا کے خود کو ہلاکت میں نہ ڈالے۔ مگر تیمور نے اُسے کہا کہ انسان جب تک خطروں کا استقبال نہ کرے تو کامیابی اس کے قدم نہیں چومتی۔

تیمور نے جو راستہ اختیار کیا وہ بیابان سے گزرتا تھا۔ اس راستے میں گیارہ مقامات پر پانی دستیاب تھا۔ اگر گرمیوں کے موسم میں اس راستے سے گزرا جاتا تو پیاس کی شدت سے گھوڑوں اور سپاہیوں کی ہلاکت کا خطرہ تھا مگر اس وقت چونکہ موسم خزاں تھا اور ہوا میں خنکی اور سردی تھی چنانچہ گھوڑے اور سپاہی اس عذاب سے محفوظ تھے۔ تیمور نے اپنے سپاہیوں کو ہدایت کی کہ وہ ہراول دستے کے انجام سے عبرت پکڑیں اور اپنے ہواس قائم رکھیں تا کہ غفلت میں نہ مارے جائیں۔ اس نے اپنی فوج کے آگے پیچھے حفاظتی دستے تعینات کر رکھے تھے تا کہ اچانک حملے کی صورت میں اُنہیں زیادہ نقصان نہ ہو۔

شہر اسکندریہ، اسکندر یونانی کے نام سے ذرا بھی مناسبت نہ رکھتا تھا۔ وہاں اسکندر نے جو قلعہ بنوایا تھا، اس کے آثار تک مٹ چکے تھے۔

جب فیروز آباد ان کے سامنے ظاہر ہوا تو اس شہر کو دیکھتے ہی تیمور سمجھ گیا کہ یہ شہر خاص طور پر جنگوں کے لیے بنوایا گیا ہے۔ یہ شہر ایک اونچے ٹیلے پر واقع تھا، جو شخص وہاں پہنچنا چاہتا تو ایک تنگ اور باریک راستے سے گزر کر ہی وہاں پہنچ سکتا تھا۔ وہ راستہ اس قدر دشوار تھا کہ بچے اور بوڑھے اسے طے کرنے سے قاصر تھے۔ شہر کی چار دیواری پتھروں سے بنی ہوئی تھی جنہیں بڑی مہارت سے کاٹ کر جوڑا گیا تھا۔ اس علاقے میں پتھروں کی بہتات تھی۔ اور وہاں سے لوگ پتھروں سے عمارتیں تعمیر کرنے کے فن میں مہارت رکھتے تھے۔

فیروز آباد پہنچتے پہنچتے سردی عروج پر پہنچ گئی تھی مگر برف باری کے آثار نہ تھے۔ اس شہر کو دیکھ کر تیمور سوچنے لگا کہ اس کا محاصرہ یقیناً بے حد طول پکڑے گا اور اس کی فصیل کو ڈھانا شاید ممکن نہ ہو سکے۔ اسے یہ بھی فکر تھی کہ ٹیلے کی بلندی تک پہنچنا انتہائی مشکل کام تھا، مگر اسی لمحے تیمور کی نظر ٹیلے کے نیچے کھڑی ہوئی فوج پر پڑی اور معلوم ہوا کہ ابدال کلزئی تیمور کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار کھڑا ہے۔

تیمور کو بتایا گیا کہ کلزئی خاص قسم کی تلوار استعمال کرتے ہیں جو اتنی بھاری اور اس قدر تیز ہوتی ہے کہ اس کا ایک وار ہی آدمی کے دو ٹکڑے کر دیتا ہے۔ تیمور کے سپاہیوں کو تلوار چلانے کی زیادہ عادت نہ تھی لیکن نیزہ استعمال کرنے میں مکمل مہارت رکھتے تھے۔ تیمور کی فوج کو ابدال کلزئی کی فوج پر ایک برتری حاصل تھی اور وہ یہ کہ غور سپاہی پیدل تھے اور تیمور کے سپاہی گھوڑوں پر سوار تھے۔

غوریوں کی ہلاکت خیز تلوار کا توڑ تیمور نے یہ کیا کہ اپنے سپاہیوں کو لمبے نیزوں سے اُن پر حملہ کرنے کی ہدایت کی تا کہ اُنہیں تلوار چلانے کی مہلت ہی نہ ملے۔ تیمور نے سپاہیوں کو نیزے سنبھالنے کی ہدایت کی اور پھر فوج کو حسب معمول تین حصوں میں تقسیم کیا۔ تیمور نے فوج کے افسروں کو تاکید کی کہ ہر رسالہ دوسرے رسالے کے بعد حملہ کرے اور یہ بھی کہ اُنہیں لڑائی کا قصہ آج ہی ختم کرنا ہے، لہٰذا سامنے موجود فوج کا نام و

نشان مٹا دینا چاہیے۔ اگر یہ فوج واپس فیروز آباد شہر میں گھس کر قلعہ بند ہو گئی تو اس پر ہاتھ ڈالنا ناممکن ہو جائے گا۔ پھر ہو سکتا ہے سالوں اس شہر کو فتح نہ کیا جا سکے۔ تیمور نے اپنے سرداروں کو بتایا کہ فیروز آباد کے لوگ دوسرے علاقوں کے رہنے والوں کی طرح سردیوں سے قبل سال بھر کی اشیاء کا ذخیرہ کر چکے ہیں، لہٰذا انھیں اشیائے خوردنی کی کمی کا شکار نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا ہمیں کلزئیوں کو شہر میں پناہ لینے سے روکنا چاہیے اور جانی نقصان کی پرواہ کیے بغیر اس موقع سے بھرپور فائدہ اٹھا کر دشمن کو آج ہی نیست و نابود کر دینا چاہیے۔

پھر تیمور نے خود بھی اپنے ہاتھ میں نیزہ تھاما اور منظم طریقے سے فوج کو لے کر آگے بڑھنے لگا۔ کلزئی سپاہی بھی ایک دائرے کی شکل میں صف آراء تھے اور یوں لگتا تھا کہ وہ لوگ صدر اسلام کے مسلمانوں کی جنگی روش کی پیروی کر رہے ہیں۔

کلزئی سپاہی اس طرح آگے بڑھ رہے تھے کہ اُن کے منہ تیمور کی فوج کی طرف اور پشت ایک دوسرے کی طرف تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ تیمور کی فوج اُن پر جس طرف سے بھی حملہ کرتی تو اُن کا رُخ اپنی طرف پاتی اور اُن کی پشت پر حملہ کرنا ناممکن تھا۔ تیمور کے سپاہی جو نیزوں سے حملہ کرنے جا رہے تھے، اُنھیں یہ خیال رکھنا تھا کہ ہر بار اپنے مقابل پر نیزے سے حملہ کرنے کے بعد اُنہیں فوری طور پر نیزہ حریف کے جسم سے نکال کر دوبارہ حملے کے لیے جلد از جلد تیار ہونا ہوگا۔ اگر اُن کا نیزہ مخالف سپاہی کے پیٹ یا سینے میں پھنس جاتا تو گویا وہ خالی ہاتھ رہ جاتے اور لڑائی جاری نہ رکھ سکتے۔ اس کا حل تو یہی تھا کہ ہر سپاہی کو کئی نیزے فراہم کر دیے جائیں تاکہ ایک نیزہ پھنس جانے پر دوسرا استعمال کیا جا سکے مگر فالتو نیزے اُٹھا کر لڑنا بہت مشکل کام تھا اور یہ سپاہی کی پھرتی اور حملہ کرنے کی صلاحیت میں کمی کا سبب بن سکتا تھا۔ لہٰذا ہر سپاہی کے پاس صرف ایک ہی نیزہ تھا اور اگر وہ بھی ہاتھ سے نکل جاتا تو وہ کلزئی سپاہیوں کے سامنے بالکل نہتے ہو جاتے۔

جب وہ کلزئی فوج کی طرف بڑھ رہے تھے تو تیمور کو توقع تھی کہ اُن پر پتھروں یا تیروں سے حملہ کر دیا جائے گا مگر نہ تو اُنھیں تیروں سے نشانہ بنایا گیا اور نہ ہی پتھروں سے بلکہ پتہ چلا کہ ابدال کلزئی تیروں یا پتھروں سے دشمن کو نشانہ بنانے کے فوائد سے قطعی لاعلم تھا۔

تیمور اور اُس کے سپاہی آہستگی سے آگے بڑھتے ہوئے دشمن کی قطاروں کے قریب تر ہو رہے تھے، مگر جب اُن کے اور دشمن کے سپاہیوں کے درمیان 150 فٹ کا فاصلہ رہ گیا تو انھوں نے اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگا دی اور اُن کے گھوڑے ہوا سے باتیں کرنے لگے۔ اس رفتار سے حملہ کر کے وہ اپنے نیزے سے دشمن کے جس سپاہی کو نشانہ بناتے، نیزہ اُس کے بدن کے آر پار ہو جاتا کیونکہ گھوڑے کی حرکت اور آدمی کی قوت کے ملنے سے ایسا مہلک وار پڑتا کہ جس کا سامنا کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہ تھی۔ تیمور نے بھی اپنے نیزے سے ایک دشمن سپاہی کا نشانہ لیا تاکہ اپنے نیزے کو اُس کے سینے میں اُتار دے، اسی لمحے کچھ ایسا ہوا جو تیمور کے لیے قطعی غیر متوقع تھا۔ تیمور نے دیکھا کہ کوئی چیز اس کی طرف پھینکی گئی جو اُس کے حفاظتی لباس سے ٹکرائی، ایک چھنکار سی سنائی دی اور وہ چیز پھسلتی ہوئی نیچے جا گری، اسی اثناء میں تیمور کا نیزہ اس مخالف سپاہی کے سینے میں اُتر چکا تھا (جس نے اس پر وہ عجیب شے پھینکی تھی)۔ تیمور نے جلدی سے اپنا نیزہ مخالف سپاہی کے سینے سے نکال لیا تاکہ اگلے حملے کے لیے تیار ہو جائے، تب اچانک وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اُس کے بے شمار سپاہی گھوڑوں سے نیچے اُترنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ تیمور حیرت سے دیکھ رہا تھا کہ کلزئی سپاہی کوئی چیز مہارت سے پھینک کر اُس کے سپاہیوں کو گھوڑوں سے نیچے اُترنے پر مجبور کر رہے تھے۔

پہلی بات تیمور کے ذہن میں یہ آئی کہ مخالف سپاہی شاید کمند پھینک رہے ہیں، مگر پھر پتہ چلا کہ وہ قلاب (کانٹے) تھے۔ قلاب دراصل ایک کانٹا نما چیز تھی جس کے ساتھ ایک زنجیر بندھی ہوئی تھی اور اس زنجیر کا دوسرا سرا کلزئی سپاہیوں کے ہاتھ میں تھا۔ کلزئی سپاہی اس ہتھیار کو پھینکنے میں انتہائی مہارت رکھتے تھے، وہ قلاب کا ایک سرا پکڑ کر تیمور کے سپاہیوں پر پھینکتے جو ہوا میں لہراتا ہوا سیدھا اُن کے بدن میں چُبھ جاتا اور زنجیر کو ہلکا سا جھٹکا دینے سے وہ کانٹا ایسے بدن میں پھنس جاتا کہ اُس سے چھٹکارا پانا ناممکن ہو جاتا۔ تب وہ زنجیر کھینچ کر تیمور کے سپاہیوں کو بڑی آسانی سے زمین پر گرا لیتے اور اگلے ہی لمحے اپنی مہلک تلوار سے وار کر کے اُن کے دو ٹکڑے کر دیتے تھے۔

یہ سب ایک آن میں دیکھ کر تیمور نے دوسری آن پیچھے ہٹنے کا فیصلہ کر لیا کیونکہ اُن پر جس ہتھیار سے کلزئی سپاہیوں نے حملہ کیا تھا وہ اُن کے لیے قطعی غیر متوقع تھا۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ اُس سے کیسے بچا جائے۔ اُن کے نیزوں اور اس عجیب ہتھیار کا کوئی مقابلہ نہ تھا کیونکہ اس سے پہلے کہ ان کے نیزے ان تک پہنچتے ان کے کانٹے سپاہیوں کے بدن میں اُتر کر، انہیں زمین بوس کر چکے ہوتے۔ عین ممکن تھا کہ بر جند میں تیمور کے ہر اول دستے کے 250 ارکان کو بھی بالکل اسی طرح بے خبری میں اسی ہتھیار سے نشانہ بنایا گیا ہو، چونکہ انہیں ایسے ہتھیار کے خلاف دفاع کرنا نہیں آتا تھا اس لیے سب کے سب موت کے گھاٹ اُتر گئے۔ تیمور شاید خود بھی مارا جاتا مگر خوش قسمتی سے وہ آہنی لباس پہنے ہوئے تھا جس نے اُس کی جان بچا لی، اس پر پھینکا جانے والا کانٹا اُس کے آہنی لباس سے ٹکرا کر نیچے جا گرا اور اُس کے بدن میں نہ اُتر سکا، ورنہ اگر وہ اس کے بدن میں اُتر جاتا تو یقیناً کلزئی سپاہی اسے بھی گھوڑے سے گرانے میں کامیاب ہو جاتے اور اُن کی مہلک ترین تلوار پلک جھپکتے اُس کے بھی دو ٹکڑے کر دیتی۔

بہر حال، بگل کی آواز اور جھنڈے لہرانے سے تیمور کے سپاہی سمجھ گئے کہ اُنہیں پیچھے ہٹنا ہے، چنانچہ میمنہ، میسرہ اور مرکزی حصے کے سپاہیوں نے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔ جب تیمور دشمن کے سامنے سے پیچھے ہٹ رہا تھا تو اُسے ایک بار پھر آہنی لباس کی اہمیت کا احساس ہوا اور اُس نے فیصلہ کیا کہ اپنے تمام سپاہیوں کے لیے آہنی لباس ضرور تیار کرائے گا۔ اگر اس دن تیمور کے سپاہی آہنی لباس میں ہوتے تو دوسرے فوائد کے علاوہ وہ انہیں کلزئی سپاہیوں کے خفیہ ہتھیار قلاب سے بھی محفوظ رکھتا۔

تیمور نے دیکھا کہ اُس کے وہ سب سپاہی جو قلاب کا نشانہ بن کر زمین پر آئے تو اُن میں سے کوئی بھی زندہ نہ بچ سکا۔ بعد میں پتہ چلا کہ ملک غور کے شہنشاہ نے اپنے سپاہیوں کو ہدایت کر رکھی تھی کہ کسی مخالف سپاہی کو قیدی نہ بنائیں بلکہ فوراً قتل کر دیں۔ کیونکہ ان کے خیال میں جنگی قیدی کسی بھی وقت ان پر حاوی ہو کر صورتِ حال تبدیل کر سکتا ہے۔ لیکن اگر اُس کا فوری خاتمہ کر دیا جائے تو اس کی طرف سے کوئی خطرہ باقی نہیں رہتا۔ غور کے پورے علاقے میں یعنی ہرات سے کابلستان تک ایک محاورہ مشہور ہے کہ ''مرے ہوئے سے کیا ڈرنا۔''

تیمور اپنے قیدیوں کو قتل نہ کرتا تھا، بجز کسی خاص وجہ کے، بلکہ درحقیقت وہ اُن کی طرف سے خراج ادا کرنے پر انہیں رہا کر دیا کرتا تھا۔ اگر وہ خراج ادا نہ کر پاتے تو تیمور اُنہیں فروخت کر دیتا۔

جب تیمور اور اُس کے سپاہی پیچھے ہٹ گئے تو تیمور نے دیکھا کہ کلزئی سپاہی جو دائرہ بنائے ہوتے تھے وہ بدستور صف آرائی کیے کھڑے ہیں۔ گویا کہہ رہے ہوں، ''ہم تیار ہیں، ہمت ہے تو آؤ اور ہم پر حملہ کرو!''

تیمور نے اپنے سرداروں کو ایک جگہ جمع کیا اور مشورہ طلب کیا کہ کلزئیوں کے اس غیر متوقع ہتھیار کے بارے میں اُن کی کیا رائے ہے۔
تیمور نے اُن سے کہا، ''آج ہمارے سپاہی ہرگز خوفزدہ نہیں اور اگر ہم حملہ جاری رکھتے تو وہ سب کے سب اپنی جانیں قربان کرنے سے ہرگز دریغ نہ کرتے مگر یوں اُن کا جانیں قربان کرنا رائیگاں جاتا۔ اگرچہ جنگ سے پہلے میں نے ہدایت کی تھی کہ ہمیں آج ہی جنگ کا فیصلہ کرنا ہے اور جانی نقصان کی پرواہ کیے بغیر جنگ جاری رکھنی ہے، مگر اب ہمیں پتہ چل چکا ہے کہ کلزئیوں کو شکست دینا اتنا آسان نہیں۔ جس کسی کے پاس اس بارے میں کوئی منصوبہ ہو کہ کس طرح کلزئیوں کے خاص ہتھیار رقلاب کا توڑ کرنا ہے تو اُسے بولنے دو تا کہ مختلف افکار کی مدد سے اس کا توڑ کیا جا سکے۔''

تیمور کے افسروں میں لطیف چلاق نامی ایک افسر تھا۔ وہ کہنے لگا، ''اے امیر! تمہارے پاس جو بارود ہے اس کے ذریعے کلزئیوں کے ہتھیار کا جواب کیوں نہیں دیتے۔'' تیمور نے کہا، ''بارود کا فائدہ اُس وقت ہے جب کوئی فوج قلعہ بند ہو اور ہم اُس کا محاصرہ کیے ہوئے ہوں۔ اگر ہمیں فیروز آباد کا محاصرہ کرنا پڑا تو ہم شہر کی دیواروں کے ساتھ بارود نصب کر کے انہیں بارود سے اُڑا دیں گے۔ مگر ہم دشمن کے سپاہیوں پر بارود پھینک کر قلاب کا توڑ کیسے کر سکتے ہیں۔''

لطیف چلاق جو کہ چالیس سال کا جوان آدمی تھا، کہنے لگا، ''اے امیر! اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو میں کلزئی سپاہیوں کے پیروں تلے بارود سے آگ لگا دیتا۔''

تیمور نے کہا، ''بچوں جیسی باتیں نہ کرو۔ تمہیں پتہ ہونا چاہیے کہ ہم اس وقت میدان جنگ میں سرنگیں کھود کر ہر سپاہی کے پیروں تلے بارود نصب نہیں کر سکتے۔ کوئی سپاہی ایک جگہ لڑتا ہے تو دوسرا کسی اور جگہ۔''

لطیف چلاق بولا، ''امیر والا، گستاخی معاف! مگر میں نے یہ تو نہیں کہا کہ ہر سپاہی کے قدموں تلے سرنگیں کھودی جائیں، یہ تو ہر کوئی سمجھتا ہے کہ لڑتے وقت سپاہی کے پیروں تلے سرنگیں نہیں نکالی جا سکتی ہیں۔ مگر میرے خیال میں یہ تو ہو سکتا ہے کہ بارود کو چمڑے کے تھیلوں یا چھوٹے چھوٹے مشکیزوں میں بھر کر ان سے فیتہ جوڑ کر باہر نکال دیا جائے اور جس طرح ہم دیوار کو اُڑانے کے لیے فیتے کو آگ لگاتے ہیں تو اسی طرح ان فیتوں کو آگ لگا کر دشمن کے پیروں تلے پھینکتے جائیں۔''

تیمور نے جس دن پہلی بار شہر کی دیوار کو اُڑانے کے لیے بارود کا استعمال کیا تھا تو اسی دن سے اُس کے ذہن میں یہ خیال پرورش پا رہا تھا کہ میدانِ جنگ میں بھی دشمن کے خلاف بارود سے فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے، لیکن اس کا طریقہ کار اُس کے ذہن میں نہ آیا تھا۔ لطیف چلاق کی بات تیمور کے دل کو لگی اور اُس نے اپنے آپ سے کہا کہ اس حربے کو آزمانے میں اگر فائدہ نہ ہوا تو نقصان بھی نہیں ہوگا۔

چنانچہ چمڑے کی ایک تھیلی میں بارود بھرا گیا اور اس میں ایک فیتہ بھی لگا دیا گیا۔ پھر لطیف چلاق نے ہی اس تھیلی کو ہاتھ میں پکڑ کر فیتے کو آگ لگا دی اور جب شعلہ تھیلی کی طرف بڑھنے لگا تو اس نے ایک طرف پھینکتے ہوئے کہا، ''فرض کیا کلزئی سپاہی وہاں کھڑے ہیں۔'' زمین پر گرتے ہی چمڑے کی تھیلی میں آگ لگ گئی اور ہلکے دھماکے کی آواز بھی سنائی دی۔

لطیف چلاق کہنے لگا، ''اے امیر، اگر ہم ایسی بہت سی تھیلیاں بنا کر دشمن کے سپاہیوں پر پھینکیں تو وہ خوفزدہ ہو جائیں گے، اُن میں سے

بہت سے تو آگ سے جھلس جائیں گے اور باقی دھماکوں سے خوفزدہ ہو کر بھاگنے اور اپنی صفیں چھوڑنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ تب ہم ان پر شدید حملہ کر کے ان کا صفایا کر دیں گے۔"

تیمور کو لطیف چالاق کی بات پسند آئی۔ اُس نے فوری حکم دیا کہ بہت سے چرمی تھیلے تیار کیے جائیں اور اُن کے ساتھ فیتے لگائے جائیں اور یہ کام شام سے پہلے مکمل کیا جائے۔ چنانچہ اُن لوگوں نے بہت سے بارود سے بھرے چرمی تھیلے تیار کیے اور انہیں کلزئی سپاہیوں کی طرف آگ لگا کر پھینکنا شروع کر دیا، مگر کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ فیتہ چھوٹا ہونے کے سبب یا کسی اور وجہ سے جب سپاہی بارود سے بھرا تھیلا ہاتھ میں پکڑ کر آگ لگاتا تو وہ اس کے ہاتھ میں ہی آگ پکڑ لیتا اور اُسے ہی جلا ڈالتا۔

اس موقع پر ابھی تیمور اس بات سے آگاہ نہ تھا کہ اگر بارود کو مٹی کے کوزہ میں ڈال کر اس میں پتھر رکھ دیے جائیں تو کوزہ پھٹنے سے جو پتھر بکھریں گے تو وہ دشمن کی ہلاکت کا سبب بن سکتے ہیں۔ تاہم اس موقع پر اُن کا مقصد بارود سے محض دشمن کو جلانا یا خوفزدہ کرنا تھا۔ پھر بھی اس کے نتائج اُن کی توقع سے کہیں بڑھ کر برآمد ہوئے۔

تیمور اور اُس کے افسروں کا خیال تھا کہ بارود پھٹنے سے کلزئی سپاہی حواس باختہ ہو جائیں گے، تب وہ ان کے خوفزدہ ہونے سے فائدہ اُٹھا کر بھرپور حملہ کر دیں گے اور اُنھیں اُن کا خاص ہتھیار قلاب چلانے کی مہلت نہ دیں گے۔ مگر وہ لوگ بارود پھٹنے سے اس قدر خوفزدہ ہوئے کہ چند لمحے بھی پائیداری نہ دکھا سکے اور جدھر منہ اُٹھا بھاگ کھڑے ہوئے۔ تیمور نے موقع دیکھ کر بھرپور حملے کا حکم دے دیا اور اپنے افسروں بشمول لطیف چالاق سے جس نے بارود استعمال کرنے کا مشورہ دیا تھا کہا کہ جنگ کا فیصلہ ہر صورت سورج ڈھلنے سے پہلے مکمل ہو جانا چاہیے اور رات سے پہلے ہمیں شہر میں داخل ہو جانا چاہیے۔ تیمور نے اپنے افسروں پر واضح کر دیا کہ اگر وہ رات کے وقت شہر سے باہر ٹھہرنے پر مجبور ہو گئے تو سب کے سب سردی سے ہلاک ہو جائیں گے اور بالفرض اگر زندہ بھی بچ گئے تو اُن کی حالت مُردوں سے مختلف نہ ہو گی۔

کلزئی سپاہی جب تک ایک دائرے کی شکل میں صف آراء تھے تو ناقابل شکست لگتے تھے مگر جب اُن کی صف آرائی ٹوٹ گئی اور وہ بکھر گئے تو ان کی کمزوریاں عیاں ہو گئیں، تیمور نے دیکھا کہ اُن سب کے پاس قلاب نہیں ہیں۔ بلکہ قلاب پھینکنے والے سپاہیوں کا ایک الگ دستہ ہے۔ تیمور کے گھڑسوار سپاہی بخوبی جانتے تھے کہ پیدل سپاہیوں کا خاتمہ کیسے کرنا ہے، چنانچہ وہ بڑی مہارت سے نیزوں اور تلواروں کے ذریعے کلزئی سپاہیوں کا صفایا کر رہے تھے۔

کبھی کبھی کوئی کلزئی سپاہی اُن کی طرف قلاب بھی پھینکتا مگر خوف اور افراتفری کے باعث اُسے نشانہ ٹھیک لگانے کی مہلت نہ ملتی اور اس سے پہلے کہ وہ کسی کو اپنا نشانہ بنا پائے وہ خود نیزے یا تلوار کا نشانہ بن جاتا۔

اگر رات ہو جاتی تو تیمور کے لیے بذات خود فیروز آباد کے باہر رات گزارنا اور اگلی صبح تک انتظار کرنا کوئی خاص مشکل نہ تھا کیونکہ اُس کے لیے ایک مناسب خیمہ موجود تھا، اگر اُس خیمہ کو نصب کر کے دروازے بند کر دیئے جاتے تو اُس کے اندر ایسی ہی گرمی ہو جاتی جیسے کہ گرمیوں کا موسم ہو۔ لیکن ایک فوج کے سپہ سالار کو صرف اپنی ذات کے لیے ہی نہیں بلکہ اپنے تمام سپاہیوں کے لیے بھی سوچنا ہوتا ہے کیونکہ وہ سپاہیوں کے بغیر کچھ

بھی نہیں ہوتا۔ تیمور کو اچھی طرح علم تھا کہ اگر اُس کے سپاہیوں کو سردیوں کی وہ رات یخ بستہ صحرا میں بسر کرنا پڑی تو سب کے سب سپاہی اپنے گھوڑوں سمیت مارے جائیں گے، لہٰذا اُس نے رات پھیلنے سے پہلے شہر میں داخل ہونے کا منصوبہ بنایا تھا۔

چنانچہ جب تیمور کے گھڑ سواروں اور ابدال کلزئی کے پیدل سپاہیوں کے درمیان جنگ جاری تھی تو تیمور خود سپاہیوں کے ایک دستے کے ہمراہ شہر کی طرف روانہ ہو گیا، اُس نے اپنے سپاہیوں کو ہدایت کی تھی کہ بارود کے چرمی تھیلے ساتھ لے لیں تاکہ شہر کے دروازوں کے نیچے رکھ کر انہیں اُڑایا جا سکے۔ ٹیلے کے عین نیچے تیمور کے سپاہیوں نے دشمن کو اس طرح اُلجھا لیا تھا کہ وہ تیمور اور اُس کے ساتھیوں کا راستہ نہ روک سکتے تھے۔ میدانِ جنگ سے ایک راستہ سیدھا شہر کی طرف جاتا تھا، چنانچہ تیمور اور اس کے سپاہیوں کا دستہ اسی راستہ پر روانہ ہو گئے۔ وہ اس قدر تیز رفتاری سے جا رہے تھے کہ جب وہ ٹیلے کے اوپر پہنچے تو گھوڑوں کی سانسیں پھول رہی تھیں۔ شہر کے دفاع کے لیے کوئی موجود نہ تھا مگر جب عام شہریوں کو پتہ چلا کہ تیمور اور اُس کے سپاہی شہر کی طرف آ رہے ہیں تو اُنھوں نے شہر کے دروازے بند کر لیے۔ تیمور کو اس بات کی پہلے ہی توقع تھی اسی لیے وہ اپنے ساتھ بارود بھرے تھیلے لے کر آیا تھا تاکہ بارود کی مدد سے دروازوں کو اُڑا سکے۔ ابدال کلزئی کی طرف سے شہر کے دفاع کے لیے حفاظتی دستے کا تقرر نہ کرنا اُس کی جنگی فنون سے لاعلمی کا واضح ثبوت تھا۔

تیمور اگرچہ اس بات پر یقین رکھتا تھا کہ میدانِ جنگ میں فتح کے لیے سپاہیوں کی بہادری اور بے خوفی نہایت اہم چیز ہے مگر اُس کا ماننا تھا کہ بہادری اور بے خوفی صرف جسمانی قوت کی حد تک ہی محدود نہیں، بلکہ ایک جنگجو انسان کو مضبوط و توانا بدن کے ساتھ ساتھ مضبوط دل کا مالک بھی ہونا چاہیے لیکن سب سے بڑھ کر ہمت اور بے خوفی کے علاوہ ایک فوج کے سپہ سالار کو صورتحال کو سمجھنے نیز فوجی چالوں اور حکمت عملیوں سے بھی مکمل آگاہی ہونی چاہیے۔ اگر ابدال کلزئی فیروز آباد شہر کے دروازے بند کر لیتا اور تیمور کی فوج کو شہر کے محاصرے پر مجبور کرتا تو تیمور کی فوج چند دن میں ہی سخت ترین سرد موسم کا شکار ہو کر تباہ و برباد ہو جاتی۔ مگر اپنے ''قلاب'' کہلانے والے خاص ہتھیاروں اور سپاہیوں کی کاٹ دار مہلک تلواروں پر اندھا اعتماد ہونے کے باعث ابدال کلزئی شہر سے باہر نکل کر مقابلے پر آ گیا اور اُس نے خود کو اور اپنے سپاہیوں کو تیمور کے گھڑ سوار سپاہیوں کے خلاف خطرے میں ڈال دیا۔ اگرچہ اُسے ابتداء میں کامیابی حاصل ہوئی تھی، مگر تیمور کی فوج نے اُن کے ''قلاب'' کا توڑ کر لیا اور کلزئی سپاہیوں کی صف بندی توڑنے اور شہر کی طرف جانے میں کامیاب ہو گئی۔

شہر کے دروازوں تک پہنچ کر تیمور نے اپنے ساتھ موجود سپاہیوں کو تین حصوں میں تقسیم کیا، ان میں سے ایک حصے کو گھوڑوں سے اُتر کر فوری شہر کے دروازوں کے نیچے کھدائی کے کام پر مامور کیا، پھر دوسرے حصے کو شہر کی دیواروں کے ساتھ نگرانی کا کام سونپا تاکہ دیوار کے اوپر سے پتھر یا کھولتا ہوا تیل پھینکنے کی کوشش کرنے والوں کو تیروں سے نشانہ بنایا جا سکے۔ تیمور نے آخری دستے کو اپنے عقبی حصے کی حفاظت کی ذمہ داری سونپی کیونکہ عین ممکن تھا کہ جب ابدال کلزئی کو اُن کے شہر تک پہنچنے کا علم ہو تو وہ اپنے فوجیوں کو اُن کے مقابلے پر روانہ کر دے۔

تیمور کے سپاہیوں نے شہر کی دیوار کے اوپر نظر آنے والے چند لوگوں کو تیروں کا نشانہ بنایا، تاہم یہ بات ظاہر ہو گئی کہ اُن کا شہر تک پہنچنا مقامی لوگوں کے لیے قطعی غیر متوقع تھا۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ ابدال کلزئی ٹیلے کے نیچے ہی اُن کا راستہ روک لے گا، یہی وجہ تھی کہ وہ مدافعت میں کچھ

نہیں کر پا رہے تھے۔ اس کے باوجود تیمور سوچ رہا تھا کہ شہر میں داخل ہونے کے بعد انھیں فیروز آباد کے شہریوں کے ساتھ خونریز جنگ لڑنا ہوگی۔ کلزئی سپاہی جنہوں نے تیمور کے سپاہیوں کو اپنی تلواروں سے دو حصوں میں کاٹا تھا، اسی شہر سے تعلق رکھتے تھے اور ان جیسے کچھ سپاہی اب بھی شہر میں موجود ہو سکتے تھے جو اُن کے لیے خاصی مشکلات کھڑی کر سکتے تھے۔

تیمور نے اپنے ساتھ موجود ایک سردار کے ذریعے لطیف چالاق کو پیغام بھیجا کہ وہ جیسے ہی ٹیلے کے اوپر سے نرسنگھے کے بگل کی آواز سُنے تو فوراً 2 ہزار سپاہیوں کو اُن کی طرف روانہ کر دے کیونکہ تیمور ایک مضبوط فوج کو ساتھ لے کر شہر میں داخل ہونا چاہتا تھا۔

تیمور نے اپنے سپاہیوں کو ہدایت کی کہ وہ شہر میں داخل ہوتے ہی بلند آواز سے اذانیں دینا شروع کر دیں، کیونکہ کلزئیوں کے نزدیک اذان صلح کا پیغام سمجھی جاتی تھی۔ کچھ سپاہیوں کو یہ ذمہ داری سونپی کہ وہ شہر میں داخل ہوتے ہی بلند آواز سے یہ اعلان کرنا شروع کر دیں کہ شہر کے لوگوں کی جان، مال اور عزت و ناموس کو کوئی خطرہ نہیں بشرطیکہ وہ اُن کی راہ میں کوئی مشکل کھڑی نہ کریں۔

پھر تیمور کے سپاہیوں نے شہر کے دروازوں کے عین نیچے کھدائی کی گئی جگہوں پر بارود رکھ دیا اور اُن کے فیتوں کو آگ لگا دی۔ شہر کے دروازے ہولناک آواز کے ساتھ دھماکے سے ٹوٹ کر بکھر گئے، دھماکے کی آواز اس قدر خوفناک تھی کہ اس سے پورا ٹیلہ لرز اُٹھا۔ اس کے ساتھ ہی تیمور اور اُس کے سپاہی اذانیں دیتے شہر میں داخل ہو گئے۔

ہرکاروں کو ذمہ داری سونپی گئی تھی کہ وہ بلند آواز میں یہ اعلان کرتے رہیں کہ فیروز آباد شہر میدانِ جنگ نہیں ہے اور چونکہ اس شہر کے باشندوں نے مزاحمت نہیں کی اور کسی قسم کا نقصان بھی نہیں پہنچایا اس لیے تیمور بھی اُنہیں کوئی گزند نہ پہنچائے گا۔ اور یہ کہ اگر وہ بدستور یونہی غیر مزاحم رہیں گے تو اُن کی جان، مال اور عزت و آبرو محفوظ رہے گی۔ اذان کی آواز اور ہرکاروں کے اعلانات کا خاطر خواہ اثر ہوا چنانچہ جن لوگوں نے تیمور کے سپاہیوں کے خلاف تلواریں اُٹھا رکھی تھی انہوں نے تلواروں کو پھینک دیا۔ اور یوں فیروز آباد کا شہر بغیر کسی مزاحمت کے تیمور کے قبضے میں آ گیا۔

تیمور کے سپاہیوں کو اب شاہی محل پر قبضہ کرنا تھا اور اُن سب مقامات پر بھی جو سپاہیوں کے قیام کے لیے مخصوص تھے۔ تیمور خود شہر میں داخل نہ ہوا تھا کیونکہ ابھی ٹیلے کے عین نیچے کلزئی سپاہیوں اور اس کے ساتھیوں کے درمیان جنگ جاری تھی۔ کلزئی سپاہی ہتھیار ڈالنے پر آمادہ نہ تھے حالانکہ اُن کی تعداد لمحہ بہ لمحہ کم ہو رہی تھی۔ اگر ان بہادر، نڈر اور قابل سپاہیوں کو ایک لائق اور جنگی فنون سے بہرہ ور سپہ سالار مل جاتا تو شاید تیمور کبھی اُن پر فتح یاب نہ ہو پاتا۔ ابدال کلزئی کی نااہلی ہی اُس کے سپاہیوں کی شکست کا سبب بنی۔ جب تاریکی کے آثار نمودار ہوئے تو ٹیلے کے نیچے لڑائی بھی ختم ہو گئی۔ ابدال کلزئی کے تقریباً سارے آدمی مارے گئے اور تیمور کے سپاہی چار سو سے زیادہ قیدی زندہ نہ پکڑ سکے۔

جب تیمور کو یقین ہو گیا کہ لڑائی ختم ہو چکی ہے تو وہ بھی شہر میں داخل ہوا اور سب سے پہلے شاہی محل کا معائنہ کرنے پہنچ گیا۔ ابدال کلزئی کے بیوی بچوں کو وہاں سے ایک دوسری جگہ منتقل کر دیا گیا تھا اور وہ بالکل محفوظ تھے۔ تیمور نے حکم دے رکھا تھا کہ اہل شہر کو ہرگز نقصان نہ پہنچایا جائے۔ محل کا معائنہ کرنے کے بعد تیمور نے وہاں روشنی کا بندوبست کرنے اور اس جگہ کو گرم کرنے کے لیے آگ جلانے کا حکم دیا۔ پھر وہ اپنے سپاہیوں کے لیے رہائش کا بندوبست کرنے کے لیے محل سے باہر نکل گیا۔

شہر کی بڑی مسجد اور دوسرے وسیع و عریض مکانوں میں سپاہیوں کے ٹھہرنے کا بندوبست کیا گیا تھا۔ تیمور کے سپاہیوں کی بڑی تعداد زخمی تھی۔ تیمور نے اُن کے علاج معالجے اور انہیں گرم جگہ مہیا کرنے کے لیے تمام وسائل مہیا کرنے کی ہدایت کی۔ جب اُسے اطمینان ہو گیا کہ سپاہیوں کے لیے مناسب جگہ اور سردی سے بچاؤ کا انتظام ہو گیا ہے، نیز زخمیوں کا علاج معالجہ بھی ہو رہا ہے اور گھوڑوں کے لیے پناہ اور چارے کا بندوبست بھی ہو گیا ہے تو وہ ابدال کلزئی کے محل میں لوٹ آیا اور کمرے میں آ کر بیٹھ گیا۔ اس کمرے کے عین درمیان میں ایک بڑی سی انگیٹھی رکھی تھی جس سے نکلتے آگ کے شعلے کمرے کو گرم کر رہے تھے، نیز اس کمرے میں بہت سے چراغ بھی روشن کیے گئے تھے۔ اس کمرے میں ابدال کلزئی کو تیمور کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس کے چہرے پر زخم تھا اور اُلٹا ہاتھ بھی زخمی ہو چکا تھا۔ اس کے جسم کے ایک حصے پر بھی پٹی بندھی ہوئی تھی۔ تیمور کو بتایا گیا کہ ایک نیزہ اس کے جسم کو چھید گیا ہے۔ گو کہ ابدال کلزئی زخمی تھا مگر جب وہ کمرے میں داخل ہوا تو غراتے ہوئے بولا: ''مجھے یہاں کس لیے لائے ہو؟''

تیمور نے کہا، ''میں اس گستاخ کو دیکھنا چاہتا تھا، جس نے میرے اڑھائی سو آدمیوں کو قتل کرنے کی جسارت کی ہے۔''

ابدال کلزئی کہنے لگا، ''وہ آدمی میں ہوں، اگر آج تُو آگ کا سہارا نہ لیتا تو میں تیرے سارے کے سارے آدمیوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیتا اور اس وقت تیرا سر بھی میرے قدموں میں پڑا ہوتا۔

تیمور نے کہا، ''اے نادان شخص! مانا کہ تُو بہت بہادر ہے اور شیر کا سا دل رکھتا ہے، مگر انتہائی بے عقل اور نا اہل ہے۔ یہ باتیں بھی تیری بے عقلی کی دلیل ہیں کہ تُو میرے سامنے ایسے باتیں کر رہا ہے، حالانکہ اس وقت میرے ایک اشارے پر تیرا سر تن سے جدا کیا جا سکتا ہے۔''

ابدال کلزئی اسی اکھڑ انداز میں کہنے لگا، ''میں نے یہ باتیں اس لیے کی ہیں کہ تو جان لے کہ میں اگرچہ جنگ ہار چکا ہوں اور اس وقت زخمی حالت میں تیرا قیدی ہوں مگر پھر بھی تجھ سے ڈرتا نہیں ہوں۔ اگر میری بات کا یقین نہ آئے تو اپنے آدمیوں سے کہہ کہ میرے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں۔ تب تجھے پتہ چلے گا کہ میں پھر بھی رحم کی درخواست کرنے والا نہیں ہوں۔''

تیمور بولا: ''میں مانتا ہوں کہ تُو بہت بہادر ہے۔ اگر تُو نے میرے اڑھائی سو آدمیوں کو قتل نہ کیا ہوتا تو مجھے تجھ سے کوئی سروکار نہ تھا اور نہ ہی میں 780 کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے برجند سے یہاں تجھے سزا دینے کے لیے آتا۔ خیر یہ تو بتا، تُو نے میرے آدمیوں کو قتل کیوں کیا؟ انہوں نے تیرا کیا بگاڑا تھا، وہ تو اپنے راستے جا رہے تھے۔ کیا تُو کوئی بچھو ہے کہ جو خواہ مخواہ ڈنک مارتا ہے۔''

ابدال کلزئی اگرچہ زخمی اور قید میں تھا، پھر بھی ہنس پڑا اور اس کے سفید دانت ظاہر ہو گئے، پھر وہ کہنے لگا، ''میں جاننا چاہتا تھا کہ اس شخص کے آدمیوں کو مار کر کیسا لگتا ہے، جسے لوگ امیر تیمور کہتے ہیں۔''

تیمور نے اس پر جواب دیا، ''ابدال کلزئی، اب مزہ چکھ لیا۔ ویسے، میں نے تیرے شہر پر قبضہ کرنے کے بعد یہاں کسی قسم کی غارت گری نہیں کی بلکہ میں نے حکم جاری کیا کہ لوگوں کی جان، مال اور عزت و آبرو کا احترام کیا جائے۔''

ابدال کلزئی انتہائی غصے اور حقارت سے بولا، ''مجھ پر احسان مت کر، اگر تو اس شہر میں قتل و غارت کرتا تو یہاں کے مرد تیرے آدمیوں کا تیا پانچا کر دیتے۔''

تیمور بولا، ''چونکہ تُو نے میرے اڑھائی سو آدمیوں کو قتل کیا ہے، حالانکہ انھوں نے تجھے کوئی گزند تک نہ پہنچائی تھی، لہٰذا تُو مجرم ہے اور تجھے اسلامی شریعت اور جنگی قوانین کے مطابق قصاص دینا ہوگا۔ قتل کے جرم میں تیری سزا بھی موت ہے۔ مگر میں ایک شرط پر تیری جان بخشی کر سکتا ہوں کہ تُو میرا اخراج گزار بن جا اور آج کے بعد میری اطاعت کر، اور اپنے کلزئی سپاہیوں کو میری فوج میں شامل ہونے کا حکم دے، کیونکہ میں ان بہادر غور سپاہیوں کو اپنی فوج میں شامل کرنا چاہتا ہوں۔ اگر تُو میری شرائط مان لے تو زندہ بچ سکتا ہے اور میں تیری سلطنت بھی تجھے لوٹا دوں گا اور تیرے بعد تیرے بیٹے یہاں حکمرانی کریں گے۔ دوسری صورت میں تیرا سرتن سے جدا کر دیا جائے گا۔''

ابدال کلزئی کہنے لگا، ''پھر تُو جلدی کر اور مجھے قتل کرا دے، کیونکہ میں کبھی بھی تیری شرطیں تسلیم نہیں کروں گا۔ تجھے علم ہونا چاہیے کہ ایک کلزئی سردار کبھی بھی کسی کا خراج گزار نہیں بنا۔''

تیمور نے کہا، ''میں فی الحال تجھے قتل نہیں کروں گا، تو صبح تک زندہ رہ سکتا ہے، لیکن اگر سورج طلوع ہونے کے بعد تیری طرف سے مثبت جواب نہ ملا تو میں اسی لمحے تیرا سرتن سے جدا کرنے کا حکم جاری کر دوں گا۔''

ابدال کلزئی بولا، ''اگر تو مجھے ہزار سال تک زندہ رہنے کی مہلت دے تو بھی میری زبان سے ہاں نہ سُن سکے گا۔ میں کبھی بھی تیرا اخراج گزار بنوں گا اور نہ ہی تیرا حکم مانوں گا۔ ملک غور صرف فیروزآباد تک محدود نہیں ہے۔ اس ملک میں ایسے قبیلے ہیں جو تیرے سپاہیوں کو زندہ چبا ڈالیں گے اور تجھ سے میرا انتقام ضرور لیں گے۔''

جب صبح طلوع ہوئی تو اتنی شدید ٹھنڈ پڑ رہی تھی کہ تیمور کے ملازموں میں سے ایک نے کسی لوہے کی شے کو ہاتھ لگایا تو اس کا ہاتھ چپک کر رہ گیا۔ تیمور کو اُس لمحے یقین ہو گیا کہ اگر اس کی فوج کو ایک بھی رات فیروزآباد سے باہر گزارنا پڑتی تو وہ بلاشبہ ٹھٹھر کر مر جاتے۔ جب باہر پوری طرح اُجالا پھیل گیا تو تیمور نے ایک بار پھر ابدال کلزئی کو طلب کیا جس نے گذشتہ رات ایک گرم کمرے میں بسر کی تھی۔ تیمور نے اُس کے آنے پر پوچھا، ''کیا تُو نے اپنے بارے میں فیصلہ کر لیا ہے؟''

غور کا حاکم ابدال کلزئی کہنے لگا، ''میں نے گذشتہ رات ہی سوچ لیا تھا اور تجھے بتا دیا تھا کہ تو مجھے مار ڈال، میں کبھی بھی تیری اطاعت نہ کروں گا۔''

تیمور نے کہا، ''اے ضدی انسان، میں تجھے مارنے میں اس لیے عار محسوس کرتا ہوں کہ مجھے بہادر لوگ پسند ہیں۔ تیرے سپاہی بھی بہت نڈر اور بے باک ہیں۔ میں اگلے سال یا دو سال بعد ہندوستان کی طرف جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ ہندوستان کو جانے کا راستہ تیرے ملک سے ہو کر گزرتا ہے، اگر تُو مجھ سے دوستی کا وعدہ کرے اور ہندوستان جاتے وقت میری مدد بھی کرے تو میں تیری جان بخشی کروں گا اور ہندوستان فتح کرنے کے بعد تجھے بہت سا مالِ غنیمت بھی دوں گا۔''

ابدال کلزئی کہنے لگا، ''میں تیرا اخراج گزار تو نہیں بن سکتا مگر تیری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے کو تیار ہوں۔''

تیمور نے اُس سے کہا، ''تو پھر تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ دوستی کی پہلی شرط یہ ہے کہ تُو کبھی بھی مجھ پر حملہ نہ کرے گا بلکہ ضرورت پڑنے پر

میری مدد کرے گا۔''

ابدال کلزئی بولا،''میں ایسا ہی کروں گا۔''

تیمور نے کہا،''مجھے تیری زبان پر اتنا اعتماد ہے کہ تجھ سے ضمانت نہیں مانگتا۔ اگر تیری جگہ کوئی اور ہوتا تو اس کی اولاد کو یرغمال بنا لیتا تاکہ وعدہ خلافی کی صورت میں اس کی اولاد کی گردنیں اُڑا دوں، مگر مجھے لگتا ہے کہ تُو اپنی بات کا پکا ہے۔ تجھ جیسے آدمی سے ضمانت لینے کی ضرورت نہیں۔''

ابدال کلزئی بولا،''اس دوستی کے بدلے میں میرے آدمیوں کو رہا کر دے۔''

تیمور نے اس کے آدمیوں کی آزادی کا حکم جاری کر دیا اور اس سے پوچھا،''تیرے خیال میں یہاں سے سمرقند جانے کے لیے کون سا راستہ مناسب رہے گا۔''

ابدال کلزئی نے جواب دیا،''اس وقت شدید برف باری کی وجہ سے غور سے بدخشاں جانے والے سارے راستے مسدود ہو چکے ہیں۔ اگر تجھے یہاں سے جانے کی جلدی ہے تو یہاں سے ہرات کا رُخ کر اور خراسان سے گزرتے ہوئے سمرقند پہنچ جا۔ ایسے یخ بستہ موسم میں غور کے پہاڑی راستوں سے بدخشاں اور وہاں سے سمرقند پہنچنا ناممکن ہے۔''

تیمور نے کہا،''میرے ساتھ ایک بڑی فوج ہے، اگر میں یہاں ٹھہرا رہا تو اشیائے خوردنی اور چارے کی کمی کا شکار ہو جاؤں گا۔''

ابدال کلزئی کہنے لگا،''تو پھر یہاں سے ہرات اور ہرات سے خراسان ہی کا راستہ تیرے لیے مناسب رہے گا، کیونکہ وہاں اشیائے خوردنی بکثرت مل جائیں گی۔''

تیمور نے بات بدلتے ہوئے کہا،''اے دلیر انسان اب جبکہ ہم دوست بن چکے ہیں تو اپنے آدمیوں سے کہہ کہ میرے سپاہیوں کو قلاب پھینکنے کا فن سکھا دیں۔''

ابدال کلزئی بولا،''اگر تم میرے آدمیوں کو بارود بنانے کی ترکیب بتا دو تو میں اپنے آدمیوں سے کہوں گا کہ وہ تم لوگوں کو قلاب پھینکنے کا گُر سکھا دیں۔''

تیمور نے ہنس کر جواب دیا،''میں تمہیں بارود بنانے کی ترکیب نہیں بتا سکتا، لہٰذا نہ تم نہ ہم، حساب برابر ہوا۔ لیکن میں دوستی نبھانے کی خاطر اپنے ذاتی حکیم سے کہتا ہوں کہ تمہارا علاج کرے۔''

ابدال کلزئی بولا،''میرے لیے یہیں کے حکیم اچھے ہیں، اگر میرا زخم مہلک نہ ہوا تو یقیناً صحت یاب ہو جاؤں گا۔''

اسی دن ایک قاصد فیروز آباد میں داخل ہوا، تیمور کو بتایا گیا کہ اس نے شہر میں داخل ہوتے وقت لکڑی کے دو لمبے لمبے جوتے پہن رکھے تھے۔ تیمور کو اُس وقت تک یقین نہ آیا جب تک کہ اُس نے خود اس شخص کو نہ دیکھ لیا۔ وہ شخص ملک غور کا پہاڑی باشندہ تھا، لمبے قد اور سیاہ خدوخال والا۔ جب تیمور نے اُسے دیکھا تو وہ اپنے جوتے بغل میں دبائے ہوئے تھا۔ اس کے جوتے لکڑی کے دو صاف تختے تھے جنہیں وہ پیروں میں باندھ لیتا تھا تاکہ برف میں نہ دھنسنے پائیں اور ان کی مدد سے برف پر پھسل بھی لیتا تھا۔ ابدال کلزئی نے تیمور کو بتایا کہ غور کے پہاڑی علاقوں کے رہنے

والے سردیوں کے موسم میں جب برف پر چلنا مشکل ہو جاتا ہے تو ایسے ہی جوتوں کا استعمال کرتے ہیں۔

وہ شخص ابدال کلزئی کے لیے ایک خط لے کر حاضر ہوا تھا، اور جب وہ خط پڑھ کر سنایا گیا تو یہ بات سامنے آئی کہ تیمور کا بیٹا شیخ عمر اپنے بیس ہزار سپاہیوں کے ساتھ برفانی علاقے میں پھنس گیا ہے۔ وہ خط مقامی حاکم نے بادشاہ غور کے لیے بھیجا تھا۔ خط کے مضمون سے ظاہر ہوتا تھا کہ شیخ عمر کو تیمور کے فیروز آباد پہنچنے کا علم نہیں۔ تیمور نے ابدال کلزئی کو بتایا کہ "یہ بیس ہزار سپاہی جو اُس کے بیٹے کی قیادت میں برفانی علاقے میں بھٹک گئے ہیں تو دراصل اُس کی فوج کا ہی حصہ ہیں۔ اُس نے خود اپنے بیٹے کو بلوایا تھا۔ اب وہ شدید برف میں پھنس چکا ہے اور ایسے علاقے میں ہے جہاں کے باشندے اُسے اچھی نظر سے نہیں دیکھتے۔ اگر تُو میرا واقعی دوست بن گیا ہے تو اب دوستی نبھانے کا وقت ہے۔ تجھے چاہیے کہ میرے بیٹے اور اُس کے سپاہیوں کو اس صورت حال سے نکالنے میں مدد دے۔"

ابدال کلزئی بولا "جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو، میں شدید زخمی ہوں اور تمہارے بیٹے اور اُس کے آدمیوں کو بچانے کے لیے خود جانے کے قابل نہیں لیکن میں مقامی گورنر کو یہ حکم ضرور دے سکتا ہوں کہ وہ تمہارے بیٹے اور اُس کی فوج کی ہر ممکن مدد کرے۔"

تیمور نے کلزئی سے کہا، "مقامی گورنر کو تاکید کرو کہ وہ میرے بیٹے کی فوج کو اشیائے خوردنی، چارہ اور ایندھن ضرور فراہم کرے۔ میرا خیال ہے کہ شیخ عمر کی فوج کو خیموں، نمدے اور پوستین کی بھی ضرورت ہوگی۔"

پھر ایک کاتب کو بلوا کر ابدال کلزئی نے مقامی گورنر کے نام خط تحریر کرایا اور اس میں لکھوایا کہ شیخ عمر اور اُس کے سپاہی ہمارے دوستوں میں سے ہیں۔ لہٰذا تمہیں ان کی مدد کے لیے ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے اور اس کام میں جتنا بھی خرچہ ہوگا تو وہ بادشاہ غور کی ضمانت پر امیر تیمور کی طرف سے ادا کر دیا جائے گا۔"

تیمور نے بھی ایک خط اپنے بیٹے شیخ عمر کے نام لکھا اور اُسے صورت حال سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا کہ خونریز جنگ کے بعد وہ اور بادشاہ غور، ابدال کلزئی باہم دوست بن گئے ہیں۔ اسے بھی یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ وہ اب ایک دوست ملک میں ہے اور مقامی لوگوں سے اُس کا برتاؤ اس دوستی کا آئینہ دار ہونا چاہیے۔ تیمور نے شیخ عمر کو ہدایت کی کہ جتنا جلد ہو سکے ہرات پہنچ جائے کیونکہ وہ خود بھی ہرات روانہ ہونے والا ہے۔

پھر اُس لمبے جوتے والے قاصد کو دونوں خط پہنچانے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ ابدال کلزئی نے بتایا کہ وہ چار پانچ دن میں مذکورہ دونوں خط منزل مقصود تک پہنچا دے گا۔

دوست بنانے کے بعد ابدال کلزئی نے تیمور کو بطور مہمان تقریب میں مدعو کیا اور اُسے دوستی کی یادگار کے طور پر مخصوص تلوار پیش کی۔ اس کی ظاہری حالت سے معلوم ہوتا تھا کہ متعدد زخم کھانے کے باوجود وہ صحت یاب ہو جائے گا۔ تیمور زیادہ دیر فیروز آباد میں ٹھہر نہیں سکتا تھا کیونکہ وہاں اُن کی ضروریات کے مطابق اشیائے خوراک اور چارہ وغیرہ دستیاب نہ تھا۔ چنانچہ پانچ روز تک قیام کے بعد تیمور فیروز آباد سے روانہ ہو گیا۔ اس دوران موسم کی شدت بھی نسبتاً کم ہو گئی تھی۔ پھر بھی تیمور نے دو راستہ بتانے والے ساتھ لے لیے تاکہ وہ ان راستوں کی نشاندہی کر سکیں جہاں سردی کم پڑتی ہو۔ راستہ بتانے والوں نے سردی سے بچنے کے لیے لمبا راستہ اختیار کیا اور ایک وسیع و عریض صحرا سے گزرتے ہوئے اُنہیں ہرات کے

علاقے تک لے آئے۔ وہاں پہنچ کر تیمور نے ہرات کے بادشاہ کو خط لکھا کہ وہ ہرات میں مختصر قیام کا ارادہ رکھتا ہے تا کہ فوج کا وہ حصہ جو اُن سے پیچھے رہ گیا ہے، اُن سے آملے۔ تیمور نے شاہ ہرات کو لکھا کہ وہ اُس کی فوج کے قیام کا بندوبست اور اشیائے خوردنی اور چارہ وغیرہ فراہم کردے اور اس کی مناسب قیمت وصول کرلے۔

لیکن ہرات کے بادشاہ نے خط کا جواب دینے کی بجائے تیمور کے ایلچی کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ تیمور اُس وقت ہرات سے ایک منزل کے فاصلے پر ٹھہرا ہوا تھا اور اُس وقت تک اپنے ایلچی کے قتل سے بے خبر تھا۔ تیمور کو علم تھا کہ ہرات اس علاقے کا آباد ترین شہر ہے اور وہاں کا موسم بھی کافی خوشگوار ہوتا ہے۔ گرمیوں کے سارے موسم میں شمال کی جانب سے چلنے والی ہوا ہرات کے موسم کو خوشگوار بنا دیتی تھی۔ ہرات کے انگور اور خربوزے، جو کہ موسم گرما اور سرما کے آواخر میں بازار میں نظر آتے تھے، بے حد مشہور تھے۔

جب تیمور ہرات پہنچا تو موسم نسبتاً گرم ہو چکا تھا، کبھی کبھی تو اُنہیں رات میں آگ جلانے کی ضرورت بھی محسوس نہ ہوتی۔ جہاں اُنھوں نے پڑاؤ ڈالا تھا وہاں سے ہرات کے شمال میں واقع پہاڑیاں واضح نظر آتی تھیں۔ تیمور کو علم تھا کہ انہی پہاڑیوں میں ایک آتش کدہ موجود ہے جسے مجوسیوں نے تعمیر کیا تھا۔ مگر یہ کب تعمیر ہوا، کسی کو پتہ نہیں تھا۔ بس اتنا علم تھا کہ یہ آتش کدہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت پر بجھ گیا تھا۔ تاہم اس کے آثار اب بھی باقی تھے۔

تیمور ہرات کے بادشاہ کے جواب کا انتظار کر رہا تھا، جب کافی دن گزرنے پر بھی جواب موصول نہ ہوا تو تیمور نے ایک اور خط لکھ کر دوسرے قاصد کے ہاتھ روانہ کر دیا۔ مگر اس بار بھی ہرات کے بادشاہ نے تیمور کے قاصد کو قتل کر دیا حالانکہ اُس کا خط پہنچانے کے سوا اُس کا کوئی قصور نہ تھا۔ جب دوسرے خط کا بھی کوئی جواب نہ آیا اور نہ ہی دونوں قاصد ہی لوٹ سکے تو تیمور جان گیا کہ بادشاہ ہرات اُس کے بارے میں بُری نظر رکھتا ہے اور یہ نہیں چاہتا کہ وہ ہرات میں قیام کرے۔ چنگیز خان کے حملے سے قبل ہرات میں چھ ہزار کارواں سرائے اور حمام، تین سو انسٹھ مدرسے اور خانقاہیں اور چوالیس ہزار مکان موجود تھے۔ اسلام کے متعدد نامور علماء کرام یہاں مدفون ہیں، جن میں پیر ہرات یعنی خواجہ عبداللہ انصاری، امام فخر رازی اور خواجہ محمد ابوالولید بھی شامل ہیں۔ چونکہ اس زمانے میں ہرات کے حکمران نے چنگیز خان کے سامنے مزاحمت کی تو اس سے ہرات کو بہت نقصان پہنچا مگر بعد میں اس شہر کی تعمیر نو ہوئی اور جب تیمور ہرات کے پاس پہنچا تو یہ شہر بہت اچھی طرح آباد تھا۔ اگرچہ ماضی کی طرح وسیع و عریض نہ رہا تھا مگر پھر بھی اول درجے کے شہروں میں شمار ہوتا تھا۔

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ ہرات کا بادشاہ تیمور سے دشمنی پر اُتر آیا ہے تو تیمور اپنی فوج کے ساتھ ہرات کی طرف روانہ ہو گیا تا کہ جان سکے کہ آیا ہرات کا بادشاہ اُس کے مقابلے میں آنا چاہتا ہے یا شہر کی چاردیواری میں پناہ لینا چاہتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اُس نے مقابلے میں آنے کے بجائے چاردیواری میں پناہ لینے کو ترجیح دی ہے۔

اگر تیمور نے اپنے بیٹے شیخ عمر سے نہ کہا ہوتا کہ ہرات میں اُس سے آملے تو وہ ہرات میں رُکے بغیر خراسان کی طرف نکل جاتا مگر چونکہ وہ شیخ عمر کو ہرات آنے کی ہدایت کر چکا تھا لہٰذا وہاں ٹھہرنے پر مجبور تھا۔ چونکہ اب بادشاہ ہرات نے دشمنی کا کھلم کھلا مظاہرہ کرتے ہوئے اُس کے دو

ایلچیوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا تھا لہٰذا اب اُس کے لیے ہرات پر قبضہ کرنے کے سواء کوئی چارہ نہ تھا۔ کیونکہ اگر اب وہ وہاں سے چلا جاتا تو اس کا بیٹا ایسی حالت میں ہرات پہنچتا جبکہ وہاں کا بادشاہ کھلی دشمنی پر آمادہ تھا تو ایسی صورت میں شیخ عمر اور اُس کی فوج کا بچنا محال تھا۔

دوسری طرف فیروز آباد کی لڑائی میں تیمور کی فوج کے سپاہیوں کی بڑی تعداد کام آ چکی تھی اور ہرات پہنچنے پر اُن کی تعداد اتنی زیادہ نہ تھی کہ بلا تامل حملہ آور ہو سکتے۔ یہی وجہ تھی کہ تیمور نے شہر کی فصیل کے پیچھے اس وقت تک رُکے رہنے کو ترجیح دی جب تک کہ اُس کا بیٹا نہ آ ملے۔

ہرات میں پانی کی ضروریات دریائے ہری سے پوری کی جاتی تھیں جو کہ شہر کے جنوب سے گزرتا تھا۔ تیمور نے اہل شہر کو پانی کی قلت کا شکار کرنے کے لیے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ دریا کا رُخ موڑ دیں۔ چنانچہ اُس کے سپاہیوں نے دریا کا رُخ موڑنے کے لیے کھدائی کا کام شروع کر دیا مگر دو وجوہات کی بناء پر یہ کام تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔ ایک یہ کہ شیخ عمر کی فوج اُن سے آملی اور اُنہوں نے فوراً شہر پر حملہ کر دیا، لہٰذا سپاہی دریا کا رُخ موڑنے کا کام جاری نہ رکھ سکے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ تیمور کو پتہ چلا تھا کہ ہرات میں پانی کے اور بھی ذخیرے موجود تھے چنانچہ دریا کا رُخ موڑنے کا حربہ زیادہ کارگر ثابت نہیں ہو سکتا تھا۔

جب شیخ عمر اپنی فوج کے ہمراہ وہاں پہنچا تو اس کے پاس صرف سولہ ہزار سپاہی باقی رہ گئے تھے جبکہ چار ہزار سپاہی شدید سردی یا بیماری کے سبب جاں بحق ہو چکے تھے۔ تاہم شیخ عمر تیمور سے آملنے کے باوجود ہرات کی لڑائی میں شریک نہ ہوا کیونکہ تیمور نے اُسے تین ہزار سپاہیوں کے ساتھ فارس روانہ کر دیا تا کہ وہ فارس کی حکومت سنبھالے اور وہاں موجود اپنے چھوٹے بیٹے میرانشاہ کو تیمور نے اپنے پاس بلوا لیا۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ میرانشاہ، شیخ عمر کی نسبت کافی جوان تھا اور اس جتنا تجربہ نہ رکھتا تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ تیمور میرانشاہ کو اپنے ساتھ ہندوستان لے جانا چاہتا تھا۔

دن گزرنے کے ساتھ ساتھ ہرات کا موسم معتدل ہوتا گیا اور موسم بہار آ پہنچا۔ جب شیخ عمر اپنے 3 ہزار سپاہیوں کے ساتھ روانہ ہو گیا تو تیمور نے فوری حملے کا فیصلہ کر لیا کیونکہ شیخ عمر کے باقی 13 ہزار سپاہیوں کی شمولیت سے اُن کی قوت دوبارہ مضبوط ہو گئی تھی۔

ہرات کے بادشاہ ملک محمد زشکی کی قوت مزاحمت ختم کرنے کا سب سے آسان طریقہ یہی تھا کہ شہر کی دیوار کو بارود سے اُڑا دیا جائے، لیکن مشکل یہ تھی کہ تیمور کی فوج اپنا زیادہ تر بارود فیروز آباد کی جنگ میں استعمال کر چکی تھی اور جو بچا تھا وہ شہر کی فصیل کو اُڑانے کے لیے ناکافی تھا۔ اگر وہاں بارود کا مسالہ مل جاتا تو تیمور اُسی کے ذریعے دیوار اُڑانے کو ترجیح دیتا مگر بارود نہ ملنے کے سبب اُس نے یہی فیصلہ کیا کہ براہ راست حملہ کر کے ملک محمد زشکی کی پائیداری کو شکست دے دے۔

شیخ عمر کے پہنچنے تک تیمور اور اُس کے سپاہی فارغ نہیں بیٹھے رہے تھے بلکہ صبح سے شام تک ہرات کے قریبی جنگلات میں درخت ڈھانے کا کام انجام دیتے رہتے اور فوج میں موجود سپاہی ماہر ترکھانوں کی طرح لکڑی کی سیڑھیاں اور منجنیقیں تیار کرتے رہتے تھے تا کہ شیخ عمر کے پہنچتے ہی حملہ کیا جا سکے۔ تیمور نے ہرات پر حملے کے لیے مارچ کی 21 تاریخ منتخب کی۔ اس دن تیمور نے اپنے دو رسالوں کو آہنی خود اور جنگی لباس پہنا کر حکم دیا کہ وہ ہرات کے مشرقی اور مغربی حصے سے دیوار پر چڑھنے کی کوشش کریں۔ اس کے بعد اُس نے اپنے ماہر ترین نشانہ بازوں کو یہ ذمہ داری سونپی کہ اگر دیوار پر کھڑے پہرے دار ان سپاہیوں کو نشانہ بنانا چاہیں تو فوراً اُن پر تیروں کی بارش کر دیں۔ اسی طرح منجنیق بنانے والوں کو حکم دیا کہ

دفاع کرنے والوں کو پتھروں کا نشانہ بنا دیں۔ تیمور نے تاکید کی کہ فصیل پر کھڑے پہرے داروں کو اس بات کی مہلت نہ دی جائے کہ وہ دیوار پر چڑھنے والوں کا راستہ روک سکیں۔

ملک محمد زشکی کے آدمیوں نے حملے کے پہلے دن، تیمور کے سپاہیوں پر کھولتا ہوا تیل پھینکنا شروع کر دیا۔ جس کے نتیجے میں تیمور کے متعدد سپاہی آہنی خود اور جنگی لباس پہنے ہوئے ہونے کے باوجود خود کو جلنے سے نہ بچا سکے۔ ہرات کے پہرے داروں نے دیوار کے بالائی حصوں پر کھولتے ہوئے تیل کی بڑی بڑی دیگیں رکھی ہوئی تھیں، جونہی تیمور کے سپاہی دیوار کے اوپر چڑھتے تو پہرے دار ڈونگوں کی مدد سے کھولتا ہوا تیل اُن پر انڈیل دیتے۔ شدید جلن اور تکلیف کے سبب سپاہی سیڑھی پر توازن قائم نہ رکھ پاتے اور نیچے گر جاتے۔ ان میں سے کچھ تو زمین پر گرتے ہی جاں بحق ہو جاتے اور جو زندہ بچ جاتے تو وہ بھی شدید جلن اور سوزش میں مبتلا ہو کر لڑائی کے قابل نہ رہتے۔

تیمور خود پہرے داروں پر تیر چلانے والوں میں شامل تھا اور دو مرتبہ اس نے عین اُس وقت دشمن کے سپاہیوں کو نشانہ بنایا جب وہ کھولتے ہوئے تیل کا ڈونگہ نیچے پھینکنے والے تھے۔ ان دونوں واقعات میں تیل پھینکنے والوں کے ہاتھ سے ڈونگہ اُن کے اوپر ہی گر گیا اور پھینکنے والے خود اس کے سبب جل گئے۔ تیمور کے سپاہی دیوار کے کسی ایک مقام سے داخل ہو کر اُسے مضبوط کرنے کی کوشش میں تھے۔ اگر ایسا ہو جاتا تو تیمور فوراً کمک بھیج کر وہاں پوزیشن مضبوط کر لیتا۔ آخر کار، ڈیڑھ ہزار سپاہیوں کی قربانی کے بعد وہ لوگ ہرات کی حفاظتی دیوار کے مشرقی حصے میں اپنی پوزیشن مضبوط کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ تیمور نے بلا توقف اس حصے سے شہر میں اُترنے والے سپاہیوں کی مدد کے لیے مسلسل سپاہیوں کو بھیجنا شروع کر دیا۔ سپاہیوں کے جذبے کو تقویت پہنچانے کے لیے تیمور نے اپنے بیٹے شاہ رُخ کو بھی شہر میں داخل ہونے کے لیے بھیج دیا اور اُسے ہدایت کی کہ شہر میں موجود تمام گھروں کو آگ لگا کر تباہ کر دے تاکہ مقامی لوگ انہیں پناہ گاہیں بنا کر سپاہیوں پر حملے نہ کر سکیں۔

تیمور نے اپنے بیٹے شاہ رُخ کو سمجھایا کہ ''لڑائی میں کسی طرح کی نرمی یا رحم دلی شکست کا سبب بن سکتی ہے۔ چنانچہ جب تک لڑائی جاری ہے اور ہمارا دشمن کچلا اور شکست تسلیم نہیں کر لیتا، تو پوری بے رحمی سے قتل کرو اور آگ لگاؤ۔ عین ممکن ہے کہ دشمن تمہیں فریب دینے کے لیے عورتوں اور چھوٹے بچوں کو بھیج دے۔ کسی قسم کی رحم دلی کا مظاہرہ کیے بغیر تمہیں ان عورتوں اور بچوں کو بھی قتل کر دینا ہوگا۔ لیکن اگر دشمن تسلیم ہو جائے اور ہتھیار پھینک دے تو پھر تم بھی قتل عام سے ہاتھ کھینچ لینا۔ کیونکہ ایسے دشمن پر ہتھیار چلانا جو تسلیم ہو چکا ہو اور ہتھیار پھینک دے، انسانیت اور بہادری کے خلاف ہے۔''

شاہ رُخ شہر میں داخل ہونے والے سپاہیوں کے ساتھ دیوار سے داخل ہو گیا اور بہت جلد ہی وہاں سے دھوئیں کے بڑے بڑے مرغولے اُٹھنے لگے، تیمور سمجھ گیا کہ اس کے سپاہی عمارتوں کو آگ لگا رہے ہیں۔ تیمور شہر سے سنائی دینے والی آوازوں کو سن رہا تھا، لڑنے والوں کے نعروں کی آوازیں، عورتوں کے چیخنے، بچوں کے چلّانے اور دیواروں کے مسمار ہونے کی آوازیں اُسے لطف دے رہی تھیں۔

تیمور کے کانوں کو جنگ کی آوازوں سے زیادہ کوئی آواز لطف نہ دیتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اُسے چنگ اور رباب کی آواز قطعی پسند نہ تھی۔ تیمور کو حیرت ہوتی کہ لوگ جنگ کا مشغلہ اپنانے کے بجائے کھیتی باڑی اور نساجی کا مشغلہ کیوں اپناتے ہیں، وہ کیوں نہیں سمجھ پاتے کہ سب سے اچھا اور لذت دینے والا مشغلہ جنگ کا مشغلہ ہے۔ تیمور سمجھتا تھا کہ کوئی مرد اپنی زندگی میں جنگجو انسان کی زندگی جیسا لطف نہیں اُٹھا پاتا۔ اس کے خیال میں

اگر کوئی دنیا میں عظیم اور آقا بننا چاہتا ہے تو اُسے جنگجو انسان بننا چاہیے۔ اگر کوئی اپنی اولاد کو عظمت اور سرداری دے کر جانا چاہتا ہے تو اُسے اپنی اولاد کو جنگ کا مشغلہ سکھانا چاہیے۔ طوسی شاعر جس کا مقبرہ تیمور نے بنوایا اور اُس کی قبر پر پتھر نصب کروایا، کہتا ہے:

(مفہوم: یعنی تعلیم کا پیشہ سب پیشوں سے افضل تر ہے اور اس کے باعث گرا ہوا انسان بھی بلند مقام تک پہنچ سکتا ہے۔)

تیمور اگرچہ تعلیم کے پیشے اور علماء کرام کا بے حد احترام کیا کرتا تھا مگر اس کے نزدیک تعلیم کے ذریعے کوئی انسان دنیا پر حکمرانی نہیں کر سکتا۔

تیمور علماء کا بے حد ادب واحترام کرتا اور کسی شہر پر فتح پانے کے بعد علماء کو قتل وغارت سے امان دے دیتا۔ مگر اس کے نزدیک عالم کا مرتبہ معنوی اور روحانی سطح سے آگے نہیں بڑھ سکتا مگر یہ کہ وہ بھی اس کی طرح تلوار کا دھنی ہو اور اس کا اصل مشغلہ بھی جنگ وجدل ہی ہو۔ تیمور کے نزدیک اس کے جیسا ایک جنگجو انسان ہزاروں عالموں اور دانشوروں پر حکمرانی کر سکتا ہے اور عظیم عالم جیسے کہ ابن خلدون جیسے بزرگ دانشور بھی اُس جیسے جنگجو کا حکم ماننے پر مجبور ہوتے ہیں۔ تیمور سمجھتا تھا کہ جو انسان لڑائی کا شیدائی ہو اور ایک بار میدان جنگ کا عادی ہو جائے تو وہ کبھی بھی نغمہ وساز یا ساقی کی ادائے ناز سے لطف نہ حاصل کر سکے گا کیونکہ ایک مرد کے لیے حقیقی لطف وہی ہے جو اسے میدانِ جنگ میں ملتا ہے۔

شہر کے اندر لڑائی زور شور سے جاری تھی اور چونکہ تیمور کے سپاہی شہر میں داخل ہو چکے تھے لہٰذا دیوار کے پہرے داروں کو وہاں سے اُتر کر شہر میں واپس جانا پڑا۔ تیمور شام تک سپاہیوں کو دیوار پر چڑھا کر شہر کے اندر بھیجنے کا انتظار نہ کر سکتا تھا، اس لیے اُس نے حکم دیا کہ دیوار کے مختلف حصوں کو توڑ کر شگاف بنا دیئے جائیں تا کہ وہ با آسانی اندر داخل ہو سکیں۔ جب 21 مارچ کا سورج نصف النہار تک پہنچا تو تیمور کے سپاہی ہرات کی دیوار میں پانچ بڑے شگاف ڈال چکے تھے۔ اُسی دوران تیمور نے دیکھا کہ کچھ لوگ شہر سے باہر آ رہے ہیں۔ انہوں نے ایک آدمی کو تخت پر بٹھا رکھا تھا۔ جب وہ تیمور کے پاس پہنچے تو تیمور نے دیکھا کہ تخت پر لیٹا شخص دراصل اُس کا بیٹا شاہ رُخ ہے۔ اس کی ظاہری حالت سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ زندہ ہے۔ لیکن اگر مر بھی جاتا تو تیمور کو ہرگز افسوس نہ ہوتا کیونکہ اُس کے نزدیک میدانِ جنگ میں ایک سپہ سالار کی اور ایک عام سپاہی کی جان برابر ہوتی ہے۔

درحقیقت اگر کسی سپہ سالار کی جان عام سپاہی سے بیش قیمت سمجھی جاتی ہے تو ایسا اس کی قابلیت کی وجہ سے ہوتا ہے کیونکہ سپہ سالار نے پورے میدانِ جنگ پر نظر رکھنی ہوتی ہے جبکہ ایک عام سپاہی پورے میدانِ جنگ کا انتظام نہیں سنبھال سکتا۔

معلوم ہوا کہ تلوار کے ایک زبردست وار نے شاہ رُخ کی دائیں ٹانگ کو بری طرح زخمی کر دیا تھا اور وہ کھڑا ہونے کے قابل نہ رہا تھا۔

تیمور نے حکم دیا کہ شاہ رُخ کو اس کے خیمے میں لے جا کر زخموں پر مرہم پٹی کی جائے اور صحت یاب ہونے تک وہیں رکھا جائے۔ نماز عصر کا وقت ہوتے ہوتے پورے ہرات سے دھوئیں کے مرغولے بلند ہونے لگے تھے اور تیمور کے سپاہی پورے شہر میں گھروں کو آگ لگاتے اور مسمار کرتے آگے بڑھ رہے تھے۔ جب تیمور عصر کی نماز ادا کر کے فارغ ہوا اور اپنی سفری مسجد سے باہر نکلا تو اُسے بتایا گیا کہ ملک محمد زشکی اور اس کے دو بیٹے گرفتار ہو چکے ہیں۔

مگر شہر کے اندر اب بھی جنگ جاری تھی، کیونکہ ہرات کے اندر موجود پہرے دار ہتھیار پھینکنے پر آمادہ نہ تھے۔ تیمور کو ملک محمد زشکی سے مذاکرات میں قطعی دلچسپی نہ تھی کیونکہ اس شخص کی مزاحمت کی وجہ سے اُس کے بے شمار سپاہی مارے جا چکے تھے۔ اسی لیے تیمور نے حکم دیا کہ ملک محمد

زشکی کا سر کاٹ کر نیزے پر چڑھا دیا جائے اور پھر اسے شہر کے پہرے داروں کو دکھایا جائے تا کہ وہ جان لیں کہ چونکہ اُن کا آقا مارا جا چکا ہے۔ لہٰذا اُن کی مزاحمت بے کار ہے۔ تیمور نے اپنے افسروں کو ہدایت کی کہ مزاحمت کاروں پر واضح کر دو، اگر انہوں نے ہتھیار نہ پھینکے تو ملک محمد زشکی کے بیٹوں کے سر بھی یونہی قلم کر کے نیزوں پر لٹکا دیئے جائیں گے۔

اپنے سلطان کا کٹا سر نیزے پر دیکھ کر ہرات کے مزاحم کاروں کے حوصلے پست ہو گئے اور سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے وہ سب تسلیم ہو گئے۔ تیمور کے سپاہیوں نے اُنھیں گرفتار کر کے شہر سے باہر پہنچا دیا۔ چونکہ شہر پر قبضہ ہو چکا تھا، لہٰذا تیمور نے حکم دیا کہ مزید عمارتوں کو آگ نہ لگائی جائے اور نہ مسمار کیا جائے، پھر اُس نے اپنے افسروں اور سپاہیوں کو شہر میں داخل ہو کر مال غنیمت لوٹنے کی کھلی چھٹی دے دی۔

اُس رات اُن کا زیادہ تر وقت قیدیوں کو پکڑ کر شہر سے باہر منتقل کرنے اور زخمیوں کی دیکھ بھال میں گزرا۔ اگلی صبح طلوع ہونے پر تیمور نے شہر کے باشندوں کو حکم دیا کہ جنازوں کو دفن کریں اور جب جنازے دفن کر دیئے گئے تو تیمور نے شہر اور اُس کے گرد و نواح کے باشندوں کو بھی جمع کرنے اور اُنھیں شہر کی فصیل کو مکمل طور پر مسمار کرنے کے کام پر لگانے کا حکم دے دیا۔ ہرات کی فصیل کو مسمار کرنے میں پندرہ دن لگ گئے، جب یہ کام مکمل ہو گیا تو تیمور نے ملک محمد زشکی کے بیٹوں کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ ملک محمد زشکی کا بڑا بیٹا 18 سال جبکہ چھوٹا بیٹا 15 سال کا تھا۔ تیمور نے اُنھیں مخاطب کر کے کہا، ''تمہارے باپ نے میرے ساتھ غیر انسانی سلوک کرتے ہوئے میرے دو قاصدوں کو بلاوجہ قتل کر دیا تھا، لہٰذا اُسے سزا کا مزہ چکھنا پڑا۔ چونکہ تم دونوں نے میرے ساتھ کوئی دشمنی نہیں دکھائی، لہٰذا میں تمہارے خون سے چشم پوشی کرتا ہوں اور اگر تم میری فرمانبرداری پر تیار ہو جاؤ تو میں ہرات کا تخت تم میں سے بڑی عمر والے کے سپرد کر دوں گا لیکن اگر تم نافرمانی کرو گے تو تمہارا انجام بھی وہی ہو گا جو تمہارے باپ کا ہوا۔''

ملک محمد زشکی کے بڑے بیٹے نے، جس کا نام محمود تھا، کہا، ''اے امیر، ہم کبھی تمہارے احکام کی خلاف ورزی نہ کریں گے۔''

تیمور نے محمود کو بتایا، ''آج سے میرے حکم کے مطابق تم ہرات کے بادشاہ ہو، تمہیں بھی اختیار ہے کہ چاہو تو ہرات کے آس پاس کے علاقوں کی حکومت اپنے چھوٹے بھائی کو سونپ دو۔ مجھے ہرات کو ویران و برباد کرنے کا کوئی شوق نہ تھا مگر تمہارے باپ کے تکبر اور غیر عقلی رویئے کی وجہ سے میں ایسا کرنے پر مجبور ہو گیا۔ اب تمہیں چاہیے کہ شہر کی تعمیر نو کے لیے ضروری اقدامات کرو، لیکن خبردار شہر کے گرد فصیل کھڑی کرنے کی کوشش نہ کرنا۔ اگر تم نے شہر کے گرد فصیل کھڑی کرنے کی کوشش کی تو اس کا مطلب یہ سمجھا جائے گا کہ تم بغاوت کا ارادہ رکھتے ہو، نتیجتاً میں تمہیں عبرتناک سزا دوں گا۔''

محمود بولا، ''اے امیر، میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارے خلاف کبھی بغاوت نہیں کروں گا۔''

تیمور نے کہا، ''چونکہ میں نے تمہارے باپ کو قتل کیا ہے، اس لیے مجھے یہ توقع نہیں کہ تم سو فیصد وفاداری کا مظاہرہ کرو گے مگر تم ایسا رویہ ضرور اپنا سکتے ہو جس سے خود اپنی اور اپنے بعد آنے والی نسلوں کی زندگیوں کو بچا سکو۔ اگر تم میرے تابعدار رہے تو جب بھی تم پر باہر سے حملہ ہوا اور تمہیں مدد کی ضرورت ہوئی تو میں تمہاری ضرور مدد کروں گا۔''

فیروز آباد اور ہرات کی لڑائیوں نے تیمور کی فوج کو اس قدر کمزور کر دیا تھا کہ اب اُس کا اس علاقے میں رُکنا خطرے سے خالی نہ تھا۔ اگر اس وقت کسی کو پتہ چل جاتا کہ اُس کی فوجی قوت کمزور ہے تو وہ فوری طور پر اُس پر حملہ کر کے اُسے اور اُس کی فوج کو نیست و نابود کر سکتا تھا۔ لہٰذا تیمور

نے فیصلہ کیا کہ اپنے بیٹے میر انشاہ کے مکمل طور پر صحت یاب ہونے کا انتظار کیے بغیر ہی باقی ماندہ فوج کے ساتھ طوس اور قوچان کے راستے ماوراء النہر کی جانب روانہ ہو جائے۔ تیمور چاہتا تو ہرات سے سیدھا شمال کی طرف جا سکتا تھا مگر اس طرف ایسے مقامات موجود تھے جہاں کسی بھی وقت لڑائی چھڑنے کا امکان موجود تھا۔ جبکہ طوس اور قوچان کا راستہ اُس کی فوج کے لیے بالکل بے خطر تھا۔ جب وہ لوگ طوس پہنچے تو سورج برج ثور میں داخل ہو چکا تھا اور ہوا میں گرمی بڑھتی جا رہی تھی۔

تیمور نے طوس میں صرف دو دن قیام کیا اور وہ بھی صرف اس لیے کہ گھوڑوں کی تھکن دُور ہو جائے۔ آخری دن وہ طوس میں واقع مشہور شاعر فردوسی کی قبر پر گیا تا کہ دیکھ سکے کہ اب اُس کے مزار کی حالت کیسی ہے۔ تیمور نے دیکھا کہ جس باغ میں فردوسی دفن تھا وہاں بہت سے سرخ اور زرد رنگ کے پھول کھلے ہوئے تھے۔ اس کے بعد تیمور ماوراء النہر روانہ ہو گیا۔ موسم خاصا خوشگوار تھا اسی لیے اُنہیں پانی بھی وافر مقدار میں دستیاب تھا۔ وہ لوگ جس بھی راستے سے گزرتے تھے وہاں اشیائے خوراک اور چارے کی فراوانی تھی۔ کسی بھی قابلِ ذکر واقعہ کے بغیر وہ لوگ واپس ماوراء النہر پہنچ گئے۔ سمر قند سے تیمور سیدھا کیش کی جانب روانہ ہو گیا جو دراصل اُس کی جائے پیدائش ہے۔ اس مہم پر نکلنے سے پہلے تیمور نے حکم دیا تھا کہ شہر کیش اس طرح تعمیر کیا جائے کہ یہ شہر دُنیا کا خوب صورت ترین شہر بن جائے۔ اب وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اُس کے حکم کی کس حد تک تعمیل ہوئی ہے۔

تیمور نے جس دن سے جنگی مہمات کا آغاز کیا تھا، اُسی وقت سے صنعت کاروں کو امان و تحفظ دیتا آیا تھا۔ اس نے ان کی بڑی تعداد کو ماوراء النہر میں جمع کر لیا تھا تا کہ وہ اپنا کام جاری رکھنے کے علاوہ بہت سے ایسے شاگرد تیار کریں جو ان کے بعد بھی اس کام کو جاری رکھ سکیں۔

جب تیمور نے حکم دیا تھا کہ شہر کیش کی تعمیر نو کی جائے تو اس وقت بین النہرین اور ایران کے بہترین کاریگر ماوراء النہر میں موجود تھے، تیمور اُنہیں بغداد اور ایران سے اپنے ساتھ لایا تھا۔ تیمور نے ہدایت کی تھی کہ شہر کیش کی تعمیر نو کے لیے بدخشاں اور خراسان سے خاص پتھر منگوائے جائیں اور تیمور کے محل کے ستون بنانے کے لیے سبز رنگ کا پتھر استعمال کیا جائے۔

تیمور نے حکم دیا تھا کہ ملک فارس سے سنگ مرمر منگوایا جائے تا کہ اس کے محل کی دیواریں اور فرش اس سے تعمیر کیے جائیں۔ اس نے کیش میں اپنے محل کی تعمیر کے لیے اصفہان کے بہترین پتھر سازوں کو پتھر نصب کرنے کے لیے اُجرت پر مامور کیا تھا۔ ماوراء النہر میں دو ایسے بغدادی معمار موجود تھے جنہوں نے معماری کا فن انقرہ میں سیکھا تھا اور جو بازنطینی انداز میں چھت بنانے کا فن جانتے تھے۔ چنانچہ تیمور نے اُنہیں اپنے شاندار محل کی تمام چھتیں اسی انداز میں تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ بازنطینی انداز میں تعمیر کی گئی چھتوں میں اگر درست مواد استعمال کیا جائے تو وہ تقریباً ایک ہزار سال تک قائم و دائم رہتی ہیں، بجز اس کے کہ بے شمار زلزلوں کے باعث مسمار ہو جائیں۔

تیمور نے دیکھا تھا کہ شیراز میں راستوں کے دونوں طرف درخت اُگائے گئے تھے، اسی لیے اُس نے بھی حکم دیا کہ کیش میں بھی راستوں کے دونوں اطراف درخت اُگائے جائیں تا کہ کیش آنے والا خود کو کسی عظیم الشان باغ میں موجود پائے۔

جیسا کہ اس کتاب کے ابتداء میں بتایا گیا ہے کہ تیمور کا سب سے پہلا اُستاد ملا علی بیگ نامی بوڑھا شخص تھا، جس کے منہ میں کوئی دانت نہ تھا اور جو کیش کی مسجد میں بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھاتا تھا۔ یہ بھی بتایا گیا تھا کہ ملا علی بیگ کے مکتب خانے سے نکل کر تیمور شیخ شمس الدین کے مدرسے میں

داخل ہو گیا تھا، اُس وقت تیمور کی عمر سات برس تھی۔ جب تیمور شہر کیش کی از سر نو تعمیر کروا رہا تھا تو اُس کے ان دونوں ابتدائی اُستادوں کو فوت ہوئے کچھ برس گزر چکے تھے۔ شیخ شمس الدین کی آل اولاد کا حال کافی حد تک ٹھیک تھا اور اُن کی گزر بسر اچھی ہو رہی تھی، تاہم ملا علی بیگ کی اولاد کسمپرسی اور غربت کا شکار تھی۔ چنانچہ تیمور نے ملا علی بیگ کے ہر بچے کے لیے الگ گھر بنانے کے احکامات جاری کیے۔ اُن کے لیے ماہانہ وظیفہ بھی مقرر کر دیا۔

تیمور جب ملا علی بیگ کے بچوں کے لیے گھر بنوا رہا تھا تو اُس وقت تک کے ابن خلدون کے بارے میں نہیں سنا تھا جس سے اُس کی ملاقات بعد ازاں شام میں ہوئی۔ ابن خلدون نے گفتگو کے دوران تیمور کو بتایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو ملنے والی نعمتوں میں زندگی اور صحت کے بعد بہترین نعمت ایک بڑے اور با مرتبہ انسان کی قربت اور دوستی ہے کیونکہ ایک بلند مرتبت شخص کی قربت سے کسی انسان کی تمام خواہشات پوری ہو جاتی ہیں اور وہ خود بھی بلند مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ اگرچہ اُس وقت تک تیمور نے ابن خلدون کے اس قول کو نہیں سنا تھا مگر اس کے باوجود وہ اس بات پر یقین رکھتا تھا کہ جن لوگوں کے والدین نے اُس کی خدمت کی ہے اُنہیں اس کی فرمانروائی کے دور میں کسمپرسی کی زندگی ہر گز نہیں بسر کرنی چاہیے اور اگر اُنہیں زندگی میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو یہ دراصل تیمور کی قدر نا شناسی کے سبب ہو گا۔

جب ملا علی بیگ کے بچوں کے لیے گھر تیار ہو رہے تھے تو تیمور کے ذہن میں یہ سوچ پیدا ہوئی کہ شہر کیش اُس کی جائے پیدائش ہے۔ اس نے اسی شہر میں آنکھیں کھولیں اور یہیں پلا بڑھا ہے۔ اس لیے اُستادوں کی طرح اُس کے ساتھ رہنے والے دیگر شہریوں کا بھی اُس پر حق بنتا ہے۔ تیمور نے سوچا کہ کیا یہ اچھی بات ہے کہ وہ خود تو دنیا پر حکمرانی کرے اور اُس کے ساتھ رہنے والے شہری غربت اور کسمپرسی کا شکار ہوں۔ اُنہیں یہ تک معلوم نہ ہو کہ کل ان کا پیٹ کیسے بھرے گا۔ یہی وجہ تھی کہ تیمور نے فیصلہ کر لیا کہ شہر کیش کے تمام غریب اور نادار لوگوں کے لیے، بجز اُن کے جو مقامی نہ ہوں، ماہانہ وظیفہ مقرر کر دے گا تا کہ اس کے شہر میں کوئی غریب نہ رہے، اور نہ ہی کوئی شہری فکر معاش کی وجہ سے پریشانی میں مبتلا ہو۔

تیمور کو شہر کا مشاہدہ کرنے کے بعد یقین ہو گیا کہ پوری دنیا میں کیش جیسا خوب صورت شہر نہیں ہو سکتا۔ اس شہر کی سڑکیں اتنی وسیع تھیں کہ ان کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پچاس ذراع کا فاصلہ تھا۔ پچیس گھڑ سوار ان سڑکوں پر پہلو بہ پہلو با آسانی چل سکتے تھے۔ لیکن باوجود اس کے کہ شہر کیش جیسا خوب صورت شہر دنیا میں اور کوئی نہیں تھا اور نہ ہی تیمور کے محل سے زیادہ کوئی مقام خوب صورت تھا، تیمور ایک ہفتے سے زیادہ شہر میں نہ ٹھہرا، کیونکہ وہ اپنے عہد کو فراموش کر کے، خود کو آرام طلب نہیں بنانا چاہتا تھا۔

تیمور کو اچھی طرح علم تھا کہ اگر آرام طلبی اور سُستی نے اُس پر غلبہ پا لیا تو جس طرح وہ خود آرام طلب اور عیش پرست حکمرانوں کو تباہ و برباد کرتا رہا ہے، اسی طرح کوئی اور بھی اُٹھ سکتا ہے جو اُس کا بھی نام و نشان مٹا ڈالے۔ اس دنیا میں جس کو آرام طلبی کی عادت پڑ جائے اور اُس کا زیادہ وقت عیش و عشرت میں گزرنے لگے تو جان لو کہ وہ خاک و ذلت میں ڈوب گیا۔ یہی وجہ تھی کہ تیمور شہر کیش میں صرف ایک ہفتہ قیام کے بعد ہی وہاں سے نکل آیا اور صحرا میں جا کر اپنے سرداروں اور سپاہیوں کے ساتھ فوجی چھاؤنی میں رہنے لگا۔ وہاں تیمور نے ہندوستان جانے کے لیے بھر پور تیاریاں شروع کر دیں۔

ہندوستان جانے کے لیے تیمور کے پاس دو راستے تھے۔ ایک خراسان اور زابلستان کا راستہ اور دوسرا کابلستان اور ملک غور کا راستہ۔

خراسان اور زابلستان میں پانی کی کمی تھی، خاص طور پر بیرجند سے گزرنے کے بعد تو اُس کی فوج مکمل طور پر پانی سے محروم علاقے کا شکار ہو جاتی۔ البتہ کابلستان اور غور کے راستے میں پانی کی فراوانی تھی اور اس راستے سے جانے میں گھوڑوں کے پانی کی قلت کا شکار ہونے کا کوئی خطرہ نہ تھا۔ جیسا کہ پہلے بھی بتایا جا چکا ہے کہ ایک سوار فوج کو پیادہ فوج کے مقابلے میں زیادہ پانی کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ ایک گھوڑا، آدمی کے مقابلے میں کہیں زیادہ پانی پیتا ہے۔

پانی کی کمی کا مسئلہ اپنی جگہ درست تھا مگر یہ بھی حقیقت تھی کہ خراسان اور زابلستان کے راستے صاف اور ہموار تھے اور ان راستوں سے تیمور کے سپاہی تیزی سے حرکت کر سکتے تھے، جبکہ کابلستان میں پہاڑوں کی وجہ سے راستے دشوار گزار اور کٹھن تھے۔ پھر بھی تیمور نے کابلستان کا راستہ اختیار کرنا ہی بہتر سمجھا کیونکہ بہرحال پانی اُن کی اہم ترین ضرورت تھی۔ اس کے علاوہ تیمور کا ارادہ ملک غور پہنچ کر ابدال کلزئی اور اُس کے آدمیوں کو اپنے ساتھ ہندوستان لے جانے کا بھی تھا۔

اکیسواں باب

فارس میں شیخ عمر کا قتل

ماوراء النہر سے نکلنے سے قبل ہی تیمور کو ایک حیرت انگیز خبر موصول ہوئی۔ چونکہ اُس نے اپنے زیر نگیں تمام ملکوں میں کبوتر خانے بنوائے ہوئے تھے، لہٰذا وہاں کی خبریں دوسری جگہوں سے اُس تک پہنچ جاتی تھیں، بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی مملکتوں میں ہونے والے واقعات سے روز بروز مطلع ہوتا رہتا تھا۔ اس دن کبوتر کے ذریعے جو خبر تیمور کو موصول ہوئی وہ یہ تھی کہ اُس کا بیٹا شیخ عمر فارس میں قتل ہوگیا ہے۔

تیمور اپنے بیٹے کے قتل کی خبر سُن کر چونکا ضرور مگر غمگین نہ ہوا۔ اُس جیسے شخص کے لیے موت اتنا معمولی واقعہ تھی کہ بیٹے کی موت کی خبر بھی اُس کے لیے غیر معمولی نہ تھی، تاہم اُسے کبوتر کے ذریعے بھیجے گئے خط کے مطابق فارس میں شیراز کے نزدیک ایک مرغزار ہے جسے ''دشتِ نرگس'' کے نام سے پکارا جاتا تھا، شیخ عمر اسی جگہ شکار کی غرض سے گیا تھا اور کسی گروہ نے اس پر حملہ کر کے اسے موت کے گھاٹ اُتار دیا تھا۔ اس کے قاتل فارس کے قبائل میں سے تھے، تاہم خط میں یہ واضح نہیں کیا گیا تھا کہ قاتلوں کا تعلق کس قبیلے سے تھا۔

خط بھیجنے والا فارس کا داروغہ تھا۔ فارس کے داروغہ نے لکھا تھا کہ شیخ عمر کے قتل کی وجہ سے شہر میں ہنگامے اور بدامنی پھیل چکی ہے، اور یہ ممکن تھا کہ شیراز میں موجود قبائل حملہ کر کے شیراز پر قبضہ کر لیں۔ داروغہ نے کہا تھا کہ وہ ہر ممکن حد تک اپنے تئیں شیراز کا دفاع کرنے کی کوشش کرے گا مگر حالات بدترین ہونے سے پہلے تیمور کو امدادی فوجیں بھیج دینی چاہئیں۔

یوں ایک بار پھر تیمور کو غیر متوقع حالات کے سبب اپنے ارادوں کو تبدیل کرنا پڑا۔ اسے احساس ہوا کہ ہندوستان سے زیادہ فارس جانا اُس کے لیے ضروری ہے۔ اگر تیمور رے اور اصفہان کے راستے فارس جاتا تو اُسے طویل راستہ طے کرنا پڑتا، اگر وہ خراسان اور یزد کی جانب سے فارس جاتا تو بہت جلد فارس پہنچ سکتا تھا مگر اس راستے سے جانے کا مطلب تھا ایسے راستے کا انتخاب کرنا جو گھڑ سوار فوج کے لیے انتہائی کٹھن ثابت ہو سکتا تھا کیونکہ اس راستے میں پانی کی قلت تھی۔

تیمور نے اپنے بیٹے میرانشاہ کو (جسے اُس نے قبل ازیں فارس سے واپس بلا کر اس کی جگہ شیخ عمر کو فارس کا نظم و نسق سونپا تھا) ماوراء النہر میں اپنا جانشین مقرر کیا اور خود ستر ہزار گھڑ سوار فوج کے ساتھ فارس کی طرف روانہ ہوگیا۔ ماوراء النہر سے نکل کر خراسان سے گزرتے ہوئے وہ ایک بار پھر ''بشرویہ'' نامی آبادی سے گزرے جہاں کے سارے باشندے عالم اور عارف تھے۔ تاہم اس بار تیمور کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ شہر کے باشندوں سے گفتگو کر سکتا۔ جو سب کے سب حتیٰ کے معمولی کوڑا کرکٹ اٹھانے والے سے لے کر امام مسجد تک سب اہل علم تھے۔ تیمور کو جلد از جلد فارس پہنچ کر اپنے بیٹے کے قتل کا بدلہ لینا اور فارس میں بگڑتی صورتِ حال پر قابو پانا تھا۔ بشرویہ سے گزر کر تیمور برجند کی طرف جانے کی بجائے رباط خان نامی علاقے کی طرف مڑ گیا۔

یہ اس راستے کا وہ آخری مقام تھا جہاں پانی وافر مقدار میں دستیاب تھا۔ رباط خان ایک مختصر آبادی والا خطہ تھا جس میں ایک بہت بڑا کارواں سرائے موجود تھا جہاں صحرائی ڈاکو گزرتے رہتے تھے کیونکہ اس راہ پر آنے والے ڈاکوؤں کے لیے رباط خان آ کر پانی حاصل کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا اور ایسا بہت کم ہوتا تھا کہ رباط خان میں داخل ہونے کے بعد یہ ڈاکو مقامی لوگوں کو لوٹے بغیر چلے جائیں۔ اسی وجہ سے رباط خان کے مقامی لوگ ہمہ وقت لڑائی کے لیے تیار رہتے تھے۔ اگر یہ ڈاکو بہت زیادہ تعداد میں ہوتے تو رباط خان کے رہائشی قلعہ بند ہو کر اس کے دروازے بند کر لیتے۔

رباط خان نامی مقام پر پہنچ کر تیمور نے وہاں کے بزرگوں کو اپنے حضور طلب کیا تا کہ آئندہ سفر کے بارے میں ان سے مشاورت کر سکے۔

شہر کے ایک بزرگ نے، جس کی سفید داڑھی تھی، تیمور سے کہا، ''اے امیر والا، تمہارے راستے میں ایک عظیم صحرا ہے جس کی لمبائی تقریباً 360 کلومیٹر ہے، اس صحرا میں نہ تو تمہیں پانی نظر آئے گا اور نہ ہی کوئی جڑی بوٹی ہی اُگی ہوئی ملے گی، وہاں تو کوئی سوکھی لکڑی بھی نہ ملے گی کہ اُسے دانت کریدنے کے لیے ہی استعمال کر سکو۔ خدا نے اس صحرا سے زیادہ خشک اور بیابان خطہ ارض کہیں پیدا نہیں کیا۔ تم اس عظیم صحرا کو اپنی اتنی بڑی فوج کے ساتھ عبور نہ کر سکو گے۔ تمہاری فوج دوسرے ہی دن پیاس کی شدت سے ماری جائے گی۔ اس صحرا کو ماسوائے اونٹوں پر سوار ہوئے عبور نہیں کیا جا سکتا، گھڑ سوار کبھی بھی 360 کلومیٹر طویل صحرا کو عبور نہیں کر سکتا حتیٰ کہ ایک اونٹ پر سوار ہو کر جانے والے کو بھی اپنے ساتھ وافر مقدار میں پانی لے جانا ہوگا کیونکہ اُس کے اونٹ کو کم از کم ایک بار راستے میں پانی پینے کی ضرورت ہوگی۔ اسی لیے ایک اونٹ سوار بھی تنہا اس صحرا میں سفر نہیں کر سکتا بلکہ اُسے اونٹوں کے قافلے کی صورت میں سفر کرنا ہوگا۔ اس قافلے میں کچھ اونٹوں پر آدمی سوار ہوں گے اور باقی اونٹوں پر پانی اور دوسری ضروری اشیاء لادھی جائیں گی۔''

اس کے بعد اس بزرگ آدمی نے ان مشہور لوگوں کے قصے بھی سنائے جنھوں نے تن تنہا یا ایک دو آدمیوں کے ساتھ لق و دق صحرا کو عبور کرنے کی کوشش کی لیکن وہاں سے کبھی نکل نہ سکے کیونکہ پیاس نے انہیں موت کے منہ میں دھکیل دیا۔ اس شخص کے مطابق ان لوگوں کے مُردہ جسموں کو صحرائی جانوروں نے اپنی غذا بنا لیا اور ان کی ہڈیاں اب بھی جگہ جگہ بکھری نظر آتی ہیں۔

تیمور نے یہ سب سُن کر کہا، ''میں ایک بار خراسان سے زابلستان اور ایک بار فارس سے زابلستان تک کا سفر کر چکا ہوں اور اس دوران میں نے بے آب و گیاہ ریگستانوں کو عبور کیا ہے۔''

شہر کا ممتاز بزرگ کہنے لگا، ''جس ریگستان کو تم نے عبور کیا ہے، اس میں تھوڑا بہت پانی مل جاتا ہے، خاص طور پر موسم بہار میں، مگر جو صحرا تمہارے راستے میں ہے، وہاں پانی کا ایک قطرہ بھی دستیاب نہیں۔ اگر تمہاری فوج اونٹ سواروں پر مشتمل ہوتی تو تم اونٹوں پر پانی کے بڑے بڑے مشکیزے لاد کر لے جا سکتے تھے۔ اس طرح تمہارے پاس پانی موجود ہوتا اور تم اس عظیم صحرا کو عبور کر سکتے تھے۔ مگر اس گھڑ سوار فوج کے ساتھ تمہارے لیے یہ کرنا ناممکن ہے۔''

تیمور نے کہا، ''اس صورت میں مجھے واپس مڑنا اور یہاں سے لوٹ جانا ہوگا، کیونکہ یہ عظیم ریگستان میری راہ میں رکاوٹ بن گیا ہے۔''

وہ بزرگ اپنی اُنگلی سے مشرق کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگا، ''اگر تم یہاں سے سیدھے اس جانب سفر کرو تو تمہیں دو دن کے سفر

کے بعد پہاڑ نظر آئیں گے جو جنوب سے شمال کی طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ اگر تم ان پہاڑوں کے دامن سے اپنی فوج کو گزار سکو تو تمہیں پانی کی قلت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا کیونکہ اس پہاڑی خطہ میں جگہ جگہ آبشاریں موجود ہیں۔ اس پہاڑی خطہ کو عبور کر کے تم ایک ایسے مقام پر پہنچ جاؤ گے جہاں ریگستان کا 360 کلومیٹر کا علاقہ ختم ہو چکا ہوگا۔ پھر تم پہاڑی راستے کو چھوڑ کر صحرا میں داخل ہو سکتے ہو کیونکہ وہاں تمہیں پانی کی قلت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔''

تیمور نے اس شخص سے دریافت کیا، ''اے بزرگ انسان، کیا تم ان راستوں سے واقف ہو؟'' بزرگ آدمی کہنے لگا ''ہاں، اے امیر'' اس پر تیمور نے اُس سے پوچھا، ''کیا تم میرے ساتھ بطور راہنما بن کر جانا پسند کرو گے؟'' وہ بزرگ شخص کہنے لگا ''اے امیر والا، میرا بیٹا تمہارے لیے راہنمائی کا کام انجام دے گا اور تمہیں پہاڑی خطہ سے گزار کر صحرا کے محفوظ علاقے تک چھوڑ آئے گا۔''

تیمور نے اس بزرگ شخص سے کہا، ''اگر تم میری فوج کو بحفاظت اور ایک ساتھ صحرا کے پار پہنچا دو تو میں تمہیں بہت بڑا انعام دُوں گا۔''

اس پر بزرگ شخص بولا ''اے امیر، ہمارا تو کام ہی خدمت کرنا ہے، لہٰذا ہم سے جو بھی ہو سکا تمہارے لیے ضرور کریں گے۔''

تیمور نے اس بزرگ شخص اور اُس کے بیٹے کے لیے گھوڑے فراہم کرنے کا حکم دیا تا کہ وہ اس کے سواروں کے ساتھ ساتھ چل سکیں۔ راستے میں اس بزرگ شخص نے بتایا کہ یہ عظیم صحرا وہی ہے جس کا ذکر اکثر قصے کہانیوں میں ملتا ہے۔ اس نے بتایا کہ سلم اور تور کی فوجیں اسی عظیم صحرا سے گزرتے ہوئے ہلاک ہوئی تھیں اور یہ کہ اگر تیمور بھی اس صحرا میں داخل ہو جاتا تو ان لوگوں کی طرح تیمور کی فوج کا انجام بھی یہی ہوتا۔

وہ بزرگ شخص تیمور اور اُس کے سپاہیوں کو سیدھا مشرق کی طرف لے گیا، حتیٰ کہ وہ پہاڑی سلسلے کے دامن میں پہنچ گئے۔ یہاں پہنچ کر تیمور نے اُس سے پوچھا، ''کیا تم خود بھی فارس جانے کے لیے یہی راستہ استعمال کرتے ہو؟'' اس پر وہ بزرگ شخص بولا، ''اے امیر، ہم تن تنہا اس راستے سے گزرنے کا حوصلہ نہیں رکھتے کیونکہ یہ راستہ لٹیروں اور ڈاکوؤں کی آماجگاہ ہے۔ تم چونکہ ایک عظیم فوج کے ساتھ اس راستے سے گزر رہے ہو اس لیے کوئی تم پر حملے کی جرأت نہیں کرے گا۔ لیکن اگر تم تنہا ہوتے یا کسی چھوٹے قافلے کی صورت میں یہاں سے گزرتے تو تم پر بھی حملہ کر دیا جاتا۔ یہاں کے لٹیرے تمہارا سارا مال اسباب لوٹ لیتے اور تمہیں بھی قتل کر دیتے۔''

تیمور نے اس سے دریافت کیا، ''کیا اس جگہ کا کوئی والی وارث نہیں جو اس علاقے کو ان لیٹروں سے پاک کر سکتا۔'' بزرگ آدمی کہنے لگا، ''جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے آس پاس کے علاقے کے حاکموں نے کبھی بھی ان لٹیروں کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا، اس پہاڑی سلسلے کا نیچے والا سرا زابلستان میں آتا ہے جبکہ اوپر والا سرا غور اور افغانستان میں چلا جاتا ہے لیکن خود یہ پہاڑی سلسلہ دراصل کسی کی دسترس میں نہیں اور جو کوئی یہاں تنہا گزرنے کی غلطی کرتا ہے تو اس کا انجام موت ہی ہوتا ہے۔''

تیمور اور اُس کے سپاہی پہاڑوں کے دامن میں آگے بڑھ رہے تھے اور اُن کے راستے میں پانی وافر موجود تھا۔ وہ اس طریقے سے آگے بڑھ رہے تھے کہ جہاں کہیں پانی میسر ہوتا تو وہ کچھ دیر کے لیے ٹھہر جاتے۔ اگرچہ اس بزرگ شخص نے بتایا تھا کہ وہ تنہا اس راستے کو عبور کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتا پھر بھی وہ اس جگہ کے چپے چپے سے واقف تھا۔ اسی لیے تیمور نے اس سے پوچھا، ''اگر تم اس علاقے سے کبھی گزرے ہی نہیں تو اتنی

اچھی طرح تمام پہاڑیوں اور راستوں سے کس طرح واقف ہو؟''

وہ بزرگ آدمی بولا،''اے امیر، میں اپنے بچپن اور لڑکپن کے دور میں یہاں مویشی چرایا کرتا تھا۔''

تیمور نے اُس سے دریافت کیا،''کیا اُس وقت یہاں کوئی خطرہ نہ تھا۔ اگر اُس وقت بھی یہ ایسی ہی پُر خطر جگہ تھی تو تم کیسے اپنی بھیڑ بکریوں کو یہاں چرایا کرتے تھے؟'' بزرگ شخص کہنے لگا،''اے امیر، ان دنوں برجند اور قائن پر ایک بہادر حکمران کی حکومت تھی۔ اس نے لٹیروں کو اس حد تک خوفزدہ کر دیا تھا کہ کوئی بھی لُٹیرا مویشی چرانے کی ہمت نہ کر سکتا تھا۔ ان لُٹیروں کو یہ بھی اچھی طرح پتہ تھا کہ مویشیوں کا مالک دراصل برجند کا حاکم ہے۔''

ایک روز وہ لوگ ایک ندی کے کنارے پہنچ گئے، جو کسی پہاڑی سے نکل کر آ رہی تھی تیمور کے سپاہی اس ندی کے کنارے ٹھہر گئے۔ تیمور ندی سے کچھ فاصلے پر ٹھہرا ہوا تھا اور دوپہر کی نماز ادا کرنے کے بعد وہ آرام کی غرض سے اپنے خیمے میں جا رہا تھا کہ ایک سانپ نے اُس پر حملہ کر دیا اور اس کے سنبھلنے سے پہلے ہی اُسے کاٹ لیا۔ سانپ نے اُسے بائیں ٹخنے سے ذرا اُوپر کاٹ لیا تھا، تاہم سانپ کے نکل بھاگنے سے پہلے ہی تیمور نے اپنے پیر سے اُس کی دُم کو قابو کر لیا اور پھر اُس کے ذاتی ملازم نے سانپ کو مار ڈالا۔ جب سانپ نے تیمور کو کاٹا تھا تو اُسے بس اتنی ہی تکلیف ہوئی تھی جیسے پاؤں میں کانٹا چبھنے سے ہوا کرتی ہے۔ سانپ کے کاٹنے کی تکلیف اُن زخموں کے مقابلے میں کچھ بھی نہ تھی جو تیمور نے مختلف جنگوں کے دوران اپنے جسم کے مختلف حصوں میں کھائے تھے۔ پھر بھی اس نے جلدی سے سفری راہنما بزرگ شخص کو بلوایا اور اسے سانپ کی لاش دکھاتے ہوئے کہا،''اس جانور نے مجھے کاٹ لیا ہے، آیا اس کا زہر خطرناک ہے؟'' بزرگ آدمی نے سانپ کو دیکھا تو اس کی آنکھیں پھیل گئیں اور وہ خوفزدہ انداز میں بولا''یہ تو کالا ناگ ہے۔ یہ جس کسی کو کاٹ لے تو اُس کی موت یقینی ہوتی ہے، بجز اس کے کہ اس کے کاٹے کی جگہ میں سوراخ کر کے فوراً زہر کو چوس کر نکال دیا جائے۔''

تیمور بولا،''اس کا مطلب ہے کہ میری موت کا وقت آ پہنچا ہے اور میں یہیں مارا جاؤں گا۔'' بزرگ شخص نے اچانک چیخ و پکار شروع کر دی،''جلدی کرو، ایک رسی لاؤ۔'' تیمور کے آدمی فوراً ایک رسی لے آئے اور اس بزرگ شخص نے تیمور کی بائیں پنڈلی کو مضبوطی سے رسی میں جکڑ دیا اور بولا''میں نے تمہاری ٹانگ کو اس لیے رسی سے باندھ دیا ہے تاکہ سانپ کا زہر تمہارے دل تک نہ پہنچ پائے۔'' پھر اس نے تیمور کا خنجر لیا اور سانپ کے کاٹے کی جگہ میں ایک سوراخ بنا دیا اور پھر اپنا منہ اس سوراخ پر رکھ کر چوسنے لگا۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنے منہ میں جمع ہونے والے خون کو تھوک دیتا۔ تیمور نے اُس سے پوچھا،''تم ایسا کیوں کر رہے ہو؟'' وہ کہنے لگا،''تمہارے جسم سے زہر نکالنے کے لیے میں ایسا کر رہا ہوں۔'' وہ بزرگ شخص دوپہر سے لے کر نمازِ عصر تک سانپ کے ڈسنے کی جگہ کو یونہی چوستا اور اپنے منہ سے خون تھوکتا رہا۔ جلد ہی تیمور کو محسوس ہوا کہ اُسے بخار ہو رہا ہے، چنانچہ اس نے بزرگ شخص سے پوچھا،''کیا سانپ کے ڈسے شخص کو بخار ہو جاتا ہے؟'' وہ بزرگ شخص بولا،''ہاں اے امیر، اور اسی بخار کی حالت میں اُس کی موت واقع ہو جاتی ہے۔''

تیمور نے کہا،''مجھے موت کا کوئی خوف نہیں، میں نے اپنی ساری زندگی میں مسلسل موت کا سامنا کیا ہے۔'' بزرگ شخص کہنے لگا،''چونکہ میں نے تمہاری ٹانگ پر رسی باندھ دی تھی لہٰذا اس نے زہر کو تمہارے دل تک پہنچنے نہیں دیا، پھر چونکہ میں نے سانپ کے کاٹے کی جگہ پر سوراخ کر

کے زہر چوس کر نکال دیا ہے، لہذا امید ہے کہ تم نہیں مرو گے، البتہ تمہیں مکمل صحت یابی تک یہیں رُکنا پڑے گا۔'' پھر کچھ توقف کے بعد اس بزرگ شخص نے کہا، ''آج جب میں نے تمہارے خیمہ میں آکر اس کالے ناگ کو دیکھا تو مجھے بڑی حیرانی ہوئی تھی کیونکہ عام طور پر سانپ اس گرم موسم میں اپنے بل سے باہر نہیں نکلتا۔ پہاڑیوں کے پیچھے بہت سے سانپ پائے جاتے ہیں مگر گرمی کی اس لہر کے دوران اُن میں سے کوئی باہر نظر نہیں آتا۔ سانپ ایک ایسی نازک مخلوق ہے کہ اگر وہ اس طرح سورج کی گرمی یا گرم صحرا میں کھلا پڑا رہے تو فوراً مارا جائے گا۔ اس لیے مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ یہ سانپ جس نے تمہیں کاٹا ہے، آخر کیسے تمہارے خیمے میں آپہنچا۔''

بہر حال تین روز تک تیمور اُسی جگہ ٹھہرا رہا جہاں سانپ نے اُسے کاٹا تھا۔ تیسرے روز اُس کا بخار اتر گیا، مگر ان تین دنوں کے دوران اُس کی بائیں ٹانگ اس قدر سُوجھ گئی کہ یوں لگتا جیسے اُس نے اپنی ٹانگ کے ساتھ مشکیزہ باندھ رکھا ہے۔ تاہم اس روز کے بعد اس سوجھن میں بھی کمی آتی گئی اور جلد ہی تیمور اپنے گھوڑے پر سوار ہونے کے قابل ہوگیا۔ اور وہ دوبارہ سفر پر روانہ ہوگئے۔

اس بزرگ شخص نے بتایا کہ ناگن انڈے دیتی اور اُن پر بیٹھی سوتی رہتی ہے اور ہر بار ان انڈوں سے پانچ سے تیس تک بچے نکلتے ہیں۔ اسی لیے ان پہاڑیوں کے پیچھے چیونٹیوں سے زیادہ ناگ پائے جاتے ہیں۔ اس مقام سے آگے جانے کے بعد تیمور جب بھی اپنے خیمے میں داخل ہوتا تو پہلے یہ اطمینان کر لیتا کہ کہیں اس خیمے میں کوئی سانپ تو داخل نہیں ہوگیا۔

جن پہاڑیوں سے وہ گزر رہے تھے وہ رنگا رنگ تھیں۔ ان میں سے کچھ سبز رنگ کی بعض زرد اور بعض سرخ بھی تھیں۔ انہیں ان پہاڑیوں پر کسی قسم کے کوئی درخت نظر نہیں آئے جبکہ استر آباد، مزندران اور جیلان کی پہاڑیوں پر درخت بکثرت پائے جاتے تھے۔ اگرچہ یہ پہاڑیاں درختوں سے محروم تھیں مگر پانی یہاں بکثرت موجود تھا۔ چھوٹی چھوٹی ندیاں نالے پہاڑیوں سے بہہ کر دامن کوہ تک آتے اور پھر صحرا میں جا کر غائب ہو جاتے تھے۔ ایک روز وہ لوگ ایسی ہی ایک ندی کے کنارے ٹھہرے ہوئے تھے کہ تیمور نے اس کے پانی میں ایک زرد رنگ کا پتھر دیکھا اور اُسے ایسا لگا کہ جیسے وہ سونا ہے، تاہم ان کی راہنمائی کے لیے موجود بوڑھے شخص نے بتایا کہ اُسے غلطی لگی ہے اور وہ پتھر سونے کا نہیں ہے۔ اُس نے بتایا کہ یہ پتھر حقیقی سونا نہیں ہے، تاہم اُس نے بتایا کہ ان پہاڑیوں میں سے کچھ کے اندر سونا بھی ملتا ہے۔

اس پہاڑی سلسلے کو عبور کرنے کے بعد وہ بزرگ شخص اور اُس کا بیٹا انہیں ایک ایسے مقام پر لے آئے جو اس عظیم صحرا کے جنوب میں واقع تھا، یہاں پہنچ کر وہ بزرگ شخص کہنے لگا، ''اے امیر، تم اب ایسے مقام پر پہنچ گئے ہو جہاں تم فارس کی طرف اس صحرا سے سفر کرتے ہوئے جاسکتے ہو۔ اور تمہارے گھوڑوں کو اب اس راستے سے پانی کی قلت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔'' تیمور نے اس سے پوچھا، ''کیا تم اسی راستے سے واپس جاؤ گے، جس سے ہم یہاں تک آئے ہیں؟'' وہ شخص کہنے لگا۔ ''اے امیر، مجھ میں اسی راستے سے واپس جانے کا حوصلہ نہیں ہے، کیونکہ لٹیرے مجھے اور میرے بیٹے کو مار ڈالیں گے۔ لیکن اگر تم میری مدد کرو تو میں اس لق ودق صحرا سے ہی واپس رباط خان پہنچ جاؤں گا۔''

تیمور نے اُس سے پوچھا، ''کیا تم اس صحرا سے گزر کر واپس رباط خان پہنچ سکتے ہو؟'' وہ بزرگ شخص بولا، ''ہاں اے امیر، تم اگر ہمارے لیے اونٹوں کا بندوبست کر دو، تو ہم ان پر سوار ہو کر واپس چلے جائیں گے کیونکہ اونٹوں پر پانی بھی ساتھ لے جایا جاسکتا ہے۔ چونکہ اونٹوں کو اس صحرا

سے گزرنے کے لیے ایک دفعہ سے زیادہ پانی پینے کی ضرورت نہیں ہوتی لہٰذا میں ان پر سوار ہو کر اپنے بیٹے سمیت واپس پہنچ جاؤں گا۔"

تیمور نے اس بزرگ شخص اور اس کے بیٹے کو کچھ اونٹ فراہم کر دیئے اور انہیں بطور انعام کچھ رقم بھی عنایت کی اور خود اپنی فوج کے ساتھ فارس کی طرف روانہ ہو گیا۔

اس سے آگے انھیں پانی کی قلت سمیت کوئی اور مسئلہ پیش نہ آیا۔ راستے میں جگہ جگہ پانی کے ذرائع موجود تھے جہاں سے وہ اپنے گھوڑوں کی پیاس بجھاتے، بالآخر فارس پہنچ گئے۔

وہاں شیراز کا داروغہ تیمور کے حضور پیش ہوا اور اُسے شیخ عمر کے قتل کے بارے میں تفصیلات سے آگاہ کیا۔ وہ کہنے لگا، "تمہارے بیٹے کے قاتل قبیلہ بویر کے لوگ ہیں۔ تمہارے بیٹے کو قتل کر کے وہ لوگ واپس اپنے وطن لوٹ گئے۔ ان کا وطن جنگلات سے گھرے علاقے میں واقع ہے جہاں پانی بھی بخوبی دستیاب ہے۔ وہاں کا ہر آدمی اپنے کام کا ماہر ہے اور کوئی اُن سے لڑ یا انہیں شکست نہیں دے سکتا۔ میں تمہارے ہی فائدے کے لیے کہہ رہا ہوں کہ اگر تم اُن کے ملک گئے تو اپنی فوج کو ہلاکت میں ڈال دو گے۔ اُن کے ملک میں کوئی اُن لوگوں پر حاوی نہیں ہو سکتا۔" تیمور نے جواب دیا کہ "میں اس بارے میں سوچ کر فیصلہ کروں گا اور اسی وقت اپنے فیصلے کا اظہار کروں گا۔"

پھر تیمور شیراز کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے تحقیق کی کہ آیا شیراز کے داروغہ نے اُسے جو باتیں بتائی ہیں وہ سب درست ہیں۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی شخص کی کسی دوسرے گروہ سے دشمنی ہوتی ہے اور وہ محض اسی دشمنی کے باعث اس گروہ کے قلع قمع کے لیے اس پر الزام تھوپ دیتا ہے۔ اس لیے تیمور نے جنگ کے لیے نکلنے سے پہلے شیراز کے داروغہ کی باتوں کی تحقیق کرنا ضروری سمجھا۔ اگر وہ باتیں سچ ثابت ہو جاتیں تو تیمور قبیلہ بویر پر لشکر کشی کی منصوبہ بندی کرتا۔ تحقیق کے بعد پتہ چلا کہ شیراز کا داروغہ سچ کہہ رہا تھا اور شیخ عمر قبیلہ بویر کے لوگوں کے ہاتھوں ہی قتل ہوا تھا۔ اور یہ کہ اسے قتل کرنے کے بعد وہ اس کی لاش کو دشت نرگس میں ہی چھوڑ گئے تھے تاکہ تیمور اس کی جائے قبر کا تعین کر سکے۔

اگرچہ زیادہ وقت نہ گزرا تھا مگر شیراز کے پہلے سفر میں تیمور نے جن عارفوں سے مباحثہ کیا تھا ان میں سے کچھ وفات پا چکے تھے۔ ان میں شمس الدین شیرازی بھی شامل تھا جسے "حافظ" کے نام سے جانا جاتا تھا۔ صباح الدین یوسف عرف سنبلی بھی فوت ہو چکا تھا لیکن شیخ حسن بن قرابت اور زکریا فارسی اس وقت بھی زندہ تھے اور وہ تیمور سے ملنے کے لیے آئے اور تیمور نے انہیں سونے کے سکے دے کر رخصت کیا، تاہم اس بار تیمور کے پاس اتنا وقت نہ تھا کہ وہ ایک بار پھر تمام عارفوں اور زاہدوں کو جمع کر کے مباحثہ کرتا۔

شیراز میں ہی تیمور نے بویر نامی ملک پر لشکر کشی کی تیاریاں مکمل کیں۔ اُسے بتایا گیا تھا کہ بویر ایک قسم کے پہاڑ نما علاقے پر مشتمل ملک ہے تاہم اس کی لمبائی اور چوڑائی اچھی خاصی ہے اور اسی وجہ سے ایک علیحدہ ملک بن گیا ہے۔ اس ملک کے پہاڑوں پر اس قدر گھنے درخت پائے جاتے تھے کہ بعض اوقات دن کی روشنی میں بھی سورج کی کرنیں زمین تک نہیں پہنچ پاتی تھیں۔ اُسے یہ بھی بتایا گیا تھا کہ بویر کے علاقے میں سینکڑوں ندی نالے اور دریا بہتے ہیں اور اگر وہاں کے لوگ زراعت کاری کرنے لگیں تو بہت مال دار ہو سکتے ہیں۔ مگر وہ لوگ زراعت کاری کرنے کے بجائے دوسرے علاقوں میں لوٹ مار کر کے گزر اوقات کرتے ہیں۔ تیمور کا بیٹا شیخ عمر بھی اُن کی ایسی ہی ایک لوٹ مار کی واردات کی بھینٹ چڑھ گیا تھا۔

بویر نامی کے لوگ اس کا سارا مال لُوٹنا چاہتے تھے مگر چونکہ وہ ایسا آدمی نہ تھا جو اُن کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتا لہٰذا مقابلہ کرتے ہوئے مارا گیا۔

تیمور کو یہ بھی بتایا گیا کہ بویر کے خطہ میں داخل ہونے کے صرف دو راستے موجود ہیں اور اسے انہی میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہو گا۔ چونکہ بویر کا سارا خطہ پہاڑی علاقے پر واقع ہے۔ لہٰذا یہ دونوں راستے بھی پہاڑیوں پر مشتمل اور دشوار گزار ہیں۔ اگر قبیلہ بویر کے تھوڑے افراد بھی ان راستوں کو قبضہ میں لے لیں تو بڑی سے بڑی فوج بھی وہاں سے گزر کر انہیں شکست نہیں دے سکتی۔

تیمور نے اس کے بعد جتنے بھی لوگوں سے مشورہ کیا تو انہوں نے اسے یہی مشورہ دیا کہ اپنی فوج کو بویر لے جا کر ہلاکت میں نہ ڈالے۔ بویر میں داخل ہونا انتہائی دشوار ہے اور وہاں پر کامیابی حاصل کر لینا تقریباً ناممکن ہے۔ یہی وجہ تھی کہ تیمور نے وہاں داخل ہونے کے لیے ایک خاص حکمت عملی ترتیب دی۔ وہ یہ کہ اس نے اپنے سپاہیوں اور شیراز کے چند معزز و معتبر لوگوں کے ذریعے یہ مشہور کرا دیا کہ وہ اپنے خزانے کی رقم اور جواہرات اصفہان بھیجنا چاہتا ہے اور خود کچھ عرصہ فارس میں قیام کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ یہ خبر کچھ اس انداز سے پھیلائی گئی کہ خود تیمور کے سپاہی بھی اسے صحیح سمجھ بیٹھے۔ دراصل چند قریبی افسروں کے سواء اس منصوبہ بندی کا کسی کو علم نہ تھا۔

اس کے بعد تیمور نے پانچ سو گھڑ سواروں اور اونٹوں پر مشتمل ایک قافلہ تیار کروایا اور اس کا راستہ کچھ اس طرح متعین کیا کہ وہ قبیلہ بویر کے علاقے کے پاس سے گزرے تاکہ اس قبیلے کے لُٹیرے لوگ اس پر باآسانی ہاتھ ڈال سکیں۔ اس قافلے کے ساتھ تیمور نے کچھ حفاظتی سپاہی بھی بھیج دیئے تاکہ بویر کے لوگوں کو اس بات کا شک نہ ہو کہ آخر مال و اسباب سے لدے اس قافلے کے ساتھ حفاظتی دستے کیوں نہیں ہیں۔

جب یہ قافلہ روانہ ہو گیا تو تیمور نے اپنے تجربہ کار سپاہیوں کو یہ ذمہ داری سونپی کہ جب قافلے پر حملہ ہو اور قبیلہ بویر کے افراد اسے لُوٹنے میں مصروف ہو جائیں تو وہ لوگ انہیں گھیرے میں لے لیں، تاہم کسی کو قتل نہ کریں کیونکہ تیمور انہیں زندہ اپنے سامنے دیکھنا چاہتا تھا اور انہیں بویر میں داخلے کے لیے استعمال کرنا چاہتا تھا۔

تیمور کی حکمت عملی سو فیصد کامیاب رہی اور جب قبیلہ بویر کے لوگ اس قافلے کو لُوٹنے میں مصروف تھے تو وہ اس کے سپاہیوں کے نرغے میں آ گئے اور سب کے سب گرفتار ہو گئے۔ چنانچہ جو قافلہ اصفہان جا رہا تھا وہ بھی شیراز واپس لوٹ آیا۔

تیمور نے ان قیدیوں سے پوچھ گچھ کرنے کا حکم دیا تاکہ یہ پتہ چل سکے کہ آیا ان مذکورہ دو راستوں کے علاوہ کسی اور راستے سے بھی بویر میں داخل ہوا جا سکتا ہے۔ معلوم ہوا کہ ایک اور راستہ بھی ہے لیکن وہ راستہ بہت تنگ ہے اور صرف ایک بکری ہی وہاں سے گزر سکتی ہے کوئی انسان وہاں سے نہیں گزر سکتا۔ لہٰذا عقلی تقاضا یہی ہے کہ انہی دو راستوں میں سے ایک راستے سے گزرا جائے۔

تیمور نے فارس میں ایک بار پھر بارود بنانے کا حکم دیا۔ اسے احساس تھا کہ سرزمین بویر میں داخل ہونے کے بعد انہیں دو چیزوں کے استعمال کی ضرورت ہو گی۔ ایک تو وہ قیدی تھے جو انہوں نے پکڑ لیے تھے اور دوسرا بارود۔ تیمور کو یقین تھا کہ بویر کے سپاہی بادشاہ غور کے سپاہیوں سے زیادہ بہادر اور نڈر نہیں ہو سکتے۔ بادشاہ غور کے سپاہیوں کو انھوں نے بارود استعمال کر کے شکست دے دی تھی اور بالکل اسی طرح بارود استعمال کر کے وہ بویر کے سپاہیوں کو بھی شکست دے سکتے تھے۔ بارود بنانے کے لیے ضروری اشیاء فارس میں دستیاب تھیں اور جب بارود تیار ہو گیا تو تیمور نے حکم دیا

کہ اسے چمڑے کے تھیلوں میں رکھ کر ان کے ساتھ فیتے باندھ دیئے جائیں۔ یہ فیتے ایک موٹی رسی سے بنائے گئے تھے جو بذات خود بارود میں ڈبوئی گئی تھی اور باآسانی آگ پکڑ لیتی تھی۔

تیمور نے اپنے سپاہیوں کے ایک حصے کو بویر کے باہر ہی ٹھہرنے کا حکم دیا اور کچھ دوسرے سپاہیوں کو کہا کہ وہ نیچے اُتر آئیں اور اپنے گھوڑے اپنے ساتھیوں کے حوالے کر دیں۔ تیمور کے کچھ سرداروں نے مشورہ دیا تھا کہ چونکہ بویر میں داخل ہونے کے دو راستے ہیں، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ ان دونوں اطراف سے حملہ کیا جائے تاکہ بویر کا دفاع کرنے والوں کی توجہ بٹ جائے۔ لیکن تیمور اپنے سپاہیوں کو جان بوجھ کر موت کے منہ میں نہیں دھکیلنا چاہتا تھا، اسی لیے اُس نے انہیں بتا دیا کہ ابتداء میں وہ ایک طرف سے بطور آزمائش حملہ کر کے دیکھیں گے۔ اگر اس کا نتیجہ نفی نکلا تو بہتر یہی ہوگا کہ ایک ہی طرف سے حملہ کیا جائے تاکہ کم سے کم سپاہی ہلاک ہوں۔ تاہم اگر مثبت نتیجہ نکلا تو ہم دونوں اطراف سے بھرپور حملہ کر دیں گے۔

جب ابتدائی حملے کی منصوبہ بندی مکمل ہوگئی تو تیمور نے ہدایت کی کہ بویر کے گرفتار شدگان کو فوج کے آگے آگے چلایا جائے تاکہ ان کے ساتھیوں کی تیراندازی کی صورت میں ان کے اپنے ساتھی ہی ان کے تیروں کا نشانہ بن جائیں۔ ان قیدیوں کے پیچھے تیمور کے رسالے کے وہ سپاہی تھے جن کے پاس بارود سے بھرے چرمی تھیلے تھے۔ ان کے ذمہ یہ کام تھا کہ بوقت ضرورت فیتوں کو آگ لگا کر بارود سے بھرے تھیلے دشمن کی طرف پھینک دیں تاکہ فوج کا راستہ صاف ہو جائے۔ تیمور بذات خود اس پہلے رسالے کی پہلی صف میں شامل تھا تاکہ خود میدان جنگ کی نگرانی کر سکے۔

تیمور کے لیے ممکن تھا کہ وہ اپنے افسران کے ذریعے میدانِ جنگ کی صورت حال معلوم کرتا رہتا مگر اس نے مختلف جنگوں میں حصہ لے کر جان لیا تھا کہ بذات خود میدان جنگ کو دیکھنا اور نگرانی کرنا افسران کے ذریعے خبروں کے حصول سے قطعی مختلف ہے۔ تیمور جو چیزیں دیکھ سکتا تھا اُس کے افسر اس طرح ان چیزوں کو دیکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔

حملہ کرنے والے پہلے رسالے کے تمام سپاہی آہنی خود اور جنگی لباس پہنے ہوئے تھے تاکہ دشمن کی طرف سے تیراندازی کی صورت میں ان کی پیش قدمی نہ رُکے۔ تیمور اور اُس کے سپاہی پیدل ہی روانہ ہوئے اور ایک صاف مگر چڑھائی والا راستہ طے کرتے ہوئے بویر کے علاقے میں داخل ہو گئے۔ بویر کی حدود میں داخل ہوتے ہی یکایک اُن پر تیروں کی بوچھاڑ شروع ہوگئی اگر وہ لوگ حفاظتی لباس نہ پہنے ہوتے تو شاید اُن میں سے کوئی بھی بچ نہ پاتا۔ اگرچہ اُن کے آگے آگے بویر کے قیدی چل رہے تھے مگر ان کے قبیلے والوں نے ان کا کوئی خیال نہ کیا اور تیراندازی جاری رکھی، جس کے نتیجے میں ان کے ساتھی ہلاک یا زخمی ہو کر ایسے گرے کہ پھر نہ اُٹھ سکے۔

اگرچہ وہ لوگ تیروں کی برسات میں آگے بڑھ رہے تھے مگر اُنہیں اپنے سامنے کوئی دکھائی نہ دے رہا تھا، حتیٰ کہ دشمن کا ایک کماندار بھی دکھائی نہ پڑتا تھا۔ معلوم ہوا کہ وہ لوگ درختوں پر چڑھ کر انہیں تیروں کا نشانہ بنا رہے تھے۔ یوں اُن کے پاس موجود بارود کے تھیلے بھی وقتی طور پر بے کار ثابت ہوئے کیونکہ وہاں ایسا کوئی موجود نہ تھا کہ جس پر بارود پھینکا جا سکتا۔

جیسا کہ کچھ سطور پہلے ذکر ہوا ہے کہ تیمور کے سردار اتنی قابلیت نہ رکھتے تھے جتنی کہ وہ خود رکھتا تھا، اس موقع پر بھی اگر وہ خود میدان جنگ میں موجود نہ ہوتا تو شاید دشمن کی تیراندازی کا کبھی توڑ نہ ہو پاتا۔ جب تیمور کو معلوم ہوا کہ بویر کے تیرانداز درختوں میں چھپے بیٹھے ہیں اور وہاں سے اُن

پر تیر برسا رہے ہیں اور یہ کہ وہ تیمور اور اُس کے سپاہیوں کو دیکھ سکتے ہیں جبکہ وہ لوگ انہیں نہیں دیکھ سکتے تو تیمور نے خود سے کہا کہ کسی درخت پر چڑھ کر تیر چلانے والے یا کسی قلعہ کی دیوار پر کھڑا ہو کر تیر چلانے والے میں کوئی فرق نہیں، اگر ہم دیوار ڈھا دیں تو وہ فوراً نیچے آگرے گا۔ اسی طرح اگر درخت گرا دیا جائے تو اس پر چھپا ہوا دشمن بھی نیچے آگرے گا۔ تیمور سوچ رہا تھا کہ انسان کی بنائی قلعہ کی دیوار مضبوط ہے یا یہ درخت؟ ان فلک بوس درختوں کو دیکھ کر یہ اندازہ لگانا بہت مشکل تھا کہ انہیں بارود کی مدد سے گرایا جاسکتا ہے یا نہیں کیونکہ تیمور نے ایسا کبھی نہیں کیا تھا۔ پھر بھی اس نے حکم دیا کہ فیتوں کو آگ لگا کر بارود سے بھرے چرمی تھیلے درختوں پر پھینک دیئے جائیں، تاکہ شاید درخت گر جائیں اور وہ لوگ دشمن کی تیراندازی سے چھٹکارہ پاسکیں۔

تیمور کے سپاہیوں نے ایسا ہی کیا اور چرمی تھیلے درختوں پر پھینکنا شروع کر دیئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایسا غلیظ دھواں اُٹھا کہ آسمان سیاہ پڑ گیا اور سانس لینا دوبھر ہو گیا۔ تیمور کو خود بھی شدید کھانسی آنے لگی تاہم چونکہ وہاں ہوا چل رہی تھی اس لیے بارود کا دھواں جلد ہی بکھر گیا۔ اور پھر تیمور نے حیرانی سے دیکھا کہ درختوں نے آگ پکڑ لی تھی۔

چند کمزور درختوں کے سوا کوئی درخت گرا تو نہیں تھا مگر تمام درختوں نے آگ پکڑ لی تھی۔ معلوم ہوا کہ اس جنگل کے درختوں کی لکڑی روغن دار ہونے کے سبب بہت جلد آگ پکڑ لیتی تھی، اسی لیے اُس جنگل کے تمام درخت یک لخت آگ کی لپیٹ میں آگئے۔ تیمور اور اُس کے سپاہی اس غیر متوقع چیز کے باعث حیرت سے درختوں کو دیکھ رہے تھے۔ بویر کے تیراندازوں کو درختوں پر لگی آگ کی وجہ سے تیراندازی روکنا پڑی اور ان میں سے کچھ سراسیمہ ہو کر نیچے کودے اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ آہستہ آہستہ آگ بڑھتی چلی گئی اور اس کی حدت اس حد تک بڑھ گئی کہ تیمور کو اپنی فوج سمیت پیچھے ہٹنا پڑا۔ تیمور نے دیکھا کہ ان کے دائیں بائیں جہاں تک آنکھیں کام کرتی تھیں سارے کے سارے درخت جل رہے تھے۔ درختوں کے عین وسط میں آگ کے شعلے سوفٹ بلندی کو چھو رہے تھے۔ اس خوفزدہ کر دینے والی آگ نے ایسا غلیظ دھواں اُگلا کہ اُس سے سورج چھپ گیا اور ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔ اس روز گویا تیمور نے جہنم کی آگ کا جیتے جی نظارہ کر لیا تھا۔ حتیٰ کہ ایک پرندہ بھی وہاں سے اُڑ کر نہیں جاسکتا تھا، انسان تو رہا ایک طرف! اس جہنم کی آگ کو بجھانا کسی کے بس کی بات نہ تھی۔ اس آگ کے باعث لڑائی رُک گئی تھی۔ اگرچہ اس حیرت ناک آگ نے تیمور کو ششدر کر دیا تھا تاہم اُس نے اس سے یہ سبق حاصل کیا کہ اگر راستے میں ایسا جنگل ہو جس کے درختوں کی لکڑی روغن والی ہو تو اسے با آسانی آگ لگا کر راستہ صاف کیا جاسکتا ہے۔ اس جنگل میں خواہ دشمن کے لاکھوں جنگجو چھپے بیٹھے ہوتے تو ان کے پاس آگ لگنے کی صورت میں اس کے سواء اور کوئی راستہ نہ تھا کہ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوتے۔ یا پھر وہیں کھڑے رہتے اور خود کو آگ میں جلنے دیتے۔

اگلے دس دن تک جنگ بندی رہی اور اس دوران بویر کا سارا علاقہ آگ کی لپیٹ میں رہا۔ دس دن کے بعد آگ ختم ہو گئی کیونکہ جنگل کے سارے درخت جل کر بھسم ہو گئے تھے، البتہ اگلے دس دن تک اس جگہ کی زمین اس قدر دہکتی رہی کہ وہاں سے تیمور کے سپاہیوں کا گزرنا ناممکن تھا۔ چونکہ بویر کا علاقہ بلندی پر واقعہ تھا۔ اس لیے وہاں فارس کے دوسرے علاقوں کی نسبت زیادہ بارشیں ہوتی تھیں۔ چنانچہ بارش ہونے لگی اور آگ کی تپش ختم ہو گئی اور تیمور کی فوج بویر میں داخل ہو گئی۔

اُن کا راستہ روکنے والا کوئی نہ تھا، کیونکہ اب راستے میں ایسی کوئی پناہ گاہ نہ تھی جہاں بویر کے جنگجو چھپ کر اُن پر تیر اندازی کر سکتے۔ بویر کے لوگوں سے جنگ چھڑنے سے پہلے تیمور کو بتایا گیا تھا کہ بویر کا علاقہ دنیا کی جنت کہلاتا ہے اور اس خطہ زمین میں داخل ہونے کے بعد تیمور کو پتہ چلا کہ اس کی تازگی اور خوب صورتی کے بارے میں کہی جانے والی باتیں بالکل سچ تھیں۔ اگرچہ سارا جنگل جل چکا تھا اور ان کے راستے میں درختوں کی جلی ہوئی لکڑیاں تھیں مگر انھیں پار کرتے ہی ایک بار پھر وہ سرسبز و شاداب خطہ زمین میں داخل ہو گئے۔ یہ قدرتی چراگاہیں تھیں۔

تیمور کے اپنے ملک میں بھی قدرتی چراگاہیں موجود تھیں اور وہاں ہر وقت گھوڑے، بھیڑ بکریاں اور گائے بھینسیں چرتی نظر آتی تھیں۔ اب اُن کے سامنے جو چراگاہ تھی وہ تقریباً 6 کلو میٹر گہری تھی مگر تیمور نے وہاں کسی گھوڑے یا دوسرے مویشی کو چرتے نہیں دیکھا۔ معلوم ہوا کہ بویر کے لوگوں نے ان کے آنے کی خبر ملتے ہی اپنے جانوروں کو دوسرے علاقوں میں منتقل کر دیا تھا۔ جب تیمور اپنی فوج کے ساتھ وہاں پہنچا تو اس نے اپنے افسروں میں سے ایک دلیر افسر قراخان کو حکم دیا کہ اپنے گھوڑے، جنھیں وہ پیچھے چھوڑ آئے تھے، یہاں لے آئے۔ انھوں نے گھوڑے پیچھے اس لیے چھوڑ دیئے تھے کیونکہ اُنھیں معلوم تھا کہ آگے دشوار گزار راستہ ہے۔ مگر اس عظیم آگ کے بعد جس نے جنگل کا نام و نشان مٹا کر راستہ صاف کر دیا تھا، گھوڑوں کو پیچھے چھوڑنا قطعی غیر اہم تھا کیونکہ تیمور نے دیکھا تھا کہ وہاں کی زمین ہموار تھی اور وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر چل اور جنگ کر سکتے تھے۔

تیمور نے قراخان کو ہدایت کی کہ وہ گھوڑوں کا چارہ بھی ساتھ لیتا آئے۔ اگرچہ وہاں وسیع و عریض چراگاہیں تھیں مگر تیمور گھوڑوں کو ان چراگاہوں پر چھوڑنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ دوران جنگ گھوڑوں کو خشک چارہ کھلایا جاتا ہے، دوسری صورت میں گھوڑے بھرے ہوئے پیٹ کے باعث چلنے سے عاجز آ جاتے ہیں۔

جب گھوڑے وہاں پہنچ گئے تو ان کے آگے بڑھنے کی رفتار میں تیزی آ گئی۔ وہ بدستور ہری بھری گھاس سے بھرپور ہموار سرزمین سے گزر رہے تھے۔ تیمور اچھی طرح جانتا تھا کہ بویر کے جنگجو اس ہموار جگہ پر انھیں نشانہ بنانے کی غلطی نہیں کریں گے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر انھوں نے سوار حالت میں تیمور کے سپاہیوں کو ہموار میدان میں للکارا تو سب کے سب با آسانی مارے جائیں گے۔ تیمور کو یقین تھا کہ وہ ان کے مقابلے کے لیے کسی جنگل یا پہاڑیوں والے علاقے کا انتخاب کریں گے۔ دو دن تک مسلسل سفر کے بعد وہ ایک دریا کے کنارے پہنچ گئے جو پانی سے لبالب بھرا ہوا تھا۔ جب وہ اس دریا کو عبور کر رہے تھے تو اس پانی کی سطح اُن کے گھوڑوں کے پیٹ تک پہنچ رہی تھی حالانکہ ابھی موسم بہار شروع ہوا تھا اور نہ ہی دریاؤں کی طغیانی کا موسم تھا۔ تیمور نے اندازہ لگایا کہ اس دریا سے موسم بہار کے دوران گزرنا بہت مشکل ہو گا۔

تیمور کو بتایا گیا کہ وہاں دو اور دریا بھی تھے اور ان میں بھی پانی کی فراوانی تھی۔ اگرچہ اس دریا کا پانی کناروں کو چھو رہا تھا مگر تیمور کو دریا کے کنارے کھیتی باڑی کے کوئی آثار نظر نہ آئے۔ معلوم ہوا کہ وہاں کے لوگ کھیتی باڑی کی اہمیت سے بے خبر ہیں اور انھیں ایسا کوئی حکمران بھی میسر نہ آیا تھا جو انھیں کھیتی باڑی پر آمادہ کر سکتا۔ تیمور کو بھی انھیں کھیتی باڑی سکھانے کا کوئی شوق نہ تھا بلکہ وہ تو انھیں سبق سکھانے آیا تھا۔

اسی روز وہ دریا عبور کر چکے تو اُن کے ہراول دستے نے اطلاع دی کہ وہ ایک ایسی پہاڑی گزرگاہ تک پہنچ گیا ہے کہ جس کے بارے میں اُسے یہ یقین نہیں ہے کہ آیا وہ اسے عبور کر سکتا ہے یا کہ نہیں۔ ایک گھنٹہ کے بعد ہراول دستے کی طرف سے دوبارہ پیغام ملا کہ اس پہاڑی گزرگاہ کو

سیدھے راستے سے عبور کرنا ناممکن ہے البتہ انھیں امید ہے کہ اس کے گرد چکر کاٹ کر آگے جایا جاسکتا ہے۔ پھر ہراول دستے کی طرف سے پیغام موصول ہوا کہ اس گزرگاہ کے مشرقی جانب سے ایک راستہ ہے مگر بویر کے جنگجوؤں نے اس پر مکمل قبضہ جما رکھا ہے۔ وہ اس راستے سے آگے نہیں بڑھ سکتے تھے کیونکہ دشمن نے جگہ جگہ پہرہ بٹھا رکھا تھا اور عین ممکن تھا کہ وہ ان پر پتھر برسا کر با آسانی ہراول دستے کے تمام سپاہیوں کو ہلاک کر ڈالتا۔

تیمور نے ہراول دستے کو اس گزرگاہ کے پاس رُکنے کا حکم دیا اور پھر اپنے سردار قراخان کو 2 ہزار سپاہیوں کے ہمراہ بھیجا تا کہ وہ اس جگہ کا اچھی طرح جائزہ لے کر بتائے کہ آیا اُس سے گزرا جاسکتا ہے یا نہیں۔ جب دشمن کے سپاہی کسی پہاڑی گزرگاہ کے مختلف مقامات پر ناکہ لگا کر وہاں سے گزرنے والوں پر پتھر برسانے کیلئے تیار بیٹھے ہوں تو وہاں سے گزرنے کے لیے ضروری ہے کہ ان ناکہ لگانے والوں کو اپنی جگہ چھوڑنے پر مجبور کیا جائے۔ اگر وہاں سے گزرنے والا سپہ سالار دشمن کے سپاہیوں کو اپنی جگہ چھوڑنے پر مجبور نہ کرسکے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس ساری پہاڑی گزرگاہ کے گرد پہرہ بٹھا دے تا کہ دشمن کے سپاہی بھوک اور پیاس کے ہاتھوں مجبور ہو کر ناکہ چھوڑنے پر تیار ہو جائیں۔ مگر فارس کے مقامی لوگوں نے جو تیمور کے ساتھ تھے، بتایا کہ ان پہاڑیوں کے گرد پہرہ بٹھانا اس لیے بے کار تھا کہ ان پہاڑیوں پر پانی بخوبی دستیاب تھا اور جنگلی پھل بھی بکثرت مل جاتے تھے۔ مزید براں ان پہاڑیوں پر بہت سے بلوط کے درخت تھے، بویر کے مقامی باشندے ان درختوں کے پھلوں سے آٹا تیار کرتے اور پھر ان سے روٹیاں بنا لیتے۔ اسی لیے ان کے کھیتی باڑی نہ کرنے کی ایک اہم ترین وجہ یہ بھی تھی کہ انھیں کبھی کھانے پینے کے لیے محنت کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی تھی۔ ان کے لیے بلوط کے پھل سے بنے آٹے کی روٹی اور گندم کی روٹی میں کوئی فرق نہ تھا۔

قراخان کہنے لگا، ''اے امیر تمہارا حکم ہو تو میں اپنے ساتھیوں سمیت اس راستے کو عبور کرسکتا ہوں۔'' تیمور نے اُس سے کہا، ''قراخان، مجھے تمہاری دلیری پر کوئی شک وشبہ نہیں، میں جانتا ہوں کہ تم بہادر اور نڈر ہو اور اسی طرح تمہارے سپاہی بھی نڈر ہیں۔ لیکن میں تمہاری اور تمہارے سپاہیوں کی جان کو خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ اگر میں تمہاری اور تمہارے سپاہیوں کی جانیں قربان کردوں تو یہ راستہ جو اس وقت کھلا ہے مزید مسدود ہو جائے گا۔ بلندیوں سے پھینکے گئے پتھر تم سب کو ہلاک کر ڈالیں گے اور تمہاری اور تمہارے گھوڑوں کی لاشوں سے راستہ بالکل بند ہو کر رہ جائے گا۔ لہٰذا ہمیں کوئی اور حل تلاش کرنا ہوگا''۔

تیمور اور اُس کے سپاہی اوپر بلندیوں پر نگاہ ڈالتے تو انہیں کوئی دکھائی نہ دیتا، بویر کے جنگجوؤں نے بڑے بڑے پتھروں کے درمیان پناہ لے رکھی تھی اور تیمور جانتا تھا کہ وہ پتھر پھینکنے کے لیے بالکل تیار بیٹھے ہیں۔ بویر کے سپاہی نظروں سے اس طرح اوجھل تھے کہ قراخان کہنے لگا اُس کے خیال میں وہاں کوئی بھی نہیں ہے۔ مگر ہراول دستہ انہیں بتا چکا تھا کہ دشمن کے سپاہی اس پہاڑی پر موجود تھے اور اُس نے انھیں وہاں دیکھا تھا۔ قراخان کہنے لگا، ''اے امیر، میں بیس سپاہیوں کے ساتھ آزمائشی طور پر راستہ عبور کرنے کے لیے تیار ہوں۔ اگر انھوں نے ہم پر پتھر پھینکے تو پتہ چل جائے گا کہ وہ وہاں موجود ہیں لیکن اگر پتھر نہ پھینکے گئے تو تم باقی فوج کے ساتھ گزر آنا''۔

تیمور نے جواب دیا، ''قراخان، یہ لوگ یہاں صدیوں سے رہتے آرہے ہیں اور یہاں کے حالات سے میری اور تمہاری نسبت زیادہ باخبر ہیں۔ شاید پچاس سے بھی زیادہ دفعہ یہاں یہ ہوا ہوگا کہ حملہ آور فوج اس گزرگاہ کے سامنے آکھڑی ہوئی ہوگی اور بویر کے قبائلیوں نے حملہ آور

سپہ سالار کو چکمادے کر ہلاک کر ڈالا ہوگا۔'' قراخان کہنے لگا، ''اے امیر، کیسا چکما؟'' تیمور نے بتایا، ''جب چھوٹے گروہ وہاں سے گزرتے ہوں گے تو وہ ان پر پتھر نہ برساتے ہوں گے تا کہ دشمن کا سپہ سالار سمجھے کہ وہ وہاں موجود ہی نہیں اور وہ اپنی ساری فوج کو اس گزرگاہ کو عبور کرانے کا فیصلہ کر لیتا ہوگا، جیسے ہی پوری فوج حرکت کرتی گزرگاہ کے درمیان پہنچتی ہوگی تو یہ گھات لگائے قبائلی اس پر پوری قوت سے پتھروں کی برسات کر کے ساری فوج کو موت کے گھاٹ اُتار دیتے ہوں گے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ بالکل ایسے ہی ہوتا ہوگا، مگر بہت ممکن ہے کہ بویر کے قبائلیوں نے اسی طریقے سے بہت سی فوجوں کو ہلاک کر ڈالا ہو۔''

قراخان کہنے لگا، ''اے امیر، خدا نے تمہیں عام انسانوں سے کہیں بڑھ کر سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں عطا کی ہیں، اسی لیے تم ہر کسی پر قابو پالینے کے قابل ہو۔ لیکن میرا خیال ہے کہ ابھی تک کسی باہر سے آنے والی فوج نے اس پہاڑ تک رسائی حاصل نہیں کی کہ اہل بویر کو اس پر پتھر برسانے کی ضرورت محسوس ہو۔ بلکہ انھوں نے اس جنگل میں، جواب ہمارے بارود کے سبب جل کر راکھ ہو گیا ہے، اس کا راستہ روک لیا ہوگا۔'' تیمور نے کہا، ''تیرا نظریہ بہت حد تک درست ہے، مگر اس بار چونکہ اہل بویر راستہ نہ روک سکے لہٰذا اب وہ اس گزرگاہ پر ہمارا راستہ روکنے کی کوشش کریں گے۔''

قراخان بولا، ''اے امیر اجازت دو کہ میں بیس جانبازوں کے ساتھ اس راستے سے گزر جاؤں۔ ہمارے ساتھ دو ہی صورتیں پیش آسکتی ہیں یا تو ہم پر پتھر برسیں گے اور ہم مارے جائیں گے یا پھر پتھراؤ نہیں ہوگا اور ہم بحفاظت دوسری طرف پہنچ جائیں گے۔ بالفرض اگر بویر کے قبائلی ہمیں فریب دینے کے لیے بیس آدمیوں پر پتھر نہ برسائیں تو بھی ہمارے بیس آدمی تو دوسری طرف پہنچ جائیں گے۔''

قراخان کے اصرار پر تیمور نے اُسے اجازت دے دی کہ وہ بیس سواروں کے ساتھ وہ پہاڑی گزرگاہ عبور کر کے دوسری طرف پہنچ جائے۔ قراخان ایک نڈر اور قابل بھروسہ سردار تھا۔ تیمور اُسے ایسی آزمائش میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا جس کا فائدہ جنگی لحاظ سے بے حد کم ہو، لیکن یہ بھی حقیقت تھی کہ اگر وہ بذات خود اس راستے کو عبور نہ کرتا تو اس کے سپاہی بھی زبردست پتھراؤ سے ڈر کے گزرنے کی جرأت نہ کر پاتے۔

اجازت ملنے کے بعد قراخان نے زوردار نعرہ بلند کیا کہ مجھے بیس ایسے جانبازوں کی ضرورت ہے جو اپنی جان کا خوف کیے بغیر میرے ساتھ اس گزرگاہ کو عبور کرنے پر تیار ہوں۔ تیمور کی فوج کے سپاہی ایک ایک کر کے صفوں سے نکلنے لگے۔ جب ان کی تعداد بیس ہوگئی تو قراخان نے باقی سپاہیوں کو آگے آنے سے روک دیا اور پھر ان بیس جانبازوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا، ''تمہارے گھوڑے جتنا تیز دوڑ سکتے ہوں دوڑاؤ اور گزرگاہ کو عبور کر جاؤ۔'' یہ کہتے ہی اس نے خود اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا دی اور اس کے بیس جانباز ساتھیوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ تیمور ان گزرنے والوں کو نہ دیکھ رہا تھا بلکہ اس کی نظریں اوپر پہاڑی کی چوٹی پر مرکوز تھیں اور وہ اس بات کا انتظار کر رہا تھا کہ اوپر سے اس کا کیا ردعمل ہوتا ہے۔ قراخان سب سے آگے گھوڑا دوڑاتے ہوئے کسی آندھی کی طرح گزرگاہ عبور کر گیا اور اس کے پیچھے سولہ سوار بھی وہ راستہ طے کر گئے۔ وہ لوگ چار چار کی ٹولیوں میں حرکت کر رہے تھے۔ جب آخری ٹولی وہاں سے گزرنے لگی تو تیمور کو پہاڑوں پر پتھروں کے لڑھکنے کی گڑگڑاہٹ سنائی دی۔ پہاڑی کا وہ راستہ عمودی نہ تھا بلکہ ڈھلوان کی صورت میں تھا اور اس پر سے بڑے بڑے پتھر لڑھکتے ہوئے نیچے آرہے تھے۔ اگر تیمور اپنی آواز ان چاروں سپاہیوں تک پہنچا سکتا تو ضرور چیخ کر انہیں خبردار کر دیتا کہ اپنی لگامیں کھینچ کر رک جاؤ، مگر پتھروں کی گڑگڑاہٹ کی آوازوں میں کوئی اور آواز اُن تک نہ پہنچ سکتی تھی لہٰذا وہ

چاروں اُن کی نظروں کے سامنے بھاری بھر کم پتھروں کے نیچے کچل کر مارے گئے۔

بہر حال اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ بویر کے سپاہی پہاڑی کے اوپر موجود ہیں اور ہراول دستے نے اُن کی موجودگی کی درست اطلاع دی تھی۔ دوسرا یہ کہ بویر کے قبائلی اتنے زیرک اور چالاک نہیں ہیں جتنا کہ تیمور انھیں سمجھ رہا تھا کیونکہ اگر وہ ان کی جگہ ہوتا تو ان میں سپاہیوں کو بحفاظت گزر جانے دیتا اور جب پوری فوج وہاں سے گزرنے لگتی تو بھرپور پتھر برسا کر انھیں غفلت میں ہلاک کر ڈالتا۔

جس راستے سے قراخان اور اُس کے ساتھی گزرے تھے وہ پہلے ہی خاصا تنگ تھا اور اب چار سپاہیوں اور اُن کے کچلے ہوئے گھوڑوں کی لاشوں اور پتھروں کے باعث بالکل ہی مسدود ہو گیا تھا۔ لہٰذا اب وہاں سے گزرنے کے لیے لاشوں کو ہٹانا ضروری تھا۔ تیمور نے دس سپاہیوں کو طلب کیا اور ان سے کہا کہ وہ اس گزرگاہ میں داخل ہوں اور لاشوں تک پہنچ جائیں مگر آگے نہ بڑھیں۔ تیمور کو اندازہ ہو گیا تھا کہ پہاڑ کی بناوٹ کچھ اس طرح کی تھی کہ دشمن صرف ایک مقام کو نشانہ بنا سکتا تھا۔ راستے کی ابتدا اور انتہا پر پتھر نہیں لڑھکا سکتا تھا۔

تیمور کے حکم سے اُس کے دس سپاہی اس گزرگاہ میں داخل ہو گئے اور وہ سب کے سب اوپر دیکھ رہے تھے کہ کہیں کوئی پتھر تو لڑھکتا ہوا نہیں آ رہا۔ تاہم جب وہ لاشوں کے قریب پہنچ کر رک گئے تو اسی لمحے لڑھکنے کی خوفناک گڑگڑاہٹ سنائی دی اور تیمور کے سپاہی بڑی تیزی سے پیچھے ہٹ آئے۔ پہاڑ کے اوپر سے لڑھکائے گئے پتھر ایک بار پھر بے جان لاشوں کو کچلتے ہوئے گہری کھائیوں میں جا گرے۔ اب یہ بات ثابت ہو گئی تھی کہ دشمن اس خاص مقام کے علاوہ کہیں اور پتھر نہیں گرا سکتا تھا۔ اگر چہ یہ بات اتنی فائدہ مند نہ تھی مگر پھر بھی لڑائی کے دوران دشمن کی صلاحیتوں کے بارے میں بات جان لینا ضروری ہوتا ہے۔ تیمور کو یہ فکر لاحق تھی کہ اپنی فوج کو وہاں سے کیسے گزارے اور اسے اس پتھروں کے عذاب سے بچا کر کیسے آگے لے جائے کہ اچانک اس کی نظر پہاڑ کی بلندی پر پڑی اور اُس نے دیکھا کہ کوئی شخص وہاں سے اشارے کر رہا ہے۔ تیمور کو یہ دیکھ کر سخت تعجب ہوا کہ وہ شخص قراخان تھا۔ جب قراخان نے یہ دیکھا کہ تیمور کی توجہ اس کی جانب مبذول ہو گئی ہے تو وہ اپنے دائیں طرف اشارہ کرنے لگا اور بار بار ہونٹوں پر اُنگلی بھی رکھنے لگا۔ تیمور سمجھ گیا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دشمن اس کی دائیں جانب ہے، اسی لیے وہ پکار نہیں سکتا۔ تیمور کو بھی اس لیے وہ چپ رہنے کا اشارہ کر رہا تھا کہ وہ بھی اُسے نہ پکارے ورنہ دشمن کو اس کی موجودگی کا پتہ چل سکتا تھا۔

یہ بات صاف ظاہر تھی کہ قراخان پہاڑی گزرگاہ پار کر کے اپنے گھوڑے سے اُتر آیا اور پہاڑ پر چڑھنے کا راستہ تلاش کر کے وہاں تک پہنچ گیا۔ اس کا راستہ یقیناً ایسا تھا کہ دشمن اسے نہ دیکھ پایا، مگر یہ بات بھی واضح تھی کہ جو لوگ قراخان کو نہ دیکھ سکے وہ تیمور اور نیچے موجود سپاہیوں کو بخوبی دیکھ سکتے تھے اور اگر وہ قراخان کو مسلسل دیکھتے رہتے یا اشاروں اور آوازوں سے اُسے پیغام پہنچانے کی کوشش کرتے تو دشمن فوراً جان لیتا کہ اُن کے آدمی اوپر پہاڑ پر پہنچ چکے ہیں اور چوکنا ہو جاتا۔ لہٰذا تیمور نے اپنے افسروں کو ہدایت کی کہ تمام سپاہیوں کو اچھی طرح یہ بات سمجھا دیں کہ اوپر پہاڑ کی طرف مسلسل نہ دیکھیں اور نہ ہی اشارے وغیرہ کریں تاکہ دشمن کو ان کے ساتھیوں کی پہاڑ پر موجودگی کا علم نہ ہونے پائے۔ قراخان کے ساتھ چند اور لوگ بھی دکھائی دیئے، یہ وہی جانباز سپاہی تھے جو قراخان کے پیچھے راستہ عبور کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ قراخان نے اس بار اپنے بائیں طرف اشارہ کیا، جس کا مطلب تھا کہ اس طرف سے اس تک پہنچا جا سکتا ہے۔ تیمور کو اندازہ تھا کہ وہ دشمن کی نگاہوں میں ہے، لہٰذا تیمور نے ایک سردار سے

کہا کہ وہ جائے اور یہ سمجھنے کی کوشش کرے کہ قراخان کیا کہہ رہا ہے۔ اگر اس کی بات سمجھ نہ آئے تو ایک باریک سی رسی تیر کے ساتھ باندھ کر قراخان کی طرف بھیج دے تاہم اس رسی کا دوسرا ایک موٹی رسی کے ساتھ بندھا ہوا ہونا چاہیے۔ قراخان سمجھ جائے گا کہ رسی کی مدد سے آدمی اس تک بھیجنا چاہتے ہیں تا کہ اس کا پیغام سمجھ سکیں۔ چنانچہ قراخان کے آدمیوں اور تیمور کے درمیان رابطہ قائم ہو گیا، نیچے موجود سپاہیا یک ایک کر کے رسی کی مدد سے اوپر پہنچ کر قراخان کے ساتھ مل رہے تھے۔ اسی دوران تیمور نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ اس گزرگاہ کی طرف حرکت کریں تا کہ اوپر بیٹھے دشمن کی توجہ نیچے مبذول رہے اور وہ قراخان کی طرف توجہ نہ دے پائے۔ اس طرح تقریباً پانچ سو سپاہی رسی کی مدد سے پہاڑ پر چڑھ کر قراخان سے جا ملے۔

تیمور نے حکم دیا کہ اوپر جانے والوں کے ساتھ تیر اور فلاخن (غلیل نما آلہ جس کی مدد سے پتھر دُور تک پھینکے جا سکتے ہیں) کے گولے بھی بھیج دیے جائیں۔ اگر چہ پہاڑ کے اوپر پتھر کافی تعداد میں موجود تھے، مگر ممکن تھا کہ تیمور کے آدمیوں کو وہاں گولے بنانے کا وقت نہ ملتا۔ تیمور نے اوپر پہنچنے والے سپاہیوں کی قیادت قراخان کو سونپ دی اور اُسے ہدایت کی کہ اوپر موجود دشمن پر حملہ کر کے ان کا شیرازہ بکھیر دے۔

جب قراخان اور اُس کے ساتھیوں نے دشمن پر حملہ کیا تو تیمور انھیں دیکھ نہ سکتا تھا مگر لڑنے والوں کی آوازیں پہاڑی کے اوپر سے صاف سنائی دے رہی تھیں۔ بعض اوقات کوئی خوفناک چیخ اُبھرتی اور یہ اُس شخص کی آواز ہوتی جو زخم کھا کر پہاڑ سے نیچے آ گرتا اور دوبارہ چیخنے کے قابل نہ رہتا۔ ان گرنے والوں میں سے کچھ تیمور کے سپاہی اور کچھ بویر کے قبائلی تھے۔

جب تیمور کے سپاہی یا بویر کے جنگجو پہاڑ سے نیچے گرتے اور زمین سے ٹکراتے ہی ان کی ہڈیاں چٹخ جاتیں تو تیمور اپنے اندر کے احساس کا امتحان لیتا کہ آیا اُس پر اس منظر کا کتنا اثر ہوتا ہے؟ تیمور کے نزدیک، میدان جنگ میں موت ایک عام سی بات تھی اور میدان جنگ میں ایک لاکھ سپاہیوں کی موت بھی اس کے لیے اثر انگیز نہ تھی۔ مگر اس طرح کی ہلاکتوں کا مظاہرہ تیمور کے لیے بھی بالکل نیا تھا اور اس سے پہلے بھی ایسا نہ ہوا تھا کہ اس کے سپاہی پہاڑ پر لڑتے ہوئے اُس کے سامنے گر کر ہلاک ہوئے ہوں۔ تاہم تیمور کے دل کی دھڑکنوں میں کوئی ارتعاش پیدا نہ ہوا۔ اور ان ہلاکتوں کا اثر اس پر ویسا ہی تھا جیسے کہ وہ لوگ تلوار کے وار سے مارے جا رہے ہوں۔ پھر تیمور کو احساس ہوا کہ اس طرح کی موت تلوار یا نیزے کے زخم سے ملنے والی موت سے بہتر تھی۔ بعض اوقات تلوار یا نیزے کے زخم سے بُری طرح گھائل ہونے والا تڑپ تڑپ کر مرتا ہے اور ایسے شخص کو تکلیف دہ موت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، مگر پہاڑ کی بلندیوں سے گرنے والا زمین پر پہنچتے ہی جاں بحق ہو جاتا ہے اور موت اس تیزی سے اُسے لپیٹ لیتی ہے کہ درد کے احساس کا کوئی موقع ہی نہیں ہوتا۔

کچھ دیر بعد قراخان نے پکار کر کہا، ''پہاڑ کے اوپر کوئی بویر کا آدمی زندہ نہیں بچا، اب تم لوگ بلا خوف راستہ عبور کر سکتے ہو۔'' تیمور نے حکم دیا کہ راستے کو پتھروں اور انسانی لاشوں سے صاف کیا جائے تا کہ ساری فوج وہاں سے با آسانی گزر سکے۔ اگر چہ قراخان نے کہا تھا کہ پہاڑ کے اوپر دشمن کا کوئی آدمی باقی نہیں بچا مگر پھر بھی معمول کے مطابق تیمور نے احتیاط کا دامن نہ چھوڑا۔ تیمور نے پہلے ہراول دستے کو آگے بھیجا اور اُسے ہدایت کی کہ لحہ بہ لحہ اُسے آگاہ کرتا رہے کہ اُن کا راستہ صاف ہے یا نہیں۔ بہر حال تیمور کی ساری فوج اس گزرگاہ کو عبور کر گئی اور وہ لوگ ایک میدان میں پہنچ گئے جہاں ایک دریا بہہ رہا تھا۔ تیمور نے سورج کی طرف نگاہ کی اور دیکھا کہ دن کا تھوڑا ہی وقت باقی بچا ہے تاہم ان کے آگے پہاڑیاں تھیں، جس

وقت وہ لوگ ان پہاڑیوں پر پہنچتے تو رات کا اندھیرا پھیل جاتا۔ دشمن کی سرزمین پر رات کے وقت ان پہاڑیوں کو عبور کرنا انتہائی خطرناک کام ثابت ہوسکتا تھا۔ لہٰذا تیمور نے وہیں دریا کے کنارے چھاؤنی قائم کرنے کا حکم دیا۔ پھر اس نے خیمہ گاہ کی چاروں طرف پہرے داروں کی تین صفیں متعین کردیں کیونکہ اس بات کا خطرہ تھا کہ بوہر کے جنگجو اُن پر شب خون مارنے کی کوشش کریں گے۔

جب اُن لوگوں نے آگ جلا کر کھانا پکانا شروع کیا تو قراخان آ پہنچا اور پہاڑ کے اوپر ہونے والی لڑائی کی تفصیلات بتانے لگا۔ اس نے بتایا کہ پہلے اس کے پاس صرف سو آدمی تھے مگر پھر جب تیمور نے پانچ سو سپاہیوں کی کمک مزید بھیج دی تو انہوں نے بوہر کے جنگجوؤں پر جو کہ پانچ سو ہی کی تعداد میں تھے بھرپور حملہ کردیا۔ دشمن کو آخری لمحوں تک قراخان اور اس کے ساتھیوں کی موجودگی کا علم نہ ہوسکا اور انہوں نے بوہر کے لوگوں کو بالکل غافل گیر کردیا۔ دشمن کے جنگجو دو حصوں میں بٹے ہوئے تھے، ایک حصے کے جنگجو پتھر توڑنے کے آلات سنبھالے ہوئے تھے جن کی مدد سے وہ پہاڑ کے پتھر توڑ کر الگ کرتے جاتے، جبکہ دوسرے حصے کے جنگجوؤں کے ذمہ ان پتھروں کو پہاڑ سے نیچے لڑھکانا تھا۔ قراخان اور اس کے ساتھی یکایک ان پر ٹوٹ پڑے اور پہلے ہی منٹ میں ان کے متعدد افراد کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ پھر ان کے اور دشمن کے درمیان ایک خونریز جنگ چھڑ گئی اور اس کے نتیجے میں دشمن کے آدمیوں کے ساتھ ساتھ اُن کے بھی بہت سے ساتھی پہاڑ سے گر کر ہلاک ہوگئے۔

قراخان کہنے لگا، ''اے امیر، یہاں کے باشندے کافی سخت کوش ہیں، میں نے دیکھا ہے کہ ان میں سے کچھ زخمی ہوئے اور ایسی حالت میں کہ جب وہ زمین سے اُٹھ بھی نہ سکتے تھے تو اُس وقت بھی میرے سپاہیوں کی ٹانگیں کاٹنے کی کوشش کررہے تھے۔ مگر آخر کار ہم ان سب کا خاتمہ کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ اُن میں سے بعض مارے گئے، بعض بری طرح زخمی ہوئے اور کچھ کو ہم نے گرفتار کرلیا۔ ان کے کچھ ساتھی یقینی موت کو اپنے سامنے پاکر اسی راستے سے فرار ہوگئے جس سے ہم لوگ پہاڑ پر چڑھنے میں کامیاب ہوئے تھے۔''

اس روز تیمور کے دو سو اکتالیس سپاہی مارے گئے یا بُری طرح زخمی ہوگئے تھے اور قراخان دیگر سپاہیوں کی مدد سے اپنے زخمی سپاہیوں کو پہاڑ سے نیچے لے آیا تھا۔

جب قراخان ساری داستان سُنا چکا تو تیمور نے اُس سے دریافت کیا: ''قراخان، اس جانثاری اور خدمت کے بدلے جو تُو نے میرے لیے انجام دی ہے، کیا انعام چاہتا ہے؟'' قراخان کہنے لگا، ''اے امیر، تیرے لیے اپنا سب کچھ قربان کردینا ہی میرا فرض ہے۔'' تیمور نے اس سے کہا، ''قراخان، میں مختلف جنگوں میں تیرے کارناموں سے بخوبی واقف ہوں اور جانتا ہوں کہ تُو ایک نڈر اور دلیر انسان ہے لیکن آج تُو نے ثابت کردیا کہ تُو دلیری اور بہادری کے ساتھ ساتھ جنگی قابلیت اور سمجھ بوجھ کا بھی مالک ہے۔ آج تُو پہاڑ کی دشواریوں کی پروا کیے بغیر جس طرح اس خطرناک راستے سے گزرا اور اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر دشمن کے سر پر پہنچ گیا اور وہاں سے ہمیں اوپر آنے کا راستہ بھی بتایا۔ پھر تُو نے دشمن پر حملہ بول کر اسے شکست دی اور ہمارے لیے خطرناک ترین پہاڑی گزرگاہ محفوظ بنادی۔ آج اگر تُو اپنی دلیری اور قابلیت کا مظاہرہ نہ کرتا تو ہم ہفتوں بلکہ مہینوں تک اس پہاڑ کے سامنے کھڑے رہتے اور شاید دشمن کو نیست و نابود کیے بغیر واپس لوٹنے پر مجبور ہوجاتے۔'' قراخان بولا، ''اے امیر! یہ تو میری طرف سے حقیر سی کوشش تھی۔'' تیمور نے جواب دیا، ''اے بہادر انسان، میں تجھے دس ہزار دینار انعام کے طور پر دیتا ہوں اور سمرقند پہنچنے کے

بعد اپنی بیٹی زبیدہ کا نکاح تجھ سے کردوں گا۔'' قراخان کانپتی ہوئی آواز میں بولا، ''اے میرے امیر! میں تو تیرا ادنیٰ سا غلام ہوں۔ میں تیرا داماد بننے کے لائق ہرگز نہیں۔'' تیمور نے حکم دیا کہ دس ہزار سونے کے سکے قراخان کے حوالے کردیئے جائیں۔ جب سونے کے سکے لاکر قراخان کے پاس رکھے گئے تو اسی لمحہ تیمور کی نظر پہاڑ کی چوٹی پر پڑی اور زندگی میں پہلی بار اُس کے جسم پر لرزہ طاری ہوگیا۔ یہ لرزہ خوف یا دہشت کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اس احساس کی وجہ سے تھا کہ وہ ایک بہت بڑی غلطی کربیٹھا تھا۔

تیمور کو پہاڑ کی چوٹی پر بہت سی مشعلیں حرکت کرتی نظر آرہی تھیں اور وہ سمجھ گیا تھا کہ دشمن دوبارہ وہاں پہنچ گیا ہے، تیمور جس کی ساری زندگی جنگ کے میدان میں گزری تھی اور جو خود کو جنگی حکمت عملی اور چالوں کا ماہر سمجھتا تھا ایک سنگین غلطی کربیٹھا تھا، جو راستہ قراخان کی عظیم دلیری اور جنگی فراست سے کُھلا تھا اور جس کے لیے انھیں دوسو اکتالیس سپاہیوں کی قربانی دینا پڑی تھی، اسے پہرہ بٹھائے بغیر چھوڑ کر تیمور نے دشمن کو کھلا موقع دیا تھا کہ وہ اُن کے پیچھے اس راستے پر دوبارہ قبضہ کرلے اور اُن کی واپس کا راستہ بند کردے۔

تیمور نے قراخان کو مخاطب کر کے پوچھا: ''قراخان، کیا تُو تھکا ہوا ہے اور آرام کرنے کا خواہش مند ہے۔'' وہ کہنے لگا، اے میرے امیر، اگرچہ میں تھکا ہوا ضرور ہوں مگر تیری خدمت اور تیرے حکم کی بجا آوری کے لیے ہر وقت تیار ہوں۔'' تیمور نے کہا، ''آج پہلی بار مجھ سے ایک بھول ہوگئی ہے۔ میں نے اس راستے سے گزرنے کے بعد اس پر پہرہ نہیں بٹھایا۔ ہوسکتا ہے دشمن اس پر دوبارہ قبضہ کرلے۔ تیرے خیال میں وہاں کی نگرانی اور پہرہ بٹھانے کے لیے کتنے سپاہی کافی ہوں گے؟'' قراخان بولا ''پانچ سو سپاہی بہت ہیں۔'' تیمور نے کہا، ''ہوسکتا ہے کہ وہاں پہنچ کر تجھے دشمن کا سامنا کرنا پڑ جائے، لہٰذا تُو ایک ہزار سپاہی ساتھ لے جا اور ضرورت کے مطابق مشعلیں بھی ساتھ لے جا۔'' قراخان بولا، ''اے میرے امیر! تیرے حکم کی تعمیل ہوگی، لیکن میرے خیال میں ہم نے بوبر کے جو قیدی پکڑے ہیں پہلے ان سے پوچھ گچھ کرلینی چاہیے۔'' تیمور نے فوراً قیدیوں کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ جب وہ آگئے تو تیمور نے پہاڑ کی طرف اشارہ کر کے انھیں مشعلیں جلتی دکھائیں اور پوچھا، ''تمہارے ساتھی اس وقت پہاڑ کی چوٹی پر کیا کررہے ہیں؟'' اُن میں سے ایک بولا، ''وہ لوگ اپنے مُردہ ساتھیوں کی لاشیں اُٹھا رہے ہیں اور زخمیوں کو مرہم پٹی کے لیے لے جا رہے ہیں۔''

اس شخص کی بات درست معلوم ہوتی تھی مگر تیمور کے لیے اتنا کافی نہ تھا۔ اس لیے اُس نے دوسرے قیدی سے پوچھا، ''تمہارے ساتھی رات کی تاریکی میں لاشیں کیوں اُٹھا رہے ہیں، کیا وہ صبح ہونے کا انتظار نہیں کرسکتے؟'' اُس نے جواب دیا، ''اے امیر! یہاں گوشت کھانے والوں کی بہتات ہے جو مُردوں کا گوشت کھاجائیں گے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ زخمیوں کو مرہم پٹی اور فوری توجہ کی ضرورت ہے۔'' یہ جواب بھی معقول تھا، پھر بھی تیمور نے تیسرے قیدی سے جو دوسروں کی نسبت اعلیٰ مقام کا مالک نظر آتا تھا، دریافت کیا، ''کیا تمہارے لوگ اس راستے کو دوبارہ بند کرسکتے ہیں جس سے ہم ابھی گزر کر آئے ہیں؟'' اُس آدمی نے حیرت سے پوچھا، ''وہ اسے دوبارہ کیوں بند کریں گے؟۔ اس راستے کو دوبارہ بند کرنے کا کیا فائدہ ہوگا؟'' تیمور نے کہا، ''فائدہ یہ ہے کہ جب ہم واپس جانا چاہیں تو یہ لوگ ہمارے لیے مشکلات کھڑی کرسکتے ہیں۔'' وہ شخص کہنے لگا، ''اے امیر! تمہیں واپس جانے پر کون مجبور کرسکتا ہے اور اگر جانا چاہو تو تمہارا راستہ روکنے کی جرأت کون کرے گا۔''

تیمور نے قراخان سے کہا، ''وقت ضائع کرنے کا موقع نہیں ہے، اوپر پہنچو اور راستے پر قبضہ جمالو، پھر چاہو تو وہیں خیمے نصب کر کے سو جانا اور اپنے ساتھ پانی اور دیگر ضروری اشیاء بھی لیتے جاؤ۔'' قراخان پہاڑ کی طرف روانہ ہو گیا، اس کے ساتھ ایک ہزار سپاہی اور کچھ سپاہیوں پر مشتمل ایک اضافی دستہ بھی تھا، اس دستہ کے ذمہ یہ کام تھا کہ پہاڑ کے نزدیک پہنچ کر جب قراخان اور اُس کے ایک ہزار ساتھی اوپر چڑھنے کے لیے گھوڑوں سے اُتر جائیں تو وہ اُن کے گھوڑوں کو بحفاظت واپس لے آئیں۔

تیمور نے ایک لمحے کے لیے بھی اپنی نظریں پہاڑ کی چوٹی سے نہ ہلائی تھیں۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ آیا قراخان اور اس کے ساتھیوں کو پہاڑ پر موجود مقامی باشندوں سے لڑائی کرنا پڑے گا یا نہیں۔ اگر تو جیسا کہ بویر کے قیدیوں نے بتایا تھا کہ اُن کے ساتھی پہاڑ کی چوٹی پر اپنے ساتھیوں کی لاشیں جمع کر رہے اور زخمیوں کو امداد پہنچا رہے ہیں تو اُسے اُن سے لڑنے کی ضرورت نہ تھی تاہم اُن سے یہ دریافت کرنے کی ضرورت پھر بھی تھی کہ آیا انھوں نے پہاڑ کے اوپر پہرے دار تو نہیں بٹھا دیئے۔ اس لیے یہ ضروری نہ تھا کہ تیمور اس بارے میں قراخان کو مناسب ہدایات دیتا، وہ خود موقع کی مناسبت سے فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

اسی دوران تیمور کو کافی فاصلے سے ایک عجیب چیخ کی آواز سنائی دی۔ تیمور نے اُس قیدی کو بلا کر جو دوسرے قیدیوں سے ممتاز نظر آتا تھا، دریافت کیا، کہ یہ آواز کیسی تھی۔ وہ کہنے لگا، ''یہ عورتوں کے رونے پیٹنے کی آوازیں ہیں۔'' تیمور نے پوچھا، ''کیا تمہاری عورتیں بھی پہاڑ کے اوپر لاشوں اور زخمیوں کو لینے گئی ہوں گی؟'' اُس نے جواب دیا، ''نہیں اے امیر! وہ پہاڑ کے دامن میں جمع ہیں لیکن شاید جیسے ہی اُن کے مرد جنازے لے کر پہنچتے ہیں تو وہ چیخ و پکار کرنے لگتی ہیں۔'' وہ قیدی ٹھیک کہہ رہا تھا، کیونکہ پہاڑ کے دامن میں بھی کچھ مشعلیں جلتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ پھر تیمور نے قیدیوں کو واپس لے جانے کا حکم دیا۔ عورتوں کے ماتم کرنے کی آوازیں کچھ دیر تک آتی رہیں پھر اُن میں وقفہ آتا گیا اور آہستہ آہستہ وہ بالکل بند ہو گئیں۔

قیدیوں کے جانے کے بعد تیمور بہت مضطرب تھا، اسے نیند نہیں آ رہی تھی، اس گزرگاہ کو کھلا چھوڑنے کی غلطی اُسے بار بار کچوکے لگا رہی تھی اور وہ بار بار خود کو سرزنش کر رہا تھا۔ بہرحال جلد ہی قراخان کی طرف سے ایک قاصد آیا اور اُس نے یہ خبر دی کہ راستہ کھلا ہوا ہے اور دشمن نے اس پر پہرہ نہیں بٹھایا تھا۔ قراخان نے راستے کو نگرانی میں لے لیا تھا۔ یہ خبر پا کر تیمور کو قدرے سکون حاصل ہوا اور وہ سونے کے لیے تیار ہو گیا۔ تاہم اُس نے سونے سے پہلے اپنے خیمے کا معائنہ کیا اور افسروں کو ہدایت کی کہ وہ دشمن کے شب خون کے لیے تیار رہیں اور ہرگز غافل نہ ہوں۔ اس کے بعد وہ حسب معمول جنگی لباس میں ہی بستر پر لیٹ گیا اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔ ابھی صبح طلوع نہ ہوئی تھی کہ تیمور کی آنکھ کھل گئی۔ تیمور اٹھ کر خیمے سے باہر نکل آیا۔ اس کے سپاہی ابھی سو رہے تھے۔ تیمور نے دریا کے کنارے وضو کیا اور اپنی سفری مسجد میں فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد ناشتہ لانے کا حکم دیا۔ تیمور کی عادت تھی کہ دوران جنگ خاص طور پر رات کو جب دشمن کے حملے کا خطرہ ہوتا تو کھانا نہ کھاتا تھا کیونکہ اس سے نیند طاری ہونے اور سُستی چھانے کا اندیشہ ہوتا تھا۔ تیمور کا نظریہ تھا کہ ایک سپہ سالار کی نیند ہلکی ہونی چاہیے۔ وہ اپنے سپاہیوں کو کھلی چھٹی دے دیتا تھا کہ مکمل آرام کریں تاہم خود گہری نیند نہ سو پاتا تھا۔ البتہ اپنی خیمہ گاہ کے گرد سخت پہرے کا انتظام ضرور کرتا تھا۔

جب سورج پوری طرح طلوع ہو گیا اور خیمے وغیرہ سمیٹ لیے گئے تو آگے بڑھنے سے قبل تیمور نے سوچا کہ گزشتہ رات کی غلطی نہیں دُہرانی

چاہیے اور قراخان کے ساتھ مسلسل رابطے کو یقینی بنانا چاہیے تا کہ دشمن ان کے درمیان حائل نہ ہو سکے۔ چنانچہ تیمور نے امیر حسین نامی سردار کو بلوایا اور اس سے کہا کہ "میں تجھے ایک ہزار سپاہیوں کے ساتھ یہیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ تیرے ذمہ یہ کام ہے کہ ہمارے اور قراخان کے درمیان رابطہ نہ ٹوٹنے پائے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ہمارے آگے بڑھنے کے بعد دشمن قراخان پر حملہ کر دے اور اسے محاصرے میں لے لے۔ تب میں بھی اس کی مدد کے قابل نہ ہو سکوں گا۔"

امیر حسین خراسان کے ایک با اثر سردار کا بیٹا تھا۔ اس وقت اس کی عمر تیس برس کے لگ بھگ تھی۔ وہ کہنے لگا، "اے امیر! تم بالکل اطمینان رکھو، میں یہاں رُک کر تمہارے اور قراخان کے درمیان مسلسل رابطہ قائم رکھوں گا اور دشمن کو یہاں ہرگز قدم رکھنے نہ دُوں گا۔" اس کے بعد تیمور بقیہ فوج کے ساتھ آگے روانہ ہو گیا۔ انہیں چونکہ مختلف ٹیلوں اور چڑھائیوں سے گزرنا تھا اور اُن کا راستہ بھی تنگ اور پُر پیچ تھا لہٰذا تیمور نے حکم دیا کہ راستہ سمجھنے کے لیے بوریے کے قیدیوں سے مدد لی جائے۔

ایک فوج کو، خواہ وہ گھڑ سواروں پر مشتمل ہو یا پیادہ سپاہیوں پر ایسے علاقوں سے گزرتے ہوئے بے حد احتیاط کرنا پڑتی ہے جو خم دار اور ڈھلوان والے ہوں۔ ایسے راستوں پر کبھی بھی اندازہ نہیں ہوتا کہ اگلے پچاس قدم پر کیا ہو گا۔ تیمور اس راستے پر چلتے ہوئے ہر لحہ دشمن کے سامنے کے لیے تیار تھا کیونکہ اس کے نزدیک وہ جگہ چھپ کر حملہ کرنے کے لیے بہت مناسب تھی۔ تاہم اُنہیں قبیلہ بوریے کے لوگ کہیں دکھائی نہ دیتے تھے، یوں لگتا تھا جیسے وہ کسی غیر آباد مقام سے گزر رہے ہوں۔ لیکن جلد ہی اُن کا خیال باطل نکلا اور ہراول دستے کی طرف سے دشمن کی موجودگی کی اطلاع پہنچ گئی۔ تیمور اور اُس کے ساتھی ٹھہر گئے اور اگلی اطلاع کا انتظار کرنے لگے۔ عام طور پر ہراول دستے کا سربراہ دن کے وقت دُور سے جھنڈا لہرا کے دشمن کی موجودگی سے خبردار کر دیتا تھا اور پہاڑی علاقے میں جھنڈا لہرانے والے کو بلندی پر ہونا چاہیے تا کہ اس کا جھنڈا با آسانی نظر آ سکے۔ لیکن اس پہلی اطلاع کے بعد اُنھیں کوئی جھنڈا دکھائی نہ دیا۔

تیمور نے چند سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ آگے جائیں اور یہ معلوم کریں کہ ہراول دستے مزید اطلاعات کیوں نہیں بھیج رہے۔ وہ لوگ چلے گئے اور کچھ ہی دیر بعد ٹیلوں کے پیچھے سے چیخ و پکار سنائی دی اور پھر مکمل خاموشی چھا گئی۔ تیمور نے صورتِ حال کا پتہ لگانے کے لیے مزید آدمی بھیجنا چاہے مگر اس کی مہلت نہ مل سکی اور اچانک اُن پر تیروں کی بوچھاڑ شروع ہو گئی۔ یہ تیر اتنی تیزی سے برس رہے تھے کہ تیمور کو احساس ہوا اگر وہ لوگ ایک قدم بھی آگے بڑھے تو اُن کے سارے کے سارے گھوڑے اور بغیر حفاظتی لباس پہنے سپاہی ہلاک ہو جائیں گے۔ چنانچہ تیمور نے فوراً پیچھے ہٹنے کا حکم دے دیا۔ دو تیر آگے پیچھے تیمور کو بھی آ کر لگے۔ اگرچہ حفاظتی لباس نے اُس کی جان بچا لی تاہم تیروں کی ضرب سے تیمور سمجھ گیا کہ تیر پھینکنے والے ہاتھ بے حد مضبوط ہیں۔ عقب نشینی اختیار کر کے وہ لوگ تیروں کی زد میں آنے سے محفوظ ہو گئے۔

تیمور کو قیدیوں پر شک گزرا اور اُس نے سوچا کہ شاید وہ لوگ جان بوجھ کر اُنہیں اس جگہ لے آئے تھے۔ لیکن اُن لوگوں نے قسمیں کھا کر یقین دلایا کہ وہ ان ٹیلوں کے پیچھے اپنے ساتھیوں کی موجودگی سے قطعی لاعلم تھے۔ اگرچہ تیمور کو خود بھی احساس تھا کہ اُن پر حملہ کرنے کے لیے وہ مناسب ترین جگہ تھی مگر اُس کا خیال تھا کہ قیدی اُنھیں اس راستے سے لے جائیں گے جہاں اُن کے ساتھی نہ ہوں۔ قیدیوں نے بتایا کہ یہ پہاڑی

ٹیلے ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں اور جس طرف سے بھی آگے بڑھتے تو یہ امکان تھا کہ بویر کے جنگجو راستے میں گھات لگائے بیٹھے ہوتے۔ جب وہ لوگ پیچھے ہٹ آئے تو تیمور کو اندازہ ہو گیا کہ اُن کے ہراول دستے نے کیوں یکایک خاموشی اختیار کر لی تھی۔ وجہ یہی تھی کہ وہ پلک جھپکتے میں ہی غافل گیر ہو گئے اور سب کے سب اہلِ بویر کے ہاتھوں ہلاک ہو گئے۔ تیمور کو دوسری بار اہلِ بویر کی زبردست تیراندازی کا تجربہ ہوا تھا۔ پہلی بار بویر میں داخل ہوتے ہی اُنھوں نے تیر برسائے تھے اور دونوں مرتبہ ان کی تیراندازی انتہائی مہلک ثابت ہوئی تھی۔ پہلی بار تیمور اور اُس کی فوج رُکنے پر مجبور ہوئی اور دوسری بار اُنھیں پیچھے ہٹنا پڑا۔

اسی دوران امیر حسین کی طرف سے پیغام موصول ہوا کہ وہ اور قراخان بالکل خیریت سے ہیں، اس نے پوچھا تھا کہ تیمور اور اس کی فوج کا کیا حال ہے؟۔ تیمور نے پیغام بھیجا کہ وہ لوگ ٹیلوں سے گزرتے وقت اچانک تیراندازوں کا نشانہ بن گئے تھے اور اب انہیں پیچھے ہٹنا پڑا ہے۔ تیمور نے اپنے سرداروں کے ساتھ لڑائی کی صورتِ حال کو جوں کو توں بیان کرنا پسند کرتا تھا تا کہ وہ لوگ بھی حقیقت پسندی سے کام لیں تیمور کی غلط بیانی انھیں بے فکری اور بے احتیاطی میں مبتلا کر سکتی تھی۔ اور یہ بے احتیاطی اُن کی شکست کا سبب بن سکتی تھی۔

بویر کے قیدیوں نے بتایا کہ اُن کے ملک کے لوگ چھوٹی عمر سے تیراندازی کی مشق شروع کر دیتے تھے۔ ابتدا میں وہ دوسروں کے بنائے تیر استعمال کرتے مگر بڑے ہوتے ہوتے خود ہی تیر کمان بنانے لگتے تھے۔ ان کی کمانیں خاص قسم کے درخت کی لکڑی سے بنائی جاتی تھیں جو بویر کے علاقے میں کثرت سے پایا جاتا تھا۔ کمان کی زہ بھی یہ لوگ خود ہی تیار کرتے تھے اور سب سے اچھی زہ وہ ہوتی تھی جسے بکری کی آنتوں سے تیار کیا جاتا تھا، بکریاں بھی بویر کی سرزمین پر بہت زیادہ تعداد میں پائی جاتی تھیں۔ کمان تیار کرنے، زہ بنانے اور تیر بنانے کے مخصوص گُر تھے جن سے وہاں کے لوگ وقت کے ساتھ ساتھ آگاہ ہوتے جاتے تھے۔ بویر کے جنگجو جو تیر استعمال کرتے تھے، اُن کے سروں پر دھات کی نوکیں نہ ہوتی تھیں بلکہ پتھر سے بنی نوکیں استعمال کی جاتی تھیں۔ بویر میں ایک خاص قسم کا پتھر پایا جاتا تھا، اسے تراش کر تیر کی بے حد تیز نوک بنائی جاتی تھی۔ ایسا تیر دھاتی نوک کی طرح ہی جسم میں اُتر جاتا تھا۔ قیدیوں نے مزید بتایا کہ اُن کے ملک میں تین بڑے جشن منائے جاتے تھے۔ ایک جشن نوروز تھا، دوسرا آگ کا جشن اور تیسرا مقابلہ تیراندازی کا جشن۔ جشن نوروز بہار کے موسم میں منایا جاتا اور آگ کا جشن موسم خزاں میں۔ بویر کے رہنے والے مسلمان تھے، لیکن چونکہ مسلمان ہونے سے پہلے وہ لوگ مجوسی تھے لہٰذا اس وقت بھی اپنی رسومات کو سینے سے لگائے ہوئے تھے اور ہر سال موسم خزاں میں آگ کا جشن ضرور مناتے تھے۔

تیمور نے قیدیوں سے پوچھا کہ آیا اُن کے ملک میں اب بھی آتش کدے موجود ہیں۔ مگر اُنہوں نے نفی میں جواب دیا۔ بعد ازاں جب تیمور شام پہنچا تو اُسے ابن خلدون نے بتایا کہ مجوسیوں نے قدیم زمانے میں آتش کدے اس لیے بنائے تھے کہ اس زمانے میں آگ جلانے کا باقاعدہ طریقہ وضع نہ ہوا تھا۔ پرانے زمانے کے مجوسی کھانا پکانے اور سردیوں کے موسم میں گرمی حاصل کرنے کے لیے کسی خاص مقام پر مستقل آگ جلائے رکھتے تھے اور وہ اسے بجھنے نہ دیتے تھے۔ اگر وہ بجھ جاتی تو اُن کے پاس اُسے دوبارہ جلانے کا وسیلہ نہ ہوتا تھا۔ اسی وجہ سے اُن کے ہر گاؤں میں آتش کدہ موجود ہوتا تھا اور ہر شہر میں بہت سے آتش کدے مل جاتے تھے۔ ان آتش کدوں کے نگران اور پہرے دار ہوتے تھے جو اُنھیں مسلسل

ایندھن فراہم کر کے بجھنے سے بچائے رکھتے تھے۔ جب کبھی شہر کے لوگ کھانا وغیرہ پکانا چاہتے تو وہ ان آتش کدوں میں جاتے اور وہاں سے آگ بھر کر اپنے گھر لے آتے اور گھر میں موجود چولہا جلا لیتے۔ مجوسیوں کا عقیدہ تھا کہ آگ، پانی، زمین اور ہوا اُن کے خدا کی طرف سے عطا کردہ عظیم ترین نعمتیں ہیں۔ جس زمانے میں آگ جلانے کا طریقہ وضع نہ ہوا تھا تو مجوسیوں کے نزدیک آگ کی اتنی اہمیت تھی کہ ان کے ہاں دلہن کا تحفہ بھی آگ سے بھرا ہوا برتن ہوتا تھا۔

تیمور نے بویر کے قیدیوں سے پوچھا، ''کیا ایسا ممکن ہے کہ ہم ان ٹیلوں میں سے جانے کے بجائے ان کا چکر کاٹ کر آگے جا نکلیں اور بویر کے تیراندازوں کے تیروں سے محفوظ رہیں؟'' وہ کہنے لگے، ہاں اور شمال کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگے، ''اس طرف سے ایک راستہ ہے جس کے ذریعے تم ان ٹیلوں کا چکر کاٹ سکتے ہو، مگر تمہیں وہاں تک پہنچنے کے لیے طویل راستہ طے کرنا ہوگا۔'' تیمور نے اُنہیں بتایا کہ وہ طویل راستوں سے تھکن کا شکار نہیں ہوتے کیونکہ وہ اور اُسکے سپاہی ہمہ وقت سفر میں رہتے ہیں۔ پھر تیمور نے اپنے سپاہیوں کو جمع کیا اور کہنے لگا، ''ان ٹیلوں کے گرد چکر کاٹنے کے لیے ہمیں شمال کی طرف سفر کرنا ہوگا۔ قیدیوں نے ہمیں راستہ بتایا ہے، مگر چونکہ وہ دشمن ہیں، اس لیے ہم اُن کے بتائے راستے پر آنکھیں بند کر کے نہیں چل سکتے۔ تاہم ممکن ہے کہ وہ سچ بول رہے ہوں، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اگر انھوں نے جھوٹ بولا تو وہ مارے جائیں گے۔ اس وقت دشمن کے تیرانداز ان ٹیلوں میں چھپے بیٹھے ہیں اور ہمیں نہیں معلوم کہ ہمارے آگے چلے جانے کے بعد وہ امیر حسین اور قراخان کے سپاہیوں کو مار ڈالیں گے یا نہیں، میرا خیال ہے کہ ہمیں یہاں سے آگے بڑھنے سے قبل دو برجیاں بنا دینی چاہئیں اور امیر حسین کو بھی ایک یا دو برجیاں تعمیر کر لینی چاہئیں۔ برجیاں تعمیر کرنے کے بعد ہم پہرے داروں کا دستہ یہاں چھوڑ جائیں گے تاکہ دشمن ہمارا راستہ نہ کاٹ سکے۔''

اُن کے پاس اچھا مصالحہ تیار کر کے برجیاں تعمیر کرنے کا وقت نہیں تھا اس لیے اُنھوں نے کچی اینٹوں سے ہی برجیاں تیار کر لیں جن کے سانچے تیمور کے سپاہیوں نے خود بنائے تھے۔ تیمور نے امیر حسین کو بھی کہلا بھیجا کہ وہ بھی برجیاں تعمیر کر لے تاکہ بویر کے تیرانداز اسے غفلت میں نہ جالیں۔ پھر دونوں پہاڑیوں پر دو برجیاں تعمیر کر لی گئیں اور تیمور نے پانچ سو سپاہیوں کو پہرے کی ذمہ داری سونپ کر آگے بڑھنے کا حکم دے دیا۔

اب اُن کا راستہ سرسبز زمین سے گزرتا تھا اور وہاں غافل گیر ہو جانے کا امکان نہ تھا، لہٰذا وہ تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہے تھے۔ وہ مسلسل دو روز تک سفر کرتے اس سرسبز خطہ کو عبور کر کے اس کے شمالی کنارے پر پہنچ گئے، چونکہ جلد ہی ایک جنگ چھڑنے کا امکان تھا اس لیے تیمور نے اپنے سپاہیوں کو آرام کرنے کی اجازت دے دی۔ پھر تیمور نے ان سپاہیوں کو جو زرہ اور حفاظتی لباس پہنے ہوئے تھے، الگ کر کے اُن کی ایک الگ سپاہ بنالی، تیمور کے یہ سپاہی پیادہ تھے کیونکہ اُن کے پاس گھوڑوں کو تیراندازی سے بچانے کے وسائل نہ تھے۔ اگر یہ سپاہی گھوڑوں پر سوار ہوتے تو دشمن کے تیرانداز ان سب کے گھوڑوں کو منٹوں میں تیروں سے نشانہ بنا کر مار ڈالتے اور چونکہ تیمور کی فوج گھڑ سواروں کی فوج تھی لہٰذا اُن کے لیے گھوڑوں کی بے حد اہمیت تھی۔

اس وسیع اور کشادہ زمین کے شمال میں ایک گزرگاہ تھی، انہیں اس سے گزر کر مشرق کی طرف جانا تھا۔ اس کشادہ گزرگاہ میں کوئی اُنہیں اچانک غافل گیر نہ کر سکتا تھا، تاہم اسے عبور کرنے کے بعد، وہ ایک ایسے علاقے میں پہنچ گئے جو مختلف پہاڑیوں پر مشتمل تھا اور ممکن تھا کہ وہاں اُن پر

دوبارہ حملہ ہو جاتا۔ چنانچہ تیمور نے یہاں پہنچتے ہی اپنے رسالہ کو آگے روانہ کر دیا جو کہ اُس سپاہ پر مشتمل تھا جو حفاظتی لباس پہنے ہوئے تھی اور پیادہ سپاہیوں پر مشتمل تھی۔ تیمور بذات خود گھڑ سواروں کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا۔

پیدل زرہ پوش سپاہی جانتے تھے کہ انہیں بویر کے جنگجوؤں سے اس طرح اُلجھ جانا ہے کہ گھڑ سوار سپاہی بھی اُن کے سر پر پہنچ جائیں اور اُن کو دو طرف سے حملے کا نشانہ بنایا جا سکے اور بویر کے تیر اندازوں کو تیر چلانے کا زیادہ موقع نہ مل سکے۔ جس راستے سے وہ آگے بڑھ رہے تھے، ایسا وہ چٹانوں پر مشتمل راستہ تھا کہ جس میں بہت سی ڈھلوانیں تھیں۔ دوپہر کے وقت ہراول دستے نے پیغام دیا کہ اُسے دشمن نظر آ رہا ہے۔ تیمور نے اپنے پیادہ سپاہیوں کو ہدایت کی کہ وہ حملے میں پہل نہ کریں۔ بویر کے جنگجوؤں نے حسبِ معمول پہلے تیروں سے تیمور کی فوج کو نشانہ بنایا۔ تیمور نے تیر اندازی کے انداز اور پہلے دستے کی اطلاعات کے لحاظ سے میدانِ جنگ کی وسعت کا اندازہ لگایا اور اپنی فوج کا ایک حصہ فاضل فوج کے طور پر محاذ کے پچھلی جانب چھوڑ کر دشمن کی پیٹھ پر حملہ آور ہو گیا۔ تیمور بذات خود پہلی صف میں گھوڑا دوڑا رہا تھا اور اہلِ بویر کو یہ سبق سکھانے کے لیے تیار تھا کہ جس شخص کا نام امیر تیمور ہے تو اس کی طاقت کیسی ہے؟!

تیمور کے افسر جانتے تھے کہ جب تیمور بذات خود صفِ اول میں شامل ہو کر لڑنے کیلئے جائے تو اسے روکنا نہیں ہے کیونکہ تیمور ایسی باتوں کو چاپلوسی اور خوشامد کرنے کے مترادف سمجھتا تھا۔ تیمور کو اچھی طرح علم تھا کہ جب کوئی سپہ سالار میدانِ جنگ میں خود عام سپاہیوں کے ساتھ موجود ہو تو اس کے سپاہیوں میں حیرت انگیز جوش و ولولہ پیدا ہو جاتا ہے اور وہ اپنی جان قربان کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔

بویر کے تیر اندازوں کو جیسے ہی اپنی پشت پر تیمور اور اس کے ساتھیوں کی موجودگی کا احساس ہوا تو وہ مڑے اور اپنے تیروں کا رُخ اُن کی طرف کر لیا لیکن اس سے پہلے کہ وہ اُنہیں کوئی نقصان پہنچا سکیں، تیمور اور اُس کے سپاہی آندھی طوفان کی طرح اُن کے سروں پر پہنچ گئے۔ اُن کا حملہ اس قدر اچانک اور شدید تھا کہ بویر کے بہت سے تیر انداز اُن کے گھوڑوں کے پیروں تلے روندے گئے۔ تیمور کے ہاتھ میں لمبے دستے والا کلہاڑا تھا جس کا ہر وار دشمن کے کسی نہ کسی سپاہی کو زمین بوس کر دیتا تھا۔ اب دوسری طرف موجود تیمور کے ساتھیوں نے بھی تیر اندازی چھوڑ کر تلواریں نکال لیں اور دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ تیمور کے سپاہیوں کے شدید دباؤ کے باعث بویر کے سپاہی بھاگنے کی کوشش کرتے مگر سامنے سے پیادہ سپاہیوں کی تلواریں اُن کی گردنیں کاٹ دیتیں اور اگر پیچھے بھاگتے تو فاضل فوج کے سپاہی اُن کا کام تمام کر دیتے۔ تیمور کے سپاہیوں اور بویر کے جنگجوؤں کے درمیان یہ لڑائی ظہر کے وقت شروع ہوئی اور عصر تک جاری رہی اور پھر بویر کے باقی بچ جانے والے جنگجوؤں نے ہتھیار ڈال دیئے اور خود کو تیمور کے سپاہیوں کے حوالے کر دیا۔

تیمور بویر کے علاقے کے بارے میں زیادہ معلومات نہ رکھتا تھا۔ فارس کے لوگوں کو بھی یہ علم نہ تھا کہ بویر میں کتنے باشندے موجود ہیں۔ بعض لوگ کہتے کہ بویر کی آبادی ایک لاکھ نفوس پر مشتمل ہے، کچھ کا خیال تھا کہ وہاں چار لاکھ افراد رہتے ہیں، ان سب وجوہات کے باعث تیمور کو اپنے پیچھے چھوڑے دستوں کی فکر لاحق تھی۔ گو کہ امیر حسین اور قراخان کی نگرانی میں حفاظتی دستے موجود تھے پھر بھی تیمور کو ڈر تھا کہ کہیں وہ اچانک حملے کا نشانہ نہ بن جائیں۔ تاہم ایسا نہ ہوا اور وہ کسی رکاوٹ کے بغیر راستہ طے کرتے آگے بڑھتے چلے گئے، حتیٰ کہ شہر کے آثار نظر آنے لگے۔

نظر آنے والا شہر خاصا پھیلا ہوا تھا اور اُس کی تمام عمارتیں بلندی پر بنی ہوئی تھیں۔ تیمور کو پتہ چلا کہ سیلاب سے بچنے کے لیے اس شہر کی

عمارتوں کو بلندی پر تعمیر کیا گیا ہے۔ انہی عمارتوں میں ایک سے دھواں نکلتا نظر آ رہا تھا۔ تیمور نے بویر کے قیدیوں کو طلب کر کے اُن سے پوچھا،'' یہ دھواں کیسا ہے؟'' انہوں نے جواب دیا،'' یہ دھواں آتش کدے سے نکل رہا ہے۔'' تیمور نے اُس دن تک آتش کدہ نہ دیکھا تھا اور اُسے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ آتش پرست لوگ ان آتش کدوں میں کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ اس نے ایک قیدی سے پوچھا،'' آتش کدے میں کیا ہوتا ہے؟ اور کون اس کی نگرانی کرتا ہے؟'' اُس نے جواب دیا،'' آتش کدے میں ایک متولی اور تیس خادم ہوتے ہیں۔ دو خادم ہر روز آتش کدہ کی نگرانی کرتے ہیں تا کہ اُس کی آگ نہ بجھنے پائے۔ شہر کے ہر گھر کو مہینے میں ایک بار ایندھن کی فراہمی کا بندوبست کرنا ضروری ہوتا ہے، لہٰذا آتش کدے میں کبھی بھی ایندھن کی کمی نہیں ہوتی۔ معمول کے مطابق آتش کدے میں دو سال کا ایندھن ضرور موجود ہوتا ہے۔'' تیمور نے مزید دریافت کیا،'' کیا تمہارے ہاں آتش کدے کے لیے چندہ یا نذرانہ وغیرہ جمع کیا جاتا ہے تا کہ اس کے نگران اور خادموں کی گزر اوقات ہو سکے؟''۔ قیدیوں نے جواب دیا۔'' نہیں۔ بلکہ ہم سال میں سات دن کے لیے جشن مناتے ہیں۔ یہ جشن سات فرشتوں کے نام پر منایا جاتا ہے۔ یہ فرشتے خدا کے خاص اور قریب ترین ہیں۔ ہفتے کے ایام بھی ان سات فرشتوں کے نام پر ہی رکھے گئے ہیں۔ ہمارے ہاں جشن کی ابتدا برج حمل کے شروع ہونے پر ہوتی ہے جسے ہم جشن نوروز کہتے ہیں۔ ان سات دنوں میں شہر کے سارے باشندے آتش کدے میں آتے ہیں اور اپنا نذرانہ آتش کدے کے نگران کو دے کر ثواب حاصل کرتے ہیں۔ چنانچہ اگلے جشن نوروز تک کے لیے آتش کدے کا نگران اور تیس خادم انہی نذرانوں پر گزارہ کرتے ہیں۔''

قیدیوں سے حاصل ہوئی معلومات ظاہر کرتی تھیں کہ اہل بویر اسلام اور مجوسیت کے عقائد کو باہم گڈمڈ کر کے نیا دین بنائے ہوئے تھے۔ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے مگر آتش کدوں میں جاتے اور آتش پرستی بھی کرتے تھے۔ زکوٰۃ دینے کا تصور رکھتے مگر اُسے آتش کدے کے نگران کے حوالے کر دیتے تھے۔ تیمور نے ایک قیدی سے پوچھا،'' تُو اگر خود کو مسلمان کہتا ہے تو نماز پڑھ تا کہ میں تیری نماز دیکھ سکوں۔'' وہ شخص سورج کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو گیا۔ پھر کئی مرتبہ ہاتھ اوپر اٹھا کر نیچے کیے اور کچھ پڑھتا رہا۔ بس یہی اُس کی نماز تھی۔ تیمور نے اُس سے کہا،'' یہ کیسی نماز ہے؟ کیا تم لوگ قبلہ کی طرف رُخ کر کے نماز نہیں پڑھتے؟'' وہ کہنے لگا،'' کیوں نہیں۔'' پھر سورج کی طرف اشارہ کر کے بولا،'' وہ ہمارا قبلہ ہے، ہم اُس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔'' تیمور نے پوچھا،'' گویا تم لوگ سورج کو اپنا قبلہ تسلیم کرتے ہو؟'' وہ بولا،'' ہاں''۔ تیمور نے مزید دریافت کیا،'' کیا تم لوگوں کے ہاں کوئی عالم دین وغیرہ بھی ہے۔'' وہ کہنے لگا،'' آتش کدے کا نگران ہی ہمارا عالم دین اور مذہبی راہنما ہے۔''

اسی دوران سورج غروب ہو گیا اور تاریکی پھیلنے لگی۔ تیمور اور اُس کے سپاہی ابھی بویر کے شہر سے خاصے فاصلے پر تھے۔ تیمور کو خیال آیا کہ اگر وہ لوگ رات کے وقت شہر کے نزدیک پہنچے تو خطرے میں پڑ سکتے ہیں۔ لہٰذا اُس نے اسی جگہ خیمہ گاہ قائم کرنے کا حکم دے دیا۔ اُس نے سرداروں کو بھی اچھی طرح سمجھا دیا کہ وہ لوگ دشمن کی سرزمین پر ہیں اور یہاں ہر لمحہ حملے کا خطرہ ہے، یہاں کی ریت کو بھی اُنہیں اپنا دشمن تصور کرنا چاہیے، انسانوں کی تو بات ہی الگ ہے۔ لہٰذا ہر لمحہ چوکنا رہیں اور ہرگز غافل نہ ہوں۔

اُن کی خیمہ گاہ بھی ایسی جگہ پر بنی تھی کہ جہاں دور و نزدیک ٹیلے ہی ٹیلے تھے نیز گہری کھائیاں بھی موجود تھیں، الغرض وہ ایسی جگہ تھی کہ جہاں وہ باآسانی دشمن کے حملے کا نشانہ بن سکتے تھے۔ چنانچہ اندھیرا پھیلنے اور سپاہیوں کے سونے سے پہلے ہی تیمور نے آس پاس کے تمام ٹیلوں پر

حفاظتی پہرہ بٹھادیا اور پہرے داروں کی نگرانی کے لیے بھی حفاظتی دستے بھی متعین کردیئے۔

دراصل جو سپاہی مسلسل سفر کرتا اور جنگ کی حالت میں چلا آرہا ہو تو وہ اس قدر تھکاوٹ کا شکار ہو جاتا ہے کہ پہرہ دیتے ہوئے کھڑے کھڑے ہی سو جاتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ پہرہ دینے والوں کی نگرانی کے لیے بھی دستے متعین کیے جائیں جو ان پہرے داروں پر نظر رکھیں اور اگر سو جائیں تو انہیں فوراً جگا دیں۔ عام حالات میں تیمور پہرہ دینے والے سپاہیوں کے سونے کی غلطی کو برداشت نہ کرتا تھا اور اُنہیں سخت سزا دیتا مگر سوائے اس کے کہ وہ واقعی بہت تھکے ہوں۔ مسلسل سفر کرنے اور سارا دن لڑتے رہنے کے بعد کسی سپاہی سے رات بھر جاگ کر پہرہ دینے کی توقع نہیں کی جا سکتی، ایسے سپاہی کی سزا یہی ہے کہ اگر وہ پہرہ دیتے ہوئے سو جائے تو اُسے جگا دیا جائے۔

تیمور نے اپنی خیمہ گاہ میں داخل ہو کر اُس کا معائنہ کیا اور اپنے معمول کے مطابق کھانا کھائے بغیر ہی بستر پر لیٹ گیا۔ رات بھر اُسے اُچٹتی ہوئی نیند ہی آئی اور وہ مختلف آوازوں پر کان دھرتا اُٹھ بیٹھتا۔ کبھی کبھی خیمے سے باہر نکل کر اِدھر اُدھر نظر بھی ڈال لیتا لیکن کوئی اہم واقعہ پیش نہ آیا، یہاں تک کہ اُفق پر تاریکی غائب ہونے لگی۔ تب تیمور نے وضو کر کے نمازِ فجر ادا کی اور آرام کرنے کی غرض سے لیٹ گیا۔ سورج طلوع ہوتے ہی اُس کے سپاہی جاگ گئے اور خیمہ گاہ سمیٹ دی گئی۔ پھر وہ لوگ جنگی صف آرائی کے ساتھ شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔

شہر کے کچھ نزدیک پہنچ کر تیمور نے اس پر نظر ڈالی تو شہر کی وسعت دیکھ کر حیران رہ گیا، وہ شہر سمرقند سے بھی بڑا دکھائی دے رہا تھا لیکن قیدیوں نے بتایا کہ شہر اس لیے اتنا وسیع لگ رہا ہے کہ اس میں موجود عمارتیں ٹیلوں کے باعث فاصلے پر بنی ہوئی ہیں۔ تاہم جب وہ لوگ شہر کے نزدیک پہنچے تو معلوم ہوا کہ شہر میں ایک ہزار عمارتیں بھی نہیں ہیں۔

ابھی وہ لوگ شہر سے کچھ دُور ہی تھے اور تیمور پہاڑی پر کھڑا ہو کر شہر کی عمارتیں دیکھنے میں مصروف تھے کہ ہراول دستے کا پیغام موصول ہوا کہ اُسے ایک فوج نظر آرہی ہے۔ تیمور نے فوراً فوج کے سرداروں کو متوقع حملے کے خطرے سے آگاہ کیا اور اپنے فوج کے عقبی حصے کو بھی جنگ کے لیے تیار رہنے کی ہدایت کر دی۔ بالکل اچانک ایک شور برپا ہوا اور بویر کے جنگجوؤں نے اُن پر آگے پیچھے، دائیں بائیں ہر طرف سے حملہ بول دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس قدر جنگجو ظاہر ہوئے کہ یوں لگا جیسے زمین جنگجو مرد اور عورتوں کو اُگل رہی ہو۔ اس بار بویر کے مردوں کے ساتھ عورتیں بھی حملے میں شامل تھیں۔

تیمور نے حکم دیا کہ فوج کے سوارہ سپاہی آگے بڑھیں اور حملہ آوروں کو کچل دیں۔ چنانچہ اضافی دستوں کے علاوہ تیمور کی فوج کے تمام دستوں نے دشمن پر حملہ کر دیا اور تیمور خود بھی کلہاڑا تھام کر بویر کے جنگجوؤں پر ٹوٹ پڑا۔ ایک عورت نے جس کی کمر پر ایک گٹھری سی لدی تھی، تیمور کو تلوار سے نشانہ بنانا چاہا مگر اس سے پہلے کہ اُس کی تلوار تیمور کے گھوڑے تک پہنچ پاتی تیمور کے لمبے دستے والے کلہاڑے کے وار سے اُس کی کھوپڑی کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ عورت زمین پر گر پڑی اور اُس کے ساتھ ہی کسی دودھ پیتے بچے کے رونے کی آواز بلند ہوئی جو غالباً عورت کی گٹھری میں موجود تھا۔

بویر کے سپاہی اس بار ایسے علاقے میں اُن کے سامنے آئے تھے جہاں کوئی درخت وغیرہ نہ تھا چنانچہ دونوں فوجوں کے درمیان کوئی آڑ نہ تھی۔ اسی لیے تیمور کے گھڑ سواروں کے سامنے بویر کے پیدل جنگجوؤں کی کوئی نہ چل سکی اور جلد ہی انکی صفیں بکھرنے لگیں اگرچہ انھوں نے چاروں طرف سے حملہ کیا تھا مگر ان کا یہ حملہ ناکام رہا اور بہت جلد تیمور کے سپاہیوں نے تابڑ توڑ جوابی حملوں سے ان کی مزاحمت ختم کر دی۔ جلد ہی بھاری جانی

نقصان اٹھانے کے بعد بویر کے مرد اور عورتیں بیابانوں کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ تیمور نے حکم دیا کہ ان کا تعاقب نہ کیا جائے بلکہ جتنی جلد ممکن ہو سکے شہر پر قبضہ کر لیا جائے۔ تیمور کو اندازہ ہو گیا تھا کہ آج کی لڑائی بویر کے جنگجوؤں کے ساتھ اُن کی آخری لڑائی ہے اور اس کے بعد وہ دوبارہ حملہ نہ کر سکیں گے اور حملے کریں گے بھی تو اُن کا حملہ زیادہ زوردار نہ ہوگا۔ اب اُن کے سامنے کوئی رکاوٹ نہ تھی لہٰذا وہ جنگی صف بندی کے ساتھ شہر میں داخل ہو گئے۔ شہر میں داخل ہوتے ہوئے تیمور نے اپنے سرداروں کو ہدایت کی کہ آتش کدے کی حفاظت کرنے والوں کو قتل نہ کیا جائے کیونکہ وہ شہر کے مذہبی پیشوا ہیں۔ ان کے علاوہ جو بھی مرد و عورت مزاحمت کرے تو اُسے بلادریغ قتل کر دیا جائے۔

شہر میں داخل ہوتے ہوئے تیمور سوچ رہا تھا کہ شاید اُن پر پتھر برسائے جائیں یا تیروں سے نشانہ بنایا جائے مگر وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ شہر میں کسی انسان کی موجودگی کے کوئی آثار نہ تھے۔ انہوں نے تمام گھروں کی اچھی طرح جانچ پڑتال کی مگر انہیں کسی گھر میں کوئی انسان نہ ملا، گویا شہر کے سب باشندے اپنا گھر بار چھوڑ کر جا چکے تھے۔ لہٰذا انہوں نے بغیر کسی مزاحمت کے شہر پر قبضہ کر لیا۔ تب تیمور آتش کدے کی طرف روانہ ہوا۔ وہاں اُس نے دیکھا کہ کچھ لوگ سیاہی مائل سُرخ لباس پہنے قطار میں کھڑے تھے۔ تیمور نے پوچھا، ''تم لوگ کون ہو؟'' ان میں سے ایک سفید داڑھی والا شخص آگے بڑھا جو دوسروں سے رُتبہ میں ممتاز لگتا تھا اور کہنے لگا، ''ہم آتش کدے کے خادم ہیں۔'' تیمور نے پوچھا، ''جب شہر کے سارے باشندے شہر چھوڑ کر چلے گئے تو تم کیوں نہیں گئے؟'' وہ باریش شخص کہنے لگا، ''ہم یہاں سے نہیں جا سکتے کیونکہ آتش کدے کی مقدس آگ کو ہماری ضرورت ہے۔'' تیمور نے کہا، ''اگر میں تمہاری آگ بُجھا دوں تو؟'' وہ کہنے لگا، ''اے امیر! آج ہماری جان مال پر تجھے اختیار حاصل ہے مگر خدا را یہ آگ مت بجھانا۔'' تیمور نے کہا، ''میں تمہاری آگ دیکھنا چاہتا ہوں۔'' وہ بولا، ''آگ دیکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں مگر اُس کے پاس مت جانا، ہم بھی اُس کے نزدیک نہیں جاتے۔''

تیمور آتش کدے میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ وہ معمولی سی عمارت تھی، اس میں ایک کمرہ تھا جس پر ایک گنبد بنا ہوا تھا، گنبد میں ایک سوراخ بنا ہوا تھا جس سے اوپر دھواں باہر نکل رہا تھا۔ کمرے کے ایک طرف زمین پر آگ جلائی گئی تھی جس سے اوپر اُٹھ رہا تھا۔ اس کے اردگرد فولادی جالیاں نصب تھیں۔ ایک خادم وہاں کھڑا مسلسل لکڑیاں ڈال رہا تھا۔

تیمور نے اندر داخل ہونے سے پہلے سوچا تھا کہ شاید آتش کدہ کوئی دیکھنے لائق چیز ہوگی مگر وہاں کا منظر کوئی خاص اثر انگیز نہ تھا۔ باہر آ کر تیمور نے آتش کدے کے باریش نگران سے پوچھا، ''آیا تم اور تمہارے ساتھی مسلمان ہو؟'' وہ بولا ''ہاں!'' تیمور نے کہا، ''تو پھر تم لوگ آگ کی پرستش کیوں کرتے ہو اور آتش کدے میں کیوں رہتے ہو؟'' وہ کہنے لگا، ''اے امیر ہم اپنے آباؤ اجداد کی رسمیں ترک نہیں کر سکتے۔'' تیمور بولا، ''تمہارے باپ دادا آگ کی پوجا کر کے بُت پرستی کیا کرتے تھے جبکہ مسلمان بُت پرستی نہیں کرتا۔'' بوڑھا کہنے لگا، ''ہمارے آباؤ اجداد بُت پرست نہ تھے بلکہ وہ یزدان کی عبادت کرتے تھے، ان کا یزدان ہی ہمارا خدا ہے۔'' تیمور نے اُسے بتایا، ''میں نے تمہارے ایک ساتھی کو سورج کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ اس نے بتایا ہے کہ تم لوگ سورج کو قبلہ مانتے ہو۔ کیا یہ سچ ہے؟'' وہ شخص کہنے لگا، ''اے امیر! ہم سورج کو اس لیے اپنا قبلہ مانتے ہیں کہ ہمارے نزدیک سورج زندگی کا سرچشمہ ہے، البتہ ہمارا عقیدہ ہے کہ خدا نے سورج کو بنایا ہے۔'' تیمور نے کہا، ''میں نے عالموں،

شاعروں، صنعت کاروں اور مذہبی پیشواؤں کو امان دینے کا عہد کر رکھا ہے، ورنہ تم سب لوگوں کے سر کٹوا دیتا کیونکہ میرے نزدیک تم سب واجب القتل ہو۔" بوڑھا کہنے لگا، "اے امیر، میری گردن حاضر ہے، جو چاہو سو سلوک کرو۔" تیمور نے اُسے جواب دیا، "اگر میں تیری گردن اُڑانا چاہتا تو تجھے گردن آگے کرنے کی بھی مہلت نہ ملتی۔" پھر تیمور نے اُس سے اسلام اور مجوسیت کے حوالے سے مزید سوالات کیے مگر وہ مناسب جواب دینے سے قاصر رہا۔ تیمور سمجھ گیا کہ اُس کی معلومات بے حد محدود ہیں، ویسے بھی اُس دُور افتادہ مقام کے مذہبی راہنما سے زیادہ توقعات نہیں رکھی جا سکتی تھیں، اُس نے اس چھوٹے قصبے اور اپنے بزرگوں کے سوا کسی سے کچھ نہ سیکھا تھا۔ تیمور نے اُس سے پوچھا، "کیا تم پڑھے لکھے ہو؟" وہ بولا، "نہیں اے امیر، میں پڑھنا لکھنا نہیں جانتا۔" تیمور نے کہا، "اگر تم لوگ ان پڑھ ہو تو پھر دنوں کا حساب کتاب کیسے رکھتے ہو؟ اور جشن وغیرہ کیسے مناتے ہو؟" وہ شخص سورج کی طرف اشارہ کر کے بولا، "سال میں دو دن ایسے ہیں کہ جب دن اور رات برابر ہو جاتے ہیں، ان میں ایک بہار کا پہلا دن ہوتا ہے جب موسم گرم ہونا شروع ہوتا ہے اور دوسرا موسم خزاں کا پہلا دن جب سردیوں کا موسم شروع ہوتا ہے۔ جب موسم گرم ہونا شروع ہوتا ہے اور جس دن سورج ٹھیک مغرب میں غروب ہو تو میں عید نوروز کا اعلان کر دیتا ہوں۔" تیمور سمجھ گیا کہ بوڑھے کا حساب غلط ہے۔ عید نوروز برج حمل کی پہلی تاریخ کو ہوتی تھی مگر وہ شخص اہل بوریر کی عید اندازے سے کئی روز پہلے یا بعد میں کرا دیتا تھا کیونکہ اُس کا حساب محض اندازوں پر مشتمل تھا۔ تیمور نے آتش کدے کے نگران اور خادموں کو قصاص سے معاف کر دیا مگر انھیں بتایا کہ شہر کے دیگر سارے باشندوں کو قصاص دینا ہوگا۔ آتش کدے کا نگران پوچھنے لگا، "اے امیر، شہر کے باشندوں کو قصاص کس وجہ سے دینا ہوگا؟" تیمور نے کہا، "اس لیے کہ انھوں نے میرے بیٹے شیخ عمر کو قتل کیا ہے۔" آتش کدے کا نگران بولا، "اے امیر ہو سکتا ہے کہ بوریر کے کسی شخص نے تمہارے بیٹے کو قتل کیا ہو مگر تمہیں اپنے بیٹے کے قاتل سے قصاص لینا چاہیے، شہر کے سارے باشندے اس سزا کے مستحق کیوں ٹھہرے؟" تیمور نے کہا، "اے بزرگ انسان، اگر تو پڑھا لکھا ہوتا تو میں تجھے سمجھاتا کہ خدا نے کیوں حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کو صرف اس لیے جنت سے نکال دیا تھا کہ اُن کے جد سے غلطی ہوئی تھی۔ اگر ہمارا باپ "آدم علیہ السلام" اس غلطی کا مرتکب نہ ہوتا تو آج ہم بھی جنت میں ہوتے، مگر اُن کی غلطی کے سبب ہم سب دنیا میں آ بسے ہیں، لہٰذا اس بات کے پیشِ نظر کے بوریر کے کچھ باشندوں نے میرے بیٹے کو قتل کیا ہے لہٰذا میری نظر میں تم سب لوگ گناہ گار اور سزا کے مستحق ہو۔" یہ کہنے کے بعد تیمور نے فوج کو حکم دیا کہ آتش کدہ کے سوا شہر کی تمام عمارتیں مسمار کر دی جائیں اور آتش کدے میں موجود لوگوں کے سواء جو نظر آئے اُسے قتل کر دیا جائے۔ یہ حکم ملتے ہی تیمور کے سپاہی شہر کی عمارتیں مسمار کرنے لگے اور ان کی راہ میں جو آیا قتل کر دیا گیا۔

اس دن کے بعد تیمور جب تک بوریر میں رُکا رہا تو کسی نے اُس پر حملہ کرنے کی جرأت نہ کی۔ شہر کے باشندے بھی واپس اپنے گھروں کو نہ لوٹے۔ واپسی پر بھی کوئی اُن کی راہ میں مزاحم نہ ہوا۔ جب وہ واپس آنے لگے تو تیمور نے وہاں موجود تخت سلیمان کے آثار دیکھے، یہ آثار دیکھ کر تیمور بے حد حیران ہوا کہ کیسے اتنے بڑے بڑے پتھر ہوا میں تیر کر وہاں تک پہنچے، مگر بعد میں جب وہ شام گیا تو وہاں کے علماء نے اُسے بتایا کہ جو آثار تیمور نے دیکھے تھے وہ تخت سلیمان کے نہ تھے بلکہ وہ تو فارس کے ایک بادشاہ کا دارالسلطنت تھا جسے سکندر نے فتح کرنے کے بعد جلا کر تباہ کر دیا تھا۔

بائیسواں باب

طاعون کا سامنا

تیمور نے وطن واپسی کے لیے ایک بار پھر خراسان کا راستہ اختیار کیا اور اگر چہ وہ فارس میں سفر کر رہا تھا جو کہ اس کی سلطنت میں شامل تھا، اُس نے فوج کے آگے اور پیچھے حفاظتی دستے تعینات کر رکھے تھے۔ تخت سلیمان سے گزرنے کے دو دن بعد ہراول دستے نے اطلاع پہنچائی کہ کچھ نامعلوم لوگوں کا گروہ اُن کی طرف بڑھ رہا ہے۔ پھر اطلاع موصول ہوئی کہ وہ لوگ بھاگ رہے ہیں۔ ہراول دستے کے سپاہیوں نے اُن سے پوچھا کہ وہ کیوں بھاگ رہے ہیں تو وہ کہنے لگے کہ وہ طاعون سے جان بچا کر بھاگ رہے ہیں۔ جب یہ بھاگنے والے تیمور کی فوج کے پاس پہنچے تو تیمور نے بھی اُن سے پوچھا کہ طاعون کہاں پھوٹا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ مختلف شہروں جیسے کہ ہرمز، سرور، سیف، عمارہ، مانا ند اور سیراف میں طاعون پھوٹ پڑا ہے اور فارس کے جنوب میں واقع تمام دیہاتوں کے لوگ طاعون سے مر رہے ہیں۔ جن شہروں کے نام انہوں نے لیے تھے وہ سب کے سب فارس کی بیرونی حدود پر واقع تھے۔

اس سے آگے کے سفر میں تیمور اور اُس کے سپاہیوں کو ہر روز طاعون سے بچ کر فرار ہونے والے نظر آئے۔ تیمور اُن سے پوچھ گچھ کرتا، معلوم ہوا کہ اُن کے راستے میں فارس سے خراسان تک ابھی طاعون نہیں پھیلا تھا۔ اس بیماری سے جلد از جلد بھاگ نکلنے کے لیے تیمور نے فوج کی رفتار تیز کر دی اور اس غرض سے فوج کو کچھ حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصے کو آگے آگے روانہ کر دیا تا کہ اُنھیں خوراک اور چارے کے لیے کہیں بھی رُکنا نہ پڑے۔ جب وہ لوگ دار البجرد پہنچ گئے تو تیمور نے وہاں دو دن کے قیام کا حکم دے دیا تا کہ گھوڑوں کو آرام کرنے کا موقع مل سکے۔ قیام کے پہلے دن ہی اُنھیں پتہ چلا کہ فوج کے کئی سپاہی اچانک بیمار پڑ گئے ہیں اور سب سر درد اور بخار کی شکایت میں مبتلا ہیں، تیمور نے فوج کے طبیبوں کو بُلا کر پوچھا کہ آیا یہ سپاہی طاعون کا شکار ہو گئے ہیں یا یہ علامات دوسری ہیں۔ مگر فوج کے طبیب کہنے لگے کہ وہ اس بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتے کیونکہ اُنہوں نے کبھی طاعون کا علاج نہیں کیا۔ اگلے روز مزید بہت سارے سپاہی بیمار پڑ گئے اور جو پہلے سے بیمار تھے اُنہوں نے جسم کے نیچے اور ران میں شدید درد کی شکایت کی۔ فوج کے طبیب کہنے لگے، بلا شبہ یہ طاعون ہی ہے کیونکہ طاعون کی علامات میں یہ شامل ہے کہ بغلوں کے نیچے اور ران میں شدید تکلیف ہونے لگتی ہے۔ اس کے شکار ہونے والوں کی بغل اور ران میں گلٹی سی بن جاتی ہے جو بے حد تکلیف دہ ہوتی ہے۔

تیمور نے ایک طبیب سے دریافت کیا، "اس بیماری کا علاج کیا ہے؟" وہ کہنے لگا، طاعون کا کوئی علاج نہیں، اس کا شکار یا تو مارا جاتا ہے یا پھر خود بخود ٹھیک ہو جاتا ہے۔" تیمور نے سہ پہر کے وقت اپنے سرداروں کو طلب کیا اور انہیں بتایا کہ "اگلے روز ہمیں بیمار سپاہیوں کو دار البجرد میں ہی چھوڑ کر یہاں سے بھاگنا ہو گا کیونکہ اگر ہم بیماروں کے صحت یاب ہونے کے انتظار میں رُکے رہے تو ساری فوج ہلاک ہو جائے گی۔ سورج

غروب ہوا اور تیمور نے مغرب کی نماز ادا کی۔ نماز کے بعد اُس کے ملازم کھانا لگانے والے تھے جب اچانک تیمور پر کپکپی طاری ہوگئی اور اُسے ٹھنڈے پسینے آنے لگے۔

تیمور نے اپنے ملازم کو کہا کہ وہ اُسے گرم پاپوش اُوڑھا دے تاکہ وہ گرم ہو سکے۔ ملازمین نے حکم کی تعمیل کی، تقریباً نصف گھنٹے بعد سردی کی کیفیت ختم ہوگئی۔ مگر اس کے ساتھ ہی بخار اور تیز سر درد نے اُسے آلیا۔ اسے حرارت پہنچانے کے لیے شاہی حکیم نے اسے ''گل گاؤزبان'' کا جوشاندہ پینے کو دیا تاکہ اس کا بخار اُتر جائے۔ اس کے علاوہ اس نے کچھ پتھر آگ میں ڈالے اور انہیں اچھی طرح گرم کر کے اس نے تیمور پر چادر ڈال دی اور پتھروں پر پانی چھڑکنے لگا، اس سے پتھروں سے بھاپ اُٹھنے لگی اور اتنی حرارت پھیل گئی کہ تیمور کو چادر سے منہ باہر نکالنا پڑا۔ مگر پھر آہستہ آہستہ بھاپ کی حرارت کم ہوتی گئی اور تیمور پر کچھ دیر کے لیے غنودگی طاری ہوگئی۔ مگر کچھ ہی دیر میں سر کا درد شدت اختیار کر گیا اور ساتھ ہی بخار کی حدت بھی بڑھ گئی۔ اور پھر اس کے بعد گل گاؤزبان کا کوئی فائدہ ہوا اور نہ ہی بھاپ ہی نے کچھ اثر کیا۔

جب اگلے دن کی روشنی پھیلی تو تیمور سر درد اور بخار کے باعث اس قدر بے حال تھا کہ نماز کے لیے بھی نہ اُٹھ سکا۔ تیمور نے فوج کے طبیب کو طلب کیا اور اُس سے پوچھا کہ کیا وہ بھی طاعون کا شکار ہو گیا ہے۔ طبیب خاموش کھڑا رہا اور کوئی جواب نہ دے سکا۔ تیمور نے اُس سے کہا، ''تم جواب کیوں نہیں دیتے؟ میں امیر تیمور ہوں اور مجھے موت کا کوئی خوف نہیں، اس دنیا میں آنے والے ہر شخص کو موت کا ذائقہ چکھنا پڑتا ہے، حتیٰ کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس دنیا سے چلے گئے اور مجھے بھی ایک نہ ایک دن موت آنی ہی ہے۔ ہاں مجھے اس بات کا قلق ضرور رہے گا کہ میری موت میدان جنگ میں کیوں نہ آئی اور مجھے بستر مرگ پر دنیا کو الوداع کہنا پڑ رہا ہے۔'' تیمور کی باتیں سُن کر طبیب کہنے لگا، ''اے امیر، تمہاری بیماری بالکل ویسی ہے، جیسی کہ تمہارے سپاہیوں کو لاحق ہے۔'' تیمور نے حکم دیا کہ اُس کے لیے کاغذ، قلم اور سیاہی حاضر کی جائے تاکہ اس سے پہلے کہ اس کی جسمانی قوت جواب دے جائے اپنی وصیت تحریر کر سکے۔

جب کاغذ، قلم اور دوات لائی گئی تو تیمور نے لکھنا شروع کیا کہ اگر میں طاعون سے مر جاؤں تو قراخان فوج کا سپہ سالار ہوگا، اُس کی یہ ذمہ داری ہوگی کہ فوج کو بحفاظت واپس سمرقند لے جا کر اسے میرے بڑے بیٹے کے سپرد کر دے، جو میرے بعد میری سلطنت میں شامل تمام ممالک کا فرمانروا ہوگا۔ اس کے بعد میرا بڑا بیٹا فوج کے سپہ سالار کا انتخاب کرے گا مگر بہتر یہی ہے کہ وہ قراخان کو یہ ذمہ داری سونپ دے۔ جیسے ہی قراخان سمرقند پہنچے تو میرے بیٹے اور میرے جانشین کا فرض ہے کہ وہ میری بیٹی (یعنی اپنی بہن زبیدہ) کا نکاح قراخان سے کر دے۔ تیمور نے وصیت میں یہ بھی لکھا تھا کہ اگر قراخان کی موت واقع ہو جائے تو امیر حسین فوج کی باگ ڈور سنبھال لے اور پھر یہ اُس کی ذمہ داری ہے کہ فوج کو سمرقند لے جا کر میرے جانشین اور فرزند کے سپرد کر دے۔ وصیت میں تیمور نے اپنی جائیداد، منقولہ اور غیر منقولہ اپنے بیٹوں کے نام کر دی اور لکھا کہ اُس کی دولت کو اُس کے بیٹوں کے درمیان اسلامی اصولوں کے مطابق تقسیم کر دیا جائے۔ اس نے یہ بھی نصیحت کی کہ قراخان اُس کے مرنے کے بعد اُس کا جنازہ سمرقند لے جائے اور اُسے وہاں دفن کرے۔

وصیت نامہ لکھنے کے بعد تیمور نے قراخان، امیر حسین اور فوج کے دوسرے سرداروں کو طلب کیا اور ان سے کہا، ''میں نے اپنا وصیت نامہ

لکھ دیا ہے۔ میرے مرنے کے بعد قراخان فوج کا سپہ سالار ہوگا اور اس کے بعد امیر حسین کے ذمہ فوج کا نظم و نسق ہوگا۔ فوج کا خزانہ قراخان کے ہاتھ میں رہے گا۔ اس کو اجازت ہے کہ خزانے سے فوج کے سرداروں اور سپاہیوں کی تنخواہیں اور وظیفے ادا کرتا رہے۔'' جب تیمور یہ باتیں کر رہا تھا تو قراخان بے اختیار ہو کر رونے لگا۔ تیمور نے اُسے روتا دیکھ کر کہا: ''قراخان کیا تُو میری بیٹی کے لیے رو رہا ہے اور تجھے یہ فکر ہے کہ میرے مرنے کے بعد میرا عہد پورا نہ ہوگا اور زبیدہ کا نکاح تجھ سے نہ ہوگا۔ اگر تجھے یہی فکر ہے تو جان لے کہ میں نے وصیت نامہ میں لکھ دیا ہے کہ سمرقند پہنچنے کے بعد زبیدہ کو تیرے نکاح میں دے دیا جائے۔'' قراخان روتے ہوئے کہنے لگا: ''اے امیر، میں اس لیے نہیں رو رہا کہ تیری لڑکی سے نکاح کی فکر میں مبتلا ہوں، بلکہ اس لیے رو رہا ہوں کہ تم اس دنیا سے رخصت ہو گئے تو پھر اس زمین پر تمہارے جیسا انسان دوبارہ کبھی پیدا نہیں ہوگا۔'' تیمور نے اس سے کہا: ''قراخان! تجھ جیسے انسان کو رونا زیب نہیں دیتا۔ آنسو پونچھ اور نئی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لیے خود کو تیار کر۔ آج سے تُو فوج کا سپہ سالار ہے اور تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ ایک سپہ سالار کے کندھوں پر عام سپاہی اور سردار کی نسبت بہت زیادہ اضافی ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔ اسے اپنے تمام افسروں سے زیادہ محنت کرنا پڑتی ہے اور ان سے زیادہ بے خوابی، تھکن اور دباؤ کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔'' تیمور کے کہنے پر قراخان نے آنسو پونچھ لیے اور سیدھا کھڑا ہو گیا مگر جذبات سے اس کے ہونٹ بدستور کپکپا رہے تھے۔ تیمور نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا: ''جیسا کہ تم لوگ جانتے ہو کہ میں نے فیصلہ کیا تھا کہ ہم بیمار سپاہیوں کو یہیں چھوڑ جائیں گے تاکہ پوری فوج طاعون میں مبتلا ہونے سے بچ جائے اور اس کے لیے آج ہی ہمیں یہاں سے روانہ ہونا تھا مگر اب میں خود طاعون میں مبتلا ہو گیا ہوں لہٰذا قراخان میرے فیصلے پر جلد از جلد عمل درآمد کرے گا اور میں اسے ہدایت کرتا ہوں کہ آج ہی فوج کو یہاں سے لے کر نکل جائے اور جتنی جلدی ہو سکے سمرقند پہنچ جائے۔ میں اور دوسرے بیمار سپاہی یہیں رہیں گے، صرف چند سپاہی یہاں چھوڑ جاؤ تاکہ میرے مرنے کے بعد وہ میرا جنازہ سمرقند پہنچا دیں۔''

قراخان بے تاب ہو کر بولا: ''اے امیر، تمہارا مطلب ہے کہ میں تمہیں یہاں اکیلا چھوڑ دوں اور ساری فوج کو لے کر یہاں سے چلا جاؤں؟'' تیمور نے کہا: ''ہاں! فوج کی بقاء کے لیے یہ ضروری ہے۔'' قراخان بولا: ''اے امیر، میں ایسا نہ کر سکوں گا۔'' تیمور نے کہا: ''اگر تُو ایسا نہ کرے گا تو تیرے سپاہی اور افسر جن میں تُو خود بھی شامل ہے، سب طاعون میں مبتلا ہو کر مارے جاؤ گے لہٰذا تمہارے پاس اور کوئی حل نہیں۔''

قراخان جذباتی ہو کر کہنے لگا: ''اے میرے آقا، میری اور میرے افسروں کی جان اور میرے تمام سپاہیوں کی جانیں مل کر بھی تمہاری جان جتنی قیمتی نہیں ہو سکتیں۔ ہم سب کی جانیں ایک طرف اور تیری جان ایک طرف بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ ساری دنیا کے انسانوں کی جانیں ایک طرف اور تیری جان ایک طرف، کیونکہ تیرے بعد کوئی ماں تجھ جیسے انسان کو دوبارہ جنم نہ دے سکے گی۔'' تیمور نے کہا: ''قراخان! تُو فوج کا سپہ سالار ہے اور ایک سپہ سالار کو جذبات سے بالاتر ہو کر صرف فوج کی سلامتی کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ اب تُو میرا جانشین ہے، میری موت کے بعد مستقل طور پر فوج کا سپہ سالار تُو ہوگا۔ تجھے یاد رکھنا چاہیے کہ فوج کی بقاء اور سلامتی سے زیادہ کسی اور چیز کو اہمیت حاصل نہیں۔ قراخان بولا: ''اے امیر، اگر تم کوئی معمولی انسان ہوتے تو میں تمہیں یہاں چھوڑ کر بقیہ فوج کے ساتھ نکل جاتا لیکن تم ''امیر تیمور'' ہو اور تم جیسے انسان کی قدر و قیمت میرے نزدیک اتنی زیادہ ہے کہ تمہارے لیے اس دنیا کے سارے انسانوں کو بھی قربان کر دیا جائے تو یہ کوئی بڑی قربانی نہ ہوگی۔ میں تمہیں اکیلا کیسے چھوڑ دوں اور فوج کو ساتھ

لے جاؤں جبکہ تمہارے دشمن تمہاری تاک میں ہیں۔ اس ملک کے جن لوگوں نے تمہارے بیٹے کو مارا ہے وہ تمہیں بھی قتل کر سکتے ہیں۔ اے میرے آقا میں اس وقت تک یہیں ٹھہرا رہوں گا جب تک کہ تم صحت یاب نہیں ہو جاتے۔ پھر ہم اکٹھے ہی واپس سمرقند جائیں گے۔ خدانخواستہ اگر خدا نے تمہاری روح کو واپس بلا لیا تو میں تمہاری وصیت کے مطابق جنازہ سمرقند لے جاؤں گا۔''

تیمور نے قراخان کو بضد دیکھ کر کہا: ''ٹھیک ہے تُو چاہے تو ٹھہر جا مگر فوج کو روانہ کر دے تا کہ باقی لوگ مرنے سے بچ جائیں۔'' قراخان بولا: ''ایسی حالت میں فوج کو روانہ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا کیونکہ فوج میں طاعون پوری طرح پھیل چکا ہے۔ اگر ہم لوگ یہاں سے چلے تو طاعون بھی ہمارے ساتھ ساتھ جائے گا اور ہمیں قتل کرتا رہے گا۔ اس کے علاوہ فوج چلی گئی تو عین ممکن ہے کہ دشمن ہم پر حملہ کر دے اور تنہا دیکھ کر ہمیں ختم کر ڈالے۔ چنانچہ تمہاری جان کی حفاظت کے لیے فوج کا بھی یہاں رہنا ضروری ہے۔'' تیمور نے کچھ کہنا چاہا مگر نقاہت کے سبب زبان جواب دے گئی، بس اس نے ہاتھ کے اشارے سے ان سب کو جانے کی اجازت دے دی، پھر خود بے جان ہو کر بستر پر لیٹ گیا۔ اگلے دن بغل کے نیچے اسے درد کا احساس ہونے لگا، جب اس نے ہاتھ سے درد کی جگہ کو ٹٹول کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہاں ایک گلٹی بن گئی ہے جو بُری طرح دُکھ رہی تھی۔ آہستہ آہستہ درد اس قدر بڑھ گیا کہ تیمور بے چین ہو کر کروٹیں بدلنے لگا۔ تیمور کا حکیم درد کی جگہ پر مسلسل ٹھنڈا پانی ڈالتا جا رہا تھا، اس سے تیمور کو قدرے سکون ملتا تھا۔

تیسرے دن بغل کے نیچے بننے والی گلٹی ایک بڑے سیاہ رنگ کے پھوڑے کی صورت میں تبدیل ہو گئی اور اس کے بعد تیمور پر ہزیانی کیفیت طاری ہو گئی۔ اسے اس قدر تیز بخار ہو گیا کہ اس کے پاس بیٹھے لوگوں کو یوں محسوس ہوتا جیسے وہ آتش دان کے سامنے بیٹھے ہیں۔ اس کے بعد تیمور کو اپنی خبر نہ رہی۔ اسے کچھ پتا نہ تھا کہ اس پر کیا بیت رہی ہے۔ وہ خوابوں میں کبھی خود کو سمرقند میں دیکھتا اور کبھی آل مظفر کے شہزادوں کے کٹے ہوئے سر اس کی نظروں کے سامنے گھومنے لگتے۔ کبھی توک تامیش کا پیچھا کرتے ہوئے وہ پہاڑوں میں نکل جاتا تو کبھی برطانی طوفانوں میں راستہ بھٹک جاتا...... اور وہ یونہی اِدھر اُدھر بھٹک رہا تھا کہ یکا یک ایک آواز اس کے کانوں میں پڑی جو کہہ رہی تھی: ''کھل گیا، کھل گیا......'' اور پھر تیمور کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے درد میں کمی واقع ہو رہی ہے۔

اگلے دن تیمور کو پتہ چلا کہ اسے جو آواز سنائی دی تھی وہ اس کے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں کی تھی۔ دراصل اس کی بغل میں موجود پھوڑے کا منہ کھل گیا تھا اور یہی دیکھ کر وہ لوگ چلائے تھے کہ اس میں سے فاسد مادہ خارج ہونے لگا تھا۔ پھر جیسے جیسے وہ فاسد مادہ نکلتا گیا تو تیمور کی حالت میں بہتری آتی گئی لیکن بیماری کے سبب وہ اس قدر کمزور ہو چکا تھا کہ اُٹھ کر چل نہیں سکتا تھا۔ البتہ ٹیک لگا کر بیٹھ سکتا تھا۔

جہاں تیمور اور اس کی فوج ٹھہری ہوئی تھی یعنی دار البجرد، وہاں سے جو بھی بھاگ سکتا تھا، بھاگ گیا تھا، محض بوڑھے اور ناتواں بچے ہی وہاں باقی رہ گئے تھے۔ ایک روز ایک مقامی بوڑھا شخص تیمور کے پاس آیا اور اسے بتایا گیا کہ یہ شخص ''دستور'' ہے یعنی مجوسیوں کا مذہبی پیشوا۔ اس کی کمر جھکی ہوئی تھی اور بڑھاپے کے باعث منہ میں دانت بھی نہ تھے۔ وہ بولا: ''اے امیر میں نے سنا ہے کہ تم ابھی بیماری سے شفایاب ہوئے ہو، میں تمہارے لیے شہد لایا ہوں، اسے کھانے سے تمہارے جسم میں طاقت آ جائے گی۔'' تیمور نے اس بوڑھے سے پوچھا: ''تم یہاں سے کیوں نہ بھاگ

گئے جبکہ سب لوگ یہاں سے طاعون کے خوف کی وجہ سے بھاگ چکے ہیں؟'' بوڑھا کہنے لگا،''اے امیر، میں چونکہ ہر روز تھوڑا سا شہد کھاتا ہوں، اس لیے مجھے طاعون کا کوئی خوف نہیں کیونکہ جو شخص شہد کھائے وہ طاعون جیسی بیماریوں سے بچا رہتا ہے۔'' تیمور نے اس سے دریافت کیا،''تجھے کس نے بتایا کہ جو شخص ہر روز شہد کھاتا ہو تو وہ طاعون جیسی بیماریوں سے بچا رہتا ہے؟'' دستور نے جواب دیا:''یہ بات ہماری کتاب میں لکھی ہوئی ہے کہ اگر کوئی شخص ہر روز شہد کھائے تو وہ مختلف جان لیوا بیماریوں سے محفوظ رہے گا اور پہلی بار جس شخص نے یہ بات ہمیں بتائی وہ''گیومرت'' تھا۔'' تیمور نے پوچھا:''یہ گیومرت کون تھا؟'' بوڑھا بولا،''امیر کیا تم نے کبھی فردوسی کا''شاہنامہ'' پڑھا ہے؟'' تیمور نے کہا،''ہاں۔'' بوڑھا کہنے لگا،''گیومرت وہی شخص ہے جسے شاہنامہ میں''کیومرث'' کے نام سے پکارا گیا ہے مگر اس کا اصل نام گیومرت ہے۔ جس کا مطلب ہے''پڑھا لکھا آدمی۔''

تیمور نے کہا،''اس بارے میں تمہارا علم شاہنامہ لکھنے والے سے بھی زیادہ ہے، جس کے مقبرے پر طوس میں، میں نے ہی تختی نصب کرائی ہے۔ تمہارا علم فردوسی سے اس لیے زیادہ ہے کہ تم اس کی تصحیح کر رہے ہو۔'' بوڑھا کہنے لگا،''ہاں اے امیر، مگر میں شعر کہنا نہیں جانتا تاہم میرے پاس فردوسی سے زیادہ علم ہے اور میں ایران کے کئی بادشاہوں کے ناموں سے واقف ہوں۔ یہ نام ہماری کتاب میں تحریر ہیں اور فردوسی جو کہ قدیم فارسی پڑھنا نہیں جانتا تھا یا پڑھنا ہی نہ چاہتا تھا، اس نے ان بادشاہوں کے وہی نام لکھے ہیں جن سے انہیں عام طور پر پکارا جاتا تھا۔'' پھر اس بوڑھے شخص نے شہد کی افادیت کے بارے میں کچھ معلومات بتائیں اور بتایا کہ یہ شہد جو وہ تیمور کے لیے لایا تھا، اس کے اپنے چھتوں سے حاصل کردہ ہے۔ اس نے تیمور کو یقین دلایا کہ اگر اس نے یہ شہد کھا لیا تو بہت جلد اس کی طاقت بحال ہو جائے گی۔

تیمور نے اس بوڑھے شخص کو سونے کے سکے دینے چاہے مگر بوڑھے شخص نے انہیں لینے سے انکار کر دیا اور کہنے لگا،''اے امیر، میں یہاں شہد بیچنے نہیں آیا بلکہ میں تو تمہاری خدمت انجام دینے کی نیت سے آیا تھا۔'' تیمور نے اس شخص کو شکریہ کے ساتھ رخصت کیا اور اگلے کئی دنوں تک اس کا دیا شہد کھاتا رہا اور اس سے اُسے واقعی اپنے اندر توانائی محسوس ہونے لگی۔ اس وقت سے لے کر آخری دم تک تیمور کو جب بھی کمزوری محسوس ہوتی تو وہ تھوڑا سا شہد کھا لیتا اور اس کی کمزوری دُور ہو جاتی۔

تیمور چونکہ علم کا قدردان تھا اور اہل علم کی خوب تکریم کیا کرتا اور ان کی صحبت سے فیض حاصل کیا کرتا تھا لہٰذا اس کی خواہش تھی کہ اس بوڑھے شخص کے ساتھ بھی نشستیں رکھے تاکہ اس کے علم سے فیض حاصل کر سکے مگر وہ دار البجرد میں زیادہ دیر تک ٹھہر نہیں سکتا تھا کیونکہ طاعون اس کی فوج کو تیزی سے لپیٹ میں لے رہا تھا۔ تیمور نے بیمار سپاہیوں کو دار البجرد ہی میں چھوڑا اور ان کی دیکھ بھال کے لیے کچھ سپاہیوں کو وہیں رہنے دیا اور انہیں ہدایت کی کہ ان بیمار سپاہیوں میں سے جو صحت یاب ہو جائیں انہیں سمرقند روانہ کر دیا جائے اور جو مارے جائیں تو انہیں وہیں دفن کر دیا جائے۔

جس دن تیمور دار البجرد سے رخصت ہونے لگا اس دن وہی بوڑھا شخص اس سے ملنے آیا جس نے اسے شہد کا تحفہ دیا اور اس کی اہمیت سے آگاہ کیا تھا۔ وہ شخص کہنے لگا،''اے امیر تم کہاں جا رہے ہو؟'' تیمور نے کہا،''میں واپس اپنے ملک جا رہا ہوں۔'' وہ کہنے لگا،''اے امیر، اگر تم اپنے ملک واپس لوٹ گئے تو تمہارے وطن کے سارے باشندے طاعون میں مبتلا ہو جائیں گے ماسوائے ان کے جو ہر روز شہد کھانے کے عادی

ہوں۔'' تیمور نے کہا،'' ایسا نہیں ہوگا کیونکہ میرے ملک کے لوگ ہمیشہ شہد کھاتے ہیں۔''

وہ بوڑھا شخص کہنے لگا،'' ایسی صورت میں تمہیں چاہیے کہ اپنی فوج کے سارے سپاہیوں کو اپنے ملک میں داخل ہونے سے پہلے ''دھونی'' دو تا کہ طاعون کی بُو ان کے بدنوں سے دُور ہو جائے۔'' تیمور نے اس شخص سے دریافت کیا،'' میں اپنے سپاہیوں کو ''دھونی'' کیسے دوں؟'' بوڑھے نے کہا:'' کسی ایسی جگہ جا کر ٹھہر جاؤ جہاں بڑے بڑے کمروں والے گھر بنے ہوں اور پھر وہاں خشک جھاڑیاں لانے کا حکم دو، اپنے تمام سپاہیوں کو ان کمروں میں جمع کرو اور ان کمروں میں بہت ساری خشک جھاڑیوں کو جلا دو۔ اگر ان جھاڑیوں پر تھوڑا تھوڑا پانی چھڑک دیا جائے تو اور بھی اچھا ہے کہ اس سے ان جھاڑیوں پر لگی آگ سے زیادہ دھواں اُٹھے گا اور وہ جلدی جل کر ختم بھی نہ ہوں گی۔ تمہارے سپاہیوں کو اس دھوئیں میں مسلسل دس روز تک ہر روز ایک گھنٹہ رہنا ہوگا۔''

تیمور نے بوڑھے شخص کو بتایا کہ ایسا کرنے سے ہو سکتا ہے کہ اس کے سارے سپاہی دم گھٹنے سے ہلاک ہو جائیں مگر وہ معمر شخص کہنے لگا،'' اس کمرے کے دروازوں کو کھلا رہنے دینا اور جلائی جانے والی جھاڑیوں کی تعداد بھی زیادہ نہیں ہونی چاہیے۔ اگر تم مسلسل دس روز تک ایسا ہی کرتے رہے تو تمہارے سپاہیوں کے جسموں سے طاعون کی بُو نکل جائے گی اور جب تم لوگ خوارزم پہنچو گے تو تم سے ملنے والے لوگ اس بیماری کا شکار نہ ہوں گے۔ ورنہ تو یہ موذی مرض تمہارے پورے ملک میں پھیل کر ہزاروں لوگوں کو ہلاک کر ڈالے گا۔''

تیمور نے ایک بار پھر بوڑھے کو کچھ رقم دینے کی کوشش کی مگر بوڑھے نے اس بار بھی منع کر دیا۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ ایک قناعت پسند شخص ہے اور اپنے ہاتھوں سے جو کماتا ہے اسی پر راضی خوشی زندگی بسر کرتا ہے، اس کا ایک باغ اور کھیت تھا جو اس کے گزارے کے لیے کافی تھا۔ اس کے بعد تیمور اپنی فوج کے ساتھ دار البجردہ سے روانہ ہو گیا۔ چونکہ اس وقت تک موسم تبدیل ہو کر سرد ہو چکا تھا تو وہ اپنی راہ میں آنے والے ان صحراؤں کو عبور کر سکتے تھے جو فارس اور خراسان کے درمیان واقع تھے تاہم بیماری نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا تھا اور کوئی ایسا دن نہ گزرتا کہ جب ان کی فوج کے چند سپاہی بیمار نہ پڑ جاتے۔ جب کوئی راستہ نہ بچا تو وہ لوگ ''کاریز عرب'' نامی ایک گاؤں میں رُک گئے اور تیمور نے اپنے سپاہیوں کو ''دھونی'' دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اس گاؤں کو ''کاریز عرب'' کے نام سے اس لیے پکارا جاتا تھا کہ اس گاؤں میں امیر عرب نامی ایک سردار نے زیر زمین پانی کے نالے بنوائے تھے، جن کے ذریعے گاؤں کے لوگ پانی حاصل کر پاتے تھے۔

اس جگہ ایک قلعہ موجود تھا جس میں دو بڑے اصطبل بنے ہوئے تھے، چنانچہ تیمور نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ باری باری ان اصطبلوں میں ''دھونی'' لینا شروع کر دیں اور اس دوران جبکہ سپاہی ''دھونی'' لے رہے تھے تو انہوں نے اپنے گھوڑے باہر صحرا میں باندھے رکھے۔ جب مسلسل دس روز تک روزانہ ایک گھنٹہ ''دھونی'' کا عمل مکمل ہو گیا تو وہ لوگ اس گاؤں سے آگے بڑھ گئے۔ اس کے بعد تیمور کی فوج کا کوئی سپاہی بیمار نہ پڑا اور یوں لگا کہ جیسے اس بوڑھے شخص کا کہا حرف بہ حرف درست ثابت ہوا ہو اور سپاہی طاعون کی بُو سے آزاد ہو گئے ہوں۔ چنانچہ وہ لوگ سمرقند پہنچ گئے اور تیمور نے وہاں پہنچتے ہی فارس کے حاکم کو خط لکھا کہ اس بوڑھے شخص کو یہ پیغام پہنچا دے کہ اس خدمت کے بدلے جو اس نے تیمور کے لئے انجام دی ہے، اس نے آئندہ پانچ برسوں کیلئے فارس میں رہنے والے تمام مجوسیوں کا خراج معاف کر دیا ہے۔ لیکن فارس کے حاکم نے کبوتروں کے

ذریعے پیغام بھیج کر یہ خبر سنائی کہ وہ بوڑھا شخص وفات پا گیا ہے اور اس کا جنازہ مجوسیوں کے مخصوص دخمے میں رکھ دیا گیا ہے۔ تیمور نے فارس کے حاکم کو ہدایت کی کہ تمام مجوسیوں کو اس کے فیصلے سے آگاہ کر دے اور انہیں سمجھا دے کہ ان کے مذہبی پیشوا نے دار البجرد میں امیر تیمور گورگین کیلئے جو خدمت انجام دی ہے، اس کے بدلے میں فارس کے تمام مجوسی اگلے پانچ سال تک خراج دینے سے معاف ہیں۔

اپنے وطن پہنچ کر تیمور شہر کیش کی طرف چلا گیا تاکہ دیکھ سکے کہ اسے اس کے منصوبے کے مطابق تعمیر کیا گیا ہے یا نہیں۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے، تیمور اس شہر کو دنیا کا خوبصورت اور آباد ترین شہر بنانا چاہتا تھا اور اس کی خواہش تھی کہ دنیا کے کسی بھی شہر میں پائی جانے والی خوبصورتی اس کے شہر کیش میں یکجا ہو جائے۔ جس دن تیمور کیش میں داخل ہوا تو وہاں سڑکوں پر جن کی چوڑائی ایک سو ستر فٹ تھی پیدل ہی چل نکلا۔ تیمور نے ہر گھر پر دستک دی اور اندر داخل ہو کر دیکھا تاکہ شہریوں کے اطوار زندگی سے آگاہ ہو سکے اور یہ جان سکے کہ آیا کہ وہ اپنی زندگی سے مطمئن ہیں یا نہیں۔

تیمور نے دیکھا کہ کیش کے سارے گھر عمدہ تعمیراتی مواد سے بنے تھے اور ان گھروں کے لوگوں نے اپنی زندگی سے مکمل طور پر مطمئن ہونے کا اظہار کیا۔ شہر کا ایک حصہ ابھی بھی زیر تعمیر تھا۔ چنانچہ مزدور، معمار، سنگ تراش اور ماہر کاریگر جنہیں تیمور دنیا بھر سے جمع کر کے وہاں لایا تھا، شہر کے اس حصے میں عمارتیں تعمیر کر رہے تھے۔ تیمور نے ہدایت کی کہ شہر میں تمام تعمیراتی کام اس کے ہندوستان کے سفر سے لوٹنے سے پہلے مکمل کر لیے جائیں۔ اس کے بعد وہ دنیا کے تمام بادشاہوں کو اپنے شہر کیش میں بطور مہمان مدعو کرنا چاہتا تھا تاکہ انہیں اس دور کے خوبصورت ترین شہر کا نظارہ کروا سکے۔

کیش کا معائنہ کرنے کے بعد تیمور سمرقند چلا آیا، تاہم اپنے معمول کے مطابق اس نے شہر میں دس روز سے زیادہ قیام نہ کیا، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ شہر میں زیادہ عرصہ قیام اسے آرام پسند بنا دے گا اور پھر اس کے لئے صحرا میں قائم فوجی چھاؤنی میں قیام کرنا مشکل ہو جائیگا۔ تیمور آرام اور عیش وعشرت سے اس لیے گریزاں تھا کہ وہ بخوبی جانتا تھا، جو بھی سلطان یا سپہ سالار عیش وعشرت اور آرام پسندی کا شکار ہو جائے تو وہ خود بخود مٹی میں مل جاتا ہے یا پھر ایک طاقتور دشمن سامنے آتا ہے اور اس کے آرام پسند جسم کو خاک میں ملا کر خون آلود کر دیتا ہے۔ چنانچہ تیمور نے ٹھیک دس روز کے بعد شہر چھوڑ کر بیابان میں فوجی چھاؤنی قائم کی اور ہندوستان کے سفر کی تیاریاں شروع کر دیں۔

جن دنوں وہ لوگ ہندوستان جانے کی تیاریاں کر رہے تھے تو تیمور کے سپاہی جمعہ کے دن کے سوا، ہر روز باقاعدگی سے جنگی مشقیں انجام دیتے۔ تیمور خود بھی بلاناغہ ان مشقوں میں شریک ہوتا۔ تیمور اس بات میں یقین رکھتا تھا کہ اس کے بدن کو بھی دوسرے سپاہیوں کی طرح مشقوں کی ضرورت ہے تاکہ اس کا بدن سستی اور کاہلی کا شکار ہو کر قوت اور پھرتی سے محروم نہ ہو جائے۔

تیمور کافی عرصہ سے ہندوستان جانے کا منصوبہ بنائے ہوئے تھا اور اسے علم تھا کہ ہندوستان کے دو راستے ہیں۔ ایک راستہ خراسان، زابلستان، مکران اور توران سے ہو کر گزرتا تھا اور دوسرا راستہ جو وہ اختیار کر سکتا تھا وہ کابلستان سے گزر کر غور اور اسکندریہ کی طرف سے تھا جو گھومتا ہوا ہندوستان لے جاتا تھا۔ اگر تیمور خراسان، زابلستان، مکران اور توران کا راستہ اختیار کرتا تو اسے کافی طویل فاصلہ طے کرنا پڑتا۔ طوالت کے علاوہ اس راستے میں لق ودق صحرا اور خشک قطعہ ارض موجود تھے اور کئی مقامات پر پانی کا نام ونشان تک نہ ملتا تھا۔ ایک بڑی فوج کو ان صحراؤں سے گزرتے ہوئے بے حد مشکلات کا سامنا کرنا پڑ سکتا تھا۔ اسی وجہ سے تیمور نے ہندوستان جانے کے لئے کابلستان، اسکندریہ اور غور کا راستہ اختیار

کرنے کا فیصلہ کیا کیونکہ یہ راستہ طوالت میں کم تھا اور اس راستے میں ہر جگہ پانی بھی دستیاب تھا۔ مزید یہ کہ پہلا راستہ اختیار کرنے پر تیمور کو مقامی حاکموں سے لڑائی بھی لڑنی پڑ سکتی تھی۔

تیمور اس بارے میں قطعی لاعلم تھا کہ توران کا حاکم اس کے ساتھ کیسے پیش آئے گا اور آیا وہ اس کی فوج کو توران سے گزر کر ہندوستان جانے دے گا یا تیمور کو جنگ کے ذریعے اپنا راستہ صاف کرنا ہوگا۔ اگر جنگ کی صورت حال پیدا ہو جاتی تو اس سے تیمور کے ہندوستان پہنچنے میں تاخیر ہو جاتی اور اس کی فوج بھی کمزور پڑ سکتی تھی۔

دوسرا راستہ اختیار کرنے کی صورت میں بظاہر اس کے راستے میں کوئی دشمن نہ تھا۔ دوسرے لفظوں میں کابلستان، غور اور اسکندریہ کے حکمرانوں کی اس سے کوئی دشمنی نہ تھی اور ان میں سب سے زیادہ طاقتور ابدال کلزئی تھا، جسے تیمور نے پہلے شکست دی تھی اور بعد ازاں جان بخشی کر کے دوست بنالیا تھا، (اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے)۔ چنانچہ تیمور نے ابدال کلزئی کو ایک خط لکھا اور اس میں تحریر کیا کہ: ''میں مستقبل میں ہونے والی ایک لڑائی کے لیے تیری مدد چاہتا ہوں، کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تو اور تیرے سپاہی بے حد بہادر ہیں اور میری بے حد مدد کر سکتے ہیں میں جس ملک سے جنگ لڑنے جا رہا ہوں وہ دنیا کا امیر ترین ملک ہے۔ اگر میں اسے فتح کرنے میں کامیاب رہا تو میں تیرے سپاہیوں کو اس ملک میں مال غنیمت لوٹنے کی کھلی چھٹی دے دوں گا، مگر جنگ کے بعد تمہارا انعام اس سے کہیں بڑھ کر ہوگا میں تمہیں اس قدر ہیرے اور سونا دوں گا کہ تیری آئندہ آنے والی دس نسلیں بھی اسے خرچ کرتی رہیں تو ختم نہ ہوگا۔''

تیمور نے خط میں ابدال کلزئی کو تاکید کی کہ ''تو جتنے بھی غور سپاہی مہیا کر سکے تو اتنا ہی اچھا ہے۔ مجھے توقع ہے کہ بادشاہ غور کم از کم 20 ہزار سپاہی فراہم کر دے گا اور یہ کہ جس دن میں ملک غور میں داخل ہوں گا، اس دن سے میری مہم کے ختم ہونے تک غور کے سپاہیوں کے تمام اخراجات میرے ذمہ ہوں گے۔ اگر بادشاہ غور چاہے تو میں یہ اخراجات پیشگی ادا کرنے کو تیار ہوں۔''

جواب میں ابدال کلزئی نے لکھا: ''میں جانتا ہوں تم کہاں جنگ لڑنے جا رہے ہو۔ تم نے پہلے ہی اس کا ذکر مجھ سے کیا تھا جب تم غور میں تھے میں تمہارے لئے 20 ہزار سپاہی فراہم کرنے کو تیار ہوں، مگر میرے زیادہ تر سپاہی ایسے ہیں جو بال بچے دار ہیں اور انہیں کسی بھی مہم پر جانے سے پہلے اپنے بیوی بچوں کو ضروریات زندگی کی فراہمی یقینی بنانی ہوگی۔ اگر تم انہیں جنگ کے لئے اپنی فوج میں شامل کرنا چاہتے ہو تو تمہیں انہیں کچھ معاوضہ پیشگی دینا ہوگا۔''

ابدال کلزئی کے جواب میں تیمور نے لکھا کہ وہ ان سپاہیوں کی نصف سال کی تنخواہیں پیشگی ادا کرنے کو تیار رہے تا کہ یہ سپاہی اپنے بیوی بچوں کی طرف سے بالکل مطمئن ہو کر میدان جنگ میں اُتریں۔ تیمور ہندوستان کی سرزمین میں اس وقت داخل ہونا چاہتا تھا جب وہاں موسم برسات ابھی شروع نہ ہوا ہو۔ چنانچہ یہ باتیں مدنظر رکھتے ہوئے اس نے کابلستان کی طرف سفر کا آغاز کر دیا۔

تیسواں باب

ہندوستان کی پراسرار سرزمین

ہندوستان کی طرف جاتے ہوئے تیمور چاہتا تو اپنی سلطنت میں شامل تمام مملکتوں کے سربراہوں سے فوج کے بندوبست کا مطالبہ کر سکتا تھا اور یوں وہ ہندوستان کی طرف کئی لاکھ کی فوج کے ساتھ حملہ آور ہو سکتا تھا۔ لیکن کئی لاکھ کی فوج کا نظم ونسق سنبھالنا اس قدر مشکل کام تھا کہ کہا جا سکتا ہے یہ ناممکنات میں سے تھا کیونکہ اتنی بڑی فوج کے لئے اشیائے خوردنی اور گھوڑوں کے لیے چارہ فراہم کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ پھر جب موسم تبدیل ہوتا تھا تو اتنے زیادہ سپاہیوں کو موسمی اثرات سے بچانے کا انتظام بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اسی لئے تیمور زیادہ تر جنگوں میں ایک لاکھ بیس ہزار سے زیادہ کی فوج نہیں لے جایا کرتا تھا اور ہندوستان کی طرف پیش قدمی کے لیے بھی اس کی فوج میں ایک لاکھ بیس ہزار سپاہی ہی تھے بشمول ان سپاہیوں کے جو بادشاہ غور ابدال کلوئی نے اس کے لئے فراہم کیے تھے۔ ایک لاکھ بیس ہزار جانوروں کے لیے چارہ کی فراہمی یقینی بنائی جا سکتی ہے۔ مگر کئی لاکھ کی فوج کو ہر جگہ یہ سب چیزیں فراہم نہیں کی جا سکتیں۔

تیمور اپنی فوج کے ساتھ سمرقند سے چلا تو اس نے آسمان کی طرف منہ کیا اور بولا: ''اے میرے خدا! تو جانتا ہے کہ مجھے کسی تلوار، نیزے یا موت کا بھی کوئی خوف نہیں ہے، لہٰذا آج جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ کسی خوف کے باعث نہیں ہے میں جانتا ہوں کہ ایک جنگجو مرد کا ٹھکانا میدان جنگ ہے اور ایک جنگجو مرد کو میدان جنگ میں ہی موت کو گلے لگانا چاہیے۔ لیکن اگر میں ہندوستان کے اس سفر سے واپس آ سکا اور سمرقند واپس پہنچنے تک میری زندگی کے کچھ سال باقی رہے تو میں اس شہر میں تیری عبادت کرنے والوں کے لیے ایک عالی شان مسجد بنواؤں گا۔ اے میرے پروردگار بس تیری عبادت کے لیے!'' پھر تیمور نے رکاب میں پاؤں رکھا اور آگے بڑھتا ہوا کابلستان پہنچا اور وہاں سے غور پہنچ گیا۔ یہاں پہنچ کر تیمور نے غوری سپاہیوں کو چھ ماہ کی پیشگی تنخواہیں دیدیں جنہیں ابدال کلوئی نے ہندوستان جانے کے لیے فراہم کیا تھا۔ ابدال کلوئی خود بھی تیمور کے ساتھ ہندوستان پر حملے کے لیے شامل ہو گیا اور پھر وہ لوگ اسکندریہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

اس سفر میں تیمور کے تمام سردار ماسوائے قراخان کے اس کے ساتھ تھے۔ تیمور نے اپنے وعدے کے مطابق سمرقند پہنچتے ہی اپنی بیٹی زبیدہ کا نکاح قراخان سے کر دیا تھا اور یہ ان کے ہاں رسم تھی کہ جو شخص نئی نئی شادی کرتا تو وہ تین ماہ تک جنگوں میں حصہ لینے سے معاف ہوتا تھا کیونکہ اسے اپنی نئی نویلی دلہن کے ساتھ کچھ وقت گزارنے کا موقع دیا جاتا۔ قراخان نے تیمور سے کہا کہ وہ تین ماہ بعد ہندوستان میں اس سے آ ملے گا۔ اسکندریہ داخل ہونے سے پہلے حاکم اسکندریہ تیمور کے استقبال کو آیا اور 60 کلومیٹر پہلے ہی انہیں خوش آمدید کہتے ہوئے سونے کے بے شمار سکے نذر کرنا چاہے۔ تیمور نے سن رکھا تھا کہ اسکندریہ کا حاکم غربت کا شکار ہے تاہم اس کے تحفے کو ٹھکرانے کے بجائے تیمور نے قبولیت کے اظہار کے طور پر سونے کا ایک سکہ اُٹھایا

اور باقی واپس کر دیئے اور اسکندریہ کے حاکم سے کہا کہ انہیں اپنے بال بچوں اور رعایا پر خرچ کر دو۔ اسی وجہ سے تیمور نے اسکندریہ کے حاکم کی قیام وطعام کی پیش کش بھی قبول نہ کی اور فقط ایک دن اس کے دستر خوان پر بیٹھا اور اس کے ساتھ بھنے ہوئے دُنبے کا گوشت نوش کیا۔

تیمور نے اسکندریہ کے حاکم سے پوچھا، ''کیا ہندوستان جانے کیلئے درہ خیبر کے علاوہ بھی کوئی راستہ ہے؟'' وہ شخص کہنے لگا، ''نہیں امیر والا، یہاں سے پنجاب کی طرف جانے والے ہر شخص کو درہ خیبر سے گزرنا پڑتا ہے۔ لیکن اے امیر، تم اس درہ خیبر سے ہوشیار رہنا، کیونکہ بے حد خطرناک جگہ ہے وہاں سے گزرتے ہوئے محتاط رہنا چاہیے۔'' تیمور نے پوچھا، ''آخر کیوں، وہاں سے گزرتے ہوئے محتاط رہنا چاہیے؟'' اسکندریہ کا حاکم بولا، ''کیونکہ وہاں ہر وقت لٹیرے موجود ہوتے ہیں جو دن رات وہاں سے گزرنے والوں کے منتظر رہتے ہیں اور ہر موڑ اور ہر چڑھائی پر انہیں لوٹ کر قتل کر دیتے ہیں۔'' تیمور نے دریافت کیا: ''اس درہ کی لمبائی کتنی ہے؟'' اسکندریہ کے حاکم نے جواب دیا: ''یہ درہ 66 کلومیٹر لمبا ہے اور لٹیرے پہاڑیوں پر اُگی جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھ جاتے ہیں جو اس راستے کے دونوں جانب موجود ہیں اور اچانک حملہ کر کے وہاں سے گزرنے والوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیتے ہیں۔''

اسکندریہ کے حاکم نے وہاں سے رخصت ہونے سے قبل 12 سفری رہنما تیمور کے ساتھ کر دیئے اور چونکہ تیمور کی فوج بیس بیس ہزار کے دستوں میں منقسم تھی لہٰذا تیمور نے ہر دستے کے سردار کو دو سفری رہنما دے دیئے اور وہ آگے بڑھ گئے۔ اگرچہ تیمور کو یقین تھا کہ لٹیرے درہ خیبر سے گزرنے والی اس عظیم فوج پر حملے کی غلطی نہ کریں گے مگر پھر بھی اس نے اس درہ خیبر سے گزرنے سے قبل دو ہراول دستے فوج کے آگے متعین کیے اور انہیں ہدایت کی کہ راستے کے دونوں طرف کڑی نگرانی کریں اور ہر چیز کی خوب تحقیق کریں تاکہ لٹیروں کا حملہ ان کے سفر میں رکاوٹ نہ بنے۔

درہ خیبر کے اردگرد موجود پہاڑیوں کی بلندی خاصی کم تھی اور وہ بالکل ٹیلوں کی طرح دکھائی دیتی تھیں۔ لہٰذا ہراول دستے کے سپاہی پہاڑیوں کے اوپر سے باآسانی گزر راور راستے کی نگرانی کر سکتے تھے۔ تیمور فوج کے مرکزی حصے میں پہلے دستے کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا، تاہم حفاظتی دستے اُسے پل پل کی تیمور کی خبروں سے آگاہ کر رہے تھے۔ اگر راستہ ہموار ہوتا اور اس میں اونچی جگہیں نہ ہوتیں تو تیمور اور اس کے سپاہی سورج غروب ہونے سے پہلے درہ سے گزر جاتے کیونکہ انہوں نے اپنے سفر کا آغاز نصف دن گزرنے پر کیا تھا۔ مگر وہ راستہ نشیب وفراز، موڑوں اور پیچ وخم پر مشتمل تھا اور بعض مقامات پر انتہائی پتھریلا تھا، لہٰذا انہیں وہاں سے گزرنے میں مشکلات پیش آ رہی تھیں۔

سفری رہنماؤں نے بتایا کہ انہیں رات درہ خیبر ہی میں بسر کرنا ہوگی اور باقی فاصلہ اگلے دن طے کرنا پڑے گا۔ تیمور نے سفری رہنماؤں کی بات پر آمادگی ظاہر کر دی مگر اس صورت میں کہ وہاں فوجی چھاؤنی قائم کی جا سکے۔ انہوں نے بتایا کہ راستے سے ذرا ہٹ کر ایک کھلا میدان موجود ہے جس کی لمبائی 3500 فٹ ہے، اور یہ میدان چاروں طرف سے پہاڑوں میں گھرا ہوا ہے اور وہاں رات بسر کی جا سکتی ہے۔ سفری رہنماؤں نے بتایا کہ وہ چھوٹا سا قطعہ ارض ''دشت پاتان'' کہلاتا ہے۔

بہار کا موسم تھا اور تیمور نے پہاڑوں سے بہتے نالے دیکھ کر اندازہ لگایا کہ شاید انہیں اس میدان میں پانی مل جائے گا، تاہم اس بارے میں پُریقین ہونے کے لیے اس نے ایک سفری رہنما کے ساتھ اپنے چند سپاہیوں کو بھیجا تاکہ وہ یہ پتہ چلا سکیں کہ وہ میدان فوجی چھاؤنی قائم کرنے

کے لیے مناسب تھا یا نہیں اور کیا وہاں پانی دستیاب تھا۔ وہ سپاہی جنہیں تیمور نے تحقیق کے لیے روانہ کیا تھا واپس آئے اور انہوں نے بتایا کہ وہ میدان اتنا وسیع ہے کہ وہاں خیمہ گاہ قائم کی جا سکتی ہے اور وہاں پانی بھی موجود تھا۔

جب تیمور خود اس میدان میں پہنچا تو سورج غروب ہو چکا تھا تاہم اس کی سلگتی روشنی ابھی بھی باقی تھی۔ تیمور نے دیکھا کہ اس میدان کے چاروں طرف جو پہاڑ موجود تھے ان کا ارض ایک ڈھلوان کی صورت میدان سے آملتا تھا۔ تاہم ان پہاڑوں کی بلندی اس قدر زیادہ تھی کہ اس کے اوپر سے گزر کر دوسری طرف جانا ممکن نہ تھا۔ اگرچہ بظاہر اس میدان میں کوئی خطرہ موجود نہ تھا مگر تیمور ان پہاڑوں کو دیکھتے ہوئے حیرت میں ڈوب گیا۔ گویا پہاڑوں کی ہیبت نے اسے دم بخود کر دیا ہو۔ ایسا بہت کم ہوا تھا کہ وہ پہاڑوں کو دیکھ کر متاثر ہوا ہو، تاہم اس جگہ وہ جس طرف بھی نظر اٹھاتا تو اسے ایسے پہاڑ کھڑے نظر آتے جن میں ایک شگاف تک موجود نہ تھا۔ وہ سارے پہاڑ طویل القامت اور سیاہ رنگ کے تھے۔ یہ پہاڑ نیچے سے باریک تھے جبکہ ان کی چوٹیاں پھیلی ہوئی تھیں انہیں دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے یہ عظیم پہاڑ ابھی گر کر میدان میں موجود تمام لوگوں کو ابدی نیند سلا دیں گے۔

ان پہاڑوں کے دامن میں پانی کی ندیاں بہہ رہی تھیں۔ تیمور نے حکم دیا کہ جہاں بھی چشمہ موجود ہے تو اس کے پاس زمین کھود کر حوض بنا دیا جائے اور اس میں پانی جمع کر کے گھوڑوں کو پلایا جائے۔ اس کے بعد تیمور نے مغرب کی نماز ادا کی اور تھوڑا سا کھانا کھا کر سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس کا خیمہ ایسی جگہ نصب کیا جائے جہاں سے وہ پوری خیمہ گاہ کی نگرانی کر سکے۔

خیمے میں داخل ہونے سے پہلے تیمور کی نظریں ایک بار پھر ان عظیم پہاڑوں کی طرف اُٹھ گئیں جو اس میدان کے چاروں طرف سر اٹھائے کھڑے تھے جہاں انکی خیمہ گاہ نصب تھی۔ تیمور کو یوں محسوس ہوا کہ جیسے پہاڑ اس قدر نیچے جھک آئے ہیں کہ کسی بھی لمحے ان پر آگریں گے اور انہیں پیس کر رکھ دیں گے۔ تیمور ان خیالات کو ذہن سے جھٹک کر خیمہ میں داخل ہو گیا اور بستر پر لیٹ کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔ تیمور کی نیند بے حد ہلکی تھی اور خاص طور پر جنگی مہمات کے دوران وہ چند گھنٹوں سے زیادہ نہ سوتا تھا۔ بلکہ اکثر راتوں کو وقفے وقفے سے جاگ کر نگرانی کرتا رہتا۔ اس رات بھی اسکی آنکھ لگی ہی تھی کہ ایک زبردست گڑگڑاہٹ کی آواز سے اس کی آنکھ کھل گئی اور وہ چونک کر اُٹھ بیٹھا۔ پھر وہ خیمے سے باہر بھاگتے ہوئے چلایا کہ بگل بجاؤ اور سپاہیوں کو جگاؤ پھر تیمور نے فوج کے سرداروں کو پیغام بھیجا کہ فوری طور پر سپاہیوں اور گھوڑوں کو پہاڑ کی بلندیوں کی طرف لے جاؤ تاہم گڑگڑاہٹ کے کچھ ہی دیر بعد آسمانی بجلی کوندی اور اس کے فوراً بعد ایک اور گڑگڑاہٹ کی آواز سنائی دی۔ جب بجلی کی کڑک گونجتی تو تیمور کی نظریں فوراً پہاڑوں کی طرف اُٹھ جاتیں اور وہ دیکھنے لگتا کہ کہیں وہ پہاڑ بے اختیار ہو کر گرنے تو نہیں لگے۔ پھر بجلی کے کڑکنے اور بادل گڑگڑانے کی آوازیں بار بار سنائی دینے لگیں اور اس کے بعد ایک مسلسل گڑگڑاہٹ شروع ہو گئی۔ تیمور نے اپنے آس پاس موجود سپاہیوں کو ہدایت کی کہ وہ جا کر سرداروں تک یہ پیغام پہنچائیں کہ سپاہیوں کو بلندی کی طرف لے جانے میں جلدی کریں۔ دراصل بادلوں کی مسلسل گڑگڑاہٹ سے تیمور سمجھ گیا تھا کہ موسم بہار کی پہلی موسلا دھار بارش ہونے والی ہے اور ایسا ہی ہوا بلکہ اتنی شدید بارش ہوئی کہ اس نے طوفان نوح کی یاد دلا دی۔ جب بھی بجلی چمکتی تو تیمور دیکھتا کہ اس کے سپاہی موسلا دھار بارش میں گھوڑوں کی لگامیں تھامے انہیں بلندی کی طرف کھینچ رہے ہیں۔

جب پہلی گڑگڑاہٹ کی آواز کے ساتھ تیمور چونک کر اُٹھ بیٹھا تھا تو اس لمحے اس کے ذہن میں دو خیال اُبھرے تھے۔ ایک یہ کہ چاروں

طرف موجود پہاڑوں پر بہتا ہوا پانی سیلاب کی شکل اختیار کر کے اس کے سپاہیوں اور گھوڑوں کو بہانہ لے جائے مگر باہر نکل کر اس نے دیکھا کہ پہاڑ اتنے زیادہ نہیں کہ ان سے بہہ کر آنے والا پانی سیلاب کی صورت اختیار کر لے۔ دوسرا خیال جو اس کی تشویش کا باعث بنا، یہ تھا کہ بارش کا پانی اس راستے سے اس خالی میدان میں داخل نہ ہو جائے جہاں سے وہ گزر کر آئے تھے۔ تیمور نے وہاں سے آتے ہوئے دیکھا تھا کہ وہ راستہ ڈھلوان کی صورت میں تھا اور اس کی ڈھلوان سیدھی اس میدان میں آتی تھی چنانچہ ایسی صورت میں اگر بارش ہوتی تو اس کا سارا پانی ڈھلوان سے بہتا ہوا اس میدان میں جمع ہو جاتا اور سپاہی اور گھوڑے اس میں ڈوب سکتے تھے یہی وجہ تھی کہ تیمور نے بارش شروع ہونے سے پہلے ہی حکم دیا کہ سپاہیوں اور گھوڑوں کو جلد از جلد بلندی پر پہنچا دیا جائے تا کہ اگر پانی اس میدان میں بھر بھی جائے تو فوج ڈوبنے سے محفوظ رہے۔

تیمور کی توقع کے عین مطابق بارش کا پانی کسی سیلابی ریلے کی طرح شور مچاتا ہوا اس میدان میں داخل ہو رہا تھا، جہاں ان کی خیمہ گاہ قائم تھی اور موسلا دھار بارش بدستور زوروں سے جاری تھی۔ بہر حال اس سے پہلے کہ پانی کی سطح بہت زیادہ بلند ہو جاتی تیمور کے تمام سپاہی اور ان کے گھوڑے اور تھوڑا بہت سامان جو لے جایا جا سکتا تھا پہاڑ کی بلندی پر منتقل کر دیا گیا تھا۔ اگر چہ پہاڑ کی بلندی ڈھلوان کی صورت تھی اور وہ لوگ اس سے مزید اوپر جا سکتے تھے تاہم اگر اس رات بارش جاری رہتی تو وہ میدان ایک گہرے دریا میں تبدیل ہو جاتا اور وہ سب اس میں ڈوب جاتے۔ مگر کچھ دیر بعد بارش کا طوفان تھم گیا، بادل غائب ہو گئے اور آسمان پر ستارے چمکنے لگے، اس کے ساتھ ہی چاند کی کرنیں میدان پر پڑ کر اسے روشن کرنے لگیں جو کہ اب ایک دریا کی صورت اختیار کر چکا تھا۔

تیمور جس سمت بھی نظریں اٹھاتا تو اسے پانی ہی نظر آتا تاہم وہ پانی سیاہ رنگ کا تھا جیسے کہ وہ سیاہی ہو تیمور جانتا تھا کہ اس کی سیاہ رنگت دراصل پہاڑوں پر جمی اس گرد کے باعث ہے جسے سیلاب ساتھ بہا لے گیا تھا۔ سپاہی اور گھوڑے پہاڑ کی بلندی پر جمع تھے اور ان کے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اس کے بعد بلند آوازیں سنائی دینے لگیں اور پھر پتہ چلا کہ فوج کے مختلف حصوں کے سرداروں نے انہیں ہدایت کی تھی کہ وہ اچھی طرح معلوم کر لیں کہ کہیں کوئی سپاہی نیچے تو نہیں رہ گیا۔ بہر حال گنتی کے بعد معلوم ہوا کہ تمام سپاہی بحفاظت پہاڑ کے اوپر پہنچ چکے تھے تاہم ان کا کافی سامان پانی میں ڈوب گیا تھا۔ اس سامان کی کمی پوری کرنے کے لئے تیمور کو یا تو اسکندریہ لوٹنا پڑتا یا پھر پنجاب پہنچ کر یہ ضروری سامان فراہم کرتا۔ ان میں سے ایک اہم چیز جو پانی میں پڑی رہ گئی تھی وہ تیمور کی سفری مسجد تھی اور تیمور کو معلوم نہیں تھا کہ آیا اسے پانی سے نکالنا ممکن ہو سکے گا یا نہیں۔

اس رات وہ کچھ نہیں کر سکتے تھے انہیں ہر صورت دن نکلنے کا انتظار کرنا تھا تا کہ پتہ چل پاتا کہ وہ کیا کر سکتے ہیں۔ جب رات ختم ہوئی اور دن کا اُجالا پھیل گیا تو تیمور کے سپاہیوں نے پانی کی گہرائی کا جائزہ لیا۔ پتہ چلا کہ سیلاب سے دریا کی صورت اختیار کر لینے والے اس میدان میں پانی کی گہرائی اتنی زیادہ نہیں اور وہ اسے عبور کر سکتے تھے۔ کچھ مقامات پر ان خیموں کے اوپر والے حصے نظر آ رہے تھے جو پانی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ لشکر کے خزانے کو کوئی نقصان نہ پہنچا تھا کیونکہ وہ ہمیشہ تیمور کے پاس ہوتا تھا اور اسے ایک روز قبل ہی تیمور کے خیمہ میں اس وقت منتقل کر دیا گیا تھا جب تیمور نے اپنا خیمہ ذرا بلندی پر نصب کرنے کا حکم دیا تھا۔ تیمور نے حکم دیا کہ فوج کو جلد از جلد اس میدان سے نکال کر درہ خیبر کی طرف لے جایا جائے تا کہ وہ اس درہ کو عبور کر سکیں۔ پھر اس نے ایک دستہ کو یہ ذمہ داری سونپی کہ وہ پانی میں باقی رہ جانے والی اشیاء میں سے جو کچھ ممکن ہے اسے نکال

لیں۔ تیمور کا خیال تھا کہ یہ پانی ایک دو دن میں میدان سے نکل جائے گا مگر یہ بھی ممکن تھا کہ پانی اتنا جلد نہ نکلتا کیونکہ اس میدان کے اردگرد موجود بلند قامت پہاڑ اس پر سایہ فگن تھے اور سورج کی روشنی کو اس پر براہ راست پڑنے سے روکے ہوئے تھے۔ مگر تیمور کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ پانی خشک ہونے تک اپنے سپاہیوں کو روکے رکھتے تاکہ وہ اس میں سے کچھ خیمے، گھوڑوں کو دانہ ڈالنے کے برتن اور رسیاں وغیرہ نکال سکیں۔ اصل چیز سپاہیوں کا اسلحہ اور گھوڑوں کا سامان تھا جسے سپاہیوں نے اپنی جنگجویانہ فطرت کے باعث فوری طور پر اپنے ساتھ پہاڑ کی بلندی پر پہنچا دیا تھا۔

آخر کار تیمور کی ساری فوج اس میدان کو عبور کر کے دوسری طرف چلی گئی جو اب ایک دریا کی شکل اختیار کر چکا تھا۔ کچھ سپاہیوں نے اس میدان کو گھوڑوں پر سوار ہو کر عبور کیا جبکہ دیگر پہاڑ کے دامن پر چڑھتے ہوئے پانی سے بچ کر دوسری طرف چلے گئے۔ تیمور سب سے آخر میں جب سارے سپاہی اس میدان سے نکل چکے تو خود بھی وہاں سے نکل آیا۔ اس واقعہ نے اسے ایک قابل قدر سبق دیا کہ کبھی بھی چھاؤنی کو نشیبی علاقے میں قائم نہیں کرنا چاہیے بالخصوص برسات کے موسم میں کیونکہ ایسے موسم میں بارش کا پانی ندی نالوں کی صورت میں فوجی چھاؤنی کے اندر داخل ہو کر سب کچھ برباد کر سکتا ہے۔

وہ لوگ اس روز درہ خیبر سے نکل کر اس کی دوسری طرف واقعہ ایک گاؤں میں پہنچ گئے جہاں پاتان نسل کے لوگ آباد تھے۔ یہاں تیمور نے ایسے مردوں کو دیکھا جو چوڑے چکلے سینے والے تھے اور ان کے سر، داڑھیوں اور مونچھوں کے بال سنہرے جبکہ آنکھیں نیلی تھیں۔ پاتان قبیلہ کی عورتیں بھی طویل القامت تھیں اور لمبے سنہرے بالوں کے ساتھ بے حد خوبصورت لگتی تھیں۔ ان عورتوں نے نہ تو اپنے چہروں کو چھپا رکھا تھا اور نہ ہی ان سے خوفزدہ نظر آتی تھیں۔ قبیلہ کے ہر مرد کے پاس تلوار تھی اور تیمور کو بتایا گیا کہ جنگ کی صورت میں عورتیں بھی مردوں کے شانہ بہ شانہ اس میں حصہ لیتیں۔ پاتان کے مرد اور عورتیں اردگرد کے لوگوں سے مشابہت نہ رکھتے اور بالکل مختلف نظر آتے تھے۔ اس لئے یہ بات بالکل واضح تھی کہ پاتان لوگ کسی اور نسل سے تعلق رکھتے تھے اور وہ وہاں کے مقامی نسل کے لوگوں سے الگ تھے۔ تیمور نے اندازہ لگایا کہ وہ کسی دور دراز کے خطہ سے یہاں آ کر آباد ہوئے ہونگے۔ اسی لیے اس نے اپنے ایک سردار کو ان لوگوں سے یہ دریافت کرنے کیلئے روانہ کیا کہ وہ لوگ کس خطہ سے تعلق رکھتے تھے اور کیا وہ یہاں کے مقامی باشندے ہیں یا کسی اور مقام سے یہاں آ کر آباد ہوئے ہیں۔

انہوں نے آسمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تیمور کے سردار کو بتایا کہ ان کا جنم آسمانوں پر ہوا اور وہ لوگ وہیں سے یہاں آئے۔

بہر حال تیمور اور اس کا لشکر اس گاؤں کو چھوڑ کر اگلی سرزمین پر پہنچے جو ہندوستان کا حصہ تھی۔ اگرچہ وہاں مقامی آبادی کی طرف سے دفاع کے کوئی آثار دکھائی نہ دیتے تھے پھر بھی تیمور نے اپنی فوج کو جنگی صف آرائی میں منظم کیا اور دو ہراول دستے آگے اور ایک حفاظتی دستہ فوج کے عقب میں متعین کیا تاکہ کوئی انہیں غفلت کا شکار نہ کر سکے۔ مگر وہاں کچھ دن تک سفر کرنے کے بعد تیمور کو پتہ چلا کہ وہاں اس کا راستہ روکنے والا کوئی نہیں کیونکہ وہاں کے لوگ مسلمان تھے۔

اس سرزمین میں ایک خاص بات نے تیمور کے سرداروں اور سپاہیوں کو حیرت میں ڈال دیا اور وہ یہ تھی کہ مقامی لوگ اپنی عبادات مقامی زبان یعنی ''ہندی'' میں ادا کرتے تھے چونکہ تیمور کے سپاہیوں نے اس دن تک کسی کو ہندی یا کسی بھی اور مقامی زبان میں نماز ادا کرتے نہ دیکھا تھا اس

لئے وہ مقامی لوگوں کو ایسا کرتے دیکھ کر بہت حیران ہوئے۔ چنانچہ تیمور کے سرداروں اور سپاہیوں نے اس سے اس بارے میں فتویٰ مانگا کہ آیا عربی زبان کے علاوہ کسی اور زبان میں نماز ادا کرنا جائز ہے یا نہیں۔ تیمور نے کہا کہ اسلام کی مصلحت اور ضرورت یہی ہے کہ ہر جگہ عربی میں ہی نماز ادا کی جائے اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ چونکہ ہر جگہ عربی زبان میں نماز ادا کی جائے تو اس کے نتیجے میں مختلف قومیتیں رکھنے والے تمام مسلمانوں میں ایک خاص یگانگت اور اخوت پیدا ہوگی اور وہ خود کو ایک دوسرے سے جدا تصور نہ کریں گے۔ تاہم اگر کسی خطہ کے مسلمان عربی زبان میں نماز ادا کرنے یا عربی الفاظ بولنے سے قاصر ہوں تو وہ اپنی مقامی زبان میں نماز ادا کر سکتے ہیں تاہم تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ جس قدر ممکن ہو سکے نماز عربی زبان میں ادا کرنے کی کوشش کریں۔

تیمور کے سرداروں نے اس سے دریافت کیا: ''اے امیر! ہندوستان کے لوگوں نے کس دور میں اسلام کو بطور دین قبول کیا؟'' تیمور نے انہیں بتایا: ''سلطان محمود غزنوی نے یہاں کے لوگوں کو مسلمان بنایا۔'' لیکن اس کے تین سال بعد ملک شام کے دانشور ابن عرب شاہ نے اس حوالے سے تیمور کی غلطی کو درست کرایا اور اسے اصل تاریخ سے آگاہ کیا۔ تیمور شام سے ابن عرب شاہ کو سمرقند لے گیا تھا تاکہ اس کے علم و دانش سے استفادہ کر سکے۔

ابن عرب شاہ نے تیمور کو بتایا کہ سلطان محمود غزنوی وہ پہلا شخص نہ تھا، جس نے ہندوستان کے لوگوں کو مشرف بہ اسلام کیا۔ جب سلطان محمود ہندوستان میں داخل ہوا تو ہندوستان کے جن علاقوں کے لوگ آج مسلمان ہیں وہ اس وقت بھی مسلمان ہی تھے۔ اگرچہ سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان میں مندروں اور بدھوں کے بُت خانوں کو مسمار کیا مگر وہ ہندوستان میں اسلام کی اشاعت نہ کر سکا۔ ابن عرب نے اسے مزید بتایا کہ ہندوستان میں اسلام کی اشاعت میں جن لوگوں نے اہم کردار ادا کیا ان میں سے ایک حضرت امیر معاویہؓ تھے جبکہ ان کے بیٹے یزید نے اپنے باپ کے برعکس ہندوستان کے باشندوں کو مسلمان کرنے کی قطعی کوشش نہ کی۔ بعد ازاں اموی خلفاء نے ہندوستان میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا کام کیا تاہم وہ پورے ہندوستان میں اسلام کی اشاعت میں کامیاب نہ ہو سکے کیونکہ ہندوستان اس قدر وسیع و عریض سرزمین ہے کہ اس کے تمام باشندوں کو ایک مذہب کا پیروکار بنانا ممکن نہیں۔

جب تیمور نے دیکھا کہ وہ مسلمان آبادی والی سرزمین سے گزر رہا ہے تو تیمور نے ہراول دستے کو ہدایت کی کہ وہ اپنے سبز پرچموں کو بلند رکھیں۔ انہیں یہ بھی ہدایت کی گئی کہ جہاں کہیں قیام کریں تو نماز کے اوقات میں بلند آواز میں اذانیں دیں تاکہ مقامی امیر جان لیں کہ ایک مسلمان فوج ان کی سرزمین میں داخل ہوئی ہے۔ اس حکمت عملی کے بہت اچھے نتائج برآمد ہوئے اور وہ لوگ ایک طویل سفر کے بعد کوئٹہ پہنچ گئے اور اس دوران انہیں جنگ کرنا پڑی اور نہ ہی مقامی لوگوں کی طرف سے ان کی راہ میں کوئی رکاوٹ کھڑی کی گئی۔ کوئٹہ کا سلطان جس کا نام عبداللہ والی الملک تھا، تیمور کے استقبال کو آیا اور اسے اپنے محل میں لے گیا اور تیمور سے کوئٹہ سے روانگی تک مہمان بن کر اس کے محل میں قیام کرنے کی درخواست کی۔

تاہم تیمور نے اپنی فوجی چھاؤنی میں ہی قیام کو ترجیح دی اور صرف پہلے دن کوئٹہ کے سلطان کے ساتھ ظہرانے میں شریک ہوا۔ عبداللہ والی الملک ایک بوڑھا شخص تھا جس کے لمبے بال اور سفید داڑھی تھی۔ دوپہر کے کھانے کے بعد عبداللہ والی الملک نے نرمی سے تیمور سے پوچھا، ''اے امیر! تم کہاں جانے کا ارادہ رکھتے ہو اور آخر تمہارا ارادہ کیا کرنے کا ہے؟'' تیمور نے اسے بتایا، ''میں ہندوستان کو فتح کر کے اپنی سلطنت کا حصہ بنانا

چاہتا ہوں۔" والی الملک بولا: "اے عظیم سردار تمہیں اپنا ارادہ تبدیل اور ہندوستان فتح کرنے کا ارادہ ترک کر دینا چاہیے۔" تیمور نے پوچھا، "کیوں؟" اس پر والی الملک کہنے لگا، "ہندوستان پر دو ہزار سے زیادہ راجاؤں کی حکومت ہے، ان میں سے ہر ایک کا نام "راج" سے شروع ہوتا ہے۔ اگر خدا تمہیں سو سال کی زندگی بھی عطا کر دے اور تم اپنا سارا وقت جنگیں لڑتے گزارو، تب بھی تم ہندوستان پر قبضہ نہ کر سکو گے۔" تیمور نے اس سے پوچھا، "پھر محمود غزنوی نے ہندوستان پر کیسے قبضہ کر لیا تھا۔" والی الملک بولا، "اے محترم امیر، سلطان محمود غزنوی نے قبضہ ضرور کیا تھا مگر پورے ہندوستان پر نہیں بلکہ اس کے ایک کونہ کو فتح کیا تھا اور اس سے پہلے بھی دنیا کے کئی فاتح ہندوستان کے کچھ خاص مقامات کو فتح کر چکے تھے۔ اے عظیم سردار، تم نہیں جانتے کہ ہندوستان کس قدر وسیع و عریض سرزمین ہے اور اس میں کس قدر مختلف قبائل آباد ہیں۔ ہندوستان کا ایک کنارہ شمال میں انتہائی سرد مقام ہے جبکہ دوسرا کنارہ جنوب میں جہنم یعنی انتہائی گرم مقام ہے۔ ہندوستان کے ایک کونے میں لوگ سردی کی شدت سے مرنے لگتے ہیں جبکہ دوسرے کونے میں لوگ کبھی بھی گرم کپڑے نہیں پہنتے کیونکہ وہاں سارا سال گرم موسم رہتا ہے۔ ہندوستان کے ایک کونے میں لوگ بھیڑ اور گائے کا گوشت کھانے سے پرہیز کرتے اور اسے حرام سمجھتے ہیں جبکہ دوسرے کونے میں لوگ انسانوں تک کو کھانا جائز سمجھتے ہیں۔ ہندوستان کے ایک کونے میں مُردوں کو جلایا جاتا ہے اور مرنے والے مرد کی بیوی اس کے ساتھ ہی جل (ستی ہو) جاتی ہے تو دوسرے کونے میں مُردوں کو جلایا جاتا ہے اور نہ ہی دفن کیا جاتا ہے بلکہ انہیں دریا میں بہا دیا جاتا ہے تاکہ مچھلیاں انہیں اپنی خوراک بنا لیں۔ پھر یہ کہ وہ انہی دریاؤں کا پانی پیتے اور ان میں نہاتے دھوتے بھی ہیں۔"

تیمور نے امیر الملک کی اس طویل گفتگو کے بعد کہا، "اے میرے مہربان میزبان تم آج بڑی محبت سے میرے ساتھ پیش آئے ہو مگر تمہاری بتائی ہوئی کوئی بھی بات مجھے ہندوستان فتح کرنے کے ارادے سے نہیں روک سکتی۔ میں ہی وہ انسان ہوں جس نے توک تامیش کا قپچاق میں سامنا کیا اور اسے گھٹنوں کے بل جھکنے پر مجبور کر دیا اور قپچاق کا خون جما دینے والا موسم بھی مجھے جنگ سے نہ روک سکا۔ میں ہی وہ انسان ہوں جس نے اصفہان کی مضبوط ترین دیوار کو مسمار کر کے اس شہر پر قبضہ کر لیا۔ تم نے شاید اصفہان شہر کی فصیل کے بارے میں سنا ہو مگر تم اس کا اندازہ نہیں کر سکتے کہ وہ کس قدر مضبوط تھی۔ اصفہان کی فصیل 42 کلومیٹر طویل تھی، وہاں کے لوگوں نے اس عظیم حفاظتی دیوار کے ساتھ ہر پانچ سو فٹ کے فاصلے پر ایک برج تعمیر کر رکھا تھا اور دیواروں کے پیچھے ایک اور حفاظتی دیوار تھی جس کے سامنے گاڑیاں دوڑا کرتی تھیں اور انہوں نے قلعے کے سامنے برج بنا رکھے تھے تاکہ وہ حملہ آوروں کے نقب لگانے میں رکاوٹ بن سکیں۔ اس سب کے باوجود میں نے اس قلعے کی دیواروں کو مسمار کر کے اصفہان پر قبضہ کر لیا اور اب تُو مجھے ایسے لوگوں سے خوفزدہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے جو بکری اور گائے کے گوشت کو حرام جانتے ہیں یا آدم خور ہیں یا یہ کہ وہ اپنے مُردوں کو جلا دیتے یا دریاؤں میں بہا دیتے ہیں۔

سرزمین ہندوستان پر اگر دو کی بجائے چار ہزار راجاؤں کی حکومت ہو تو بھی مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا، میں اس سرزمین کو اپنے زیرنگیں کر کے رہوں گا اور کوئی بھی چیز مجھے ہندوستان کو تسخیر کرنے کے ارادے سے نہیں روک سکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے موت کا قطعی خوف نہیں ہے اور اسلام کے فرائض کی ادائیگی کے بعد میرے لیے سب سے اہم فریضہ جنگ ہے۔ میں نے مختلف جنگوں میں اس قدر زخم کھائے ہیں کہ شاید کوئی انہیں

شمار نہیں کرسکتا۔ اس کے باوجود میں کبھی موت کے خوف میں مبتلا نہیں ہوا۔ میرے لیے اس دنیا کی سب سے زیادہ سرور والی چیز کٹی ہوئی گردنوں سے خون کے فوارے اُبلتے دیکھنا ہے اور خون بھی وہ جو میں خود اپنی تلوار سے دشمن کی گردن کاٹ کر بہاؤں گا۔''

عبداللہ والی الملک تیمور کی پرجوش باتیں سُن کر بولا ''اے امیر محترم! مجھے تمہاری طاقت اور بہادری پر ذرہ بھر شک وشبہ نہیں اور تمہاری بے خوفی اور بہادری کی شہرت میں نے خوب سُن رکھی ہے۔ مجھے علم ہے کہ سلم اور تور (قدیم ایرانی بادشاہ فریدون کے بیٹے) کے لشکر بھی تمہارا راستہ نہ روک سکے اور تم اتنے دلیر اور نڈر ہو کہ ہر راستہ کھولنے میں کامیاب ہو جاتے ہو۔ ان سب چیزوں کے باوجود ہندوستان میں تمہارا راستہ بند ہو جائے گا اور تیرا راستہ روکنے والے سلم اور تور کے لشکر نہ ہوں گے۔'' تیمور نے دریافت کیا ''پھر وہ کیا شے ہوگی؟'' اس نے جواب دیا ''وہ وبائی امراض ہوں گے!''

تیمور اس کی بات پر ہنس دیا اور کہنے لگا ''اگر تو بوڑھا نہ ہوتا اور عمر کے لحاظ سے تجھے مجھ پر برتری نہ ہوتی اور میزبان ہونے کی حیثیت سے مجھ پر تیرا احترام لازم نہ ہوتا تو میں کہتا کہ تو عقل وخرد سے پیدل ہے۔ آج تک کوئی شے میرے ارادے کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکی۔ یہاں تک کہ میں طاعون جیسی وبا کا سامنا بھی کر چکا ہوں اور فارس میں خود اس کا شکار ہو چکا ہوں۔'' والی الملک بولا ''اے عظیم فرمانروا! دنیا کے وہ تمام فاتح جو سرزمین ہندوستان میں داخل ہوئے، آخر وبائی امراض کا شکار ہو گئے یا پھر انہیں کسی اور وجہ سے یہاں سے جانا پڑا۔ یہ امراض مقامی باشندوں پر زیادہ اثر انداز نہیں ہوتے اس لیے کہ مقامی باشندے اس قسم کے امراض کے عادی ہو چکے ہیں لیکن باہر سے آنے والوں کے لیے یہ وبال جان بن جاتے ہیں۔''

تیمور نے والی الملک سے کہا ''اب دو ہفتے ہو چکے ہیں کہ میں سرزمین ہندوستان پر موجود ہوں۔ اس دوران تو کوئی وبائی مرض میرا کچھ نہیں بگاڑ سکا۔'' والی الملک کہنے لگا ''اے امیر! یہ علاقہ جہاں تم اس وقت موجود ہو، ایسا خطہ ہے جہاں کی آب وہوا ہندوستان کے دوسرے علاقوں کی نسبت بہت بہتر ہے، اس مقام کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ اصلی ہندوستان نہیں ہے۔ تم مجھے یہ بتاؤ کہ تمہارے سفر کا نقشہ کیا ہے تا کہ میں تمہیں بتا سکوں کہ تم کس طرف سے ہندوستان میں داخل ہو۔''

تیمور نے والی الملک کو بتایا کہ وہ دہلی پر قبضہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اور پھر اس کا ارادہ ہندوستان کے تمام علاقوں کو اپنے تصرف میں کرنے کا ہے۔ والی الملک کہنے لگا: ''یہاں سے تم ملتان شہر کی طرف چلے جاؤ اور جب تم ملتان سے آگے بڑھو گے تو اصل ہندوستان میں داخل ہو جاؤ گے اور یہیں سے تمہیں وبائی امراض سے خبردار رہنا ہوگا۔'' تیمور نے کہا ''مجھے اس بات میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ میں کسی چیز سے خوفزدہ نہیں ہوتا، اصل ہندوستان میں بھی وبائی امراض مجھے خوفزدہ نہ کر سکیں گے۔'' والی الملک بولا: ''اے امیر، میں جانتا ہوں تم کسی چیز سے خوفزدہ ہوتے ہو اور نہ ہی کوئی چیز تمہیں تمہارے ارادے سے روک سکتی ہے مگر مجھے ڈر ہے کہ وبائی امراض تمہارے سپاہیوں کو ہلاک کر ڈالیں گے اور تم اپنی فوج کے بغیر تنہا رہ جاؤ گے۔'' تیمور نے جواب دیا ''ابھی تک میں وبائی امراض کا شکار نہیں ہوا اور جب کبھی ایسا وقت آیا تو میں اس وقت سوچ لوں گا کہ کیا کرنا ہے۔''

والی الملک نے کہا ''اے امیر، میں تو بس تیری خیر چاہتا ہوں۔ اسی لیے تجھے پھر خبردار کر رہا ہوں کہ اصل ہندوستان کے وبائی امراض باہر سے آنے والوں کے لیے بے حد جان لیوا ہیں جبکہ مقامی لوگوں پر زیادہ اثر انداز نہیں ہوتے۔'' پھر اس نے پوچھا ''اے امیر، تم اسکندریہ سے یہاں پہنچے ہو؟'' تیمور نے کہا ''ہاں، میں اسکندریہ کے راستے ہی آیا ہوں۔'' اس نے پوچھا ''کیا تم نے درہ خیبر کو عبور کیا تھا؟'' تیمور نے اسے بتایا

کہ وہ درہ خیبر عبور کر کے آیا ہے۔ والی الملک کہنے لگا، ''تو پھر تم کوئٹہ کی طرف کیوں آئے جبکہ تم بہت مختصر راستے کے ذریعے دہلی پہنچ سکتے تھے؟ کوئٹہ کی طرف آ کر تم نے اپنا سفر مزید طویل کر لیا ہے۔'' تیمور نے کہا، ''میں اس طرف اس لیے آیا ہوں کیونکہ میں دہلی تک کا سفر بغیر کسی جنگ کے طے کرنا چاہتا تھا۔ اگر میں مختصر راستہ اختیار کرتا تو مجھے ہر روز جنگ لڑنا پڑتی اور دہلی تک پہنچنے میں زیادہ دیر ہو جاتی۔''

والی الملک نے تیمور کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے کہا، ''یہاں سے لے کر ملتان تک کوئی تمہارا راستہ نہ روکے گا کیونکہ وہاں پہنچنے تک تم جس راستے سے گزرو گے وہاں سب مسلمان آباد ہیں مگر ملتان سے گزرنے کے بعد تم ہندوؤں کی آبادی والے علاقے میں داخل ہو جاؤ گے اور وہ تمہارا راستہ روک لیں گے۔ ان کے تیر انداز جو ہاتھیوں پر سواری کرتے ہیں، بے حد خطرناک ہیں۔''

تیمور نے کہا، ''میں ان کے تیروں یا ہاتھیوں سے ہرگز خوفزدہ نہیں ہوں۔'' پھر اس نے والی الملک سے پوچھا، ''کیا تم کبھی دہلی گئے ہو؟'' اس نے کہا، ''ہاں۔'' اس پر تیمور نے پوچھا، ''دہلی کی حفاظتی دیواریں کیسی ہیں؟'' اس نے جواب دیا، ''دہلی کی حفاظتی دیواریں پتھروں سے بنی ہیں اور ان میں پانی کے نکاس کا نظام بھی ہے۔'' تیمور نے پوچھا، ''دہلی کے بادشاہ کی فوج میں کتنے سپاہی ہیں؟'' وہ بولا، ''اس کے سپاہیوں کی تعداد لامحدود ہے۔ وہ جتنے چاہے سپاہی جمع کر سکتا ہے کیونکہ اس کے بے شمار پیروکار ہیں اور اس کے پاس بے انتہا جواہرات اور سونا ہے۔ وہ کئی لاکھ سپاہی جمع کر کے سالوں تک مسلسل جنگ لڑ سکتا اور اپنے دشمن کو تھکا سکتا ہے۔''

جب تیمور ہندوستان میں داخل ہوا تو اس وقت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت کو آٹھ سو سال گزر چکے تھے۔ جب وہ ہندوستان میں داخل ہوا تو آٹھویں صدی ہجری کا اختتام ہو رہا تھا اور تیمور کو علم تھا کہ وہ ہندوستان میں داخل ہو کر نویں صدی ہجری میں جنگ کرے گا یا سن 801 ہجری میں۔ تیمور نے یہ بات والی الملک کو بتائی اور اس سے پوچھا کہ کیا اس نے دہلی کے بادشاہ سلطان محمود خلجی کو دیکھا ہے؟

والی الملک نے حیرت سے تیمور کی طرف دیکھا اور کہنے لگا، ''اے عظیم شہنشاہ سلطان محمود خلجی اب دہلی کا فرمانروا نہیں ہے۔'' تیمور کے لیے یہ خبر بالکل غیر متوقع تھی کیونکہ اس کے علم میں یہی بات تھی کہ سلطان محمود خلجی دہلی کا حکمران ہے۔ تیمور نے اس بارے میں بادشاہ غور ابدال کلرئی سے کئی دفعہ بات چیت کی تھی کیونکہ ہندوستان کی سلطنت میں جو خلجی خاندان حکمران ہوا اس کا بانی ملک غور کا ہی ایک سردار تھا۔

والی الملک نے تیمور کی تصحیح کی اور بولا، ''اے امیر محترم، سلطان محمود خلجی اس سال کے آغاز تک دہلی کا فرمانروا تھا مگر ملا اقبال نے اس پر حملہ کر کے اس کے ملک پر قبضہ کر لیا ہے۔ سلطان محمود خلجی کو ملا اقبال نے گرفتار کر لیا اور تازہ اطلاعات کے مطابق وہ ابھی تک اس کی قید میں ہے۔''

عبداللہ والی الملک نے بتایا کہ ملا اقبال سلطان محمود خلجی کے اپنے سرداروں میں شامل تھا مگر اس نے اپنے سلطان کے خلاف بغاوت کر دی اور اس کی فوج کو اچانک جا لیا اور پھر ایک سال سے بھی کم عرصہ ہوا ہے کہ وہ دہلی پر حکومت کر رہا ہے۔'' تیمور نے اس سے پوچھا، ''سلطان محمود خلجی کی اس وقت کیا عمر ہو گی؟'' وہ بولا، ''یہی کوئی پینتالیس چھیالیس برس کا ہو گا۔'' پھر تیمور نے ملا اقبال کی عمر دریافت کی۔ والی الملک نے بتایا، ''میں نے ملا اقبال کو نہیں دیکھا، اس لیے مجھے نہیں معلوم کہ وہ کتنے برس کا ہے تاہم میں نے سنا ہے کہ وہ جوان ہے اور لوگوں کے مطابق اس کی عمر چونتیس پینتیس برس ہے۔''

تیمور کے پاس وقت زیادہ نہ تھا، اس لیے اس نے دہلی کی طرف روانگی کا فیصلہ کیا اور فوج کو ملتان کی طرف جانے کا حکم دے دیا۔ جب وہ لوگ ملتان پہنچے تو تیمور نے دیکھا کہ والی الملک کے کہنے کے عین مطابق ہندوستان کی سرحد ملتان سے شروع ہوتی تھی تاہم یہاں بھی اس کا راستہ کسی نے نہ روکا اور وہ اپنی فوج سمیت شہر میں داخل ہو گیا۔ ملتان شہر تیمور کو فارس کی سرزمین میں دیکھے بویر نامی شہر کی مانند لگا۔ اس میں تعمیر کیے گئے مکانوں کے درمیان خاصا فاصلہ تھا۔ بویر اور ملتان میں فرق یہ تھا کہ بویر میں مکانات پہاڑی ٹیلوں پر بنائے گئے تھے جبکہ ملتان میں مکانات بہت وسیع و عریض جنگل میں تعمیر کیے گئے تھے۔ اس جنگل کی سطح مختلف قسم کی گھاس سے ڈھکی ہوئی تھی۔ تیمور جس طرف بھی دیکھتا تو اسے سرخ، زرد اور بنفشہ رنگ کے دھبے دکھائی دیتے۔ یہ دھبے دراصل ان ہندو عورتوں کے مختلف رنگوں کے لباس تھے جو کسی حجاب کے بغیر وہاں پھر رہی تھیں۔ ان عورتوں میں سے کچھ نے اپنی کمروں پر دودھ پیتے بچے اُٹھا رکھے تھے۔

ملتان پر ایک ہندو راجا ''پن شن جنگ'' حکمران تھا۔ وہ تیمور کو بعد احترام اپنے گھر لے گیا۔ اس کا گھر واضح طور پر دوسرے گھروں کی نسبت زیادہ وسیع و عریض تھا تاہم ان سے زیادہ خوبصورت نہ تھا۔ تیمور نے سلطان کے گھر کے چاروں طرف پہرے دار مقرر کر دیے کیونکہ اگرچہ ملتان کے راجا نے اس کی اطاعت قبول کر لی تھی اور اسے اپنے گھر بھی لے گیا تھا مگر تیمور ہندو راجا پر بھروسہ نہ کرنا چاہتا تھا۔

شام کی نماز کے بعد پن شن جنگ نے تیمور کو کھانے کی دعوت دی اور مترجم کے ذریعے کہنے لگا: ''اے امیر، تم اطمینان سے ہمارے ہاں کھانا کھا سکتے ہو۔ ہم نے کھانوں میں زہر نہیں ملایا کہ جو تمہاری موت کا سبب بن جائے لیکن اگر پھر بھی تمہیں یقین نہیں تو میں اپنے کچھ ملازمین کو بُلا کر پہلے انہیں کھانا کھلاتا ہوں تاکہ تُو جان لے کہ کھانے میں زہر نہیں ملایا گیا۔'' تیمور نے کھانا لانے کا حکم دیا لیکن جیسے ہی اس نے کھانے کا پہلا لقمہ حلق سے نیچے اُتارا تو اسے یوں لگا جیسے اس کا گلا جل گیا ہو مگر یہ دراصل کھانے میں ڈالے گئے تیز مسالوں کی وجہ سے تھا۔ بہرحال تیمور دسترخوان سے اٹھ کھڑا ہوا اور بولا: ''میں ہندوؤں کا یہ کھانا نہیں کھا سکتا کیونکہ اس میں اس قدر تیز مسالے ڈالے گئے ہیں جو حلق سے ناف تک آگ سی لگا دیتے ہیں۔''

پن شن جنگ نے کہا: ''مجھے بے حد افسوس ہے کہ ہمارے یہاں ایسے ہی کھانے بنتے ہیں جن میں مرچ مصالحے ڈالے گئے ہوں۔'' تیمور نے کہا: ''پھر یوں کرو کہ میرے لیے چند انڈے ابال کر لے آؤ۔'' جب ابلے ہوئے انڈے لائے گئے تو تیمور نے انہیں کھا کر اپنی بھوک مٹائی۔

پن شن جنگ نے اپنی خواب گاہ تیمور کے سونے کے لیے مخصوص کر دی۔ خواب گاہ میں ایک تخت بچھا تھا جس کے پائے اونچے تھے اور اس پر ریشم کا بستر بچھایا گیا تھا۔ تیمور نے ریشم کا بستر اٹھا لینے اور اس کی جگہ معمولی بستر بچھانے کا حکم دیا۔ پھر اس نے خواب گاہ کے باہر اور پن شن جنگ کے گھر کی چھت پر بھی پہرہ بٹھا دیا اور انہیں باری باری پہرہ دینے کی ہدایت دے کر سونے کے لیے لیٹ گیا۔

ابھی تیمور کی آنکھ لگی ہی تھی کہ درختوں کی شاخوں کے باہم ٹکرانے کی آواز سے وہ جاگ گیا۔ تیمور کو خیال گزرا کہ شاید آندھی آ گئی ہے اور طوفان بادوباراں کی آمد آمد ہے لیکن جب اس نے دیکھا تو آسمان پر بادلوں کا نام و نشان تک نہ تھا اور ستارے چمک رہے تھے، حیرت کی بات یہ تھی کہ باہر درخت بھی بالکل ساکن تھے مگر درختوں کی شاخوں کے آپس میں ٹکرانے کی آواز بدستور آ رہی تھی۔ تیمور نے درختوں کی طرف دیکھتے دیکھتے اچانک خواب گاہ کے باہر کھڑے پہرے داروں کی طرف دیکھا تو اسے محسوس ہوا کہ وہ خوفزدہ ہو کر باغ کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ تیمور چونکہ حسب

معمول جنگی لباس میں ہی سویا ہوا تھا، اس لیے اس نے سرہانے کے نیچے سے تلوار اٹھائی اور تخت سے نیچے اُتر آیا۔ پھر اس نے خواب گاہ کے دروازے پر آ کر پہرے داروں میں سے ایک سے آہستگی سے پوچھا، ''کیا معاملہ ہے؟'' اس شخص نے خوفزدہ انداز میں باغ کے صحن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، ''سانپ..... سانپ!''

تیمور نے باغ کی طرف دیکھا تو اسے ستاروں کی روشنی میں زمین پر سینکڑوں جانور رینگتے نظر آئے جو آپس میں ٹکرا کر درختوں کی شاخوں کے باہم ٹکرانے جیسی آوازیں پیدا کر رہے تھے۔

تیمور ایران کے صحراؤں میں بہت سے سانپ دیکھ چکا تھا مگر اس نے اتنی زیادہ تعداد میں سانپوں کو ایک ہی جگہ پر کبھی نہ دیکھا تھا۔ تیمور نے ارد گرد نظر دوڑائی تاکہ یہ دیکھ سکے کہ پن شن جنگ کے گھر میں موجود لوگ اور اس کے ملازم ان سانپوں کے باہم ٹکرانے کی آوازوں سے جاگ گئے ہیں یا نہیں؟ مگر ان میں سے کوئی بھی نہ جاگا تھا یا اگر جاگا بھی تھا تو ظاہر نہ کر رہا تھا۔

باغ کی فضا میں کالی مرچ اور دار چینی کی مخصوص خوشبو پھیلی ہوئی تھی جس سے تیمور کو پن شن جنگ کا وہ کھانا یاد آ گیا جسے کھاتے ہی اس کا حلق جل اٹھا تھا اور وہ اسے کھا نہ پایا تھا۔ تیمور کو وہ مہک سانپوں سے آتی محسوس ہوئی۔ کافی دیر تک سانپوں کی حرکت کی آوازیں باغ سے آتی رہیں۔ صبح کاذب کے قریب جب باد نسیم چلنا شروع ہوئی تو سانپوں کی تعداد بتدریج کم ہونے لگی اور پھر بالآخر وہ سب غائب ہو گئے۔ تیمور اب سو نہیں سکتا تھا کیونکہ نماز کا وقت ہو چلا تھا۔ چنانچہ اس نے نماز فجر ادا کی اور اس کے بعد اُجالا پھیل گیا تو تیمور نے حکم دیا کہ پن شن جنگ کو اس کے سامنے حاضر کیا جائے۔ جب اس کے سپاہی پن شن جنگ کو لائے تو اس پر ابھی تک غنودگی طاری تھی۔ ''تیمور نے اس سے دریافت کیا، ''کیا تو گزشتہ رات سانپوں کی آوازوں سے بیدار نہ ہوا تھا؟''

وہ کہنے لگا، ''نہیں اے امیر! سانپ تو یہاں ہر روز ہی باغ میں پھرتے رہتے ہیں مگر کبھی کمروں میں نہیں آتے اور اگر کوئی باغ میں نہ جائے تو سانپ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچاتے۔''

تیمور نے کہا، ''تم نے یہ بات مجھے گزشتہ رات کیوں نہ بتائی تاکہ میں سو تو پاتا؟ یا تو یہ چاہتا تھا کہ میں باغ میں چلا جاتا اور سانپ مجھے ڈس لیتے؟'' ملتان کا راجہ خوفزدہ ہو کر کہنے لگا، ''نہیں، اے امیر، ایسی بات ہرگز نہیں نہ ہی میرا ایسا کوئی ارادہ تھا۔ مجھے اس بات کا ذکر کرنا یاد نہ رہا۔ رات کے وقت سانپ اپنے بلوں سے باہر نکل آتے اور باغ کے ارد گرد پھرتے رہتے ہیں۔ یہاں یہ اتنی معمولی بات ہے کہ کوئی بھی اس بات کو اہمیت نہیں دیتا۔ یہ اس شہر کے ہر گھر میں رات کو ہوتا ہے۔'' تیمور نے کہا، ''کیا تُو یہ کہنا چاہتا ہے کہ اس شہر کے تمام گھروں میں رات کے وقت سانپ پھرتے رہتے ہیں!'' پن شن جنگ نے جواب دیا، ''ہاں اے امیر! ایسا ہی ہے اور اسی لیے رات کے وقت اس شہر میں کوئی بھی گھر اور باغ کے صحن میں نہیں جاتا۔ یہ سانپ مینڈک کھاتے ہیں، یا پھر بڑے سانپ چھوٹے سانپوں کو ہڑپ کر جاتے ہیں۔ مگر ان سانپوں کو کمروں میں سوئے انسانوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔''

پن شن جنگ نے دوسرے ہندوؤں کی طرح جو صبح سویرے اُٹھ کر نہاتے ہیں، تیمور سے اجازت مانگی کہ وہ نہا کر واپس آئے۔

تیمور نے اپنے سرداروں سے کہا کہ وہ ملتان سے کوچ کرنے کیلئے تیار رہیں اور جب پن شن جنگ واپس لوٹا تو تیمور نے اس سے دہلی کے نئے سلطان ملا اقبال کی بابت دریافت کیا۔ تیمور اس کی فوجی قوت کے بارے میں جاننا چاہتا تھا۔ پن شن جنگ کہنے لگا" ملا اقبال ایک سال سے بھی کم وقت سے دہلی کا سلطان ہے اور چونکہ اسے خوف لاحق ہے کہ کہیں وہ اپنا اقتدار کھو نہ دے، اس لیے وہ اپنے دفاع کے بارے میں بے حد فکر مند رہتا ہے۔ مجھے اس کی فوج کی تعداد کا تو صحیح علم نہیں، تاہم یہ جانتا ہوں کہ اس کے پاس دو ہزار ہاتھی ہیں۔ یہ ہاتھی کبھی سلطان محمود خلجی کی ملکیت تھے، مگر ملا اقبال نے ان پر قبضہ کر لیا ہے۔" وہ کچھ دیر توقف کے بعد بولا" اے امیر! دہلی کی طرف جاتے ہوئے تمہارے راستے میں تین مضبوط قلعے آئیں گے۔ پہلا میرٹھ کا قلعہ، دوسرا لونے کا قلعہ اور تیسرا جومبہ کا قلعہ۔ میرے خیال میں اس وقت ان تینوں قلعوں میں فوج موجود ہے۔"

تیمور نے پوچھا" کیا یہ تینوں قلعے دہلی کے سلطان کے زیر حکومت ہیں؟" پن شن جنگ نے کہا" ہاں، اے امیر! اگر تم ان تینوں قلعوں کو فتح کر لو تم دہلی کے قلعے تک پہنچ جاؤ گے، جسے فتح کرنا انتہائی مشکل کام ہے۔" تیمور نے ملتان کے راجا سے پوچھا" کیا ایسی کوئی صورت ہے کہ میں راستے میں موجود ان تین قلعوں سے بچ کر کسی اور راستے سے دہلی پہنچ جاؤں؟" پن شن جنگ بولا" نہیں، اے امیر! تم ان قلعوں سے بچ کر نہیں جا سکتے کیونکہ دہلی کی طرف جانے والا راستہ ان قلعوں سے ہو کر گزرتا ہے۔ اگر تم شمال کی طرف سے جاؤ گے تو تمہارے راستے میں دلدلی جنگل آئیں گے جنہیں پار کرنا ناممکن ہے، ماسوائے اس صورت کے کہ جنگل کے تمام درخت کاٹ کر زمین پر بچھا دیئے جائیں اور دلدلوں کے اوپر ان درختوں پر سے فوج کو گزارا جائے تاکہ ان دلدلوں کی نذر ہونے سے بچا جا سکے۔ اگر تم جنوب کی طرف سے جاؤ گے تب بھی تمہارے راستے میں دلدلی جنگل آئیں گے اور تمہاری فوج ان دلدلی جنگلات کی نذر ہو جائے گی کیونکہ ان جنگلوں کو پار کرنا بھی ناممکن ہے۔ لہٰذا تمہارے پاس دہلی جانے کے لیے میرٹھ، لُونے اور جومبہ کے قلعوں کا راستہ اختیار کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔ تم ان تینوں قلعوں کو فتح کیے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتے کیونکہ اگر تم ان تینوں قلعوں پر قبضہ کیے بغیر آگے بڑھ گئے تو تمہاری واپسی کا راستہ بند کر دیا جائے گا اور میرے خیال سے تمہارے جیسا عقل مند سپہ سالار ایسی غلطی کبھی نہیں کرنا چاہے گا کہ اپنی واپسی کے واحد راستے کو تین مختلف مقامات پر دشمن کے قبضے میں دیدے۔"

تیمور نے اس سے پوچھا" اگر دہلی کے راستے میں یہ سب مشکلات موجود ہیں تو پھر محمود غزنوی دہلی تک کیسے پہنچا تھا؟" پن شن جنگ کچھ لمحوں تک سوچتا رہا، پھر کہنے لگا" میرا نہیں خیال کہ محمود غزنوی دہلی تک پہنچا تھا اور جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے اس نے محض پنجاب پر قبضہ کیا تھا اور دہلی جانہ پایا یا پھر جانے کا ارادہ ہی نہ رکھتا تھا۔"

تیمور نے کہا" میں نے کتابوں میں پڑھ رکھا ہے کہ محمود غزنوی دہلی پہنچا تھا۔" پن شن جنگ بولا" اے امیر، کتابوں میں لکھی ہر بات درست نہیں ہوتی۔ مہابھارت میں لکھے گئے 2 لاکھ اشعار میں سے شاید ایک لاکھ اشعار ہی حقائق پر مبنی ہوں گے اور باقی سب قصے کہانیوں پر مشتمل ہیں۔" تیمور نے حیران ہو کر پوچھا" یہ مہابھارت کیا چیز ہے؟" اس نے جواب دیا" مہابھارت دراصل ہندوستان کی ابتدا سے لے کر آج تک کی تاریخ بیان کرتی کتاب ہے جس میں دو لاکھ اشعار ہیں جو ہندوستان کے بڑے بڑے راجاؤں اور عظیم جنگجوؤں کی داستان شجاعت سے متعلق ہیں۔" تیمور نے کہا" اس کا مطلب ہوا کہ یہ کتاب فردوسی کے" شاہنامہ" جیسی ہے۔" پن شن جنگ نے شاہنامہ کا نام بھی کبھی نہ سنا تھا لہٰذا تیمور نے

اسے تفصیل سے بتایا کہ شاہنامہ میں کیا کچھ موجود تھا، اس پر وہ بولا ''بہر حال یہ حقیقت ہے کہ مہابھارت کے دولاکھ اشعار میں سے ایک لاکھ محض افسانے ہیں۔''

تیمور نے کہا، ''اے پن شن جنگ افسانے اس وقت تخلیق ہوتے ہیں جب لکھنے لکھانے کا وسیلہ موجود نہ ہو اور لوگ واقعات کو منہ زبانی ایک دوسرے تک پہنچاتے ہیں، اس طرح سے عام آدمیوں کے تخلیق کیے گئے تصورات بھی واقعات میں شامل ہو جاتے ہیں اور پھر ان سے کہانیاں بن جاتی ہیں مگر جب سلطان محمود غزنوی ہندوستان میں داخل ہوا تھا تو اس کے مشاہیر پڑھے لکھے لوگ تھے اور انہوں نے واقعات کو اسی طرح نقل کیا جیسے کہ وہ وقوع پذیر ہوئے۔ پھر شاعروں نے جنگوں کے واقعات کو نظموں میں ڈھال دیا لہٰذا اس طرح کی کتابیں افسانے اور قصے کہانیاں یا من گھڑت مواد نہیں ہیں۔'' پن شن جنگ نے پوچھا، ''کیا تم محمود غزنوی کے ہندوستان میں داخل ہونے کی درست تاریخ بتا سکتے ہو؟'' تیمور نے جواب دیا، ''محمود غزنوی آج سے تقریباً چار سو پچاس برس قبل ہندوستان میں آیا تھا۔'' پن شن جنگ نے کہا، ''اس زمانے میں میرٹھ، لونے اور جومبہ کے قلعے تعمیر نہ ہوئے تھے۔ یہ قلعے تقریباً اڑھائی سو سال قبل یکے بعد دیگرے تعمیر کیے گئے۔ لہٰذا اگر محمود غزنوی دہلی گیا بھی تھا تو اسے ان رکاوٹوں کا سامنا نہیں کرنا پڑا ہوگا اور وہ بغیر کسی مشکل کے دہلی پہنچ گیا ہوگا۔''

تیمور نے پن شن جنگ سے دریافت کیا، ''ملا اقبال سے تیرے تعلقات کیسے ہیں؟'' اس نے جواب دیا، ''میں اسے جانتا تک نہیں اور اس سے میرا کوئی رابطہ نہیں۔'' تیمور نے اس سے پوچھا، ''کیا تم چند ایسے قابل رہنما میرے ساتھ بھیج سکتے ہو جو دہلی تک کے سفر میں میری رہنمائی کر سکیں۔'' پن شن جنگ بولا، ''میرے لیے یہ خدمت باعث سعادت ہوگی!'' چنانچہ اس نے چار سفری رہنما تیمور کے ساتھ کر دیئے اور اسی روز تیمور اپنی فوج کے ساتھ ملتان سے روانہ ہو گیا۔

اس روز وہ سورج غروب ہونے تک زیادہ سفر نہ کر سکے کیونکہ انہوں نے دوپہر کے وقت اپنے سفر کا آغاز کیا تھا۔ غروب آفتاب کے قریب انہوں نے ایک دریا کے کنارے پہنچ کر ٹھہرنے کا فیصلہ کیا۔ تیمور کی فوج معمول کے جنگی سازوسامان کے ساتھ سفر کر رہی تھی اور تقریباً چھ کلومیٹر تک اس کے مختلف حصے پھیلے ہوئے تھے تاہم حسب معمول دو ہراول دستے فوج کے آگے آگے چل رہے تھے اور کسی بھی خطرے کی صورت میں تیمور ساری فوج کو یکجا کر کے جنگ کے لیے تیار کر سکتا تھا۔ اگلی صبح جب تیمور فجر کی نماز ادا کر کے فارغ ہوا تو تیمور کو ڈھول اور نفیری کی آواز سنائی دی اور پھر اسے کسی گروہ کے گانے بجانے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

تیمور اپنے خیمے سے باہر نکلا تو اسے نزدیکی گاؤں سے لوگوں کا ایک گروہ آتا دکھائی دیا۔ ان میں سے کچھ لوگ ایک تابوت اٹھائے ہوئے تھے اور وہ سب دریا کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ان لوگوں نے جنازے کے اوپر سرخ رنگ کا کپڑا اڑا رکھا تھا تاہم مُردے کا چہرہ نظر آ رہا تھا۔ تیمور نے دیکھا کہ وہ کسی مرد کا جنازہ تھا۔ ایک عورت سرخ لباس پہنے جنازے کے پیچھے پیچھے چل رہی تھی۔ وہ کبھی رونے لگتی اور کبھی دوسروں کی طرح گانا گانے لگتی۔

اس روز تو تیمور کو پتہ نہ چل سکا کہ وہ لوگ کیسا گانا گا رہے تھے تاہم بعد ازاں جب اس کی ایک ہندو پروہت سے بات چیت ہوئی تو اسے پتہ چلا کہ وہ لوگ نغمہ صبح گا رہے تھے جسے کہ سورج نکلنے کے بعد گایا جاتا ہے اور اس کا ذکر ہندوؤں کی ایک مقدس کتاب میں آیا ہے۔ بہر حال وہ لوگ

جو گا نا گا رہے تھے، جنازے کو دریا کنارے لے آئے اور تب تیمور نے دیکھا کہ ان لوگوں نے پہلے ہی وہاں لکڑیوں کے ذریعے ایندھن جمع کر رکھا تھا۔ یہاں پہنچ کر ان لوگوں نے مُردے کے بدن کو لکڑیوں کے اوپر رکھ دیا اور پھر انہوں نے اس نوجوان عورت کے ہاتھ پاؤں زنجیر سے باندھ دیے جو رو رہی تھی۔ اب مجمع میں موجود سب لوگ خاموش ہو گئے اور ڈھول پیٹنا گانا بھی بند کر دیا تاہم نفیری کی آواز جاری رہی۔ مجمع میں شامل مرد اور عورتیں اب گریہ وزاری کر رہے تھے اور تیمور نے اندازہ لگایا کہ وہ لوگ دراصل مرنے والے کے لیے نہیں بلکہ اس نوجوان عورت کے لیے گریہ کر رہے تھے جو سرخ لباس پہنے ہوئے تھی اور جسے اپنے شوہر کی لاش کے ساتھ ہی جل (ستی ہو) جانا تھا۔

عورت کے ہاتھ پاؤں زنجیر سے باندھنے کے بعد انہوں نے اسے مُردے کے ساتھ ہی لکڑیوں پر لٹا دیا، پھر انہوں نے آگ دکھا دی اور لکڑیوں نے فوراً ہی آگ پکڑ لی۔ عورت کے چیخنے کی آوازیں صحرا میں گونجنے لگیں اور فضا میں گوشت جلنے کی بُو پھیل گئی۔ چونکہ وہاں سے کوچ کرنے کا وقت تھا، لہٰذا تیمور نے وہاں زیادہ دیر رُکنا مناسب نہ سمجھا اور اپنے گھوڑے کو ایڑھ لگاتے ہوئے راستے پر آگے بڑھ گیا۔ اس روز مُردہ اور زندہ کو ایک ساتھ جلائے جانے کا عمل دیکھ کر تیمور اس قدر متنفر ہوا کہ جب تک ہندوستان میں رہا، اس نے دوبارہ یہ منظر کبھی نہ دیکھا۔

ملتان سے کوچ کرنے کے پانچ روز بعد وہ لوگ ایک عظیم جنگل کے سامنے پہنچ گئے اور یہاں سفری رہنماؤں نے مشورہ دیا کہ وہ اپنے کھانے پینے کی اشیاء خیموں کے اندر چھپا لیں ورنہ وہاں موجود بندر سب کچھ اڑا لے جائیں گے۔ انہوں نے وہ رات جنگل میں ہی بسر کی اور اگلی صبح تیمور کی آنکھ ایک عجیب شور کی آواز سن کر کھلی۔ تیمور نے خیمے سے باہر نکل کر آواز پر کان لگائے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے ہزاروں عورتیں مل کر آہ وزاری کر رہی ہوں۔ جیسے ہی دن کا اجالا پھیلا، درختوں کی شاخوں پر ہزاروں بندر نظر آنے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی۔ درختوں پر اس قدر بندر نظر آ رہے تھے کہ تیمور نے کبھی زمین پر چیونٹیوں کو اس قدر کثیر تعداد میں نہ دیکھا تھا۔

سفری رہنماؤں نے بتایا کہ وہ عظیم جنگل جس سے وہ گزر رہے تھے، چوڑائی میں اتنا زیادہ نہ تھا تاہم اس بات سے کوئی بھی واقف نہ تھا کہ اس کی لمبائی کتنی ہے۔ جنگل کی لمبائی شمال سے جنوب کی طرف پھیلی ہوئی تھی لیکن چونکہ وہ لوگ مشرق کی طرف جا رہے تھے لہٰذا وہ جنگل کی چوڑائی کو پانچ دنوں میں پار کر سکتے تھے۔ پورا جنگل بندروں سے بھرا ہوا تھا۔

ملتان سے روانہ ہوتے ہوئے سفری رہنماؤں نے انہیں انسانوں کو کھا جانے والے بندروں کی کہانیاں سنائی تھیں مگر تیمور نے ان کہانیوں پر یقین نہ کیا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ بندر، شیر اور چیتے کی طرح گوشت خور نہیں ہوتے لیکن اس روز جب اس نے لاکھوں بندروں کو درختوں پر دیکھا تو اسے ان کہانیوں پر یقین آ گیا۔ تیمور نے دل میں کہا کہ جب یہ بندر بھوکے ہوں تو کوئی بعید نہیں کہ یہ انسانوں پر حملہ کر کے ان کا گوشت بھی کھا جاتے ہوں۔ اس جنگل میں اس قدر بندر تھے کہ اگر ان میں سے ہر بندر صرف ایک پھل روزانہ کھاتا تو بھی جنگل میں کوئی پھل باقی نہ بچ پاتا۔ اس جنگل میں جو سفری رہنماؤں کے بقول شمال سے جنوب کی طرف اس قدر لمبا تھا کہ کوئی اس کی لمبائی سے واقف نہ تھا۔ کوئی بھی آبادی یا گاؤں وغیرہ نہ تھا۔ ان بندروں نے یہ صورتحال پیدا کر دی تھی کہ وہاں کھیتی باڑی وغیرہ کرنا ناممکن تھا۔ کسی آبادی کا وجود میں آنا تو دور کی بات تھی۔ ہندو لوگ اس جنگل میں جو بھی فصل کاشت کرتے وہ ساری کی ساری ان بندروں کے پیٹ میں چلی جاتی۔ یہ بندر گندم کی فصل کو اس کے سِٹے خشک ہونے سے پہلے ہی سارے

کا سارا چٹ کر جاتے۔ ان بندروں کو کوئی روکتا بھی نہ تھا کیونکہ ہندو جانوروں کو مارنے کے خلاف تھے بلکہ ان کی پوجا کیا کرتے تھے۔ خاص طور پر بندروں کو دیوتا مانتے تھے۔ نتیجتاً بندر ہندوؤں کے کھیتوں سے جو کچھ کھا سکتے، چٹ کر جاتے اور ہندو خود بھوکے رہ جاتے۔

تیمور اور اس کی فوج مسلسل پانچ روز تک جنگل میں مشرق کی جانب سفر کرتی رہی اور اس دوران انہیں صبح شام ہر لمحہ درختوں پر بندر ہی بندر نظر آتے رہے۔ بعض اوقات یہ بندر انہیں اس قدر تنگ کرتے کہ انہیں تیروں کی مدد سے نشانہ بنانا پڑتا اور جب ان میں سے کچھ مارے جاتے تو باقی پیچھے ہٹ جاتے مگر ان کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ وہ ان کے راستے میں مسلسل اُچھل کود جاری رکھتے اور تیمور کے سپاہیوں کو انہیں فاصلے پر رکھنے کے لیے تیروں سے نشانہ بنانا پڑتا۔ پانچ روز کے مسلسل سفر کے بعد وہ لوگ جنگل سے نکل آئے اور سفری رہنماؤں نے بتایا کہ اگلے روز وہ میرٹھ کے قلعے تک پہنچ جائیں گے۔

اس سے آگے وہ لوگ دلدلی علاقے میں داخل ہو گئے اور جس راستے سے وہ گزر سکتے تھے وہ کوئی چھ سے بارہ کلومیٹر چوڑا تھا اور اگر وہ اس سے زیادہ شمال کی طرف بڑھتے تو دلدل میں پھنس سکتے تھے اور اگر جنوب کی طرف زیادہ بڑھتے تو اس طرف بھی دلدل منہ کھولے ان کی منتظر تھی۔ چنانچہ انہیں درمیان میں تنگ راستے سے ہی آہستہ آہستہ گزرنا تھا۔

میرٹھ کے قلعہ کے پاس خشک علاقہ زیادہ وسیع تھا تاہم قلعہ سے آگے ان کا راستہ ایک بار پھر دلدلی علاقوں پر مشتمل تھا چنانچہ انہیں خشک راستے سے ہٹے بغیر اپنی منزل مقصود کی طرف بڑھنا تھا۔ جنگل سے نکلنے کے بعد تیمور کی فوج کی نقل و حرکت میں تبدیلی آ گئی اور وہ لوگ جنگی صف آرائی کی صورت میں آگے بڑھنے لگے حتیٰ کہ میرٹھ کا قلعہ جو کہ ایک پہاڑی کے اوپر بنا ہوا تھا، دور سے نظر آنے لگا۔ تیمور نے فوری طور پر ٹھہرنے اور فوجی چھاؤنی قائم کرنے کا حکم دیا۔ ایک ایسی چھاؤنی جس پر حملے کی صورت میں سپاہی اپنا دفاع کر سکیں جب چھاؤنی قائم کر دی گئی تو تیمور نے اپنے سرداروں کو اکٹھا کیا تاکہ ان سے کہے کہ وہ اپنے سپاہیوں کو جمع کر کے انہیں نئے احکامات سے آگاہ کریں۔ تیمور کے سردار ایک بڑے خیمے میں جمع ہو گئے جو ایسے ہی مقاصد کے لیے نصب کیا گیا تھا۔ پھر تیمور نے ان سے کہا:

''آج تک ہم نے جن ممالک کے خلاف جنگیں لڑی ہیں ان کے پاس ہاتھی نہ تھے لیکن اب ہم جس ملک میں برسرِ پیکار ہیں ان کا ایک جنگی ہتھیار ہاتھی ہے۔ تم سب نے ایران میں ہاتھی دیکھا ہے اور جانتے ہو کہ ہاتھی چارا کھانے والا جانور ہے تاہم اس کے سینگ اور سم نہیں ہوتے۔ اگر ہاتھی...... شیر، چیتے یا تیندوے جیسا جانور ہوتا تو میں تم لوگوں کے خوفزدہ ہونے کو شاید بجا سمجھتا مگر ایک چارا کھانے والے جانور سے بھلا کیا ڈرنا جس کے سینگ اور سم بھی نہیں ہوتے اور جو دولتی بھی نہیں مار سکتا۔ لہٰذا اپنے سپاہیوں کو بھی اچھی طرح سمجھا دو کہ ہاتھی ایک بہت بڑے جثہ کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے اور ایک ایسا جانور ہے جسے تلوار کے ایک وار سے باآسانی گرایا جا سکتا ہے۔ اس کی سونڈ کاٹنے سے یا تلوار کا وار اس کے بدن پر پڑنے سے اسے گرایا جا سکتا ہے۔ اپنے سپاہیوں کو بتا دو کہ ہاتھی کسی کو تکلیف نہیں پہنچا سکتا، بجز اس کے کہ آدمی اس کے پاؤں تلے آ جائے یا پھر اس کے پاؤں آدمی کے سینے پر رکھے جائیں۔ تمہارے سپاہی اس جانور سے معمولی سی تکلیف اٹھائے بغیر ہی اس کے پیٹ کے نیچے پہنچ کر تلوار یا نیزے کے ایک وار سے اس کے پیٹ میں سوراخ کر سکتے ہیں۔ جن میں زیادہ طاقت ہو وہ ہاتھی کے گھٹنوں کو تیر کے ایک ہی وار سے چیر سکتے ہیں اور یہی وجہ

ہے کہ ایک ہی وار ہاتھی کو بیکار کر سکتا ہے۔ اپنے سپاہیوں کو بتا دو کہ گھوڑا ہاتھی کی نسبت زیادہ خطرناک ہے کیونکہ اس کے سم ہوتے ہیں۔ لہٰذا جب وہ ہاتھی کو اپنے نزدیک آتا دیکھیں جس پر ہودہ کسا ہو اور مہاوت اس پر سوار ہو تو جان لیں کہ یہ زیادہ خطرے کی بات نہیں ہے کیونکہ اس سے کہیں زیادہ خطرے کی بات یہ ہے کہ کمان داروں سے بھری ہوئی گاڑی ان کی طرف آ رہی ہو کیونکہ گاڑی کو گرانا بہت مشکل کام ہے جبکہ ہاتھی کو بیکار کرنا بالخصوص ہمارے آہنی لباس پہنے ہوئے سپاہیوں کے لیے بے حد آسان ہے۔''

اس کے بعد تیمور نے ابدال کلرزئی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ''اے امیر، اب میں تم سے مخاطب ہوں۔ تمہیں چاہیے کہ اپنے قلاب دار سپاہیوں سے کہو کہ ہاتھیوں کو گرانے کے لیے تیار ہو جائیں۔ میرے خیال سے تیرے سپاہیوں کے لیے قلاب استعمال کرنے کا بہترین موقع یہ ہے کہ وہ ہاتھیوں کی سونڈیاں ان کے گھٹنوں پر قلاب پھینکیں۔ اگر قلاب ہاتھی کی سونڈ پر گرے تو وہ زور سے قلاب کو کھینچ کر ہاتھی کی سونڈ کا کچھ حصہ کاٹ ڈالیں۔ ہاتھی اسی لمحے گھٹنوں کے بل گر جائے گا یا اگر وہ ہاتھی کے گھٹنے زخمی کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو بھی وہ ہاتھی کو بیکار کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔''

ان احکامات کے بعد تیمور نے اپنے سرداروں کو رخصت کر دیا تاکہ وہ جا کر سپاہیوں تک ہدایات پہنچا دیں اور انہیں سمجھا دیں کہ ہاتھیوں سے خوفزدہ ہونے کی ہرگز ضرورت نہیں۔

وہ رات انہوں نے قلعہ سے کچھ فاصلے پر ہی بسر کی اور اگلی صبح وہ میرٹھ کے قلعہ کی طرف بڑھنے لگے۔ ہراول دستے کی طرف سے اطلاع ملی کہ قلعے کے سامنے کوئی موجود نہیں تاہم قلعے کے دروازے بند ہیں۔ سفری رہنماؤں نے بتایا کہ قلعہ کے کوتوال کا نام آلاشر ہے جس کا خاندان صدیوں سے خلجی بادشاہوں کی خدمت کرتا آ رہا تھا۔

جنگ کرنے سے پہلے تیمور نے سوچا کہ کیوں نہ اپنا نمائندہ وفد آلاشر کے پاس بھیجے اور اس کے ساتھ مذاکرات کرے۔ چنانچہ تیمور نے اپنے نمائندوں کو منتخب کر کے ہدایت کی کہ وہ آلاشر تک امیر تیمور کا یہ پیغام پہنچا دیں۔

''تم کئی نسلوں سے خلجی بادشاہوں کی خدمت کرتے آ رہے ہو اور تمہارا فرض ہے کہ ان سے وفادار رہو مگر سلطان محمود یعنی آخری خلجی سلطان اس وقت ملا اقبال کی قید میں ہے۔ میں اس شخص کو جو اس وقت دہلی کے تخت پر بیٹھا حکمرانی کے مزے لے رہا ہے، اپنا زیرنگیں بنانا چاہتا ہوں اور اگر اس نے ایسا کرنے سے انکار کیا تو میں اسے گھٹنوں کے بل جھکنے پر مجبور کر دوں گا۔ اگر تم خلجی خاندان کے وفادار ہو تو تمہیں میرے جیسے آدمی کے خلاف نہیں لڑنا چاہیے کیونکہ میں تو دہلی جا کر ملا اقبال کی ناک زمین پر رگڑنا چاہتا ہوں بلکہ تمہیں نہ صرف مجھے آگے جانے کا راستہ دینا چاہیے بلکہ خود اپنی فوج کے ساتھ میرے ساتھ شریک ہو جانا چاہیے۔ میں یہ تو وعدہ نہیں کر سکتا کہ دہلی فتح کرنے کے بعد سلطان محمود کو دوبارہ تخت پر بٹھا دوں گا کیونکہ مجھے علم نہیں کہ جب میں دہلی فتح کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا تو سلطان محمود خلجی زندہ بھی ہو گا یا نہیں۔ مجھے یہ بھی علم نہیں کہ دہلی فتح کرنے کے بعد میں کیا فیصلہ کروں گا۔ تاہم ایک وعدہ ضرور کرتا ہوں کہ میں ملا اقبال جو تمہارا دشمن ہے (اگر تم خاندان خلجی کے وفادار ہو) کی ناک زمین پر ضرور رگڑوں گا۔''

تیمور کے پیغام کے جواب میں آلاشر نے قلعہ کی دیوار کے اوپر سے مترجم کی مدد کے بغیر کہا، ''خاندان خلجی کے ساتھ میری وفاداری کا مطلب یہ تو نہیں کہ میں کسی بیرونی فوج کو راستہ دے دوں تاکہ وہ دہلی جا پہنچے اور اس پر قبضہ کر لے۔ ملا اقبال اور سلطان محمود کے درمیان جنگ

دراصل دو بھائیوں کے درمیان لڑائی تھی۔ اسی لیے ملا اقبال نے سلطان محمود کو شکست دینے کے باوجود اسے قتل نہیں کرایا بلکہ اسے نظر بند کرا دیا اور اس کے ساتھ احترام کا سلوک کرنے کے احکامات جاری کیے۔ اگر ملا اقبال سلطان محمود کو بھائی کی طرح نہ سمجھتا تو اس کا سر قلم کرا دیتا مگر تم لوگ باہر سے آنے والی دشمن فوج ہو اور تم لوگ ہندوستان کو فتح کرنے آئے ہو۔ تم نہیں جانتے کہ ہندوستان وہ سرزمین ہے کہ جسے فتح کرنے کا خواب لے کر آنے والے یہیں مر کھپ گئے یا پھر انہیں یہاں سے ایسے بھاگنا پڑا کہ دوبارہ پیچھے مڑ کر دیکھنے کی ہمت بھی نہ ہوئی۔''

اب تیمور اور اس کی فوج کے لیے مقصد بالکل واضح تھا، انہیں ہر صورت قلعے پر قبضہ کرنا تھا اور قبضہ کرنے کے بعد آگے بڑھنا تھا۔ جیسا کہ تیمور کو بتایا گیا تھا کہ وہ یہ قلعہ فتح کیے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا تھا کیونکہ دہلی سے واپسی پر اس قلعہ کا حاکم اس کا راستہ روک لیتا تاکہ اسے ختم کر دے یا جو مال غنیمت وہ ساتھ لایا ہوتا اسے اپنے قبضے میں لے لیتا۔ چنانچہ تیمور نے قلعے کے گرد پہرہ بٹھا دیا اور اپنے سپاہیوں کو ارد گرد کے علاقوں میں یہ چھان بین کرنے کی ہدایت کی کہ آیا میرٹھ کے قلعہ سے قریبی بستیوں میں داخل ہونے کے لیے خفیہ راستے تو نہیں بنائے گئے کیونکہ عام طور پر ایسے فوجی قلعوں میں قریبی بستیوں تک رسائی کے خفیہ راستے بنائے گئے ہوتے ہیں تاہم بظاہر یہی نظر آتا تھا کہ میرٹھ کے قلعے سے قریبی بستیوں میں جانے کا کوئی خفیہ راستہ نہ تھا۔

میرٹھ کے قلعہ تک پہنچنے سے پہلے ملک غور کے بادشاہ ابدال کلرئی نے جو اس وقت تیمور کے ساتھ ہندوستان کی مہم میں شریک تھا، مشورہ دیتے ہوئے کہا، ''کیوں نہ ہم ہاتھیوں کا راستہ روکنے کے لیے اونٹوں کو استعمال کریں۔ ہاتھی اونٹ کی بو سے نفرت کرتا ہے اور جیسے ہی اونٹ اس کے قریب پہنچتا ہے تو وہ بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔'' تاہم قلعے کے سامنے کوئی ہاتھی نہ تھا جس کے خلاف وہ اونٹوں کو استعمال کرتے، پھر یہ کہ تیمور کی فوج کے پاس اونٹ بھی نہ تھے۔ تیمور اس علاقے میں زیادہ دیر تک ٹھہر نہ سکتا تھا کیونکہ اگر میرٹھ میں اس کا قیام زیادہ عرصہ تک جاری رہتا تو برسات کا موسم جو ہندوستان کی مون سون کے نام سے مشہور تھا، شروع ہو جاتا۔ یہ بارشیں ان کے آگے بڑھنے اور جنگ کرنے میں رکاوٹ بن جاتیں اور پھر تیمور کو موسم برسات ختم ہو جانے کا انتظار کرنا پڑتا۔

جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے میرٹھ کا قلعہ ایک پہاڑی پر بنا ہوا تھا اور اس پر نقب لگانے اور فصیل کی بنیاد تک پہنچنے کے لیے ضروری تھا کہ تیمور اور اس کی فوج پہاڑی کے اوپر پہنچ جاتی لیکن قلعے کی دیوار کے اوپر پتھر پھینکنے والی گاڑیاں کھڑی تھیں اور ان گاڑیوں کے توپچی تیمور کے سپاہیوں کی طرف بڑے بڑے وزنی پتھر پھینکنے کے لیے تیار تھے۔ وہ لوگ قلعے کی فصیل کی بنیادوں میں نقب نہیں لگا سکتے تھے کیونکہ ایسا کرنا بیکار ہوتا۔ تیمور کے معماروں نے بتایا کہ فصیل کی بنیادوں میں پتھر ہیں جن کے باعث وہاں کھدائی کرنا ممکن نہ تھا۔ اب ان کے پاس اس کے سوا کوئی راستہ نہ تھا کہ ٹیلے پر چڑھ کر ایسی جگہ پہنچ جاتے جہاں نقب لگانا ممکن تھا۔

مگر جیسے ہی تیمور کے سپاہی پہاڑی ٹیلے پر چڑھنے کی کوشش کرتے، قلعے کی دیوار سے بھاری بھر کم پتھر ان پر برسنے لگتے اور حتیٰ کہ آہنی لباس پہنے ہوئے سپاہی بھی آگے بڑھنے سے قاصر تھے کیونکہ ان کے خود اور آہنی لباس بھاری پتھروں کی چوٹ سے بچانے سے قاصر تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے فصیل کے رکھوالوں نے برسوں کے لیے پتھروں کا ذخیرہ جمع کر رکھا ہو کیونکہ وہ مسلسل پتھروں کی بارش کر رہے تھے اور ایک لمحے کے لیے بھی ایسا

نہ لگتا کہ انہیں پتھروں کی کمی کا سامنا ہے۔

یہ صورت حال دیکھ کر ابدال کلرٔی تیمور سے کہنے لگا، ''اے امیر! اگر تم اوپر سے نقب لگانا چاہتے ہو تو تمہیں چاہیے کہ اپنے سپاہیوں کے سروں کو بچانے کا کوئی انتظام کرو تا کہ بڑے بڑے پتھر انہیں ہلاک نہ کر سکیں مگر یہ بھی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ تمہارے سپاہی رات کے وقت پہاڑی ٹیلے پر چڑھ کر قلعے کے اردگرد مضبوط حفاظتی پناہ گاہیں نہ بنالیں۔'' تیمور نے ملک غور کے بادشاہ ابدال کلرٔی کا مشورہ تسلیم کرلیا کیونکہ نقب کھودنے کا اور کوئی راستہ نہ تھا۔ تیمور کے حکم پر اس کے سپاہیوں نے بہت سی حفاظتی پناہ گاہیں بنانے کا سامان تیار کرلیا۔ انہوں نے یہ کام اس طرح انجام دینے کا فیصلہ کیا کہ دشمن یوں سمجھے کہ جیسے وہ لوگ قلعہ کے گرد بہت سے برج بنانے کا ارادہ رکھتے ہیں تا کہ ان برجوں سے محصورین پر پتھر پھینکیں یا انہیں تیروں سے نشانہ بنائیں۔

جب پناہ گاہیں تعمیر کرنے کا مواد جمع ہوگیا تو تیمور کے سپاہیوں نے رات کے وقت جبکہ پتھر پھینکنے والی گاڑیوں کا خطرہ کم تھا مختلف مقامات پر اس مواد کو پہاڑی کے اوپر پہنچا دیا اور پھر انہوں نے قلعے کے گرد بے شمار پناہ گاہیں اور برج بنانے شروع کردیئے۔ یہ پناہ گاہیں اس لیے تعمیر کی گئی تھیں تا کہ قلعے کے پہرے دار نقب میں داخل ہونے کی جگہ نہ دیکھ سکیں اور برج تعمیر کرنے کا مقصد دراصل پہرے داروں کو دھوکہ دینا تھا۔ اگر وہ لوگ صرف ایک پناہ گاہ تعمیر کرتے تو پہرے داروں کو پتہ چل جاتا کہ قلعے کی بنیاد میں نقب کا راستہ وہاں ہے، اسی لیے انہوں نے بے شمار پناہ گاہیں تعمیر کیں تا کہ قلعے کے پہرے دار یقینی طور پر نہ جان سکیں کہ نقب لگانے کے لیے کھدائی کہاں کی گئی ہے۔ تیمور کے سپاہی راتوں کو کام کرتے رہتے تاہم دن کا اُجالا پھیلنے سے پہلے ہی واپس ٹیلے کے دامن میں چلے آتے۔

پہلے دن جب قلعے کے کوتوال آلاشر نے پناہ گاہیں تعمیر کرنے کا مسالہ دیکھا تو اسے قطعاً خبر نہ ہوئی کہ تیمور کے سپاہی کیا کرنا چاہتے ہیں تاہم دوسرے دن اسے پتہ چل گیا کہ وہ برج بنانا چاہتے تھے کیونکہ برج نامکمل حالت میں کھڑے ہوچکے تھے۔ اس نے خیال کیا کہ تیمور کے سپاہی قلعے پر حملے کے لیے ان برجوں کو استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ اس روز سے آلاشر نے ان کے بنائے برجوں پر سنگ باری کے احکامات جاری کر دیئے اور اس کے توپچی روزانہ بھاری پتھر برسا کر تیمور کے سپاہیوں کی طرف سے بنائے گئے برجوں کو مسمار کرنے کے لیے پتھر برسانے میں مصروف رہتے۔ چنانچہ کبھی کبھار بڑے بڑے پتھر ان برجوں پر آگرتے اور ان کے کچھ حصوں کو مسمار کر دیتے مگر اگلی رات تیمور کے سپاہی ان برجوں کو دوبارہ تعمیر کرکے انہیں مزید بلند کردیتے۔

تیمور اس بات کا منتظر تھا کہ آلاشر ان کے برجوں کو گرانے کے لیے اپنے سپاہی قلعے سے باہر بھیجے اور وہ اپنے بیلچوں کی مدد سے برجوں کو گرا دیں۔ اگر وہ ایسا کرتا تو تیمور اپنے سپاہیوں کو ان کے مقابلے پر بھیج دیتا مگر آلاشر نے اپنے سپاہیوں کو باہر نہ بھیجا۔ یوں لگتا تھا کہ وہ اس بارے میں پُر یقین تھا کہ ان کے بنائے برج بیکار تھے اور یہ کہ تیموری فوج ان برجوں کی مدد سے قلعے کو فتح نہ کر سکتی تھی۔

تیمور کو قلعے کے اندر موجود سپاہیوں کی اصل تعداد کا علم نہ تھا تاہم اس کا اندازہ تھا کہ اندر آٹھ سے دس ہزار سپاہی موجود ہوں گے۔ میرٹھ کا قلعہ خالصتاً فوجی نوعیت کا تھا۔ اس لیے وہاں عورتوں اور بچوں کو نہیں لے جایا جاتا تھا۔ اسی لیے وہاں کے پہرے دار زیادہ بے فکری اور آسانی سے

دفاع کر سکتے تھے۔ تیمور کے معمار خاص شیر بہرام مارواڑی نے نقب لگانے کے لیے دو سرنگیں کھودنے کا فیصلہ کیا تا کہ اگر ایک نقب کے راستے میں کوئی رکاوٹ وغیرہ آجائے یا کسی اور وجہ سے وہ قلعہ کی دیوار تک نہ پہنچ سکے تو دوسری نقب کارآمد ثابت ہو۔ شیر بہرام مارواڑی ایک ایسا شخص تھا جس کے آباؤ اجداد ہمیشہ سے معمار رہے تھے اور ایک ماہر معمار ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ایک بہترین زمین کا معائنہ کرنے والا بھی تھا۔ وہ جیسے ہی کسی زمین کو دیکھتا تو فوراً جان لیتا کہ آیا اس زمین کے نیچے پانی ہے یا نہیں۔ تیمور نے ایسے بہت سے ماہر معمار دیکھے تھے جو زمین کی سطح پر کچھ آثار دیکھ کر بتا دیتے تھے کہ آیا اس کے نیچے پانی ہے یا نہیں، مگر شیر بہرام مارواڑی ایسا ماہر معمار تھا کہ جو بغیر کسی نشانی کے ہی محض زمین کی سطح دیکھ کر ہی بتا دیتا تھا کہ آیا اس کے نیچے پانی ہے یا نہیں۔

دونوں سرنگوں کی کھدائی اسی رات شروع ہوگئی اور جبکہ یہ سرنگیں کھودی جا رہی تھیں، تیمور نے اپنے سپاہیوں کو بارود تیار کرنے کا حکم دے دیا۔ اگرچہ وہ لوگ اپنے ساتھ بارود لے کر آئے تھے مگر وہ بارشوں کے باعث گیلا ہو گیا تھا اور کچھ درۂ خیبر سے گزرتے ہوئے پانی میں ڈوب کر بیکار ہو گیا تھا۔ تاہم انہوں نے ہندوستان کی سرزمین (ملتان کے علاقے) میں داخل ہوتے ہی بارود تیار کرنے کا مواد حاصل کر لیا تھا تا کہ ضرورت پڑنے پر وہ بارود مہیا کر سکیں۔

سرنگوں کی کھدائی کے آغاز کے بعد تیمور کے سپاہی دن اور رات دونوں اوقات میں کھدائی کرتے رہتے کیونکہ یہ سرنگیں پناہ گاہوں کے اندر کھودی جا رہی تھیں اور قلعے کے پہرے دار انہیں دیکھ نہ سکتے تھے۔ تیمور کے سپاہی ہر روز سرنگوں کی کھدائی کے دوران نکلنے والی مٹی کو جمع کر کے پناہ گاؤں میں لاتے اور پھر رات کے وقت دوسرے سپاہی اس مٹی کو ٹیلے کے دامن میں پہنچا دیتے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اگر مٹی ٹیلے کے اوپر ہی چھوڑ دی جاتی تو آلاشر سمجھ جاتا کہ وہ لوگ سرنگیں کھود رہے ہیں۔

ایک روز جبکہ پتھر برسانے والی گاڑیاں تیمور کے سپاہیوں کی طرف سے بنائے گئے برجوں پر پتھر برسا رہی تھیں، تیمور نے حکم دیا کہ ان برجوں میں سے ایک پر سفید پرچم لہرا دیا جائے۔ یہ جھنڈا لہرانے پر گاڑیوں سے پتھر برسنے بند ہو گئے۔ تیمور خود برج کے اوپر چڑھ گیا اور بلند آواز میں کہنا شروع کیا، ''میں آلاشر سے بات کرنا چاہتا ہوں جو اس قلعہ کا کوتوال ہے۔'' آلاشر ایک آہنی خود اور جنگی لباس پہنے قلعہ کی فصیل پر نمودار ہوا اور بولا، ''میں آلاشر ہوں، تم کون ہو؟'' تیمور نے جواب دیا، ''میں تیمور گورگین، ماوراء النہر، ایران اور بین النہرین کا بادشاہ ہوں۔'' آلاشر بلند آواز میں بولا، ''تم مجھ سے کیا کہنا چاہتے ہو؟'' تیمور نے کہا، ''میں تجھے خبردار کرنا چاہتا ہوں اور تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ قلعے کے دروازے کھول دے اور اپنے سپاہیوں سمیت ہتھیار ڈال دے۔ میں تجھے اپنے سرداروں میں شامل کر لوں گا۔ یہ جو میں تمہیں خبردار کر رہا ہوں تو یہ محاصرے کے طول پکڑ جانے کے خوف سے ہرگز نہیں ہے کیونکہ مجھے یقین ہے کہ میں بہت جلد اس قلعے پر قبضہ کر لوں گا۔ تجھے خبردار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ میں نے جان لیا ہے کہ تو ایک دلیر آدمی ہے اور کسی دلیر آدمی کا زندہ رہنا قتل ہو جانے سے بہتر ہے۔

''اگر میں جنگ کر کے قلعہ پر قابض ہوا تو پھر میرے پاس تجھے قتل کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا کیونکہ اس کے لیے میرے سپاہیوں کا خون بھی بہے گا اور مجھے اس کا بدلہ لینا ہوگا لیکن اگر تو لڑے بغیر اور خون بہائے بغیر ہتھیار ڈال دے تو میں تجھے اپنی فوج میں شامل کر لوں گا کیونکہ

میرے سپاہیوں کا خون نہیں بہے گا اور تمہیں میری فوج میں اعلیٰ عہدہ بھی ملے گا۔'' آلاشر نے یہ سب سُن کر زوردار قہقہہ لگایا اور بولا ''اگر میں اور میرے سپاہی ہتھیار نہ ڈالیں تو کیا ہو جائے گا؟'' تیمور بولا ''میں قلعہ پر قبضہ کرنے کے بعد تجھے ایک لوہے کے پنجرے میں بند کرا دوں گا اور حکم دوں گا کہ اس پنجرے کو آگ پکڑنے والی لکڑیوں کے ایندھن پر رکھ کر آگ لگا دیں۔ پھر میں تجھے زندہ جلا دوں گا۔'' آلاشر نے اس پر مزید قہقہے بلند کیے اور کافی دیر تک مسلسل قہقہے لگاتا رہا، پھر تمسخر بھرے انداز میں کہنے لگا ''او تیمور گورگین! ہم ہندوؤں کو مرنے کے بعد ویسے بھی جلنا ہی ہوتا ہے تا کہ ہماری روحیں نروان میں منتقل ہو جائیں۔ ایسے شخص کی روح تو نروان میں مزید بلند درجے پر پہنچ جاتی ہے جسے زندہ جلایا جائے۔''

تیمور نے اس کے جواب میں کہا ''تو ٹھیک ہے، یہ میری آخری بات تھی۔ اس کے بعد اب صرف تلوار ہی ہم دونوں کے درمیان فیصلہ کرے گی۔'' اس کے بعد تیمور برج سے نیچے اُتر آیا اور انہوں نے برج سے سفید پرچم بھی اُتار دیا۔ سرنگوں کی کھدائی میں کافی دن لگ گئے اور تیمور ان گزرتے ہوئے دنوں کے بارے میں فکرمند ہونے لگا، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ برسات یا ہندوستان کا مون سون کا موسم تیزی سے قریب آ رہا ہے۔

آخر ایک دن شیر بہرام ماروازی نے تیمور کو مطلع کیا کہ ایک سرنگ قلعے کی دیوار کے نیچے پہنچ گئی ہے اور دوسری بھی چند دن میں دیوار تک پہنچ جائے گی۔ سپاہیوں کی مدد سے شیر بہرام ماروازی نے قلعے کی دیواروں کے نیچے دو گہرے کھڈے بنائے اور سپاہیوں نے ان کھڈوں میں بارود رکھ کر اس کے ساتھ لمبے فیتے باندھ دیئے اور ان فیتوں کے سروں کو سرنگوں کے بیرونی دہانوں تک لے آئے۔

تیمور میرٹھ کے قلعے کے باہر ستمبر کے مہینے میں پہنچا تھا اور انہیں قلعے کی دیواروں کو مسمار کرنے کا انتظام کرنے میں اکتالیس دن لگ گئے، تاہم ان دنوں کے دوران تیمور نے اپنے سرداروں اور سپاہیوں کو مسلسل جسمانی اور جنگی مشقوں میں مصروف رکھا تا کہ وہ محض کھاتے اور سوتے نہ رہیں کیونکہ یہ چیز ان کی صلاحیتوں کو زنگ آلود کر سکتی تھی۔ مختلف مشقوں میں ایک یہ مشق بھی شامل تھی کہ رات کے وقت تیمور تمام سپاہیوں کو تیزی سے دوڑ کر ٹیلے کے اوپر چڑھنے کا حکم دیتا۔ یہ مشق ان کے لیے انتہائی ضروری تھی کیونکہ حملے کے وقت ان سپاہیوں کو حقیقتاً تیزی سے دوڑ کر ٹیلے کے اوپر جانا تھا اور یہ مشق ان کے لیے بے حد کام آ سکتی تھی۔ چونکہ تیمور کے زیادہ تر سپاہی گھڑسوار تھے اس لیے وہ پیادہ طور پر اتنے زیادہ قابل نہ تھے مگر یہ مشقیں ان کے لیے اس وقت بے حد کارآمد ثابت ہوئیں جب 23 اکتوبر 1398ء کا دن طلوع ہوا۔

اس روز تیمور کے تمام سپاہی قلعے پر حملے کے لیے پوری طرح تیار تھے۔ دن کا اُجالا پھیلنے سے پہلے موسم اچانک بے حد سرد ہو گیا اور حالانکہ تیمور موسم برسات کی آمد کے بارے میں فکرمند تھا مگر اس نے موسم کے سرد ہونے کو ایک اچھی نشانی تصور کیا کیونکہ اس کا مطلب تھا کہ اس کے سپاہیوں کو جنگ کے دوران گرمی کی شدت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ جیسے ہی دن کا اُجالا نمودار ہوا اور رات کا اندھیرا چھٹ گیا، تیمور نے اشارہ کیا کہ فیتوں کو آگ لگا دی جائے۔ جن سپاہیوں نے فیتوں کو آگ لگائی وہ بڑی تیزی سے ٹیلے سے نیچے اُتر آئے۔ تیمور کے آہن پوش سپاہی اور ملک غور کے قلاب پھینکنے والے جنہیں پہلی صف میں حملہ کرنا تھا، قلعے پر حملہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔

اچانک زمین اپنی بنیادوں تک لرز اٹھی اور ایسی آواز پیدا ہوئی جیسے ہزاروں بجلیاں بیک وقت کڑک رہی ہوں اور میرٹھ کے قلعے کی دیواریں دو مقامات پر ٹکڑوں کی صورت مسمار ہو گئیں۔ تیمور اچھی طرح جانتا تھا کہ دشمن دیواروں کے گرنے سے اس قدر خوفزدہ اور حواس باختہ ہو گا کہ

کچھ وقت کے لیے یہ سمجھ ہی نہیں سکے گا کہ کیا کیا جائے ،لہٰذا انہیں دشمن کے خوف اور بوکھلاہٹ کا فائدہ اٹھانا تھا اور انہیں غیر متوقع طور پر جالینا تھا۔ تیمور کے اشارے پر آہن پوش سپاہی اور قلاب پھینکنے والے ایک ہی سانس لینے کی مہلت میں ٹیلے پر چڑھ گئے۔ دشمن کی پتھر پھینکنے والی گاڑیاں ان پر پتھر پھینک سکیں اور نہ ہی ان کی طرف تیر ہی چلائے گئے بلکہ اس سے پہلے ہی تیمور کے سپاہی قلعے کے اندر داخل ہو گئے۔ اس وقت تک بھی دشمن دیواروں کے مسمار ہونے کی حیرت اور خوف سے نہ نکلا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آلا شر کے زیادہ تر سپاہی چھوٹے چھوٹے گروہوں میں تقسیم ہو کر ہتھیار ڈالتے چلے گئے۔

جب قلعے پر حملہ ہوا تو آلا شر نے اپنے سپاہیوں کو تیمور کے سپاہیوں کے خلاف دفاع کے لیے لانا چاہا مگر جنگ کو اسی روز ختم کرنے کے لیے تیمور نے اپنے سپاہیوں کی کثیر تعداد کو اس حملے میں استعمال کیا تھا، چنانچہ دوپہر سے کچھ پہلے ہی آلا شر گرفتار ہو گیا اور اسی لمحے جنگ ختم ہو گئی۔ تیمور نے آلا شر کے گرفتار ہونے والے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ مرنے والوں کی لاشیں قلعے سے باہر منتقل کر دیں۔ قلعہ میرٹھ کے اندر جو کہ ایک مضبوط جنگی حصار تصور ہوتا تھا، بڑھئیوں اور لوہاروں کے اوزار موجود تھے۔ تیمور نے حکم دیا کہ دھات کی سلاخوں سے ایک پنجرہ بنایا جائے۔ پنجرہ فوراً تیار ہو گیا، آلا شر کو اس میں بٹھا دیا گیا اور تیمور کے سامنے پنجرہ حاضر کر دیا گیا۔

تیمور کے سامنے ایندھن کا ایک بہت بڑا ذخیرہ جمع تھا اور تیمور نے کہنا شروع کیا، ''اے انسان میں نے تجھے خبردار کیا تھا اور بتا دیا تھا کہ اگر میرے سپاہیوں کا خون بہا تو میں تجھے زندہ جلا دوں گا اور تُو سمجھا کہ میں مذاق کر رہا ہوں لیکن اب دیکھ لے کہ تو میرے کہنے کے مطابق پنجرے میں بند ہے اور چند ہی منٹوں میں میرے سپاہی اس پنجرے کو لکڑیوں کے ایندھن پر رکھ دیں گے اور اسے آگ لگا دیں گے اور تُو اس میں جل کر بھسم ہو جائے گا۔'' تیمور کو توقع تھی کہ اب موت کو سامنے دیکھ کر شاید آلا شر رحم کی درخواست کرے گا اور تیمور سے درخواست کرے گا کہ وہ اسے زندہ جلانے کا ارادہ تبدیل کر دے اور اسے کسی اور طریقے سے قتل کرا دے مگر آلا شر بولا، ''اے تیمور گورگین میں تجھے پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ ہم ہندوؤں کو آخر کار جلنا ہی ہوتا ہے اور جو شخص زندہ جلایا جاتا ہے وہ باقی لوگوں کی نسبت نروان میں کہیں بہتر درجہ حاصل کرے گا۔'' اسی لمحے ہوا چلنے لگی جو آگ جلانے کے لیے سازگار تھی چنانچہ تیمور نے حکم دیا کہ آلا شر کے پنجرے کو لکڑیوں کے ذخیرے پر رکھ کر اسے آگ لگا دی جائے۔

لکڑیوں کے ذخیرے کے نیچے آگ بھڑک اٹھی لیکن اس سے پہلے کہ آگ پوری طرح پھیلتی، تیز ہوا نے اسے بجھانا شروع کر دیا۔ آسمان پر طوفان باد و باراں کے آثار نمودار ہو گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے سیاہ بادلوں نے آسمان کو گھیر لیا اور تیز ہوا بھی چلنے لگی۔ چنانچہ عین اس وقت جب آگ اس مقام پر پہنچ گئی تھی کہ آلا شر کو اپنی گرفت میں لے کر جلا دیتی، موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ بارش اس قدر تیز تھی کہ اس نے آگ کو ایک منٹ سے بھی کم وقت میں بالکل بجھا دیا۔ تیمور خود اس طرح بھیگ گیا کہ جیسے کسی حوض میں غوطہ لگا کر نکلا ہو۔ جب بارش کا طوفان تھم گیا تو تیمور نے حکم دیا کہ آلا شر کے پنجرے کو نیچے اتار دیا جائے اور اسے پنجرے سے باہر نکال دیا جائے۔ تیمور کو یوں لگا کہ جیسے بارش کو خدائے بزرگ و برتر نے آلا شر کو بچانے کے لیے بھیجا تھا اور اگر وہ اسے جلا دیتا تو گویا خدا کی مرضی کے خلاف کام کرتا۔ چنانچہ تیمور نے حکم دیا کہ آلا شر کو قید میں ڈال دیا جائے۔

تیمور میرٹھ کے قلعہ کو محافظوں کی نگرانی میں دیئے بغیر آگے نہ بڑھ سکتا تھا۔ تیمور کو وہاں محافظ بٹھانے تھے تاکہ دہلی کا سلطان ملا اقبال قلعہ پر دوبارہ قبضہ کر کے اس کی تعمیر و مرمت نہ کرا سکے اور واپسی پر تیمور کے لیے مشکلات نہ کھڑی کر دے۔ چنانچہ تیمور نے سپاہیوں کے ایک دستے کو قلعے میں

چھوڑا اور انہیں ہدایت کی کہ مقامی لوگوں کو بیگار پر لگا کر قلعہ کی مرمت کا کام کروائیں تا کہ اگر ان پر حملہ ہو تو وہ اس کے خلاف مزاحمت کر سکیں۔ جب قلعے کی چار دیواری کی مرمت کے کام کا آغاز ہو گیا اور جن سپاہیوں کو قلعے میں ٹھہرنا تھا، ان کی خوراک وغیرہ مہیا ہو گئی تو تیمور وہاں سے روانہ ہو گیا۔

وہ لوگ مشرق کی طرف بڑھ رہے تھے تاہم فوج کے آگے چلنے والے ہراول دستے شمالاً جنوباً بھی ہر شے پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ اگرچہ ان کے شمال اور جنوب میں دلدلی علاقے تھے پھر بھی تیمور ان دونوں اطراف کی طرف سے قطعی بے فکر نہ ہو سکتا تھا کیونکہ ممکن تھا کہ دشمن ان دونوں سمتوں سے ہی ان پر حملہ آور ہو جاتا۔

میرٹھ کے قلعہ سے کوچ کرنے سے پہلے ہی قراخان جس نے سمرقند میں تیمور کی بیٹی سے شادی کی تھی، ان سے آملا اور اس نے بتایا کہ کوئٹہ کے سلطان عبداللہ والی الملک نے اس کی بے حد رہنمائی اور مدد کی اور یہ کہ عبداللہ والی الملک کی مدد کے بغیر وہ ان تک نہ پہنچ سکتا تھا۔ قراخان نے پہلے ہی دن ایک ایسی چیز کی طرف توجہ دلائی جس کے بارے میں خود تیمور یا کسی بھی دوسرے شخص نے توجہ نہ دی تھی۔ اس نے جس بارے میں بات کی وہ ان کے سفر کے راستے کے بارے میں تھی۔ قراخان کا کہنا تھا کہ ”آخر یہ کیا معاملہ ہے کہ اس سارے راستے کے اردگرد جہاں وہ سفر کر رہے تھے، دلدلی جنگل پھیلے ہوئے تھے مگر ان کا راستہ خشک تھا یعنی اس میں جنگل تو تھے مگر دلدلی نہیں؟“

تیمور سمیت کوئی بھی قراخان کے سوال کا جواب نہ دے سکا اور اس بارے میں کچھ نہ بتا سکا کہ ایک وسیع و عریض دلدلی علاقے کے وسط میں جس حصے پر وہ آگے بڑھ رہے تھے، وہ خشک کیوں تھا؟ تیمور نے حکم دیا کہ اس بابت مقامی باشندوں سے پوچھ گچھ کی جائے لیکن میرٹھ کے قلعے سے آگے بڑھنے کے بعد انہیں دو روز تک کوئی ایک مقامی باشندہ بھی نظر نہ آیا اور وہ جس بھی گاؤں میں پہنچے وہ خالی تھا۔ یہ واضح تھا کہ مقامی باشندے اپنے گھروں کو چھوڑ کر چلے گئے ہیں اور ان کے آنے کے خوف سے بھاگ کھڑے ہوئے ہیں۔ انہوں نے ان دو دنوں کے دوران بہت کم مقامی باشندوں کو دیکھا حالانکہ میرٹھ کے قلعہ تک پہنچنے سے پہلے وہ بہت سے مقامی لوگوں کو دیکھتے آئے تھے۔

میرٹھ کے قلعہ سے کوچ کے بعد دو دن تک مسلسل سفر کے بعد وہ ایک ایسے علاقے میں ٹھہر گئے جہاں ابھی ان کے شمال اور جنوب میں دلدلی جنگل ہی نظر آ رہا تھا۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ تیمور جنگی مہمات کے دوران رات کے وقت گہری نیند نہ سوتا تھا، خصوصاً جب اسے اگلے روز جنگ کرنا ہوتی یا پھر وہ ایسے علاقے سے گزر رہے ہوتے کہ جہاں کسی بھی وقت دشمن کے حملے کا امکان ہوتا۔ ایسی راتوں میں تیمور ہر نصف یا پون گھنٹہ کے وقفے سے اٹھ بیٹھتا اور کان لگا کر آوازوں کو سننے لگتا۔ بعض اوقات وہ اپنے خیمے سے باہر نکل کر فوجی چھاؤنی کا جائزہ لینے نکل جاتا اور دیکھتا کہ ان کی فوجی چھاؤنی کو کوئی غیر معمولی صورتحال تو درپیش نہیں۔ فوجی مہمات کے دوران تیمور اپنی فوج کی خیمہ گاہ کو رات کے وقت روشن نہ کرتا مگر اس کے پہرے دار مشعلیں لیے تیار ہوتے اور جیسے ہی انہیں کسی بھی طرح کے خطرے کا احساس ہوتا تو وہ مشعلیں جلا دیتے تا کہ دشمن کو دیکھ سکیں۔

اس رات بھی دوسری راتوں کی طرح تیمور کی نیند بے حد ہلکی تھی اور وہ بار بار اُٹھ بیٹھتا تھا۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد وہ اُٹھ کر مختلف آوازوں کو سننے کی کوشش کرتا اور جب اسے احساس ہوتا کہ خیمہ گاہ پر خاموشی طاری ہے تو وہ واپس سونے کے لیے بستر پر لیٹ جاتا۔ اسی طرح ایک بار جاگنے پر تیمور کو لگا کہ جیسے اسے کوئی آواز سنائی دی ہے اور اسی وقت اسے لگا کہ یہ بادلوں کے ٹکرانے کی آواز ہے اور شاید بارش آنے والی ہے لیکن اگلے ہی لمحے

اسے محسوس ہوا کہ وہ آواز دراصل زمین کے اندر سے آرہی ہے نہ کہ آسمان سے۔ تیمور فوراً بستر سے اُٹھ بیٹھا اور اپنا آہنی خود سر پر جما لیا۔ تیمور کے خیمے سے باہر نکلنے سے پہلے ہی خبردار کرنے والے نقارے بج گئے اور پوری خیمہ گاہ جاگ اٹھی۔

اپنے خیمہ سے باہر آنے پر تیمور نے دیکھا کہ خیمہ گاہ کے اطراف میں مشعلیں روشن تھیں۔ اب اسے یقین ہو گیا کہ ان پر دشمن نے شب خون مارا ہے۔ تیمور کو یقین تھا کہ ان پر حملہ کرنے والی فوج دلدلی جنگل سے آئی ہے کیونکہ اگر وہ کسی بھی اور سمت سے آتی تو ان کے ہراول دستے ضرور انہیں دیکھ لیتے۔ خیمہ گاہ میں سپاہیوں کے جاگنے سے پیدا ہونے والی آواز میں وہ آواز دب گئی جو زمین کے اندر سے آرہی تھی۔ تیمور غور سے دیکھنے لگا تاکہ معلوم کر سکے کہ دشمن کس طرف سے حملہ آور ہوا تھا لیکن پھر اسی لمحے اسے دور سے آواز سنائی دی جو چیخ کر کہہ رہی تھی، ''ہاتھی...... ہاتھی!''

قراخان جو خیمہ گاہ کے محافظوں کا سردار تھا، تیمور تک دوڑتا ہوا اس انداز میں پہنچا کہ جب وہ تیمور کے سامنے آیا تو اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔ وہ بولا، ''اے امیر ہاتھیوں کی ایک بڑی تعداد ہم پر حملہ آور ہونے والی تھی مگر پہرے داروں کے چلانے اور مشعلوں کے جلائے جانے سے وہ واپس مڑ گئے اور وہ خیمہ گاہ کے انتہائی شمال سے دوسری طرف نکل گئے ہیں مگر ان ہاتھیوں پر کوئی بیٹھا ہوا نہ تھا اور نہ ہی ان کی پیٹھ پر کوئی کجاوہ یا برج وغیرہ ہی بندھا تھا۔ میں جا رہا ہوں تاکہ پوری طرح تحقیق کروں، پھر نتیجہ سے تمہیں آ کر مطلع کرتا ہوں۔''

چونکہ دشمن کے حملے کی کوئی خبر نہ تھی، لہٰذا تیمور نے حکم دیا کہ سپاہیوں کو سونے دیا جائے تاکہ وہ اگلی صبح سفر کرنے کے قابل ہو سکیں۔ اس رات تیمور کو وہی آواز بار بار سنائی دیتی رہی جس کا ذکر پہلے آچکا ہے اور وہ بار بار اسے سن کر بیدار ہوتا رہا اور اس کے ساتھ پہرے داروں کے چیخنے کی آوازیں بھی آتی رہیں مگر ہر بار انہیں پتہ چلتا کہ ہاتھیوں کا جھنڈ وہاں سے گزر رہا ہے۔ قراخان تیمور کے سامنے حاضر ہوا اور کہنے لگا، ''اے امیر، میں نے مقامی رہنماؤں سے تحقیق کی ہے جو ہندوستان کے رہنے والے ہیں اور انہوں نے بتایا ہے کہ یہ جنگلی ہاتھی ہیں جو دریا کی طرف بھاگ رہے ہیں۔'' تیمور نے حکم دیا کہ سفری رہنماؤں کو اس کے حضور پیش کیا جائے، جب وہ آئے تو تیمور نے ان سے پوچھا، ''کیا دلدلی جنگل میں پانی نہیں ہے جو ہاتھی پانی کے لیے دریا کی طرف بھاگ رہے ہیں؟'' سفری رہنما کہنے لگے، ''جنگلوں میں پانی وافر مقدار میں موجود ہے مگر وہاں کوئی دریا نہیں ہے کہ جس میں ہاتھی نہا سکیں اور خود کو دھو سکیں۔ جنگلی ہاتھی کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ ہر صبح خود کو پانی سے دھوتا ہے۔''

تیمور کو علم تھا کہ ان کے راستے میں دریا موجود تھا اور وہ اگلی صبح اس تک پہنچنے والے تھے۔ تیمور جلد از جلد اس دریا کو پار کرنا چاہتا تھا تاکہ ہندوستان کا موسم برسات (مون سون) شروع ہونے سے پہلے وہاں سے گزر جائے کیونکہ برسات شروع ہونے پر دریا میں سیلاب کا خطرہ تھا جو ان کے دریا عبور کرنے میں مشکلات کھڑی کر سکتا تھا۔ جب میرٹھ کے قلعہ میں موسلا دھار بارش ہوئی تو تیمور اسی وقت سے مسلسل بارشوں کا منتظر تھا لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ ہندوستان کا مون سون کا موسم ابھی شروع نہیں ہوا تھا اور خدا نے وہ خاص بارش دراصل آلاشر کو بچانے کے لیے برسائی تھی تاکہ وہ آگ جو آلاشر کو جلانے والی تھی، بجھ جائے۔

اگلی صبح خیمہ گاہ لپیٹ دی گئی اور وہ لوگ دوبارہ راستے پر آگے بڑھنے لگے۔ تقریباً 12 کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے وہ ایک گاؤں میں پہنچ

گئے۔ اس بار گاؤں کے رہنے والے ان کے خوف سے نہ بھاگے تھے اور تیمور نے ان سے ایک مترجم کے ذریعے ہاتھیوں کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے اس آگ اور راکھ کے ڈھیروں کی طرف اشارہ کیا جو گاؤں کی حدود کے گرد رکھے گئے تھے اور بتایا کہ وہ لوگ ہر رات گاؤں کے باہر آگ جلا دیتے ہیں تا کہ ہاتھی جب رات کو دریا کی طرف بھاگتے ہوئے آئیں تو گاؤں میں داخل ہو کر بربادی نہ پھیلائیں۔ تیمور نے ان سے پوچھا، ''کیا ہاتھی تمام موسموں میں دریا کی طرف بھاگتے ہیں؟'' مقامی لوگوں نے اس کا جواب ہاں میں دیا مگر ساتھ ہی بتایا کہ جنگلی ہاتھی جو دریا کے دونوں جانب جنگل میں موجود ہیں، صرف برسات کے موسم میں دریا کی طرف نہیں جاتے کیونکہ بارش کا پانی ہی انہیں نہلا دھلا دیتا ہے اور انہیں دریا میں جا کر نہانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ تیمور نے ان لوگوں سے مزید پوچھا ''دریا کے دونوں اطراف سے تمہارا کیا مطلب ہے؟'' مقامی لوگوں نے اسے بتایا ''ان کا مطلب وہ ہاتھی ہیں جو دریا کے اس پار لونے قلعہ کی راہ میں موجود ہیں۔'' اس موقع پر قراخان بولا ''میں یہ جاننا چاہوں گا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ اس خطہ میں ہر طرف دلدلی جنگل ہیں مگر یہ جگہ خشک ہے؟'' ایک ہندو نے جواب دیتے ہوئے کہا ''دراصل ہاتھیوں کے آنے جانے سے ہی یہ جگہ خشک ہو گئی ہے۔'' چونکہ اس جواب پر اس ہندو نے تیمور، قراخان اور دوسرے لوگوں کی حیرت دیکھ لی تھی، اس لیے وہ خود ہی کہنے لگا ''اس پر حیران نہ ہوں، دراصل ماضی میں اس خطہ میں اتنی زیادہ تعداد میں ہاتھی موجود تھے کہ دریا کی طرف ان کی آمدورفت نے اس جگہ کو خشک کر دیا۔''

تیمور نے کہا کہ ''اسے اس بات پر یقین نہیں ہے کیونکہ اس سے پہلے کہ وہ لوگ میرٹھ کے قلعہ تک پہنچتے، اس نے خود دیکھا تھا کہ ان کے راستے کے شمالی اور جنوبی اطراف میں دلدلی جنگل ہیں لیکن جس راستے پر وہ چل رہے تھے وہ خشک ہی تھا اور وہاں کوئی ہاتھی بھی نہ تھا یا پھر انہیں نظر نہیں آیا۔''

قراخان نے کہا، ''میں یہ سمجھنا چاہتا ہوں کہ آخر کس وجہ سے یہ سارا علاقہ دلدلی ہونے کے باوجود صرف وہ راستہ خشک ہے جس پر ہم سفر کر رہے ہیں اور یہاں کوئی دلدل نظر نہیں آتی۔''

انہوں نے جس دریا سے اب گزرنا تھا، اسے دریائے لونے کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ جب وہ لوگ اس دریا کے پاس پہنچے تو تیمور نے پانی کی سطح کا جائزہ لینے کے لیے اپنے چند سوار سپاہیوں کو پانی میں اترنے کا حکم دیا۔ پتہ چلا کہ دریا کا پانی زیادہ گہرا نہیں ہے کہ گھوڑوں کو بہا لے جائے۔ گھوڑے باآسانی قدم جما کر اسے پار کر سکتے تھے۔ چنانچہ تیمور نے ایک کھلی جگہ سے اپنی فوج کو دریا میں سے گزارا اور خود بھی دریا کے پار پہنچ گیا۔ تقریباً ایک کلومیٹر کا فاصلہ طے کرنے کے بعد رات کا اندھیرا پھیل گیا اور انہوں نے اسی مقام پر فوجی خیمہ گاہ قائم کر لی۔ چونکہ پچھلی رات ان لوگوں کو ایک غیر متوقع تجربہ ہو چکا تھا لہٰذا تیمور نے پہرے دار مقرر کرنے کے بعد مشعلیں جلا دینے کی ہدایت کی تا کہ اردگرد کے ہاتھی دریا کی طرف جاتے ہوئے ان کی خیمہ گاہ کی طرف نہ آئیں۔ رات کے تیسرے پہر کے شروع ہوتے ہی ہاتھیوں کے گزرنے کی علامات ظاہر ہونا شروع ہو گئیں۔ ایک غول دریا کی طرف جا رہا تھا تو دوسرا وہاں سے واپس آ رہا تھا۔ تیمور جانتا تھا کہ ہاتھی ایک سست رفتار سے چلنے والا جانور ہے جو آہستہ آہستہ چلتا ہے اور اس کے چلنے سے زمین لرزتی نہیں مگر اس روز اس نے جن ہاتھیوں کو دریا کی طرف جاتے اور وہاں سے واپس آتے دیکھا تو وہ سب سرپٹ دوڑ رہے تھے، اسی وجہ سے ان کے قدموں سے ایسی آواز پیدا ہو رہی تھی جیسے بجلی کی کڑک ہو اور یہ آواز زمین کے اندر سے آتی محسوس ہوتی تھی۔

بعض اوقات کسی ہاتھی کے چنگھاڑنے کی آواز دور سے سنائی دیتی جس کے جواب میں ایک دوسری چنگھاڑ کسی اور سمت سے آتی تاہم یہ

سب ایسی باتیں تھیں کہ سپاہی سکون سے سو سکتے تھے، چنانچہ تیمور نے اپنے سرداروں کے ذریعے سپاہیوں سے کہہ دیا کہ چونکہ جنگلی ہاتھیوں کو ان سے کوئی سروکار نہیں۔ اس لیے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور وہ اپنی نیند پوری کریں۔ جیسے ہی سورج طلوع ہوتا تو ہاتھی کہیں نظر نہ آتے۔ اس سے ظاہر تھا کہ ہندوستان کے جنگلی ہاتھی صبح کے وقت دریا میں نہانے کے لیے رات بھر ''دوڑ دھوپ'' کرتے تھے۔

تیمور اور اس کے سپاہیوں کو اب قلعہ لُونے پہنچنا تھا۔ یہ دہلی کی طرف راستے میں آنے والے تین قلعوں میں سے دوسرا قلعہ تھا۔ اگلی صبح اس سے پہلے کہ وہ لوگ سفر پر روانہ ہوتے۔ قراخان تیمور کے پاس آیا اور بولا، ''اے امیر! میں نے گزشتہ رات ہاتھیوں کے غول کو دیکھتے ہوئے غور کیا ہے کہ ہاتھی کیونکر دلدل میں نہیں دھنس جاتے اور دوسرے حیوان یا لوگ جب ان دلدلی جنگوں میں داخل ہوتے ہیں تو ان میں دھنس کر رہ جاتے ہیں۔'' تیمور نے کہا، ''شاید ہاتھی جنگل میں نہیں ہیں۔'' قراخان بولا: ''رات کے وقت ہم جن ہاتھیوں کو دیکھتے یا ان کی آوازیں سنتے ہیں تو وہ جنگل ہی سے نکل کر آتے ہیں اور پھر دریا کی طرف چلے جاتے ہیں اور وہ جنگل جو ہمارے شمال اور جنوب میں واقع ہیں، دلدلی ہیں۔ اس پر ہاتھی اس قدر وزنی جانور ہے جسے دلدل میں دھنس جانا چاہیے۔ لہٰذا اے امیر، اگر تُو مجھے اجازت دے تو میں چاہتا ہوں کہ آج رات ہاتھیوں کا پیچھا کروں اور یہ پتہ لگاؤں کہ آخر ہاتھی کیونکر دلدل میں نہیں دھنستا، حالانکہ جب کوئی انسان انہی جنگلوں میں داخل ہوتا ہے تو دھنس جاتا ہے۔'' جنگلی ہاتھیوں کے تعاقب کے سلسلے میں تیمور کی اجازت حاصل کر لینے کے بعد قراخان بولا، ''آج رات میں سپاہیوں کے چند دستوں کو یہ ذمہ داری سونپتا ہوں کہ وہ ہاتھیوں کا پیچھا کریں اور یہ معلوم کریں کہ ہاتھی دریا میں نہانے کے بعد کس راستے سے جنگل میں لوٹتے ہیں۔ میں اپنے سپاہیوں کو ہدایت کروں گا کہ اگر ممکن ہو سکے تو وہ ہاتھیوں کے جنگل سے نکلنے کے راستے کو بھی معلوم کریں۔ مجھے امید ہے کہ میں آج رات اس بارے میں مکمل آگاہی حاصل کر لوں گا۔'' تیمور نے قراخان سے پوچھا، ''اس کا کیا فائدہ ہوگا؟'' قراخان نے جواب دیا، ''اے امیر، اس کا فائدہ یہ ہے کہ اگر ہمیں معلوم ہو گیا کہ ہاتھی کس راستے سے گزر کر دلدل میں دھنسے بغیر جنگل کے اندر جاتے ہیں تو ہم بھی اسی راستے سے ہو کر جائیں گے اور ہمیں لونے اور جومبہ کے قلعوں کو فتح کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑے گی۔''

تیمور نے کہا، ''قراخان تیرا مشورہ تو فائدہ مند ہے لیکن اس صورت میں کہ جنگل میں جانے کا جنگلی جانوروں کا راستہ معلوم ہو جائے لیکن تجھے یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہمیں ہر صورت لونے اور جومبہ کے قلعوں کو فتح کرنا ہوگا۔ ہم ان دو اہم جنگلی قلعوں کو اپنے پیچھے یونہی دشمن کے زیر تسلط نہیں چھوڑ سکتے جبکہ ہم جانتے ہیں کہ ان قلعوں میں فوجیں موجود ہیں کیونکہ اگر ہم نے ان قلعوں پر قبضہ نہ کیا تو یہاں موجود فوجیں واپسی پر ہمارا راستہ بند کر دیں گی اور ہمیں واپس جانے سے روک دیں گی۔'' قراخان بولا، ''اگر ہمیں معلوم ہو گیا کہ ہاتھی کس راستے سے ہو کر دلدلوں سے بچ کر گزر جاتے ہیں تو ہم اسی راستے سے دہلی پہنچ سکتے ہیں اور اسی راستے سے واپس بھی آ سکتے ہیں۔ ایسی صورت میں ہمیں لُونے اور جومبہ کے قلعوں کی طرف جانے کی ضرورت ہی نہیں۔''

قراخان کا مشورہ معقول تھا۔ اگر وہ اس راستے کا پتہ لگانے میں کامیاب ہو جاتے جس سے شمال اور جنوب میں واقع جنگل میں داخل ہوا جا سکتا تھا تو نہیں آگے جانے اور پھر واپس آنے کے لیے لونے اور جومبہ کے قلعوں سے گزرنے کی ضرورت نہ تھی۔ تیمور نے قراخان کو ہدایت کی کہ

وہ اس مقصد کے لیے مقامی لوگوں کی بھی مدد لے اور ان سے کہے کہ اگر وہ محنت اور توجہ سے کام کریں گے تو انہیں اس کا بے حد زبردست انعام ملے گا۔ اس کے ساتھ تیمور نے قراخان کو کچھ رقم بھی دی کہ وہ مقامی لوگوں کو انعام اور معاوضہ دینے کے لیے خرچ کرے اور پھر تیمور کی فوج اپنی منزل کی طرف چل پڑی۔

اس روز ان کا گزر کئی مقامی آبادیوں سے ہوا۔ مقامی آبادیوں کے لوگ ان سے خوفزدہ نہ تھے کیونکہ تیمور نے اپنے ہراول دستوں کو پہلے ہی یہ ہدایت کر دی تھی کہ مقامی لوگوں پر یہ واضح کر دیں کہ انہیں ان سے کچھ لینا دینا نہیں ہے۔ وہ لوگ تو محض وہاں سے گزرنے والے مسافر ہیں اور انہیں اپنا گاؤں چھوڑ کر جانے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ ان کی جان کو کوئی خطرہ نہیں۔ اگر انہیں کچھ خریدنا ہوگا تو وہ اس کا معاوضہ ضرور ادا کریں گے۔ اس روز تیمور نے ایک ترجمان کے ذریعے کئی مقامی باشندوں سے دریافت کیا کہ ہاتھی دلدل میں کیوں نہیں دھنستے، حالانکہ وہ اس قدر بھاری بھر کم جانور ہیں مگر اس سوال کا ایک ہی جواب اسے بار بار سننے کو ملا اور وہ یہ تھا کہ ''ہاتھی اس لیے دلدل میں نہیں ڈوبتا کہ وہ وشنو دیوتا کا روپ ہے۔''

دراصل ہندوؤں کے بے شمار دیوتا تھے جن میں سے دوسرے دیوتا کا نام وشنو تھا۔ ان کے عقیدہ کے مطابق وشنو کوئی بھی روپ اختیار کر سکتا ہے اور ہاتھی اس کے اختیار کیے ہوئے مختلف روپوں میں سے ایک روپ ہے اور چونکہ وہ ایک دیوتا ہے، اس لیے وہ دلدل میں نہیں دھنستا لیکن ایک انسان دلدل میں دھنس جاتا ہے۔ ظاہر ہے تیمور کو ان باتوں پر قطعی یقین نہ آیا کہ ہاتھی چونکہ دیوتا ہے اس لیے دلدل میں نہیں ڈوبتا۔

تیمور کو دہلی کے بارے میں کوئی خبر نہ تھی لیکن وہ یہ ضرور جانتا تھا کہ اگرچہ وہ تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہے تھے مگر وہاں ان لوگوں کے قریب پہنچنے کی اطلاع پہنچ چکی ہوگی جس بات کی تیمور کو خبر نہ تھی، وہ یہ تھی کہ ملا اقبال والی دہلی نے یہ سن کر کہ تیمور دہلی کے قریب پہنچ رہا ہے، سلطان محمود خلجی کو رہا کر دیا تھا جو کہ اس کی قید میں تھا اور اس سے تیمور کے خلاف متحد ہو کر مقابلہ کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔ سلطان محمود نے ملا اقبال کی تجویز مان لی تھی اور وہ دونوں تیمور کے خلاف متحد ہو گئے تھے۔

لوگوں کا کہنا تھا کہ تیمور چونکہ ایک صحرا نشین آدمی ہے اور اس کی زیادہ تر عمر صحرا ہی میں بسر ہوئی ہے، مزید یہ کہ وہ صحرا گردوں کی طرح گرمیوں سردیوں کے ٹھکانے تبدیل کرتا رہتا ہے۔ اس لیے وہ حقیقت میں آبادی کا مخالف اور اس سے لاتعلق ہے۔ اسی وجہ سے وہ جب کسی شہر میں پہنچتا ہے تو اسے ویران کر دیتا ہے کیونکہ وہ آبادی کو پسند ہی نہیں کرتا جو لوگ تیمور کے بارے میں اس طرح کی باتیں کیا کرتے تھے، اگر وہ شہر کیش کو دیکھ لیتے جو تیمور نے تعمیر کروایا تو یقیناً وہ تیمور کے بارے میں اپنے نظریات تبدیل کر لیتے اور وہ یہ جان لیتے کہ تیمور ایسا آدمی ہرگز نہیں جو محض اس وجہ سے کہ وہ آبادی کا مخالف اور اس کے ثمرات سے بے خبر ہے، شہروں کو بلاوجہ تباہ کرتا ہے۔ حقیقت میں تیمور ان شہروں کو ویران کرتا تھا جو اس کے مقابلے پر آنے کی جرأت کرتے تھے اور اس کے سامنے مزاحمت کرتے تھے اور تیمور کو اس بات پر مجبور کرتے تھے کہ وہ ان شہروں پر قبضہ کرنے کے لیے اخراجات برداشت کرے اور اپنے سپاہیوں کا خون بہائے۔ چنانچہ ایسے شہروں کو تیمور کچھ اس طرح ویران کرتا کہ پھر آنے والے زمانوں میں بھی ان کا نام ونشان نہ ملتا اور وہ لوگوں کے لیے عبرت کا سامان بن جاتے تاہم ان شہروں میں بھی وہ چار قسم کے لوگوں کو جن کا ذکر پہلے کئی بار آچکا ہے، وہ لازماً امان دے دیتا اور باقیوں کو نیست و نابود کر دیتا۔ تاہم ایسا کبھی نہ ہوا کہ کوئی شہر اس کے سامنے اطاعت تسلیم کر لے اور پھر بھی وہ اس شہر کو تباہ

کرنے یا اس کے باشندوں کو قتل کرنے کے لیے احکامات صادر کر دے۔

دراصل تیمور کے نزدیک جنگ کا اصول یہ تھا کہ جب کوئی شہر مقابلے پر اتر آئے اور مزاحمت کرے تو فتح کے بعد اسے تباہ کرنا اور اس کے باشندوں کو تہ تیغ کرنا جائز ہے۔ یہ قانون اس نے نہ بنایا تھا، یہ دراصل اس کے دادا (یاد رہے تیمور محض تفاخر کے طور پر خود کو چنگیز کی نسل سے بتاتا تھا) چنگیز خان کا بنایا ہوا تھا بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ چنگیز خان نے تو محض اس اصول پر عمل کیا اور اس کو وضع کرنے والے تو نامعلوم زمانے کے لوگ تھے۔ بہر حال یہ بات ثابت شدہ تھی کہ شہر میں رہنے والے لوگ صحراؤں میں رہنے والوں سے کم ہمت والے تھے۔

تیمور پر یہ بات عیاں ہو گئی تھی کہ شہر میں رہنے سے انسان راحت طلب اور عیش و عشرت کا عادی ہو جاتا ہے اور اس میں جنگ کرنے کی صلاحیتیں باقی نہیں رہتیں۔ یہی وجہ تھی کہ تیمور نے چالیس برس کی عمر سے لے کر اپنی آخری عمر تک ساری زندگی صحرا اور بیابانوں ہی میں گزار دی تا کہ ایسا نہ ہو کہ شہر میں رہنے کی عادت اسے بھی آرام پسند اور کاہل بنا دے۔

جس روز وہ لوگ دہلی کی طرف روانہ ہوئے، تیمور نے اپنے سرداروں کو اس بات پر مامور کیا کہ وہ تمام سپاہیوں کو ہدایت کر دیں کہ مقامی لوگوں کو تنگ نہ کریں اور گاؤں والوں سے کوئی سروکار نہ رکھیں۔ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں تا کہ وہ اپنے عقائد اور طریقوں کے مطابق آزادانہ طور پر زندگی گزارتے رہیں۔ تاہم جس علاقے سے وہ لوگ گزر رہے تھے وہاں جس ہندو گاؤں کے لوگوں نے ان پر حملے میں پہل کی تو تیمور نے ان سب کو تہ تیغ کرا دیا اور ایک گاؤں میں تو ایک انسان بھی زندہ نہ بچا۔ تیمور نے ایسا اس لیے کیا تا کہ ہندو یہ جان لیں کہ اگر وہ تسلیم ہو کر رہیں گے تو وہ انہیں کوئی نقصان نہ پہنچائے گا لیکن اگر انہوں نے مزاحم ہونے کی جرأت کی اور ان کے خلاف ہاتھ اٹھایا تو انہیں نیست و نابود کر دیا جائے گا۔

جس روز صبح سویرے انہیں لُونے کے قلعہ پہنچنا تھا، قراخان تیمور کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ ہم نے ان راستوں میں سے ایک کا پتہ چلا لیا ہے۔ جس سے گزر کر ہاتھی دلدلی جنگل میں سے گزرتے ہیں۔ قراخان کہنے لگا، ''میں نے جن سپاہیوں کو یہ ذمہ داری سونپی تھی کہ وہ ہاتھیوں کا پیچھا کریں، انہوں نے پتہ لگایا ہے کہ ہاتھی قلعہ لُونے کے جنوب میں ایسے خشک راستے سے ہو کر جنگل میں جاتے ہیں جو قلعہ کی مشرقی سمت کی طرف چلا جاتا ہے۔ اگر تم اپنی فوج کو اس راستے سے گزار لو تو تمہیں قلعے پر قبضے کی ضرورت نہ ہو گی۔ تم اسی راستے سے آگے جا سکتے ہو اور پھر واپسی پر بھی اسی راستے کو اختیار کر سکتے ہو۔'' تیمور نے پوچھا، ''یہ راستہ کس طرف سے جاتا ہے؟'' قراخان نے بتایا، ''یہ ایسا خشک راستہ ہے جو دلدلوں کے درمیان میں سے گزرتا ہے۔ یہ پچاسی سے ایک سوفٹ چوڑا ہے۔'' تیمور نے قراخان سے پوچھا، ''کیا تُو نے خود یہ راستہ دیکھا ہے؟'' وہ بولا، ''نہیں، اے امیر! میں نے خود تو نہیں دیکھا مگر میں نے جن سپاہیوں کو یہ کام سونپا تھا، انہوں نے اسے ضرور دیکھا ہے۔'' تیمور نے کہا، ''ان کی بتائی ہوئی بات قابل بھروسہ نہیں، کیونکہ وہ فوج کے سرداروں میں سے نہیں اور انہیں ایک فوج کو کسی جگہ سے گزارنے میں درپیش مشکلات کا صحیح ادراک نہیں۔ تم خود جا کر معلوم کرو کہ آیا وہ راستہ اس قابل ہے کہ اس سے بڑی فوج کو گزارا جا سکے یا نہیں۔ اگر دلدلوں کے درمیان ایسا کوئی راستہ موجود ہے تو یہ ناممکن ہے کہ ہندو اس سے واقف نہ ہوں۔ جب تم اسے دیکھنے جاؤ تو محتاط رہنا، کہیں ہندو تمہیں کسی گھات لگائی جگہ میں نہ جا پھنسائیں۔''

قراخان اس بارے میں تحقیق کرنے کے لیے چلا گیا اور تیمور نے قلعہ لُونے کی طرف فوج کی روانگی کے احکامات جاری کر دیے۔ تیمور

جانتا تھا کہ انہیں ہر حال میں قلعے کے گرد محاصرہ کرنا تھا، خواہ جنگل میں خشک راستہ ہوتا یا نہیں۔ اگر دلدلی جنگل میں موجود خشک راستہ فوج گزارنے کے لیے موزوں نہ ہوتا تو ضروری تھا کہ قلعے کے گرد محاصرہ کرلیا جائے اور اس راستے سے گزرنے کے لیے قلعے پر قبضہ کرلیا جائے اور اگر وہ راستہ فوج کے گزرنے کے لیے مناسب تھا، تب بھی قلعے کا محاصرہ کرنا ضروری تھا تاکہ دشمن کو دھوکہ دیا جائے اور وہ یہ سمجھے کہ تیمور کی فوج قلعے پر قبضہ کرنا چاہتی ہے اور وہ ان کے ہاتھیوں کے راستے سے گزرنے میں رکاوٹ نہ ڈالے۔ اس لیے کہ وہ یہ بات تسلیم نہ کرسکتے تھے کہ مذکورہ راستہ موجود ہو اور مقامی لوگوں کو اس کی خبر نہ ہو۔

جب سورج آسمان کے وسط میں پہنچا تو لُونے کا قلعہ ان کے سامنے نمودار ہوگیا۔ یہ قلعہ بھی ایک ٹیلے کی چوٹی پر بنایا گیا تھا، بالکل میرٹھ کے قلعے کی طرح تاکہ انہیں اس قلعے پر قبضے کے لیے کچھ وقت ضائع کرنا پڑے اور جب تک وہ اس قلعے پر قبضہ کرپاتے مون سون کا موسم شروع ہو جاتا۔ پھر انہیں بارشوں کا موسم ختم ہونے تک لڑائی سے ہاتھ کھینچنا پڑتا۔ تیمور کو توقع تھی کہ لُونے کے قلعہ میں موجود مقامی لوگ ان کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کریں گے لیکن ایسا کوئی اقدام نظر نہ آیا اور وہ اس ٹیلے کے عین نیچے پہنچ گئے جس پر قلعہ بنا ہوا تھا اور انہوں نے وہیں پر اس کا محاصرہ کرلیا۔

قلعہ لُونے اپنی بناوٹ کے لحاظ سے بالکل قلعہ میرٹھ جیسا ہی تھا جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ یہ دونوں قلعے ایک ہی آدمی نے بنوائے تھے یا پھر دونوں قلعوں کو ایک ہی طرح کے تعمیراتی منصوبے کے تحت تعمیر کیا گیا تھا۔ قلعے کے مینار کچھ اس طرح بنائے گئے تھے کہ اگر کسی حملہ آور فوج کے سپاہی اس پر چڑھنے کی کوشش کرتے تو قلعے کے پہرے دار بآسانی انہیں میناروں میں بنائے گئے سوراخوں سے پتھروں کا نشانہ بناسکتے تھے۔ ان سوراخوں سے دوسری چیزیں مثلاً پگھلا ہوا سیسہ یا کھولتا پانی بھی دشمن کے سپاہیوں پر پھینکا جاسکتا تھا۔ جیسا کہ تیمور نے بعد میں دیکھا کہ ان قلعوں کے چاروں طرف کی دیواروں میں ایسے سوراخ رکھے گئے تھے جن سے دفاع کرنے والے پتھر یا کھولتا ہوا تیل وغیرہ حملہ آور فوجوں پر بغیر دکھائی دیئے پھینک سکتے تھے۔

اگر تیمور بارود کے ذریعے قلعے کو مسمار کرنے کا فیصلہ کرتا تو اس کے لیے طویل عرصہ درکار ہوتا کیونکہ قلعے کی بنیادوں تک سرنگیں کھودنے اور بارود تیار کرنے میں بہت وقت لگ جاتا۔ اسی روز جب قلعہ لُونے کے دامن پر محاصرہ کیا گیا تو قراخان تیمور کے پاس پہنچا اور بولا، ''اے امیر، دلدلوں کے درمیان موجود خشک راستہ جسے ہم نے ہاتھیوں کا پیچھا کرکے تلاش کیا ہے، ہماری فوج کے گزرنے کے لیے بالکل موزوں ہے اور ہم اس سے گزر سکتے ہیں۔ میں نے خود جا کر اس راستے کو دیکھا اور معلوم ہوا کہ وہاں ہندو نہیں ہیں اور لگتا ہے کہ انہیں اس راستے کا علم نہیں۔''

تیمور نے حکم دیا کہ فوج کے ایک حصے کو قراخان کی رہنمائی میں اس راستے سے گزار کر قلعہ لُونے کے مشرق کی طرف پہنچا دیا جائے اور اس بات کا خیال رکھا جائے کہ یہ سپاہی ان پہرے داروں کی نظروں سے اوجھل رہیں جو یقیناً قلعے کی دیوار کے اوپر موجود تھے۔ تیمور نے قراخان کو ہدایت کرتے ہوئے کہا کہ جب فوج کے اس حصے کے سپاہی دوسری طرف پہنچ جائیں تو نہ صرف اس راستے کے داخلی اور خارجی دہانوں کو اپنے قبضے میں لے لیں بلکہ اس پورے راستے پر سپاہیوں کا پہرہ بٹھادیں تاکہ انہیں کسی بھی طرح بے خبری کا شکار نہ کیا جاسکے۔ قراخان نے کہا کہ وہ تیمور کی ہدایت کے عین مطابق احکامات جاری کرے گا اور راستے پر ہراول دستے اور عقبی نگرانی کا دستہ بھی مقرر کرے گا۔

اس روز دن کے وقت وہ فوج کے کچھ حصے کو قلعہ لُونے کے مشرقی طرف جنگل میں ہاتھیوں کے خشک راستے کے ذریعے نہ پہنچا سکے۔ اس رات بھی صبح تک ہاتھیوں کے گزرنے کی آوازیں سنائی دیتی رہیں۔ ہاتھی اسی راستے سے یا ان دوسرے راستوں سے آ اور جا رہے تھے جن کا ابھی انہیں پتہ نہ تھا۔ جب دن طلوع ہوا تو قراخان ہاتھیوں کے راستے سے فوج کے پہلے حصے کو گزار کر قلعہ لُونے کے مشرقی جانب پہنچ گیا۔ اس کے بعد فوج کا ایک اور حصہ بھی قلعے کی مشرقی جانب چلا گیا۔ فوج کے ان حصوں کی منتقلی کا کام کچھ اس طرح انجام دیا گیا کہ دشمن کو یہ محسوس نہ ہو سکا کہ وہ سپاہیوں کو دوسری طرف منتقل کر رہے تھے کیونکہ قلعے کے گرد محاصرہ کرنے والے سپاہی بالکل ساکت و جامد وہاں بیٹھے تھے اور فوج کے اس حصے کی پیش بندی یہ ظاہر کر رہی تھی کہ تیمور کے سپاہی ٹیلے پر چڑھ کر قلعے پر قبضے کا تہیہ کیے ہوئے ہیں تاکہ اندر پناہ لیے ہوئے سپاہیوں کا مقابلہ کر سکیں۔

سورج ڈوبنے تک تیمور کی فوج کے دو تہائی گھڑسوار ہاتھیوں کے راستے سے گزر کر دوسری طرف پہنچ چکے تھے۔ جب رات پوری طرح پھیل گئی اور قراخان کی طرف سے سپاہیوں کی منتقلی کے بارے میں تسلی بخش اطلاع موصول ہوئی تو تیمور نے فیصلہ کیا کہ وہ خود بھی ان سپاہیوں کے ساتھ راستے کو عبور کرے گا جو قلعے کے گرد محاصرہ کیے ہوئے تھے اور فقط گنتی کے چند سپاہی اور بہت سے پھیلے ہوئے خیمے وہیں چھوڑ دیے جائیں تاکہ قلعے کے اندر موجود لوگ یہی سمجھیں کہ تیمور بدستور قلعے کا محاصرہ کیے ہوئے ہے۔

جب رات کا اندھیرا پھیل گیا تو بادشاہ غور ابدال کلزئی نے اپنے چند سپاہیوں کو منتخب کیا اور ہاتھیوں کے مقابلے کے لیے تیار ہو گیا تاکہ اگر انہیں راستے میں اچانک ہاتھیوں کا سامنا کرنا پڑ جائے تو اس کے سپاہی ہاتھیوں کو ختم کر دیں اور ان کا راستہ کھول دیں۔ ہاتھیوں کا یہ معمول تھا کہ وہ آدھی رات گئے دریا کی طرف ضرور جاتے تھے، لہٰذا ان کے پاس آدھی رات تک کا وقت تھا کہ اس راستے کو عبور کر کے قلعے کی مشرقی جانب پہنچ جاتے۔ مقامی سفری رہنماؤں نے بتایا کہ آدھی رات سے قبل ہاتھیوں کے کسی غول سے سامنا ہونے کے امکانات بہت کم تھے لیکن چونکہ ان جنگلی جانوروں سے سامنا ہونے کا معمولی سا امکان موجود تھا اس لیے ابدال کلزئی کے سپاہیوں کو یہ ذمہ داری سونپی گئی تھی کہ وہ آگے آگے چلیں اور ہاتھیوں کے راستے میں آنے کی صورت میں انہیں واپس موڑ دیں یا پھر مار ڈالیں۔

شاید یہ داستان پڑھنے والوں کے ذہن میں یہ سوال اُبھرے کہ تیمور نے قلعہ لُونے کا چکر کاٹ کر اپنی فوج کو دوسری طرف پہنچانے کے لیے دلدلی جنگل کے راستے کا انتخاب کیوں کیا اور عام راستے پر کیوں نہ چلا؟

تو اس کی دو وجوہات تھیں جنہوں نے اسے دلدلی جنگلوں سے گزرنے پر مائل کیا۔ ایک تو یہ تھی کہ قلعہ لُونے کے اس طرف جو معمول کا راستہ تھا، وہ اتنا تنگ ہوتا چلا گیا تھا کہ ایک تنگ درے کی شکل اختیار کر گیا تھا اور تیمور کو اس بات کا علم تھا کہ دشمن نے اس راستے کے دونوں طرف قبضہ جما رکھا ہے اور اس تنگ راستے سے گزرنے میں اس کی فوج کو بے حد نقصان اُٹھانا پڑ سکتا تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ تیمور دشمن کو یہ پتہ ہی نہ لگنے دینا چاہتا تھا کہ وہ چکر کاٹ کر قلعے کی دوسری طرف پہنچ گیا ہے۔ یہی بہتر تھا کہ دشمن اسی خیال میں رہے کہ تیمور اپنی پوری فوج کے ساتھ ان کا محاصرہ کیے ہوئے ہے۔

جب رات آئی تو تیمور نے اپنے بیٹے سعد وقاص کو اپنے پاس بلوایا جو اس وقت اس کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا اور جس کا اس سے پہلے اس داستان میں ذکر نہیں آیا ہے۔ وہ اس وقت اٹھارہ برس کا ہو چکا تھا۔ تیمور نے اپنے بیٹے سے کہا، ''تم اس فوج کے سردار ہو گے جو ہمارے پیچھے قلعہ

لُوٹنے کے محاصرے کی ذمہ دار ہے۔ تمہیں اس وقت تک قلعہ لُوٹنے کا محاصرہ کیے رکھنا ہے جب تک کہ تمہیں میری طرف سے آئندہ احکامات نہ موصول ہو جائیں، اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمہیں میرے دہلی سے لوٹنے تک قلعہ لوٹنے کا محاصرہ جاری رکھنا پڑے یا یہ بھی کہ میں اگلے تین دن بعد پیغام بھیج کر تمہیں حکم دوں کہ قلعے کا محاصرہ ختم کر دو اور مجھ سے آملو لیکن میرا مکمل اور واضح حکم یہی ہے کہ تمہیں ہر حال میں اس وقت تک قلعے کا محاصرہ جاری رکھنا ہے جب تک کہ تمہیں میری طرف سے مزید ہدایات نہیں ملتیں۔ میں اپنے معمار شیر بہرام ماروازی کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا کیونکہ اس کا میرے ساتھ ہونا ضروری ہے۔ تاہم میں اس کے معاون معماروں کو تمہارے پاس چھوڑے جا رہا ہوں۔ میں بارود کے پانچ تھیلے بھی تیرے لیے چھوڑے جا رہا ہوں تا کہ تم قلعہ کی فصیل کو مسمار کرنے میں اسے استعمال کر سکو۔ مجھے پورا بھروسہ ہے کہ شیر بہرام ماروازی کے معاون بھی اسی کی طرح ہنر مند اور قابل ہیں اور وہ ایک ایسی سرنگ کھودنے میں ضرور کامیاب ہو جائیں گے جو قلعے کی دیوار کی بنیادوں تک پہنچ جائے تا کہ تم بارود کی مدد سے انہیں مسمار کر سکو۔ اگر تم ایسا نہ کر سکو تو افسوس نہ کرنا۔ میں اس کے لیے تمہیں برا بھلا نہیں کہوں گا لیکن اگر تم قلعے کی دیواروں کو مسمار کرنے میں کامیاب ہو گئے تو تمہیں قلعے پر قبضہ کر لینا ہو گا۔ اگر تم قلعے کی دیواروں کے گرنے کے بعد بھی اس پر قبضہ کرنے میں ناکام رہے تو پھر میں تمہیں ہرگز معاف نہیں کروں گا اور یہ بھی یاد رکھو کہ تمہاری موت کی خبر سے مجھے ہرگز صدمہ نہ ہو گا، تاہم یہ بات مجھے ضرور صدمہ پہنچائے گی، اگر میں نے یہ سنا کہ تم قلعے کی دیواروں کے مسمار ہو جانے کے بعد بھی اس پر قبضہ کرنے میں ناکام رہے۔''

سعد وقاص کہنے لگا: ''اے میرے امیر، آپ بالکل مطمئن رہیں کہ میں ویسا ہی کروں گا جیسا کہ اس شخص سے توقع کی جا سکتی ہے جو آپ جیسے انسان کا بیٹا ہو۔''

تیمور نے اپنے بیٹے کو مزید ہدایات دیتے ہوئے کہا: ''عین ممکن ہے کہ قلعہ کے اندر موجود لوگ اچانک باہر نکل کر تم پر حملہ آور ہو جائیں یا تم پر شب خون ماریں لہٰذا ضروری ہے کہ تم دن رات ہمہ وقت جنگ کے لیے تیار رہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ قلعے کے اندر موجود فوج کے علاوہ ارد گرد کے علاقوں سے کوئی فوج آ کر تم پر حملہ کر دے، تمہیں ان کے مقابلے کے لیے بھی تیار رہنا ہو گا۔''

سعد وقاص بولا: ''اگر آسمان سے بھی فوجیں اُتر کر زمین پر آئیں تو بھی میں ان کے ساتھ جنگ کے لیے تیار رہوں گا۔'' تیمور نے اس سے کہا: ''تیری فوج کوئی بہت بڑی فوج تو نہیں ہے مگر وہ تجربہ کار اور جنگوں میں آزمودہ کار ہے۔ میں نے اپنے کچھ بہترین گھڑ سواروں کو تیری نگرانی میں دیا ہے تا کہ تم اپنی جنگ میں کامیابی حاصل کر سکو۔''

جب تیمور کا گھوڑا لایا گیا تا کہ وہ اس پر سوار ہو سکے اور اپنے راستے پر روانہ ہو، اسے اپنے اندر ایک آواز سنائی دی جو کہہ رہی تھی، ''تم اپنے بیٹے سعد وقاص کو دوبارہ کبھی نہ دیکھ سکو گے!'' تیمور کا دل غم واندوہ سے بھر گیا کیونکہ سعد وقاص اس کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا اور سب سے چھوٹی اولاد دیگر بچوں کی نسبت زیادہ پیاری ہوتی ہے۔ تاہم تیمور نے اپنے دل کی حالت کو بیٹے پر عیاں ہونے نہ دیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر راستہ پر چل دیا۔ تیمور کے سردار بخوبی جانتے تھے کہ اس نے اپنے بیٹے کو اس فوج کا سردار کیوں بنایا ہے جسے قلعے کے باہر محاصرہ جاری رکھنا تھا اور تیمور واضح طور پر ان کی نظروں میں اپنے لیے زیادہ احترام دیکھ سکتا تھا۔ انہوں نے جان لیا تھا کہ تیمور نے قتل ہونے کے لیے اپنے بیٹے کو چنا ہے کسی سردار کو نہیں اور وہ سمجھ

گئے کہ تیمور جنگ کے دوران اپنے بیٹے کی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرتا۔

وہ لوگ تاریکی میں دلدل کے درمیان سے گزرنے والے راستے پر چل پڑے۔ وہ لوگ مشعلیں جلائے بغیر اس راستے پر چل رہے تھے کیونکہ اگر وہ مشعلیں جلاتے تو قلعے کے محافظ فوراً انہیں دیکھ لیتے اور جان لیتے کہ لوگ دلدلوں میں سے گزر کر جا رہے ہیں۔ مشعلوں کے بغیر اس راستے سے گزرنا کافی دشوار تھا۔ اگر وہ لوگ ذرا بھی راستے سے ہٹتے تو دلدل میں دھنس سکتے تھے۔ تیمور نے گھوڑوں کے سموں کی آواز سے اندازہ لگایا کہ وہ جس راستے سے گزر رہے ہیں وہ پتھر کا ہو سکتا ہے جو اس بات کو غلط ثابت کرتا تھا کہ یہ راستہ ہاتھیوں کے آنے اور جانے سے بنا ہے۔ عقل یہ تسلیم نہیں کر سکتی تھی کہ ایک ایسا جانور جو خود دلدل میں ڈوب سکتا ہو، اپنے آنے اور جانے سے ایک راستہ بنا دے۔

اگرچہ اس وقت تاریکی پھیلی ہوئی تھی اور ان کا راستہ بھی زیادہ چوڑا نہ تھا مگر انہیں بہر حال تیزی سے سفر کرنا تھا تا کہ ساری فوج سورج نکلنے سے پہلے اس راستے سے گزر جاتی۔ ایک بڑی فوج کو کسی ایسے تنگ راستے سے گزارنا جس کے دونوں طرف دلدل میں گرنے کا خطرہ ہو، انتہائی مشکل کام ہے مگر قرا خان نے راستے کے دونوں سروں پر محافظ مقرر کر دیئے تھے تا کہ وہاں سے گزرنے والے گھڑ سوار سپاہی راستے سے بھٹک نہ سکیں اور دلدلوں میں گرنے سے محفوظ رہیں۔ چنانچہ انہوں نے ہر ممکن حد تک تیزی سے راستہ عبور کر لیا۔ جب تیمور دلدلی علاقے سے نکل کر پختہ راستے پر پہنچا تو وہاں ٹھہر گیا تا کہ اپنے گھڑ سوار سپاہیوں کو بتا سکے کہ اس پختہ راستے پر تیز رفتار سے چلیں تا کہ پیچھے آنے والوں کے لیے راستہ ذرا کھل جائے۔

سورج طلوع ہونے سے پہلے ہی تیمور کی ساری فوج ان دلدلی جنگلوں سے نکل کر پختہ راستے پر آ چکی تھی اور اس جانب گامزن تھی جہاں تیسرا قلعہ جومبہ واقع تھا۔ اگرچہ تیمور نے ہر ممکن کوشش کی تھی کہ اپنی فوج کی منتقلی کے کام کو پوشیدہ رکھے، پھر بھی جب سورج طلوع ہوا اور اُجالا پھیل گیا تو قلعہ لُونے کے پہرے داروں نے اس کی فوج کو قلعہ جومبہ کی طرف جانے والے راستے پر گامزن دیکھ لیا۔ اگرچہ اس وقت تیمور کو یہ پتہ نہ چلا کہ قلعہ کے پہرے داروں نے اس کی فوج کو قلعہ جومبہ کی طرف جاتے دیکھ لیا ہے بلکہ اسے دہلی کی جنگ کے خاتمے کے بعد اس بات کا پتہ چلا۔

قلعہ لُونے کے پہرے داروں نے تیمور کی فوج کو قلعہ جومبہ کی طرف جاتے دیکھ کر سمجھا کہ محاصرہ ختم ہو گیا ہے اور تیمور قلعہ کو چھوڑ کر جا رہا ہے لیکن جب دن کا اجالا پوری طرح پھیل گیا تو انہیں پتہ چلا کہ اس کی فوج کا کچھ حصہ ابھی بھی قلعہ کے باہر محاصرہ کیے ہوئے ہے۔ چنانچہ تیمور کی فوج کی روانگی کے بعد قلعہ لُونے کے نگران نے اپنے سپاہیوں کو سعد وقاص کی فوج کی طرف بھیجا تا کہ اس کے کچھ سپاہیوں کو گرفتار کر سکے۔ وہ اس کے دو سپاہیوں کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گئے اور انہیں قلعہ کے اندر لے گئے۔ قلعہ کے اندر انہوں نے سعد وقاص کے سپاہیوں پر تشدد کیا تا کہ ان سے سچ اُگلوا سکیں۔ اگرچہ سعد وقاص کے وہ پہرے دار بہادر آدمی تھے مگر پھر بھی اذیتوں کے سبب راز اُگلنے پر مجبور ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے قلعہ کے نگران کو بتا دیا کہ تیمور قلعہ جومبہ کی طرف نکل گیا ہے۔ اس کا بیٹا سعد وقاص فوج کے قلیل حصے کے ساتھ قلعے کے باہر محاصرہ کیے ہوئے ہے اور قلعہ پر قبضہ کا ارادہ رکھتا ہے۔ جس روز تیمور وہاں سے آگے روانہ ہوا، اسی روز اس کے بیٹے سعد وقاص نے شیر بہرام ماروازی کے معاونین کو سرنگ کھودنے کے کام پر مامور کر دیا تھا مگر گرفتار ہونے والے پہرے داروں نے یہ بات بھی اذیتوں کے باعث قلعے کے کوتوال کو بتا دی۔

قلعہ لُونے کے نگران کو جب یہ یقین ہو گیا کہ قلعے کے محاصرے کے لیے موجود تیمور کے بیٹے کی فوج کچھ زیادہ نہیں ہے تو اس نے سعد

وقاص کی فوج پر بڑا حملہ کر کے اسے نیست و نابود کرنے کا منصوبہ بنا لیا۔ قلعہ لُونے کا نگران کارتار نامی شخص تھا اور اس داستان میں اس شخص کے بارے میں آگے چل کر مزید ذکر آئے گا۔

جس وقت سے تیمور کی فوج قلعہ لُونے کے نزدیک پہنچی تھی تو قلعہ کا نگران کارتار نزدیکی آبادیوں کے ہندوؤں سے مختلف اشاروں کے ذریعے رابطہ رکھے ہوئے تھا اور تیمور اس طرف توجہ نہ دے پایا تھا۔ مقامی ہندو ان اشاروں کو دیکھ کر کارتار کو جواب دیتے تھے۔ کارتار نے تیمور کی فوج کے خلاف اچانک حملہ کرنے کا منصوبہ بھی بنایا تھا مگر ان کے قلعہ جو میہ کی طرف نکل جانے کے باعث وہ اس پر عمل نہ کر پایا تاہم اس نے سعد وقاص کی فوج کے خلاف اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنایا۔ دشمن کی طرف سے پہلے چھوٹے حملے کے بعد جس میں ان کے دو پہرے دار گرفتار ہو گئے تھے، تیمور کے بیٹے سعد وقاص نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ رات کے وقت مشعلیں نہ جلائی جائیں تاکہ دشمن ان کی نقل و حرکت پر نظر نہ رکھ سکے۔ اگر تیمور بھی اس کی جگہ ہوتا تو شاید یہی احکامات جاری کرتا تاکہ قلعہ سے نکل کر آنے والے سپاہی ان کی خیمہ گاہ کو دیکھ نہ پائیں۔

اس کے علاوہ اگر تیمور خود قلعہ لُونے کا محاصرہ کیے ہوتا تو اس کے ساتھ بھی وہی کچھ پیش آتا جو اس کے بیٹے سعد وقاص کے ساتھ آیا کیونکہ اس کا مقصد ہر جنگ میں یہی رہا ہے کہ اس وقت تک لڑتا رہے کہ لڑتے لڑتے ہی مارا جائے لیکن زندہ دشمن کے ہاتھ نہ آئے۔ تیمور کو قلعہ لُونے سے روانہ ہوئے تیسری رات تھی جب ایک خوفناک آواز نے اس کے بیٹے سعد وقاص اور اس کی فوج کو جگا دیا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے ہزاروں ڈھول اور تاشوں کو وحشیانہ طور پر پیٹا جا رہا ہے۔ اس شور نے جو جنگلی ہاتھیوں کو بھگانے کے لیے مچایا گیا تھا، ہاتھیوں کے ایک بڑے غول کو راستے سے ہٹا دیا اور وہ ڈرے ہوئے ہاتھی منہ زور ہو کر سعد وقاص کی فوج کی خیمہ گاہ پر چڑھ دوڑے۔ انہوں نے اپنی راہ میں آنے والی ہر شے کو نیست و نابود کر ڈالا۔ مثلاً خیمے، سپاہی حتیٰ کہ گھوڑے تک سب انہوں نے اپنے پیروں تلے کچل ڈالے۔ جن گھوڑوں کی لگام ٹوٹ گئی تو وہ خوفزدہ ہو کر جدھر منہ اُٹھا، بھاگ کھڑے ہوئے جس سے ان کی قیام گاہ میں مچی افراتفری مزید دو چند ہو گئی۔

جیسے ہی ہاتھی سعد وقاص کی لشکر گاہ سے دوسری طرف نکلنے کے لیے بھاگنے لگے تو وہ شور جو انہیں بھگانے کے لیے مچایا گیا تھا، تھم گیا اور اب اس کی جگہ دوسری طرف سے ایک شور برپا ہوا اور اس بار بھی ویسی ہی آواز ابھری کہ گویا ہزاروں ڈھول تاشے پیٹے جا رہے ہوں۔ بھاگتے ہاتھیوں نے جیسے ہی اپنے سامنے سے دوبارہ وہ آواز سنی تو وہ حواس باختہ ہو کر پلٹے اور اسی راستے پر دوبارہ دوڑ پڑے جس سے گزر کر آئے تھے۔ یوں ایک بار پھر وہ سعد وقاص کی فوج کی تباہ حال لشکر گاہ میں گھس گئے اور اس بار ہاتھیوں کے گھس آنے سے لشکر گاہ کی بچی کھچی چیزیں بھی اس طرح تباہ ہوئیں کہ کسی کو سمجھ نہ آئی کہ کیا کیا جائے۔ جب سعد وقاص کی لشکر گاہ میں تباہی اپنی انتہا پر تھی تو قلعہ لُونے کے نگران کارتار کے سپاہیوں نے جو مشعلیں لیے قلعے سے باہر نکل آئے تھے، سعد وقاص کی فوج پر شب خون مار دیا۔

جب شب خون شروع ہوا تو ڈھول اور تاشے پیٹنے کی آوازیں تھم گئیں اور ہاتھی بھی رخصت ہو گئے۔ دنیا کا کوئی بھی فوجی سپہ سالار اس طرح کی افراتفری اور تباہی کے دوران اچانک حملے کے لیے اپنی فوج کو تیار نہیں کر سکتا۔ جب کسی لشکر گاہ میں اس طرح کی تباہی پھیل جائے تو کسی افسر کے لیے یہ ممکن ہوتا کہ اپنے سپاہیوں کو تلاش کر سکے اور نہ ہی کسی سپاہی کے لیے یہ ممکن ہوتا ہے کہ یہ جان سکے اس کا دستہ کہاں ہے بلکہ افسروں کو

اپنے سپاہی دوبارہ یکجا کرنے اور سپاہیوں کو اپنے افسروں کے پاس پہنچ کر یکجا ہونے میں وقت لگتا ہے۔

جب ایک فوجی سردار اپنے دشمن کے نزدیک ہو تو اسے چاہیے کہ ہوشیار رہے اور ایسے شور شرابے پر دشمن کے سامنے اپنی بوکھلاہٹ ظاہر نہ کرے۔ اسے بستر پر جانے سے پہلے ہر طرح کی صورتحال کی پیش بندی کر لینی چاہیے کیونکہ جب ایسی افراتفری پھیلتی ہے تو پھر اتنا وقت نہیں ملتا کہ فوری طور پر ساری لشکر گاہ کو منظم کر کے جنگی صف آرائی قائم کی جا سکے۔ اگرچہ تیمور کا بیٹا سعد وقاص ایک بہادر جوان تھا مگر وہ اس صورتحال میں اپنی فوج کو منظم کرنے اور جنگی صف آرائی قائم کرنے میں ناکام رہا اور اس سے پہلے ہی کارتار کے سپاہیوں کے حملے شروع ہو گئے۔ چونکہ کارتار سعد وقاص کے گرفتار شدہ پہرے داروں سے اچھی طرح تحقیق کر چکا تھا، اس لیے اسے بخوبی علم تھا کہ تیمور کے بیٹے کا خیمہ کہاں واقع ہے اور اس نے اپنے کچھ خاص آدمیوں کو جو آہنی خود اور جنگی لباس پہنے ہوئے تھے، یہ ذمہ داری سونپی تھی کہ وہ تیمور کے بیٹے کو گرفتار کر لیں۔ سعد وقاص جو بائیں ہاتھ کا استعمال کرنے والا تھا، یعنی وہ پڑھنے لکھنے اور تلوار چلانے کا کام بائیں ہاتھ سے کرتا تھا مگر اپنے باپ تیمور کی طرح دائیں ہاتھ سے بھی یکساں کام لینے میں مہارت نہ رکھتا تھا، اس نے خود کو دشمن کے سامنے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا حالانکہ وہ دشمن کے بیس سے بھی زیادہ سپاہیوں کا سامنا کر رہا تھا۔ وہ لڑتا رہا اور اپنے جسم پر لاتعداد وار کھائے، انہی میں سے ایک وار نے اسے اس کی بائیں بازو سے محروم کر دیا جس کے باعث وہ ایک اور زخم کھا کر زمین پر آ گرا۔ دشمن کے سپاہی اسے اٹھا کر قلعے میں لے گئے۔ جب کارتار تک یہ خبر پہنچی کہ اس کے آدمیوں نے سعد وقاص کو گرفتار کر لیا ہے تو اس نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ بلند آواز میں چلا کر میدان جنگ میں اعلان کریں کہ تیمور کا بیٹا اور وہاں موجود فوج کا سردار سعد وقاص گرفتار ہو چکا ہے، لہٰذا اس کے سپاہیوں کی مزید مزاحمت بالکل بیکار ہے لیکن چونکہ تیمور کے بیٹے کے سپاہی ہندی زبان نہ سمجھ سکتے تھے، لہٰذا وہ اس افراتفری کے عالم میں بھی بدستور لڑتے رہے۔

کارتار بھی یہ بات سمجھ گیا کہ سعد وقاص کے آدمی ہندی زبان نہیں سمجھ رہے اور اس بات سے بے خبر ہیں کہ ان کا سردار دشمن کے ہتھے چڑھ گیا ہے۔ اسی لیے اس نے سعد وقاص کے ہی کچھ گرفتار سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ اپنی زبان میں چلا کر اپنے ساتھیوں کو اس بات سے آگاہ کریں کہ سعد وقاص گرفتار ہو چکا ہے اور قلعے کے قید خانے میں بند ہے۔ ان سپاہیوں کی چیخ و پکار اثر انگیز رہی اور تیمور کے بیٹے کے سپاہی بے بس ہو گئے۔

جب اس رات شب خون شروع ہوا تو سعد وقاص کے کچھ سپاہی رات کی تاریکی میں بھاگ گئے اور کچھ دلدل میں دھنس گئے۔ ان کی آوازیں دوسرے دن تک سنائی دیتی رہیں۔ وہ مدد کے لیے پکارتے رہے کہ انہیں دلدل سے نکالا جائے لیکن کسی نے بھی انہیں وہاں سے نکالنے کی کوشش نہ کی اور دلدل نے انہیں نگل لیا اور جب سورج آسمان پر بلند ہوا تو ان سب کی چیخیں بھی خاموش ہو چکی تھیں۔ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ تیمور کو ان سب باتوں کے بارے میں دہلی سے واپسی پر معلوم ہوا اور جب اس نے لونے کے علاقے میں تحقیق کروائی تو اسے پتہ چلا کہ اس رات سعد وقاص کے سارے سپاہی یا تو دشمن کے ہاتھوں مارے گئے یا پھر فرار ہو گئے اور جو فرار ہو گئے تو انہیں مقامی ہندوؤں نے پکڑ لیا اور بے شمار ہندوؤں کے ہجوم نے مل کر انہیں قتل کر دیا۔ ان میں سے کچھ دشمن کے ہاتھوں گرفتار بھی ہوئے اور انہی میں تیمور کا بیٹا سعد وقاص بھی شامل تھا۔

اگلے روز کارتار نے تیمور کے زخمی بیٹے کو اپنے حضور طلب کیا اور اس سے کہنے لگا، ''اپنے باپ امیر تیمور کو خط لکھو اور اس میں اس سے کہو کہ

وہ اپنی فوج کا رُخ واپس موڑے اور ہندوستان سے نکل جائے ورنہ تم قتل کر دیئے جاؤ گے۔'' سعد وقاص نے اسے جواب دیا، ''کیا تجھے دکھائی نہیں دیتا کہ میرا ہاتھ زخمی ہے اور میں لکھ نہیں سکتا؟'' کارتار بولا، ''تیرا سیدھا ہاتھ تو بالکل صحیح سلامت ہے، لہٰذا تُو اس سے خط لکھ سکتا ہے۔'' سعد وقاص نے اس سے کہا، ''میں دائیں ہاتھ سے نہیں لکھ سکتا کیونکہ میں بائیں ہاتھ سے سارے کام کرتا ہوں۔'' کارتار بولا، ''تُو جھوٹ بول رہا ہے اور دائیں ہاتھ سے لکھ سکتا ہے!'' سعد وقاص نے کارتار سے کہا، ''اے کارتار مجھ پر جھوٹ بولنے کا بہتان نہ لگا، امیر تیمور گورگین آدھی دنیا کے شہنشاہ کا بیٹا جھوٹ نہیں بولتا!'' کارتار نے مترجم کے ذریعے سعد وقاص سے کہا، ''تو پھر تُو یوں کر کہ اپنی کوئی ایسی خاص نشانی دے کہ تیرا باپ جان لے کہ یہ خط تیری طرف سے ہی لکھا گیا ہے اور میں کسی اور کی ذمہ داری لگاتا ہوں کہ وہ تیری طرف سے یہ خط لکھ دے۔'' سعد وقاص نے اس سے کہا، ''بالفرض میں ایسی کوئی نشانی دے دیتا ہوں اور تُو میری طرف سے میرے والد کو خط لکھ دیتا ہے تو کیا تیرا خیال ہے کہ میرا باپ اپنی فوجوں کا رُخ واپس موڑ لے گا؟'' کارتار نے جواب دیا، ''کیوں، کیا تیرا باپ تجھ سے محبت نہیں کرتا؟'' سعد وقاص نے جواباً کہا، ''اگر میں مارا گیا تو میں اپنے باپ کا وہ پہلا بیٹا نہیں ہوں گا کہ جو جنگ کے دوران کام آیا ہو بلکہ مجھ سے پہلے بھی اس کا ایک بیٹا جو مجھ سے بڑا تھا، جنگ کے دوران قتل ہو چکا ہے۔'' کارتار نے پوچھا، ''تیمور کا وہ بیٹا کہاں مارا گیا تھا؟'' سعد وقاص نے جواب دیا، ''فارس میں!''

کارتار نے پوچھا، ''کیا تجھے پختہ یقین ہے کہ تیرا باپ تیری درخواست مسترد کر دے گا، باوجودیکہ تُو خود خط لکھ کر اس سے اپنی فوجوں کا رُخ پھیر لینے اور تیری جان بچانے کے لیے اس ملک سے نکل جانے کے لیے کہے؟'' سعد وقاص نے جواب دیا، ''میرے ذہن میں اس بارے میں کوئی شبہ نہیں کہ میرا باپ (ہرگز ایسا شخص نہیں جو) اپنی فوجوں کا رُخ محض اپنے بیٹے کی جان بچانے کے لیے پھیر لے۔''

کارتار بولا، ''ایسی صورت میں مجھے تیرے باپ کو دوسری بار اپنے بیٹے کی موت پر ماتم کرنے کا صدمہ دینا پڑے گا۔'' سعد وقاص بولا، ''اے کارتار، مجھے قتل نہ کر......'' کارتار نے کہا، ''میں تجھے ضرور قتل کروں گا تاکہ ان لوگوں کے قتل کا بدلہ لُوں جو قلعہ میرٹھ میں تیرے باپ کے ہاتھوں مارے گئے!'' سعد وقاص نے کہا، ''اے کارتار خود پر رحم کھا اور مجھے قتل نہ کر۔'' کارتار نے سعد سے پوچھا، ''اس بات سے تیرا کیا مطلب ہے؟'' سعد وقاص نے جواب دیا، ''اگر تُو مجھے زندہ رہنے دے تو تیرے پاس ایک ایسا ذریعہ باقی رہے گا کہ جس کے ذریعے تُو میرے باپ کے ساتھ تعلق قائم کر سکتا ہے اور جس روز وہ تجھ پر فتح پا لے گا تو شاید وہ اس وجہ سے تجھے اور تیرے خاندان کو قتل کرنے سے گریز کرے کہ تُو نے اس کے بیٹے کو قتل نہ کیا تھا۔ پھر شاید وہ تجھے اس سے بھی زیادہ اہم رُتبہ عنایت کر دے جس پر تُو آج فائز ہے۔'' کارتار بولا، ''میں کسی دشمن سے ملنے والے عہدے اور مرتبے کا خواہشمند نہیں۔'' تیمور کے بیٹے نے اس سے دریافت کیا، ''کیا تُو اپنی زندگی کا بھی خواہشمند نہیں؟'' کارتار نے جواب دیا، ''جب تک میں اس قلعے میں ہوں، میری زندگی کو کوئی خطرہ نہیں۔''

تیمور کے بیٹے سعد وقاص نے کارتار سے کہا، ''اے کارتار قلعہ میرٹھ کا نگران آلاشر بھی یہی سمجھتا تھا مگر وہ گرفتار ہوا اور میرے باپ نے اس کی جان بخشی صرف اپنی مردانگی کی وجہ سے کی۔'' کارتار نے کہا، ''میرے سامنے اپنے باپ کی شیخی نہ بگھار، آلاشر کی جان تیرے باپ کی مردانگی نے نہیں بلکہ بارش نے بچائی اور اسی کی وجہ سے تیرے باپ کی لگائی آگ بجھ گئی تھی۔'' سعد وقاص نے جواب دیا، ''میرا باپ چاہتا تو بارش تھمنے کے بعد

آلا شر کو دوبارہ جلا کر مار سکتا تھا مگر اس نے ایسا نہ کیا اور تجھے بھی مجھے نہ مارنا چاہیے تا کہ اس دن جب تُو میرے باپ کے ہاتھوں گرفتار ہو جائے گا تو وہ بھی تیرے قتل سے ہاتھ کھینچ لے۔'' کارتار کہنے لگا، ''میں کبھی تیرے باپ کے ہاتھ نہ آؤں گا اور چونکہ مجھے اس بات کا پورا یقین ہے کہ میں کبھی گرفتار نہیں ہوں گا۔ اس لیے میں تجھے قتل کر کے رہوں گا۔'' تیمور کے بیٹے سعد وقاص نے اپنا سر بلند کیا تا کہ اس کی گردن نمایاں ہو جائے اور پھر بولا، ''تو جلدی کر اور میرا سر تن سے جدا کر دے!''

کارتار بولا، ''میں تیرا سر تن سے جدا نہ کروں گا کیونکہ میں تیرے سر کو تیرے بدن سے الگ نہیں کرنا چاہتا۔'' سعد وقاص نے پوچھا، ''تو پھر تُو مجھے کیسے مارنے کا ارادہ رکھتا ہے؟'' کارتار بولا، ''میں تیرا سینہ چیر کر تیرا دل باہر نکال دوں گا!'' سعد وقاص نے کہا، ''کارتار، مجھے اذیت ناک موت نہ دے!'' کارتار بولا، ''میں تجھے اذیت ناک موت دینے کا خواہشمند نہیں بلکہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تیرا سر کاٹ کر تیرے بدن سے الگ نہ کیا جائے تا کہ تیری موت کے بعد ہم تیری لاش میں بھُس بھر دیں۔ اس دوران تیرا سر بدستور اپنی جگہ قائم رہے گا۔ ہمارے یہاں ماہر کھال سینے والے ہیں جو اپنے کام میں اس قدر ماہر ہیں کہ تیرے جسم میں بھُس بھرنے کے بعد اسے اس طرح باہم ملا دیں گے کہ کوئی بھی اس بارے میں فرق نہیں کر سکے گا کہ تُو مُردہ ہے یا محض سو رہا ہے۔''

پھر قلعہ لُونے کے پہرے داروں کو حکم دیا گیا کہ سعد وقاص کے سینے کو چیر دیا جائے، انہوں نے تیمور کے بیٹے کے سینے سے اس کا دل نکال لیا اور جب اس کے سینے کو چیرا گیا تو تیمور کا بیٹا خود پر قابو نہ رکھ سکا اور بالآخر درد سے چیخ پڑا لیکن اس کے بعد اس دلیر نوجوان کی کوئی دوسری آواز سنائی نہ دی۔ سعد وقاص کے مرنے کے بعد کارتار نے اس کی لاش کو بھی نہ بخشا اور جیسا کہ اس نے کہا تھا، اس کے مطابق اس نے اپنی کھال سینے والوں کو سعد وقاص کی لاش دی اور ان سے کہا کہ اس کے سینے کے اندر بھُس بھر کر دوبارہ سی دیں اور پھر انہوں نے اس کے مُردہ جسم کو بھی دوسرے مرنے والوں کے ساتھ رکھ دیا۔

قلعہ جومبہ، میرٹھ اور لُونے کے قلعوں کے برعکس ایک ہموار خطہ زمین پر بنایا گیا تھا حالانکہ پہلے دونوں قلعے ٹیلوں پر تعمیر کئے گئے تھے۔ لفظ جومبہ کے معنی ہندی میں ''سانپ'' کے تھے۔ کہا جاتا تھا کہ جب انہوں نے قلعہ جومبہ کی تعمیر کا آغاز کیا تو اس خطہ میں اس قدر سانپ تھے کہ اس قلعے کی تعمیر میں سالوں لگ گئے کیونکہ قلعہ تعمیر کرنے والوں کو اس بات کا انتظار کرنا پڑا کہ سب سانپ اس علاقے سے نکل جائیں تو وہ قلعہ کی بنیادیں رکھ سکیں۔ قلعہ کی بنیادوں کے بارے میں بھی ایک کہانی مشہور تھی اور وہ یہ کہ: قلعہ کی بنیادیں رکھنے والوں نے اس قدر گہرائی تک کھدائیاں کی تھیں کہ وہ دو بار پانی کی سطح تک پہنچ گئے تھے۔ اس علاقے میں پانی کی پہلی تہہ ستر فٹ کی گہرائی میں ملتی تھی اور پانی کی دوسری تہہ ڈیڑھ سو یا ایک سو ستر فٹ کی گہرائی میں ملتی تھی اور اس کہانی کے مطابق قلعہ کی بنیادیں ایک سو ستر فٹ تک زمین کھود کر رکھی گئی تھیں۔

چونکہ تیمور کو بخوبی علم تھا کہ عام لوگ اکثر حقائق کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتے اور ناممکنات پر مشتمل قصے کہانیوں کو سننا سنانا پسند کرتے ہیں لہٰذا تیمور نے نتیجہ نکالا کہ قلعہ کی بنیادوں کے بارے میں پھیلائی گئی کہانی سچ پر مبنی نہ تھی۔ کسی قلعہ کی بنیاد رکھنے کے لئے ایک سو ستر فٹ تک زمین کی گہرائی میں کھدائی کرنے کے بارے میں بات کرنا انتہائی آسان ہے مگر ایسا کرنا اس وقت بے حد مشکل تھا۔ پھر یہ کہ اتنی گہرائی تک کھدائی کرنا قطعی

غیر ضروری تھا کیونکہ زمین کو خاص گہرائی تک کھودنا ہی دراصل عمارت کی تعمیر کیلئے کافی ہوتا ہے۔

چنانچہ تیمور نے ان قصے کہانیوں پر توجہ دیئے بغیر اپنا سفر جاری رکھا اور بالآخر قلعہ جومبہ تک پہنچ گیا لیکن اس قلعہ کے پاس پہنچ کر تیمور کو اس کی بنیادوں کے بارے میں پھیلائی گئی کہانیوں سے بھی زیادہ حیرت انگیز چیز دیکھنے کو ملی اور وہ یہ تھی کہ اس قلعہ کی پہرے دار عورتیں تھیں۔ یہ بات تیمور کے لئے اس قدر حیرت انگیز تھی کہ اس نے سمجھا شاید اس قلعہ میں موجود مرد اپنے بیوی بچوں سمیت وہاں رہتے ہیں اور ان کا مستقل ٹھکانا ہی وہ قلعہ ہے لیکن جب وہ لوگ قلعہ کے باہر ایک روز ٹھہرے رہے تو تیمور کو پتہ چلا کہ اس قلعہ میں عورتوں کے سوا کوئی اور موجود نہیں۔ عورتیں قلعے کی دیوار پر کھڑی ہو جاتیں اور ایک برج سے دوسری برج پر کھڑی دوسری عورتوں سے بلند آواز میں باتیں کرتی رہتیں اور بعض اوقات ایک دوسرے کو ڈانٹنے لگتیں مگر ان کے درمیان ایک بھی مرد نظر نہ آیا۔ ان پہرے دار عورتوں کے پاس تلواریں یا نیزے بھی نہ تھے مگر تیمور چونکہ اس بات پر یقین نہ کر سکتا تھا کہ ان عورتوں کے پاس ہتھیار نہیں لہٰذا اس کا خیال تھا کہ وہ عورتیں قلعہ کی دیوار پر ہتھیار ظاہر کرنا نہیں چاہتیں۔

اس قلعہ کے اردگرد ایک خندق تھی جس میں پانی نہ تھا مگر اس کی دیواریں اس قدر عمودی تھیں کہ تیمور کے سپاہی انہیں عبور نہیں کر سکتے تھے۔ اس خندق کی طرف جانے والا پل بھی مسمار کر دیا گیا تھا۔

جب تیمور اس قلعہ کے پاس پہنچا تو دن کا ایک چوتھائی حصہ گزر چکا تھا اور تیمور نے حکم دیا کہ قلعہ کا محاصرہ کر لیا جائے۔ قلعہ کی دیوار کے اوپر موجود عورتیں ہندی زبان میں کچھ کہہ رہی تھیں اور جواب میں تیمور کے سپاہی بھی کچھ کہہ رہے تھے۔ حیرت انگیز طور پر ان عورتوں کے پاس کوئی ہتھیار اب بھی نظر نہ آ رہا تھا۔ شاید جس دن سے قلعہ بندی کا آغاز ہوا ہے اسی وقت سے جب کوئی فوج قلعے کا محاصرہ کرتی ہے تو اس کے سپاہیوں اور قلعے میں محصور ہونے والوں کے درمیان بات چیت کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، بعض اوقات یہ گفتگو مذاق پر مبنی ہوتی ہے اور بعض اوقات ناشائستہ باتیں بھی ہونے لگتی ہیں۔ تیمور اپنے سپاہیوں کو محصورین کے ساتھ گفتگو سے روک نہیں سکتا تھا، اس لئے کہ ایسا کرنا کسی بھی فوجی سردار کے لئے ممکن نہیں ہوتا تاہم تیمور نے یہ پابندی ضرور لگا رکھی تھی کہ اس کے سپاہی قلعہ میں محصور لوگوں کے ساتھ کوئی اخلاق سے گری ہوئی بات نہ کریں۔ تیمور نے اپنے سپاہیوں کو بتا دیا تھا کہ اسے گالی گلوچ اور دشنام طرازی بالکل پسند نہیں اور اگر کوئی سپاہی ایسا کرتا پایا گیا تو وہ اسے سخت سزا دے گا۔ تیمور کے آدمیوں کو چونکہ علم تھا کہ ان کے سردار کو گالی گلوچ سے نفرت ہے اس لئے وہ قلعہ میں موجود عورتوں سے غیر اخلاقی باتیں نہ کر رہے تھے البتہ ان سے ہنسی مذاق ضرور کر رہے تھے اور ایسا ہنسی مذاق بھی جو عموماً مرد عورتوں سے کیا کرتے ہیں۔

چونکہ قلعے کی محافظ عورتیں تھیں اور اس کی دیوار پر کوئی پتھر پھینکنے والی گاڑی وغیرہ بھی نظر نہ آ رہی تھی، اس لئے تیمور کا خیال تھا کہ قلعے پر قبضے کے لئے سرنگوں کی کھدائی کی بھی ضرورت نہیں اور سیڑھیوں کے ذریعے قلعے کی دیوار پر چڑھا اور اسے مسخر کیا جا سکتا ہے۔ بعد ازاں اسے اس طرح ویران کیا جا سکتا تھا کہ ہندوستان سے واپسی تک وہ ان کیلئے کسی زحمت کا باعث نہ بن سکتا۔ تیمور کے سپاہیوں کے نزدیک بھی قلعے کی کھدائی ضروری نہ تھی کیونکہ ایک تو انہیں پتہ چل گیا تھا کہ قلعے کی بنیادیں گہری ہیں اور ان میں پانی کی موجودگی کے باعث بھی وہ اسے غیر ضروری سمجھتے تھے۔

تیمور کی فوج کے پاس سیڑھیاں نہ تھیں، اس لئے کہ ان کیلئے بڑی بڑی سیڑھیوں کو اٹھا کر ساتھ لے جانا ممکن نہ تھا، اسی لئے تیمور نے فوری

طور پر سیڑھیاں بنانے کا حکم دیا تا کہ اس کے سپاہی قلعے کی فصیل پر چڑھ سکیں۔ تیمور کے سپاہیوں نے وقت ضائع کیے بغیر اردگرد موجود درخت گرا دیئے اور سیڑھیاں بنانا شروع کر دیں۔ قلعہ جومبہ کے نزدیکی علاقوں میں ہندو نظر نہ آتے تھے کہ جن سے قلعے کے اندر کی صورت حال کے بارے میں دریافت کیا جا سکتا۔

تیمور سوچ رہا تھا کہ اس کے آدمیوں کے فصیل پر چڑھ جانے کے بعد شاید قلعہ میں موجود مرد سامنے آ جائیں گے اور اس کے سپاہیوں کے خلاف مزاحم ہو جائیں گے کیونکہ یہ بات ماننے میں نہ آتی تھی کہ ایک فوجی قلعے میں صرف عورتیں ہی ہوں اور مرد اس قلعے کی حفاظت پر مامور نہ ہوں۔

نذیر الدین عمر جو ایک پڑھا لکھا انسان اور تیمور کی سرگزشت کیلئے واقعات جمع کرنے والوں میں سے ایک تھا، اس کا کہنا تھا کہ قلعے کے لوگوں نے دراصل انہیں دھوکہ دینے کے لئے وہ جال بچھایا تھا اور بظاہر اپنی عورتوں کو سامنے کر دیا تھا تا کہ تیمور کے سپاہیوں کا دل لبھائیں اور تیمور کے سپاہی سمجھیں کہ قلعے پر قبضہ کرنا آسان ہے اور یوں ان کے جال میں پھنس جائیں۔ تیمور کا اپنا بھی یہی خیال تھا کہ دشمن کے آدمی چھپے ہوئے ہیں اور ان کا چھپنا کسی خاص وجہ سے ہے اور وہ یقیناً انہیں دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔ سورج ڈوبنے کو تھا جب تیمور نے اپنے سرداروں کو بلا کر کہا کہ ممکن ہے آج رات دشمن ہم پر شب خون مار دے لہٰذا ہمیں چاہیے کہ جنگ کے لئے تیار رہیں۔ قلعے کی فصیل پر نظر آنے والی عورتیں سورج غروب ہونے تک نظر آتی رہیں اور پھر غائب ہو گئیں۔ وہ سونے کے لئے چلی گئیں یا تاریکی کے سبب تیمور کو نظر نہ آئیں چونکہ شب خون کا خطرہ تھا لہٰذا تیمور نے رات کے وقت مشعلیں نہ جلانے کی ہدایت کی تاہم اس نے پہرے داروں سے کہا کہ مشعلیں تیار رکھیں تا کہ جنگ کی صورت میں انہیں فوری طور پر جلایا جا سکے اور دشمن کو دیکھا جا سکے۔

اس رات تیمور نماز کے بعد سونے کے لئے لیٹ گیا تاہم جس طرح تیمور کا جنگوں کے دوران معمول تھا، وہ رات کو بہت تھوڑی دیر کیلئے سویا اور اٹھ کر زرہ بکتر پہن کر اور سر پر آہنی خود جما کر مختلف آوازوں کو سننے کی کوشش کرنے لگا۔ ان کی فوجی چھاؤنی میں کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی اور بظاہر ہر طرف خاموشی طاری تھی۔ اگرچہ تیمور بخوبی جانتا تھا کہ اس کے سردار چوکنا ہیں اور خوب نظر رکھے ہوئے ہیں پھر بھی تیمور نے خود جا کر جائزہ لینا ضروری سمجھا اور تلوار لے کر خیمے سے باہر نکل گیا۔ جیسے ہی تیمور اپنے خیمے سے باہر نکلا تو اسے ایک خوفناک آواز سنائی دی۔ ابھی اس آواز کی گونج ختم نہ ہوئی تھی کہ اسی طرح کا ایک اور شور تیمور کو سنائی دیا۔ یوں لگ رہا تھا کہ دشمن ان کی لشکر گاہ کی حدود سے آگے آ کر اندر گھس آیا ہے۔ تھوڑی ہی دیر میں بلند ہوتی آوازیں اس قدر بڑھ گئیں کہ تیمور کیلئے انہیں شمار کرنا مشکل ہو گیا۔

تیمور کے ان سپاہیوں نے جو جنگ کی حالت میں اس کی حفاظت پر مامور رہتے تھے، تیمور سے کہا، ''اے امیر، یہ کچھ غیر معمولی سا شب خون لگتا ہے؟'' ان کی فوجی چھاؤنی کی حدود کے باہر پہرے داروں کی آوازیں تو سنائی نہ دے رہی تھیں مگر چھاؤنی کے اندر موجود سرداروں کی آوازیں تسلسل سے آ رہی تھیں جو سپاہیوں کو فوری طور پر مشعلیں جلانے کا حکم دے رہے تھے۔

جب مشعلیں جلائی گئیں تو تیمور کو دوسری آوازیں بھی سنائی دیں، کچھ لوگ ڈر کے مارے ''سانپ۔ سانپ'' پکار رہے تھے۔ تیمور کے پاس بھی مشعلیں روشن کی گئیں۔ تیمور اور اس کے اردگرد موجود سپاہیوں نے اپنے سامنے کچھ سانپ دیکھے، یہ سانپ ان کی طرف آ رہے تھے۔ تیمور

نے اپنی تلوار سے ایک سانپ کے دو ٹکڑے کر ڈالے لیکن اور بھی کئی سانپ ان کے دائیں بائیں رینگ رہے تھے اور بعض واپس مڑ رہے تھے۔ معلوم ہوا کہ مشعلوں کے جلائے جانے سے وہ موذی سانپ ڈر کر واپس جا رہے تھے۔

تیمور نے فوری طور پر آگ جلانے کا حکم دیا اور اپنے نزدیک کھڑے سپاہیوں کو سرداروں کی طرف بھیجا کہ وہ آگ جلائیں اور اس کے ذریعے موذی سانپوں کو بھگانے کی کوشش کریں۔

تیمور نے مشعلوں کی روشنی میں سانپوں کی قسم جان لی تھی اور اسے پتہ چل گیا کہ وہ سارے سانپ پھنیر کی قسم کے تھے۔ تیمور کے سپاہیوں نے سانپوں پر حملہ کر کے متعدد سانپ مار ڈالے تاہم بعض سانپوں نے ان کے چند ساتھیوں کو بھی ڈس لیا۔ آخر کار بہت ساری مشعلوں کے جلائے جانے اور آگ جلانے سے سانپ بھاگ گئے۔ سانپوں کا خطرہ ٹل جانے کے بعد تیمور نے محافظوں سے دریافت کیا کہ کہیں دشمن نے شب خون تو نہیں مارا۔ محافظوں نے جو سب پوری طرح ہوشیار اور چاروں طرف نظریں جمائے ہوئے تھے، تیمور کو بتایا کہ انہوں نے دشمن کے کسی سپاہی کو نہیں دیکھا۔ پھر اس رات ان کی فوجی چھاؤنی میں کوئی بھی ٹھیک سے سو نہیں سکا کیونکہ وہ سب سانپوں سے ڈرے ہوئے تھے۔ تیمور خود بھی سانپوں سے خوفزدہ تھا کیونکہ وہ سانپ کا ڈسا ہوا تھا جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ ان کی فوجی چھاؤنی سے سانپوں کے ڈسے ہوئے سپاہیوں کی چیخ و پکار سنائی دے رہی تھی۔ تیمور چونکہ جانتا تھا کہ سپاہیوں کو ڈسنے والے سانپ پھنیر قسم کے ہیں۔ لہٰذا اسے یقین تھا کہ ڈسے گئے سپاہیوں میں سے زیادہ تر مارے جائیں گے۔

سانپ کے ڈسے کا طریقہ علاج جو تیمور کی فوج میں رائج تھا اس کا ذکر پہلے ہی آچکا ہے لہٰذا یہاں اس کی تفصیل بیان کرنا ضروری نہیں۔ نذیر الدین عمر جو تیمور کی فوج کے طبیبوں میں سے ایک تھا اس نے بتایا کہ سانپ کے ڈسے ہوئے ہر شخص کو لازماً سانپ کے ڈسنے کی جگہ کو چاقو کی مدد سے چیرنا ہوگا تا کہ اس جگہ سے خون بہہ نکلے۔ اگر سانپ کے ڈسے کی جگہ ایسے مقام پر ہو جسے چاقو سے چیرنا ممکن نہ ہو جیسے کہ اگر سانپ کسی سپاہی کے پیٹ پر کاٹ لے تو ایسی صورت میں کوئی دوسرا سپاہی اس جگہ پر خون کو چوس کر تھوک دے تا کہ اس سپاہی کے جسم سے سانپ کا زہر نکل جائے۔ نذیر الدین عمر نے سانپ ڈسوں کے علاج کیلئے مرہم بھی تیار کر کے دیا۔ اس نے ہدایت کی کہ مارے گئے سانپوں کو پھینکا نہ جائے اور ان کے سر کاٹ کر کوٹے جائیں۔ اس نے ہر سر سے چند ڈسے ہوئے سپاہیوں کے لئے مرہم تیار کیا اور تجویز کیا کہ زخم کے کاٹنے یا خون چوسے جانے کے بعد وہ مرہم لگایا جائے۔ اس نے دعویٰ کیا کہ اگر اس کی بتائی گئی ہدایات پر عمل کیا گیا تو امید ہے کہ سانپ کے ڈسے صحت یاب ہو جائیں گے۔ اگلی صبح جب سپاہی مرے ہوئے سانپوں کے سر کاٹ رہے تھے تو ان پر ایک چیز ظاہر ہوئی کہ سانپوں کے لاشے ان کی فوجی چھاؤنی کے باہر کے حصوں میں موجود نہ تھے بلکہ سب کے سب قلعہ کی سیدھ میں پڑے تھے۔ ان کی فوجی چھاؤنی ایک دائرے کی صورت میں قلعے کے باہر حصار بنائے ہوئے تھی اور سانپوں کے لاشے ظاہر کر رہے تھے کہ یا تو وہ قلعے سے آئے تھے یا پھر قلعے میں لوٹ جانا چاہتے تھے اور وہ سانپ جنگل سے نکل کر ان کی طرف نہ آئے تھے۔

دوسرے روز بھی تیمور کے سپاہی سیڑھیاں تیار کرنے میں مصروف رہے اور سہ پہر کے قریب انہوں نے قلعے کی فصیل پر چڑھنے کے لیے سیڑھیاں تیار کر لی تھیں۔ تیمور نے حملے سے پہلے اپنے سرداروں کو طلب کیا اور انہیں ہدایات دیتے ہوئے کہا کہ ہمیں قلعے پر حملے کے بعد نہ صرف ان

مردوں کا سامنا کرنا پڑے گا جو اب تک خود کو چھپائے ہوئے ہیں بلکہ شاید بہت سے موذی جانوروں کا بھی مقابلہ کرنا پڑے جن میں سے ایک موذی جانور کا مزہ، ہم گزشتہ رات چکھ چکے ہیں۔ تیمور نے اپنے سرداروں کو بتایا کہ ان موذی حشرات سے نپٹنے کا بہترین طریقہ آگ سے مدد لینا ہے۔ لہٰذا انہیں قلعے پر حملے کے وقت آگ جلانے کا انتظام کر کے رکھنا ہوگا۔

نذیر الدین عمر کہنے لگا، ''دن کے وقت سانپوں سے اتنا زیادہ خطرہ نہیں جتنا کہ رات کے وقت ہوتا ہے کیونکہ دن کے وقت سانپ اپنے بلوں میں چھپے رہتے ہیں تا کہ سورج کی کرنیں انہیں اندھا نہ کر دیں۔ لیکن رات کے وقت جب سورج موجود نہیں ہوتا سانپ زیادہ منہ زور ہو جاتے ہیں اور اپنے بلوں سے نکل آتے ہیں۔ گزشتہ رات سانپوں کا ہماری فوجی چھاؤنی پر حملہ اور قلعہ کی جانب سے ان کا آنا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ قلعہ جومبہ میں سپیرے موجود ہیں جنہوں نے کل رات ان سانپوں کو ہماری چھاؤنی کی طرف بھیجا تھا۔ لیکن جب ہم نے آگ جلائی تو یہ سانپ خوفزدہ ہو کر قلعے کی طرف بھاگ گئے۔''

تیمور نے نماز عصر ادا کرنے کے بعد قلعے پر حملے کا حکم دے دیا۔ اس کے احکامات جاری ہوتے ہی سپاہیوں نے تیار کی گئی سیڑھیاں قلعے کی دیوار کے ساتھ لگا دیں۔ تیمور کو توقع تھی کہ قلعے میں موجود مرد جو اب تک خود کو چھپاتے رہے ہیں اس کے سپاہیوں کے اوپر چڑھتے ہی خود کو ظاہر کر دیں گے اور اس کے سپاہیوں کے خلاف مزاحم ہو جائیں گے لیکن حیرت انگیز طور پر ایسا کچھ نہ ہوا۔ بلکہ جیسے ہی تیمور کے سپاہیوں نے قلعہ پر حملہ کیا تو وہ عورتیں بھی جو پہلے قلعے کی دیوار پر کھڑی پہرہ دیتی نظر آ رہی تھیں اچانک غائب ہو گئیں یعنی فصیل پر سے نیچے اُتر گئیں۔ قلعے پر حملے میں شریک ہر سپاہی کسی متوقع فریب کے لئے تیار تھا کیونکہ ان کے سرداروں نے انہیں یہی بتایا تھا۔ اسی وجہ سے انہوں نے قلعے کی فصیل پر قبضہ جمانے کے بعد بڑی احتیاط سے قلعے کے اندر داخل ہونا شروع کر دیا۔ قلعے کے اندر کی صورتحال کا بغور مشاہدہ کرنے کے لئے تیمور خود بھی خندق پار کر کے ایک سیڑھی پر چڑھ گیا اور پھر قلعے کی دیوار پر کھڑا ہو گیا تا کہ قلعے کے اندر کی صورتحال پر نظر رکھ سکے۔ تیمور نے دیکھا کہ قلعے کے اندر موجود گھر عین وسط میں تعمیر کیے گئے تھے اور ان کے اردگرد کشادہ سبزہ زار تھے جو ان گھروں سے لے کر قلعے کی دیواروں تک پھیلے ہوئے تھے۔ تیمور نے دیکھا کہ وہ سبزہ زار قلعے کے اندر آٹھ مقامات پر موجود تھے اور اس کے سپاہی جس طرف سے بھی ان گھروں کی طرف جانا چاہتے تو انہیں ان سبزہ زاروں سے گزر کر ہی جانا پڑتا۔ ان سبزہ زاروں میں بے شمار حشرات حرکت کرتے نظر آ رہے تھے، جو کبھی کبھی قلعے کی دیوار تک جا پہنچتے اور اس پر چڑھنے لگتے لیکن چونکہ قلعے کی دیواریں عمودی شکل میں بنی ہوئی تھیں، اس لئے وہ اس پر چڑھ نہیں سکتے تھے۔

ان حشرات کے دوسری طرف بہت سی عورتیں نظر آ رہی تھیں جن کے ہاتھوں میں چھوٹے چھوٹے ڈنڈے تھے انہوں نے ان ڈنڈوں کے سروں پر سرخ کپڑا باندھ رکھا تھا اور انہیں لہراتے ہوئے وہ کچھ کہہ رہی تھیں، ان کے منہ سے ادا ہونے والے جملوں میں لفظ ''جومبہ......جومبہ......جومبہ......نمایاں طور پر سنائی دے رہا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے وہ اس لفظ کا ورد کر رہی تھیں۔ اب بھی وہاں مردوں کی موجودگی کے کوئی آثار نہ تھے۔ تیمور نے ترجمان کو بلایا اور اسے حکم دیا کہ ان عورتوں سے دریافت کرے آیا ان کے ساتھ مرد بھی موجود ہیں یا نہیں۔ ترجمان نے بلند آواز میں عورتوں کے ساتھ گفتگو کرنا شروع کر دی اور کچھ لمحوں بعد تیمور کو بتایا کہ عورتوں کا کہنا ہے کہ ان کے ساتھ کوئی مرد نہیں۔

تیمور نے ترجمان سے کہا کہ ان سے پوچھو، آخر وہ قلعے میں بغیر کسی مرد کے کیسے رہتی ہیں۔ ترجمان پھر سے ان عورتوں کے ساتھ بات چیت کرنے لگا اور کچھ جملوں کے تبادلے کے بعد بولا ''ان کا کہنا ہے کہ ہم برہمن عورتیں ہیں جو مرتے دم تک شادی نہیں کرتیں۔'' تیمور نے ترجمان سے کہا کہ وہ ان سے پوچھے، کہ کیا وہ ان عیسائی عورتوں کی طرح ہیں جو دنیا تیاگ دیتی ہیں۔ ترجمان نے پھر عورتوں سے گفتگو کی اور پھر بولا ''ان کے مطابق انہوں نے خود کو ویشنو (ہندوؤں کے لاتعداد دیوتاؤں میں سے ایک) کے لئے وقف کر رکھا ہے اور وہ اپنی ساری زندگی قلعے میں گزار دیتی ہیں اور شادی نہیں کرتیں۔''

اس روز تک تیمور کو یہ پتہ نہ تھا کہ ہندوؤں میں ذات پات کا نظام رائج ہے جس کے پانچ درجے ہیں اور ہر درجے کی ذات دوسرے درجے کی ذات سے مختلف ہے اور ہر درجے کو دوسرے پر فوقیت حاصل ہے۔ ہندوؤں کے اس ذات پات کے نظام کا سب سے اعلیٰ طبقہ برہمنوں پر مشتمل تھا۔ ہندوؤں کے مذہبی رہنما یعنی پجاری اور خدمت گار عورتیں یعنی داسیاں اسی طبقے سے ہوتی تھیں۔ ان میں سب سے نچلے درجے کی ہندو ذات پاریاؤں کی تھی جو باقی چار ذاتوں کی نسبت نیچ اور ناپاک تصور کیے جاتے تھے۔ اعلیٰ درجے کے ہندو پاریاؤں کے ساتھ تعلق نہ رکھتے تھے اور نہ ہی ان کے ساتھ بیٹھ کر کچھ کھاتے پیتے۔ اگر اعلیٰ درجے کی تصور کی جانے والی چار ذاتوں سے تعلق رکھنے والے کسی ہندو کا سامنا پاریا ذات کے کسی ہندو سے ہو جاتا مثلاً کہ اس کا بدن کسی پاریا سے چھو جاتا تو اس کے لئے بالکل اسی طرح غسل واجب ہو جاتا جیسے کہ ہم مسلمان مخصوص صورتحال میں غسل کرتے ہیں۔

تیمور نے ترجمان کے ذریعے ان عورتوں سے پوچھا ''کیا تم نے ان سانپوں کو قلعہ میں چھوڑ رکھا ہے؟'' عورتیں بولیں، ''ہاں یہ ہمارے ہی چھوڑے ہوئے ہیں۔'' تیمور نے ان سے پوچھا ''تم نے ان سانپوں کو یہاں کس مقصد کے تحت چھوڑ رکھا ہے؟'' عورتوں نے جواب دیا، ''تاکہ وہ تمہیں قلعے کے اندر داخل نہ ہونے دیں۔'' تیمور کو جیسے ہی یہ معلوم ہوا کہ قلعے میں کوئی مرد موجود نہیں تو اسے پتہ چل گیا کہ وہ بہت جلد قلعے پر قبضہ کر لے گا۔ اگرچہ قلعے کی دیوار اور مرکز میں بنے گھروں کے درمیان ہر طرف پھنیر سانپ پھر رہے تھے مگر پھر بھی تیمور کو یقین ہو گیا تھا کہ اب قلعہ اس کے تصرف میں آنے والا ہے۔ تیمور نے ترجمان سے کہا کہ وہ ان عورتوں کو بتا دے کہ تیمور ان سے لڑنا نہیں چاہتا، حالانکہ ان کے چھوڑے ہوئے سانپوں نے گزشتہ رات اس کے متعدد سپاہیوں کو ڈس لیا تھا۔ اگر وہ سپیرنیں اپنے چھوڑے ہوئے سانپوں کو واپس بلا لیں اور قلعہ کو اس کے سپرد کر دیں تو وہ ان کے جرم معاف کر دے گا۔ اگرچہ پھر بھی وہ قلعے کو تو مسمار کر دے گا مگر ان عورتوں کو اپنے سپاہیوں میں تقسیم نہیں کرے گا لیکن اگر انہوں نے اپنے سانپوں کو واپس نہ بلایا اور قلعے کو اس کے حوالے نہ کیا تو وہ اپنی روایت کے مطابق سب عورتوں کو اپنے سپاہیوں میں تقسیم کر دے گا کیونکہ ایسی صورت میں وہ حربی کافر تصور ہوں گی۔

ان عورتوں نے تیمور کے انتباہ کو نظرانداز کر دیا اور ان کے خلاف مزاحمت پر تیار ہو گئیں۔ تیمور چاہتا تو اپنے مشعل برداروں کو سانپوں کو دور ہٹانے اور ان کے لئے قلعے کے دروازے کھولنے کے لئے بھیج سکتا تھا لیکن وہ جانتا تھا کہ ان کے زمین پر قدم رکھنے سے پہلے ہی سانپ انہیں ڈس لیں گے۔ تیمور کو پتہ تھا کہ جب کوئی پھنیر سانپ حملہ کرنے کے لئے تیار ہو تو اس کے ڈسنے کے لئے وار کرنے کی رفتار انسان کے پلک جھپکنے

سے بھی کم وقت لیتی ہے۔

تیمور کے مشعل بردار جس قدر بھی پھرتیلے ہوتے وہ خود کو زمین پر اُترنے کے بعد ان سانپوں کے ڈسنے سے نہ بچا سکتے تھے اور چونکہ دن کی روشنی میں آگ آسانی سے دکھائی نہیں دیتی لہٰذا ممکن تھا کہ سانپ اس سے خوفزدہ نہ ہوتے اور وہیں ٹھہرے رہتے۔ دوسری صورت میں انہیں ان سانپوں کو تلواروں اور کلہاڑوں کی مدد سے مارنا پڑتا اور بہرحال ہر دو صورتوں میں تیمور کے کافی آدمی ان سانپوں کے ڈسنے سے مارے جاتے۔ اسی لئے تیمور نے ایک اور راستہ سوچتے ہوئے حکم دیا کہ چرمی تھیلوں میں بارود بھرا جائے اور ان میں فیتے لگا دیئے جائیں، پھر ان فیتوں کو آگ لگا کر سانپوں کے عین درمیان پھینک دیا جائے۔ جیسے ہی سانپ اِدھر اُدھر بکھر جاتے تو تیمور کے سپاہیوں کو ان کے بکھرنے سے بننے والے راستے پر اتر کر قلعے کے دروازے کھول دینے تھے جو دیوار کے نزدیک ہی موجود تھے اور یوں تیمور کی فوج قلعے میں داخل ہو جاتی۔

جیسے ہی بارود سے بھرا پہلا تھیلا سانپوں کے عین درمیان گر کر پھٹا تو ان ہندو عورتوں کی طرف سے چیخیں بلند ہوئیں جو سرخ کپڑا لپٹے ہوئے ڈنڈے تھامے تھیں۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ تیمور اس طریقے سے ان کے سانپوں کو مار کر اپنے سپاہیوں کے داخل ہونے کے لئے راستہ بنا لے گا۔ جتنے زیادہ سانپ مارے جاتے ہندو عورتیں اتنا ہی زیادہ چیخ و پکار کرتیں۔ تیمور کے سپاہی سانپوں کے پیچھے ہٹتے ہی نیچے اُترے اور پہلے ایک اور اس کے بعد سب دروازے کھول دیئے۔ اسی لمحے تیمور کی فوج کی فتح صاف ظاہر ہو گئی۔ انہوں نے سب عورتوں کو سورج غروب ہونے سے پہلے ہی گرفتار کر لیا اور انہیں قلعے سے باہر منتقل کر دیا۔

تیمور نے ان عورتوں میں سے ان کو اپنے حضور طلب کیا جو دوسری عورتوں کی نسبت بلند درجہ رکھتی تھیں اور ان سے پوچھا کہ ان میں سے ہر ایک نے ایسا ڈنڈا کیوں تھام رکھا تھا جس پر سرخ کپڑا باندھ کر وہ لہرا رہی تھیں۔ عورتوں نے بتایا کہ وہ اس طریقے سے سانپوں کو حملہ کرنے کی ہدایات دے رہی تھیں کیونکہ سانپ سن نہیں سکتے مگر سرخ رنگ دیکھ سکتے ہیں اور اس کا مطلب جان لیتے ہیں۔ اس روز تیمور کو پہلی بار ان سپیرن عورتوں کی زبانی علم ہوا کہ سانپ سن نہیں سکتے۔

تیمور نے عورتوں سے پوچھا کہ وہ سانپ کیوں پالتی ہیں؟ عورتوں نے جواب دیا کہ وہ سانپوں کو پالتی نہیں بلکہ سانپ تو محض قلعہ کا دفاع کرنے کا ذریعہ تھے۔ ان سانپوں ہی کی وجہ سے تیمور سے پہلے کوئی بھی اس قلعہ کو فتح نہ کر پایا تھا اور اس قلعے پر حملہ آور ہونے والی ہر فوج کو شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا تاہم تیمور نے آخر کار اس قلعے کو فتح کر لیا تھا۔ ان عورتوں نے تیمور کو بتایا کہ قلعے کے اندر بڑے بڑے بل ہیں جن میں سے ہر ایک سوفٹ چوڑا ہے جن کے اندر وہ عورتیں ان سانپوں کو رکھتی تھیں۔ جب کبھی بھی قلعہ جومبہ پر حملہ کیا گیا تو وہ رات کے وقت سانپوں کو قلعے کے باہر چھوڑ دیتیں تاکہ وہ دشمن کے سپاہیوں کو ڈس لیں۔ اکثر اوقات سانپوں کا ایک ہی حملہ دشمن کو خوفزدہ کرنے اور وہاں سے بھاگ جانے پر مجبور کر دینے کے لئے کافی ہوتا تھا۔

تیمور نے عورتوں سے پوچھا کہ کیا اب بھی اندر بنے بلوں میں سانپ موجود ہیں؟ عورتیں کہنے لگیں کہ انہوں نے قلعے پر حملے کے بعد تمام سانپوں کو کھلا چھوڑ دیا تھا تاکہ تیمور کے سپاہی ان سانپوں کے خوف سے سیڑھی کی مدد سے نیچے نہ اُتر سکیں تاہم ممکن ہے کہ کچھ سانپ خوفزدہ ہو کر واپس

بلوں میں گھس گئے ہوں۔ تیمور نے اپنے سپاہیوں کو خبردار کیا کہ ان میں سے کوئی بھی قلعے کے اندر نہ سوئے کیونکہ یہ ممکن تھا کہ قلعے کے اندر سانپ دوبارہ نکل کر انہیں ڈس لیتے۔ اس رات تیمور نے قلعے سے پکڑی جانے والی تمام عورتوں کو اپنے سپاہیوں میں تقسیم کر دیا۔ اس نے اپنے سپاہیوں کو ہدایت کی کہ وہ فوجی چھاؤنی کی حدود کے باہر مشعلیں روشن رکھیں تاکہ سانپ گزشتہ رات کی طرح ان کی چھاؤنی پر حملہ نہ کر سکیں تاہم تیمور کو صبح ہونے تک چھاؤنی سے کسی طرح کی آواز سنائی نہ دی اور نہ ہی کسی کو سانپ نے ڈسا۔

قلعہ جومبہ کے آس پاس کوئی آبادی نہ تھی کہ جن سے وہ قلعے کو مسمار کرنے کے لئے بیگار لے سکتے۔ تیمور کو موسم برسات شروع ہونے سے پہلے دہلی پہنچنا تھا چنانچہ تیمور نے اپنے سپاہیوں کا ایک دستہ قلعہ جومبہ میں ہی چھوڑ دیا۔ سانپ کے ڈسوں میں سے جو قابل علاج تھے انہیں دوسرے سپاہیوں کے ساتھ گھوڑوں پر سوار کر دیا گیا اور دیگر ڈسے ہوؤں کو جومبہ میں ہی چھوڑ دیا گیا تاکہ ان کا علاج ہو سکے یا وہیں مارے جائیں۔ جومبہ میں جو سپاہی باقی رہ گئے تیمور نے قلعے سے گرفتار ہونے والی عورتوں کو انہی کی نگرانی میں دے دیا تاکہ وہ قلعہ گرا دینے کے بعد جیسے چاہیں ان سے سلوک کریں۔

قلعہ جومبہ سے گزرنے کے بعد دہلی پہنچنے تک تیمور کے راستے میں اور کوئی رکاوٹ نہ تھی لہٰذا وہ دہلی تک برق رفتاری سے پہنچ سکتا تھا۔ سلطان کوئٹہ والی الملک نے تیمور کو بتایا تھا کہ دہلی کی فصیل پتھر سے بنی ہے اور اس کے ساتھ ایک بہت بڑی خندق ہے جو بہت چوڑی اور گہری بھی ہے۔ اس نے یہ بھی بتایا تھا کہ دہلی کا حاکم ایک قابل شخص ہے جس کے پاس بے شمار سونا اور جواہر ہیں اور جو لاکھوں سپاہیوں پر مشتمل فوج اکٹھی کر سکتا ہے۔ دہلی کے پہلے قلعہ کی بلندی چالیس گز، دوسرے کی تیس گز اور تیسرے کی بلندی بیس گز تھی۔ اگر کوئی حملہ کرنے والی فوج پہلے قلعے سے گزر جاتی تو دوسرے اور تیسرے قلعے کے سامنے اسے رُکنا پڑ جاتا تھا۔

قلعہ جومبہ سے دو دن تک مسلسل سفر کرنے کے بعد چونکہ گھوڑوں کو آرام کرنے کی ضرورت تھی لہٰذا تیمور نے سہ پہر کے وقت ایک جگہ ٹھہرنے کا حکم دے دیا اور اس کے سپاہیوں نے چھاؤنی قائم کر دی۔ اسی وقت تیمور کو اطلاع ملی کہ ہندوؤں کا ایک وفد اس کی چھاؤنی میں آیا ہے اور وہ لوگ اس کی فوج میں شامل ہونے کے خواہش مند ہیں۔ تیمور کو اس غیر متوقع پیش کش سے بے حد حیرت ہوئی۔ بہر حال اس نے ان کے نمائندوں کو اپنے حضور طلب کیا تاکہ پتہ چلا سکے کہ آخر ان کا مقصد کیا ہے۔ تیمور کے سپاہی ان کے چند نمائندوں کو اس کے پاس لے آئے۔ تیمور نے ترجمان کے ذریعے ان سے پوچھا کہ وہ کس مقصد سے آئے ہیں۔ انہوں نے کہا، ”اے امیر ہمیں پتہ چلا ہے کہ تُو دہلی پر قبضہ کرنا چاہتا ہے، اس لئے ہم تیرے حضور حاضر ہوئے ہیں کہ تیری فوج میں شامل ہو کر تیری مدد کریں۔ اگر تُو ہمیں اپنی فوج میں شامل نہیں کرنا چاہتا تب بھی ہم ہر طرح سے حاضر ہیں کہ تُو جیسے چاہے ہم دہلی پر قبضے کے سلسلے میں تیری مدد کریں، اس کے بدلے ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ تُو ہمیں اتنا سامان خوراک دیدے کہ جس سے ہماری آل اولاد کا پیٹ بھر سکے۔“

تیمور نے ان سے دریافت کیا، ”تم سب تو ہندو ہو، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ تم سب اپنے ہم مذہبوں کے خلاف میری مدد کرنے پر تیار ہو اور اپنے ساتھیوں کے خلاف جنگ کرنا چاہتے ہو؟“ وہ کہنے لگے، ”ہم سب کی نظروں میں ناپاک ہیں لیکن ہمیں بتایا گیا ہے کہ اگر ہم تیرا مذہب قبول کر لیں تو تُو ہمیں ناپاک تصور نہیں کرے گا اور ہم بھی تیرے دوسرے سپاہیوں جیسے ہی ہو جائیں گے۔ اسی لئے ہم تیرے پاس آئے ہیں کہ تیرا مذہب

قبول کر کے تیری فوج کا حصہ بن جائیں اور تیری جیت کے لئے تلوار بلند کریں۔'' تیمور نے ان سے کہا،'' کیا تم لوگ اسی طبقے سے تعلق رکھتے ہو جسے ''پاریا (اچھوت)'' کے نام سے پکارا جاتا ہے۔'' انہوں نے ''ہاں'' میں جواب دیا، پھر کہنے لگے،'' چونکہ ہمیں سب لوگ ناپاک اور نجس تصور کرتے ہیں، اس لئے ہم تقریباً سارا سال بھوک پیاس کا شکار رہتے ہیں۔ ہمیں دوسروں کا بچا کھچا اور مسترد شدہ کھانا کھانے کو ملتا ہے۔ ہمیں کوڑا اٹھانے اور گندگی صاف کرنے کے سوا کوئی کام کرنے کی اجازت نہیں۔'' تیمور نے ان سے کہا،'' اگر تم لوگ مسلمان ہو جاؤ تو تم سب بھی دوسرے مسلمانوں ہی کی طرح ہو گے تمہیں کوئی ناپاک نہیں سمجھے گا اور تم ہر وہ کام کر سکو گے جو دوسرے مسلمان کرتے ہیں۔ مسلمان اپنی بیٹیاں تم سے بیاہ دیں گے اور تمہاری بیٹیوں کو بھی زوجیت میں لینے پر آمادہ ہونگے۔'' اس پر وہ کہنے لگے،'' پھر تو ہم مسلمان ہونے کے لئے صدق دل سے راضی ہیں لیکن جب ہم مسلمان ہو جائیں گے تو اس کے بعد اپنے بال بچوں کو یہاں سے منتقل کر دیں گے، تجھ سے درخواست ہے کہ ایسی صورت میں ہمیں مسلمان ملکوں میں آباد کر دے تاکہ ہم وہاں اپنے بال بچوں سمیت زندگی گزار سکیں۔''

تیمور نے ان سے پوچھا،'' تم لوگ ہجرت کیوں کرنا چاہتے ہو؟'' انہوں نے جواب دیا،'' ہم چونکہ مسلمان ہو جائیں گے اور تیری فوج میں شامل ہو کر تیرے مددگار بن جائیں گے اور ہمیشہ تیرے ساتھ رہیں گے، اس لئے ہندو ہمیں تو شاید اس بنیاد پر نقصان نہ پہنچا سکیں کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں لیکن وہ ہماری عورتوں اور بچوں سے ضرور انتقام لیں گے اور انہیں مار ڈالیں گے۔'' تیمور نے کہا،'' تو ٹھیک ہے، میں تمہیں ہندوستان کے اُن علاقوں میں زمینیں دیدوں گا جہاں مسلمان بستے ہیں تاکہ تم اپنی عورتوں اور بچوں کو وہاں رکھ سکو۔'' چنانچہ اس سے آگے تیمور کی فوج ایسے جس بھی علاقے میں پہنچتی جہاں پاریا لوگ آباد تھے تو ان میں سے بہت سے اسلام قبول کر لیتے اور تیمور کی فوج میں شامل ہونے کی درخواست کرتے۔

دہلی سے کچھ فاصلے پر ایک گاؤں آباد تھا جسے یزد کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ جو شاید پہلے کبھی یزدان ہوگا اور عام بول چال کے باعث یزد پکارا جانے لگا۔ جب تیمور کی فوج اس گاؤں میں پہنچی تو بہت سے بزرگ آدمیوں پر مشتمل ایک گروہ ان کے استقبال کے لئے آیا یہ لوگ تیمور کو'' شاہ ایران'' کے لقب سے پکار رہے تھے۔ تیمور نے ان سے پوچھا،'' تم لوگ کون ہو اور یہاں کیا کرتے ہو؟'' وہ کہنے لگے کہ وہ آتش پرست ہیں اور ان کے آباؤ اجداد کا تعلق فارس، کرمان اور یزد سے ہے۔ ان ملکوں کے بادشاہ ان لوگوں کو اپنے ملکوں میں رکھنے پر تیار نہ تھے لہٰذا جب کوئی چارہ نہ بچا تو وہ لوگ اپنے ملکوں کو چھوڑ کر ہندوستان میں آبسے۔ وہ کافی عرصے تک بے گھر رہے حتیٰ کہ خلجی سلطانوں میں سے ایک نے ان پر ترس کھا کر انہیں یہ خطہ ارض عطا کر دیا جس پر وہ اب آباد تھے۔ اب وہ ان گھروں میں رہتے تھے جنہیں انہوں نے خود تعمیر کیا تھا۔ یہ بزرگ آدمی جو تیمور کے استقبال کے لئے آئے تھے، فارسی زبان میں بات کرتے تھے تاہم ان کا لہجہ کرمان کے لوگوں جیسا تھا۔ معلوم ہوا کہ انہوں نے اب تک اپنی مادری زبان فارسی کو اختیار کئے رکھا تھا حالانکہ ان کے آباؤ اجداد کو اپنے ملکوں سے ہندوستان میں آ کر آباد ہوئے دو سو سال گزر چکے تھے۔ چونکہ آرام کرنے کا وقت تھا لہٰذا تیمور یزد نامی گاؤں میں کچھ دیر کیلئے ٹھہر گیا اور ان بوڑھے آدمیوں سے گفتگو کرتا رہا۔

ان لوگوں کی باتیں سن کر تیمور بے حد حیران ہوا کیونکہ اسے پتہ چلا کہ ان آتش پرست بوڑھوں نے مسلمانوں کی مقدس کتاب یعنی قرآن مجید کا بھی مطالعہ کر رکھا تھا اور وہ اللہ تعالیٰ کے کلام سے بھی بخوبی واقف تھے۔ وہ لوگ تیمور کو بتانے لگے،'' جیسا کہ تم لوگ ہمارے بارے میں سوچتے ہو،

اس کے بالکل برعکس ہم لوگ پلید نہیں ہیں کیونکہ ہم بھی اہلِ کتاب ہیں اور خود تمہاری کتاب یعنی قرآن مجید میں لکھا ہے کہ ہر وہ قوم جو صاحب کتاب ہے پاک ہے۔ ہماری کتاب جس کا نام "زند" ہے، قدیم ترین کتابوں میں سے ایک ہے۔" تیمور نے ان سے کہا، "قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے بُتوں کی پوجا کرنے والوں کو ناپاک قرار دیا ہے۔" بوڑھے آتش پرست بولے، "ہم بُتوں کی پوجا نہیں کرتے اور ہمارے یہاں بُت خانے بھی نہیں ہوتے بلکہ ہم تو ایک خدا کی عبادت کرتے ہیں۔" تیمور نے ان سے کہا، "تم لوگ آگ کی پوجا کرتے ہو اور آگ ہی تمہارا بُت ہے!" وہ بولے، "ہم آتش پرست نہیں ہیں ہم آگ کا احترام کرتے ہیں کیونکہ یہ اس کائنات کے چار خالص ترین عناصر (پانی، مٹی، ہوا اور آگ) میں سے ہے۔"

اس کے بعد گفتگو کا رُخ ان کے آباؤ اجداد کی طرف مُڑ گیا اور تیمور کو یہ جان کر اور بھی حیرت ہوئی کہ وہ لوگ ایران کی تاریخ سے بھی واقف تھے کیونکہ انہوں نے "شاہنامہ" پڑھ رکھی تھی اور اس وقت بھی پڑھتے تھے۔ انہوں نے تیمور کو بتایا کہ ماضی میں ہندوستان کی طرح ایران میں بھی لوگ مختلف طبقات میں تقسیم تھے اور ہر طبقے کا ایک مخصوص نام بھی ہوا کرتا تھا۔ ان ذاتوں پر مشتمل طبقوں میں پہلا طبقہ آتش پرستوں کا تھا جنہیں مذہبی رہنما تصور کیا جاتا تھا۔ دوسرا طبقہ جنگجوؤں پر مشتمل تھا جو جنگوں میں دادِ شجاعت دیا کرتے تھے۔ تیسرا طبقہ ہنرمندوں کا تھا اور چوتھے طبقے میں کھیتی باڑی کرنے والے شامل تھے۔

تاہم ایران کے پرانے طبقاتی نظام اور ہندوستان کے ذات پاک کے نظام میں بہت بڑا فرق تھا اور وہ فرق یہ تھا کہ ایران کے پرانے نظام میں "پاریا" جیسی کوئی ذات یا پلید لوگوں کا طبقہ نہ تھا جبکہ ہندوستان میں نچلی ذات کے لوگوں کا طبقہ موجود تھا۔ تیمور نے ان لوگوں سے پوچھا، "کیا تم اپنے مُردوں کو جلا دیتے ہو؟" وہ مجوسی بولے، "ہم ہندو نہیں ہیں کہ اپنے مُردوں کو جلا دیں یا انہیں دریا میں بہا دیں اور دریا کو نجس کر دیں۔" تیمور نے پوچھا، "تو پھر تم لوگ اپنے مُردوں کا کیا کرتے ہو؟"

ان مجوسیوں میں سے ایک نے جس کی لمبی سفید داڑھی تھی، جنوب کی طرف واقع ایک کم بلندی والی پہاڑی کی طرف اشارہ کیا اور بولا، "جب ہم میں سے کوئی مر جاتا ہے تو ہم اس کے مُردہ بدن کو اس پہاڑی پر لے جاتے ہیں۔ ہم اس کے مُردہ بدن کو پہاڑی کی چوٹی پر چھوڑ دیتے ہیں تاکہ سورج، ہوا اور بارش کا پانی اس کے بدن کو بے ہیبت کر دیں اور اس کا گوشت خون اور رگ پٹھے سب خشک ہو جائیں۔ جب اس کے بدن پر خشک ہڈیوں کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا تو ہم اسے ایک کنویں میں پھینک دیتے ہیں جو اس پہاڑی کے اوپر ہی موجود ہے۔" تیمور نے ان سے پوچھا، "تم لوگ مرنے والوں کو زمین میں کیوں نہیں دفن کر دیتے؟" انہوں نے جواب دیا: "اگر ہم اپنے مُردوں کو دفن کرنے لگیں تو زمین آلودہ ہو جائے گی۔ ہم زمین کو اپنے مُردوں سے آلودہ نہیں کرنا چاہتے کیونکہ یہ چار خالص ترین عناصر میں سے ایک ہے۔" تیمور نے ان مجوسیوں سے مزید دریافت کیا، "کیا تم اپنے اصل ملکوں کو لوٹنا اور دوبارہ فارس، یزد اور کرمان میں بود و باش اختیار کرنے کے خواہش مند ہو؟"

ان مجوسیوں نے جواب دیا، "اگر ہم آج اپنے ملکوں کو واپس لوٹ جائیں تو ہمارے پاس اپنی گزر اوقات کا کوئی ذریعہ نہ ہوگا چونکہ ہم لوگ بھیک مانگنے والوں میں سے نہیں اور ہم میں سے کسی نے بھی بھیک نہیں مانگی لہٰذا ہم لوگ بھوکوں مر جائیں گے۔ اس کے علاوہ آج تم ایران کے حاکم ہو اور ہمارے ساتھ حسن سلوک سے پیش آ رہے ہو اللہ تمہیں عمر دراز عطا کرے لیکن اس بات کا کوئی بھروسا نہیں کہ تمہارے بعد ایران پر حکومت کرنے

والے بادشاہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں لہٰذا بہتر یہی ہے کہ ہم یہیں رہیں اور یہیں اسی سرزمین میں مرجائیں جو اب ہمارا ملک بن چکی ہے۔''

تیمور نے کہا،''میرے بعد میرے بیٹے ایران پر حکمرانی کریں گے اور چونکہ تم لوگ اہل کتاب ہو میں یہ وصیت کرجاؤں گا کہ میرے بعد میرے بیٹے تم لوگوں کے ساتھ بھی اسی طرح سلوک کریں جیسے کہ دوسرے اہل کتاب لوگوں کے ساتھ کیا جاتا ہے اور تمہیں بُت پرستوں اور ناپاک لوگوں میں شامل نہ کریں۔'' وہ آتش پرست بولے،''اے عظیم سردار، ہم لوگ اب ہندوستان میں رہنے کے عادی ہوچکے ہیں اور خود میں اس سرزمین کو چھوڑنے کا حوصلہ نہیں پاتے۔''

چنانچہ تیموریزد نامی گاؤں سے کوچ کرکے دہلی کی طرف روانہ ہوگیا۔ اگر تیمور سلطان دہلی ملا اقبال کی جگہ ہوتا تو وہ اپنی سرزمین پر قدم رکھنے والے دشمن پر طوفان کی سی تیزی سے حملہ آور ہوجاتا۔ وہ خود کو اور اپنی فوج کو کسی پتھر، اینٹ اور گارے کی بنی دیواروں کے پیچھے نہ چھپاتا۔ تیمور کے نزدیک قلعوں کے پیچھے محصور ہوجانا بزدلی کی نشانی تھی۔ ایک جنگجو انسان مٹھی بھر گارے اور پتھر کے پیچھے پناہ نہیں لیتا کیونکہ اینٹ، پتھر اور گارا کوئی جاندار شے نہیں کہ وہ انسان کا دفاع یا اس کی مدد کرسکیں۔ کسی بھی قلعے کی طاقت جو دیواروں اور برجوں سے بنا ہو، محض اس میں موجود آدمیوں کی طاقت ہی کے سبب ہوتی ہے نہ کہ ان دیواروں اور برجوں کے سبب!

اگر قلعے میں موجود لوگ طاقتور ہوں تو قلعہ دشمن کے خلاف ثابت قدمی دکھائے گا اور اگر وہ آدمی طاقت نہ رکھتے ہوں تو قلعے کی شکست بھی یقینی ہے۔ ہر انسان کو حتیٰ کہ پیغمبروں کو بھی زندہ رہنے کے لئے خوراک اور پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر اسے کھانے پینے کی اشیاء اور پانی دستیاب نہ ہو تو وہ مرجائے گا، خواہ وہ رستم ہی کیوں نہ ہو۔ کسی بھی فوجی قلعے میں ہمیشہ قحط اور پانی کی کمی کا خطرہ رہتا ہے۔ اگر قلعے کا محاصرہ طول پکڑ لے تو قلعے کے اندر موجود لوگوں کے پاس تسلیم ہوجانے کے سوا کوئی راستہ نہیں بچتا۔ دہلی جیسے کسی بھی شہر میں، جس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ اس کی آبادی کئی لاکھ پر مشتمل ہے لوگوں کے قحط کا شکار ہونے کا خطرہ مزید بڑھ جاتا ہے۔

اگر دہلی کا سلطان ملا اقبال عقل وفہم رکھتا ہوتا تو اسے جان لینا چاہیے تھا کہ دہلی جیسا شہر محاصرے کے سامنے ثابت قدم نہیں رہ سکتا، خواہ اس میں رہنے والا ہر مرد، عورت اور بچہ صرف پچاس مثقال غذا روزانہ پر ہی کیوں نہ گزارہ کرتا ہو۔ تیمور کو بتایا گیا تھا کہ دہلی کے باشندوں کی خوراک چاول اور مکئی ہے اور چونکہ وہ لوگ ہندو تھے لہٰذا گوشت نہ کھاتے تھے۔

تیمور کو پتہ تھا کہ ملا اقبال اور اس کا اتحادی سلطان محمود خلجی جتنی بھی مقدار میں چاول اور مکئی جمع کرلیتے وہ دہلی کے لوگوں کے لئے خوراک کا خاطر خواہ ذخیرہ نہ کرپائیں گے اور یوں لوگ فاقوں مرجائیں گے۔ اگر تیمور ملا اقبال یا اس کے اتحادی سلطان محمود خلجی کی جگہ ہوتا تو وہ دہلی سے باہر نکل کر اپنی فوج کے ساتھ دشمن کا سامنا کرتا بجائے اس کے کہ قلعے کی دیواروں کے پیچھے پناہ لے لیتا اور اپنے دفاع کو بے جان اینٹ، پتھر اور گارے کے حوالے کردیتا۔ پھر یا تو وہ دشمن کو شکست دے کر فاتح کی طرح دہلی میں واپس آتا یا پھر اس کا بے جان لاشہ میدان جنگ میں پڑا رہتا تاہم ایسی موت کی صورت میں بھی وہ اپنے پیچھے نیک نامی چھوڑ کر مرتا۔ قلعہ کے پیچھے محصور ہوجانا کمزوری کی نشانی ہے اور جو شخص قلعے کے پیچھے پناہ لینے کا انتخاب کرتا ہے وہ دراصل موت سے خوفزدہ ہوتا ہے۔ ایک بہادر آدمی جو موت سے خوف نہ کھاتا ہو تو وہ اپنی تلوار ہاتھ میں لے کر میدان جنگ

میں داخل ہو جاتا ہے اور دشمن کو مار ڈالتا ہے یا خود مارا جاتا ہے۔

تیمور کو ملا اقبال اور محمود خلجی جیسے لوگوں پر حیرت ہوتی تھی جو عظمت اور حکمرانی حاصل کرنے کے خواہشمند تھے مگر موت کے خوف میں مبتلا رہتے تھے۔ وہ اس حقیقت سے بے خبر تھے کہ کوئی بھی شخص اس وقت تک حکمرانی اور برتری حاصل نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ اپنی زندگی کو فراموش نہ کر دے۔ اسے پھر عیش کوشی کے لئے زندگی باقی رہنے کی فکر نہ کرنی چاہیے۔ تیمور نے یہ جان لیا تھا کہ وہ لوگ جو موت سے خوفزدہ ہوتے ہیں وہ اپنا وقت عیش و عشرت میں گزارتے ہیں۔ شراب کے نشے اور عورتوں کی صحبت کا چسکا ان لوگوں کے دل و دماغ پر اس طرح گرفت کئے ہوئے ہوتا ہے کہ وہ ان چیزوں کو چھوڑ ہی نہیں سکتے۔ وہ شراب اور عورت سے محروم نہ ہونے کے لئے اپنے بدن کو ہر ذلت میں ڈالنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ ملا اقبال اور محمود خلجی دونوں بلا نوش تھے، وہ عیش و عشرت اور آرام پسندی سے باز رہ سکتے تھے اور نہ ہی شہر چھوڑنے کے قابل تھے۔ اسی لئے وہ اپنے سپاہیوں کو بھی صحراؤں میں لے جا کر تربیت نہ دے سکتے تھے۔ وہ لوگ کسی خیمے کے فرش پر یا خیمے کے بغیر سو ہی نہ سکتے تھے اور وزنی آہنی لباس پہننا تو ان کے بس کی بات ہی نہ تھی۔ ان کے بدن تو نرم و گرم اور آرام دہ بستروں کے عادی تھے۔ حسین عورتوں کے ساتھ شب بسری کرنا ان کی پختہ عادت بن چکی تھی اور وہ اس بات سے بے خبر تھے کہ عیش و عشرت کی سزا بہر حال بھگتنا پڑتی ہے اور ہر عیش اور آرام پسندی کا کفارہ ذلت و رسوائی ہے۔ اس کے برخلاف جو شخص حکمرانی اور دوسروں پر برتری چاہتا ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ خود پر آسائش طلبی اور عیش پرستی کی خواہشات کو حرام کر لے حتیٰ کہ ان لذتوں سے بھی پرہیز کرے جن کی اجازت ہے اور جن کو ممنوعہ قرار نہیں دیا گیا۔

تیمور نے اپنی فوج کے دہلی کی طرف بڑھنے کی رفتار کچھ اس طرح رکھی تھی کہ جب وہ دہلی پہنچا تو صبح کا وقت تھا۔ اس وقت تک تیمور کو اپنے بیٹے سعد وقاص کے ساتھ قلعہ لوٹنے میں پیش آنے والے واقعہ کا کچھ علم نہ تھا۔ تیمور نے سب سے پہلے اس بارے میں تحقیق کی کہ دہلی کے قلعے کی فصیل کس حد تک پھیلی ہوئی ہے، تیمور کو اس قلعے کی وسعت جو بتائی گئی وہ اتنی زیادہ نہ تھی حالانکہ اس سے پہلے اس نے سن رکھا تھا کہ مذکورہ فصیل چالیس گز اونچی ہے لیکن جب تیمور دہلی کے قلعے کے باہر پہنچا تو اسے پتہ چلا کہ چالیس گز کی اونچائی محض عام لوگوں کی پھیلائی ہوئی باتیں تھیں جو اس قسم کے قصے کہانیاں پھیلا کر لطف لیتے ہیں۔ تیمور نے اندازہ لگایا تو دہلی کی فصیل بارہ گز سے زیادہ اونچی نہ تھی تاہم اس کے کسی بھی حصے میں توڑ پھوڑ کا کوئی نشان نہ تھا یا اگر ایسا کوئی نشان تھا تو تیمور کے پہنچنے سے پہلے اس کی مرمت کرا دی گئی تھی۔

جیسا کہ بتایا گیا تھا فصیل کے آگے ایک خندق موجود تھی جب تیمور اس تک پہنچا تو وہ پانی سے بھری ہوئی تھی۔ چنانچہ تیمور نے یہ پتہ لگانے کا حکم دیا کہ خندق میں بھرنے کیلئے پانی کہاں سے حاصل کیا گیا ہے۔ اسے پتہ چلا کہ دہلی کے قریب سے ایک دریا گزرتا ہے، اس دریا سے نہر نکال کر اس خندق میں پانی بھرا گیا تھا۔ جب دریا کا پانی خندق سے اونچا ہوتا تو آسانی سے خندق کو اس کے پانی سے بھرا جا سکتا تھا۔ ان کا شاید یہ خیال تھا کہ چونکہ موسم برسات آ رہا ہے اس لئے دریا کے پانی کی ضرورت نہ ہو گی اور بارش کا پانی خندق میں مسلسل پانی کو بھرا رکھے گا۔ قلعے کی دیوار پر چند پہرے دار کھڑے تھے جن کی بڑی بڑی مونچھیں دور سے نظر آ رہی تھیں۔ ان کی مونچھیں اتنی بڑی تھیں کہ کانوں کی لووں سے بھی آگے نکلی ہوئی تھیں۔ ان پہرے داروں نے ہاتھوں میں نیزے پکڑ رکھے تھے۔

تیمور کی طرح اس کے سپاہی بھی ان بڑی بڑی مونچھوں سے نہ ڈرتے اور انہیں صرف بالوں کے تار تصور کرتے، انہیں علم تھا کہ موٹی مونچھوں والا آدمی اگر مونچھوں کی دیکھ بھال کی بجائے جسمانی مشقوں اور اپنے بازوؤں کی دیکھ بھال کرے تو یہ چیز اس کے لئے میدان جنگ میں زیادہ مفید ثابت ہوگی۔ اس لئے کہ میدان جنگ میں زور بازو سے کام لیا جاتا ہے مونچھوں سے نہیں۔

قلعے پر کھڑے موٹی مونچھوں والے آدمیوں نے سروں پر خود جما رکھے تھے چونکہ تیمور اپنے افسروں کے ساتھ دہلی شہر کے اردگرد گھوم پھر کر خندق کی کیفیت کا جائزہ لے رہا تھا تو قلعے پر کھڑے پہرے دار سمجھ گئے کہ تیمور فوج کا سردار ہے اور ان میں سے ایک نے اپنی کمان میں تیر چڑھا کر اس کا نشانہ لے ڈالا۔ تیمور کے ساتھیوں میں سے ایک نے اپنی ڈھال تیمور کے سینے اور چہرے کے سامنے کردی تاکہ پہرے دار کا پھینکا تیر اسے نہ لگ سکے لیکن پہرے دار کا تیر تیمور تک پہنچ ہی نہ پایا اور جہاں تیمور کھڑا تھا اس مقام سے تقریباً ستر فٹ پہلے ہی گر گیا حالانکہ پہرے دار نے بلندی سے تیر داغا تھا۔ کسی دیوار کے اوپر سے یا کسی بھی بلند جگہ سے داغا گیا تیر زیادہ فاصلے تک جا سکتا ہے۔

اب تیمور نے اپنے ساتھیوں میں سے ایک سے تیر اور کمان لیا اور اسی آدمی کا نشانہ لیا جس نے دیوار کے اوپر سے اس پر تیر داغا تھا۔ تیمور نیچے سے اوپر کی طرف تیر چلانے والا تھا اور عام قانون کے مطابق تیمور کے چلائے تیر کو قلعے کی دیوار پر کھڑے آدمی کے چلائے تیر سے کم فاصلہ طے کرنا چاہیے تھا۔ قلعہ کی دیوار پر کھڑا وہ آدمی بھی واضح طور پر اس بات سے آگاہ تھا کیونکہ جب تیمور نے اس کا نشانہ باندھا تو اس نے تیمور کے چلائے تیر سے بچاؤ کے لئے دیوار کے پیچھے خود کو چھپانا ضروری نہ سمجھا اس کا خیال تھا کہ تیمور کا چلایا تیر اس تک نہیں پہنچ سکتا لیکن تیمور کا چلایا تیر نہ صرف اس تک پہنچ گیا بلکہ اس کی ضرب اس قدر زوردار تھی کہ جب تیر اس موٹی مونچھوں والے کے سینے سے ٹکرایا تو اسے ہلا کر رکھ دیا۔ اگر وہ شخص آہنی لباس پہنے ہوئے نہ ہوتا تو تیر اس کے سینے کو چیر کر رکھ دیتا۔ تیمور نے دیکھا کہ وہ شخص تیر لگنے کے بعد آگے کی طرف جھکا اور پھر ایک لمحے بعد سیدھا ہو گیا، اس نے اپنے ہاتھ میں تیمور کا تیر پکڑ رکھا تھا، جسے وہ حیرت سے دیکھتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو بھی دکھا رہا تھا۔ یوں جیسے ان سے کہہ رہا ہو ''ذرا دیکھو تو سہی، یہ تیر نیچے سے چلائے جانے کے باوجود مجھ تک کیسے پہنچ گیا!'' جب وہ شخص تیر اپنے ساتھیوں کو دکھانے میں مصروف تھا تو تیمور نے کمان میں ایک اور تیر چڑھا لیا۔

اس وقت ہوا بھی نہ چل رہی تھی جو تیمور کے نشانے کی راہ میں رکاوٹ بنتی۔ تیمور کو یقین تھا کہ اس کا تیر عین نشانے پر لگے گا جیسا کہ اس کا طریقہ کار تھا، تیمور نے کمان کی رسی ایک ہی دفعہ کھینچی اور اسے پلک جھپکنے سے بھی کم وقت میں چھوڑ دیا۔ تیمور کے نزدیک جو لوگ تیر چلاتے ہوئے کمان کی رسی کو دیر تک کھینچے رکھتے ہیں وہ غلطی کرتے ہیں۔ دیر تک رسی کھینچے رکھنا دراصل اس ہاتھ کو ہلا دیتا ہے جو کمان تھامے ہوتا ہے اور یوں نشانہ خطا جاتا ہے۔ تیمور کا چھوڑا دوسرا تیر کمان سے نکلا اور ایک ہی لمحے بعد وہ بڑی مونچھوں والے کے چہرے پر جا لگا جو اس وقت بھی تیمور کے چلائے پہلے تیر کو پکڑے اپنے ساتھیوں کو دکھا رہا تھا۔ وہ شخص اس زور سے چلایا کہ تیمور کو بھی اس کی چیخ سنائی دی اور پھر وہ قلعے کی دیوار کے پیچھے غائب ہو گیا۔

اسی روز ایک اور شخص جو سرخ لباس پہنے ہوئے تھا، سورج غروب ہونے سے ذرا پہلے دہلی کے قلعے کی دیوار پر نمودار ہوا۔ اس نے اپنا ہاتھ بلند کیا اور چلایا، ''امیر تیمور!'' تیمور نے اپنا ہاتھ جواباً بلند کیا اور زوردار آواز میں بولا ''میں ہوں امیر تیمور، تجھے مجھ سے کیا کام ہے؟'' جب یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ شخص نہ تو تیمور کی بات سمجھ سکتا ہے اور نہ ہی تیمور اس کی تو تیمور نے ترجمان سے کہا کہ وہ اس کی بات اس آدمی کو سمجھا دے۔

ترجمان نے جو بتایا اس کے مطابق وہ شخص دہلی کے سب سے بڑے مندر کا پجاری تھا۔ ہندوؤں کے لئے اس کا مرتبہ ویسا ہی تھا جیسے کہ ہم مسلمانوں کے لئے کسی عظیم مذہبی رہنما کا ہوتا ہے۔ تیمور نے ترجمان سے کہا کہ اس شخص سے پوچھے وہ تیمور سے کیا چاہتا ہے؟ ترجمان نے اس آدمی سے کچھ دیر بات چیت کی اور پھر بولا، ''برہمن کہہ رہا ہے کہ تمہیں واپس چلے جانا اور اس ملک سے نکل جانا چاہیے۔ ورنہ تمہیں برہما کے غضب کا شکار ہونا پڑے گا۔'' تیمور نے پوچھا، ''برہما کون ہے اور وہ مجھے کیسے سزا دے گا؟'' پجاری نے جواب دیا، ''برہما وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین اور انسانوں کو پیدا کیا ہے اور تمہارا مقدر بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔'' تیمور نے پوچھا، ''اور وہ مجھے سزا کیسے دیگا؟'' پجاری نے جواب دیا، ''اگر تُو واپس نہ مڑا اور تُو نے اس ملک سے فوجوں کو نہ نکالا تو تیری زندگی کے دن کم ہو جائیں گے۔''

تیمور اس بچگانہ بات پر خوب ہنسا، تو پجاری بولا، ''امیر تیمور، اگر تُو واپس مڑ جائے اور اس ملک سے نکل جائے تو تُو مزید اکیس برس تک زندہ رہے گا لیکن اگر تُو اپنی ضد پر اڑا رہا اور شہر میں داخل ہو گیا تو تیری زندگی سات سال کے اندر ختم ہو جائے گی۔ پھر جنگ میں تیرے مارے جانے کا بھی امکان ہے لیکن اگر تُو معمول کی زندگی بسر کرے گا تو تیرے جنگ میں مارے جانے کا امکان نہیں۔''

نذیرالدین عمر تیمور کے ساتھ کھڑا تھا۔ تیمور نے اس سے کہا: ''تم نے سنا یہ شخص کیا کہہ رہا ہے؟'' نذیرالدین عمر بولا، ''اے امیر، تم ایسے انسان نہیں جو ان باتوں سے خوفزدہ ہو جائے۔'' پھر پجاری بولا، ''اے امیر تیمور، آج تُو تریسٹھ سال کا آدمی ہے اگر تُو دہلی فتح کرنے کا ارادہ ترک کر دے اور یہاں سے چلا جائے تو تُو چوراسی برس کی عمر تک زندہ رہے گا لیکن اگر تُو شہر میں داخل ہوا تو تیری طبعی عمر ستر برس کی عمر میں ختم ہو جائے گی۔ بشرطیکہ تُو اس سے پہلے ہی میدان جنگ میں یا کسی اور وجہ سے نہ مارا گیا۔'' اب تیمور نے کہا، ''اے سرخ لباس والے انسان، میں اور موت دو انتہائی قریبی دوستوں کی طرح ہیں اور ہم ہمیشہ ایک دوسرے کے آمنے سامنے رہے ہیں۔ میں نے لڑکپن سے لے کر آج تک مسلسل موت کو اپنے سامنے یا آس پاس ہی پایا ہے۔ اگر تُو مجھے ڈرانا چاہتا ہے تو کسی اور چیز سے ڈرا۔'' برہمن بولا، ''میں نے جو کہا، حرف بہ حرف سچ ہے اور اگر تُو واپس نہ مڑا تو تجھے انتہائی غمناک خبر ملے گی۔'' تیمور نے پوچھا، ''کیسی خبر......؟'' پجاری نے جواب دیا، ''ایک بیٹے کی موت کی خبر۔''

تیمور نے کہا، ''میرے وہ سب سپاہی جو میدان جنگ میں مارے گئے کسی نہ کسی باپ کے ہی بیٹے تھے۔ میرا بیٹا ہی ایسا نہیں ہے کہ جس کا باپ ہے اور اگر اس کی موت کی خبر مجھ تک پہنچتی ہے تو میں بھی ان دوسرے باپوں کی طرح ہوں گا جنہیں ان کے بیٹوں کے مرنے کی خبریں ملیں۔'' پجاری بولا، ''اب میں جا رہا ہوں کیونکہ مجھے تجھ سے جو کہنا تھا، کہہ چکا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ قلعے کی دیوار سے نیچے اتر گیا۔ پھر سورج غروب ہو گیا اور دہلی کے گرد محاصرے کی پہلی رات کا آغاز ہو گیا۔

تیمور نے حکم دیا کہ پہرے داروں کا پہلا دستہ خندق کے دوسری طرف مقرر کیا جائے کیونکہ اس رات اس بات کا امکان تھا کہ ان پر قلعہ کے باہر سے کسی جانب سے حملہ کر دیا جائے۔ تیمور کو پتہ نہیں تھا کہ دشمن نے دہلی کے اطراف میں موجود جنگلوں میں فوجیں چھپا رکھی ہیں یا نہیں۔

اس رات اور اس کے بعد کی راتوں میں انہیں دو طرح کے حملوں کا خطرہ درپیش رہا۔ ایک تو یہ تھا کہ ملا اقبال اور محمود خلجی قلعے کے اندر سے ان پر حملہ کر دیتے اور دوسرا یہ کہ ان پر کسی ایسی ہندو فوج کی طرف سے حملہ کر دیا جاتا جو قریبی جنگلوں سے نکل کر ان کی طرف آتی۔ اس رات فوجی

چھاؤنی کا جائزہ لینے اور اس بات کا اطمینان کر لینے کے بعد کہ ہر شے اپنی جگہ قائم اور درست ہے تیمور اپنے خیمہ کی طرف چلا گیا اور اپنے جنگی لباس کو اُتار کر اپنی ڈھال کے ساتھ رکھ دیا کیونکہ وہ زرہ بکتر کے ساتھ ٹھیک سے سو نہیں سکتا تھا۔ اس کے بعد وہ لیٹ گیا اور نیند کی وادی میں پہنچ گیا۔

تیمور جب سویا تو آدھی رات کا عمل تھا اور اس وقت ان کی فوجی چھاؤنی سے کسی قسم کی آواز نہ آرہی تھی۔ انہوں نے اپنی چھاؤنی کی حدود پر آگ جلا رکھی تھی تا کہ اگر دشمن ان کی چھاؤنی کی طرف خطرناک حشرات بھیجنے کی کوشش کرے تو اس کا توڑ کیا جاسکے۔ اچانک دو تلواروں کے باہم ٹکرانے کی آواز نے تیمور کو نیند سے بیدار کر دیا۔ تیمور فوراً اُٹھ کھڑا ہوا اور خیال کیا کہ شاید دشمن نے ان پر حملہ کر دیا ہے اور اس کے سپاہی ان سے لڑ رہے ہیں۔

پھر تیمور کو پتہ چلا کہ وہ ٹکرانے کی آواز باہر سے نہیں بلکہ اس کے خیمے سے ہی آرہی تھی اور اس کی زرہ بکتر جو اس کی ڈھال کے ساتھ رکھی تھی، مسلسل ڈھال کے ساتھ ٹکرا رہی تھی اور اس سے آواز پیدا ہو رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی تیمور نے محسوس کیا کہ اس کے قدموں تلے زمین ہل رہی ہے اور اس پر واضح ہو گیا کہ زلزلہ آرہا ہے۔ تیمور اور اس کے سپاہی اپنی فوجی چھاؤنی میں زلزلے سے خوفزدہ نہ تھے کیونکہ وہ کسی چھت کے نیچے نہ تھے جو انہیں ڈر ہوتا کہ وہ ٹوٹ جائے گی اور انہیں کچل دے گی۔ تاہم یہ ہوا کہ تیمور کے سپاہی خوفزدہ ہو کر نیند سے بیدار ہو گئے اور شہر کی طرف سے ایک خوفزدہ ہو جانے کی آواز بھی سنائی دی اور پتہ چلا کہ دہلی کے باشندے زلزلے سے ان کی نسبت زیادہ خوفزدہ تھے۔ زلزلے کا دورانیہ زیادہ نہ تھا اور وہ اس سے پہلے ہی ختم ہو گیا کہ تیمور اپنے سپاہیوں کو تسلی دینے کا انتظام کرتا لیکن چونکہ تیمور کے سپاہی ہندو پجاری کو قلعے کی دیوار پر دیکھ چکے تھے اور انہوں نے اس کی دو پیش گوئیاں بھی سُن لی تھیں۔ اس لیے ممکن تھا کہ وہ زلزلہ کو انہی کا حصہ تصور کر لیتے۔

اسی وجہ سے تیمور نے اپنے سرداروں کو حکم دیا کہ سپاہیوں کو یہ تسلی دیں کہ ہوا اور بارش کی طرح زلزلہ بھی ایک واقعہ ہے جو کہیں بھی پیش آ سکتا ہے اور اس کا واقع ہونا خدا کی مرضی پر منحصر ہے اور کوئی جادو ٹونا کرنے والا اس چیز پر قادر نہیں کہ زلزلہ لے آئے۔ وہ تمام جادوگر جو حیرت انگیز کارنامے دکھانے کا دعویٰ کرتے ہیں، وہ زمین پر زلزلے کی طرح کی کوئی چیز لانے کی قوت رکھتے ہیں اور نہ ہی آسمانوں میں موجود اشیاء میں ایسی کوئی چیز برپا کرنے کی طاقت کے مالک ہیں۔

تیمور ذاتی طور پر جادو میں یقین نہ رکھتا تھا مگر وہ یہ نہ کہہ سکتا تھا کہ جادو کا کوئی وجود ہی نہیں تھا یا نہیں ہے، کیونکہ قرآن مجید میں اس بات کا ذکر موجود ہے کہ ماضی میں جادوگر موجود رہے ہیں مگر کلام خدا اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ انسان کو جادو پر یقین نہ رکھنا چاہیے۔ اگر تیمور کے سپاہی قرآن پاک سمجھنے کے قابل ہوتے اور اس کی طرح حافظ قرآن ہوتے تو تیمور کو اس بات کی ضرورت پیش نہ آتی کہ وہ انہیں اپنے سرداروں کے ذریعے سمجھاتا اور بتاتا کہ کوئی جادوگر یا کوئی پجاری زلزلہ لانے پر قادر نہیں۔

لیکن تیمور کے سپاہی قرآن پاک پڑھنے اور اس کے معنی سمجھنے پر قادر نہ تھے۔ اس لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ انہیں یہ بتایا جاتا کہ ہندو پجاری زمین کو ہلانے کی طاقت نہ رکھتا تھا اور اس رات جو کچھ پیش آیا وہ خدا کی طرف سے رونما ہوا۔ زلزلے کے بعد تیمور سو نہ سکا اور خیمہ سے نکل کر فوجی چھاؤنی کی طرف چلا گیا۔ تیمور نے دیکھا کہ ان کی چھاؤنی میں کسی طرح کی بدنظمی یا انتشار نہ تھا اور تیمور کے سردار ڈرے ہوئے سپاہیوں کو مطمئن کر چکے تھے۔ انہوں نے سپاہیوں کو سمجھا دیا تھا کہ انہیں زلزلہ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ شہر کی طرف سے سنائی دینے والی آوازیں بھی تھم

چکی تھیں اور دہلی اب خاموش لگ رہا تھا۔ البتہ فصیل پر موجود پہرے داروں کی آوازیں سنائی دے جاتی تھیں جو غالباً ایک دوسرے کو ہوشیار رہنے کی تلقین کر رہے تھے۔

کچھ دیر تک فوجی چھاؤنی میں ادھر اُدھر پھرتے رہنے کے بعد تیمور نے آسمان پر موجود ستاروں کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو اسے محسوس ہوا کہ صبح ہونے میں ایک گھنٹہ سے زیادہ وقت باقی نہیں رہ گیا۔ تیمور اپنے خیمہ میں لوٹ آیا اور لیٹ گیا۔ تیمور ابھی سویا نہیں تھا کہ اس کے سپاہیوں کے شور اور بھاری پتھروں کے گرنے کی آوازیں سنائی دیں۔ تیمور فوراً اٹھ کر باہر نکل آیا۔ جو پتھر ان کی فوجی چھاؤنی پر گرائے جا رہے تھے وہ اس قدر روزنی تھے کہ ان کے گرنے سے زمین لرز اٹھتی تھی۔ تیمور پتھروں کے گرنے کے ساتھ ساتھ ان سپاہیوں کے چیخنے کی آوازیں بھی سن رہا تھا جن پر یہ پتھر گر رہے تھے اور ساتھ ہی منجنیق کے پائیوں سے اس کے بازوؤں کے ٹکرانے کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔

پتھر مسلسل فوجی چھاؤنی پر گر رہے اور تیمور کے سپاہیوں کو کچل رہے تھے اور تیمور محض غصے سے پیچ و تاب کھا رہا تھا تاہم تیمور کا غیظ و غضب خود اس پر تھا، دوسروں پر نہیں۔ اس کے غصے اور غضب کا سبب یہ تھا کہ وہ خود کو اس صورتحال کا ذمہ دار تصور کر رہا تھا اور خود کو ملامت کر رہا تھا کہ بے شمار بڑی بڑی جنگیں لڑنے اور متعدد قلعوں کا محاصرہ کرنے کے باوجود اسے یہ بات سمجھ نہیں آئی کہ کسی قلعے کا محاصرہ کرتے ہوئے اس کے اس قدر نزدیک نہیں ہونا چاہیے کہ شہر سے دن یا رات کے وقت چھاؤنی پر پتھر برسائے جا سکیں۔

تیمور اگر اس روز دہلی کی فصیل پر ایک بھی منجنیق دیکھ لیتا تو فوراً جان لیتا کہ فوجی چھاؤنی فصیل سے فاصلے پر قائم کی جانی چاہیے مگر چونکہ انہیں کوئی منجنیق دکھائی نہ دی تھی اس لیے تیمور کا دھیان اس طرف نہ گیا تھا۔ بلندی سے بھاری بھرکم پتھروں کی مسلسل بارش سے ان کی چھاؤنی میں عجیب صورتحال پیدا ہو چکی تھی حتیٰ کہ تیمور کے سب سے تجربہ کار سرداروں کو بھی سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ ایسی صورت میں کیا کریں۔ تیمور نے سوچ کر آخر کار یہ فیصلہ کیا کہ اس کے سپاہی خیموں سے نکل کر دور ہٹ جائیں اور پتھروں کی پہنچ سے دور ہو جائیں اور گھوڑوں کو بھی ساتھ لے جائیں کیونکہ اگر وہ خیموں کو اُتارنے کے لیے رُکے رہتے تو ان میں سے بہت سوں کے مارے جانے کا ڈر تھا۔

تیمور نے اس رات اپنے کسی سردار کو خوف زدہ ہونے پر سرزنش نہ کی کیونکہ اس صورتحال میں تو وہ خود بھی خوف کا شکار ہو گیا تھا۔ دراصل وہ جنگجو ہو کر تلوار اور نیزوں کو دیکھنے کے اس قدر عادی ہو چکے تھے کہ تلوار اور نیزوں سے آنے والی موت تک سے خوفزدہ نہ ہوتے تھے مگر پتھروں کی بارش سے ہونے والی موت چونکہ ان کے لیے بالکل انوکھی تھی، اس لیے یہ چیز انہیں خوف زدہ کر گئی تھی۔

تیمور کے تلوار بازی کے استاد سمر طرخان نے اسے ایک بار بتایا تھا کہ ''ہر جنگجو انسان خواہ وہ کتنا ہی دلیر کیوں نہ ہو ممکن ہے اس کی زندگی میں کوئی ایسا لمحہ آ جائے جب وہ وحشت کا شکار ہو جائے اور دنیا میں کوئی ایسا انسان نہیں ہے جو کبھی بھی خوف کا شکار نہ ہوا ہو، تاہم دلیر آدمی کا کام یہ ہے کہ وہ ایسے موقع پر جب خوف اس پر چھا جائے ثابت قدم رہے اور ڈگمگائے نہیں اور یہ سوچے کہ کس طرح خوف کے سبب کو دور کیا جائے اور اگر وہ خوف کے سبب کو ختم کرنے کا کوئی راستہ نہ پائے تو اسے خود کو موت کیلئے تیار کر لینا چاہیے۔

اس رات اگرچہ پتھروں کے طوفان نے تیمور کو خوفزدہ کر دیا تھا مگر اس نے خود کو ہوش و خرد سے بیگانہ نہ ہونے دیا اور جب وہ اپنے خیمے

سے باہر نکلا تو اس نے ہواس باختہ ہو کر دائیں بائیں دوڑنا نہیں شروع کر دیا بلکہ وہ سمجھ گیا کہ اس صورتحال میں اسے ثابت قدمی دکھا کر اپنے سرداروں اور سپاہیوں کے لئے مثال بن جانا چاہیے۔ تیمور نے ان سرداروں کو فوری طور پر اپنے خیمے میں طلب کیا جو بوکھلائے ہوئے ادھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ پھر اس نے ان سرداروں کو حکم دیا کہ وہ چھاؤنی کے مختلف حصوں میں جائیں اور سپاہیوں تک اس کا یہ حکم پہنچا دیں کہ وہ سب چھاؤنی سے دُور ہٹ جائیں۔ خندقوں کی دوسری طرف اور گھوڑے بھی ساتھ لے جائیں۔

پتھروں کے برسنے کی قوت سے تیمور نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اگر اس کے سپاہی خندقوں کے پار پہنچ جائیں تو وہ پتھروں سے محفوظ ہو جائیں گے۔ چنانچہ اس کے سردار چھاؤنی میں پھیل گئے تاکہ خوفزدہ ہوئے سپاہیوں کو چھاؤنی سے دور ہٹ جانے اور ایسی جگہ چلے جانے کی ہدایت کر سکیں جہاں منجنیق سے برسنے والے پتھر ان تک نہ پہنچ سکیں۔ بعض اوقات کچھ بھاری پتھر تیمور کے آس پاس آ گرتے تو ایک لمحے کیلئے خود بھی وہاں سے نکل بھاگنے کی سوچ اس کے دل میں پیدا ہو جاتی اور وہ ارادہ کرتا کہ اپنے سپاہیوں کی طرح پتھروں کی پہنچ سے دُور ہو جائے مگر اگلے ہی لمحے فوج کا سپہ سالار ہونے کا جذبہ اس پر غالب آ جاتا اور فرار ہونے کی شرم کا خیال آتے ہی اس کے قدم مضبوطی سے زمین پر جم جاتے اور وہ خود سے کہتا، ”اے تیمور، تف ہے تجھ پر، اگر تیرے سپاہی تجھے خوف سے بھاگتے ہوئے دیکھ لیں! اگر تیرے سپاہی ایک لمحے کیلئے بھی تجھے ایسی حالت میں دیکھ لیں تو وہ سارا احترام اور عزت جو تُو نے ایک مدت تک بے شمار جنگوں میں دشمنوں کو موت کے گھاٹ اُتار کر حاصل کی ہے خاک میں مل جائے گی اور ”امیر تیمور گورگین“ کی عظمت و ہیبت زائل ہو جائے گی۔“ اسی لئے تیمور اس وقت تک اپنے خیمے کے سامنے پتھروں کی برسات میں کھڑا رہا جب تک کہ اس کے تمام سپاہی اور ان کے گھوڑے خندقوں کے پار نہ منتقل ہو گئے۔ پھر آخر میں تیمور بھی آرام سے چلتا ہوا خندقوں کے پار پہنچ گیا اور اپنے سرداروں سے کہا کہ سپاہیوں کو دشمن کے حملے کیلئے تیار رہنے کا حکم دیں۔

تیمور کا خیال تھا کہ موثر سنگ باری کے بعد ہندوستانی فوجیں قلعے سے نکل کر ان پر حملہ کر دیں گی۔ یقیناً اگر تیمور دشمن کی فوجی چھاؤنی میں اس طرح کا انتشار برپا کرنے اور بھگدڑ مچانے میں کامیاب ہو جاتا تو فوراً دشمن پر ہلہ بول دیتا کیونکہ قلعوں کے پیچھے محصور ہو جانا اس کی عادت نہ تھی۔ پھر جنگی حکمت عملی کے مطابق بھی ملا اقبال اور محمود خلجی کی فوج کو ایسی سنگ باری کے بعد فوراً قلعے سے باہر نکل کر حملہ کر دینا چاہیے تھا۔ مگر ہندوستانی سپاہی قلعے سے باہر نہ آئے اور فوجی چھاؤنی سے نکل جانے کے بعد تیمور کو صبح تک دشمن کی طرف سے حملے کے کوئی آثار نظر نہ آئے۔

اگلی صبح روشن ہونے پر انہیں قلعے کی دیوار پر منجنیقیں دکھائی دیں اور وہ سمجھ گئے کہ اگر انہوں نے اپنے خیموں کی طرف جانے کی کوشش کی تو انہیں دوبارہ پتھروں سے نشانہ بنایا جائے گا۔ دن کی روشنی میں سنگ باری زیادہ خطرناک نہ لگتی تھی لیکن بہر حال خطرناک تو تھی۔ اس لئے تیمور نے حکم دیا کہ سپاہیوں کی چھوٹی ٹولیوں کو بھیجا جائے اور وہ خیمے اور دوسری چیزوں کو نئی جگہ پہنچا دیں۔ اسی روز دہلی کے باہر ان کی نئی فوجی چھاؤنی قائم ہو گئی اور چونکہ اب وہ فصیل سے خاصے فاصلے پر تھے اس لئے ان تک قلعے کی دیواروں سے تیر برسائے جا سکتے تھے اور نہ ہی منجنیق کے ذریعے پتھر ہی ان تک پہنچ سکتے تھے۔

ملا اقبال اور محمود خلجی انہیں غافل گیر کرنے میں کامیاب رہے تھے مگر وہ اس کامیابی سے فائدہ نہ اٹھا سکے تھے البتہ تیمور کو اپنے سپاہیوں کی ایک تعداد کے بلاوجہ کام آ جانے کا رنج تھا۔ اس نے سوچا کہ اگرچہ اس کا سارا جوانی کا دور جنگی مہمات میں بسر ہوا تھا مگر پھر بھی اسے میدان جنگ کا

نظم ونسق سنبھالنے کیلئے کافی تجربہ حاصل نہیں ہوا اور ابھی بھی اسے بہت سی باتیں سیکھنے کی ضرورت ہے۔ گزشتہ رات ہونے والی سنگ باری اس کے لئے ایک نیا سبق تھا۔ ہندوستان میں ابتدائی فتوحات نے اسے لاپرواہ اور ضرورت سے زیادہ خوش فہم بنا دیا تھا اور اس نے دشمن کی صلاحیتوں کا غلط اندازہ لگا لیا تھا۔ وہ یہ بھول گیا تھا کہ کبھی بھی اپنے دشمن کو کمزور نہ سمجھنا چاہیے تاہم اس تازہ سبق نے اسے غفلت سے نکال دیا اور اس نے فیصلہ کیا کہ اس کے بعد احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دے گا۔

جیسے ہی نئی فوجی چھاؤنی کا قیام عمل میں آیا، تیمور نے اپنے سرداروں کا اجلاس بلا لیا تاکہ دہلی کی جنگ جیتنے کے لئے ان کی رائے جان سکے۔ اس اجلاس میں تیمور کے سرداروں کے علاوہ اس کا معمار خاص شیر بہرام ماروازی بھی موجود تھا۔ تیمور نے ان سے کہنا شروع کیا:

''جب ہم نے دہلی شہر کے گرد محاصرہ قائم کیا تھا تو ہم سمجھے کہ شاید ملا اقبال اور محمود خلجی غفلت کی نیند سو رہے ہیں اور انہیں شہر کے دفاع کی کوئی فکر نہیں لیکن گزشتہ رات ہم پر یہ واضح ہو گیا کہ وہ ایسے انسان ہیں کہ جو نہ صرف پوری طرح بیدار ہیں بلکہ شہر کا دفاع کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں۔ شہر کی دیوار کے چاروں طرف خندقیں موجود ہیں جو پانی سے بھری ہوئی ہیں اور جنہیں عبور کرنا ناممکن ہے۔ ان خندقوں کے نیچے سرنگیں کھودنا انتہائی طویل اور مشکل کام ہے۔ میں چاہوں گا کہ شیر بہرام اس بارے میں اپنی رائے سے آگاہ کرے۔''

شیر بہرام بولا، ''محترم امیر تیمور، ہمارے لئے سرنگیں کھودنا ممکن تو ہے مگر اس صورت میں کہ پہلے ہم ان خندقوں کو کسی طرح خشک کر دیں۔ اگر یہ خندقیں ایسے ہی پانی سے بھری رہیں اور ان خندقوں کی بنیادیں گارے اور پتھر چونے وغیرہ سے بنی نہیں ہیں تو پانی سرنگوں میں گھس جائے گا اور ساری سرنگ پانی میں ڈوب جائے گی۔ تیمور نے شیر بہرام سے پوچھا، ''ہم ان خندقوں کو خشک کیسے کریں گے؟''

وہ بولا، ''اے امیر، اگر ہم پانی کے خندقوں میں داخل ہونے کا راستہ بند کر دیں اور پھر ان میں ریت وغیرہ ڈال دیں تو وہ خشک ہو جائیں گی۔ ہمارے یہاں دریائے جیحون کے کنارے بسنے والے دیہاتی ہمیشہ ایسا ہی کرتے ہیں۔ وہ لوگ ہمارے پانی کے بہاؤ کا راستہ بند کرتے ہیں جو کہ دریا سے خندقوں کی طرف جاتا ہے پھر وہ خندقوں میں مٹی بھر دیتے ہیں۔'' تیمور نے کہا، ''اس کام میں بھی کافی وقت لگ جائے گا۔'' شیر بہرام ماروازی بولا، ''اگر ہم شہر میں داخل ہونا چاہتے ہیں تو ہمارے پاس اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں۔''

تیمور کے سرداروں میں سے ایک بولا، ''اگر ہم خندقوں کا ایک مخصوص حصہ مٹی سے بھر دیں تو ہم دشمن کو یہ دھوکہ دے سکتے ہیں کہ وہ سمجھے گا ہم خندق پُر کرنے کے بعد اس راستے سے شہر میں داخل ہونا چاہتے ہیں۔'' ''لیکن اسی دوران ہم شہر میں داخل ہونے کے لئے سرنگیں کھود سکتے ہیں۔'' چنانچہ انہوں نے خندقوں کو خشک کرنے کیلئے سب سے پہلے دہلی کے دریا کی طرف خندقوں تک بہہ کر آنے والے پانی کا راستہ بند کر دیا۔ یہ راستہ خندقوں کے ساتھ واقع ایک بیابان کے گوشے میں بنا ہوا تھا اور تیمور کو فوراً پتہ لگ گیا کہ دہلی کی خندق کی ایک ہی سطح نہیں ہے بلکہ اس کے کچھ حصے دوسرے حصوں کی نسبت زیادہ بلند تھے۔ بلند حصوں میں داخل ہونے کے بعد پانی خود بخود بہتا ہوا دوسرے حصوں تک چلا جاتا تھا۔

شیر بہرام ماروازی نے بتایا کہ انہیں خندق کے بلند حصوں کو خشک کرنا ہو گا۔ اگر وہ بلند حصے والی خندقوں کو خشک کر لیں اور اس کے نیچے سرنگ کھود لیں تو نچلی سطح والے حصوں میں سرنگوں کی کھدائی کے حوالے سے زیادہ مطمئن ہو سکتے ہیں کیونکہ نچلی سطح والے حصوں میں پانی داخل ہونے

کا خطرہ بدستور موجود رہے گا لیکن جب خندق کا بلند حصہ خشک ہو جائے گا اور اس کے نیچے سرنگیں کھودی جائیں گی تو پانی کے نچلی سطح کی طرف جانے کا کوئی امکان نہ ہو گا کیونکہ پانی ہمیشہ بلندی سے نیچے کی طرف آتا ہے اور نچلی سطح سے اس کے اوپر جانے کا کوئی امکان نہیں ہوتا۔ جب فوج کے سرداروں کے اجلاس میں متفقہ فیصلہ ہو گیا تو تیمور نے اسی دن اس پر عمل شروع کر دیا۔ اس نے حکم دیا کہ آس پاس کی بستیوں میں رہنے والے تمام لوگوں کو بیگار پر لگا دیا جائے تاکہ دریا سے خندق تک پانی لے جانے والے راستے کو جلد از جلد بند کر دیا جائے اور خندق کے بلندی والے حصوں کو کم از کم سو فٹ کی لمبائی تک خشک کر دیا جائے۔

دہلی کے دریا (غالباً مراد دریائے جمنا ہے) سے خندق تک پانی لے جانے والے راستے کو بند کرنا زیادہ دشوار نہ تھا لیکن خندقوں کو مٹی سے پُر کرنا خاصا کٹھن تھا۔ خندق اور دریا کے درمیان پانی گزرنے کو اسی دن سہ پہر تک بند کر دیا گیا اور اس کے بعد تیمور کے سپاہیوں اور آس پاس کے دیہات کے ان لوگوں نے جنہیں انہوں نے بیگار پر لگا رکھا تھا۔ خندقوں میں مٹی بھرنے کے کام کا آغاز کر دیا تاکہ وہ خشک کی جا سکیں۔ مگر وہ جس قدر بھی مٹی ڈالتے رہے ایسا لگتا کہ جیسے وہ مٹی دریا میں ڈال رہے ہوں کیونکہ خندقوں میں پانی خشک ہونے کے کوئی آثار نظر نہ آ رہے تھے اور نہ ہی یہ لگتا تھا کہ خندق کا کوئی حصہ ان کی پھینکی مٹی سے بھر رہا ہے۔

شیر بہرام ماروازی کا کہنا تھا کہ اسے اس بات میں کوئی شک نہیں کہ مٹی ڈالتے رہنے سے خندق خشک ہو جائے گی۔ انہوں نے دیکھا کہ خندق کے جس حصے میں مٹی ڈالی جا رہی تھی وہ چونکہ بلند سطح والا تھا تو پانی کا بہاؤ مٹی کو نیچے کی طرف لے جاتا تھا لہٰذا انہیں پانی کا بہاؤ روکنے کے لئے خندق کے بلند سطح والے حصے کو پتھروں اور اینٹوں سے بھرنا تھا۔ چنانچہ تیمور نے اپنے سپاہیوں اور مقامی لوگوں کو حکم دیا کہ وہ مٹی کی جگہ پتھر اور اینٹیں اٹھا کر لائیں۔

سورج غروب ہونے کے بعد بھی وہ لوگ دُور دراز سے پتھر اُٹھا کر لا رہے تھے تاکہ خندق کے ایک حصے کو ان سے بھر سکیں۔ قلعے کی دیواروں پر کھڑے ہندوؤں نے جان لیا کہ وہ لوگ کیا کر رہے ہیں اور یہ کہ ان کا ارادہ خندق کے ایک حصے کو خشک کرنا ہے۔ انہوں نے سمجھا کہ تیمور کے سپاہی خندق کے اس حصے کو خشک کر کے وہاں سے خندق پار کرنا اور قلعے پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ مگر وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ دراصل تیمور کے سپاہی وہاں سرنگیں کھودنا چاہتے ہیں۔ جب ہندوؤں نے جان لیا کہ تیمور کے سپاہی کیا کر رہے ہیں تو انہوں نے انہیں خندق کے قریب پہنچتے ہی پتھروں سے نشانہ بنانا شروع کر دیا اور رات کا اندھیرا پھیل جانے کے بعد انہوں نے منجنیق کے ذریعے تیل میں بھیگے ہوئے کپڑوں کو آگ لگا کر ان پر پھینکنا شروع کر دیا۔ رات کے وقت تیمور کے سپاہیوں کے لئے پتھروں کے ذریعے خندق کو بھرنا خاصا مشکل ہو گیا تھا لیکن انہیں ہر صورت اپنا کام جاری رکھتے ہوئے خندق کو بھرتے رہنا تھا تاکہ جلد از جلد اپنے اصل منصوبے کو عملی جامہ پہنا سکیں۔

تیمور کی فوج کے ترکھانوں نے پانچ بڑی منجنیقیں تیار کر لیں اور انہیں اس جگہ لا کھڑا کیا جہاں وہ لوگ خندق کو بھر رہے تھے چنانچہ انہوں نے اپنی ان منجنیقوں کے ذریعے قلعے پر کھڑے محافظوں کو پتھروں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ ان کے اس جوابی حملے نے قلعے کی دیوار سے ہندوؤں کی طرف سے برسائے جانے والے پتھروں کی شدت میں خاصی کمی کر دی اور یوں ان کے پتھر بھرنے والے سپاہی خندق میں پتھر بھر کر پانی کا راستہ روکنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس کے بعد ان کے کام میں تیزی آ گئی اور چونکہ پانی کا بہاؤ رُک چکا تھا لہٰذا وہ لوگ خندق میں مٹی ڈال کر اس کے ایک

حصے کو خشک کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ جیسے ہی خندق کی تہہ میں مٹی بھر دی گئی اور اس کا ایک حصہ خشک ہو گیا تو شیر بہرام ماروازی نے سرنگ کھودنی شروع کر دی۔ سرنگ کھودنے کا منصوبہ یہ تھا کہ اسے ہندوؤں سے بالکل خفیہ رکھا جائے اور ان کی کوشش یہ تھی کہ ہندوؤں کو معلوم نہ ہونے پائے کہ وہ قلعے کی دیواروں کو گرانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ہندوستانیوں کو دھوکے میں رکھنے کے لئے تیمور نے ایک دکھاوے کا ڈرامہ کرنے کا حکم دیا، جس کے تحت اس کے سپاہی مسلسل خندق کے خشک ہونے والے حصے کو پار کر کے قلعے کی دیواروں پر چڑھنے کی کوشش کرتے رہتے۔ انہوں نے اس ڈرامے میں رنگ بھرنے کے لئے ایک فرضی پل بھی بنا لیا تھا اور لمبی لمبی سیڑھیاں تیار کر کے خندق کے خشک کیے ہوئے حصے کے پاس لے آئے تا کہ ہندوستانی یہی تصور کریں کہ وہ قلعے کی فصیل پر چڑھنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ حقیقت میں خندق کا اب دریا کے پانی سے کوئی تعلق نہ رہا تھا اور وہ خشک ہو رہی تھی اور اس کے کچھ حصوں کو پار کر کے با آسانی دوسری طرف جایا جا سکتا تھا۔ تیمور کے سپاہی چاہتے تو دیواروں پر چڑھ کر حملہ کر سکتے تھے لیکن چونکہ تیمور کو یہ بات اچھی طرح پتہ تھی کہ وہ بارود کی مدد سے قلعے کی دیواروں کو مسمار کر سکتے ہیں، اس لئے وہ محض سیڑھی کے سہارے اپنے سپاہیوں کو دیوار پر چڑھنے اور دشمن کے سامنے خطرے میں گھر جانے کیلئے نہ بھیجنا چاہتا تھا۔

شیر بہرام ماروازی دن رات کام میں مصروف تھا اور پھر ایک روز وہ تیمور کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا، ”اے میرے عظیم امیر، سرنگ کھودنے کا کام پایہ تکمیل کو پہنچ گیا ہے اور ہم نے قلعے کی دیوار کے نیچے بارود رکھنے کیلئے بہت بڑا گڑھا بھی کھود لیا ہے اور اب تم چاہو تو اس گڑھے میں بارود رکھ کر جب چاہو اسے آگ دکھانے کا حکم دے سکتے ہو۔“ شیر بہرام ماروازی نے وہ گڑھا عین اس جگہ کھودا تھا جہاں تیمور کے سپاہیوں نے خندق کے ایک حصے کو خشک کر کے پل تعمیر کر رکھا تھا تا کہ جب دیواریں بارود کے ذریعے مسمار ہو جائیں تو سپاہی فوری طور پر پل کو عبور کر کے قلعے میں داخل ہو جائیں اور شہر پر ہلہ بول دیں۔

تیمور نے اپنی فوج کے چیتن سپاہیوں کو شہر میں داخل ہو کر حملہ کرنے کے لئے چنا اور انہیں جنگی لباس مہیا کر دیا۔ تیمور کو توقع تھی کہ شہر میں حملہ کرنے کے بعد انہیں سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے چیتن نسل کے یہ سپاہی تیمور کی فوج کے بہترین سپاہیوں میں سے تھے۔ یہ سپاہی نہ صرف موت کا کوئی خوف نہ رکھتے تھے بلکہ درد نام کے لفظ سے بھی ناواقف تھے۔ ان کے ہاتھ اس قدر کُھر درے تھے کہ اگر وہ انہیں اُبلتے ہوئے پانی میں بھی ڈال دیتے تو ان کی انگلیوں پر چھالے نہ پڑتے، اس لحاظ سے دنیا میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا اور تیمور نے ان جیسے جی دار انسان دنیا میں کہیں نہ دیکھے تھے لیکن اپنی تمام تر سخت گیری اور بہادری کے باوجود یہ چیتن سپاہی انتہائی سادہ انسان تھے اور انہیں اپنا غلام بنائے رکھنے کے لئے صرف ان کے نفسیاتی اوصاف سے واقف ہونا ضروری تھا۔ تیمور کو پوری امید تھی کہ قلعے کی دیواروں کے گرنے کے بعد، وہ دشمن کی بوکھلاہٹ سے بھرپور فائدہ اُٹھانے میں کامیاب رہے گا لیکن اس کے باوجود وہ احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے چیتن سپاہیوں کو قلعے میں سب سے پہلے داخل ہونے والوں کے طور پر منتخب کیا اور پھر دیگر سپاہیوں کو ان کے پیچھے شہر میں داخل ہو جانے کی ہدایت کی۔ سب سے پہلے قلعے میں داخل ہونے والے چیتن سپاہیوں کے بعد ابدال کلرئی کے سپاہیوں کو جو قلاب پھینکنے کے ماہر تھے شہر میں داخل ہونا تھا۔

جن دنوں وہ لوگ دہلی کے قلعے کی دیواروں کے باہر محاصرہ کیے ہوئے تھے تو تیمور اپنے بیٹے کی موت کے واقعہ سے بے خبر اس کی وہاں

آمد کا منتظر تھا۔ مگر چونکہ اس کے ان سے آملنے کے کوئی آثار نہ تھے تو تیمور نے اس کے بارے میں پتہ کرنے کے لئے اپنا ایک قاصد روانہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ جب وہ قاصد واپس آیا تو اس نے اپنے سر اور چہرے کو خاک آلود کر رکھا تھا اور اسے دیکھتے ہی تیمور سمجھ گیا کہ وہ اسے کیا سمجھانا چاہتا ہے۔ تیمور نے قاصد سے کہا، ''کسی طرح کا خوف دل میں نہ لا اور تیرے پاس جو بھی خبر ہے مجھے بتا دے۔'' وہ قاصد بولا، ''تمہارا بیٹا، اپنے تمام سپاہیوں سمیت کارتار کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا تھا اور پھر قلعہ لُونے کے کوتوال کارتار نے اسے قتل کرا دیا۔'' تیمور بولا، ''خدا اس پر اپنی رحمت کرے وہ ایک باپ کا صحیح جانشین ثابت ہوا، جو جانتا تھا کہ ایک مرد کو میدان جنگ میں موت کو گلے لگانا چاہیے۔'' پھر اس نے قاصد سے پوچھا، آیا تو میرے بیٹے کے قتل کی تفصیلات جانتا ہے؟'' اس نے کہا، ''وہ اس بارے میں لاعلم ہے تاہم اتنا معلوم کر سکا ہے کہ وہ مردانگی کے ساتھ مرا اور مرتے وقت اس نے کسی قسم کے خوف یا آہ وزاری کا مظاہرہ نہیں کیا۔'' تیمور نے قاصد سے کہا، ''بس میں یہی جاننا چاہتا تھا۔''

اپنے بیٹے کی موت کی خبر ملنے کے ایک دن بعد صبح کا اجالا پھیلتے ہی تیمور نے دہلی کی فصیل کے نیچے رکھے بارود کو آگ لگا دینے کا حکم دے دیا۔ بارود پھٹنے کی آواز اس قدر زوردار تھی کہ تیمور کے کچھ سپاہیوں کے کانوں کے پردے پھٹ گئے۔ اس کے ساتھ ہی چیتن سپاہی پل پار کر کے دیوار کے مسمار ہوئے حصوں سے شہر میں داخل ہو گئے۔ تیمور کا خیال تھا کہ بارود کے دھماکے سے قلعے کی دیواریں مسمار ہونے کی وجہ سے دشمن اس قدر خوفزدہ ہو گا کہ اس میں اپنا دفاع کرنے کی قوت ہی نہ رہے گی لیکن ایک بار پھر تیمور ملا اقبال، محمود خلجی اور ان کے ہندو سپاہیوں کے بارے میں غلطی پر تھا۔ اگرچہ وہ حیران اور بارود کے ذریعے دیواروں کے مسمار ہونے سے خوفزدہ ہوئے مگر انہوں نے بہت جلد اپنے خوف پر قابو پا لیا اور ان کے بڑی بڑی مونچھوں والے ہندو سپاہی تیمور کے سپاہیوں کے خلاف کلہاڑوں اور نیزوں سے صف آراء ہو گئے۔ جب تیمور کے سپاہی شہر میں داخل ہوئے تو انہوں نے خود کو آہنی لباس پہنے سپاہیوں کے سامنے پایا۔ ہندو سپاہی زرہ بکتر پہنے ہوئے تھے مگر ان کے پاس آہنی لباس اور خود نہ تھے۔ چیتن سپاہیوں کے واروں کا ہندو سپاہیوں کی زرہ بکتر پر کوئی اثر نہ ہو رہا تھا۔ حتیٰ کہ جب ابدال کلزئی کے سپاہیوں نے دشمن پر قلاب پھینکے تو وہ بھی ان کے جنگی لباس پر بالکل بے اثر رہے۔ جب تیمور نے دیکھا کہ چیتن سپاہیوں اور ابدال کلزئی کے آدمی آگے نہیں بڑھ پا رہے تو اس نے ان کی مدد کیلئے مزید سپاہی روانہ کر دیئے۔ مگر ہندوستانی پوری قوت سے مزاحمت کر رہے اور تیمور کے سپاہیوں کو پیچھے دھکیل رہے تھے اور تیمور کی فوج شہر کی حدود سے آگے بڑھ کر شہر کے مرکز تک جانے میں کامیاب نہ ہو رہی تھی۔ جب سورج ذرا بلند ہوا تو ہندوستانی اپنے جنگوں کے لئے تیار کیے ہوئے ہاتھیوں کو میدان جنگ میں لے آئے۔ اگرچہ تیمور کے سپاہی ان ہاتھیوں سے خوفزدہ نہ تھے مگر انہیں ان عظیم الجثہ جانوروں کے باعث بے حد نقصان اٹھانا پڑ رہا تھا۔ ان میں سے کچھ تو ہاتھیوں کے پیروں تلے آ کر کچلے گئے اور بعض کو ان تربیت یافتہ ہاتھیوں نے سونڈ میں اُٹھا کر دُور پٹخ دیا۔ تیمور نے مزاحمت کاروں کی توجہ منتشر کرنے کے لئے اپنے کچھ سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ شہر کی فصیل کے دوسرے حصوں پر سیڑھیوں کے ذریعے چڑھ کر شہر میں داخل ہو جائیں لیکن ہندوستانی سپاہیوں نے قلعے کی فصیل پر بھی زبردست مقابلہ کیا اور تیمور کے سپاہی قلعے کی دیوار پر کسی اور مقام پر اپنا قبضہ مضبوط کرنے میں ناکام رہے کہ وہاں سے شہر کے اندر پہنچ کر ہندوستانی سپاہیوں کے عقب سے حملہ کر پاتے۔

تیمور کی فوج نے بارود کی مدد سے دہلی کی فصیل کا جو حصہ مسمار کیا تھا وہ اگر تنگ نہ ہوتا تو تیمور اس سے اپنی ساری فوج کو شہر میں داخل کر دیتا

اور دہلی کی جنگ کا اسی روز فیصلہ ہو جاتا مگر دیوار کا مسمار شدہ حصہ تنگ تھا اور اس سے ساری فوج کو اندر داخل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اب انہیں یہ کرنا تھا کہ قلعے کی فصیل کے شگاف کے دونوں اطراف کچھ گڑھے کھود کر ان میں دوبارہ بارود بھرتے اور فصیل کے کچھ اور حصوں کو گرا کر شگاف کو کشادہ کر لیتے۔

یہ کام اسی روز ہونا ضروری تھا کیونکہ اگر ہندوستانیوں کو یہ پتہ چل جاتا کہ وہ لوگ دیوار کے مزید حصوں کو مسمار کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو وہ اس شگاف کے سامنے ایک اور دیوار تعمیر کر دیتے اور ملا اقبال جیسے قابل مزاحمت کار کے لئے نئی دیوار تعمیر کرانا کوئی مشکل کام نہ تھا۔

جن لوگوں کو بیگار پر لگایا جا سکتا تھا تیمور نے انہیں حکم دیا کہ وہ ان کے بنائے شگاف کے دونوں اطراف کھود کر گڑھے بنا دیں تا کہ ان میں بارود رکھ کر اسے آگ لگائی جا سکے۔

اس روز غروب ہونے تک انہوں نے کچھ چھوٹے گڑھے تیار تو کر لئے مگر وہ اتنے بڑے نہ تھے کہ ان سے دہلی کی فصیل میں خاطر خواہ شگاف ڈالا جا سکتا۔ کیونکہ جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے کہ دہلی کی دیوار پتھروں سے بنائی گئی تھی اور بارہ گز بلند تھی اور چھوٹے چھوٹے گڑھوں سے اس مضبوط دیوار کو گرانا ممکن نہ تھا۔ چنانچہ مجبوراً تیمور کی فوج کو رات کے وقت شہر سے پیچھے ہٹنا پڑا۔

اس روز ان کا کافی وقت زخمیوں کے علاج معالجے اور ان کی مرہم پٹی میں گزرا۔ تیمور کے چھتیس سپاہی اس جنگ میں مارے گئے۔ تیمور نے حکم دیا کہ ان کی لاشوں کو ایسی جگہ رکھا جائے کہ جہاں وہ جانوروں کی نوچ کھسوٹ سے محفوظ رہیں اور جنگ ختم ہونے کے بعد انہیں دفن کر دیا جائے۔ اس رات تیمور کے سپاہی تھک چکے تھے اور انہیں آرام کی ضرورت تھی تا کہ اگلے دن کی جنگ کے لیے تیار ہو سکیں۔ اس لیے تیمور نے انہیں مُردوں کو دفنانے کے کام پر مجبور نہ کیا، کیونکہ اگر وہ اس کام میں لگے رہتے تو تھک جاتے اور اگلے دن کی جنگ میں ٹھیک طرح نہ لڑ پاتے کیونکہ تھکا ہوا سپاہی ٹھیک سے نہیں لڑ سکتا۔

اس رات تیمور نے اپنے افسروں کو بلایا اور ان سے کہا کہ ''اپنے سپاہیوں کو بتا دو کہ کل میں خود ہتھیار لے کر میدان جنگ میں اُتروں گا اور دہلی پر قبضہ کروں گا یا پھر میری لاش شہر کی گزرگاہ پر پڑی ہو گی۔'' پھر تیمور نے اپنے افسروں کو ہدایت کی کہ اپنے سپاہیوں کو اچھی طرح بتا دیں، شہر پر قابض ہونے کے بعد انہیں آزادی ہو گی کہ جو چیز بھی دیکھیں اس پر قبضہ کر لیں کسی بھی جوان کو اپنا غلام بنا لیں اور جو عورت پسند آئے اسے اپنی کنیز بنا لیں۔ تمام سپاہیوں کو تین دن اور تین راتوں تک شہر میں مال غنیمت لوٹنے کسی بھی عورت سے مستفید ہونے اور نوجوانوں کو غلام بنا لینے کی کھلی چھٹی ہو گی۔

ابھی تیمور اپنے سرداروں سے صلاح مشورے کر رہا تھا کہ اسے بتایا گیا، شہر کا پروہت ایک بار پھر قلعے کی فصیل پر آ نمودار ہوا ہے۔ تیمور نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ چونکہ وہ ایک مذہبی رہنما ہے اس لیے اس پر تیر برسانے سے باز رہیں۔ تیمور نے ترجمان کو حکم دیا کہ اس ہندو پروہت سے بات چیت کرے اور پوچھے کہ وہ کیا چاہتا ہے۔ ترجمان کچھ دیر تک پروہت سے باتیں کرتا رہا اور پھر تیمور کے خیمے میں داخل ہو کر کہنے لگا ''اے امیر، وہ شخص کہتا ہے کہ شہر پر حملے کی پاداش میں تیمور کی عمر کے دن کم ہو جائیں گے اور وہ جلد ہی کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائے گا۔'' تیمور نے ترجمان سے کہا، ''جاؤ اور اس سے کہو کہ میں دشمن کے ڈراوے سے خوف زدہ ہونے والا نہیں ہوں اور میرے نزدیک آدمی کی موت کا ایک دن مقرر ہے اور وہ اسی دن موت کا ذائقہ چکھتا ہے!''

پھر تیمور کو بتایا گیا کہ ہزاروں مقامی لوگ مشعلوں کی روشنی میں قلعے کی فصیل کے شگاف والے حصے کے سامنے نئی دیوار تعمیر کرنے میں مصروف ہیں اور ممکن ہے کہ وہ سورج طلوع ہونے تک یہ کام مکمل کرلیں۔ پھر انہیں شہر میں داخل ہونے کے لیے اس نئی دیوار کو مسمار کرنا ہوگا۔ تیمور نے حکم دیا کہ ان دیوار تعمیر کرنے والوں پر پتھر برسائے جائیں تاکہ وہ مطمئن ہو کر کام نہ کرسکیں۔ اس رات بھی ان کی فوجی چھاؤنی فصیل سے خاصے فاصلے پر تھی کیونکہ انہیں پتہ تھا کہ اگر وہ شہر کے نزدیک ہوئے تو ان پر پتھر برسنے لگیں گے۔ جب فوج کے سرداروں سے صلاح مشورہ مکمل ہوگیا تو تیمور نے اپنے ملازم سے کہا کہ اس کا ذاتی قرآن مجید لے کر آئے۔ تیمور کو جب کبھی بھی مشکل پیش آتی تو وہ قرآن مجید کھول لیتا لیکن اس لیے نہیں کہ اس کا مطالعہ کرنے کے لیے پڑھے بلکہ وہ حافظ قرآن تھا اور اسے اس پر اس قدر عبور حاصل تھا کہ وہ قرآن مجید کی کسی بھی سورۃ کو اختتام سے آغاز تک سنا سکتا تھا۔ وہ قرآن مجید اس لئے کھولتا تھا کہ اسے کھولتے ہی جو بھی آیت اس کے سامنے آجائے، تو اس کی مدد سے درپیش مشکل کے بارے میں پیش بینی کرسکے، اگرچہ اس کا عقیدہ تھا کہ انسان کے ساتھ جو کچھ بھی پیش آتا ہے وہ اس کا مقدر ہوتا ہے اور وہ ہو کر رہتا ہے۔

تیمور انسان کی تقدیر کو اس کے ارادے سے منسلک تصور کرتا تھا اور اس بات پر یقین رکھتا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ انسان کو ارادے کی آزادی کا اختیار نہ دینا چاہتا تو اسے عقل و خرد عطا نہ کرتا۔ مگر اس کائنات کے خالق و مالک نے انسان کو عقل و دانش سے نوازا ہے تاکہ انسان اپنی تقدیر کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں رکھے۔ جب تیمور کا ملازم اس کا ذاتی قرآن مجید کا نسخہ لے کر آیا تو تیمور وضو کرچکا تھا۔ اس نے قرآن مجید کھولا اور اس کی نظروں کے سامنے یہ آیت آئی، ''بے شک ہم نے تجھے (یعنی حضور اکرم ﷺ کو) ایک واضح فتح عطا کی۔'' یہ سورہ الفتح کی پہلی آیت ہے۔ اور یہ وہی آیت ہے جسے پیغمبر آخرالزماںؐ پر فتح مکہ سے قبل نازل کیا گیا۔ اس آیت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو یہ خوش خبری دی تھی کہ آپ ﷺ مکہ فتح کرلیں گے اور ایسا ہی ہوا۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد پیغمبر اسلام ﷺ نے مکہ فتح کرلیا۔ آپ ﷺ خانہ کعبہ کی طرف گئے اور موذن رسول حضرت بلالؓ سے کہا کہ خانہ کعبہ کے اوپر چڑھ کر اذان دیں۔ اور اس وقت مکہ میں بسنے والوں نے پہلی بار اذان کی آواز سُنی۔ اور وہ لوگ گروہ در گروہ مسلمان ہوگئے۔

یہ آیت مبارکہ پڑھ کر جو کہ خوشخبری کی دلیل تھی تیمور پر ایسا وجد طاری ہوا کہ اس کا دل چاہا کہ خیمے سے نکل کر بلند آواز میں اذان دے۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ ایک بے وقت کی اذان سے سپاہی اور فوج کے سردار پریشان ہوجائیں گے۔ تاہم اس کے بعد تیمور کو خود میں ایک نئی قوت اور نیا ولولہ محسوس ہونے لگا اور اس نے جان لیا کہ وہ ہر رکاوٹ پر قابو پاسکتا ہے اور کوئی بھی چیز اس کے اور فتح کے درمیان حائل نہیں ہوسکتی۔ تیمور اس حد تک وجد و حال میں کھو گیا تھا کہ کانوں میں پڑنے والی ایک بلند آواز بھی نہ سن سکا۔ اسی لمحے تیمور کے دو سردار اس کے خیمے میں داخل ہوئے اور بتایا کہ ہندوستانیوں نے شہر کے جنوبی دروازے سے باہر نکل کر ہاتھیوں کے ساتھ ان پر حملہ کردیا ہے۔

تیمور نے اپنے افسروں کو حکم دیا، ''جاؤ اور ہاتھیوں کے سامنے جس قدر زیادہ ممکن ہوسکے آگ جلا دو۔ ہاتھی آگ سے خوف کھاتے ہیں اور وہ آگ کی رکاوٹ پار کرنے کی جرأت نہ کرسکیں گے۔'' تیمور نے ابدال کلزئی سے کہا کہ وہ اپنے قلاب پھینکنے والے سپاہیوں کو ہاتھیوں کی طرف بھیجے، کیونکہ ان کے لیے قلاب کو استعمال کرنے کا بہترین موقع خود آپہنچا ہے۔ تیمور نے بادشاہ غور کو یہ بھی ہدایت کی کہ اپنے سپاہیوں سے کہے وہ

ہاتھیوں کی سونڈ پر قلاب پھینکیں اور ہو سکے تو اسے کاٹ ڈالیں یا پھر بُری طرح زخمی کر دیں۔ تیر اندازوں کو بھی حکم دو کہ وہ ہاتھیوں کی سونڈ پر تیروں سے حملہ کریں۔ میں خود بھی فوجی چھاؤنی کا معائنہ کر کے وہاں پہنچ رہا ہوں۔"

اس کے بعد تیمور نے اپنا جنگی لباس پہنا سر پر آہنی خود جمایا اور گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ اپنی تلوار کلہاڑے اور تبر کا جائزہ لینے کے بعد تیمور چھاؤنی کا جائزہ لینے نکل پڑا۔ تیمور چھاؤنی کا جائزہ اس لیے لینا چاہتا تھا کیونکہ اسے خدشہ تھا کہ ممکن ہے ہندوستانی دوسری طرف سے بھی ان پر حملہ کر دیں۔ ملا اقبال اور محمود خلجی کے پاس بہت سے ہاتھی تھے۔ تیمور کو بتایا گیا تھا کہ ملا اقبال کے پاس دو ہزار سے بھی زیادہ ہاتھی تھے۔ تیمور نے مبالغہ آرائی کے امکانات کے باوجود اندازہ لگایا تھا کہ ملا اقبال اور محمود خلجی سینکڑوں ہاتھی تو فراہم کر سکتے تھے۔ اپنی فوجی چھاؤنی کا معائنہ کرتے ہوئے تیمور نے فوج کے مختلف حصوں کے سرداروں کو حکم دیا کہ سپاہیوں کو شہر پر حملے کیلئے تیار کر دیں، کیونکہ شہر کے جنوبی دروازے کھلے ہوئے ہیں اور وہ ان سے شہر میں داخل ہو سکتے ہیں۔ چھاؤنی کا معائنہ کرنے کے بعد تیمور جنوب کی سمت میں روانہ ہو گیا اور اس نے دیکھا کہ انہوں نے اس قدر آگ جلا رکھی تھی اور اس قدر مشعلیں روشن کر دی تھیں کہ رات میں دن کا گمان ہوتا تھا۔

وہاں تیمور کے سپاہیوں اور ہاتھیوں پر سوار ہندو سپاہیوں کے درمیان زوردار مقابلہ جاری تھا مگر آگ ہاتھیوں کو آگے بڑھنے سے روکے ہوئے تھی اور تیمور کے تیر انداز بھی ہاتھیوں کو نشانہ بنا رہے تھے۔ تیمور نے دیکھا کہ کچھ ہاتھیوں کا اگلا حصہ خار پشت جیسا لگ رہا تھا کیونکہ ان کی سونڈ پر بہت سے تیر لگے ہوئے تھے۔ جب یہ لڑائی جاری تھی تو تیمور نے اپنے داماد اور افسر، قرا خان سے کہا کہ وہ فوج کے مختلف حصوں کے نگرانوں سے کہے کہ وہ پانچ سو فدائین کو منتخب کریں جو سب کے سب خود تیمور کی زیر قیادت شہر میں داخل ہوں گے۔ اس لمحے خدا کا کلام "بیشک ہم نے تجھے ایک واضح فتح عطا کی" تیمور کے کانوں میں گونج رہا تھا اور تیمور کو قطعی یقین تھا کہ اگر وہ بھرپور کوشش کرے تو اسی رات شہر میں داخل ہو جائے گا۔

پانچ سو فدائین جو سب کے سب آہنی لباس پہنے ہوئے تھے جمع ہو گئے۔ تیمور نے ان پر نظر ڈالی اور بولا "ہمیں شہر میں داخل ہونے کے لئے اس موقع سے فائدہ اٹھانا ہے، میں بذاتِ خود تمہارے ساتھ لڑائی میں شریک ہوں گا اور تمہاری قیادت کروں گا۔ ہمارا کام یہ ہے کہ ہم شہر میں داخل ہونے والے دروازوں پر قبضہ کر لیں تاکہ شہر میں داخل ہونے کے لیے ہمارے سپاہیوں کا راستہ کُھل جائے۔ اگر ہم شہر کے دروازوں پر قبضہ کرنے میں کامیاب رہے تو یہ زبردست کارنامہ ہوگا، دوسری صورت میں ہم سب ذبح کر دیئے جائیں گے اور ہم میں سے کوئی بھی زندہ واپس نہ آ سکے گا۔"

تیمور نے قرا خان کو ہدایت کی کہ وہ زندہ رہے یا مارا جائے۔ اسے شہر کے دروازے کھلتے ہی فوج کو لے کر شہر میں تیزی سے داخل ہونا اور مدافین کا قلع قمع کر دینا ہے۔ اسے ماسوائے مذہبی رہنماؤں، عالموں، صنعتکاروں اور شاعروں کے کسی پر ترس کھائے بغیر شہر پر قبضہ ہونے تک قتل عام کرنا تھا۔ اس کے بعد سپاہیوں کو بھی کھلی چھٹی دے دی تھی کہ وہ شہر میں قتل عام کریں، لوٹ مار کریں، عورتوں کو باندیاں اور نوجوانوں کو غلام بنا لیں۔

قرا خان سمجھ گیا کہ تیمور کو لڑائی کے لئے جانے سے روکنا بیکار ہے۔ فوج کی تمام ذمہ داریاں قرا خان کو سونپ کر تیمور اپنے گھوڑے سے اُتر آیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر وہ لوگ شہر پر گھوڑوں پر سوار ہوتے ہوئے حملہ کریں گے تو ان کیلئے آگے بڑھنا بہت مشکل ہوگا۔ ان کے گھوڑے ہاتھیوں سے خوفزدہ تھے اور مزید یہ کہ تنگ جگہوں پر گھڑ سواروں کی نسبت پیادہ سپاہی بہتر طور پر لڑ سکتا اور آگے بڑھ سکتا ہے۔

پھر تیمور نے اپنے ایک ہاتھ میں کلہاڑا اور دوسرے میں تلوار تھامی اور اپنے پانچ سو آہن پوش ساتھیوں سے کہا، ''چلو ہمیں مل کر آگے بڑھنا ہے۔'' جس راستے سے انہیں جانا تھا وہ خالی نہ تھا اور اس کی کچھ جگہوں پر تیمور کے سپاہی ہندوستانی فوج کے ہاتھی سواروں سے لڑ رہے تھے۔ انہیں ان لوگوں کے پاس سے گزرنا تھا یا پھر ان کے گرد چکر کاٹ کر آگے بڑھنا اور شہر کے دروازوں تک پہنچنا تھا۔ تیمور اپنے دائیں بائیں کلہاڑا اور تلوار چلا رہا تھا اور دو موقعوں پر اس کی تلوار نے دو ہاتھیوں کی سونڈ کاٹی تو وہ پہلے اپنے گھٹنوں کے بل گرا اور پھر ایک طرف کو اُلٹتا چلا گیا اور اس پر سوار سپاہی نیچے آ گرا۔ وہ لوگ آگے بڑھتے رہے حتیٰ کہ ان کے اور دہلی شہر کے جنوبی دروازوں کے درمیان 70 فٹ سے بھی کم فاصلہ رہ گیا اور یہ راستہ ہاتھیوں سے پاک تھا۔

پھر گھنی مونچھوں والے ہندوستانی سپاہیوں نے ان کا راستہ روکنا چاہا۔ تیمور نے بلند آواز میں سورۃ الفتح کی وہی آیت ''بیشک ہم نے تجھے ایک واضح فتح عطا کی'' پڑھی اور ان ہندوستانیوں کی طرف جھپٹ پڑا۔ تیمور دونوں ہاتھوں سے تلوار اور کلہاڑے کے وار کر رہا تھا اور اس کے وار اس قدر طاقتور تھے کہ اسے خود اپنی قوت اور زور بازو پر حیرانی ہو رہی تھی۔ تیمور اپنے اوپر پڑنے والی تلوار اور نیزوں کی ضربوں کو ان کی آوازوں سے پہچان رہا تھا کیونکہ یہ ضربیں اس کے آہنی لباس سے ٹکرا کر مخصوص آوازیں پیدا کر رہی تھیں۔ اس جنگ کی گرمی نے تیمور میں اس قدر جوش ولولہ بھر دیا کہ وہ نعرے لگانے لگا اور اس کے سپاہی بھی نعرے لگانے لگے بڑی بڑی گھنی مونچھوں والے سپاہی ان کے سامنے ڈھیر ہوتے چلے گئے اور وہ لوگ قدم بہ قدم شہر کے دروازوں سے نزدیک ہوتے چلے گئے۔ اس وقت تیمور کو اپنی جان کی کوئی پرواہ نہ تھی۔ مگر اس وقت وہ صرف ایک چیز کی طرف سے فکر مند تھا اور وہ یہ کہ کہیں ایسا نہ ہو ہندوستانی ان کے شہر کے دروازوں تک پہنچنے سے پہلے ہی انہیں بند کر دیں اور شہر میں داخل ہونے کا راستہ بند کر دیں۔ مگر ایسا نہ ہوا کیونکہ تیمور اور اس کے ساتھی برق رفتاری سے دروازوں کی چوکھٹ پر پہنچ گئے اور اس سے پہلے کہ ہندوستانی دروازوں کو بند کرنے کا سوچ پاتے تیمور کے پانچ سو فدائین اور ہندوستانیوں کے درمیان شہر کے دروازوں کے عین درمیان خوفناک جنگ چھڑ گئی۔

تیمور اور اس کے ساتھیوں نے وہاں موجود تمام ہندوستانیوں کو چیر کر رکھ دیا اور شہر میں داخل ہو گئے۔ تیمور کے پاس اتنا وقت نہ تھا کہ شہر کے دروازوں پر پہرے دار مقرر کر دیتا تا کہ وہ دروازوں کو بند کرنے سے روک سکیں۔ یہ قرا خان کا کام تھا۔ وہ ان کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا اور اسے دروازوں پر پہرہ بٹھانا تھا، دشمن کے دروازوں کے نزدیک فصیل کو دشمن سے پاک کرنا تھا اور شہر سے باہر موجود ہندوستانی ہاتھی سواروں کا قلع قمع کرنا تھا۔ شہر میں داخل ہونے کے بعد تیمور اور اس کے سپاہی یوں آگے بڑھے جیسے کہ کوئی چاقو دشمن کے دل کو چیرتا ہوا چلا جائے اور ان کے پیچھے قرا خان کی زیر قیادت فوج کے کئی دستے شہر میں داخل ہو گئے۔ شہر میں داخل ہو کر تیمور کی فوج کسی سیلاب کی طرح آگے بڑھی جو مختلف شاخوں میں بٹ کر مختلف اطراف میں پھیلتا پہلے کھلے راستوں کو پُر کرتا ہے۔ تیمور کی فوج بھی مختلف شاخوں میں تقسیم ہو گئی اور ہر دستہ اصل دستے سے کٹے بغیر مختلف راستوں پر ہو لیا۔ دہلی شہر کے باشندے جنہیں پتہ چل گیا تھا کہ تیمور کی فوج شہر میں داخل ہو گئی ہے خوف سے چیخ و پکار کرنے لگے۔ عورتوں کی آہ و بکا، بچوں کے رونے اور ہندوستانی سپاہیوں کے چلانے نے شہر میں ناقابل بیان شور برپا کر دیا تھا۔ تیمور اب بھی ہتھیار چلاتا آگے بڑھ رہا تھا حتیٰ کہ وہ ایک ایسے مقام پر پہنچ گیا جہاں اس کے سامنے بہت کم لوگ رہ گئے تھے۔ یہاں تبر کا دستہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا۔ تیمور نے حیرت کے مارے مشعل کی روشنی میں اپنے ہاتھ کی طرف دیکھا اور اسے پتہ چلا کہ تبر کے دستے کا پھسلنا دراصل اس جمے ہوئے خون کے باعث تھا جو اس کے

ہاتھ میں بھر چکا تھا۔ پھر اسے معلوم ہوا کہ اس کا پورا آہنی لباس خون میں نہایا ہوا ہے۔ یوں لگتا تھا جیسے اس نے خون کے تالاب میں غوطہ لگایا ہو اور پھر باہر نکل آیا ہو۔ تیمور نے رُک کر اردگرد نظر دوڑائی تا کہ دیکھ سکے اس کے نزدیک کون کون ہے۔ اس نے دیکھا کہ فدائین کا ایک گروہ اس کے نزدیک موجود تھا اور ان کے آہنی لباس بھی سرتا پا خون میں ڈوبے ہوئے تھے۔ تیمور نے ان سے کہا،'' آج تم نے طہارت کا سب سے بلند درجہ پایا ہے کیونکہ تم نے خون سے غسل کیا ہے اور ایک جنگجو انسان کے لئے خون میں غسل سے بہتر اور کوئی غسل نہیں ہے۔'' ان کے عقب میں فدائین کے گروہ کے مزید ساتھی بھی ان تک پہنچ رہے تھے اور ان کے پیچھے باقی سپاہیوں کے آنے کے آثار نظر آ رہے تھے۔

جس جگہ وہ لوگ ٹھہرے ہوئے تھے وہ شہر کا نسبتاً خاموش علاقہ تھا تاہم نزدیکی علاقوں سے ہتھیاروں کے ٹکرانے اور نعروں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اس وقت تک تیمور کو احساس نہ تھا کہ وہ زخمی ہو چکا ہے۔ مگر اس کی بائیں آنکھ پر ٹپکنے والی خون کی بوندوں نے اسے احساس دلایا کہ وہ آنکھ کی ابرو کے اوپر آہنی خود کے سرے کے نزدیک زخمی ہو چکا ہے۔ اب اس نے اپنے دیگر اعضاء کو بھی ٹٹولنا شروع کیا تب اسے پتہ چلا کہ اس کی دونوں کہنیاں بھی زخمی تھیں اور اس کی ٹانگوں پر پانچ مقامات پر زخم موجود تھے جن میں سے کچھ تلوار کے واروں کا نتیجہ تھے اور بعض نیزوں کے۔ تیمور نے چلاّ کر کہا،'' جن لوگوں نے آج میرے ساتھ بطور فدائین حملہ کیا، وہ اپنی گنتی کریں۔'' تاہم ان ایک سو میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو زخمی نہ ہوا ہو۔

تیمور نے اپنے ساتھیوں کو بتایا کہ اس کی بائیں آنکھ میں خون کے قطرے گرنے سے اسے ٹھیک سے دکھائی نہیں دے رہا اور وہ ایسی حالت میں جنگ جاری نہیں رکھ سکتا۔ پھر اس نے اپنے ساتھیوں کو ہدایت کی کہ اگر ان میں سے بھی کسی کو ایسی ہی حالت درپیش ہے تو وہ اس کے ساتھ چلے تا کہ مرہم پٹی کروا کر دوبارہ جنگ میں شامل ہو سکے۔ سترہ فدائین جن کو زیادہ تعداد میں اور کاری زخم لگے تھے بڑھ کر تیمور کے پاس آ گئے اور باقی جنگ جاری رکھنے کے لئے آگے چلے گئے اور تیمور سترہ سپاہیوں کے ساتھ مرہم پٹی کروانے چلا گیا۔

چونکہ تیمور نے فوج کی کمان اپنے داماد اور سردار قراخان کے سپرد کر رکھی تھی اس لئے وہ جنگ کے امور نپٹانے کے حوالے سے زیادہ فکر مند نہ تھا۔ اس کے ساتھ موجود سپاہی اسے مرہم پٹی کروانے کے لئے متعلقہ جگہ لے گئے جب اس کا بدن ذرا ٹھنڈا ہوا اور اسے آرام ملا تو پاؤں کے زخموں کی شدت اور زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے وہ نڈھال ہو گیا اور جلد ہی اسے کوئی ہوش نہ رہا۔ شہر کے اندر مرہم پٹی والے مقام پر پہنچ کر تیمور کو ہوش آیا۔ تب اسے پتہ چلا کہ اس کے ساتھ چلنے والوں نے اسے بے ہوش پا کر اٹھا لیا اور جراح کے پاس پہنچایا۔

جب تیمور کو ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ اس کے سر پر نہ تو خود ہے اور نہ ہی وہ جنگی لباس پہنے ہوئے ہے اور اس کا سر اور ہاتھ پاؤں پٹیوں سے بھرے ہوئے تھے۔

دہلی کی فضا سرخ ہو رہی تھی اور جلنے کی بُو تیمور کے دماغ تک پہنچ رہی تھی، جس سے پتہ چلا کہ شہر میں بہت زیادہ آگ لگائی گئی ہے۔ تیمور سمجھ گیا کہ قراخان نے دانستہ آگ لگا رکھی ہے تا کہ مزاحمت کرنے والے جلد تسلیم ہو جائیں۔ تیمور نے اُٹھنے کی کوشش کی مگر جراح نے اسے فوراً منع کرتے ہوئے کہا،'' اے امیر، اُٹھنے کی کوشش نہ کرو اور نہ ہی اپنے بدن کو حرکت دو ورنہ تمہارے زخموں کے منہ کھل جائیں گے اور ان سے دوبارہ خون بہنے لگے گا۔ پہلے ہی تمہارے بدن سے اتنا خون بہہ چکا ہے کہ اگر مزید بہا تو تمہاری موت واقع ہو سکتی ہے۔ اب تمہاری خوراک بالائی ہونی چاہیے

تا کہ بہہ جانے والے خون کی کمی پوری ہو سکے۔''

اگر چہ جراح نے تیمور کو ہلنے جلنے سے منع کر دیا تھا مگر وہ جنگ کی صورتحال سے بے خبر نہیں رہ سکتا تھا۔ چنانچہ ہر چند منٹ بعد جنگ کی صورتحال معلوم کرتا تھا۔ اسے بتایا گیا کہ اس کے سپاہیوں نے شہر کے تمام دروازے کھول لئے ہیں۔ تیمور نے انہیں حکم دیا کہ جب تک ملا اقبال اور محمود خلجی گرفتار نہ ہو جائیں شہر سے کسی کو فرار نہ ہونے دیا جائے۔ ان کے گرفتار ہونے کے بعد بوڑھوں، عورتوں اور بچوں کو شہر سے باہر نکلنے دیا جائے تاہم جوان مردوں اور عورتوں کو غلام اور لونڈیاں بنانے کے لئے روک لیا جائے۔

جنگ کا شور وغل جاری تھا تاہم تیمور کمزوری کے سبب سو گیا۔ جب وہ بیدار ہوا تو اس نے دیکھا کہ دن نکل آیا تھا مگر شہر کی فضا میں اس قدر دھواں تھا کہ اس کی وجہ سے سورج کی روشنی ماند پڑ گئی تھی۔ تیمور نے اپنے دائیں بائیں نظر ڈالی تو اسے معلوم ہوا کہ وہ اب بھی مرہم پٹی والے مقام پر ہے اور اس کے آس پاس کچھ زخمی سو رہے تھے اور کچھ دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ تیمور کے لئے بالائی سے بھرا پیالہ لایا گیا تھا۔ معلوم ہوا کہ تیمور اس وقت سویا ہوا تھا جب جراح نے اس کے لئے بالائی لانے کا حکم دیا تھا۔ یہ بالائی شہر سے باہر ان کی چھاؤنی میں تیار کی گئی تھی۔ تیمور نے اپنے ملازم کو حکم دیا کہ بالائی کا وہ پیالہ جو اس کیلئے تیار کیا گیا ہے اسے پاس ہی لیٹے زخمی سپاہی کو دیدے اور دوسرے سپاہیوں کی مدد سے وہاں موجود تمام سپاہیوں کیلئے ایسی ہی بالائی لے کر آئے۔ وہ بولا، ''اے ہمارے امیر، ہم نے یہ خوراک خاص طور پر تمہارے لئے تیار کی ہے اور ہم سب کو بالائی نہیں کھلا سکتے۔'' تیمور نے اسے کہا، ''جاؤ اور سپاہیوں کو میری طرف سے ہدایت کرو کہ زیادہ مقدار میں بالائی تیار کروائیں تا کہ ایسے تمام سپاہیوں کو یہ کھلائی جا سکے جن کا بہت سا خون ضائع ہو گیا ہے۔ پھر تیمور نے جراح سے کہا کہ وہ تمام سپاہیوں کو بتا دے۔ ان سب کیلئے بالائی تیار کروائی جا رہی ہے۔ جب تمام زخمیوں کو پتہ چل گیا کہ وہ بھی صحت بخش غذا کھائیں گے تو تیمور نے اپنے پیالے سے ایک گھونٹ بھرا۔ ابھی وہ بالائی کھا رہا تھا کہ قرا خان اس کے پاس پہنچا اور بولا، ''ملا اقبال کو ہم نے ابھی گرفتار کیا ہے اور محمود خلجی تو سورج نکلنے سے پہلے ہی پکڑا گیا تھا۔'' تیمور نے اس سے دریافت کیا، ''جنگ کی صورتحال کیا ہے؟'' قرا خان نے جواب دیا، ''شہر میں کچھ مقامات پر اب بھی مزاحمت جاری ہے۔'' تیمور نے کہا، ''مزاحمت کرنے والوں کو ہندوستانیوں ہی کی زبانی منادی کرا کے بتاؤ کہ چونکہ ملا اقبال اور محمود خلجی گرفتار ہو چکے ہیں، اس لئے ان کی مزاحمت بے کار ہے۔ اگر پھر بھی وہ اپنے ہتھیار نہ پھینکیں تو انہیں قتل کر دیا جائے۔''

قرا خان بولا، ''چونکہ جنگ صبح تک جاری رہی اس لئے ہمارے سپاہی شہر میں لوٹ مار کرنے اور شہریوں کو گرفتار کرنے کا کام نہیں کر سکے۔ اگر تم اب حکم دو تو وہ شہر میں لوٹ مار کا آغاز کر دیں'' تیمور نے کہا، ''ہاں، تمام سپاہیوں کو کھلی اجازت ہے کہ وہ جو بھی چاہیں مال غنیمت سمجھ کر قبضے میں لے لیں اور جسے چاہیں غلام بنا لیں تاہم یہ احتیاط کریں کہ مذہبی رہنماؤں، ہنر مندوں، علماء اور شعراء کو نقصان نہ پہنچائیں۔ لوٹا گیا مال غنیمت اور تمام گرفتار کئے جانے والوں کو شہر سے باہر منتقل کر دیا جائے۔

قرا خان نے پوچھا، ''اے امیر، کیا تم چاہو گے کہ ہم تمہیں ملا اقبال کے محل میں منتقل کر دیں۔'' تیمور نے کہا، ''میں اس وقت تک وہاں نہیں جانا چاہتا، جب تک جنگ ختم نہیں ہو جاتی۔ قرا خان بولا ''میں نے یہاں کافی تعداد میں پہرے دار مقرر کر دیئے ہیں تا کہ خدانخواستہ کچھ سر

پھرے ہندو اس جگہ حملہ کر کے تمہیں قتل نہ کر ڈالیں۔'' بہر حال ہندوستانیوں کی مزاحمت دوپہر تک ختم ہوگئی۔ تیمور کے لئے ایک تخت لایا گیا اور اسے ملا اقبال کے محل میں منتقل کر دیا گیا۔ دہلی کی گلیوں سے گزرتے ہوئے تیمور نے دیکھا کہ شہر سے اُٹھنے والے دھوئیں نے آسمان کو تاریک کر دیا تھا۔ اسے گلیوں میں بکھری لاشیں بھی نظر آئیں۔

تیمور کے سپاہی لوٹے گئے مال غنیمت کو شہر سے باہر منتقل کر رہے تھے۔ نوجوان مرد اور عورتوں کو پکڑنے کے بعد وہ ان کے ہاتھ پاؤں باندھ کر انہیں بھی شہر سے باہر لے جا رہے تھے۔ شہر کی فضا میں اس قدر دھواں بھر چکا تھا کہ تیمور کو سانس کے ساتھ دھواں اندر جاتا محسوس ہوا۔ دوپہر کے بعد دہلی میں کوئی شخص قتل نہ ہوا، نہ ہی کسی نے مزاحمت کی کیونکہ وہ جان گئے تھے کہ ان کی مزاحمت بے کار ہے۔ تیمور تین دن تک ملا اقبال کے محل میں رہا، تین دن کے بعد دہلی کا آسمان جو اس وقت تک سیاہ دھوئیں میں چھپا ہوا تھا بالآخر صاف ہونے لگا اور تیمور کی کمزوری بھی کم ہوگئی۔ چوتھے روز تیمور کے ملازم نے گزشتہ تین دنوں کی طرح بالائی سے بھرا پیالہ لا کر اس کے سامنے رکھا لیکن جیسے ہی وہ واپس جانے کے لیے مڑا اسے زبردست قے ہوئی اور اس کے پیٹ میں جو کچھ تھا، نکل کر اسی پیالے میں آ گرا جو وہ تیمور کے لیے لایا تھا۔

اس اچانک قے سے خوفزدہ ہو کر تیمور کا ملازم گڑگڑایا ''اے میرے سردار، مجھے معاف کر دے کیونکہ مجھے اس پر کوئی اختیار نہ تھا۔'' تیمور نے کہا، ''میں ایک جنگجو ہوں اور میں خون اور گند دیکھنے کا عادی ہو چکا ہوں، تیری قے بھی میرے لیے بے اثر ہے۔ جاؤ یہ پیالہ لے جاؤ اور میرے لیے دوسرے پیالے میں بالائی لے آؤ۔'' مگر تیمور کے ملازم کو دوبارہ وہاں کھڑے کھڑے قے آ گئی اور اس بار اس کی قے اس قدر زور آور تھی کہ وہ زمین پر گر گیا اور دوبارہ اُٹھنے کی ہمت نہ کر پایا۔ تیمور نے دوسرے ملازموں کو آواز دی تا کہ اسے اٹھا کر کمرے سے باہر لے جائیں اور طبیب سے کہیں کہ اس کا علاج کرے۔ کچھ سپاہی اندر آئے اور تیمور کے ملازم کو اُٹھا کر لے گئے۔ پھر اس کے بعد انہوں نے کمرے کو صاف کر دیا۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد قرا خان وہاں آیا اور تیمور اسے دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ وہ پریشان ہے۔ تیمور نے اس سے پوچھا، ''آخر تمہیں کس چیز نے پریشان کر رکھا ہے؟'' وہ بولا، ''امیر، تیرے اکثر سپاہی پیٹ کی خرابی اور متلی کے مرض میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ میں نے طبیبوں سے پوچھا ہے کہ یہ سب کیا ہے اور ان کا کہنا ہے کہ یہ ''ہیضہ'' کا مرض ہے جس نے سپاہیوں کو لپیٹ میں لے لیا ہے۔''

تیمور کو یاد آیا کہ کوئٹہ کے سلطان عبداللہ والی الملک نے اسے اس بارے میں آگاہ کیا تھا اور بتایا تھا کہ جو بھی دہلی کو فتح کرنے کے لیے گیا اسے وبائی امراض کے باعث وہاں سے فرار ہونا پڑا۔ یہ امراض مقامی لوگوں کو تو نقصان نہ پہنچاتے مگر باہر سے آنے والوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے تھے۔ آئندہ گھنٹوں میں تیمور کو یہ خبریں ملتی رہیں کہ وہ سپاہی جو بالکل صحت مند اور کسی بیماری میں مبتلا نہ تھے، اچانک متلی اور اسہال کی کیفیت کا شکار ہو گئے ہیں۔ ہیضہ کا مرض انہیں یوں لپیٹ میں لیتا کہ صرف دو گھنٹوں کے اندر اس قابل بھی نہ رہتے کہ خود سے قدم ہی اُٹھا سکیں۔ تیمور نے یہ خبریں لانے والے سرداروں سے دریافت کیا کہ کیا مقامی لوگ اور گرفتار ہونے والے لوگ بھی ہیضہ کا شکار ہوئے ہیں یا نہیں۔ رات گئے انہوں نے اطلاع دی کہ بہت سے مقامی لوگ اور گرفتار ہونے والے بھی اس مرض میں مبتلا ہو چکے ہیں۔

تیمور کی فوج کے طبیب اس بیماری کے حوالے سے کچھ نہ کر سکتے تھے، اس لیے تیمور نے انہیں ہدایت کی کہ مقامی ہندوستانیوں سے اس

بارے میں مدد حاصل کریں۔ مقامی ہندوستانیوں نے بتایا کہ ناریل پانی کے سوا اس بیماری کا اور کوئی علاج نہیں لیکن چونکہ دہلی شہر بُری طرح تباہ اور جل چکا تھا، لہٰذا ناریل پانی وہاں کہیں دستیاب نہ تھا، اس لیے تیمور نے حکم دیا کہ قریبی علاقوں سے ناریل پانی تلاش کر کے لایا جائے۔ ایک دستے کو قریبی علاقوں سے خشک ناریل تلاش کرنے کا حکم دیا گیا اور وہ جلد ہی کچھ لے آئے۔ خشک ناریلوں کو اُبالا گیا اور ان کے پانی کو لے کر بیماروں کو دیا گیا تاہم اس کا کوئی اثر نہ ہوا اور اس بیماری میں مبتلا ہونے والے سپاہی دوسرے دن مرنا شروع ہو گئے۔

تیمور نے شہر سے نکل کر فوجی چھاؤنی میں جانا چاہا جو شہر سے باہر تھی لیکن ایک بار پھر جراح نے اسے ہلنے جلنے سے منع کر دیا۔ وہ تیمور سے کہنے لگا، ''اگر تم نے ہلنا جلنا جاری رکھا تو عین ممکن ہے کہ تمہارے زخم آلودہ ہو جائیں، پھر میں تمہارا علاج نہ کر پاؤں گا۔'' تیمور کے سردار اسے بتا رہے تھے کہ ہیضہ کے مرض میں مبتلا سپاہیوں کو قے اور اسہال نے اس طرح لپیٹ میں لے رکھا ہے کہ ان کے بدن میں گوشت کا نام ونشان نظر نہیں آتا اور وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر رہ گئے ہیں۔ پہلے ان کی آنکھیں اندر کو دھنس جاتی ہیں، ہونٹ خشک اور سیاہ ہو جاتے ہیں، ان کے ٹخنے اور انگلیاں بھی سیاہی مائل ہو جاتی ہیں اور پھر وہ موت کو گلے لگا لیتے ہیں۔ ان کے سپاہی ہیضہ سے اس قدر تیزی سے مر رہے تھے کہ قراخان تیمور کے پاس آ کر کہنے لگا، ''اے امیر، اگر تم یہاں مزید رکے رہے تو آہستہ آہستہ ہمارے سب سپاہی مارے جائیں گے۔ اب ہمارے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں بچا کہ فوراً دہلی سے نکل جائیں۔ شاید یہاں سے نکلنے کے بعد موسم اور آب وہوا کی تبدیلی ہمیں اس بیماری سے نجات دیدے۔

اس ہیضہ کی بیماری کے پھیلنے سے پہلے ہی تیمور کے 27 ہزار سپاہی دہلی کی جنگ میں مارے گئے یا بُری طرح زخمی ہو گئے تھے۔ اگر تیمور اس وقت دہلی سے نکل جانے کا فیصلہ کرتا تو اسے ان سب کو وہیں چھوڑنا پڑتا مگر اس کے جانے کے بعد ہندوستانی ان سب کو مار ڈالتے۔ البتہ یہ ہو سکتا تھا کہ وہ لوگ ہندوستانیوں کو ضمانت کے طور پر لے جاتے کہ اگر ہندوستانی ان کے زخمیوں کو قتل کریں گے تو وہ بھی ان کے ساتھیوں کو مار ڈالیں گے۔ ملا اقبال اور محمود خلجی کو بھی وہ بطور ضمانت ساتھ لے جانا چاہتے تھے۔ تیمور نے ان دونوں کے خزانوں پر قبضہ کر لیا تھا اور اس خزانے کو ساتھ لے جانے کے لیے انہیں کم از کم دو ہزار مال بردار جانوروں مثلاً ہاتھیوں، گھوڑوں اور اونٹوں کی ضرورت تھی۔ ان دونوں کے خزانوں کا ایک حصہ سونے کی اشیاء پر مشتمل تھا اور دوسرا حصہ جواہرات پر مبنی۔ ان جواہرات میں ہیرے، لال، یاقوت اور الماس شامل تھے۔ اگر تیمور ان جواہرات کو ایران اور ماوراء النہر میں یکدم فروخت کرنا چاہتا تو ان ملکوں میں ان جواہر کی قیمتیں اتنی گر جاتیں کہ سونے کے برابر آ جاتیں۔ اس لیے تیمور کو نے یہی بہتر جانا کہ ان جواہرات کو اپنے پاس رکھے تا کہ اس کی اولاد میں منتقل ہو جائیں۔

چونکہ انہیں شہر کے اہم لوگوں میں سے کچھ کو بطور ضمانت ساتھ لے جانا تھا، اس لیے تیمور نے کچھ برہمنوں کو اس کے لیے منتخب کیا۔ ان میں سے ایک وہ برہمن پجاری بھی تھا جس نے شہر کی فصیل پر آ کر تیمور کو بتایا تھا کہ چونکہ اس نے دہلی پر حملہ کیا تھا تو وہ سات سال سے زیادہ زندہ نہ رہے گا۔ تیمور نے حکم دیا کہ اس پروہت کو اس کے سامنے لایا جائے۔ جب وہ آیا تو تیمور نے اس سے ترجمان کے ذریعے پوچھا کہ اس کا نام کیا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ اس کا نام ''گانی ہورتا'' ہے اور ترجمان نے وضاحت کی کہ اس کے نام کا مطلب ہندی میں ''مقدس آگ'' ہے۔

تیمور نے کہا، ''اے انسان، میں اب شہر چھوڑنا چاہتا ہوں مگر ہمارے زخمی اور بہت سے سپاہی جو ان کی دیکھ بھال کرنے والے ہیں یہاں

رُکیں گے اور جب زخمی سپاہی صحت یاب ہو جائیں گے تو وہ یہاں سے واپس آ جائیں گے۔ تمہیں اس شہر کے لوگوں کو بتانا ہوگا کہ اگر انہوں نے ہمارے زخمیوں کو نقصان پہنچایا یا ان سے بُرا سلوک کرنے کی کوشش کی تو میں ان کے ان ساتھیوں کو قتل کر دوں گا جنہیں میں بطور ضمانت ساتھ لے جا رہا ہوں۔'' گانی ہورتا بولا، ''تم ہمارے ان آدمیوں کو کہاں لے جاؤ گے؟'' تیمور نے کہا ''میں انہیں کوئٹہ لے جاؤں گا اور پھر اس وقت تک ہمارے زخمی امید ہے کہ تندرست ہو جائیں گے اور ہم سے آملیں گے۔ پھر میں مغوی باشندوں کو رہا کر دوں گا۔''

گانی ہورتا بولا، ''اگر تمہارے زخمی اپنی موت آپ مر گئے تو کیا تم پھر بھی ہمارے مغویان کو قتل کر دو گے؟'' تیمور نے کہا ''نہیں......!'' وہ بولا، ''اے امیر، تم ملا اقبال اور محمود خلجی سے کیا سلوک کرو گے؟'' تیمور نے جواب دیا ''وہ دونوں میرے اسیر ہیں، میں ان دونوں کو بھی کوئٹہ لے جاؤں گا اور اگر میرے زخمی سپاہیوں کو ہندوستانیوں نے ذرا بھی نقصان پہنچایا تو میں ان دونوں کو مار ڈالوں گا تاہم اگر زخمیوں کو نقصان نہ پہنچایا گیا تو میں ان دونوں کو کچھ شرائط پر آزاد کر دوں گا لیکن میں یہ بھی بتا دوں کہ چونکہ ان دونوں نے میرے سامنے مزاحمت کی اور تسلیم نہ ہوئے، وہ دونوں موت کے مستحق ہیں۔ خود تم بھی موت کے حق دار ہو اور اگر تم مذہبی پیشواؤں میں شامل نہ ہوتے تو میں تمہیں بھی قتل کرا دیتا کیونکہ تم نے یہ کہنے کی جرأت کی تھی کہ میں سات سال سے زیادہ زندہ نہ رہوں گا۔ یقیناً تم اتنی عقل رکھتے ہو گے کہ سمجھ سکو، تم نے گستاخانہ الفاظ کہے تھے اور مجھ جیسے انسان کے سامنے گستاخانہ الفاظ بولنے والا یقیناً موت کا مستحق ہے۔'' پجاری بولا، ''اے امیر، کیا تمہیں میرے الفاظ نے خوف میں مبتلا کر دیا تھا؟'' تیمور بولا ''اے شخص، اگر تم مجھے جانتے ہوتے تو تمہیں پتہ ہوتا کہ میں موت سے نہیں ڈرتا، خاص طور پر میدان جنگ میں آنے والی موت سے تو مجھے اُنس ہے۔''

گانی ہورتا کہنے لگا، ''اے عظیم سردار، تم میدان جنگ میں نہیں مارے جاؤ گے۔'' تیمور نے کہا، ''پہلے تم نے مجھے کہا تھا کہ میں سات برس سے زیادہ نہ جیوں گا اور اب تم کہہ رہے ہو کہ مجھے میدان جنگ میں موت نہ آئے گی۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ تم یہ پیش گوئیاں کس بناء پر کر رہے ہو؟''

گانی ہورتا بولا، ''اے عظیم امیر، اس ملک میں ہر کوئی جانتا ہے کہ ایک برہمن جو زندگی بھر نفس کشی کرتا اور خود کو ہر طرح کی حیوانی خواہشات سے پاک رکھتا ہے اور کبھی برہما کے مقرر کردہ راستے سے نہیں ہٹتا۔ اسے کچھ خاص صلاحیتیں حاصل ہوتی ہیں جن میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ مستقبل کا حال بتا سکتا ہے۔'' تیمور نے کہا، ''تو ٹھیک ہے تُو مجھے اپنے مستقبل کے بارے میں بتا کہ تُو کب مرنے والا ہے؟'' برہمن پجاری بولا ''اے عظیم سردار، یہ آنکھیں جو ہر دوسری شے دیکھ سکتی ہیں مگر خود کو نہیں دیکھ سکتیں۔'' تیمور نے کہا: ''اے شخص میں تیرے ان الفاظ کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں جو تُو نے ابھی ادا کیے کیونکہ یہ تُو نے واقعی انوکھا نکتہ بیان کیا ہے۔''

ابھی تیمور اس برہمن سے گفتگو میں مصروف تھا کہ اسے رونے اور ماتم کرنے کی آوازیں سنائی دیں۔ تیمور نے پوچھا کہ یہ کیسی آوازیں تھیں، اسے بتایا گیا کہ یہ پاریا لوگوں کی آوازیں ہیں جو اچھوت سمجھے جاتے ہیں اور جو مسلمان ہو گئے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں کہ انہیں ہندوستان کے دوسرے حصوں میں منتقل کر دیا جائے۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر انہیں یہیں چھوڑ دیا گیا تو ہندو انہیں مار ڈالیں گے کیونکہ وہ اب مسلمان ہو چکے تھے۔

تیمور نے حکم دیا کہ پاریا لوگوں کو جنہوں نے اسلام قبول کر لیا ہے، ہندوستان کے مسلم آبادی والے خطوں میں منتقل کر دیا جائے اور انہیں وہاں زمینیں دی جائیں تاکہ وہ وہاں گزر بسر کر سکیں۔

اسی روز تیمور نے سلطان کوئٹہ عبداللہ والی الملک کو خط لکھا اور اسے کبوتروں کے ذریعے روانہ کر دیا۔ خط میں تیمور نے اسے لکھا کہ کسی ایسے بڑے خطہ زمین کا بندوبست کر کے رکھے جو پاریا لوگوں کو دیا جا سکے کیونکہ انہوں نے بڑی تعداد میں اسلام قبول کر لیا ہے اور یاد رہے کہ یہ زمین کھیتی باڑی کے لیے موزوں ہو۔ اس زمین کی قیمت تیمور ادا کرے گا۔ جب یہ نومسلم لوگ اس زمین پر آباد ہو جائیں تو ان کی مدد کی جائے اور انہیں زراعت وغیرہ کے لیے سہولیات دی جائیں اور ان سب پر جو اخراجات ہوں گے وہ سب تیمور برداشت کرے گا۔

جب کبوتر نامہ لے کر چلا گیا تو قراخان تیمور کے پاس آیا اور کہنے لگا، ''اے امیر، یہاں کیوں رُکے ہو، اگر یونہی یہاں بیٹھے رہے تو ساری فوج تباہ ہو جائے گی۔ ہندوستانیوں کو یہ پتہ چل جائے گا کہ تیرے پاس مزید فوج نہیں ہے تو پھر تم جانتے ہو کہ وہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کریں گے، لہٰذا ہمیں آج ہی یہاں سے نکل جانا چاہیے۔'' تیمور نے اس سے پوچھا، ''ہیضہ میں مبتلا سپاہیوں کا کیا کریں؟'' قراخان بولا، ''وہ بھی زخمیوں کے ساتھ یہیں رہیں گے اور اگر صحت یاب ہو گئے تو ہم سے آملیں گے۔''

جب زخمیوں اور ہیضہ کے مرض میں مبتلا سپاہیوں کے ٹھہرنے کا معاملہ طے پا گیا تو تیمور نے سارے شہر میں منادی کرا دی کہ اگر ان کے زخمیوں اور بیماروں کو نقصان پہنچایا گیا تو شہر کے ضمانتیوں کو قتل کر دیا جائے گا۔ پھر عصر کے وقت تیمور اپنی باقی فوج کے ساتھ شہر سے نکل گیا اور جس راستے سے آیا تھا، اسی سے واپس لوٹ گیا۔ چونکہ تیمور کے زخم ابھی پوری طرح ٹھیک نہ ہوئے تھے اس لیے جراح نے اسے گھوڑے پر سوار نہ ہونے دیا اور مجبوراً اسے تخت رواں پر بیٹھنا پڑا۔ شہر کے ضمانتیوں اور ملّا اقبال اور محمود خلجی کے خزانوں کو آگے آگے لے جایا گیا اور تیمور اپنے سرداروں کے ساتھ پیچھے چل پڑا۔

تیمور جانتا تھا کہ اس راستے میں خوراک اور گھوڑوں کے لیے گھاس وغیرہ دستیاب نہیں ہے کیونکہ جو کچھ تھا وہ انہوں نے دہلی جاتے ہوئے استعمال کر لیا تھا۔ اسی وجہ سے انہوں نے مہیا کردہ راشن لے جانے والے دستے بھی آگے روانہ کر دیئے تاکہ وہ خوراک کا بندوبست کرنے کے لیے اردگرد کے علاقوں سے اشیاء جمع کریں اور ان کے راستے والے علاقوں میں منتقل کر دیں۔ تیمور کو یہ بھی معلوم تھا کہ جب وہ دلدل والے علاقے میں پہنچ جائیں گے تو خوراک کا بندوبست کرنے والے ان سے نہ مل سکیں گے کیونکہ ایسی صورت میں وہ دلدل میں دھنس جائیں گے، لہٰذا ضروری تھا کہ فوج کے پہنچنے سے پہلے وہ راستے سے ہی خوراک تیار کر لیں۔

جب وہ لوگ قلعہ جومبہ پہنچے تو تیمور تخت رواں سے اتر کر گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ جیسا کہ انہیں معلوم تھا کہ اس جگہ سانپوں کی کثرت ہے، اس لیے انہوں نے اپنی فوجی قیام گاہ قائم کرنے کے بعد اس کے اردگرد آگ روشن کر دی تاکہ سانپوں کے کاٹنے سے محفوظ رہیں۔ اگلے روز وہ قلعہ جومبہ کی ویران حدود سے نکل کر قلعہ لُونے کی طرف روانہ ہو گئے اور اس طرف جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے، ہاتھیوں کی گزرگاہ واقع تھی۔ تیمور نے قلعہ کے حالات معلوم کرنے کے لیے جو دستہ روانہ کیا تھا، اس نے آکر مطلع کیا کہ قلعہ لُونے میں ابھی تک فوج موجود ہے، لہٰذا انہیں یا تو اس کا چکر کاٹ کر جانا پڑے گا یا پھر جنگ کر کے اسے قبضہ میں کرنا ہو گا۔

دہلی سے کوچ کرنے کے بعد پہلے اور دوسرے روز تیمور کے سپاہی ہیضہ کے باعث گرتے رہے تاہم چوتھے روز مریضوں کی تعداد کم

ہونے لگی اور قلعہ لُونے کے قریب پہنچنے کے بعد کوئی سپاہی اس کا شکار نہ ہوا۔ تیمور سمجھ گیا کہ اس وبائی مرض کی وجہ دہلی کی آب وہوا تھی اور اس کی حدود سے نکلنے کے بعد وہ اس وباء سے بھی محفوظ ہو گئے تھے۔ جن دنوں وبائی مرض تیمور کی فوج کے سپاہیوں کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے تھا تو تیمور سے کہا گیا کہ وہ بیمار سپاہیوں سے خود کو دُور رکھے اور جہاں مرض میں مبتلا سپاہی ہیں، وہاں نہ جائے کیونکہ ایسی صورت میں وہ بیمار پڑ جائے گا مگر تیمور ہمہ وقت وبائی مرض میں مبتلا سپاہیوں کے درمیان رہنے کے باوجود بیماری سے محفوظ رہا۔

ہندوؤں نے تیمور کو بتایا تھا کہ موسم برسات جسے ہندوستان میں مون سون کہتے ہیں، شروع ہونے والا ہے۔ پھر ایسا محسوس ہوگا جیسے آسمان سے بارش کا دروازہ کُھل گیا ہو۔ دن رات پانی برسے گا۔ دوسرے ملکوں میں بارش کا موسم، خزاں اور سرما میں ہوتا ہے لیکن ہندوستان میں بارش کا موسم، موسم گرما میں ہی شروع ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کے لوگ دوسرے ملکوں کے لوگوں کی نسبت بارش سے خوب لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بارش کی وجہ سے موسم میں خنکی اور اعتدال آ جاتا ہے۔

دہلی سے چلنے کے بعد تیمور اور اس کے سپاہی گرم موسم سے پریشان تھے اور خواہش کر رہے تھے کہ بارش ہو تا کہ موسم معتدل ہو جائے تاہم تیمور یہ بھی جانتا تھا کہ بارش ہونے سے ان کے سفر میں تعطل آ جائے گا یا پھر انہیں رفتار کم کرنا پڑے گی۔ اگرچہ ہندوستان کی بارش مسلسل کئی روز تک جاری رہتی ہے تاہم چونکہ مسلسل نہیں ہوتی، لہٰذا وہ اپنا سفر وقفوں وقفوں سے جاری رکھ سکتے تھے۔

جب وہ لوگ قلعہ لُونے پہنچے تو دُور سے ہی تیمور کی نظر قلعہ کے برج پر رکھے ایک انسانی سر اور اس کے ساتھ موجود ایک پھولے ہوئے جسم پر پڑی۔

اگرچہ گردشِ ایام کے سبب سر کی ہیئت تبدیل ہو چکی تھی، پھر بھی تیمور نے پہچان لیا کہ وہ اس کے سب سے چھوٹے بیٹے سعد وقاص کا سر ہے تاہم اس وقت اسے یہ پتہ نہ چل سکا کہ سر کے ساتھ جو پھولی ہوئی شے ہے وہ کیا ہے! بعد میں معلوم ہوا کہ قلعے والوں نے تیمور کے بیٹے کی کھال میں بُھس بھر کر اسے پُھلا دیا تھا اور پھر اسے سر کے ساتھ رکھ دیا تھا۔

اپنے بیٹے کا سر اور اس کی پھولی ہوئی لاش دیکھ کر تیمور کی جو حالت ہوئی وہ بیان سے باہر تھی۔ اگرچہ وہ ہمیشہ اس بات کی توقع کرتا تھا کہ اس کے بیٹے کسی بھی وقت میدان جنگ میں مارے جائیں گے، جیسا کہ وہ خود اپنے بارے میں بھی یہ توقع رکھتا کہ کسی دن جنگ میں موت کو گلے لگا لے گا۔ اس کے نزدیک ایک بہادر سپاہی کی میدان جنگ میں موت معمولی بات تھی لیکن اسے اس بارے میں کوئی اندازہ نہ تھا کہ اگر کبھی اس کے سامنے اس طرح اس کے بیٹے کا کٹا ہوا لاوارث سر اور بھوسا بھر کر پھلایا گیا جسم سامنے آیا تو اس کی کیا حالت ہو گی۔

تیمور کا خیال تھا کہ قلعہ لُونے کے نگران میں اتنی تو عقل ہو گی کہ وہ اس کے بیٹے کو قتل کرنے کے بعد ایک شہزادے کی طرح دفن کر دے گا نہ کہ گِدھوں اور دوسرے جانوروں کو اس کے بیٹے کی آنکھیں اور دوسرے اعضاء نوچنے کی دعوت دے ڈالے گا تاہم قلعہ لُونے کے نگران کارتار نے تیمور کے بیٹے کی لاش کا کوئی احترام نہ کیا بلکہ اس میں بُھس بھر کر پھینک دیا۔ اس سب کو دیکھ کر تیمور کی حالت بے حد خراب ہوئی مگر اس کا سبب یہ نہ تھا کہ اس کا بیٹا قتل ہو گیا تھا بلکہ اس کی وجہ اس کے مرنے کے بعد اس کی لاش کے ساتھ ہوئی بے حرمتی تھی۔

اس وقت تک تیمور کو یہ تفصیلات معلوم نہ تھیں کہ اس کے بیٹے کو کس طرح قتل کیا گیا، اس نے اس بارے میں تحقیق سے قبل حکم دیا کہ قلعے کے گرد موجود تمام درخت گرا کر سپاہیوں اور گھوڑوں کے قیام کے لیے محفوظ جگہ تیار کی جائے تا کہ بارش کی صورت میں ان کے لیے پناہ گاہ موجود ہو۔

جس وقت وہ لوگ پناہ گاہ تیار کر رہے تھے تو قلعے کی دیوار پر ایک شخص نمودار ہوا اور کچھ بولتا رہا، ترجمان نے بتایا کہ وہ شخص کہہ رہا ہے، ''اے امیر تیمور! یہاں پڑاؤ نہ ڈال اور یہاں سے چلا جا ورنہ تُو بھی اپنے بیٹے کی طرح عبرتناک موت مرے گا اور ہم تیری کھال میں بھی بھوسہ بھر کر لٹکا دیں گے۔''

تیمور نے اپنے سرداروں سے کہا کہ پناہ گاہوں کا کام جلد از جلد مکمل کرائیں تا کہ قلعہ لُونے پر حملہ کیا جا سکے، اس کے ساتھ ہی انہیں تاکید کی کہ شب خون کے حوالے سے ہوشیار رہیں اور رات کے وقت چھاؤنی کے اردگرد آگ ضرور جلائیں اور جس قدر ممکن ہو آگ جلائیں تا کہ جنگلی ہاتھیوں کو، جو اس علاقے میں بکثرت موجود تھے، آگ ڈراتی اور چھاؤنی میں داخل ہونے سے روکے رکھے۔

اسی دوران ہندوستان کے موسم برسات کا آغاز ہو گیا۔ بارش کا پانی اس طرح برس رہا تھا جیسے طوفان نوح ہو۔ تیمور اور اس کے سپاہی بارشوں کی وجہ سے بے حد پریشان تھے مگر جنگلی ہاتھیوں کو اتنا ہی مزہ آ رہا تھا اور وہ اپنی خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ بارشوں سے قبل دن کے وقت ہاتھیوں کی آواز سنائی نہ دیتی مگر برسات کے آتے ہی وہ دن میں بھی خوب زور زور سے آوازیں نکالتے اور جھومتے رہتے۔ چونکہ وہ لوگ حالت جنگ میں تھے اس لیے تیمور نے اپنے سپاہیوں کو ہاتھیوں کے شکار سے منع کر دیا تھا، نیز ہاتھیوں کا شکار دلدلی علاقوں کے باعث ویسے بھی ممکن نہ تھا۔ دن کے وقت کچھ وقت کے لیے بارش رُک جاتی تو آسمان روشن ہو جاتا۔ آسمان پر قوس قزح نمودار ہو جاتی لیکن تھوڑی ہی دیر میں بارش دوبارہ شروع ہو جاتی۔ بارشوں کے باوجود رات کے وقت مرغابیاں گزرتی رہتیں اور تیمور کے سپاہی صبح تک ان کی آوازیں سنتے رہتے۔

انہوں نے چونکہ گھوڑوں کے لئے پناہ گاہ تیار کر لی تھی اس لئے بارش سے محفوظ تھے تاہم جنگی کام مسلسل بارش کی وجہ سے رُک گئے تھے اور وہ قلعہ لُونے پر حملہ نہ کر سکتے تھے۔ جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے قلعہ لُونے ایک پتھریلے ٹیلے پر واقع تھا اس لئے اس میں سنگ تراشوں کی مدد کے بغیر سُرنگ بنانا ممکن نہ تھا بلکہ سنگ تراش بھی اس کام کو سالوں بعد ہی مکمل کر سکتے تھے۔ تیمور کے نزدیک کوئی قلعہ ایسا نہ تھا جسے اپنے قبضے میں نہ کیا جا سکتا ہو، اس کے خیال سے جو لوگ قلعوں کے پیچھے محصور ہو جاتے ہیں وہ بالآخر بھوک اور فاقوں سے تنگ آ کر جھکنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ تیمور ہندوستان میں طویل مدت تک قیام کا ارادہ نہ رکھتا تھا بلکہ اس کا ارادہ واپس پہنچ کر ملک روم کی طرف جانے کا تھا۔ (غالباً تیمور موجودہ ترکی کی طرف جانے کا ارادہ رکھتا تھا)۔

درحقیقت تیمور کا ہندوستان میں مزید قیام اس کے لئے خطرناک ہو سکتا تھا اور ممکن تھا کہ ہندوستان کے تمام راجا متحد ہو جاتے اور تیمور کے خلاف ایک مشترکہ فوج جمع کر لیتے۔ تیمور اگرچہ ان چیزوں سے ڈرتا نہ تھا مگر احتیاط کا دامن بھی نہ چھوڑتا تھا۔ کیونکہ اس کے نزدیک اگر ایک دلیر آدمی دور اندیش نہ ہو تو کسی نہ کسی مرحلے پر شکست کھا جاتا ہے۔ اس لئے ضروری تھا کہ وہ جلد از جلد قلعہ لُونے پر قبضہ کر کے اسے مسمار کرتا اور وہاں سے روانہ ہو جاتا۔ بارشوں کی وجہ سے جنگی کام رُکے رہنے کے باوجود تیمور نے اپنی فوج کے ترکھانوں کو پناہ گاہوں کے اندر ہی منجنیقیں تیار کرنے کا

حکم دے رکھا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ قلعہ لُونے پر قبضے کے لئے ان منجنیقوں کا استعمال ضروری تھا۔

دن کے وقت بارش رُک جاتی تو بے شمار طوطے پرواز کرتے نظر آتے، کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ کدھر سے آتے اور کہاں جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ بارش رُکنے پر بے شمار بندر بھی درختوں پر اُچھل کود شروع کر دیتے اور درختوں سے ہوتے تیمور کے سپاہیوں کے نزدیک پہنچ جاتے۔ وہ لوگ جانتے تھے کہ بندر ان کی خوراک حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے وہ بندروں کو تیروں سے نشانہ بنا دیتے جیسے ہی ایک بندر تیر کھا کر نیچے گرتا تو باقی سب بندر بھاگ کھڑے ہوتے۔ ہندو چونکہ اپنے عقائد کے سبب جانوروں کو نہ مارتے تھے اس لئے اس علاقے میں بندروں کی بہتات تھی۔ بندروں اور طوطوں کی وجہ سے کوئی جنگلی پھل نظر نہ آتا تھا کیونکہ سارے پھل طوطے اور بندر کھا جاتے تھے بلکہ بعض اوقات تو فصلوں پر ٹوٹ پڑتے اور انہیں بھی چٹ کر جاتے۔ انہیں روکنا ناممکن تھا۔ الغرض ہندوستان میں بندروں کا حملہ ٹڈی دل کے حملے کی طرح تھا۔

ہندوستان کی وہ بارشیں دیکھ کر تیمور کو اندازہ ہوا کہ ان بارشوں کو دیکھے بغیر کوئی شخص ہندوستان کی مون سُون سے آگاہ ہی نہیں ہو سکتا۔ اسے بتایا گیا کہ ہندوستان میں سب جگہ بارشیں اتنے تواتر سے نہیں ہوتیں اور بعض مقامات پر صورتحال بہتر ہوتی ہے تاہم جس علاقے میں تیمور اور اس کے سپاہی رُکے ہوئے تھے وہاں مسلسل ایک ماہ تک طوفانی بارشیں ہوئیں۔ اگرچہ دن میں کچھ وقفوں کیلئے بارش رُک جاتی تاہم اس دوران فوج کشی ناممکن تھی۔ قلعہ لُونے چونکہ ٹیلے پر واقع تھا اس لئے ٹیلے پر برسنے والا پانی اوپر سے نیچے بہہ کر ان کی فوجی چھاؤنی کی طرف آتا تھا۔ تیمور کی فوج کے معمار شیر بہرام اروازی نے بارشوں کی آمد کے ساتھ ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ ٹیلے سے پانی بہہ کر ان کی چھاؤنی کی طرف آئے گا، اس لئے اس نے چھاؤنی کے آگے ایک بند تعمیر کر دیا تھا تاہم یہ پانی بہتا ہوا جنگل میں چلا جاتا اور وہاں سیلاب کی صورت اختیار کر لیتا۔ جنگلی ہاتھی اس سے خوب لطف اُٹھاتے اور غوطے لگاتے رہتے۔

تیمور جانتا تھا کہ مسلسل بیکار بیٹھے رہنے سے سپاہی سُستی اور کاہلی کا شکار ہو جائیں گے اس لئے اس نے انہیں حکم دیا تھا کہ پناہ گاہوں کے اندر ہی تلوار بازی اور دیگر جنگی مشقیں انجام دیتے رہیں۔ جب بارش تھم جاتی تو وہ اپنے گھوڑوں کو بھی باہر نکال کر گھماتے پھراتے کیونکہ انہیں پتہ تھا کہ اگر گھوڑے چلنے پھرنے کے عادی نہ رہیں تو پھر سُست ہو جاتے ہیں اور راستہ طے کرنا ان کیلئے بھی دشوار ہو جاتا ہے، ایسے گھوڑے کا دو کوس فاصلہ طے کرتے ہی سانس اُکھڑنے لگتا ہے۔

بہر حال مسلسل تیس روز برسنے کے بعد بارش تھم گئی حالانکہ اس کے تیور دیکھ کر لگتا تھا کہ جیسے وہ کبھی بھی نہ رُکے گی۔ بارش رُکی تو انہیں آسمان پر ستارے نظر آئے۔ اس رات مرغابیوں کے گزرنے کی آوازیں بھی سنائی نہ دیں۔ جو ہندو ان کے ساتھ تھے انہوں نے بتایا کہ یہ مون سُون ختم ہونے کی نشانیاں ہیں لہٰذا اب بارش نہ ہوگی۔ بارشوں کے مسلسل سلسلے کی وجہ سے تیمور دہلی کی صورتحال سے بے خبر رہا کیونکہ اس دوران نہ تو کوئی قاصد وہاں سے آیا اور نہ ہی کوئی کبوتر وغیرہ ہی پہنچ سکا۔ تیمور کو اس بارے میں کوئی خبر نہ تھی کہ دہلی میں انہوں نے جن سپاہیوں کو بیمار حالت میں چھوڑا ہے وہ مر گئے ہیں، صحت یاب ہو گئے ہیں یا ہندوؤں نے انہیں قتل کر دیا ہے۔ اگرچہ ہندوؤں کے ضمانتی افراد ان کے ساتھ تھے اور محافظ دن رات ان ضمانتیوں کی نگرانی کر رہے تھے تاہم دہلی کی صورتحال سے عدم آگاہی تیمور کو پریشان کر رہی تھی۔ قلعہ لُونے کے نگران کارتار کو بھی علم ہو چکا تھا کہ ملا

اقبال اور سلطان محمود خلجی تیمور کی قید میں ہیں اگر چہ قلعہ لونے پہنچتے ہی تیمور نے ملا اقبال کے ذریعے کارتار کو پیغام بھجوا دیا تھا کہ وہ اطاعت قبول کر لے مگر اس نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ وہ مقابلہ کرے گا۔

جس رات تیمور کو مون سُون ختم ہونے کی خوشخبری ملی تو اس نے اسی وقت اپنے سرداروں کو طلب کیا اور انہیں جنگ کے منصوبے کے بارے میں اچھی طرح آگاہ کرتے ہوئے کہا کہ کل صبح ہی قلعہ پر حملہ کر دیا جائے۔ تیمور نے انہیں بتایا کہ ہمارا طریقہ کار وہی ہوگا جو ہم نے دہلی کے قلعہ میں اختیار کیا تھا۔ یعنی بغیر کسی توقف کے بارود کی مدد سے قلعہ لونے کی فصیل کو اُڑا دیا جائے۔ بارود استعمال کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ فصیل کے نیچے تین گڑھے کھودے جائیں اور پھر ان میں بارود کے ڈھیر بھر کر انہیں آگ لگا دی جائے۔ تیمور نے اپنے سرداروں کو بتایا کہ ممکن ہے قلعہ کے پہرے داران پر فصیل کے اوپر سے اُبلتا ہوا تیل یا پگھلا ہوا سیسہ پھینکیں۔ اس صورت میں انہیں یہ کرنا تھا کہ فصیل کے اوپر موجود لوگوں کو فوراً منجنیقوں سے نشانہ بناتے اور اس شدت سے پتھر برساتے کہ پہرے داروں کو اپنا ہاتھ بلند کرنے کی بھی مہلت نہ ملتی پتھر یا دوسری اشیا پھینکنے کی بات تو دُور کی تھی۔ اس قلعہ کے گرد پہلا محاصرہ کرنے پر ہی تیمور نے یہ بات جان لی تھی کہ قلعے کی فصیل میں ایسی خفیہ گزرگاہیں نہیں ہیں جن سے دشمن سپاہی بغیر نظر آئے حملہ آور فوج پر مختلف اشیاء پھینک سکیں۔ چنانچہ قلعہ کے محافظوں کو حملہ آوروں پر کھولتا ہوا پانی یا دوسری اشیاء پھینکنے کے لئے دیوار پر خود کو ظاہر کرنا پڑتا تھا اور تیمور کے سپاہی ان پر منجنیقوں کے ذریعے پتھر برسا کر ان کی رفتار کم کر سکتے تھے۔ تیمور کے منصوبے کے مطابق اس کے کچھ سپاہیوں کو منجنیقوں کے ذریعے پتھر برسا کر محافظوں کو دیوار پر آنے سے روکے رکھنا تھا، جبکہ دیگر سپاہی فصیل کے نیچے گڑھے کھودنے کا کام انجام دیتے اور ساتھ ہی کچھ سپاہی یہ ناٹک کرتے کہ جیسے سیڑھیوں کے ذریعے وہ فصیل کے اوپر چڑھنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس طرح قلعے کے محافظوں کی توجہ بٹ جاتی اور وہ اپنی قوت کو ایک جگہ مرتکز نہ کر پاتے۔

جب سرداروں کے ساتھ صلاح مشورہ مکمل ہو گیا تو تیمور نے انہیں منجنیقوں کو قلعے کے باہر مقررہ جگہ پہنچانے کی ہدایت کر کے رخصت کر دیا۔ تیمور کے معماروں نے جو منجنیقیں تیار کی تھیں وہ اس قدر بڑی تھیں کہ انہیں مکمل صورت میں ٹیلے کے اوپر لے جانا ممکن نہ تھا اس لیے تیمور کے سپاہی انہیں الگ الگ حصوں کی صورت میں ٹیلے پر لے جا کر باہم منسلک کر رہے تھے۔ تیمور جانتا تھا کہ کم فاصلے تک پتھر پھینکنے والی منجنیقیں کارگر نہ ہوں گی اسی لیے اس نے حکم دیا تھا کہ بھاری پتھر دُور تک پھینکنے کی صلاحیت رکھنے والی بڑی منجنیقیں تیار کی جائیں۔ منجنیقوں کے پتھر پھینکنے والے حصے اس قدر روزنی تھے کہ انہیں نیچے لانے اور پتھر بھر کر دوبارہ اصل پوزیشن میں لانے کیلئے پچاس آدمیوں کو مل کر زور لگانا پڑتا تھا۔

جب دن نکل آیا تو تیمور کے کھدائی کرنے والے سپاہی جنہیں مختلف گروہوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا، ٹیلے پر چڑھ کر فصیل کے پاس پہنچ گئے اور اس کے ساتھ ہی دوسرے سپاہیوں نے منجنیقوں سے بھاری پتھروں سے قلعے پر موجود لوگوں کو نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ قلعہ کی فصیل کے نیچے کھدائی کرنے والے سپاہی بے حد خطرے سے دوچار تھے کیونکہ ایک طرف تو قلعہ کے محافظ ان پر پتھر پھینک رہے تھے اور دوسری طرف ان کے ساتھیوں کی منجنیقوں سے برسائے گئے بھاری پتھر قلعے کی فصیل سے ٹکرا کر ان پر آ گرتے اور انہیں کچل ڈالتے۔ مگر ان کے پاس اس کے سواء کوئی چارہ نہ تھا کہ قلعے کی دیوار کے نیچے گڑھے کھود کر بارود کی مدد سے اسے مسمار کر دیتے اور قلعہ کے اندر داخل ہونے کا راستہ بنا پاتے۔

قلعہ لونے کی جنگ سے متعلق تفصیلات سے قطع نظر کرتے ہوئے یہ بتانا ضروری ہے کہ جنگ کے تیسرے روز تیمور کے آدمی قلعے کی فصیل میں دو مقامات پر شگاف ڈالنے میں کامیاب ہو گئے۔اس روز تیمور زرہ بکتر اور آہنی خود پہن کر جنگ کیلئے تیار ہو گیا۔اگرچہ اس کے سرداروں نے اسے لڑائی کیلئے خود آگے جانے سے ہر ممکن روکا مگر اس نے یہ کہہ کر رُکنے سے انکار کر دیا،''اگر میں اپنے بیٹے کا بدلہ نہیں لونگا، تو کون لے گا؟'' جب فصیل کے کچھ حصے مسمار ہو گئے تو تیمور اپنے سپاہیوں کے آہن پوش دستے کے ساتھ قلعے کی دیوار کے مشرقی حصے میں ہونے والے شگاف سے داخل ہو گیا۔جب وہ لوگ قلعے میں داخل ہوئے تو ان پر تیروں کی برسات کر دی گئی مگر تیمور اپنے ساتھیوں کے ساتھ تیروں کی پرواہ کیے بغیر آگے بڑھتا چلا گیا۔پھر قلعے کے محافظوں میں سے پہلے دستے نے ان کا راستہ روک لیا،ان میں سے ایک آدمی چلایا ''تیمور!'' اور پھر کچھ اور بھی کہا مگر چونکہ وہ ہندی میں کہہ رہا تھا اس لیے تیمور یہ نہ جان سکا کہ وہ شخص کیا کہہ رہا ہے۔وہ اس کے منہ سے نکلنے والا الفاظ میں اپنا نام ہی جان سکا، البتہ تیمور کو یہ اندازہ ہو گیا کہ وہ شخص اس کی طرف حملہ کرنے سے متعلق کچھ کہہ رہا ہے۔

تیمور اپنے دونوں ہاتھوں سے لڑ رہا تھا، یعنی دائیں ہاتھ سے تلوار اور بائیں ہاتھ سے کلہاڑا چلاتے ہوئے دشمن سپاہیوں کا مقابلہ کر رہا تھا۔اس کے اردگرد اس کے سپاہی موجود تھے جو صرف ایک ہاتھ سے لڑ رہے تھے۔جنگ کے پہلے ہی لمحے میں تیمور نے جان لیا کہ دشمن طاقت ور ہے اور انہیں دشمن کو زیر کرنے کے لیے کافی سپاہیوں کی قربانی دینا پڑے گی۔چنانچہ اس نے اپنے کچھ ساتھیوں کو پیچھے روانہ کر کے قراخان کو پیغام بھجوایا۔کہ جس قدر ممکن ہو سپاہیوں کو اسکی مدد کیلئے قلعے کے اندر بھیج دے۔قلعہ کے اندر جنگ شروع ہوئے ایک گھنٹہ گزرنے پر تیمور کے ہزاروں سپاہی اندر داخل ہو چکے تھے۔تیمور قدم بہ قدم اردگرد موجود سپاہیوں کے ساتھ قلعہ کے مرکزی مقام کی طرف بڑھ رہا تھا، کیونکہ اس کے خیال میں کارتار کو وہیں ہونا چاہیے تھا۔تاہم ابھی وہ اس مقام تک نہ پہنچے تھے کہ قلعے کے محافظوں کا ایک اور دستہ ان کے مقابلے پر آ گیا۔ان میں سے بھی ایک آدمی چلایا ''تیمور'' اور پھر ہندی زبان میں کچھ کہنے لگا۔تیمور نے دیکھا کہ وہ شخص اس کی طرح لمبے قد کا آدمی تھا اور اس کی گھنی لمبی مونچھیں تھیں۔تیمور نے بلند آواز سے کہا،''میں ہوں تیمور'' وہ گھنی لمبی مونچھوں والا شخص اپنی طرف اشارہ کر کے بولا،''کارتار!'' تیمور سمجھ گیا کہ وہی قلعہ کا نگران کارتار ہے اور وہ تیزی سے اس کی طرف لپکا۔

تیمور کے قریب پہنچتے ہی کارتار نے اپنی تلوار سے اس پر بھرپور وار کرنا چاہا مگر جواب میں تیمور نے اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑے کلہاڑے سے کارتار کی بازو پر اس زور کا وار کیا کہ تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گری اور اس کی بازو جیسے بیکار ہو گئی ہو۔اگلے ہی لمحے تیمور کی تلوار کارتار کے چہرے پر پڑی اور اس نے کارتار کے پورے چہرے کو چیر کر رکھ دیا اور اس سے خون پھوٹ نکلا۔کارتار زمین سے کچھ اٹھانے کے لیے نیچے جھکا تا کہ اس سے تیمور کو نشانہ بنا سکے مگر تیمور کا کلہاڑا پہلے ہی اس کا نشانہ لے چکا تھا اور کلہاڑے کا دوسرا وار کارتار کی کمر پر اس زور سے پڑا کہ تیمور کو اسے واپس نکالنے کیلئے بے حد زور آزمائی کرنا پڑی۔جب تیمور کا کلہاڑا اس شخص کی کمر سے باہر نکل آیا تو اس نے دیکھا کہ اس کے مدمقابل کے بدن میں اب کسی طرح کی کوئی حرکت باقی نہ رہی تھی۔تیمور جان گیا کہ اس کی ریڑھ کی ہڈی کٹ گئی ہے۔ریڑھ کی ہڈی انسانی بدن کا ایسا نازک حصہ ہے کہ اگر وہ کٹ جائے تو وہ انسان کو پلک جھپکنے میں مفلوج کر کے رکھ دیتا ہے اور انسان زندہ بھی ہو تو حرکت کرنے کے قابل نہیں رہتا۔

تیمور نے کارتار کی ایک ٹانگ پکڑی اور اسے زمین پر گھسیٹتا ہوا لے گیا۔ جب اس کے سپاہیوں نے اسے ایک مُردہ جسم کو یوں گھسیٹتے ہوئے دیکھا تو وہ بے حد حیران ہوئے، کیونکہ وہ تیمور کو ایسی حرکت کرتے دیکھ رہے تھے جو اس نے پہلے کبھی نہ کی تھی۔ تیمور کے سپاہی اس کے لیے راستہ چھوڑ رہے تھے اور تیمور کارتار کو گھسیٹتے ہوئے دُور تک لے گیا حتیٰ کہ میدان جنگ سے دُور نکل گیا۔ وہاں تیمور نے ترجمان کو اپنے حضور طلب کیا۔

جب ترجمان اس کے سامنے حاضر ہوا تو تیمور نے اسے کہا کارتار کو ہندی میں آگاہ کر دے کہ تیمور اپنے بیٹے کا بدلہ لینے کے لیے اس کا سر بھی بدن سے الگ کر دے گا اور اس کے بدن میں بُھس بھر دے گا۔ کارتار اگرچہ پھٹی آنکھوں سے تیمور کی طرف دیکھ رہا تھا مگر کوئی جواب دینے سے قاصر تھا، اس کے ہونٹ ہل رہے تھے نہ قوت گویائی باقی تھی۔ تیمور کو اس پر کوئی حیرانی نہ ہوئی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ جب انسان کی ریڑھ کی ہڈی کے مہرے کٹ جائیں تو انسان پلک جھپکانے کے بھی قابل نہیں رہتا، ہونٹ ہلانے یا بات کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دراصل تیمور چاہتا تھا کہ کارتار مرنے سے پہلے جان لے کہ وہ تیمور کے ہاتھوں قتل ہوا ہے اور تیمور نے اپنے بیٹے کے قتل کا بدلہ اسے قتل کر کے لے لیا ہے۔

اس کے بعد تیمور نے اپنی تلوار کے ایک ہی وار سے کارتار کا سر تن سے جدا کر دیا اور اس کے گلے سے اُبلنے والے خون کو چھو کر اپنے بیٹے سعد وقاص کے خون کا حساب چکانے کے لیے حکم دیا کہ کارتار کی کھال ادھیڑ دی جائے اور اس میں بالکل ویسے ہی بُھس بھر دیا جائے جیسے اس نے تیمور کے بیٹے سعد وقاص کے بدن میں بھروایا تھا۔

جب قلعہ لُونے میں جنگ کا خاتمہ ہوا تو اس وقت قلعہ کے محافظوں میں سے صرف دو سو چھ آدمی زندہ باقی رہ گئے تھے، باقی سب تیمور کے سپاہیوں کے ہاتھوں قتل ہو گئے۔ تیمور نے حکم دیا کہ تمام دشمن سپاہیوں کے سرتن سے جدا کر کے ان کے سروں کا مینار بنا دیا جائے اور قلعے کے نگران کارتار کا سر اور بُھس بھرا بدن اس مینار کے اوپر رکھ دیا جائے۔ تیمور نے اپنے بیٹے کا سر اور اس کا بدن وہیں قریب ہی زمین میں دفن کرا دیا اور فوج کے معمار نے وہاں اس کا مقبرہ تعمیر کر دیا۔

تیمور نے حکم دیا کہ آس پاس کے تمام ہندوؤں کو قلعہ لُونے کی دیواریں مسمار کرنے کی بیگار پر لگا دیا جائے تا کہ دوبارہ وہ قلعہ کبھی اس کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکے۔ جب ہندو قلعہ لُونے کی دیواریں گرانے میں مصروف تھے تو تیمور نے دہلی سے ہاتھ لگا مال غنیمت قندھار اور کابل کے راستے کیش روانہ کر دیا۔

قلعہ لُونے سے واپسی کے بعد تیمور کو نومسلم پاریاؤں کے لیے اسلامی ممالک اور ہندوستان کے مسلم آبادی والے علاقوں میں سکونت کا بندوبست کرنا تھا۔ جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے، ہندوؤں کے اچھوتوں کے طبقے سے تعلق رکھنے والے ان پاریاؤں میں اسلام قبول کر لینے کے بعد اتنی ہمت نہ تھی کہ ہندوؤں کے درمیان رہتے ہوئے ہی زندگی بسر کر سکیں۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر وہ وہاں رہ گئے تو ہندو انہیں قتل کر ڈالیں گے۔ چنانچہ تیمور نے بھی انکی بھلائی اسی میں سمجھی کہ انھیں ہندوستان کے مسلم آبادی والے حصوں میں آباد کر دیا جائے، جہاں انہیں کھیتی باڑی کے لئے قطعہ زمین دیئے جائیں۔ وبائی امراض تیمور کے اس ارادے میں رکاوٹ بن گئے کہ وہ ہندوستان میں مزید قیام کر کے ہندوؤں کو اسلام قبول کرنے پر مائل کرتا اور نو مسلم پاریا لوگ اپنے ہی لوگوں میں آزادانہ زندگی بسر کر پاتے۔ تاہم اس نے ان پاریا لوگوں کو مسلم آبادی والے علاقوں میں آباد کر کے انھیں جان

کے خطرے سے نجات دلادی۔ تیمور نے ان نومسلموں کو دی جانے والی اراضی کی قیمت ادا کردی اور کوئٹہ کے سلطان عبداللہ ولی الملک کو ہدایت کی کہ وہ ان نومسلم لوگوں کا پورا دھیان رکھے اور ان پر کسی طرح کی زیادتی نہ ہونے دے۔ نیز ان کی دینی تربیت کیلئے مذہبی راہنماؤں کو بھی مقرر کرے۔

ملک غور کے حکمران ابدال کلزئی اور اس کے سپاہیوں نے ہندوستان کی جنگوں میں بے حد دلیری کا مظاہرہ کیا اور تیمور کا بھرپور ساتھ دیا تھا، اسی لئے تیمور نے انہیں انکا لوٹا ہوا مال غنیمت پورے کا پورا عطا کر دیا اور ان سے کچھ واپس نہ لیا۔

چوبیسواں باب

ملک شام کی لڑائی اور اس کے شہروں پر قبضہ

ہندوستان سے واپسی پر تیمور موسم بہار کے پہلے ہی روز کابل پہنچ گیا تاہم وہاں قیام کیے بغیر ہی اپنے ملک کی طرف روانہ ہو گیا اور اٹھارہ روز بعد شہر کیش میں پہنچ گیا۔ جب وہ اس خوبصورت شہر میں داخل ہوا، جسے اس کے حکم سے دوبارہ تعمیر کیا گیا تھا تو اسے یوں محسوس ہوا کہ جیسے وہ جنت میں آ گیا ہو۔

اگرچہ ابھی بہار کے پھولوں کا موسم نہ تھا، لیکن پھر بھی ہر طرف سبزہ نظر آ رہا تھا اور راستوں کے دونوں طرف لگائے گئے درخت تناور بن چکے تھے۔ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے، تیمور چاہتا تھا کہ اس کے آبائی شہر کے لوگ پرسکون زندگی بسر کریں اور اس شہر میں کوئی محتاج نظر نہ آئے۔ اس لئے تیمور نے شہر بھر میں ایک بار پھر تحقیق کی کہ آیا وہاں کوئی شخص ضرورت مند تو نہیں اور لوگوں کو کس طرح کا طرز زندگی میسر ہے۔ تاہم اسے پتہ چلا کہ شہر کے لوگ پرسکون زندگی بسر کر رہے ہیں اور کوئی ضرورت مند نہیں۔

شہر کی خوبصورتی اور صفائی، تیمور کو وہاں قیام کی دعوت دے رہی تھی، کہ کم از کم سرخ اور زرد کلیوں کے کھلنے تک شہر میں رُکا رہے۔ مگر تیمور نے فوراً خود کو ملامت کی اور اپنے آپ سے کہا، ''کیا تو نے ہندو برہمن کو یہ کہتے نہ سنا تھا کہ تیرے پاس زندگی کے صرف سات برس بچے ہیں؟ کیا تو یہ باقی بچا مختصر وقت غفلت میں گزارنا چاہتا ہے؟ اپنی درمیانی عمر میں، جب تیرے آگے لمبی زندگی پڑی تھی تو تُو نے تن پروری کی خود کو اجازت نہ دی، اور اب جبکہ تُو اپنی عمر کے آخری حصے میں پہنچ گیا ہے تو کیا اسے غفلت میں بسر کرنا چاہتا ہے؟ اس موسم بہار کے بعد تُو صرف چھ اور بہاریں دیکھ سکے گا، اور پھر میدان جنگ میں مارا جائے گا، کیونکہ تیرے جیسا آدمی بستر مرگ پر نہیں مرا کرتا بلکہ میدان جنگ میں مرنا قبول کرتا ہے۔ (تیمور کی یہ آخری خواہش پوری نہ ہو سکی، اس نے اپنی ساری زندگی جنگیں لڑتے اور خطرناک لڑائیاں لڑتے گزاری مگر موت اسے بستر مرگ پر ہی ملی۔)

''اے تیمور اُٹھ اور جو وقت باقی بچا ہے اس کی قدر کر، اور ملک روم کی طرف جانے کی تیاری کر۔ روم۔ جو مغرب میں واقع ہے، اسے مشرق میں اپنے مفتوحہ علاقوں کے ساتھ شامل کر دے، تا کہ تجھے تیری زندگی میں اور بعد از موت ''مشرق و مغرب کا بادشاہ'' کہہ کر پکارا جائے۔ اُٹھ، اور سمرقند جا کر زمین پر دو پتھر نصب کر جو دو چیزوں کی بنیاد کی علامت ہوں۔ ایک پتھر تو عظیم الشان مسجد کی تعمیر کے لئے ہو اور دوسرا پتھر تیرے اپنے مقبرے کی علامت کے لئے! تیرے جیسے انسان کو جسے موت کا کوئی خوف نہیں، اپنا مقبرہ خود تعمیر کرانا چاہیے۔ جو لوگ موت سے ڈرتے ہیں وہ جاہل اور کمزور ہیں۔ یاد رکھ، ''**ھو الذی لاالموت** (یعنی وہ ذات حق ہے جسے موت نہیں ہے)'' یہ بات ہمیشہ تجھے یاد رہی ہے اور تُو اچھی طرح جانتا ہے کہ خدائے بزرگ و برتر کے سواء کوئی ایسی شے نہیں جو باقی رہنے والی ہو۔ حتیٰ کہ ہمیشہ چمکنے والا سورج بھی ایک روز بے نور اور غائب ہو جائے گا۔''

لہٰذا تیمور نے اپنے معمول کے مطابق اس خوبصورت ترین شہر میں بھی، تین روز سے زیادہ قیام نہ کیا اور جیسے ہی شہر کے معاملات سے اسے فراغت ملی تو وہ وہاں سے نکل گیا۔ کچھ دوسرے قصبات اور شہروں کا معائنہ کرنے کے بعد تیمور بہار کے مہینے کے آخری روز سمرقند میں داخل ہو گیا۔ یہاں داخل ہوتے ہی اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ایک عالی شان مسجد تعمیر کرنے کے لئے جگہ منتخب کی اور پھر ایک اور مقام اپنی قبر کے لئے منتخب کیا۔ تیمور نے اپنے مقبرے کی تعمیر کیلئے پہلا پتھر خود اپنے ہاتھوں نصب کیا۔

ان دونوں تعمیرات کیلئے احکامات جاری کرتے ہوئے تیمور نے معمار کو ہدایت کی، ''کوئی شخص یہ نہیں جانتا کہ وہ کب تک زندہ رہے گا اور میری بقیہ زندگی بھی شاید زیادہ نہیں بچی۔ میں اپنی زندگی میں اس مسجد اور اپنے مقبرے کو مکمل ہوتا دیکھنا چاہتا ہوں۔'' معمار بولا، ''مقبرے کی تعمیر میں دو سال سے زیادہ عرصہ نہ لگے گا، تاہم مسجد تعمیر کرنے میں کم از کم چار برس لگ جائیں گے۔'' تیمور نے اس سے کہا، ''میں چاہتا ہوں کہ تو ایسی مسجد تعمیر کرے جو ہزار برس تک قائم و دائم رہے۔'' معمار بولا، ''میں اپنی تمام صلاحیتیں اس کام کیلئے وقف کر دوں گا۔ اور مسجد کی بنیادوں کو ہر ممکن حد تک مضبوط بناؤں گا۔'' ان دونوں عمارات کی تعمیر اور ان کیلئے رقم کا تخمینہ طے کرنے کے بعد تیمور سمرقند سے روانہ ہو گیا اور حسب معمول صحرا میں قائم فوجی چھاؤنی میں قیام کرنے لگا۔

فوجی چھاؤنی میں تیمور کا زیادہ وقت نئی فوج تیار کر کے مغرب کی طرف پیش قدمی کیلئے تیاریوں میں گزرتا تھا۔ اس نے فوج کے ایسے سپاہیوں کو جو زخمی ہونے اور ہندوستان کی طویل مہم سے تھکے ہارے ہونے سبب کے مزید لڑائیوں کیلئے کارآمد نہ تھے، انہیں کھیتی باڑی کیلئے قطعہ اراضی فراہم کر کے فوج سے رخصت دے دی۔ مغرب میں آئندہ پیش آنے والی جنگوں کیلئے تیمور کو ایسے آدمیوں کی ضرورت تھی جو نوجوان اور جذبہ و ہمت کی تازگی سے سرشار ہوتے۔ وہ سپاہی جو ایک عرصے سے تیمور کے ساتھ مختلف جنگوں میں داد شجاعت دیتے آرہے تھے، بخوشی فوج سے الگ ہونے پر تیار ہو گئے اور تیمور سے کہنے لگے کہ وہ اسے باقی عمر دعائیں دیتے رہیں گے کہ اس نے ان کی بقیہ زندگی کیلئے روزگار کا مسئلہ حل کر دیا تھا۔

جوان اور تازہ دم سپاہیوں کے ساتھ سوئے مغرب روانہ ہونے سے پہلے تیمور نے اپنے بیٹے شاہ رُخ کو اپنا جانشین مقرر کیا، اور اسے ہدایت کی کہ شہر کیش کو اپنا پایہ تخت بنائے اور موسم سرما میں سمرقند چلا جایا کرے تاکہ دونوں شہر خوب پھلیں پھولیں اور ترقی کریں۔ تیمور نے اپنے بیٹے شاہ رُخ کو یہ بات ذہن نشین کرائی کہ ہندوستان سے بغداد تک وسیع و عریض ممالک تیمور کی سلطنت میں شامل تھے اور ان سب ممالک کے درمیان کبوتر خانوں کے ذریعے باہمی رابطہ قائم تھا اور یہ کہ دور دراز مقامات سے بھی خبریں بہت کم وقت میں سمرقند پہنچ جاتی تھیں، لہٰذا امور مملکت سے اس کے بے خبر رہنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ تیمور نے اپنے بیٹے شاہ رُخ کو بتایا کہ ہر سلطان کو ایک مصیبت سے خطرہ رہتا ہے اور اگر وہ اس کی غیر حاضری میں ملک کا انتظام بخوبی انجام دینا چاہتا ہے تو اس مصیبت سے خبردار رہے۔

یہ مصیبت، سُستی اور تن پروری تھی۔ کوئی بھی طاقتور انسان ایسے سلطان کو باآسانی شکست دے سکتا ہے جو سُست اور تن پرور ہو چکا ہو۔ تیمور نے شاہ رُخ کو بتایا کہ چالیس سال کی عمر سے لیکر اس وقت تک اس نے شراب کا ایک جام تک نہیں پیا۔ اس نے کبھی کسی دن بھی ایک وقت کی نماز قضا نہیں کی، سوائے اس کے کہ وہ سخت بیمار ہو یا میدان جنگ میں لڑ رہا ہو۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ وہ دو ہفتے سے زیادہ کسی شہر میں قیام پزیر رہے اور

نہ ہی کبھی اپنے سپاہیوں کی جنگی مشقوں کے حوالے سے غافل گیر ہوا تھا۔ ان عادات ہی کی وجہ سے وہ اپنی دولت اور طاقت کو طویل وقت تک کیلئے قائم رکھنے میں کامیاب ہوا تھا اور اسے یقین تھا کہ اگر وہ ان عادات پر قائم رہا تو کوئی بھی انسان کبھی بھی اسے زیر نہ کر سکے گا، یہ الگ بات ہے کہ وہ کسی روز دوران جنگ مارا جائے۔

تیمور نے اپنے بیٹے کو مزید ہدایت کرتے ہوئے کہا، ''اے میرے فرزند، اگر تُو بھی یہ چاہتا ہے کہ تُو اس ملک کا نظام با آسانی چلاتا رہے، جسے میں تیرے حوالے کر کے جا رہا ہوں۔ تو تجھے خود پرستی اور تن پروری کو حرام کر لینا چاہیے تا کہ تجھ پر غلبہ پانے کے خواہش مند کبھی کامیاب نہ ہو سکیں۔ اگر شراب کا ایک جام بھی تیرے ہونٹوں نے چھولیا اور تُو نے ایک رات بھی خوب صورت عورتوں کے ساتھ گزار لی تو، تُو اگلے روز کام کرنے اور اس ملک کو سنبھالنے کے قابل نہ رہے گا جسے میں تیری نگرانی میں دیئے جا رہا ہوں۔ گزشتہ رات کا جام شراب تجھے مدہوش اور بدمست کر دے گا، اور چونکہ تیرے اندر کام کی رغبت نہ رہے گی لہذا تُو مزید شراب اور حسین عورتوں کی صحبت کا خواہش مند ہو گا۔ یوں تیرے دن بھی شراب و شباب کی مستی میں گزرنے لگیں گے۔ مگر یاد رکھ، وہ سب سلطان جنہیں ایک روز ذلت و رسوائی اور شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ دراصل شراب نوشی اور خوب صورت عورتوں کی قربت کے نتیجے میں اس انجام سے دوچار ہوئے۔

کیا تُو نے سنا ہے کہ کوئی کسان یا لوہار زوال کا شکار ہوا ہو؟ نہیں، بلکہ ایک کسان یا لوہار اپنی موت تک کسان یا لوہار ہی رہتا ہے اور کوئی اس سے اسکا پیشہ یا روزی کا ذریعہ نہیں چھین سکتا۔ ایک کسان یا لوہار شراب نوشی اور حسین عورتوں کی صحبت اختیار نہیں کرتا کیونکہ وہ ان تک دسترس ہی نہیں رکھتا۔ لیکن سلاطین اور امیر، ان دونوں چیزوں پر خوب دسترس رکھتے ہیں اور دن بہ دن آرام اور عیش میں وقت گزاری انہیں سست اور تن پرور بناتی جاتی ہے، حتیٰ کہ عیش و عشرت کا رسیا سلطان یا امیر اس قابل بھی نہیں رہتا کہ عیش و عشرت کے مقام سے ایک لمحے کیلئے بھی دور رہ سکے۔

اپنے بیٹے کو یہ نصیحتیں کرنے کے بعد تیمور نے اسے کہا، ''میں مُلا اقبال اور محمود خلجی کو تیرے حوالے کر رہا ہوں۔ ان سے اچھا سلوک کرنا اور انہیں جس چیز کی ضرورت ہو وہ مہیا کرنا۔ اگر تُو دیکھے کہ وہ شراب نوشی یا موج مستی کے خواہشمند ہیں تو انہیں ایسا کرنے سے مت روکنا۔ تجھے پتہ ہونا چاہیے کہ تیرے دشمن جس قدر شراب نوشی کریں اور عورتوں کی صحبت میں رہیں، یہ تیرے لیے اتنا ہی فائدہ مند ہے، کیونکہ شراب نوشی انہیں کسی سنجیدہ کام کی طرف مائل ہونے نہ دے گی۔ میں ان دونوں کو قتل کرانا نہیں چاہتا، کیونکہ عین ممکن ہے مجھے مستقبل میں ان کی ضرورت پڑ جائے۔ میرا نہیں خیال کہ یہ دونوں کسی طرح کی سازش کر سکتے ہیں کیونکہ وہ ہندوستان سے بے حد دُور ہیں، تاہم یہ ممکن ہے کہ دونوں فرار ہو جائیں، اس لئے تجھے اس بارے میں محتاط رہنا ہو گا!''

موسم بہار کے دوسرے مہینے کے آخر میں تیمور ایک لاکھ سپاہیوں کی فوج کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ اس فوج میں کچھ سپاہی تو اسکے پرانے آزمودہ کار اور مختلف جنگوں میں آزمائے ہوئے تھے، جبکہ کچھ بالکل نئے اور جوان سپاہی تھے۔ تیمور نے ہر نئے سپاہی کو پرانے تجربہ کار سپاہی کی نگرانی میں دیدیا تھا تا کہ وہ اسے تربیت دیکر جنگوں کیلئے بھرپور تیار کر سکے۔

تیمور نے اس بار بھی خراسان سے گزرنے والے راستے کا انتخاب کیا، کیونکہ وہ اس راستے کو اچھی طرح جانتا تھا اور اسکی ریاست میں

شامل دیگر شاہراہوں کی طرح اس راستے پر بھی جگہ جگہ کبوتر خانے بنے ہوئے تھے۔ ایک بار پھر وہ طوس کے شہر سے ہوتا ہوا رے کی طرف بڑھ گیا۔ راستے میں مقامی امراء اور حکمران اس کے استقبال کو آئے اور اسے تحفے تحائف پیش کیے۔ ان امراء میں سے کچھ نے تیمور کی اجازت سے اپنے جوان بیٹوں کو اس کی فوج میں شامل کیا تا کہ وہ تربیت حاصل کریں اور جنگی امور کو سیکھ سکیں۔ تیمور نے ان مقامی حکمرانوں کو اچھی طرح خبردار کرتے ہوئے کہا کہ ''میں خود اپنے بیٹوں کو جنگ میں قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتا، لہٰذا تم لوگوں کو بھی یہ توقع نہیں رکھنی چاہیے کہ میں تمہارے بیٹوں کو جنگ میں بچا کر رکھوں گا۔ تاہم اگر تمہارے بیٹے میدان جنگ میں کام نہ آگئے، تو چند ہی جنگوں کے بعد، وہ ایسے ہو جائیں گے جیسے آبدار فولاد، اور پھر وہ اپنی مردانگی کا اعتماد پالیں گے۔''

شہر رے میں پہنچنے کے بعد تیمور محمد بن بابویہ قمی کے مزار پر گیا۔ یہاں اس نے قرآن پاک کے ایک رکوع کی تلاوت کی، جس پر اس کے آس پاس موجود لوگوں کو حیرت ہوئی۔ تیمور نے انہیں بتایا، ''میرے نزدیک دنیا بھر کے علمائے کرام قابل احترام ہیں اور تم سب اچھی طرح جانتے ہو کہ میں نے کبھی کسی عالم کا خون نہیں بہایا۔ یہ انسان بھی جو یہاں مدفون ہے، ایک عالم دین تھا اور اسکا شمار اپنے زمانے کے قابل ترین انسانوں میں ہوتا تھا۔ میں نے اس کی دو کتابیں پڑھ رکھی ہیں۔ اگرچہ یہ شخص شیعہ مسلک سے تعلق رکھتا تھا اور اس نے بعض ایسی باتیں لکھی ہیں جنہیں میں درست نہیں سمجھتا، تاہم یہ چیز اس کی قدر و منزلت میں کمی کا باعث نہیں ہے۔''

تیمور تین روز تک شہر رے میں قیام پزیر رہا تا کہ ضروری جنگی ساز و سامان تیار کرا سکے اور پھر کرمانشاہ کے راستے بغداد کی طرف روانہ ہو گیا۔ چونکہ وہ جانتا تھا کہ کرمانشاہ کے مقامی قبائلی پاطاق کے تنگ راستے میں ممکنہ طور پر دوبارہ اس کے لئے مشکلات کھڑی کر سکتے ہیں، لہٰذا اس نے اپنے وہاں پہنچنے سے پہلے اپنی فوج کے ایک دستے کو وہاں پہنچ کر راستے پر قبضہ کر لینے کے لئے بھیج دیا، چنانچہ تیمور اپنی بقیہ فوج کے ساتھ بغیر کسی رکاوٹ اور خطرے کے گزر گیا اور بغداد میں دریائے دجلہ کے کنارے پہنچ گیا۔

جیسا کہ تیمور نے اسے پہلی بار دیکھا تھا، بغداد اب بھی بڑا اور روح پرور تھا، تاہم وہ بغداد میں ٹھہر نہ سکتا تھا، اور اگر اسکے لئے وہاں ٹھہرنا ممکن بھی ہوتا تو بھی تیمور وہاں نہ ٹھہرتا۔ بہر حال یہاں پہنچ کر تیمور نے کچھ جان بوجھ رکھنے والے لوگوں کو جمع کر کے ملک شام سے متعلق معلومات حاصل کیں۔ ان لوگوں نے تیمور کو بتایا، ''اے امیر، ملک شام ایک وسیع و عریض سرزمین ہے، جس میں بڑے بڑے میدان ہیں۔ اس ملک میں دو پہاڑی سلسلے موجود ہیں، ایک شمال کی طرف اور دوسرا جنوب کی طرف۔ یہ دونوں پہاڑی سلسلے الگ الگ ملکوں کی حدود میں آتے ہیں اور بے شمار لوگ ان پہاڑی وادیوں میں آباد ہیں۔ اگر تم محفوظ رہتے ہوئے شام تک پہنچنا چاہتے ہو تو تمہیں اس کے جنوبی حصے سے بچ کر گزرنا ہوگا، جہاں دروز نامی پہاڑیاں موجود ہیں۔ ان پہاڑیوں میں اسی نام (دروز) کے قبائل آباد ہیں، اگر تم پچاس برس تک بھی ان قبائل سے لڑتے رہو تو انہیں پہاڑیوں سے نیچے اُترنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔

''دروز پہاڑیوں کے شمال میں، جو شام کا مرکزی حصہ ہے، وسیع و عریض، انتہائی گرم اور بے آب و گیاہ صحرا ہیں۔ اگر تم اپنی فوج کو ان صحراؤں سے گزارنا چاہو تو تمہیں پانی کی قلت کے سبب بے حد مشکلات سے گزرنا ہوگا۔ شام پہنچنے کا بہترین راستہ اس کے شمالی جانب سے ہے

جہاں انصاریون پہاڑی سلسلہ واقع ہے۔ اس خطہ میں دریا موجود ہیں جو پہاڑوں سے بہہ کر آتے ہیں اور اگر تم انصاریون پہاڑیوں کے راستے سے جاؤ گے تو تمہیں ہر طرف پانی میسر رہے گا۔ انصاریون پہاڑی سلسلے میں ایسے ہموار میدان بھی ہیں جہاں سے تم اپنی فوج کو باآسانی گزار سکتے ہو۔''

تیمور نے ان جان بوجھ رکھنے والوں کا مشورہ مان لیا اور شام کی طرف روانہ ہو گیا۔ شام پہنچنے سے پہلے اس نے بہت سے رہنما اپنے ساتھ لے لیے تاکہ وہ اس کی فوج کو بحفاظت انصاریون پہاڑی سلسلے سے گزارنے میں مدد کر سکیں۔

جب تیمور انصاریون پہاڑی سلسلے کے پاس پہنچا تو گرمیوں کا موسم شروع ہو چکا تھا، تاہم اس خطے کی گرمی سے انہیں پریشانی نہ ہوئی۔ ایک روز وہ لوگ ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں انہیں نقاب پہنے مرد نظر آئے۔ تیمور کو ان کی صرف آنکھیں دکھائی دے رہی تھیں۔ ان نقاب پہنے مردوں کے ساتھ۔ جو سب کے سب طویل القامت اور دبلے پتلے تھے۔ عورتیں تھیں جو نقاب پہنے ہوئے نہیں تھیں۔ عورتیں بھی اپنے مردوں کی طرح لمبی مگر نسبتاً موٹی تھیں۔

تیمور نے اپنے راہنماؤں سے پوچھا ''یہ لوگ کون ہیں؟'' راہنماؤں نے بتایا ''یہ اسماعیلی لوگ ہیں، اور یہ انکے یہاں رواج ہے کہ مرد تو اپنے چہرے ڈھانپ کر رکھتے ہیں مگر عورتیں ایسا نہیں کرتیں۔'' چونکہ انہیں اس رات اسی علاقے میں قیام کرنا تھا، اس لیے تیمور نے حکم دیا کہ کچھ نقاب پوش مردوں کو اس کے پاس لایا جائے تاکہ وہ ان سے کچھ بات چیت کر سکے۔ تیمور کا خیال تھا کہ وہ نقاب پوش لوگ عربی میں گفتگو کریں گے، لیکن اسے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ وہ لوگ فارسی زبان میں بات کرتے تھے۔ تیمور نے ان سے پوچھا ''تم لوگ فارسی میں کیسے بات کر سکتے ہو؟'' انہوں نے جواب دیا، ''دراصل ہم لوگ ایرانی ہیں۔ ہمارے باپ دادا ایران سے ہجرت کر کے شام میں آباد ہو گئے تھے۔'' تیمور نے ان سے دریافت کیا، ''تمہارے آباؤ اجداد کب ایران سے یہاں آئے تھے؟ وہ بولے، ''1258ء میں!'' تیمور نے ان سے کہا، ''میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگوں کو اپنے آباؤ اجداد کے یہاں منتقل ہونے کی تاریخ بخوبی یاد ہے۔'' ان لوگوں نے خاموشی سے سر جھکا لیے۔ تیمور نے ان سے کہا، ''بالکل بھی ڈرو مت اور جو بھی جانتے ہو صاف صاف مجھے بتا دو، مجھے علم حاصل کر کے مسرت ہوتی ہے۔'' ان میں سے ایک بولا، ''اے آقا، کوئی بھی اسماعیلی 1258ء کا سال نہیں بھول سکتا، کیونکہ اس سال ایران میں اسماعیلیوں کے تمام قلعے، خاص طور پر الموت کا قلعہ۔ سب ہلاکو خان منگول کے ہاتھوں تباہ ہوئے۔ چنانچہ 1258ء کا سال دراصل اسماعیلی فرقے سے تعلق رکھنے والے ہر شخص کیلئے غم و حزن کا سال ہے۔''

تیمور نے ان سے پوچھا، ''تم لوگ مرد ہو کر اپنا چہرہ کیوں چھپائے رکھتے ہو؟'' انہوں نے جواب دیا، ''دراصل، ہلاکو خان نے اسماعیلیوں کے تمام قلعے تباہ کرنے کے بعد ہمارے آباؤ اجداد کے قتل عام کا حکم صادر کیا اور اعلان کر دیا کہ جو بھی اسماعیلی نظر آئے اسے قتل کر دیا جائے۔ لوگ ہمارے آباؤ اجداد کو بخوبی جانتے تھے، لہٰذا اگر وہ کسی کے سامنے آتے تو لوگ انہیں مار ڈالتے۔ اسماعیلیوں کو قتل کرنا لوگوں کی مجبوری ہی نہ تھی بلکہ انہیں اس کا انعام بھی ملتا تھا، جو کوئی بھی کسی اسماعیلی کو قتل کرتا تو اسے ہلاکو خان کے گورنر یا کوتوال کی طرف سے انعام دیا جاتا۔ اس زمانے میں ایران میں درویشوں کا ایک خاص گروہ رہا کرتا تھا۔ چنانچہ ہمارے آباؤ اجداد لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہنے اور ہلاکت سے بچنے کی خاطر نقاب اوڑھنے لگے اور نقاب پوش درویشوں کا سا حلیہ اختیار کر لیا۔ پھر انہوں نے ایران سے ہجرت کی اور پہلے بین النہرین میں سکونت اختیار کرنا چاہی، مگر وہاں بھی ہلاکو

خان کی حکمرانی تھی، لہٰذا انہوں نے بین النہرین کو بھی چھوڑا اور ان پہاڑیوں کے درمیان آ بسے لیکن چونکہ انہیں اس کے باوجود پہچان لیے جانے کا خطرہ تھا، لہٰذا وہ نقاب پہنتے رہے۔ بعدازاں یہ ایک رسم کی صورت اختیار کر گئی اور نسل در نسل منتقل ہوتی رہی۔"

تیمور نے کہا، "اب جبکہ تمہیں ایسا کوئی خطرہ باقی نہیں کہ کوئی تمہیں پہچان کر قتل کر دے گا، تو تم لوگوں کو یہ رواج ترک کر دینا چاہیے اور نقاب پہننا چھوڑ دینا چاہیے۔"

بہر حال اگلے روز تیمور اپنی فوج کے ساتھ ان نقاب پوشوں کے علاقے سے نکل کر آگے مغرب کی طرف روانہ ہو گیا۔ سورج غروب ہونے پر انہوں نے اپنے قیام کے لئے ایک چھوٹے سے دریا کے نزدیک جگہ کا انتخاب کیا۔ تیمور نے دیکھا کہ وہاں لمبے بالوں والے بہت سے مرد جنہوں نے اپنے ہاتھوں میں نیزے تھام رکھے تھے، انہیں گھور رہے تھے۔ تیمور نے سفری راہنماؤں سے ان لوگوں کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ "یہ لوگ علویون (حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نسل سے تعلق رکھنے والے) ہیں اور اس مقام سے آگے ہمیں کچھ روز تک انہی کے علاقے میں سفر کرنا ہے۔" تیمور نے پوچھا، "کیا تمہارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ قبیلہ بنی ہاشم سے ہیں؟" لیکن چونکہ ان کے سفری رہنما عالم فاضل نہ تھے بلکہ عام آدمیوں کے قبیلے سے تعلق رکھتے تھے، لہٰذا وہ یہ نہ جان سکے کہ تیمور اصل میں کیا پوچھ رہا ہے۔ لہٰذا تیمور نے حکم دیا کہ کچھ علوی مردوں کو عشاء کے بعد اس کے سامنے لایا جائے تاکہ وہ ان سے بات چیت کر سکے اور جان سکے کہ وہ اصل میں کون ہیں اور انہیں "علویون" کیوں کہا جاتا ہے۔

وہ لوگ عربی زبان میں گفتگو کرتے تھے۔ جس پر تیمور کو مکمل عبور حاصل تھا۔ اپنے لمبے بالوں کی وجہ سے ان کی ظاہری شکل و شباہت خاصی پُرکشش تھی۔ تیمور نے ان سے پوچھا، "تم لوگوں کو علویون کیوں کہا جاتا ہے؟" انہوں نے جواب دیا۔ "ہمارے آباؤ اجداد کا تعلق قبیلہ بنی ہاشم سے تھا۔ بنی امیہ کے کچھ خلفاء جو شام پر حکومت کرتے، ہمارے آباؤ اجداد کو تکلیفیں پہنچایا کرتے اور مار ڈالتے تھے۔ لہٰذا اپنی جانیں بچانے کی خاطر، ہمارے آباء نے ان پہاڑیوں میں پناہ لے لی لیکن چونکہ بنی امیہ کا دورِ حکومت طویل عرصہ قائم رہا، لہٰذا ہمارے آباؤ اجداد نے یہیں مستقل سکونت اختیار کر لی اور ان کے بعد ان کی اولاد بھی یہاں آباد ہوئی۔ ہم ان کی اولاد میں سے ہیں۔"

تیمور نے ان سے کہا، "میں ایک مسلمان ہوں اور ہر مسلمان کے دل میں بنی ہاشم سے تعلق رکھنے والوں کیلئے احترام موجود ہے جو کہ ہمارے نبی ﷺ کا خاندان ہے۔ چونکہ تم لوگ بھی اس خاندان سے تعلق رکھتے ہو، اس لئے میں تمہارا بھی احترام کرتا ہوں۔ چنانچہ تم مجھ سے کچھ مانگو تاکہ میں وہ تمہارے لئے حاضر کر دوں۔" علویون مرد کہنے لگے، "ہمیں تجھ سے کچھ نہیں چاہیے۔ ہمیں خوشی ہے کہ تُو ہمارے ملک میں ہمیں کوئی تکلیف پہنچانے کی غرض سے نہیں آیا۔" تیمور بولا، "میں کسی کو اس وقت تک نقصان نہیں پہنچاتا جب تک کہ وہ مجھ سے اُلجھے نہیں۔ جو مجھ سے نہیں اُلجھتے، میں ان سے کوئی سروکار نہیں رکھتا۔"

اس کے بعد جیسا کہ سفری رہنماؤں نے بتایا تھا، ان کا سفر کئی روز تک علویون کے علاقے میں ہی جاری رہا۔ ان دنوں کے دوران تیمور کو اپنے دائیں پاؤں کے انگوٹھے میں کچھ تکلیف محسوس ہوتی رہی۔ تیمور سمجھا کہ شاید یہ تکلیف اس کے جوتے کے سبب ہے، اس لئے اس نے اپنے جوتے تبدیل کر کے ایک نسبتاً آرام دہ جوتوں کا جوڑا پہن لیا۔

تاہم ایک رات نماز ادا کرنے کے بعد تیمور کے دائیں پاؤں کے انگوٹھے کی درد اس قدر شدت اختیار کر گئی کہ وہ اس رات قطعاً سو نہ سکا۔ تیمور دن نکلنے سے پہلے ہی بستر سے اٹھا اور جوتا پہننا چاہا تاکہ نماز ادا کرنے کے لئے اپنے خیمے سے باہر نکل سکے۔ مگر وہ جوتا نہ پہن سکتا تھا کیونکہ اس کا دایاں پاؤں بے حد سوجھ چکا تھا اور دائیں پاؤں کے انگوٹھے کی ہڈی میں زبردست تکلیف ہو رہی تھی۔ تاہم اس نے کسی نہ کسی طرح وضو کر کے نماز ادا کی۔ اس کے بعد درد کی وجہ سے آرام کرتا رہا حتیٰ کہ روانگی کا وقت ہو گیا۔

تیمور کا خیال تھا کہ پاؤں کی ہڈی کسی طرح زخمی ہو گئی ہے لیکن اس نے اس دوران نہ تو کسی جنگ میں حصہ لیا تھا اور نہ ہی کسی اور طرح ہی اس کی ہڈی پر ضرب لگی تھی۔ اس روز تیمور نے گھوڑے پر سوار ہوتے ہوئے ہلکے جوتے پہنے لیکن وہ شدید درد رات تک بھی اسے بے چین کرتا رہا۔ سورج غروب ہونے سے پہلے انہیں ہراول دستے کی طرف سے اطلاع ملی کہ اس نے قیام کیلئے ایک اچھی جگہ تلاش کر لی ہے اور انہوں نے اس علاقے میں اپنی خیمہ گاہ قائم کر لی۔ تیمور کے پاؤں کی تکلیف اب اس قدر شدید ہو گئی تھی کہ دوران نماز سجدہ کرتے ہوئے اسے تکلیف کے مارے سجدہ کا دورانیہ کم کرنا پڑتا اور وہ جلد اُٹھ جاتا۔

نماز کے بعد تیمور نے اپنی فوج کے طبیب ابو موسیٰ بخارائی کو طلب کیا اور اسے بتایا کہ اس کے دائیں پاؤں کی ہڈی میں زخم آ گیا ہے اور ایسا لگتا ہے کہ اس میں کچھ نقص آ گیا ہے۔ ابو موسیٰ بخارائی نے تیمور کے پاؤں کا معائنہ کیا اور اپنی انگلیاں شدید تکلیف والے حصے پر رکھ کر کچھ محسوس کیا اور پھر بولا، ''اے امیر، تمہارے پاؤں کی ہڈی تو بالکل ٹھیک ہے، مگر یوں محسوس ہوتا ہے کہ تم جوڑوں کے درد میں مبتلا ہو اور یہ درد جو تم محسوس کر رہے ہو، یہ تمہارے جوڑوں کا درد ہے۔'' تیمور نے کہا، ''اس کا مطلب ہے کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں کیونکہ جوڑوں کا درد تو بوڑھے لوگوں کو ہوتا ہے۔'' ابو موسیٰ بخارائی بولا، ''نہیں میرے امیر، ایسا نہیں ہے صرف بوڑھے ہی اس تکلیف کا شکار نہیں ہوتے ہیں بلکہ جوانوں کو بھی جوڑوں میں درد ہونے لگتا ہے۔ تمہاری اپنی فوج میں ایک ایسا سپاہی ہے جو ابھی چالیس سال کا بھی نہیں ہوا اور اس تکلیف میں مبتلا ہے۔'' تیمور نے شاہی طبیب سے پوچھا، ''اس درد کی دوا کیا ہے؟'' وہ بولا، ''اس کی دوا یہ ہے کہ تم عرق بید پیو۔ میں خود جاتا ہوں اور تمہارے لئے عرق بنا کر لاتا ہوں۔ اگر تم دن میں کئی بار عرق بید پیو تو درد کی شدت میں کمی واقع ہو جائے گی اور پھر آہستہ آہستہ یہ بالکل ختم ہو جائے گا۔ لیکن کچھ مہینوں بعد یہ درد دوبارہ ہونے لگے گا اور تمہیں دوبارہ اپنے پاؤں کے اسی حصے میں ایسی ہی تکلیف محسوس ہو گی اور تمہیں لگے گا کہ جیسے تمہارا دایاں پاؤں زخمی ہو گیا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم اسی طرح کی تکلیف اپنے بائیں پاؤں میں بھی محسوس کرو کیونکہ اس طرح کا درد کبھی دائیں پاؤں میں محسوس ہوتا ہے اور کبھی بائیں پاؤں میں۔'' تیمور نے طبیب سے کہا، ''میرا خیال ہے، اب مجھے مرتے دم تک اس درد کو برداشت کرنا پڑے گا۔'' طبیب بولا، ''نہیں، اے امیر! چند ہی دن میں درد بالکل ختم ہو جائے گا اور تمہیں لگے گا کہ تم بالکل ٹھیک ٹھاک ہو اور کچھ مہینوں تک تو تمہیں درد کا ذرا سا احساس بھی نہ ہو گا۔''

اگرچہ شاہی طبیب ابو موسیٰ بخارائی نے تیمور کو یقین دلایا تھا کہ جوان لوگ بھی جوڑوں کے درد میں مبتلا ہو جاتے ہیں مگر اسے محسوس ہوا کہ وہ بوڑھا ہو گیا ہے کیونکہ جوڑوں کا درد بوڑھے لوگوں میں عام پایا جاتا ہے جبکہ جوان لوگوں میں یہ عام نہیں ہے۔ یعنی بوڑھے افراد اس مرض میں زیادہ مبتلا ہوتے ہیں جبکہ جوان لوگوں میں یہ مرض بہت کم پایا جاتا ہے۔

جب تیمور کے سر کے بال سفید ہوئے تو اسے یہ خیال نہ آیا کہ وہ بوڑھا ہونے لگا ہے کیونکہ سفید بال بڑھاپے کی نشانی نہیں ہیں بلکہ جوان لوگوں کے سر کے بال بھی سفید ہو جاتے ہیں۔ مگر جوڑوں کے درد نے تیمور کو یقین دلا دیا کہ وہ بڑھاپے کی عمر کو پہنچ گیا ہے اور اس نے خود سے کہا، ''سمجھ لے اور ہوش میں آجا، کہ تیری زندگی کے بس کچھ ہی برس باقی بچے ہیں اور تجھے ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا ہے۔'' شاہی طبیب ابو موسیٰ بخارائی نے عرق بید لانے کے لئے تیمور کے خیمے سے رخصت ہونے سے قبل تیمور کو بتایا، ''پاؤں کے انگوٹھے کے پاس ہونے والے اس جوڑوں کے درد کو عام طور پر طبیب ''نقرس'' کا نام دیتے ہیں۔''

اس کے بعد یہ درد تیمور کو سال میں ایک یا دو بار ضرور محسوس ہوتا۔ ابو موسیٰ بخارائی کا کہنا تھا کہ یہ درد جسے ''نقرس'' کہتے ہیں۔ ایک موروثی مرض ہے اور عین ممکن ہے کہ تیمور کے بعد اس کے بیٹے بھی اس مرض میں مبتلا ہو جائیں تاہم یہ مرض جوانی میں انہیں زیادہ تنگ نہ کرے گا۔ کیونکہ اس مرض کا ابتدائی دور اس وقت شروع ہوتا ہے جب انسان بڑھاپے کی منزل میں داخل ہوتا ہے۔

تیمور کو جب بھی نقرس کا درد محسوس ہوتا تو وہ کئی روز تک بیکار ہو کر رہ جاتا اور اس دوران اسے مسلسل عرق بید کا سہارا لینا پڑتا، جس کے استعمال سے آہستہ آہستہ درد کم ہوتا جاتا اور پھر بالکل ختم ہو جاتا۔ اس کے بعد تیمور بالکل ایسے ہو جاتا جیسے اسے کبھی یہ درد ہوا ہی نہ تھا اور سال میں مرض کے دو حملوں کے درمیانی وقفوں میں تیمور کو درد کا بالکل احساس بھی نہ ہوتا۔

بہر حال علویون کے علاقے سے گزر کر تیمور عظیم شہر حلب (Aleppo) پہنچ گیا۔ تیمور نے اس شہر میں موجود عجائبات کے بارے میں کافی کچھ سن رکھا تھا، جن میں سے ایک یہ بات تھی کہ اس شہر کی آبادی دس لاکھ نفوس پر مشتمل ہے اور یہ کہ وہاں پگھلا ہوا لوہا تیار کیا جاتا ہے۔ حلب میں تیار ہونے والا ریشم دنیا بھر میں مشہور تھا اور تیمور نے سن رکھا تھا کہ یہ ریشم شہر کی نوجوان لڑکیاں تیار کرتی تھیں اور یہ کہ وہ ریشم اتنا باریک ہوتا ہے کہ اگر اس کی اوپر تلے دس تہیں بھی رکھ دی جائیں تو سورج کی شعاعیں ان میں سے گزر جائیں گی۔ تیمور کو کہا گیا کہ اپنی فوج کو لے کر حلب میں داخل نہ ہو کیونکہ اس شہر کی عورتیں اس قدر خوبصورت اور دلربا ہیں کہ وہ اس کے سپاہیوں کو دیوانہ بنا ڈالیں گی۔ جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے، تیمور نے اس سے قبل گیلان میں انتہائی حسین عورتیں دیکھی تھیں اور اس نے وہاں قیام نہ کیا تھا بلکہ فوراً اپنی فوج کو لے کر شہر سے نکل گیا تھا اس ڈر سے کہ کہیں اس کے سپاہی دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر فوج کا نظم وضبط نہ توڑ ڈالیں۔

حلب شہر کے بارے میں ایک اور بات جو تیمور نے سن رکھی تھی، وہ یہ تھی کہ اس شہر کو 'جنوں' نے تعمیر کیا تھا اور حلب کا سلطان جس کا نام تغرل بولاک خود بھی ایک جن ہے۔ وہ اتنا طویل القامت اور طاقتور ہے کہ ایک ہاتھ سے تیمور کو زمین سے یوں اُٹھا سکتا ہے جیسے کہ وہ کوئی ننھا بچہ ہو۔ تیمور کو مشورہ دیا گیا تھا کہ اگر وہ اپنی کامیابیوں کا سفر جاری رکھنا چاہتا ہے تو اسے اپنی فوج کو پیچھے ہی چھوڑ کر حلب کے حسین چہروں کے ساتھ وقت گزارنا چاہیے اور پھر لوٹ آنا چاہیے۔ اسے بتایا گیا تھا کہ اگر وہ اپنی فوج کے ساتھ حلب میں داخل ہوا تو تغرل بولاک اسے کھا جائے گا۔ لوگوں نے تیمور کو اس طرح کی اتنی کہانیاں سنائی تھیں کہ وہ اب اس سب کو آنکھوں سے دیکھنا چاہتا تھا اور اسی لئے انتہائی تیز رفتاری سے حلب نامی شہر کی طرف بڑھ گیا تاکہ شام کے عظیم ترین شہر اور اس کے سلطان تغرل بولاک کو جس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ کوئی جن ہے۔ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ سکے۔

ایک دن، تیمور ایک بلند مقام پر پہنچ گیا اور وہاں سے حلب شہر تاریکی میں ڈوبا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ دُور سے جو کچھ دکھائی دے رہا تھا، اس سے تیمور کو اس شہر میں کچھ غیر معمولی محسوس نہ ہوا۔ حتیٰ کہ اس کی دیواریں بھی تیمور کو زیادہ بلند یا ناقابل تسخیر محسوس نہ ہوئیں۔ تیمور تغرل بولاک کا منتظر تھا، جس کے بارے میں کہا گیا تھا کہ وہ اسے ایک ہاتھ سے کسی بچے کی طرح اُٹھا سکتا ہے۔ کہ وہ آئے گا اور اس کا راستہ روک لے گا اور اسے آگے بڑھنے نہ دے گا، مگر کسی نے اس کا راستہ نہ روکا اور نہ ہی اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ کھڑی کی چنانچہ تیمور بغیر کسی مشکل کے حلب پہنچ گیا۔

تیمور نے دیکھا کہ وہ ایک وسیع و عریض شہر تھا اور اس کی دیوار کے گرد چکر لگانے سے اندازہ لگایا گیا کہ وہ اٹھارہ کلومیٹر تک تھی۔

جیسے ہی تیمور حلب پہنچا اور شہر کے دروازوں کو بند پایا اور دیکھا کہ شہر کی فصیل پر پہرے دار موجود ہیں تو وہ سمجھ گیا کہ حلب کا سلطان تغرل بولاک دراصل ایک بزدل انسان ہے جو موت سے خوف زدہ ہے۔

تیمور نے اپنی زندگی میں یہ سیکھا تھا کہ جو جنگجو انسان موت سے نہیں ڈرتے تو وہ خود کو کبھی فصیل کے پیچھے نہیں چھپاتے۔ تیمور خود جس دن سے جنگوں میں شریک ہونا شروع ہوا تو اس دن کے بعد اس نے کبھی فصیل کے پیچھے پناہ اختیار نہیں کی اور نہ ہی کبھی اسے پسند کیا۔ بلکہ وہ اسے بزدلی اور کمزوری کی علامت سمجھتا تھا۔

تیمور نے اپنے بیٹوں سے بھی کہہ رکھا تھا کہ وہ اپنی جان بچانے کے لئے کبھی بے جان دیواروں اور اینٹ پتھر کا سہارا نہ لیں اور صرف اپنے زور بازو پر بھروسہ کریں۔ اس لئے کہ جو اپنے زور بازو پر بھروسہ کرتا ہے وہ مارا بھی جائے تو عزت کی موت مرتا ہے، جبکہ دیواروں کے پیچھے پناہ لینے والے ذلت کی موت مارے جاتے ہیں، بھوک اور فاقے انہیں بالآخر تسلیم ہو جانے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

جب تیمور کو پتہ چل گیا کہ تغرل بولاک ایک بزدل آدمی ہے تو تیمور سمجھ گیا کہ بہت جلد وہ اس پر فتح حاصل کر لے گا۔ اس وقت موسم خزاں جاری تھا، ہوا میں سردی تھی اور نہ گرمی۔ تیمور نے اپنے سپاہیوں کو شہر کے شمال میں فوجی چھاؤنی قائم کرنے کی ہدایت کی اور اس سے پہلے شہر کا محاصرہ کر لیا جائے۔

شہر کے نزدیک پڑاؤ ڈالنے کے بعد پہلی ہی رات تیمور نے اپنے سرداروں کو خیمے میں طلب کیا اور ان سے کہا، ''میں نے اس شہر کی فصیل کا جائزہ لیا ہے، میرے خیال سے یہ اینٹ اور مٹی سے بنی ہے اور اس کی بلندی بھی پچیس تیس فٹ سے زیادہ نہیں۔ اگر ہم ایسی دیوار کو مسمار کرنے کے لئے بارود اور سرنگ کھودنے سے مدد لیں تو یہ ہمارے لئے کوئی خاص کارنامہ نہ ہوگا، تم میں سے کچھ ایسے بہادر موجود ہیں جنہوں نے بارود اور آگ کے بغیر دہلی کی فصیل پر قبضہ کر لیا تھا اور دنیا کی سب سے بڑی اور مضبوط فصیل یعنی دہلی کی فصیل بھی ان کے راستے میں رکاوٹ نہ بن سکی۔ تو ایسے بہادروں کے لئے حلب کی فصیل پر قبضہ کرنا کوئی مشکل کام نہیں۔

''میرے خیال سے تمہارے سپاہی رسے اور لکڑی کی سیڑھیوں کے ذریعے باآسانی شہر کی دیوار پر چڑھ سکتے اور شہر میں داخل ہو کر دروازے کھول سکتے ہیں۔ لہٰذا اپنے سپاہیوں سے کہو کہ جب وہ شہر میں داخل ہو جائیں تو عام شہریوں کے جان و مال کا تحفظ ان کے ذمہ ہوگا، البتہ جنگ ختم ہونے کے بعد ہر کسی کو اجازت ہے کہ وہ جس چیز پر چاہے قبضہ جما لے اور جسے چاہے قیدی بنائے۔ کل صبح سے ہی سیڑھیاں بنانے کا کام

شروع کر دیا جائے اور لکڑی اور رسے دونوں کی سیڑھیاں بنائی جائیں۔ رسے کی سیڑھیوں پر دو کنڈے لگے ہوں جنہیں فصیل پر پھینکا جا سکے۔

تیمور کے سرداروں نے اطاعت کے انداز میں سر جھکا لیے۔ تیمور کو یقین تھا کہ وہ سب بخوبی جانتے ہیں کہ تیمور ایسا شخص نہیں کہ اپنے سرداروں کے سر بلاوجہ کٹوا دے اور اپنی جان بچا لے۔

تیمور کے افسر بہت اچھی طرح جانتے تھے کہ تیمور اگر کسی جنگ میں بذات خود شریک نہیں ہوتا تو ایسا جان کے خوف یا کسی اور سبب سے نہیں ہوتا بلکہ مختلف جنگی اور پیشہ ورانہ امور کی انجام دہی کیلئے ایسا کرتا ہے۔

بہر حال تیمور نے اپنے سرداروں کو رخصت کیا اور ذاتی ملازم کو کھانا لانے کا حکم دیا۔ تیمور کی غذا تمام جنگی سفروں اور میدان جنگ میں وہی ہوا کرتی تھی جو اس کے عام سپاہیوں کو دی جاتی تھی۔ یہ بات بھی اس کے تمام افسروں اور سپاہیوں کو اچھی طرح معلوم تھی۔ جنگی سفر یا دوران جنگ تیمور کوئی خاص کھانا بھی نہ کھاتا بلکہ وہی کچھ کھاتا جو اس کے عام سپاہی کھاتے تھے۔ اسے بالکل انہی کے جیسا راشن ملتا تھا۔

تیمور رات کے وقت کھانا کھانے سے پرہیز کرتا تھا، ہاں اگر بھوک لگی ہوتی تو کھا لیتا۔ مگر ایسی صورت میں بھی وہ چند لقموں پر ہی اکتفا کرتا، تاکہ رات کو سکون سے سو سکے اور رات کو وقفے وقفے سے اُٹھ کر اپنی چھاؤنی کے انتظامات کا جائزہ لیتا رہے۔ اس رات بھی چند لقمے لینے کے بعد تیمور نے تھوڑی دیر آرام کیا تاہم آدھی رات کے وقت اُٹھ کر خیمے سے باہر نکل آیا اور خیمہ گاہ کا چکر لگانے چل دیا۔ ہر چند قدم پر فوج کے پہرے دار اس کا راستہ روک لیتے اور پھر پہچاننے کے بعد آگے جانے دیتے۔ تیمور خیمہ گاہ سے نکل کر محاصرے کے حلقے میں داخل ہوا تو یہاں بھی قدم قدم پر اس کا راستہ روکا گیا اور پھر اسے پہچاننے کے بعد سپاہی راستہ چھوڑتے رہے اور تیمور مختلف پہرہ دار چوکیوں سے ہوتا آگے بڑھتا رہا۔

فوج کا ہر سپاہی جانتا تھا کہ دشمن کی طرف سے شب خون مارے جانے کا خطرہ ہے اور یہ کہ کسی بھی وقت دشمن شہر سے نکل کر ان پر حملہ آور ہو سکتا تھا۔ اس لئے انہیں دشمن کا حملہ روکنے کے لئے بالکل تیار رہنا تھا اور اسی کے ساتھ شہر کے دروازے کھلنے پر اس کے اندر داخل ہونے کے لئے بھی تیاری مکمل رکھنا تھی۔ شہر کے محاصرے والے حلقے میں کچھ دیر چلنے کے بعد تیمور ایک ٹیلے پر جا کھڑا ہوا تاکہ شہر کے اندر دیکھ سکے۔ شہر کے اندر چند جگمگاتی روشنیوں کے سوا کچھ دکھائی نہ دے رہا تھا اور تیمور کو پتہ تھا کہ یہ روشنیاں دراصل شہر کی جامع مسجد کے میناروں کی تھیں۔ اس رات مطلع صاف اور موسم سرد تھا اور تیمور نے اوپر کی طرف نگاہ کی تو اسے آسمان پر ستارے چمکتے دکھائی دیے۔

تیمور ان ستاروں سے بخوبی واقف تھا کیونکہ یہ جنگی مہمات اور لڑائیوں کے دوران اس کے ہمراہی ہوتے تھے اور وہ رات کے ہر پہر کے مطابق ہر ستارے کے مخصوص مقام سے بھی بخوبی واقف تھا۔ شہر کے اندر یا باہر کسی طرح کی کوئی آواز سنائی نہ دے رہی تھی، ماسوائے ایک اُلو کی آواز کے۔ یہ اُلو شہر کے اندر نغمہ سخن تھا۔ توہمات پر یقین رکھنے والے لوگ اُلو کی آواز کو منحوس خیال کرتے تھے، مگر تیمور ایسا نہ سمجھتا تھا۔ تیمور نے جان لیا تھا کہ کچھ پرندے جیسے کہ اُلو اور فاختہ وغیرہ دن کے وقت اپنے گھونسلوں سے نہیں نکلتے کیونکہ سورج کی روشنی میں انہیں کچھ دکھائی نہیں دیتا اور اسی لئے وہ رات کے وقت باہر نکلتے اور چہچہاتے یا مخصوص آوازیں نکالتے ہیں۔ تاہم ان کا چہچہانا نہ تو منحوس ہوتا ہے اور نہ ہی خوش کن۔

تیمور اُلو کی آواز کو منحوس خیال نہ کرتا تھا بلکہ اس سے اسے ماضی یاد آتا اور وہ مستقبل کے بارے میں سوچنے لگتا۔ جب کبھی اسے آدھی رات

کے وقت اُلو کی آواز سنائی دیتی تو اس کے ذہن میں دنیا کے ماضی اور مستقبل کی تصویر کھل جاتی۔ تیمور اپنے ذہن میں دنیا کے ماضی کی بالکل واضح تصویر بنا سکتا تھا کیونکہ اس نے دنیا کی تاریخ کا بھرپور مطالعہ کر رکھا تھا۔ تاہم دنیا کے مستقبل کے حوالے سے اس کی تصویر دھندلی ہوتی کیونکہ وہ بھی دوسرے انسانوں کی طرح یہ نہیں جانتا تھا کہ مستقبل میں کیا ہونے والا ہے۔ لیکن وہ یہ بھی بخوبی جانتا تھا کہ ماضی ہی دراصل آنے والے مستقبل کی نشاندہی کرتا ہے اور یہ کہ اگر انسان ماضی کو حوالہ بنالے تو وہ یہ اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ مستقبل میں کیا ہوگا۔

اس رات اُلو کی آواز تیمور کو یہ بتا رہی تھی: ''اے امیر تیمور ہوشیار ہو اور جان لے کہ تجھ سے پہلے بھی بہت سے دلیر مرد اس دنیا میں پیدا کیے گئے تھے اور وہ سب اپنا نام و نشان چھوڑے بغیر یہاں سے چلے گئے۔ خبردار ہو جا، امیر تیمور، جان لے کہ اس ہزاروں برس پرانی دنیا میں کروڑوں انسانوں کی موت بھی اسی طرح کوئی اہمیت نہیں رکھتی جیسے کہ موسم خزاں میں درختوں سے گرنے والے کروڑوں خشک پتے کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ جس طرح کوئی درختوں سے گرنے والے خشک پتوں کا کوئی حساب نہیں رکھتا، اسی طرح کوئی مرنے والوں کا بھی حساب نہیں کرتا اور نہ ہی کوئی ان کے نام یاد رکھتا ہے۔ صرف انہی لوگوں کا نشان باقی رہتا ہے جو دنیا میں اپنا نام چھوڑ جاتے ہیں۔

''اگر آج لوگ چنگیز خان کو جانتے ہیں تو صرف اس وجہ سے کہ وہ اپنا نام پیچھے چھوڑنے میں کامیاب رہا۔ اگر تُو بھی یہ چاہتا ہے کہ تجھے خشک پتوں کی طرح بالکل فراموش نہ کر دیا جائے تو تجھے چاہیے کہ اس دنیا میں اپنا نام چھوڑ جائے۔ جو تھوڑے سے دن تیری زندگی کے بچے ہیں وہ بہت تیزی سے ختم ہو جائیں گے اور تُو بھی دوسروں کی طرح زمین میں سو جائے گا اور صرف خدا ہی جانتا ہے کہ تیرا یہ مٹی میں سوئے رہنے کا دورانیہ کتنے ہزار برس تک جاری رہے گا۔

''مرنے کے بعد تیرے پاس آرام کیلئے بہت وقت ہوگا۔ لہٰذا اپنی زندگی کے باقی بچے کچھ دن مکمل بیداری کے ساتھ بسر کر، غفلت کی نیند سونے سے پرہیز کر۔ کوشش کرتا کہ دوسرے لوگ تیرے مرنے کے ہزار برس بعد بھی تیرا نام احترام کے ساتھ لیں، اسی طرح جیسے تُو اسکندر اعظم کی موت کے ہزار برس بعد بھی اس کا نام احترام سے لیتا ہے۔''

ٹیلے سے نیچے اُترنے کے بعد دنیا فتح کرنے کی خواہش تیمور کے دل میں مزید موجزن ہو چکی تھی، اسی لئے اس نے خود سے کہا، ''اب تیری زندگی کا ایک بھی دن بیکار نہیں گزرنا چاہیے۔ تجھے اپنی زندگی کے آخری دن تک میدان جنگ میں رہنا چاہیے تا کہ تیرا نام دنیا میں باقی رہے اور تُو عام گمنام لوگوں کی طرح زمین کے نیچے مٹی میں مٹی ہو کر نہ رہ جائے۔''

اگلی صبح ہوتے ہی تیمور اور اس کے سپاہیوں نے شہر پر حملے کے لئے سامان حرب کو تیار کرنا شروع کر دیا۔ تیمور کے تمام سپاہی اس کام میں شریک تھے۔ اس روز دشمن نے ان کے خلاف کوئی اقدام نہ اُٹھایا جو یہ ظاہر کرتا تھا کہ تغرل بولاک کو اپنے اینٹ گارے سے بنے قلعے کی فصیل پر پورا یقین تھا اور وہ یہ سمجھے بیٹھا تھا کہ اس کا قلعہ شاید تیمور اور اس کے سپاہیوں کا راستہ روک لے گا۔

شہر حلب کی فصیل کے پاس پہنچنے کے تیسرے روز ہی تیمور کی فوج نے شہر کے قلعہ پر حملہ کر دیا۔ انہوں نے صبح صادق کے وقت حملے کا آغاز کیا اور تیمور کے سپاہی لکڑی اور رسوں سے بنی سیڑھیوں کی مدد سے شہر کی فصیل پر چڑھ گئے۔ لکڑی سے بنی سیڑھیوں کا ذکر پہلے آ چکا ہے لہٰذا ان کی

تفصیل یہاں دوبارہ بیان کرنا غیر ضروری ہوگا۔ رسیوں سے بنائی گئی سیڑھیاں پلے دار کمندوں کی مانند تھیں جن کے دونوں سروں پر دو جانب کنڈے لگے ہوتے تھے، ان کنڈوں کو دیواروں پر اس طرح پھینکا جاتا تھا کہ وہ کنڈے دیوار میں دھنس جاتے اور یوں سپاہی اس کی مدد سے دیوار پر چڑھنے کے قابل ہو جاتے۔ جب تیمور کے سپاہی ان سیڑھیوں کی مدد سے اوپر چڑھ رہے تھے تو دوسری طرف سے وہ لوگ نیچے سے قلعہ کے پہرے داروں پر تیر برسا رہے تھے، نیز انہیں پتھروں سے بھی نشانہ بنا رہے تھے تاکہ پہرے داران کے سپاہیوں کو دیوار پر چڑھنے سے روکنے میں ناکام رہیں۔ چنانچہ جب تک ان کے سپاہی دیوار پر چڑھنے میں کامیاب نہ ہو گئے۔ انہوں نے پہرے داروں پر تیر اندازی جاری رکھی اور جب ان کے اپنے سپاہی دیوار پر پہنچ گئے تو انہوں نے تیر اندازی روک دی کہ مبادا ان کے اپنے ساتھی ہی اس کا نشانہ نہ بن جائیں۔

تیمور خود اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر قلعے کی فصیل کی نگرانی کر رہا تھا تاکہ جیسے ہی اس کے سپاہی کسی جگہ دشمن کو پیچھے دھکیل سکیں تو ان کی مدد کیلئے کمک روانہ کر دے، چنانچہ جہاں کہیں اس کے سپاہی پہرے داروں کو زیر کر لیتے تو وہ فوراً مزید سپاہی اور بھیج کر اپنے سپاہیوں کا ٹھکانہ مضبوط کر دیتا۔ چنانچہ حملے کے صرف ایک گھنٹے بعد ہی تیمور کے سپاہی شہر حلب کی فصیل پر سات مقامات پر مضبوط تصرف قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ تیمور بغیر کسی وقفے کے فصیل پر موجود سپاہیوں کو کمک پہنچا رہا تھا اور دشمن کو یہ موقع فراہم نہیں کر رہا تھا کہ ایک بار دیوار پر قبضہ چھن جانے کے بعد دوبارہ وہاں قابض ہو جائے۔ جب شہر کی فصیل پر یہ ٹھکانے اس قدر مضبوط ہو گئے کہ تیمور کے سپاہی فصیل سے اُتر کر شہر میں داخل ہو سکیں تو تیمور نے جان لیا کہ بہت جلد اس کے سپاہی نیچے اُتر کر شہر کے دروازے کھول دیں گے۔

سب سے پہلے ان کے سپاہیوں نے جو دروازہ کھولا، وہ شہر حلب کا مشرقی دروازہ تھا، تیمور کے سپاہیوں نے اسے کھول کر بقیہ فوج کے لئے راستہ بنا دیا تھا۔ جیسے ہی یہ دروازہ کھلا تیمور کے گھڑ سوار سپاہیوں کا دستہ شہر میں داخل ہو گیا۔ شہر میں ایک مضبوط ٹھکانہ بنانے کے لئے تیمور نے حکم دیا کہ کسی بھی مکان کو اس مقصد کیلئے استعمال کیا جائے اور اس میں موجود لوگوں کو باہر نکال دیا جائے، اگر وہ مزاحمت کریں تو بلا دریغ موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔

گھڑ سوار سپاہیوں کا جو دستہ شہر میں داخل ہوا، اس نے اپنے راستے میں آنے والی ہر جگہ پر قبضہ کر لیا اور بغیر کسی مشکل کے وہ مغربی دروازے تک پہنچ گئے۔ اس کے ساتھ ہی شہر کا مغربی دروازہ بھی تیمور کی فوج کیلئے کھل گیا۔ جس وقت گھڑ سواروں کا دستہ شہر میں سے گزر رہا تھا، اسی وقت تیمور کے سپاہیوں کے دستے فصیل سے نیچے اُتر کر شہر میں داخل ہو رہے تھے اور شہر کی حالت کچھ اس طرح لگ رہی تھی کہ تیمور لگا گویا وہ بالکل حلب میں ہی ہے۔

اس وقت تک حلب کے طاقتور حکمران تغرل بولاک کا کوئی نام ونشان دکھائی نہ دے رہا تھا۔ تیمور نے سوچا کہ وہ شہر کے قلعے میں ملے گا اور وہاں ہی معلوم ہوگا کہ وہ تیمور سے لڑے گا یا نہیں۔ لیکن جب تیمور قلعے تک پہنچا تو اس نے دیکھا کہ وہاں قلعہ کی چھت پر ایک سفید جھنڈا لہرا رہا تھا یعنی دشمن نے اطاعت قبول کرنے کیلئے یہ جھنڈا لہرا دیا تھا۔ تیمور سمجھ گیا کہ بولاک کا ارادہ لڑائی کا نہیں ہے اور وہ اطاعت قبول کرنا چاہتا ہے۔

تیمور نے بلند آواز میں پوچھا، ''قلعے کا نگران کون ہے اور وہ سامنے کیوں نہیں آ رہا؟'' جواب میں ایک مضبوط بدن والا آدمی قلعے کی چھت

پر ظاہر ہوا۔ تیمور نے فوراً اس سے پوچھا، ''کیا تُو تغرل بولاک ہے؟'' اس آدمی نے عربی میں جواب دیا، ''ہاں۔ میں ہی تغرل بولاک ہوں۔'' تیمور نے اس سے کہا، ''اگر تُو اطاعت قبول کرنا چاہتا ہے تو اپنے آدمیوں کو لڑائی ترک کرنے اور تسلیم ہو جانے کا حکم کیوں نہیں دیتا۔ یوں لگتا ہے کہ تُو نے یہ سفید جھنڈا فریب کے طور پر لہرایا ہے اور تُو اطاعت قبول کرنے کا ڈھونگ کر رہا ہے حالانکہ تیرے سپاہی شہر میں لڑ رہے ہیں۔''

تغرل بولاک بولا، ''اے امیر تیمور، میں تجھ سے جنگ کا کوئی ارادہ نہ رکھتا تھا اور میری تجھ سے کوئی دشمنی بھی نہیں، پھر تُو نے اس شہر پر کیوں حملہ کیا ہے؟''

تیمور نے کہا، ''اے تغرل بولاک، تُو نے مجھے شہر پر حملہ کرنے کیلئے مجبور کیا ہے، اگر تُو مجھ سے لڑنا نہیں چاہتا تھا تو پھر تُو نے مجھ پر شہر کے دروازے کیوں بند کئے اور میرے راستے میں رکاوٹ کیوں کھڑی کی۔'' تغرل بولاک بولا، ''جب تُو حملے کا ارادہ کئے بیٹھا تھا تو مجھے مجبوراً شہر کے دروازے بند کرنا ہی تھے۔'' تیمور نے اس سے سوال کیا، ''تُو کب سے اس شہر کا انتظام سنبھال رہا ہے؟'' وہ بولا، ''پندرہ برس سے۔'' تیمور نے اس سے کہا، ''اتنا عرصہ شہر پر حکومت کرنے کے باوجود تُو یہ نہ جان سکا کہ کسی سے صلح یا جنگ کا کیا طریقہ ہے؟ میں تو صرف اس شہر سے گزر کر روم جانا چاہتا تھا۔ تُو اگر مجھ سے جنگ نہیں چاہتا تھا تو مجھے کسی طرح سمجھا دیتا کہ تیرا مقصد صلح ہے، دوستی کا طریقہ تو یہ ہے کہ تُو میرے استقبال کو آتا یا پھر اپنے کچھ آدمیوں کو اس مقصد کیلئے بھیج دیتا کہ وہ مجھے آگاہ کرتے کہ شہر کے دروازے میرے لئے کھلے ہیں، میں شہر میں داخل ہو سکتا ہوں۔ اس صورت میں، میں شہر کے باہر ہی ٹھہرتا اور اپنی فوج کو شہر میں داخل نہ کرتا، تجھ سے بھی فوج کے لئے خوراک اور چارے کے سوا کچھ طلب نہ کرتا بلکہ اس کی بھی مناسب قیمت ادا کرتا۔ یہ سب اسے بھی معلوم ہے جسے حکومت کرتے ایک ہفتہ ہی ہوا ہو، جبکہ تُو تو پندرہ برس سے اس شہر پر حکومت کر رہا ہے اور تجھے یہ بھی معلوم نہیں یا پھر تو ٹال مٹول سے کام لے رہا ہے۔ اس وقت ہماری یہ گفتگو جنگ جاری رہنے اور خون ریزی کا سبب بنے گی، لہٰذا اگر تو اطاعت قبول کرنے کا خواہشمند ہے تو مقابلہ بند کرا اور اپنے سپاہیوں کو تسلیم ہونے کا حکم دے۔''

تغرل بولاک بولا، ''میں ابھی جنگ بندی کا حکم جاری کرتا ہوں، لیکن شرط یہ ہے کہ تُو بھی اپنے سپاہیوں کو حکم دے کہ وہ خون ریزی، لوٹ مار اور ہماری عورتوں کو قیدی بنانے سے باز رہیں۔'' تیمور نے اس سے کہا، ''تُو ایک شکست یافتہ شخص ہے اور سفید پرچم لہرا کر اطاعت قبول کرنے کا درخواستگار ہے جبکہ میں ایک فاتح ہوں، اس لئے تُو میرے سامنے شرائط نہیں رکھ سکتا۔ یہ میرا حق ہے کہ جنگ ختم کرنے کی شرائط مقرر کروں اور میں صرف ایک شرط قبول کر سکتا ہوں اور وہ یہ کہ اگر جنگ ختم ہو جاتی ہے تو میں تیرے اور تیرے ان سپاہیوں کے قتل سے ہاتھ کھینچ لوں گا جو تسلیم ہو جائیں گے۔''

تھوڑی ہی دیر میں قلعے کی چھت پر کچھ آدمی نمودار ہوئے جنہوں نے طبل اور نقارے اٹھا رکھے تھے۔ انہوں نے یہ طبل اور نقارے بجانے شروع کر دیئے۔ ان لوگوں نے اعلان کرنے شروع کئے، ''ملک تغرل نے حکم دیا ہے کہ جنگ بندی کر دی جائے اور سب سپاہی ہتھیار ڈال دیں۔'' تیمور نے بھی اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ شہر کے جس علاقے میں تغرل بولاک کے سپاہی تسلیم ہو جائیں وہاں اس کے سپاہی بھی لڑائی سے ہاتھ کھینچ لیں۔ قلعے کی چھت پر موجود منادی ایک خاص قسم کے آلے کے ذریعے اعلانات کر رہے تھے جو شاید اسی مقصد کیلئے بنایا گیا تھا۔ کیونکہ ان کی آوازیں پورے شہر میں گونج رہی تھیں۔ تیمور کو جو اطلاعات ملیں، ان سے اندازہ ہوتا تھا کہ شہر میں ہر جگہ لڑائی رُک گئی ہے۔

طغرل بولاک جو بدستور قلعے کی چھت پر کھڑا تھا، تیمور سے کہنے لگا ''اے امیر، قلعے میں داخل ہو اور میرا مہمان بن جا، میں تیرا استقبال کرنے کو تیار ہوں۔'' تیمور نے اسے جواباً کہا، ''اے طغرل بولاک، مجھے اس شہر میں کام ہے، میرے لیے ضروری ہے کہ پہلے شہر کے امور سے فراغت حاصل کروں۔ اس لیے میں تیری دعوت قبول نہیں کر سکتا۔ اب میرے سپاہی قلعے میں داخل ہو جائیں گے تاہم وہ تجھے اور تیرے خاندان کو کوئی گزند نہ پہنچائیں گے تاہم تُو قلعہ سے نکل کر اس وقت تک نہیں جا سکتا جب تک کہ میں آئندہ احکامات جاری نہ کروں۔''

بہر حال اسی روز سہ پہر تک شہر حلب تیمور کے زیر تصرف آ چکا تھا۔ تیمور نے عصر کی نماز کے لیے شہر کی جامع مسجد میں وضو کیا اور وہیں نماز ادا کی۔ نماز کے بعد مسجد کا امام تیمور کے پاس آیا۔

حلب کی جامع مسجد کا امام ایک بوڑھا شخص تھا، جس کی سفید داڑھی تھی اور پُر نور چہرے پر چمکتی ہوئی آنکھیں اس بات کی گواہی دے رہی تھیں کہ وہ شخص ایک پاک باز دل کا مالک ہے۔ اس نے عربی زبان میں تیمور سے کہا، ''اے عظیم امیر، میں تمہیں نماز ادا کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ صاف ظاہر ہے کہ تم ایک سچے مسلمان ہو، لہٰذا تم اس شہر کے مسلمانوں کو معاف کر دو!'' تیمور نے اس سے کہا، ''میں نے کبھی کسی مسلمان کو اس وقت تک نقصان نہیں پہنچایا جب تک کہ وہ مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کریں یا میرے خلاف مزاحمت نہ کریں، دوسری صورت میں میں ان کے ساتھ شرعی احکام کے مطابق سلوک کرتا ہوں۔ اس شہر کے باشندوں نے میرے خلاف مزاحمت کی اور انہیں اپنے کیے کی سزا بھگتنا ہوگی۔ لہٰذا ان کے زیر قبضہ اشیاء کو لوٹ لیا جائے گا اور ان کے جوان مردوں اور عورتوں کو غلام بنا لیا جائے گا۔''

شہر حلب کی جامع مسجد کا امام، جس کا نام فیض الدین املی تھا، بولا، ''اے عظیم امیر، اس شہر کے لوگوں نے تمہارے سامنے مزاحمت نہیں کی، بلکہ جب طغرل بولاک نے شہر کے دروازے بند کر کے لڑائی کا ارادہ کیا، تو وہ اس کے فیصلے کو تبدیل کرنے کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ اے امیر، اگر تو کسی شہر کا امیر ہو اور کسی دوسرے ایسے سلطان کے خلاف لڑنے کا فیصلہ کرے جو تیرے شہر کے باہر موجود ہو، تو کیا تیرے شہر کے باشندے تیرے فیصلے کے خلاف آواز بلند کر سکتے ہیں؟ حلب کے باشندے بھی بالکل اسی طرح طغرل بولاک کی مرضی کے خلاف نہ جا سکتے تھے ورنہ یہ ممکن ہی نہ تھا کہ امیر تیمور گورگین جیسے فاتح عالم کے خلاف لڑائی کا تصور بھی ان کے ذہنوں میں پیدا ہوتا۔ لہٰذا اے امیر، رحم کر اور انہیں معاف کر دے۔ اگر تُو دولت حاصل کرنے کا خواہشمند ہے تو کفار کے ملک کا رُخ کر، تجھے وہاں سونا اور جواہرات ملیں گے جو انہوں نے دو ہزار سال سے زیادہ عرصے میں وہاں جمع کیے ہیں۔''

تیمور نے اس سے پوچھا، ''اے فیض الدین املی کافروں کی سرزمین سے تیری کیا مراد ہے؟'' مسجد کا امام بولا، ''میں تجھے ملک بائی زان تیوم کے بارے میں بتا رہا ہوں، جو کافر باشندوں کی سرزمین ہے۔'' تیمور نے امام مسجد سے مزید دریافت کیا، ''کیا تم نے اس 'بائی زان تیوم' نامی سرزمین کو دیکھ رکھا ہے؟'' سفید داڑھی والے بوڑھے امام مسجد نے جواب دیا، ''اے امیر محترم، میں ایک دفعہ بائی زان تیوم گیا تھا۔ یہ اس قدر وسیع و عریض ہے کہ اس میں حلب جیسے دس شہر سما سکتے ہیں اور اس کی امارت کا یہ عالم ہے کہ ہزار قارون وہاں رہتے ہیں۔ تمام کافروں کی دولت دو ہزار برس سے وہاں جمع ہو رہی ہے۔ اس سرزمین کے لوگ اس قدر امیر ہیں کہ ان کے مزدور تک سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا کھاتے ہیں۔ لہٰذا اے

امیر، اگر تُو بائی زان تیوم پر قبضہ کر لے تو یہ نہ صرف دین اسلام کی ایک بڑی خدمت ہوگی۔ کہ اس کے تمام کافر باشندے مسلمان ہو جائیں گے۔ بلکہ تجھے اس قدر سونا، چاندی اور ہیرے جواہرات حاصل ہوں گے کہ اگر تیری نسلیں ہزار برس تک بھی وہ دولت خرچ کرتی رہیں تو بھی ختم نہ ہوگا۔'' تیمور نے کہا، ''میں نے بائی زان تیوم کا نام سنا ہے، یہ سمندر کے کنارے آباد ہے نا؟''

جامع مسجد کا امام بولا، ''ہاں اے امیر، یہ سمندر کے کنارے ہے۔ دنیا کے ہر خطے سے بحری جہاز وہاں آتے ہیں۔ اگر تُو بائی زان تیوم گیا تو دیکھے گا کہ وہاں اس قدر جہاز ہوتے ہیں کہ اگر کشتی میں بیٹھ کر جہازوں کے درمیان کئی روز گزرتا رہے، تب بھی یہ جہاز ختم نہ ہوں گے۔'' تیمور نے امام مسجد سے پوچھا، ''بائی زان تیوم کے حاکم کا کیا نام ہے؟'' اس نے بتایا، ''وہاں کے حاکم کو 'یلانہ خرنہ' کے نام سے پکارتے ہیں۔'' تیمور نے پوچھا، ''یہاں سے بائی زان تیوم تک کا فاصلہ کتنا ہے؟'' فیض الدین امیلی نے جواب دیا، ''وہاں تک کا راستہ خاصا طویل ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ تیرے جیسے سپہ سالار کے لئے یہ طویل نہیں جو سمرقند سے یہاں تک آ گیا ہے۔ تاہم تیرے راستے میں سرزمین روم (موجودہ ترکی) ہے۔ پہلے تجھے وہاں سے گزرنا پڑے گا، تبھی تُو بائی زان تیوم پہنچ سکے گا۔ جس روز تُو بائی زان تیوم پر قبضہ حاصل کر لے گا تو اس روز کافر سرزمین کے تمام باشندے اسلام قبول کر لیں گے اور پھر تُو حقیقتاً ساری دنیا کا بادشاہ بن جائے گا اور تیرے سوا پوری دنیا میں کسی اور بادشاہ کا وجود نہ ہوگا۔''

تیمور نے فیض الدین سے پوچھا، ''کیا بائی زان تیوم میں فصیل بھی تعمیر کی گئی ہے؟''

فیض الدین امیلی نے جواب دیا، ''ہاں اے امیر، اس میں تین فصیلیں تعمیر کی گئی ہیں اور ہر فصیل پتھروں سے بنائی گئی ہے۔ ایک فصیل عبور کرنے پر دوسری آ جاتی ہے اور پھر تیسری سامنے موجود ہوتی ہے۔ اس کے اردگرد پانی ہے، جو کوئی اس سرزمین پر قبضہ کرنا چاہے تو اسے پانی سے گزرنا ہوگا۔'' تیمور نے اس سے کہا، ''اے پاکباز انسان مجھے چونکہ کافی کام کرنا ہے، اس لئے تجھ سے مزید گفتگو نہیں کر سکتا اور صرف تیری وجہ سے شہر کے گھروں اور دکانوں کو لوٹنے اور ان مرد اور عورتوں کو غلام بنانے سے رُک جاتا ہوں، تاہم اتنا ضرور ہے کہ اس شہر کے باشندے جب تک میں یہاں ہوں، میری فوج کے ایک حصے کے راشن پانی کے خرچ کا بندوبست کریں، ایک حصے کا خرچ میں طغرل بولاک کے مال سے پورا کر لوں گا؟'' فیض الدین امیلی نے پوچھا، ''اے امیر محترم، تُو طغرل بولاک کے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟'' تیمور نے کہا، ''میں اس کے قتل سے تو ہاتھ کھینچ لیتا ہوں تاہم اس کا مال اسباب ضبط کر لوں گا۔ یہ اس وجہ سے کہ اس نے میرے ساتھ جنگ کی ہے۔'' شہر کی جامع مسجد کے امام نے کہا، ''اے امیر محترم! شہریوں کو تیری فوج کیلئے جو کچھ فراہم کرنا ہے، اس بارے میں تفصیلات بتا دے تاکہ میں ان سے وصول کر لوں اور تیرے سپاہیوں کو وصولی کے لئے ان کے پاس نہ جانا پڑے۔''

تیمور نے کہا، ''حلب کے شہری پانچ لاکھ مثقال سونا یا اس کے برابر رقم ادا کر دیں۔'' فیض الدین بولا، ''امیر محترم، اس شہر کے لوگوں کے پاس اتنی دولت ہے اور نہ ہی وہ پانچ لاکھ مثقال سونا یا اس کے برابر رقم ادا کرنے کے قابل ہیں۔ کیا تم نے سوچا ہے کہ پانچ لاکھ مثقال سونا کتنی مالیت کا بنتا ہے؟''

تیمور نے اس سے کہا، ''اے نیک بخت انسان کیا تُو نے سوچا ہے کہ اس شہر پر حملے کے باعث مجھے کس قدر نقصان پہنچا ہے اور کیا تجھے اندازہ ہے کہ اس لڑائی میں کتنے سپاہی مارے گئے ہیں؟ اور کیا تجھے معلوم ہے کہ مجھے میدان جنگ میں مارے جانے والے ہر سپاہی کے خاندان کو

ایک رقم معاوضے کے طور پر دینا پڑتی ہے۔ اگر اس شہر کے لوگ مجھ سے نہ لڑتے اور میرے سپاہی نہ مارے جاتے تو پھر مجھے معاوضہ ادا کرنا نہ پڑتا۔"
اس بوڑھے شخص نے تیمور کی باتوں کے جواب میں سر جھکا لیا اور معذرت خواہانہ لہجے میں بولا "میں کوشش کرتا ہوں کہ شہر کے لوگوں سے تیرے لیے خراج کی رقم وصول کروں اور مال داروں سے کہوں کہ وہ غریب اور نادار لوگوں کو خراج بھی ادا کریں۔"

تیمور اس گفتگو کے بعد شہر کی جامع مسجد سے نکل کر ان معاملات کو دیکھنے چلا گیا جو کسی شہر کو فتح کرنے کے بعد کسی بھی فوج کے سپہ سالار کو انجام دینا ہوتے ہیں۔ اسی روز تیمور نے طغرل بولاک کے تمام اثاثوں اور خزانے پر قبضہ کر لیا، جو سونے چاندی کی خاصی مقدار پر مبنی تھا۔ اس کے بعد تیمور کے حکم پر اس کی فوج شہر سے نکل گئی اور صرف چند دستے شہر کے اندر موجود رہے، جن کا مختلف امور کی انجام دہی کیلئے شہر میں موجود رہنا ضروری تھا۔ فیض الدین املی نے شہر کی جامع مسجد کو ہی خراج کی وصولی کیلئے مرکز بنا لیا۔ وہ جس قدر سونا چاندی شہر سے وصول کرنے کے بعد تیمور کے مقرر کردہ نمائندوں کے حوالے کرتا، اس کی رسید وصول کر لیتا تاکہ حساب کتاب میں غلطی کا امکان باقی نہ رہے۔ شہر حلب کے باشندوں سے خراج کی وصولی کا کام پانچ روز میں مکمل ہوا، تاہم تیمور کے نمائندوں کو چار لاکھ سونے کے سکوں سے زیادہ خراج وصول نہ ہو سکا۔

بہر حال شہر حلب میں خراج کی وصولی کے بعد، تیمور نے فیض الدین املی کو رات کے کھانے میں اپنے ساتھ شریک ہونے کی دعوت دی اور کھانا کھا لینے کے بعد فیض الدین املی نے تیمور کو دمشق کی خوبصورت آب و ہوا کے بارے میں بتایا۔ کہا جاتا ہے کہ فیض الدین املی نے جان بوجھ کر دمشق کا ذکر چھیڑا تاکہ تیمور کو حلب سے نکل کر دمشق جانے پر اُبھار سکے۔ وہ کہنے لگا "اے امیر محترم، دنیا میں ایسا کوئی شہر نہیں جہاں کی بہار دمشق کے موسم بہار جیسی خوبصورت اور دلپذیر ہو۔ موسم بہار شروع ہونے سے پندرہ دن پہلے ہی دمشق کی فضا میں ہر طرف بہار کے پھولوں کی دلآویز خوشبو پھیل جاتی ہے۔ اور جب شہر سے باہر قدم رکھو تو جدھر نظر اٹھاؤ وہاں ہر طرف پھول اور سبزہ نظر آئے گا اور تمہیں ہر طرف چہچہاتے پرندے نظر آئیں گے۔ دمشق میں بردہ نامی ایک دریا بہتا ہے۔ موسم بہار کے آغاز میں سفید رنگ کے پھول، سرخ رنگ کے پھول، بادام کے درخت، خوبانی کے درخت، چیڑھ اور آڑو کے درخت دریائے بردہ کے دونوں کناروں پر دونوں جانب جتنی دور تک نظر دیکھ سکے یہ درخت اور پھول نظر آتے ہیں۔"

تیمور نے فیض الدین املی سے پوچھا، "کیا دمشق کا شہر حلب سے چھوٹا ہے؟" وہ کہنے لگا "ہاں اے امیر، دمشق ہمارے اس شہر سے چھوٹا ہے۔ مگر وہ بے حد خوبصورت شہر ہے۔ اگر تم کسی بلندی والی جگہ سے دمشق کا نظارہ کرو، بالخصوص موسم بہار کے دوران تو تمہیں یوں لگے گا جیسے تم کسی بڑے میدان جنگ یا باغ کے مرکز میں رکھے ہیروں، فیروزہ وغیرہ کو دیکھ رہے ہو۔"

تیمور نے کہا، "اے شیخ، میں نے سنا ہے کہ دمشق کے باشندے کسی دور میں عیسائیت پر یقین رکھتے تھے؟" امام مسجد بولا "ہاں، اے امیر سینٹ پال دمشق میں ہجرت نبویؐ سے پانچ سو سال قبل آئے تھے اور انہوں نے اس شہر کے باشندوں کو نصرانی کر لیا اور یہاں ایک گرجا گھر بھی تعمیر کیا۔ یہ وہی گرجا گھر ہے جو سب سے پہلے مسلمانوں کے ہاتھوں مسجد میں تبدیل ہوا۔" تیمور نے پوچھا، "مسلمانوں نے کس دور میں اس گرجا گھر کو مسجد میں تبدیل کیا؟" فیض الدین املی نے جواب دیا، "سترہ ہجری میں خلیفہ دوم حضرت عمر ابن الخطابؓ نے شام فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ انہوں نے حضرت عمرو بن العاصؓ کی سربراہی میں ایک فوج روانہ کی۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے دمشق پر قبضہ کر لیا اور خلیفہ دوم حضرت عمرؓ کو پیغام بھیجا کہ وہ

دمشق تشریف لائیں۔ جس روز حضرت عمرؓ نے دمشق میں داخل ہونا تھا، شہر کے تمام بڑے بڑے لوگ خلیفہ کی پزیرائی کے لئے شہر سے باہر آئے، لیکن وہاں انہیں خلیفہ کی سواری کا نام ونشان نظر نہ آیا۔ کچھ دیر بعد انہوں نے دیکھا کہ ایک سیاہ چہرہ آدمی اونٹ پر سوار ہوکر ان کی طرف آرہا ہے اور ایک طویل قامت سفید چہرے والا شخص اس اونٹ کی مہار اپنے کندھے پر رکھے آرہا ہے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ بولے، ''خلیفۃ المسلمین تشریف لے آئے۔'' شہر کے لوگ تعجب سے بولے، ''کیا وہ سیاہ چہرے والا آدمی خلیفۃ المسلمین ہے؟'' حضرت عمرو بن العاصؓ بولے، ''نہیں، وہ تو خلیفہ کا غلام ہے جبکہ خلیفہ وہ ہیں جنہوں نے اونٹ کی مہار تھام رکھی ہے۔'' دمشق کے اشرفین کی حیرت اور بڑھ گئی اور وہ تعجب سے کہنے لگے، ''یہ کیسا زمام دار ہے کہ خود تو پیدل چل رہا ہے اور اس کا غلام اونٹ پر سوار ہے؟'' عمرو بن العاصؓ نے جواب دیا، ''اسلام میں سب برابر ہیں، سفید فام کو سیاہ فام پر کوئی برتری حاصل نہیں، نیز آقا اور غلام میں کوئی فرق نہیں ہے۔ خلیفۃ المسلمین کا طریقہ کار مساوات پر مبنی ہے، جس کے تحت سفر ایک میں کوس تک وہ خود اونٹ پر بیٹھتے ہیں اور غلام مہار لئے ساتھ چلتا ہے پھر ایک کوس کے بعد غلام کو اونٹ پر سوار کر کے مہار خود تھام لیتے ہیں اور اونٹ کو لیے چلتے ہیں۔''

دمشق کے زعماء یہ دیکھ کر بول اٹھے، ''بلاشبہ جس دین میں عدل وانصاف اور مساوات کا یہ معیار ہو وہ دین برحق ہے۔'' چنانچہ وہ لوگ اسی وقت مسلمان ہوگئے۔ خلیفہ دوم حضرت عمرؓ اسی وقت دمشق کے گرجے کی طرف تشریف لے گئے جسے سینٹ پال نے اس شہر میں تعمیر کیا تھا۔ وہاں پہنچ کر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ گرجا آج سے بنام خدا مسلمانوں کی مسجد بن گیا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے گرجا گھر میں قدم رکھا اور قبلے کی طرف رُخ کر کے کھڑے ہوگئے اور وہاں موجود مسلمانوں نے حضرت عمرؓ کی امامت میں نماز ادا کی۔ اسی بناء پر دمشق کا گرجا گھر وہ پہلا گرجا ہے جو مسلمانوں کے ہاتھوں مسجد میں تبدیل ہوا اور پہلی مرتبہ مسلمانوں نے ایک ایسے گرجا گھر میں باجماعت نماز ادا کی جسے مسجد قرار دیا گیا تھا۔''

تیمور نے پوچھا، ''وہ گرجا، جو حضرت عمرؓ کے ہاتھوں مسجد میں تبدیل ہوا، کیا اب بھی موجود ہے؟'' شیخ فیض الدین امیلی نے جواب دیا، ''ہاں اے امیر محترم، تاہم گرجے کی عمارت کافی تبدیل ہوچکی ہے، کیونکہ میں جب دمشق گیا تو وہ اموی خلفاء کا پایہ تخت تھا، جنہوں نے اس گرجا گھر کی عمارت میں توسیع کی، اس کے اطراف میں موجود گھر خرید کر گرا دیے گئے تاکہ ان کی زمین کو مسجد کے ساتھ ملحق کر دیا جائے۔ تاہم جس جگہ خلیفہء دوم حضرت عمرؓ نے نماز ادا کی تھی وہ جگہ اب بھی موجود ہے اور وہ مسجد اب ''مسجد عمرؓ'' کے نام سے پکاری جاتی ہے۔''

تیمور نے کہا، ''میری خواہش ہے کہ مسجد عمرؓ کو اپنی آنکھوں سے دیکھوں اور اسی جگہ نماز میں خدا کی حمد بیان کروں جہاں قبلہ رو ہوکر حضرت عمرؓ نے نماز ادا کی تھی۔'' فیض الدین امیلی بولا، ''اے امیر، چونکہ تُو مجھ سے محبت سے پیش آیا ہے اور میرے ساتھ پُر شفقت رویۂ روا رکھے ہوئے ہے، اس سے مجھے حوصلہ ملا ہے اور میں تجھے دو نصیحتیں کرنا چاہتا ہوں۔'' تیمور نے پوچھا، ''وہ دو نصیحتیں کیا ہیں؟'' شہر حلب کی جامع مسجد کے امام نے کہا، ''میری تیرے لئے پہلی نصیحت یہ ہے کہ تُو دمشق میں موسم بہار میں داخل ہو کیونکہ موسم بہار میں دمشق دوسرے موسموں کی نسبت زیادہ خوبصورت اور دلپذیر معلوم ہوتا ہے اور دوسری نصیحت یہ ہے کہ دمشق میں داخل ہونے سے پہلے وہاں کے سلطان کیلئے تحائف ارسال کر اور دوستانہ انداز میں دمشق میں داخل ہو۔''

تیمور نے دریافت کیا، ''دمشق کا سلطان کون ہے؟'' وہ بولا، ''دمشق کا حکمران وہی سلطان روم ہے اور وہ اس قدر طاقت ور اور صاحب

ثروت ہے کہ لوگ اس کا نام سن کر ہی کانپنے لگتے ہیں۔''

تیمور نے اس سے کہا، ''جب میں شہر حلب میں آنا چاہتا تھا تو لوگ اس وقت بھی مجھ سے ایسی ہی باتیں کیا کرتے تھے کہ حلب کا سلطان طغرل بولاک ایک جن ہے اور اس قدر طاقت ور ہے کہ مجھے ایک ہاتھ سے اُٹھا لے گا، جبکہ تُو نے دیکھ لیا کہ میں نے اس شہر پر باآسانی قبضہ کر لیا اور اب طغرل بولاک میری قید میں ہے۔''

شیخ فیض الدین امیلی کہنے لگا، ''اے امیر، روم (ترکی) کا بادشاہ ایلدرم بایزید ایک مختلف آدمی ہے اور وہ واقعی اپنے نام کی طرح ایلدرم (یعنی بجلی کی زوردار کڑک) کی طرح ہے، دمشق اور بحیرہ روم کے ساحل پر واقع تمام ملک اس کی سلطنت کا حصہ ہیں اور اگر تُو سلطان روم کی اجازت اور اس کی رضامندی کے بغیر دمشق میں داخل ہو گا تو تجھے ایلدرم بایزید سے جنگ کرنا پڑے گی۔'' تیمور نے کہا، ''میں اس سے جنگ کروں گا۔''

فیض الدین بولا، ''اے امیر، تُو بلاشبہ ایک جوان مرد اور محترم سلطان ہے، مگر میں تجھے یہ نصیحت کرتا ہوں کہ ایلدرم بایزید سے جنگ نہ کرنا کیونکہ اس میں پشیمانی کے سوا کچھ حاصل نہ ہو گا۔'' تیمور نے امام مسجد سے کہا، ''اے شیخ، کیا تُو نے خود مجھ سے نہیں کہا تھا کہ میں بائی زان تیوم (استنبول) جاؤں اور وہاں سے کافروں کی دو ہزار سالہ جمع شدہ دولت لے آؤں اور وہاں کے کافروں کو مسلمان کر لوں؟'' شہر حلب کی جامع مسجد کا امام بولا، ''کیوں نہیں، اے امیر، میں نے ایسا ہی کہا تھا۔'' تیمور نے پوچھا، ''کیا بائی زان تیوم جانے کے لئے ملک روم کے سواء کوئی اور راستہ بھی ہے؟ میرے خیال سے تو میں جب تک روم سے نہیں گزروں گا، بائی زان تیوم نہیں پہنچ سکتا اور روم سے گزرنے کے لئے بھی مجھے ایلدرم بایزید سے لڑنا پڑے گا۔''

فیض الدین امیلی بولا، ''بایزید سے بچ کر رہ، کیونکہ وہ بہت مال دار بھی ہے اور بے حد دلیر بھی، وہ ایک بہت بڑی فوج اور اس کا سامان فراہم کر سکتا ہے، پھر وہ اتنا طاقت ور ہے کہ اس کا ایک تلوار کا وار اونٹ کے دو ٹکڑے کر سکتا ہے۔'' تیمور نے پوچھا، ''کیا تُو نے خود دیکھا ہے کہ اس کی تلوار کے ایک ہی وار سے اونٹ کے دو ٹکڑے ہو گئے؟'' حلب کا امام مسجد بولا، ''نہیں، میں نے خود نہیں دیکھا بلکہ ایسا سُن رکھا ہے۔'' تیمور نے اس سے پوچھا، ''اے فیض الدین تُو نے یہ بات کس سے سن رکھی ہے؟'' وہ بولا، ''میں نے لوگوں سے ایسا سُنا ہے۔'' اس پر تیمور نے کہا، ''کیا تو یہ کہنا چاہتا ہے کہ تُو نے یہ بات عام لوگوں سے سُنی ہے؟'' فیض الدین نے اثبات میں سر ہلایا تو تیمور نے کہا، ''عام لوگوں کی ایسی باتوں پر بلا تصدیق یقین نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ان کی ایسی باتوں میں مبالغہ زیادہ ہوتا ہے اور حقیقت کم۔ پھر بھی اگر یہ بات سچ بھی ہو کہ ایلدرم بایزید ایک ہی وار سے اونٹ کے دو ٹکڑے کر سکتا ہے تو میں اس سے اس کے باوجود لڑوں گا، چاہے وہ میرے دو ٹکڑے کر ڈالے۔''

فیض الدین امیلی کہنے لگا، ''اے امیر محترم، اگر یہی تیرا حتمی فیصلہ ہے تو میں تجھے مزید کیا نصیحت کر سکتا ہوں؟''

تیمور نے پوچھا، ''میں نے سُنا ہے کہ دمشق میں بڑے بڑے ارباب رہتے ہیں کیا یہ بات سچ ہے؟'' وہ بولا، ''ہاں امیر یہ سچ ہے۔'' تیمور نے ان ارباب کے نام بتانے کو کہا۔ فیض الدین امیلی نے کہا، ''ان میں سے ایک عرب شاہ ہے۔'' تیمور نے پوچھا، ''عرب شاہ کو کس شعبہ علم پر عبور حاصل ہے؟'' جامع مسجد کے امام نے بتایا، ''عرب شاہ کو تمام علوم پر دسترس حاصل ہے اور وہ سریانی زبان بھی جانتا ہے۔''

تیمور نے کہا، ''میں نے سریانی زبان کے بارے میں سن تو رکھا ہے مگر آج تک کسی کو یہ زبان بولتے نہیں سنا، نہ ہی کسی کو اس زبان میں لکھتے دیکھا ہے۔''

جامع مسجد کا امام بولا، ''اے امیر، اگر تُو کبھی دمشق پہنچا اور عرب شاہ سے تیری ملاقات ہوئی تو تُو اس زبان کو بولنے والے سے مل سکے گا اور عرب شاہ تو ایسا انسان ہے کہ آج تک کسی نے اس سے ایسا سوال نہیں کیا، جس کا وہ جواب نہ جانتا ہو۔ ہاں ایسے سوالات کی بات اور ہے، جن کا کوئی جواب ہی نہ بنتا ہو۔''

پھر وہ مزید کہنے لگا، ''عرب شاہ تمام علوم کا ماہر ہے اور مائیں اس جیسے فرزند کم ہی جنم دیتی ہیں۔ دمشق کا دوسرا صاحب علم وفضل نظام الدین شامی ہے، جسے مشرق و مغرب کے فصیح ترین انسان کا لقب دیا گیا ہے اور اس دور میں اس کے جیسا فصیح انسان دنیا میں کوئی دوسرا نہیں ہے۔ دمشق کے یہ دونوں عالم اپنے علم وفضل کے اعتبار سے دنیا کے تمام عالموں میں نمایاں اور ممتاز ہیں۔ عرب شاہ تو آج کل بھی دمشق میں ہی مقیم ہے جبکہ نظام الدین شامی کے بارے میں یہ وثوق سے نہیں کہا جاسکتا کہ وہ دمشق میں قیام پزیر ہے یا کہیں سفر وغیرہ پر گیا ہوا ہے۔''

تیمور نے اس سے کہا، ''یا شیخ، میرا ارادہ ہے کہ اب میں حلب سے چلا جاؤں کیونکہ اس شہر میں زیادہ دیر رُکنا میری فوج کے لئے خطرناک ہوسکتا ہے۔ طغرل بولا کہ تو مجھے شکست نہیں دے سکا مگر مجھے اس شہر کی حسین وخوب صورت عورتوں کی وجہ سے یہاں سے جانا ہوگا۔ مجھے اپنی ذات کے حوالے سے تو ان حسین عورتوں کا کوئی خوف نہیں کہ اب میں اس عمر کو پہنچ گیا ہوں کہ جہاں آدمی خوبصورت عورتوں سے دُور بھاگتا ہے۔ وہ اس وجہ سے عورتوں سے دور نہیں بھاگتا کہ وہ اسے سُست اور کاہل بنا دیں گی، بلکہ اس وجہ سے دُور بھاگتا ہے کہ اسے ان حسین عورتوں میں کوئی دلچسپی ہی باقی نہیں رہتی۔ تاہم میری فوج کے سپاہی جوان ہیں جبکہ اس شہر کی عورتیں بے حد حسین اور دلرُبا ہیں۔ چنانچہ اگر اس شہر میں میرا قیام طویل ہوا تو اس بات کا ڈر ہے کہ میرے سپاہی جنگجویانہ دلیری کے جذبوں کو کھودیں گے اور حسیناؤں کے پہلو میں رہ کر وہ بھی زنانہ پن کا شکار ہو جائیں گے۔ اب جبکہ میں اس شہر سے نکلنا چاہتا ہوں، میری خواہش ہے کہ تُو مجھ سے کچھ مانگے تاکہ میں تیری خواہش اور درخواست پوری کروں، کیونکہ تُو نے اس وقت تک مجھ سے کچھ نہیں مانگا۔''

فیض الدین املی بولا، ''اے امیر، اب جبکہ تُو مجھ پر کرم کرنے کا خواہاں ہے تو میں اب بھی تجھ سے اپنے لئے کچھ نہیں مانگوں گا۔ ہاں البتہ یہاں کے مدرسہ عبید کے طلبا کی مدد کے سلسلے میں تیری توجہ ضرور چاہوں گا۔ دو سال سے اس مدرسے کے طلباء اور اساتذہ کو وظیفہ نہیں ملا۔ یہ لوگ کسمپرسی کا شکار ہیں۔ اگر تم ان لوگوں کا وظیفہ ادا کردو تو وہ اس تنگ حالی سے نجات پالیں گے۔''

تیمور نے اس سے پوچھا، ''تمہارے مدرسہ عبید میں پڑھنے والے طلبا کی تعداد کتنی ہے؟''

امام مسجد نے جواب دیا، ''مدرسہ میں ایک سو پندرہ طالب علم ہیں۔'' تیمور نے پوچھا، ''ہر طالب علم کو سالانہ کتنا وظیفہ ملتا ہے؟'' اس نے بیس مثقال سونا بتایا۔ اس کے بعد تیمور نے مدرسے کے معلموں کے وظیفے کے بارے میں دریافت کیا۔ اس نے بتایا، چالیس مثقال سونا۔ تیمور نے اپنے صندوق بردار (یعنی خزانچی) کو بلا کر حکم دیا کہ وہ شیخ فیض الدین املی کو تین ہزار مثقال سونا ادا کردے تاکہ وہ خود جا کر

مدرسہ عبید کے اساتذہ اور طلبا کو ان کا سالانہ وظیفہ ادا کر دے۔ اس کے بعد تیمور نے اپنے سرداروں کو طلب کر کے بتایا کہ وہ اگلے روز اس شہر سے نکل جائیں گے۔

اس روز تیمور نے دوپہر کے وقت طغرل بولاک کو طلب کر کے اس سے کہا، ''میں حلب سے جا رہا ہوں اور تجھے اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ مگر تجھے ساتھ لے جانے کا مقصد کسی قسم کا آزار پہنچانا نہیں ہے بلکہ جیسا کہ میں نے تجھ سے وعدہ کر رکھا ہے تُو میری امان میں رہے گا۔ اگر میں تجھے یہاں چھوڑ کر چلا گیا تو مجھے اپنے پیچھے یہاں کے حالات کے بارے میں اطمینان حاصل نہیں ہو سکے گا، اسی لیے میں تجھے اپنے ساتھ لے جاؤں گا تاکہ اپنے پیچھے یہاں کے حالات سے مطمئن رہوں۔ تیری غیر حاضری میں تیرا بیٹا یہاں کا حاکم رہے گا، اور تجھے یہ اطمینان دینے کیلئے کہ میں تجھے کوئی تکلیف نہ پہنچاؤں گا میں کچھ دیر بعد تجھے آزاد کر دوں گا اور اس وقت تیرا بیٹا اس بات کا پابند ہوگا کہ تیرے لیے تخت سے دستبردار ہو جائے اور تُو دوبارہ یہاں کا سلطان بن جائے۔ اگر تیرے بیٹے نے اس وقت تخت نہ چھوڑا تو میں اس کے ساتھ سختی سے پیش آؤں گا۔''

دمشق کی طرف تیمور کا سفر دو وجوہات کی وجہ سے طویل ہو گیا۔ پہلی وجہ یہ تھی کہ راستے میں انہیں چند قبائل سے جنگ کرنا پڑی اور دوسری یہ کہ سردیوں کا موسم شروع ہو گیا، جس کی وجہ سے مجبوراً کوہستانی علاقے میں قیام کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ اگر وہ لوگ سفر جاری رکھتے تو تیمور کے سپاہی اور گھوڑے نیست و نابود ہو سکتے تھے۔ تیمور اس بات پر یقین رکھتا تھا کہ دلیری اور بے خوفی اپنی جگہ ہیں مگر انسان مشیئت خداوندی کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ سرد اور گرم موسم اللہ کے مقرر کردہ ہیں، انسان کا ان پر کوئی اختیار نہیں ہے۔

تیمور جس وقت اس خطے میں پہنچا جہاں دریائے بردہ بہہ رہا تھا اور دور سے دمشق کا شہر دکھائی دے رہا تھا تو اس وقت پرندے چہچہا رہے تھے اور دریا کے دونوں جانب بادام، خوبانی اور دوسرے درختوں پر پھول اگ رہے تھے۔ تیمور کے پاس وقت ہوتا تو وہ اس دریا کے کنارے موسم بہار کے ختم ہونے تک ٹھہرا رہتا، مگر اس کے پاس وقت نہ تھا کہ بہار کا موسم دریائے بردہ کے کنارے گزارتا اور نہ دمشق کے حاکم قوتول حمزہ ہی نے تیمور کو آرام کرنے کا موقع دیا۔

تیمور اور اس کی فوج ابھی دمشق سے دو کوس کے فاصلے پر تھے کہ قوتول حمزہ نے ان پر اپنی جنگی گاڑیوں کے ساتھ حملہ کر دیا۔ قوتول حمزہ ترک تھا اور ایلدرم بایزید کے منصب داروں میں شمار ہوتا تھا۔ جسمانی اعتبار سے وہ عام ترکوں کی مانند تھا۔ اس کا قد درمیانہ اور کندھے چوڑے تھے۔ تیمور نے اس وقت تک رومیوں (یعنی ترکوں) کو نہ دیکھا تھا۔ البتہ جب وہ روم میں داخل ہوا تو اس نے پہلی بار یہ دیکھا کہ رومی لوگوں میں بلند قد کے کم ہی لوگ ہیں اور ان کے مردوں کی اکثریت درمیانے قد کی مالک ہے، جبکہ وہ چوڑے کندھوں والے اور مضبوط و توانا ہیں۔ قوتول حمزہ کی عمر تقریباً پچاس برس تھی۔ اس کے سر پر ایک بہت بڑا ''پگڑ'' سا تھا۔ تیمور نے جب اسے پہلی بار دیکھا تو اسے حیرانگی ہوئی کہ وہ اس ''پگڑ'' کے ساتھ کس طرح لڑ سکے گا۔ تاہم تیمور یہ بھی جانتا تھا کہ جس قوم نے پہلی بار جنگی گاڑیاں استعمال کیں وہ رومیوں کی تھی۔

رومیوں سے پہلے کسی نے نہ تو جنگی گاڑیاں بنائیں اور نہ ہی انہیں استعمال کیا تھا۔ اسی لیے یہ بات حیرت کا باعث نہ تھی کہ قوتول حمزہ ان گاڑیوں کے ساتھ میدان جنگ میں آیا تھا۔ ان گاڑیوں کے آگے یعنی گھوڑے جوتنے کی جگہ پر بہت تیز قسم کے آلے لگے ہوئے تھے جو واضح طور پر

بے حد مہلک تھے۔گھوڑوں کو جوتنے کی جگہ اور اس آلے جو درانتی کی طرح کا تھا، کے درمیان ایک گز کا فاصلہ تھا۔ جب وہ لوگ گھوڑوں کو تیزی سے آگے بڑھاتے تو یہ تیز دھار لمبا آلہ بے حد مہلک ہتھیار بن جاتا۔ ان گاڑیوں میں سے ہر ایک کے آگے چار گھوڑے جتے ہوئے تھے۔گھوڑوں کو جوتنے کیلئے زنجیر دار چمڑا استعمال کیا گیا تھا۔تا کہ تلوار کے وار سے وہ چمڑا کٹ نہ سکے۔ ہر گاڑی میں ایک لکڑی کا ڈبہ سا بنا ہوا تھا۔گاڑی چلانے والے ان ڈبوں میں بیٹھتے تھے، تا کہ نہ تو تیر ان کو لگ سکیں اور نہ ہی انہیں پتھروں سے نشانہ بنایا جا سکے۔

جس وقت قوتول حمزہ نے ان پر حملہ کیا تو تیمور یہ نہ جان سکا کہ اس نے کتنی گاڑیاں حملے میں استعمال کیں، تاہم بعد میں معلوم ہوا کہ پانچ سو گاڑیاں حملے کیلئے استعمال کی گئی تھیں۔ ان گاڑیوں کو دو حصوں میں ترتیب دیا گیا تھا۔ آدھی ایک صف میں اور باقی دوسری صف میں حملے میں شریک تھیں۔ حملے کے وقت ان گاڑیوں کی رفتار آہستہ تھی اور اس وقت تک تیموری فوج میں کسی کو یہ اندازہ نہ تھا کہ یہ گاڑیاں ان کے لئے کس قدر مہلک ثابت ہونگی۔

جب یہ گاڑیاں تیمور کی فوج کے نزدیک پہنچیں تو ایک دم ان کی رفتار تیز ہوگئی اور انہوں نے اس تیزی سے حملہ کیا کہ انہیں روکنے کا ہر طریقہ ناکام ہو کر رہ گیا۔

تیمور کو اس حملے نے پوری طرح سے گرفت میں لے لیا اور وہ فوری طور پر ان گاڑیوں کا کوئی توڑ نہ کر سکا۔ یہ گاڑیوں ہوا کی سی تیزی سے تیمور کی فوج کی صفوں میں گھس گئیں اور انہوں نے اس کے سوار سپاہیوں کو گھوڑوں سمیت اُلٹا کر رکھ دیا۔ گاڑیوں کا یہ حملہ اس قدر شدید اور مہلک تھا کہ تیمور کو فوری طور پر پیچھے ہٹنے کا حکم دینا پڑا۔ تیمور نے یہ دیکھ کر کہ ان گاڑیوں کا اُن کے پاس کوئی توڑ نہیں اور اگر کچھ دیر اور اس کے سوار سپاہی ان گاڑیوں کے سامنے موجود رہے تو سب کے سب مارے جائیں گے، حکم دیا کہ تمام سوار سپاہی فوری طور پر میدان جنگ سے نکل جائیں اور دمشق کے قریب واقعہ قصبہ آوک چلے جائیں۔

قوتول حمزہ کی گاڑیوں کا یہ حملہ اس قدر مہلک تھا کہ اگر گاڑیوں کی دوسری قطار تیمور کے سپاہیوں تک پہنچ جاتی تو اس کے سپاہیوں کی ہلاکتیں اس قدر زیادہ ہوتیں کہ اس کے پاس فوری طور پر شام سے نکل جانے کے سوا کوئی راستہ باقی نہ بچتا۔

شاید یہ داستان پڑھنے والے کچھ لوگ یہ خیال کریں کہ تیمور اس روز جو برج حمل کا دوسرا دن (22 مارچ) تھا، ڈر گیا اور خوف کے مارے پیچھے ہٹ گیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کیلئے ہرگز خوفزدہ نہ ہوا تھا کیونکہ وہ خود کو متعدد بار جنگ میں آزما چکا تھا اور موت سے کوئی خوف نہ رکھتا تھا۔

تیمور اس وقت سے لے کر جب اکیس برس کی عمر میں کروتائی میں اسے پچاس لوگوں سے تنہا مقابلہ کرنا پڑا تھا، آخر وقت تک کبھی بھی نہیں ڈرا اور میدان جنگ میں موت کا خوف اس کیلئے قطعی اجنبی تھا۔

مگر ایک فوج کا سپہ سالار اپنی فوج کے سارے سپاہیوں کی جانوں کا بھی ذمہ دار ہوتا ہے اور اس پر لازم ہے کہ بلاوجہ اپنے سپاہیوں کی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالے۔ جب یہ یقین ہو جائے کہ فتح کی کوئی صورت نہیں ہے تو ایسی صورت میں سپاہیوں کی جانوں کا ضیاع نہیں کرانا چاہیے۔ خاص طور پر ایسے ملک میں جہاں سپاہیوں کی نئی بھرتی کا کوئی امکان نہ ہو۔ تیمور شام میں نئے سپاہی بھرتی نہیں کر سکتا تھا۔ اور اگر وہاں ایسے

آدمی موجود بھی ہوتے جو اس کی فوج میں شامل ہونا چاہتے تو وہ ان پر بھروسا نہ کرسکتا تھا۔

انہی وجوہات کی بناء پر تیمور نے اپنی فوج کو پیچھے ہٹنے کے احکامات جاری کر دیئے اور اس کے سپاہی بڑی تیزی سے پیچھے ہٹتے ہوئے قصبہ آوک کی طرف پسپائی اختیار کرنے لگے۔ قصبہ آوک دمشق کے نزدیک واقع تھا اور برتن بنانے کے حوالے سے شہرت رکھتا تھا۔ اس قصبے کے نزدیک پہنچ کر تیمور نے اپنے سپاہیوں کی صفوں کو جنگی انداز میں ترتیب دیا کیونکہ اس بات کا امکان موجود تھا کہ دشمن ان کے پیچھے آ کر دوبارہ حملہ آور ہو جاتا۔ البتہ تیمور نے اپنے سرداروں کو حکم دیا کہ اگر وہ یہ دیکھیں کہ انکے سامنے دشمن کی جنگی گاڑیاں آ رہی ہیں تو اپنے سپاہیوں کو پسپائی کا حکم دیں، کیونکہ ایسی صورت میں سپاہیوں کو دشمن کے مقابلے پر لانا، ان کی خودکشی کے مترادف ہوگا۔ تاہم فوج کے پہرے داروں نے جو اردگرد دُور تک نظریں جمائے ہوئے تھے، بتایا کہ دشمن کی گاڑیوں کا دُور تک کوئی نام ونشان نہیں ہے۔ جس سے یہ اندازہ ہوا کہ قوتول حمزہ (جسے تیمور نے اب تک دیکھا نہ تھا محض اس کے بارے میں سُن رکھا تھا) انکا اس قصبہ آوک تک پیچھا کرنے کا ارادہ نہ رکھتا تھا۔

اسی رات تیمور نے آوک نامی قصبہ کے باہر اپنی خیمہ گاہ میں فوج کے سرداروں کی مجلس مشاورت طلب کی اور ان سب کے جمع ہونے پر قوتول حمزہ کی جنگی گاڑیوں کا توڑ کرنے کے بارے میں تجاویز مانگیں۔ یہ تو ان سب کو پتہ تھا کہ گاڑیوں کو ناکارہ بنانے کیلئے انہیں گھوڑوں کو مارنا ضروری تھا، مگر یہ نہیں جانتے تھے کہ ایسا کیا کیسے جائے۔ اچانک، تیمور کا ایک سردار جس کا نام اتابک تھا اور جو اس کے بیٹے شاہ رُخ کا اتالیق تھا، بول اٹھا: ''ہم قوتول حمزہ کے خلاف بھی وہی طریقہ کیوں نہ آزمائیں جو ہم نے ابدال کلزئی کے خلاف جنگ میں اختیار کیا تھا؟'' تیمور نے خود سے کہا، ''واہ کیا بات ہے۔ بارود کے استعمال کا یہ زبردست خیال مجھے کیوں نہ آیا اور میں یہ بات کیسے بھول گیا کہ ہمارے پاس ایک انتہائی مہلک ہتھیار موجود ہے؟''

حقیقت میں جو چیز قوتول حمزہ کی خطرناک گاڑیوں کے گھوڑوں کو روک سکتی تھی، وہ بارود ہی تھا۔ لیکن اس وقت تیمور کی فوج کے پاس مناسب مقدار میں چمڑا یا جانوروں کی کھالیں نہ تھیں کہ وہ ان میں بارود رکھ کر فتیلے کے ذریعے انہیں آگ لگا سکتے۔ اتابک جو تمام جنگوں میں تیمور کے ساتھ حصہ لیتا آیا تھا، کہنے لگا: ''اس خطہ میں جو برتن بنانے کے حوالے سے دنیا بھر کا مرکز ہے، برتن با آسانی کثیر تعداد میں دستیاب ہو سکتے ہیں۔ کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ ہم بارود کو برتنوں میں رکھ کر کام چلالیں؟'' تیمور نے کہا، ''ہمیں تجربہ کر کے دیکھنا ہوگا کہ آیا بارود کو برتنوں (کوزوں) میں رکھ کر آگ لگائی جاسکتی ہے یا نہیں۔

اس رات تیمور کے حکم سے اس کے سپاہیوں نے بہت سے برتنوں (کوزوں) میں بارود بھر کر ان کے ڈھکن بند کیے اور ان کے ساتھ فیتہ لگا کر اسے برتن سے باہر کھینچ لیا۔ اس کے بعد فیتے کو آگ لگا کر انہوں نے برتن دور پھینک دیئے۔ تمام برتن ایسی زوردار آواز کے ساتھ پھٹ گئے کہ ان سے کانوں کے پردے پھٹتے محسوس ہوئے۔

اس رات تیمور کو خوشی کے مارے نیند نہ آئی، کیونکہ اسے یقین ہو گیا تھا کہ اس نے قوتول حمزہ کی گاڑیوں سے نپٹنے کا طریقہ پالیا ہے۔ صبح ہوتے ہی تیمور نے حکم دیا کہ کثیر تعداد میں قصبہ سے برتن خرید لیے جائیں اور انہیں بارود سے بھر دیا جائے۔

چونکہ دمشق کے حاکم قوتول حمزہ نے ایک روز پہلے اپنی جنگی گاڑیوں کو دو صفوں میں تقسیم کیا تھا، اس لیے تیمور نے بھی اپنے بارود بھرے

برتن پھینکنے والوں کے دو دستے بنا دیئے۔ برتن پھینکنے والے ہر گھڑ سوار سپاہی کے پاس بارود سے بھرے برتنوں کا ایک تھیلا تھا جو اس نے گھوڑے کے ساتھ لٹکا رکھا تھا۔ تیمور نے ان برتن پھینکنے والوں کو ہدایت کی کہ وہ بارود سے بھرے برتن اس انداز میں دشمن کی گاڑیوں پر پھینکیں کہ وہ عین گاڑیوں کے آگے جتے گھوڑوں پر جا گریں اور وہاں پھٹ جائیں۔

اس کے بعد تیمور نے اپنی فوج کو دمشق کی طرف روانگی کا حکم دیا۔ تیمور کو چنتہ یقین تھا کہ دشمن کے پہرے دار دُور سے انہیں اپنی طرف آتا دیکھ لیں گے۔ اس روز قوتول حمزہ کی جنگی گاڑیوں نے تیمور کی فوج پر دریائے بردہ کے نزدیک عین اسی جگہ حملہ کیا جہاں ایک روز پہلے ان پر حملہ کیا تھا۔ تیمور کے برتن پھینکنے والے سپاہی اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر ان گاڑیوں کے نزدیک پہنچے اور فتیلوں کو آگ لگا کر گاڑیوں کے آگے جتے گھوڑوں پر برتن پھینک دیئے۔

بارود بھرے برتنوں کا نتیجہ تیمور کی توقع سے بھی زیادہ فائدہ مند ثابت ہوا۔ ان برتنوں کے پھٹنے سے نہ صرف دشمن کی گاڑیوں کو کھینچنے والے گھوڑے فوراً مر جاتے یا زخمی ہو کر دوبارہ چلنے سے معذور ہو جاتے بلکہ ان برتنوں کے پھٹنے کی زوردار آواز دشمن کے سپاہیوں کو اس قدر خوفزدہ کر دیتی کہ ان کی گاڑیوں کی حرکت بالکل ختم ہو کر رہ جاتی اور اس کے بعد تیمور نے دیکھا کہ دشمن کے سپاہیوں نے گھوڑوں کی لگامیں موڑیں اور گاڑیوں کو واپس کھینچتے چلے گئے۔

اس روز دشمن کی جنگی گاڑیوں کی دوسری صف حملے میں شریک نہ ہوئی بلکہ حملے کے بغیر ہی واپس لوٹ گئی چنانچہ تیمور نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ ان کا پیچھا کیا جائے۔ یہ گاڑیاں اس تیز رفتاری سے واپس پلٹ رہی تھیں کہ تیمور کے سپاہی ان تک نہ پہنچ سکتے تھے چنانچہ وہ سب دمشق شہر میں داخل ہو گئے اور پہرے داروں نے دروازے بند کر دیئے۔ ان گاڑیوں کے سمت بدل کر دمشق شہر کی طرف فرار ہونے سے قبل تیمور نے دیکھا کہ اس کا ایک سپاہی بارود بھرے برتنوں کو اپنے ہاتھ سے پھینکنے کے بجائے رسی کی مدد سے پتھر پھینکنے والے آلے کی مدد سے پھینک رہا تھا۔ تیمور نے دیکھا کہ اس کی غلیل کی رسی کے سرے پتھر رکھنے والی عام رسی کی نسبت زیادہ چوڑے تھے اور اس لئے وہ با آسانی بارود بھرے برتن اس میں پھنسا کر پتھر کی جگہ انہیں دشمن کی طرف پھینک رہا تھا۔ چنانچہ تیمور نے دشمن کا پیچھا کرنے سے پہلے اس سپاہی کو اپنے حضور طلب کیا اور اس سے پوچھا، ''تمہیں رسی کی مدد سے برتن پھینکنے کا حکم کس نے دیا تھا؟'' وہ آدمی بولا، ''اے امیر، دراصل میں نے از خود یہ دیکھ کر کہ ہمارے بارود بھرے برتنوں کا حجم زیادہ نہیں یہ اندازہ لگایا کہ انہیں بالکل اسی طرح رسی کے ذریعے پھینکا جا سکتا ہے جیسے کہ عام طور پر بڑے بڑے پتھروں کو پھینکا جاتا ہے۔''

تیمور نے اس سپاہی کے آلے کو ہاتھ میں پکڑ کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس نے اس کی رسی کو زیادہ لمبا کر رکھا ہے تاکہ برتن اس میں با آسانی پکڑ میں آسکے۔ وہ شخص چھوٹے برتن کو اس آلے میں رکھ کر اسے سر کے گرد گھماتا اور اس آگ لگے فتیلے والے برتن کو دشمن کی طرف ایسے پھینکتا کہ وہ عین اس مقام پر جا گرتا جہاں اسے گرنا چاہیے تھا۔ اس سب کو دیکھ کر تیمور نے فوری طور پر ایک فیصلہ کیا اور اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ دمشق کے اندر بارود بھرے برتنوں کو بالکل اسی انداز میں پھینکا جائے جیسے کہ ان کا ساتھی سپاہی اپنے رسی والے آلے کی مدد سے پھینک رہا تھا۔ اس طرح سے بارود بھرے برتن پھینکنے کا یہ تجربہ انتہائی کامیاب رہا، صرف تین ایسے سپاہی مارے گئے تھے جو یہ برتن دشمن کی طرف پھینک رہے تھے اور وہ اس وجہ سے کہ بارود

بھرے برتن ان کے ہاتھوں میں ہی پھٹ گئے تھے۔ یہ سپاہی نہ صرف جل گئے تھے بلکہ برتنوں کے ٹکڑوں نے ان کے سر، چہرہ، سینہ اور پیٹ تک چیر کر رکھ دیئے تھے۔ ان تین سپاہیوں کی ہلاکت سے انہیں یہ سبق ملا کہ رسی والے آلے کی مدد سے برتنوں کو پھینکتے ہوئے جلد ہاتھ سے چھوڑ دینا چاہیے ورنہ بارود پھٹ کر خود پھینکنے والے کی ہلاکت کا سبب بن جاتا ہے۔ اس خطرے سے بچاؤ کیلئے انہوں نے نسبتاً لمبے فتیلے بھی لگا دیئے اور تیمور نے اپنے برتن پھینکنے والوں کو ہدایت کی کہ وہ ان رسی سے بندھے بارود بھرے برتنوں کو ایک یا دو دفعہ سے زیادہ نہ گھمائیں اور جلد چھوڑ دیں کیونکہ اگر وہ انہیں زیادہ گھمائیں گے تو فتیلے میں لگی آگ بارود تک پہنچ جائے گی اور وہ پھٹ جائے گا۔ تیمور کے برتن پھینکنے والوں نے اس کام میں اس قدر مہارت حاصل کر لی کہ اگلے برس ایلدرم بایزید کے خلاف انگوریہ میں ہونے والی جنگ کے دوران ان کا ایک بھی سپاہی اس کام کے دوران بارود کے اچانک پھٹ جانے سے ہلاک نہ ہوا حالانکہ اس جنگ میں تمام سپاہیوں نے ان بارود بھرے برتنوں کو رسی والے آلے کی مدد سے ہی دشمن کی طرف پھینکا۔

23 مارچ کو ان کی فتح اس قدر زبردست تھی کہ تیمور نے سوچا بارود بنانے کا طریقہ کبھی اس کے دشمنوں کے ہاتھ نہیں لگنا چاہیے کیونکہ اگر وہ ایسا کرنے میں کامیاب ہو جائے تو وہ بھی تیمور کی فوج کے خلاف اسے استعمال کرے گا اور بارود سے استفادہ کرنے کی برتری ان کے ہاتھ سے چھن جائے گی۔

اسی روز تیمور نے دمشق کا محاصرہ کر لیا اور اگلے روز یعنی 24 مارچ کو وہ لوگ محاصرے کے لئے ضروری سامان مہیا کرنے اور رسی والے آلے (گوپیا) کی وسیع پیمانے پر تیاری میں مصروف رہے تاکہ تمام گوپیا انداز سپاہی پتھروں کی بجائے بارود بھرے برتن پھینک سکیں۔ اسی دن ان کے گوپیا اندازوں نے یہ اندازہ لگایا کہ اگر وہ ہر برتن میں تھوڑے سے سنگریزے بھی رکھ دیں تو برتن پھٹنے کے بعد نہ صرف برتن کے ٹکڑے دشمن کے سپاہیوں کی ہلاکت کا سبب بنیں گے بلکہ یہ سنگریزے بھی انہیں بوکھلا کر رکھ دیں گے۔ جب ان لوگوں نے دمشق کا محاصرہ کرنے کے لئے ضروری سامان جمع کر لیا تو چونکہ ان کے پاس بارود کی مقدار کم بچی تھی اس لئے انہوں نے مزید بارود بھی تیار کر لیا تاکہ شہر پر حملے کے وقت کام آ سکے۔

26 مارچ کو تیمور نے تیروں کے ذریعے چند خط اہل دمشق کی طرف ارسال کیے۔ ان خطوط میں لکھا تھا کہ اگر شہر کے باشندوں نے اس کے سامنے اطاعت قبول نہ کی تو وہ ان کے مردوں کو تہ تیغ کر دے گا اور عورتوں کو اپنے سپاہیوں میں بانٹ دے گا مزید یہ کہ ان کے مال اسباب پر بھی قبضہ کر کے اپنے سرداروں اور سپاہیوں میں تقسیم کر دے گا۔

ان خطوط میں تیمور نے یہ بھی لکھا کہ اس کے سپاہیوں کے شہر میں داخل ہو جانے کے بعد جو بھی مسجد عمرؓ میں داخل ہو جائے گا تو وہ ہر طرح کے نقصان سے محفوظ رہے گا اور اسے قتل کیا جائے گا اور نہ ہی قیدی بنایا جائے گا نیز جو کوئی بھی خواہ مرد ہو یا عورت، افصح المشرقین والمغربین (یعنی مشرق و مغرب کے فصیح) نظام الدین شامی کے گھر یا عرب شاہ کے گھر پناہ لے لیگا تو وہ بھی نقصان سے محفوظ رہے گا۔

تیمور نے دمشق کی فصیل پر کھڑے پہرے داروں کے ذریعے قوتول حمزہ کے لئے بھی یہ پیغام بھجوایا کہ ''اگرچہ اس نے 22 مارچ کے روز اپنی گاڑیوں کے ساتھ مجھ پر حملہ کیا اور میرے کچھ سردار اور سپاہی مارے گئے تاہم اب بھی اگر وہ تسلیم ہو جائے تو میں اس کے جان و مال اور عزیز و اقارب کو امان دے دوں گا۔ لیکن اگر اس نے مزاحمت کی تو دمشق پر قبضہ کرنے کے بعد اسے اور اس کے تمام رشتے داروں کو قتل کرا دوں گا نیز اس کی رشتہ دار عورتوں کو قیدی بنا لیا جائے گا۔''

27 مارچ کو صبح سویرے ہی تیمور کی فوج نے دمشق پر قبضے کے لئے حملہ کردیا۔ ان کے گوپیوں کی مدد سے بارود بھرے برتن پھینکنے والے سپاہیوں نے دمشق کی فصیل پر کھڑے پہرے داروں کی طرف برتن پھینکنے شروع کردیئے۔ جیسے ہی کوئی برتن پھٹتا تو مذکورہ سپاہی فصیل کے پیچھے غائب ہوجاتے اور تیمور کے سپاہی جان لیتے کہ وہ گر پڑے ہیں۔ ان کے یہ برتن توقع سے بھی زیادہ موثر ثابت ہوئے کیونکہ جس طرف اور جہاں بھی یہ برتن فصیل کے پہرے داروں کی طرف پھینکے جاتے تو پہرے داران کے پھٹتے ہی گر پڑتے۔ تیمور کے سپاہی جو سیڑھیوں کی مدد سے اوپر چڑھ رہے تھے باآسانی اوپر پہنچ جاتے۔ ان برتنوں کے حیرت انگیز استعمال نے انہیں اس بات پر مائل کیا کہ کچھ برتن پھینکنے والوں کو فصیل پر چڑھا دیا جائے تاکہ وہ شہر کے اندر بارود بھرے برتن پھینک کر اپنے ساتھی سپاہیوں کے لئے راستہ بناتے جائیں۔

اس روز دن کا ایک حصہ بھی پوری طرح طلوع نہ ہوا تھا کہ جب قوتول حمزہ کے سپاہیوں اور تیمور کے آدمیوں کے درمیان شہر کے گلی کوچوں میں جنگ شروع ہوگئی اور اسی دوران تیمور کے سپاہی شہر کا پہلا دروازہ کھولنے میں کامیاب ہوگئے۔ تیمور نے فوراً بہت سے سپاہی اس دروازے سے شہر کے اندر داخل کردیئے۔ ان سپاہیوں کے اندر داخل ہوتے ہی شہر میں شوروغوغا مچ گیا۔

جنگ دمشق بہار کے ساتویں روز (27 مارچ) کو ان کے شہر پر حملے کے بعد سے لے کر نویں دن (29 مارچ) تک جاری رہی۔ قوتول حمزہ کے سپاہیوں نے شہر کے عام مردوں کی مدد سے شہر کی گلی گلی اور گھر گھر میں ان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ ان تین دنوں کے دوران جب جنگ زوروں پر تھی تو نہ تو تیمور نے خود ایک پل ہی آرام کیا اور نہ ہی اس کے افسروں نے۔ تاہم جو سپاہی مسلسل لڑتے تھک جاتے تو تیمور انہیں شہر سے باہر نکال دیتا اور انہیں اس بات کی اجازت دے دیتا کہ کچھ دیر ستالیں۔ ان کی جگہ وہ تازہ دم سپاہی شہر میں بھیج دیتا۔

تیمور دشمن کا دفاع توڑنے کے لئے ہر طرح کے وسائل استعمال کررہا تھا لیکن دوپہر کے وقت ان کا بارود کا ذخیرہ ختم ہوگیا۔ اس روز تک تیمور کو یہ اندازہ نہ تھا کہ ایک بڑی جنگ میں انہیں بارود کا بہت زیادہ استعمال کرنا پڑسکتا ہے اور یہ کہ ایسی جنگوں میں انہیں بارود کا بہت بڑا ذخیرہ اپنے پاس رکھنا چاہیے تاکہ برتنوں میں ڈال کر استعمال کرتے ہوئے بارود ختم نہ ہوجائے۔ بارود تیار کرکے اسے سوکھاتے ہوئے دو روز لگ جاتے اور وہ بھی اس صورت میں کہ دن رات اس پر کام کیا جاتا۔ جنگ دمشق کے دوران وہ بارود اس طرح تیار نہ کرسکے کہ اس سے بھرپور استفادہ کرسکتے۔ چنانچہ 27 مارچ کو دوپہر کے بعد وہ لوگ ذخیرہ ختم ہوجانے کے باعث دمشق میں بارود مزید استعمال نہ کرسکے اور عام جنگی ہتھیاروں یعنی تلوار، گرز، نیزے اور اسی طرح کے دوسرے ہتھیاروں کی مدد سے لڑتے رہے۔

بعض مقامات پر انہیں راستے کے درمیان واقع گھروں کو گینتیوں اور پھاوڑوں کی مدد سے مسمار کرنا پڑا۔ تیمور نے حکم دیا کہ گھروں کو گرانے کے لئے شہر کے آس پاس آباد بستیوں کے مکینوں سے بیگار لی جائے تاکہ اس کے سپاہی جو لڑائی میں مسلسل مصروف تھے، گھر گرانے میں نہ لگے رہیں اور ان کا وقت ضائع نہ ہو۔ تیمور نے یہ بھی حکم دیا کہ جو بھی بیگار میں سُستی یا ٹال مٹول سے کام لے تو اسے فوراً قتل کردیا جائے۔

26 مارچ کو دمشق کے اندر لڑائی کی وجہ سے اس قدر آگ لگائی گئی کہ شہر رات کو بھی دن کی طرح روشن ہوگیا اور تیمور کے سپاہی ہر جگہ دیکھ سکنے کے قابل ہوگئے۔ تاہم آگ کا دھواں ان کے لئے تکلیف کا باعث بن رہا تھا اور اس سے سپاہیوں کی سانس اکھڑنے لگتی اور انہیں کھانسی آنے

لگتی۔ بہر حال ساری رات آگ کی روشنی میں جنگ جاری رہی اور جب صبح ہوئی تب بھی تیمور کے سپاہی قوتول حمزہ کے آدمیوں سے لڑنے میں مصروف تھے۔اس دوران تیمور کئی مرتبہ شہر کے اندر گیا اور جنگ کی صورت حال پر نظر رکھتا رہا۔ تیمور نے اپنے سرداروں کو حکم دیا کہ جنگ اس وقت تک جاری رکھی جائے کہ قوتول حمزہ ہتھیار ڈال دے چاہے جنگ میں دمشق کا ایک بھی باشندہ زندہ باقی نہ رہے۔ دراصل تیمور جانتا تھا کہ اس کا دشمن قوی اور باہمت ہے اور اگر اس نے دشمن کو مہلت دی تو وہ اپنی قوت مجتمع کر لے گا اور ایلدرم بایزید سے مزید کمک طلب کر کے نئے ولولے سے مقابلے پر آجائے گا، اس طرح دمشق پر قبضے کا تیمور کا منصوبہ کھٹائی میں پڑ سکتا تھا۔ جب 26 مارچ کی صبح طلوع ہوئی تو تیمور کی فوج شہر کے ایک حصے پر قبضہ جما چکی تھی تاہم شہر کے شمالی اور شمال مغربی حصے ابھی تک قوتول حمزہ کے قبضے میں تھے۔

28 مارچ کی صبح جب تیمور گھوڑے پر سوار ہو کر دمشق میں داخل ہوا تو اس کا گھوڑا لاشوں پر سے گزر رہا تھا۔ مردوں کے ساتھ کچھ عورتوں کی لاشیں بھی نظر آرہی تھیں، دمشق کی یہ عورتیں مردوں کی مدد کیلئے آئی تھیں اور قتل ہو گئیں۔

دمشق کے گھر گرانے میں قوتول حمزہ کے سپاہی سخت رکاوٹ ڈال رہے تھے، جب 26 مارچ کو تیمور کے سپاہیوں نے بیگار سے کام لینا شروع کیا اور اطراف کے باشندوں کو کام پر لگایا تو اس میں تیزی آگئی اور جیسے جیسے دن بڑھتا گیا، تیمور کی فوج شہر کے شمالی حصے پر بھی قابض ہوتی چلی گئی۔ بہار کے آٹھویں روز تیمور شہر کا جائزہ لیتے ہوئے مسجد عمرؓ کی طرف چل پڑا۔ یہ مسجد لوگوں سے بھری پڑی تھی۔ مسجد کے سامنے ایک داڑھی والا آدمی جس نے سر پر پگڑی باندھ رکھی تھی اور اس کا پلو گردن کے گرد لپیٹ رکھا تھا، تیمور کی طرف آیا۔ پہلے اس نے عربی میں پھر فارسی میں کہا: ''اے امیر محترم رحم کر۔'' تیمور نے اپنے گھوڑے کی لگام کھینچی اور اس شخص سے پوچھا، ''تُو کون ہے؟'' وہ بولا، ''اے عظیم سلطان، میں نظام الدین شامی ہوں، جس کے گھر کو تُو نے اپنی ذرہ نوازی سے امان کی جگہ قرار دے دیا ہے اور کہا ہے کہ جو بھی میرے گھر میں پناہ لے لیگا وہ محفوظ رہے گا۔'' تیمور نے اس سے کہا، ''یہ تو تیرا گھر نہیں ہے؟'' نظام الدین نے جواب دیا، ''نہیں اے امیر بزرگوار، یہ میرا گھر نہیں بلکہ میرے گھر پر میرا بیٹا پناہ گزینوں کی دیکھ بھال کر رہا ہے اور میں یہاں چلا آیا ہوں تاکہ ان لوگوں کا خیال رکھ سکوں جو اس مسجد میں پناہ لینے جمع ہوئے ہیں۔''

تیمور نے کہا، ''جو لوگ یہاں جمع ہوئے ہیں، انہیں میری طرف سے کہہ دو کہ انہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ میں نے حضرت عمرؓ کے احترام میں انہیں معاف کر دیا ہے، جو لوگ اس مسجد میں موجود ہیں یا تیرے اور عرب شاہ کے گھر میں ہیں ان کے لئے عام معافی ہے۔'' نظام الدین بولا، ''اے محترم امیر، جو لوگ اس مسجد میں عرب شاہ اور میرے گھر میں ہیں، تیرے اس کرم اور احسان کے لئے شکر گزار ہیں لیکن اے امیر، تُو جو اس قدر عظیم اور کریم ہے، کیا یہ ممکن نہیں کہ تُو دمشق کے تمام باشندوں پر رحم کرے اور انہیں معاف کرتے ہوئے اپنے سپاہیوں کو ہدایت کر دے کہ انہیں قتل نہ کریں۔''

تیمور نے اسے جواباً کہا، ''شاید تُو یہ بھول رہا ہے کہ اس شہر کے باشندے قوتول حمزہ کے سپاہیوں کے ساتھ مل کر میری فوج کے خلاف لڑ رہے ہیں اور انہیں ہلاک کر رہے ہیں، اس صورت میں میں کیونکر ان کے قتل سے رُک سکتا ہوں جو میرے سپاہیوں کو قتل کر رہے ہیں۔'' نظام الدین بولا، ''اس شہر کے لوگ تجھ سے لڑنا نہیں چاہتے اور نہ ہی تیرے آدمیوں کو قتل کرنا چاہتے ہیں، یہ تو قوتول حمزہ نے انہیں لڑائی پر مجبور کر رکھا ہے۔'' تیمور نے کہا، ''میرے تجربے کے مطابق تو دمشق کے باشندے اپنی مرضی سے ہمارے خلاف لڑ رہے ہیں اور میں مجبور ہوں کہ مزاحمت ختم کرنے کے لئے

انہیں قتل کرادوں۔ اگر تُو انہیں جنگ جاری رکھنے سے روک سکتا ہے تو انہیں میری طرف سے کہہ دے کہ جو کوئی ہتھیار پھینک دے اور اطاعت قبول کرے اسے معاف کر دیا جائے گا اور قتل نہ کیا جائے گا۔"

نظام الدین شامی نے اس روز سورج غروب ہونے تک ان لوگوں کو جو ابھی تک لڑ رہے تھے لڑائی سے روکنے کیلئے چند مرتبہ کوشش کی اور انہیں سمجھایا کہ اگر وہ ہتھیار پھینک دیں اور تسلیم ہو جائیں تو ان کی جان بخشی ہو جائے گی۔ لیکن قوتول حمزہ کے افسروں نے ہر مرتبہ یہی جواب دیا کہ وہ کسی کو ہتھیار ڈالنے کی اجازت نہ دیں گے اور جو کوئی تسلیم ہونے کا ارادہ کرے گا اسے زندہ جلا دیا جائے گا یا پھر اس کی کھال ادھیڑ دی جائے گی۔

جب 28 مارچ کے روز سورج غروب ہوا، اس وقت تک تیمور کے سپاہی سوائے شمال مغربی حصے کے پورے دمشق پر قابض ہو چکے تھے۔

موسم بہار کی نویں رات بھی، پچھلی رات کی طرح آگ کی روشنی میں تیمور کے سپاہی گلی گلی اور گھر گھر لڑتے رہے۔ قوتول حمزہ کے سردار اور سپاہی ہتھیار ڈالنے پر تیار نہ تھے اور انہیں قتل کیے بغیر ان کے زیر تصرف علاقوں پر قبضہ ممکن نہ تھا۔ اس روز بھی شہر کے شمال مغربی حصے میں کئی عورتیں اور بچے مارے گئے کیونکہ وہ جنگ میں اپنے مردوں کی مدد کیلئے شامل ہو گئے تھے۔ یعنی قوتول حمزہ کے سپاہیوں نے انہیں جنگ میں شامل ہونے پر مجبور کیا تھا۔ 29 مارچ کی صبح تک، دمشق شہر کے شمال مغربی حصے میں دس پندرہ گھر ہی ایسے بچے تھے جو تیمور کے سپاہیوں کے ہاتھوں مسمار نہ ہوئے تھے اور ان میں ایک بڑا باغ بھی تھا جس میں قوتول حمزہ خود موجود تھا۔ جنگ کا دورانیہ کم کرنے کے لئے تیمور نے حکم دیا کہ ان گھروں اور باغ پر آٹھ اطراف سے حملہ کر دیا جائے۔

دوپہر سے کچھ دیر پہلے تیمور کے سپاہی اس باغ میں داخل ہو گئے، جس میں قوتول حمزہ موجود تھا۔ قوتول حمزہ نے اپنی تلوار سے تیمور کے سپاہیوں پر حملہ کیا مگر بہت جلد اس پر قابو پا لیا گیا اور تیمور کے سپاہیوں نے اس کا سر کاٹ کر تیمور کے حضور پیش کر دیا۔ جب دمشق کی مسجد عمرؓ کے مینار سے نماز ظہر کے لئے موذن کی آواز بلند ہوئی تو دمشق کی جنگ کا بھی تیمور کی فتح کی صورت میں خاتمہ ہو گیا۔ مگر پورا شہر اس کے نتیجے میں تباہ ہو چکا تھا۔

جنگ ختم ہونے کے بعد پتہ چلا کہ ایک روز قبل قوتول حمزہ نے شہر کے شمال مغربی حصے میں واقع عرب شاہ کے گھر پناہ لینے والوں کو زبردستی بے دخل کر کے انہیں جنگ میں حصہ لینے پر مجبور کیا تھا۔ کوئی دوسرا راستہ نہ بچنے کی وجہ سے لوگ عرب شاہ کے گھر سے باہر نکل کر جنگ میں حصہ لینے پر مجبور ہو گئے اور ان میں سے کچھ مارے گئے، زخمی ہو گئے یا قیدی بنا لئے گئے۔ قوتول حمزہ تو خود عرب شاہ کو بھی جنگ میں شامل کرنا چاہتا تھا مگر اس کی عمر اور بڑھاپے کو دیکھتے ہوئے قوتول حمزہ کے افسروں نے اسے معاف کر دیا تھا۔ اگر قوتول حمزہ کو اس معافی کی خبر مل جاتی تو وہ یقیناً عرب شاہ اور اس کا ساتھ دینے والے افسروں کو قتل کرا دیتا۔

چونکہ جنگ ختم ہو چکی تھی، اس لئے تیمور نے اپنے سپاہیوں کو قتل و غارت بند کرنے کا حکم دیا اور انہوں نے قتل عام روک دیا۔ اس کے بعد انہوں نے شہر میں مال غنیمت لوٹنا شروع کیا۔ ان کے ہاتھ جو بھی مال غنیمت لگتا اسے شہر سے باہر منتقل کر دیا جاتا تا کہ اس کی مناسب تقسیم کا بندوبست ہو سکے۔ تیمور نے نظام الدین شامی سے کہا کہ جو لوگ مسجد عمرؓ کے اندر موجود ہیں، انہیں بتا دے کہ جنگ ختم ہو گئی ہے اور اب جو شخص زندہ بچ گیا ہے وہ محفوظ رہے گا اور اسے کوئی سزا نہیں ملے گی اور اب وہ چاہیں تو مسجد سے نکل سکتے ہیں۔ مرد، عورتیں اور بچے مسجد عمرؓ سے نکل کر شہر میں ان سمتوں کی

طرف دوڑے جہاں ان کے گھر ہوا کرتے تھے، یہ خیال کر کے کہ شاید انہیں ان کا گھر مل جائے گا، مگر اب وہاں گھروں کی جگہ انہیں کھنڈر ملے۔ جب مسجد عمرؓ لوگوں سے خالی ہوگئی، تیمور اس کے اندر داخل ہوا، وضو کیا اور عین اسی مقام پر نماز کے لئے کھڑا ہوگیا جہاں حضرت عمرؓ نے نماز ادا کی تھی۔

نماز ادا کرنے کے بعد تیمور نے حکم دیا کہ دمشق کے زندہ بچے باشندوں اور آس پاس کی بستیوں کے لوگوں کو میتیں دفنانے کے کام پر لگا دیا جائے۔ اگر میتوں کو جلد نہ دفنایا جاتا تو بیماریاں پھوٹ پڑنے کا خدشہ ہوسکتا تھا کیونکہ اس وقت نسبتاً گرم موسم بہار جاری تھا اور تیمور کے سپاہی ان بیماریوں کا شکار ہوسکتے تھے۔ 29 مارچ کی دوپہر کو میتیں دفنانے کے کام کا آغاز ہوا اور میتوں کو شہر سے باہر لا کر سبزہ زاروں میں دفنا دیا گیا کیونکہ شہر کے قبرستان میں اتنی زیادہ تعداد میں میتیں دفنانے کی جگہ میسر نہ تھی۔ مُردوں کو غسل دینے اور باقاعدہ کفن پہنانے کا وقت میسر نہ تھا کیونکہ اگر ایسی کوئی کوشش کی جاتی اور تمام میتوں کو دفنانے سے پہلے غسل دیا جاتا اور کفن پہنایا جاتا تو لاشیں بودینے لگتیں اور بیماریاں پھوٹ پڑتیں چنانچہ تیمور نے حکم دیا کہ میتوں کو بغیر غسل اور کفن کے ہی دفنا دیا جائے۔

دمشق شہر کے باقی بچے باشندوں اور آس پاس کے دیہات اور قصبوں کے لوگ 29 اور 30 مارچ کے دن مُردوں کو دفنانے کے کام میں لگے رہے۔ انہوں نے گہری اور لمبی قبریں کھود کر ایک ایک قبر میں کئی مُردوں کو دفن کر دیا۔ بہرحال میتیں دفنانے کا کام 30 مارچ کی شام تک مکمل ہو گیا۔ دمشق کی جنگ میں تیمور کے 16 ہزار سپاہی مارے گئے تھے جس کی وجہ قوتول حمزہ کی سخت مزاحمت تھی، تیمور کے بہت سے سپاہی زخمی بھی تھے تاہم جنگ کا خاتمہ ان کی فتح کی صورت میں سامنے آیا تھا اور انہوں نے دمشق جیسے شہر پر قبضہ کر لیا تھا۔

30 مارچ سے لے کر 14 اپریل تک تیمور شہر کے مختلف امور کی انجام دہی میں مصروف رہا۔ دمشق مکمل طور پر کھنڈرات میں تبدیل ہو چکا تھا لہٰذا شہر میں مال غنیمت لُوٹنے کے بعد تیمور نے وہاں کے باشندوں کو دوبارہ تعمیرات کرنے اور اپنی مرضی سے آباد ہونے کی اجازت دے دی۔ تیمور نے انہیں ہدایت کی کہ دمشق کو شہر کیش کے نقشے کے مطابق تعمیر کریں۔ جسے تیمور نے خود ماوراءالنہر میں تعمیر کرایا تھا۔ چونکہ شہر کے باقی بچے لوگوں نے جنگ کے دوران خاصی تکالیف برداشت کی تھیں، اس لئے تیمور نے ایک فرمان جاری کیا اور حکم دیا کہ اس فرمان کو پتھر پر کندہ کر کے مسجد عمرؓ کی دیوار میں نصب کر دیا جائے۔

اس فرمان کی رو سے دمشق کے باشندوں کو آئندہ دس برسوں تک کے لئے ہر طرح کے مالیہ کی وصولی سے معاف کر دیا گیا ہے۔ تیمور نے اس فرمان میں یہ بھی شامل کیا کہ اگر وہ مر جائے تو اس کے بعد آنے والے اس فرمان کی پاسداری کریں اور دمشق کے باشندوں سے فرمان میں بتائے گئے عرصہ تک کے لئے کسی طرح کا مالیہ وصول نہ کریں۔ تیمور کو پتہ تھا کہ دمشق کے کچھ باشندے اس پتھر پر لکھے فرمان کو پڑھ کر دل ہی دل میں ہنس رہے ہونگے کیونکہ انہیں یقین تھا کہ ایلدرم بایزید اپنی تلوار سے تیمور کو دو ٹکڑے کر دے گا۔ ایلدرم بایزید کی تلوار کا وار شام اور روم (ترکی) میں مشہور تھا اور جیسا کہ تیمور نے حلب میں سنا تھا، وہ تلوار کے ایک ہی وار سے اونٹ کے دو ٹکڑے کر دینے کی صلاحیت کے باعث مشہور تھا۔ اپنی زندگی میں تیمور نے تلوار، کلہاڑے، نیزے اور تیر کے اس قدر زخم سہے تھے کہ اسے ایلدرم بایزید کی تلوار کے وار کا کوئی خوف نہ تھا۔

تیمور نے سوچا کہ اسے ایلدرم بایزید سے ہر صورت جنگ کرنا ہوگی اور یہ کہ ان دونوں میں سے ایک کو بہرحال ختم ہونا تھا۔ وہ دنیا کا واحد

مسلمان بادشاہ تھا جو تیمور کا اطاعت گزار نہ تھا اور تیمور کے لئے یہ بات برداشت کرنا ممکن نہ تھی کہ دنیا میں کوئی ایسا مسلم حکمران ہو جو اس کی اطاعت قبول نہ کرے تاہم یہ دانشمندی نہ تھی کہ تیمور اپنی فوج کو از سرِ نو منظم اور مزید مضبوط کئے بغیر روم کی طرف لڑائی کیلئے نکل کھڑا ہوتا۔ جیسا کہ پہلے ذکر آیا ہے، دمشق کی جنگ میں تیمور کے 16 ہزار سپاہی مارے گئے تھے جبکہ 30 ہزار کے قریب زخمی تھے۔ ان زخمیوں میں سے معمولی زخم کھانے والے تو جلد صحت یاب ہو گئے، تاہم دیگر کے زخموں کو بھرنے میں کافی وقت لگ گیا۔ ایسی صورت میں تیمور ایک ایسے سلطان سے لڑنے نہ جا سکتا تھا جو اپنے علاقے میں لڑ رہا ہو اور جتنی چاہے فوج جمع کرنے پر قادر تھا۔ اگر ایلدرم بایزید اتنی قوت کا مالک نہ بھی ہوتا جتنی کہ لوگ اس کے حوالے سے بتاتے تھے کہ وہ ایک وار سے اونٹ کے دو ٹکڑے کر سکتا تھا، تب بھی تیمور مکمل تیاری کے بغیر اس سے لڑنے نہ جاتا۔

اسی وجہ سے تیمور نے اس وقت تک دمشق میں ہی قیام کرنے کا فیصلہ کیا جب تک کہ اس کی فوج کی قوت بحال نہیں ہو جاتی۔ اپنے معمول کے مطابق، تیمور نے فوجی چھاؤنی صحرا میں قائم کی اور فوجی چھاؤنی میں ہی قیام پذیر رہا تاکہ شہر میں قیام اسے تن پرور اور سست نہ بنا دے۔ موسم بھی صحرا میں قیام کے لئے سازگار تھا۔ تاہم دن کے وقت، تیمور شہر میں چلا جاتا اور مسجد عمرؓ میں نماز ادا کرتا۔ دمشق کی جنگ کے بعد، تیمور نے اپنی سلطنت کے دوسرے مقامات کی طرح وہاں بھی کبوتر خانے قائم کئے تاکہ اپنی سلطنت کے دوسرے ملکوں کے ساتھ رابطہ قائم رکھ سکے۔ ان کبوتروں کے ذریعے تیمور نے اپنے بیٹے شاہ رُخ کو جو ماوراء النہر کے شہر کیش میں موجود تھا، بتایا کہ اس نے دمشق کی لڑائی میں فتح کے بعد شہر پر قبضہ کر لیا ہے تاہم اس جنگ میں اس کے 16 ہزار سپاہی مارے گئے اور 30 ہزار زخمی ہو گئے ہیں لہٰذا اسے فوری طور پر کمک کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد اس نے ایک تفصیلی خط لکھ کر ایک قاصد کو روانہ کیا، اس خط میں تیمور نے اپنے بیٹے کو واضح کیا کہ اسے مضبوط اور جری سپاہیوں کی ضرورت ہے، اس لئے وہ کمک بھیجنے کے لئے جن سپاہیوں کو منتخب کرے وہ چیتین، ازبک اور غوری قبائل سے ہوں۔ تیمور کے ملک میں بہت سے قبائل آباد تھے، تاہم وہ سب فوج میں بھرتی کے لئے موزوں نہ تھے۔ ان میں سے کچھ تو اس نظم وضبط کو اختیار ہی نہ کر سکتے تھے جو ایک سپاہی کے لئے ضروری ہوتا ہے اور ان کے لئے احکامات کو بجا لانا ممکن نہ تھا، تاہم تیمور نے جان لیا تھا کہ چیتین، ازبک اور غوری قبائل سپاہیوں کی بھرتی کے لئے موزوں تھے کیونکہ دلیری اور طاقت کے علاوہ یہ لوگ سپاہیوں جیسا نظم وضبط برقرار رکھنے کے اہل تھے۔

جب دمشق کے باقی بچے باشندوں کو یقین ہو گیا کہ اب انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا تو وہ اپنے گھروں کی دوبارہ تعمیر میں لگ گئے۔ انہوں نے بڑی بڑی گلیاں تعمیر کر لیں۔ چونکہ تیمور کمک کے پہنچنے کا منتظر تھا، لہٰذا اس کے پاس دمشق کے نزدیک قائم اپنی فوجی چھاؤنی میں ٹھہرے رہنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

دن کے وقت، عرب شاہ اور نظام الدین شامی تیمور سے ملاقات کیلئے چلے آتے اور تیمور ان سے مختلف علوم کے بارے میں گفتگو کرتا رہتا۔ ایک روز تیمور کو خیال آیا کہ مختلف علماء اور دانشوروں کو دمشق میں جمع کر کے ایک مجلس منعقد کرے، جس میں یہ بحث کی جائے کہ کیا کلامِ خدا کی آیات کو ایک ترتیب دی جا سکتی ہے۔ تیمور کا ارادہ ہرگز بدعت پیدا کرنا نہ تھا بلکہ وہ ان حقیقی علماء اور مذہبی دانشوروں کو ایک جگہ جمع کرنا چاہتا تھا جو حقیقتاً علم و دین کی آگاہی رکھتے تھے تاکہ ان کے سامنے یہ موضوع رکھے اور وہ آپس میں مشورہ کر کے بتائیں کہ کیا آیات قرآنی کو ایک ترتیب میں لایا جا

سکتا ہے۔ اگر ایسا ممکن تھا تو وہ یہ کام کروالیں ورنہ چھوڑ دیں۔ تیمور نے سوچا کہ وہ علماء اور دانشوروں کی ایک جماعت پر ہی اکتفانہ کرے گا بلکہ جب وہ دمشق آئیں گے تو خود ان کی آزمائش کرے گا اور یہ جاننے کی کوشش کرے گا کہ آیا وہ واقعی اس علمی سرمائے سے مالا مال ہیں، جو ان کی وجہ شہرت ہے یا نہیں۔ یہ ممکن تھا کہ ان میں سے بعض سمجھ ہی نہ پاتے کہ کسی بدعت میں پڑے بغیر آیات قرآنی کی ترتیب سے تیمور کا مقصد کیا ہے؟

تیمور نے پڑھ رکھا تھا کہ کلام اللہ یعنی قرآن مجید حضرت عثمانؓ کے دور میں ترتیب دیا گیا اور اسے کتابی صورت دی گئی۔ اس وقت تک کلام خدا مختلف جگہ پر یا تو مسلمانوں کے پاس محفوظ تھا یا پھر حفاظ کے سینوں میں تھا۔ ان میں سے بعض نے قرآن کا کچھ حصہ حفظ کر رکھا تھا اور کچھ اپنے پاس چمڑے یا اونٹ کے کندھے کی ہڈی پر تحریر کر کے محفوظ کر رکھا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے حکم دیا کہ وہ مسلمان جو پڑھے لکھے ہیں وہ قرآنی آیات جمع کریں اور انہیں ایک کتاب کی صورت میں اکٹھا کر دیں تا کہ یہ قرآنی آیات ان پڑھے لکھے مسلمانوں کی موت یا جنگ میں ان کے شہید ہو جانے کے سبب ضائع نہ ہو جائیں۔

جن لوگوں کو آیات قرآنی جمع کرنے کا کام سونپا گیا تھا، انہوں نے اپنا کام شروع کر دیا۔ جن مسلمانوں کے پاس تحریری صورت میں آیات قرآنی موجود تھیں وہ انہیں مذکورہ جماعت کے پاس جمع کراتے گئے اور یوں وہ آیات قرآنی ایک جگہ لکھی جانے لگیں۔ وہ لوگ بھی اس جماعت کے پاس آئے جنہیں آیات قرآنی حفظ تھیں چنانچہ حفاظ کرام ان آیات کو پڑھے لکھے مسلمانوں کو سناتے اور وہ انہیں ایک جگہ لکھتے جاتے۔ بعض آیات مبارکہ موضوع کے لحاظ سے آگے پیچھے تھیں اور آج بھی قرآن پاک میں اسی طرح ہیں۔

لیکن بعض آیات موضوع کے لحاظ سے تسلسل سے نہ تھیں اور جو لوگ قرآنی آیات لکھنے پر مامور تھے وہ انہیں اسی ترتیب سے لکھتے چلے گئے جس طرح وہ انہیں ملتیں۔

عرب شاہ اور نظام الدین شامی کے ساتھ مذاکرات کے بعد تیمور کے ذہن میں یہ بات آئی کہ آیا ان آیات کو قرآن میں تسلسل سے لکھنا ممکن ہے یعنی انہیں ایک ترتیب میں رکھا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اور آیا اس میں بدعت کا کوئی پہلو تو نہیں نکلتا اور کیا ایسا تو نہیں ہوگا کہ اس کے بعد کچھ ایسے لوگ پیدا ہو جائیں جو کلام خدا کی آیات میں تحریف کرنے لگیں؟

یہ وہ موضوع تھا جسے تیمور سمجھنا چاہتا تھا اور اس مسئلے پر بحث کے لئے ضروری تھا کہ اسلام کے حقیقی علماء اور دانشور ایک جگہ جمع ہوں اور اس موضوع کے متعلق باہم بات چیت کریں۔ تیمور خود تنہا اس بارے میں رائے قائم نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اسے خوف تھا کہ کہیں وہ بدعت نہ کر بیٹھے۔ قرآن پاک کلام الٰہی اور مسلمانوں کی کتاب ہے، اس لئے لازم ہے کہ اس میں کسی طرح کی تبدیلی یا تحریف نہ کی جائے۔

تیمور نے تمام اچھی شہرت رکھنے والے مسلم علماء کو خطوط لکھے اور ان حکمرانوں اور گورنروں کو بھی ان علماء کے دمشق تک پہنچنے کے سفری اخراجات ادا کرنے کی سفارش کی۔ مغربی خطہ میں جیسے کہ مصر میں تیمور کے مقرر کردہ گورنر نہ تھے، تیمور نے زاد راہ ڈرافٹ کی صورت بھجوا دیئے۔ جن علماء کرام کو تیمور نے دمشق کی اس مجلس میں شرکت کیلئے بلوایا تھا، ان میں دیگر علماء کے علاوہ جامعتہ الازہر کے متولی شیخ الازہر اور اصفہان میں مدرسہ خواجہ کے امام اور قاہرہ کی مسجد کے امام بھی شامل تھے۔ تاہم کچھ علماء کرام نے جن میں شیخ الازہر اور اصفہان کے مدرسہ خواجہ کے متولی بھی شامل تھے،

تیمور کی طرف سے دمشق آنے کی دعوت قبول نہ کی۔ بعد میں پتہ چلا کہ ان میں بعض کو یہ ڈر تھا کہ کہیں تیمور انہیں قتل ہی نہ کرا دے۔ تیمور نے ان کے اس عمل کو اس بات سے تعبیر کیا کہ ان لوگوں کو اپنے عہد نبھانے کی عادت نہیں کیونکہ جو شخص خود قول وعہد کا پابند ہو وہ دوسروں کو بھی قول وعہد کا پابند سمجھتا ہے۔ وہ سمجھ سکتا ہے کہ جب امیر تیمور گورگین جیسا آدمی کسی کو اسلامی مجلس میں شرکت کے لئے دعوت دیتا ہے تو اسے قتل کرانے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ لیکن پھر بھی مغرب کے بہت سے نامور علماء دمشق میں جمع ہو گئے۔ ان میں سے مشہور ترین کے نام یہ ہیں۔ عمادالدین مغربی، سراج اسکندری، بہاءالدین حلبی، ابن خلدون، نظام الدین شامی اور عرب شاہ۔

ان مسلمان مفکروں کے جمع ہونے سے پہلے تیمور کے بیٹے کی طرف سے بھیجی گئی کمک کا پہلا فوجی دستہ موسم گرما کے آغاز میں دمشق پہنچ گیا۔ تیمور نے دیکھا کہ اس دستے میں وہی سپاہی شامل تھے، جنہیں اس نے اپنے بیٹے کو منتخب کرنے کی ہدایت کی تھی اور ان کے ہتھیار بھی بہت اچھے تھے۔ یہ دستہ ایک 30 سالہ چیتن سردار کی سربراہی میں پہنچا تھا، جس کا نام توقات تھا۔ وہ تیمور کی خدمت میں حاضر ہو کر بولا ''محترم امیر تیمور، میں نے سنا ہے کہ تُو دونوں ہاتھوں سے تلوار چلانا جانتا ہے۔'' تیمور نے پوچھا ''تجھے یہ بات کس نے بتائی ہے؟'' وہ بولا ''تیرے بیٹے شاہ رُخ نے مجھے بتایا کہ تُو دونوں ہاتھوں سے بیک وقت تلوار چلانے پر عبور رکھتا ہے۔'' تیمور نے اس چیتن سردار سے پوچھا ''شاہ رُخ نے تجھے کیونکر یہ بات بتائی ہے؟'' اس نے جواب دیا ''دراصل تیرے بیٹے نے مجھے بتایا کہ تُو بھی میری طرح دونوں ہاتھوں سے تلوار چلانا جانتا ہے۔'' تیمور نے پوچھا ''اے توقات، کیا تو بھی بیک وقت دونوں ہاتھوں سے تلوار چلا سکتا ہے؟'' توقات بولا ''ہاں، محترم امیر تیمور'' اگرچہ اپنے بائیں ہاتھ سے بھی تلوار چلانے کی صلاحیت رکھنے والے آدمی ناپید نہ تھے مگر ان میں سے زیادہ تر یکساں مہارت اور قوت سے دونوں ہاتھوں سے تلوار چلانے کی صلاحیت نہ رکھتے تھے۔

ایسے لوگ واقعی کم تھے جو بیک وقت دونوں ہاتھوں سے یکساں طور پر تلوار چلا سکتے ہوں۔ تیمور نے اس روز تک کسی اور کے بارے میں سنا یا دیکھا نہ تھا کہ وہ بھی اس کی طرح دونوں ہاتھوں سے تلوار چلا سکتا ہو۔ اسی لئے تیمور توقات کی زبانی یہ بات سُن کر اس قدر حیران ہوا کہ اس نے توقات سے کہا وہ اپنی زرہ پہنے اور دو تلواریں لے کر اس سے لڑائی کرے، تیمور نے خود بھی زرہ پہن لی۔ بازوؤں کے پٹھوں اور دیگر اعضاء کو جنگ کے لئے تیار رکھنے کی خاطر اپنے سرداروں کے ساتھ لڑنا تیمور کا معمول تھا۔ تیمور اکثر اپنے سرداروں کے ساتھ فوجی چھاؤنی میں اس طرح کی مشقیں کرتا تا کہ ان کے بدن مشق نہ ہونے کے باعث سُست اور کاہل نہ ہو جائیں۔ اسی لئے جب تیمور نے توقات کے ساتھ لڑائی کیلئے تلوار اٹھائی تو کسی کو تعجب نہ ہوا تاہم جب انہوں نے دیکھا کہ توقات نے بھی تیمور کی طرح دونوں ہاتھوں میں تلواریں اٹھا رکھی ہیں تو وہ حیرت کا شکار ہو گئے۔ چنانچہ تمام افسر اور سپاہی تیمور اور توقات کے گرد جمع ہو گئے۔ اس روز تک کسی افسر نے تیمور کے ساتھ دونوں ہاتھوں میں تلوار پکڑ کر کسی کو لڑتے نہ دیکھا تھا۔ دونوں ہاتھوں سے تلوار چلاتے ہوئے نہ صرف دونوں ہاتھوں کا بیک وقت چلنا ضروری ہوتا ہے بلکہ ایک طرح سے دو دماغ چلانے پڑتے ہیں کیونکہ تلوار بازی بھی علم فقہا کی طرح بیک وقت جسمانی اور عقلی کام ہے۔ جب تلوار چلانے والا اپنا ہاتھ چلاتا ہے تو اسے اپنے دماغ کو بھی حاضر رکھنا ہوتا ہے تا کہ مقابل کے ہتھیار کو اپنے جسم تک پہنچ کر اسے ٹکڑوں میں تقسیم کرنے سے روک سکے اور جب وہ دو تلواریں استعمال کرتا ہے تو اسے اپنے دماغ کو زیادہ حاضر رکھنا پڑتا ہے کیونکہ اس کی دونوں تلواروں کی اپنی خاص صورت حال اور خاص تقاضے ہوتے ہیں۔

توقات واقعی دونوں ہاتھوں سے تلوار بازی کرسکتا تھا، اگرچہ تیمور کی تلوار اس کی زرہ سے کئی بار ٹکرائی جو حقیقی لڑائی کی صورت میں اسے زخمی کردیتی مگر وہ ایک بار بھی تیمور کی زرہ سے تلوار ٹکرانے میں کامیاب نہ ہوسکا۔ تیمور نے جان لیا کہ وہ دونوں ہاتھوں سے تلوار چلانے میں اس کے جیسی مہارت نہیں رکھتا۔ ابتداء میں تیمور نے خیال کیا کہ وہ شاید احترام کی وجہ سے اپنی صلاحیتوں کا پوری طرح مظاہرہ نہیں کررہا لیکن جلد ہی اسے پتہ چل گیا کہ وہ اس کے جیسی مہارت نہیں رکھتا اور توقات نے خود بھی یہ تسلیم کیا کہ تیمور اس سے کہیں بہتر طور پر دونوں ہاتھوں سے تلوار چلانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

10 اکتوبر کو دمشق کی مسجد عمرؓ میں اسلامی مفکرین اور دانشوروں کی مجلس منعقد ہوئی۔ تیمور نے یہ جاننے کے لئے کہ اس مجلس میں شریک علماء کرام واقعی اس پایہ کے ہیں جتنی ان کی شہرت ہے یا نہیں، خود بھی مجلس میں شرکت کی۔ تیمور نے عمادالدین مغربی سے پوچھا، ''قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کی کس صفت کا ذکر سب سے زیادہ دفعہ آیا ہے؟'' اس نے جواب دیا، ''قدیر یعنی طاقت والا، قدرت والا۔'' تیمور نے پوچھا، ''قدیر'' کے بعد کس دوسری صفت کا ذکر سب سے زیادہ بار آیا ہے؟'' اس نے جواب دیا، ''علیم، یعنی جاننے والا۔'' تیمور نے کہا، ''مرحبا! فردوسی جس نے شاہنامہ تصنیف کی، اس سے آگاہ تھا، اسی بناء پر اس نے اپنی ایک نظم میں توانائی کو دانائی کی صفت پر فوقیت دیتے ہوئے کہا ہے۔

توانا بود ہر کہ دانا بود

(یعنی جو کوئی دانا ہوتا ہے وہ توانا ہوتا ہے)

تیمور نے اس کے بعد ابن خلدون کو مخاطب کرکے پوچھا، ''خدا کی توصیف بیان کر۔'' ابن خلدون بولا، ''بنی اسرائیل کے کچھ پیغمبروں نے خدا کو ایک اعضائی مخلوق تصور کیا، حتیٰ کہ ان کا خیال تھا کہ خدا بھی انسانوں کی طرح آنکھیں اور کان رکھتا ہے۔ تاہم جب دین مسیح آیا تو وہ خدا کی تثلیث پر یقین کرنے لگے، یعنی باپ، بیٹا اور روح المقدس تاہم، وہ پہلا مذہب جس نے توحید اور ایک خدا کا تصور دیا اور یہ بتایا کہ خدا انسانی حواس یعنی دیکھنے، سننے، چھونے اور چکھنے سے بالاتر ہے وہ دین اسلام تھا۔ خدا کی توصیف میں، میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ وہ طاقت کا منبع اور دانائی کا مرکز ہے، یعنی وہی خالص اور حقیقی طاقت رکھنے والا اور مطلق علم وقدرت رکھنے والا ہے۔ خدا کی تعریف میں، اس کے علاوہ کچھ اور بتانا میرے بس کی بات نہیں ہے اور جو کچھ میں کہتا ہوں وہ ایسے تصورات ہیں جو میرے اپنے حواس سے پھوٹتے ہیں۔''

اس کی باتیں سن کر تیمور نے کہا، ''آفرین ہے تجھ پر اے ابن خلدون۔ میں جان گیا ہوں کہ تیرا علم واقعی تیری شہرت جتنا بلند ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ ہم جیسا کہ تُو نے کہا خدا کے بارے میں اس کے سوا کوئی تصور نہیں کرسکتے کہ جو ہماری عقل کے احاطے میں آسکے۔ بیشک خدا ہی سارے عقل مندوں سے زیادہ عاقل اور مطلق توانا ہے یعنی اس کو ہر چیز پر مکمل دسترس حاصل ہے۔''

اس کے بعد تیمور نے بہاءالدین حلبی سے پوچھا، ''قرآن مجید میں ایسی کتنی آیات ہیں جن کی شان نزول ہے اور وہ کسی خاص وجہ سے نازل ہوئی ہیں؟'' بہاءالدین حلبی نے جواب دیا، ''اے امیر! تُو یہ بتا کہ قرآن میں کتنی ایسی آیات ہیں جن کی شان نزول نہیں ہے؟ کیونکہ قرآن میں ایسی کوئی آیت تلاش نہیں کی جاسکتی کہ جس کی شان نزول نہ ہو، ہر وہ آیت جو خداوند نے نازل کی ہے، کسی نہ کسی خاص وجہ سے نازل ہوئی ہے۔''

تیمور نے بے اختیار کہا، ''واہ واہ، اے بہاء الدین حلبی، کیا خوب جواب دیا ہے۔''

اب تیمور نے سراج اسکندری کو مخاطب کیا اور اس سے پوچھا، ''ذرا یہ بتا کہ کس بناء پر مسلمانوں کا قبلہ تبدیل ہوا؟'' سراج اسکندری نے جواب دیا، ''جب دین اسلام کا ظہور ہوا تب ابتداء میں بعض سابق مذاہب کے قوانین پوری شدت سے لوگوں میں راسخ تھے، چنانچہ اسلام نے انہیں بتدریج تبدیل کرنا شروع کیا۔ قرآن میں شراب کے متعلق چار آیات مبارکہ ہیں۔ پہلی آیت میں شراب کو ایک نقصان دہ چیز قرار دیا گیا ہے تاہم اسے فوری حرام قرار نہیں دیا گیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ دوسرے مذہب کے لوگ شراب نوشی کے عادی تھے اور فوری طور پر اسے ترک نہ کر سکتے تھے۔

''آغاز اسلام میں دوسرے مذاہب کے ایسے ہی چند اور قوانین بھی اپنی قوت کے ساتھ باقی تھے جنہیں بعد میں اسلام نے آہستہ آہستہ منسوخ کر دیا۔ آغاز اسلام میں ایک سابقہ قانون بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے کا تھا۔ جب ابتدائی دور گزر گیا تو اس خاطر کہ مسلمانوں کا طریق دوسرے مذاہب سے جُدا رہے، اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ مسلمان اپنا قبلہ تبدیل کر لیں اور مسجد الحرام یعنی کعبہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھیں، جو ہر قسم کے لڑائی جھگڑے سے پاک مقام ہے۔ مسلمانوں کا قبلہ تبدیل کرنے کا مقصد یہ نہ تھا کہ خدا خانہ کعبہ میں رہتا ہے اور بیت المقدس میں موجود نہیں بلکہ خدا تو ہر جگہ موجود ہے۔ ایسی کوئی جگہ نہیں جہاں خدا نہ ہو چنانچہ خدا قرآن میں فرماتا ہے، ''تم جس طرف بھی رُخ کر کے نماز پڑھو وہ نماز خدا کی طرف رُخ کر کے ہی پڑھی گئی ہے۔'' اسی لئے جب حضرت علی بن ابی طالبؑ عجم (ایران وغیرہ) پر عربوں کے غلبے کے بعد مدائن میں داخل ہوئے تو انہوں نے وہاں کے آتش کدے میں کعبہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھی اور جب حضرت عمر بن خطابؓ اس شہر (یعنی دمشق) میں داخل ہوئے تو انہوں نے یہاں کے گرجا گھر میں خانہ کعبہ کی طرف رُخ کر کے نماز ادا کی۔ گویا ایک مسلمان آتش کدہ اور بُت خانے اور گرجا گھر میں بھی نماز پڑھ سکتا ہے کیونکہ خدا تو ہر جگہ موجود ہے۔ لیکن آتش کدے، بُت خانے اور گرجا گھر میں نماز پڑھنے کو اس لئے مناسب نہیں سمجھا گیا کہ ممکن ہے وہاں کی زمین صاف اور پاک نہ ہو چنانچہ اگر ان مقامات کی زمین پاک ہو اور عبادت کرنے والا یہ جان پائے کہ اس کا عمل دوسروں کے حقوق کی خلاف ورزی نہیں تو وہ ان جگہوں پر کعبہ کی طرف رُخ کر کے نماز ادا کر سکتا ہے۔

''اس لئے خدا نے جب کعبہ کو مسلمانوں کا قبلہ قرار دیا تو یہ اس وجہ سے نہ تھا کہ اس کا کوئی اور گھر نہیں ہے۔ خدا کوئی جسم نہیں ہے کہ جو ایک عمارت یا مکان میں قیام کرے۔ اس نے خانہ کعبہ کو اس لئے مسلمانوں کا قبلہ قرار دیا کہ مسلمان باہم متحد ہو جائیں اور دن میں پانچ بار ایک ہی مرکز کی طرف رُخ کر کے نماز ادا کریں۔''

تیمور سراج اسکندری کے مفصل جواب پر عش عش کر اٹھا اور بولا، ''مرحبا، اے سراج اسکندری میں سمجھ گیا کہ تیرا دل علم کی روشنی سے اسی طرح جگمگا رہا ہے جس طرح سراج اسکندریہ (مراد مشہور سمندری فانوس ہے) چمک رہا ہے۔''

اس کے بعد تیمور نے عرب شاہ سے پوچھا: ''قرآن کی ایک آیت کے نزول کی اوسط مدت کیا رہی ہے؟'' اس نے جواب دیا: ''امیر محترم، میں تیرا سوال ٹھیک سے سمجھ نہیں سکا، ذرا وضاحت سے بتا تو کیا پوچھنا چاہتا ہے؟'' تیمور نے کہا، ''اگر ہم قرآن پاک کی تمام آیات کو پیش نظر رکھیں اور ان دنوں کی مقدار کا حساب کریں جو ہمارے پیغمبر ﷺ نے اپنی بعثت سے لے کر وصال تک اس دنیا میں گزارے، تو اس اعتبار سے ہر آیت

کی مدت نزول کتنی ہوئی؟" عرب شاہ نے جواب دیا: "اے امیر، تقریباً ڈیڑھ دن، اس لئے کہ جب ہمارے پیغمبر ﷺ پیغمبری کے لئے مبعوث ہوئے تو اس روز سے لے کر آپ ﷺ کے وصال تک آپ ﷺ نے آٹھ ہزار تین سو پچانوے دن اس دنیا میں بسر کئے اور اس عرصہ میں جو تئیس ۲۳ برس کا عرصہ ہے، قرآن کی ایک سو چودہ سورتیں آپ ﷺ پر نازل ہوئیں۔ اس بنا پر اوسطاً ڈیڑھ دن میں ہمارے پیغمبر ﷺ پر ایک آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ تاہم یہ حساب کتاب قرآنی آیات کے نزول کی حقیقت کے عین مطابق نہیں ہے کیونکہ ہمارے پیغمبر ﷺ پر کبھی تو ایک وحی کی صورت میں کئی آیات نازل ہو جاتی تھیں حتیٰ کہ بعض دفعہ ایک ہی وحی میں بعض مرتبہ پوری ایک سورۃ آپ ﷺ پر نازل ہو جاتی۔"

عرب شاہ کا جواب سُن کر تیمور ایک بار پھر تحسین آمیز لہجے میں بولا "واہ کیا بات ہے اے عرب شاہ۔ تیرا آدھا نام عربی (یعنی عرب) ہے اور آدھا فارسی (یعنی شاہ) ہے۔" اس کے بعد تیمور نے نظام الدین شامی سے سوال کیا۔ "اے نظام الدین یہ بتا کہ کس بناء پر خداوند تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ مسلمان نماز میں سجدہ کریں؟" نظام الدین شامی بولا، "اے امیر! خدا نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا وہ بھی کسی خاص مٹی سے نہیں بلکہ 'صلصال' یعنی ناپسندیدہ سیاہ مٹی سے جو بعد میں خشک ہو گئی، اس لئے خدا نے جو یہ حکم دیا ہے کہ مسلمان نماز کے دوران سجدہ کریں تو یہ اس لئے تھا کہ جب وہ خاک پر سر رکھیں گے تو انہیں یاد رہے گا کہ ان کا خمیر اسی مٹی سے اُٹھا ہے لہٰذا انہیں غرور اور تکبر سے دُور رہنا چاہیے اور خود کو خاکسار تصور کرنا چاہیے۔ خاک پر سر رکھنے کا عمل ایک طرف انسان کو یہ یاد کراتا ہے کہ وہ مٹی سے بنا ہے اور دوسری طرح یہ دراصل عاجزی اور انکساری کی آخری منزل بھی ہے۔ خدا نے چاہا کہ مسلمان قبلہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے وقت مکمل خشوع و خضوع کے ساتھ اس کے حضور حاضر ہوں اور ان میں خود پسندی یا تکبر جیسی ناپسندیدہ عادات پیدا نہ ہوں اور اگر ہوں تو ان سے دُور ہو جائیں، مسلمان اپنے حقیر ہونے سے آگاہ ہوں اور دوسرے انسانوں کو حقیر نہ جانیں اور یہ اچھی طرح سمجھ لیں کہ وہ خاک سے اُٹھائے گئے ہیں اور ایک روز خاک ہی میں مل جائیں گے۔"

نظام الدین شامی کا زبردست اور پُر دلائل جواب سُن کر تیمور نے کہا، "واہ واہ مرحبا اے نظام الدین شامی مرحبا۔" اس کے بعد اس نے محمد بن مسلم لاذقی سے سوال کیا: "نماز کے لئے وضو کرتے ہوئے کتنی بار ہاتھ اور پاؤں دھونے چاہئیں۔" محمد بن مسلم لاذقی نے جواب دیا، "اے امیر، اگر سردیوں کا موسم ہو اور سخت سردی پڑ رہی ہو اور اگر عبادت کرنے والے کے ہاتھ پاؤں بالکل صاف ہوں تو ایک بار دھو لینا ہی کافی ہے۔ لیکن اگر گرمیوں کا موسم ہو اور گرمی پڑ رہی ہو اور عبادت کرنے والے کے ہاتھ پاؤں صاف نہ ہوں تو شاید پانچ بار ہاتھ پاؤں کا دھو لینا بھی کافی نہ ہو گا۔"

تیمور نے محمد بن مسلم لاذقی کی بات کاٹتے ہوئے کہا، "اے انسان، کیا تُو دین کے احکام میں مذاق سے کام لے رہا ہے؟" اس نے جواب دیا، "نہیں، اے امیر، میں نے جو کہا وہ سنجیدگی سے کہا ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی سورہ مائدہ کی آیت ایک سو ایک میں فرمایا ہے: "اے مسلمانو! تمہیں احکام دین کی جزئیات میں اس قدر موشگافی (بال کی کھال اتارنا) نہیں کرنی چاہیے، جس طرح بنی اسرائیل کی قوم نے بیل ذبح کرنے کے سلسلے میں طرح طرح کے حیلے بہانے تراشے تھے کہ اس طرح تمہیں زحمت سے دوچار ہونا پڑے گا۔" خدا نے وضو کا جو حکم دیا ہے وہ دراصل عبادت کرنے والے کی پاکیزگی کیلئے ہے۔ اسی لئے اگر عبادت گزار نے غسل کر رکھا ہو، تو اسے وضو کرنے کی ضرورت نہیں۔ تاہم اگر پانی اچھی خاصی مقدار میں دستیاب ہو اور وضو کرنے والا شخص جانتا ہو کہ اس کا چہرہ، ہاتھ اور پاؤں صاف نہیں ہیں تو اسے اس وقت تک انہیں دھونا چاہیے کہ وہ بالکل

پاک صاف ہو جائیں۔ اسی طرح اگر عبادت کرنے والا جانتا ہے کہ اس کا چہرہ، ہاتھ اور پاؤں صاف ہیں تو ان کا ایک بار دھو لینا ہی اس کے لئے کافی ہوگا۔ خدا کا فرمان ہے کہ مسلمانوں کو اس قسم کی جزئیات (معمولی باتوں) کے حوالے سے باہم اختلاف نہیں کرنا چاہیے۔''

تیمور نے کہا، ''مرحبا اے محمد بن مسلم لاذقی۔ خدا کا شکر ہے کہ یہاں جمع ہونے والے تمام علماء اور دانشور حقیقی علم و دانش کے مالک ہیں اور ان کا علم ان کی شہرت کے عین مطابق ہے۔ اب میں آپ سب کو اس مجلس میں بلانے کا سبب بیان کرتا ہوں:

''آپ سب جو صاحب علم لوگ ہیں۔ اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد تک قرآن پاک کی تمام آیات ایک جگہ جمع نہ تھیں۔ ہر مسلمان کے پاس قرآن پاک کا ایک حصہ تحریری یا حفظ کی صورت میں محفوظ تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور خلافت میں اور خاص طور پر حضرت عمر ابن الخطابؓ کے دور خلافت میں، جب شام، مصر اور ایران مسلم ریاست کا حصہ بنے مسلمانوں نے عظیم جنگیں لڑیں اور ان میں سے کچھ مسلمان ان جنگوں کے دوران شہید ہو گئے۔ جب حضرت عثمان غنیؓ خلیفہ بنے تو انہیں اس بات کا خدشہ نظر آیا کہ وہ مسلمان جنہوں نے قرآن پاک کی آیات تحریری صورت میں محفوظ کر رکھی تھیں یا انہیں حفظ تھیں۔ وہ کہیں جنگوں میں شہید نہ ہو جائیں یا پھر طبعی موت نہ مر جائیں اور یوں آئندہ آنے والے مسلمان قرآن پاک کی آیات سے ناواقف رہ جائیں۔ چنانچہ اسی وجہ سے انہوں نے قرآن پاک کی تمام آیات مبارکہ کو کتابی صورت میں یکجا کرانے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے ایسے تمام مسلمانوں کو جن کے پاس کسی بھی صورت میں قرآن پاک کی آیات مبارکہ محفوظ تھیں، ہدایت کی کہ وہ ان کے مقرر کردہ نمائندوں جنہیں قرآن پاک کی آیات کو یکجا کرنے کا کام سونپا گیا تھا، سے رابطہ کر کے اپنے پاس تحریری طور پر محفوظ آیات ان کے حوالے کر دیں یا اگر انہیں وہ آیات حفظ ہیں تو ان نمائندوں کو سنا دیں۔ یہ نمائندے چونکہ پڑھے لکھے لوگ تھے لہٰذا وہ حفظ کی ہوئی آیات کو سن کر تحریر کر لیتے۔ حضرت عثمان غنیؓ کے مقرر کردہ نمائندوں نے اس طرح تمام تحریری صورت میں محفوظ اور حفظ کی گئی آیات کو ایک جگہ مرتب کر لیا۔ یہ نمائندے ان قرآنی آیات کو اسی ترتیب سے مرتب کرتے جیسے ان کے پاس آنے والے ان تک پہنچاتے اور یہ ترتیب اس ترتیب کے مطابق نہ تھی جس ترتیب سے آٹھ ہزار تین سو پچانوے شب و روز میں آیات قرآنی نازل ہوئی تھیں۔

اس کے نتیجے میں قرآن پاک کی آیات دور حاضر میں دو حصوں پر مشتمل ہیں۔ قرآن پاک کی آیات کا ایک حصہ ایسی آیات پر مشتمل ہے جو موضوع کے لحاظ سے باہم مربوط ہیں اور دوسرا حصہ ان آیات پر مشتمل ہے جو باہم مربوط نہیں ہیں۔ مسلمان علماء کرام اس حقیقت سے آگاہ تھے اور آج بھی ہیں اور جانتے ہیں کہ وہ آیات جو موضوع کے اعتبار سے باہم مربوط نہیں ہیں انہیں مرتب کیا جانا چاہیے۔ یعنی ان آیات کو قرآن پاک میں اس ترتیب سے لایا جائے کہ موضوع کے اعتبار سے وہ ایک دوسرے کے آگے پیچھے ہوں۔ لیکن آج تک ان علماء کرام اور مفکرین کو یہ کام انجام دینے کی ہمت نہیں ہوئی کہ وہ قرآن پاک کی آیات کو اسی ترتیب میں لا سکتے جس ترتیب میں وہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر تئیس (۲۳) برس کے عرصے میں نازل ہوئیں۔ ان علماء کرام اور مفکرین کو یہ ڈر تھا کہ کہیں وہ قرآن پاک اور دین کے بارے میں بدعت پیدا کرنے کے موجب نہ بن جائیں۔ اب میں آپ لوگوں سے کہ آپ علمائے کرام میں ممتاز ترین مقام رکھتے ہیں۔ یہ درخواست کرتا ہوں کہ آپ اس موضوع پر انتہائی باریک بینی سے غور و خوض کریں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ کیا ہم قرآن پاک کی آیات مبارکہ کو ان کے نزول کے مطابق ترتیب دے سکتے ہیں یا یہ کام بدعت کے زمرے میں

آئے گا۔ اگر یہ واقعی بدعت ہے تو پھر ہم آیات مبارکہ کی ترتیب تبدیل کرنے کا ارادہ ترک کردیں گے۔''

جب تمام علمائے کرام کی باہمی مشاورت مکمل ہوگئی اور وہ مجلس اختتام پذیر ہوئی تو دمشق کی مسجد عمرؓ میں ایک اور مجلس مشاورت منعقد کی گئی۔ تیمور بھی اس دوسری مجلس مشاورت میں شریک ہوا تاکہ مسلمان علمائے کرام کی باہمی مشاورت اور غور وفکر کے نتائج کو جان سکے کہ انہوں نے آیات قرآنی کی ترتیب کے بارے میں کیا سوچا ہے۔

اس مجلس میں سب سے پہلے بہاءالدین حلبی نے خطاب کیا اور کہا: ''اے امیر محترم، ہم باہمی مشاورت اور غور وفکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ قرآن مجید کو روز آخرت تک اسی شکل اور ترتیب میں باقی رہنا چاہیے۔ قرآن پاک کی موجودہ ترتیب کو تبدیل کرنا صرف ایک ہی ہستی کے ہاتھ میں ہے اور وہ ہیں ہمارے پیغمبر برحق ﷺ جو ہم سب کی طرح، روز آخرت موجود ہوں گے۔ اگر اس روز، پیغمبر برحق ﷺ نے چاہا تو آپ ﷺ آیات قرآنی کو ان کی موجودہ جگہ سے ہٹا کر اس ترتیب میں لا سکتے ہیں جس ترتیب میں وہ آٹھ ہزار تین سو پچانوے (۸۳۹۵) شب وروز کے دوران نازل ہوئی تھیں۔''

تیمور نے کہا: ''اے بہاءالدین حلبی تیری اس بات کو مزید واضح ہونا چاہیے۔'' بہاءالدین حلبی نے جواب دیا: ''اے امیر! دراصل قرآن پاک کی تاریخ نزول ہم پر واضح نہیں ہے۔ ہمیں یہ علم نہیں ہے کہ مذکورہ آیات کس برس اور کون سے دن نازل ہوئیں، ہم تو صرف اتنا ہی جانتے ہیں کہ قرآنی آیات مکہ یا مدینہ میں نازل ہوئی ہیں۔ ہم انہیں اس یقین کے ساتھ آگے پیچھے نہیں کر سکتے کہ وہ اس ترتیب سے نازل ہوئی ہیں، یعنی ان کی ترتیب تبدیل کرنے کے بارے میں پُر یقین نہیں ہو سکتے۔ اسی لئے قرآن پاک کی ترتیب بدلنے سے متعلق تیرا مقصد پورا نہ ہو سکے گا کیونکہ تیرے پیش نظر یہ ہے کہ کلام اللہ کی آیات مبارکہ اس طرح ترتیب پائیں جس ترتیب سے وہ نازل ہوتی رہیں جبکہ دنیا میں اب ایسا کوئی بھی صاحب علم وفضل نہیں ہے جو یہ دعویٰ کرے یا یہ بتا سکے کہ فلاں آیت، فلاں برس اور فلاں دن نازل ہوئی تھی۔''

بہاءالدین حلبی کی بات مکمل ہوئی تو ابن خلدون نے بات کرنے کی اجازت طلب کی اور کہنے لگا: ''اے امیر! صرف ایک ہستی ہی قرآن پاک کی آیات کو تبدیل کرنے کے قابل ہے پھر وہ چاہیں تو ان آیات کی ترتیب کو تبدیل کردیں یا پھر قرآن پاک کے متن سے ہی انہیں خارج کر دیں۔ وہ ہستی صرف اور صرف پیغمبر اسلام ﷺ ہیں جو قیامت کے روز اگر مناسب سمجھیں گے تو اس کام پر توجہ دیں گے۔''

تیمور نے اس سے پوچھا: ''اے ابن خلدون، قرآنی آیات کو قرآن کے متن سے خارج کر دینے کی بات سے تیری کیا مراد ہے؟ کیا خدا کے کلام کو قرآن کے متن سے خارج کیا جا سکتا ہے؟'' ابن خلدون نے جواب دیا: ''اے امیر! قرآن پاک میں بعض آیات ایسی ہیں جو آغاز اسلام میں نازل ہوئیں اور بعض آیات ایسی ہیں جو بعد کے برسوں کے دوران نازل کی گئیں اور مصلحت کی بناء پر پہلی آیات کا حکم یا تو شدید تر رکھا گیا یا پھر خفیف کر دیا گیا، جس میں سے ایک زانی مرد اور عورت کی سزا کا حکم ہے۔ آغاز اسلام میں خدا کی طرف سے ایک آیت نازل ہوئی جس کے مطابق حکم ہوا کہ زناکار مرد اور عورتوں کے لئے یہ سزا مقرر ہوئی ہے کہ انہیں سنگسار کر دیا جائے، بالکل اسی طرح جس طرح یہودی قوم میں زانی مرد اور عورتوں کو سنگسار کیا جاتا تھا۔ یہ آیت اب بھی قرآن پاک میں موجود ہے۔ جب کچھ عرصہ گزر گیا تو خدا نے زناء کرنے والوں کے بارے میں وہ آیات نازل

کیس جو سورہ نور میں موجود ہیں۔ ان آیات مبارکہ کے مطابق زناء کرنے والے مرد و عورت کی یہ سزا مقرر کی گئی کہ انہیں تازیانے لگائے جائیں۔ ایسی آیات مبارکہ کے مطابق اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص پر زناء کا جھوٹا الزام لگائے اور اس کا ثبوت پیش نہ کر سکے تو اسے اسّی درّے لگائے جائیں۔ اس میں کوئی شبہ والی بات نہیں ہے کہ دوسری آیات اس آیت کے بعد نازل ہوئیں جس میں سنگسار کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور زنا کار مرد و عورت کی سزا سے متعلق جو حکم نافذ ہے وہ یہی درّے لگانا ہے۔

''تاہم ہم لوگ سنگسار کرنے سے متعلق آیت کو قرآن پاک کے متن سے خارج کرنے کی جسارت نہیں کر سکتے اور نہ ہی اللہ کے کلام کے کسی ایک حصے کو دوسرے حصوں سے جدا کرنے کی جسارت کر سکتے ہیں۔ یہ کام صرف اور صرف ایک ہی ہستی کر سکتی ہے اور وہ ہستی ہمارے پیارے پیغمبر ﷺ ہیں، جو روز قیامت خدا کے تمام بندوں کی طرح جسمانی زندگی کے حامل ہوں گے اور اس دن اگر آپ ﷺ نے مناسب سمجھا تو وہ قرآن پاک کی آیت میں ردوبدل کا کام انجام دیں گے۔''

اب عمادالدین کی باری تھی اور اس نے موضوع سے متعلق کہا، ''حضرت عثمان غنیؓ کا دورِ خلافت بارہ برسوں پر محیط ہے۔ ان کے دور میں پانچ برس اور ایک دوسری روایت کے مطابق سات برس ان قرآنی آیات کو مرتب کرنے پر لگے۔ حضرت عثمان غنیؓ نے پڑھے لکھے مسلمانوں کو عرب، عجم (ایران) اور مصر کے دُور دراز علاقوں میں بھیجا تا کہ وہ ان لوگوں سے جنھوں نے لکھ کر یا یاد کر کے قرآنی آیات محفوظ کر رکھی تھیں، پوچھ کر انہیں تحریر کر لیا۔ ایسا اس لیے کیا گیا کہ ایران اور مصر پر مسلمانوں کے قبضے کے بعد بہت سے مسلمانوں کو ان ممالک میں نظام و انصرام سنبھالنے کے لئے بھیج دیا گیا تھا۔ یہ مسلمان ان ملکوں میں مستقل طور پر سکونت پذیر ہو گئے تھے اور پھر مرتے دم تک وہیں آباد رہے۔ ان پانچ یا سات برسوں میں جب قرآن پاک کی آیات جمع کرنے کا عمل جاری تھا، تو آیات کو محفوظ کرنے کے ذمہ دار پڑھے لکھے مسلمان اور حضرت عثمان غنیؓ اس نکتہ کی طرف متوجہ ہوئے جس کا ذکر ابھی بہاء الدین حلبی نے کیا ہے، یعنی یہ کہ قرآن پاک میں بعض آیات مبارکہ ایسی ہیں جن کے بعد دوسری آیات نازل ہوئیں اور ان میں پہلی آیات میں موجود حکم کو زیادہ شدید یا خفیف کر دیا گیا، جیسے زناء کی سزا سے متعلق یا پھر شراب نوشی کے حرام ہونے سے متعلق آیات ہیں۔

''اگر کلامِ خدا کے کسی ایک یا کچھ حصوں کو ایک طرف رکھ دینا ممکن ہوتا تو جو لوگ آیاتِ قرآنی کو مرتب کرنے کے کام پر مامور ہوئے تھے تو وہ اسی موقع پر پہلی آیات کو ایک طرف رکھ دیتے اور صرف بعد میں نازل ہونے والی آیات کو ایک مجموعہ کی صورت میں ترتیب دیتے۔ لیکن وہ یہ بخوبی علم رکھتے تھے کہ خدا کے کلام کے کسی بھی حصے کو دوسرے حصے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ دوسرے یہ کہ اگر قرآن پاک کی آیات مبارکہ کو ان کی ترتیب نزول کے مطابق مرتب کرنا ممکن ہوتا تو وہ لوگ یہ کام اسی وقت کر ڈالتے۔ جب حضرت عثمان غنیؓ کے دورِ خلافت میں قرآن پاک کی آیات کو مرتب کرنے کیلئے نمائندے مقرر ہوئے تو اس وقت تک ہمارے پیغمبر ﷺ کے وصال کو چودہ برس اور ہجرت کیے چوبیس برس گزر چکے تھے۔ ایسا نہ تھا کہ اس موقع پر حضرت عثمان غنیؓ اور ان آیات مرتب کرنے والوں کو یہ خیال نہ آیا ہو کہ ان آیات قرآنی کو اسی ترتیب سے مرتب کرنا چاہیے جس ترتیب سے وہ نازل ہوئی تھیں، مگر اصل میں اس وقت بھی کسی کو یہ علم نہ تھا کہ کون سی آیت کس روز اور کس سال میں نازل ہوئی ہے۔ چنانچہ انہوں نے آیات قرآنی کو اندازوں اور خیالات کے حساب سے ترتیب دینا مناسب خیال نہ کیا، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ایسے معاملے میں جس کا تعلق کلامِ خدا سے ہو،

اندازوں اور خیالات کا سہارا نہیں لیا جا سکتا کیونکہ اس میں کفر میں پڑنے کا خدشہ تھا۔ اس لیے جب آغاز اسلام کے دور میں لوگ ہر ایک قرآنی آیت کی تاریخ نزول کا یقین نہ کر پائے تو پھر ہم اس دور کے لوگ قرآن پاک کی آیات کی تاریخ نزول کس طرح معلوم کر سکتے اور اس حساب سے انہیں ترتیب دے سکتے ہیں۔''

اس کے بعد محمد بن لاذقی نے بولنا شروع کیا اور کہنے لگا: ''اے امیر، تُو قرآن پاک سے متعلق ہم سے زیادہ جانتا ہے، کیونکہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تجھے تمام آیاتِ قرآنی حفظ ہیں۔ میں نے یہ بھی سُن رکھا ہے کہ تیری یادداشت اس قدر حیرت انگیز ہے کہ تُو قرآن پاک کی آیات مبارکہ کو آخر سے شروع کر کے ابتدائی آیات تک بخوبی سُنا سکتا ہے۔ اس لیے تیرے جیسے باعلم شخص کے سامنے صاف ظاہر باتیں بیان کرنا ضروری نہیں، لیکن چونکہ ہم سب یہاں تیرے بلانے پر قرآن پاک سے متعلق امور پر غور وفکر کرنے کیلئے جمع ہوئے ہیں، لہٰذا ہم تجھے اپنے فیصلے سے آگاہ کرنا چاہیں گے۔ ابتدائے اسلام کے دور میں قرآن شناسائی کا علم موجود نہ تھا اور نہ ہی اس وقت کے مسلمانوں نے اس طرح کے علم کی ضرورت محسوس کی، اس کی وجہ یہ تھی کہ جس کسی کو قرآن پاک کی کسی بھی آیت مبارکہ کو سمجھنے میں مشکل پیش آتی تو وہ براہ راست پیغمبر اسلام ﷺ کے پاس چلا جاتا اور ان سے پوچھ کر خدا کے احکامات کو پوری طرح سمجھ لیتا۔

''قرآن پاک کی آیات کے حوالے سے تفہیم کا علم رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد دو وجوہات کی بناء پر شروع ہوا۔ ایک تو یہ تھی کہ اب پیغمبر خدا ﷺ خود لوگوں کے درمیان موجود نہ تھے کہ ان آیات مبارکہ کی تشریح کر کے بتا دیتے اور دوسری وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اسلام صرف خطۂ عرب تک محدود تھا تاہم بعد میں یہ دوسرے خطوں مثلاً شام، مصر اور ایران تک پھیل گیا اور ان لوگوں تک پہنچا جو عربی زبان سے ناواقف تھے اور دوسری زبانیں بولتے تھے لہٰذا وہ قرآن پاک کا عربی متن نہ سمجھ پاتے تھے۔ چنانچہ مسلمان مجبور ہو گئے کہ ان نومسلموں کے لیے قرآن پاک کے عربی متن کا ترجمہ اور وضاحت پیش کریں۔

''اس کے علاوہ یہ قومیں (جو بعد میں دور دراز خطوں میں مسلمان ہوئیں) مختلف عقائد اور رسوم لیے ہوئے تھیں اور ان کے یہ عقائد اور رسم و رواج عرب مسلمانوں کے عقائد اور رسم و رواج سے مختلف تھے لہٰذا وہ آیات قرآنی کو اس طرح نہ سمجھ سکتے تھے جیسے کہ عرب لوگ سمجھتے تھے۔ اسی لیے مسلمانوں کو ان لوگوں کے لیے قرآن پاک کی آیات کا حقیقی مفہوم بیان کرنا پڑتا تھا۔ یہیں سے تفہیم قرآن کے علم نے جنم لیا۔ آہستہ آہستہ یہ علم وسیع ہوتا چلا گیا اور بعد ازاں ایران کے بہت سے علماء کرام نے اس علم کو بہت وسعت دی۔ اب تفہیم القرآن کے علم کو وجود میں آئے سات صدیاں بیت چکی ہیں اور یہ علم آیات قرآنی کی اسی ترتیب کے مطابق وجود میں آیا ہے جس ترتیب سے آج قرآن پاک میں یہ آیات موجود ہیں۔ نیز اب تک قرآن پاک پر جتنی بھی تفسیریں لکھی گئی ہیں وہ سب بھی قرآن پاک کی آیات مبارکہ کی موجودہ ترتیب کے مطابق ہی لکھی گئی ہیں۔''

''اگر آیات قرآنی کی ترتیب میں ردوبدل کیا گیا تو اس علم نے سات صدیوں میں جو ترقی کی ہے اور مستقبل میں ممکنہ طور پر کرے گا، اسے شدید نقصان پہنچے گا۔ اسی لیے قرآن پاک کی آیات مبارکہ کی ترتیب کو تبدیل نہیں کرنا چاہیے تا کہ تفہیم القرآن کے علم کو نقصان نہ پہنچے۔''

تیمور نے اس موقع پر کہا ''اب تک ہم نے اس موضوع پر جتنی بحث کر لی ہے وہ کافی ہے اور اس سے زیادہ کچھ کہنا غیر ضروری ہوگا کیونکہ یہ

بات طے ہوگئی ہے کہ قرآن پاک کی آیات کی ترتیب کو تبدیل نہیں کیا جانا چاہیے اور یہ کہ آیات قرآنی کی موجودہ ترتیب روز آخر تک یونہی برقرار رہنی چاہیے اور اس دن (روز آخرت) اگر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مناسب سمجھا تو وہ آیات قرآنی کی ترتیب بدل دیں گے اور انہیں ان کی تاریخ نزول کے مطابق ترتیب فرما دیں گے۔ میں اپنی اولاد کو یہی وصیت کروں گا کہ وہ میرے بعد کبھی آیات قرآنی کی ترتیب میں تبدیلی لانے کا ارادہ نہ کریں۔''

عالم اسلام کے علماء کرام کی مجلس مشاورت اختتام کو پہنچی۔ تیمور نے ان تمام علماء کرام کو جو اس کی دعوت پر آیات قرآنی سے متعلق بحث میں حصہ لینے آئے تھے، سونا دیا اور وہ خوشی خوشی دمشق سے رخصت ہوگئے۔ اسی دوران تیمور کے بیٹے شاہ رُخ کی طرف سے بطور کمک بھیجا گیا دوسرا دستہ بھی دمشق پہنچ گیا۔ اس دستہ کا سردار نوح بدخشانی تھا۔

شاہ رُخ کی طرف سے بھیجے جانے والے پہلے دستہ کا سردار توقات، جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، دونوں ہاتھوں سے تلوار چلانا جانتا تھا اور دوسرے فوجی دستے کا سردار نوح بدخشانی اس قدر لمبا اور چوڑا چکلا تھا کہ تیمور جیسا طویل قامت انسان بھی اس کے سامنے پستہ قد لگتا تھا۔ ان فوجی دستوں کی آمد کے بعد تیمور کو فوری طور پر دمشق سے کوچ کر جانا چاہیے تھا مگر موسم سرما آن پہنچا تھا اور تیمور کو جس سرزمین پر جانا تھا وہ سرد موسم والی سرزمین تھی، دوسرا یہ کہ راستے میں اسے طور کے پہاڑوں سے گزرنا تھا۔ (نوٹ: یہاں طور کے پہاڑوں سے تیمور لنگ کی مراد وہ پہاڑ ہیں جنہیں آج توروس کے نام سے پکارا جاتا ہے اور انہیں کوہ طور نہیں سمجھنا چاہیے)

اس پہاڑ کے پُر پیچ اور خم دار راستے سردیوں کے موسم میں برف میں چھپ جاتے ہیں اور اگر تیمور ہر قسم کے خوف کو بالائے طاق رکھ کر سردیوں کے موسم میں اس راستے سے گزرتا تو بلاشبہ اس کی فوج تباہ ہو جاتی لہٰذا اس نے عقل سے کام لیتے ہوئے یہ طے کیا کہ موسم بہار تک دمشق میں ہی ٹھہرا رہے گا اور جیسے ہی گرمیوں کا آغاز ہوگا اور برف پگھلنے لگے گی تو وہ ملک روم (یعنی ترکی) کی طرف روانہ ہو جائے گا۔

تیمور نے موسم سرما دمشق شہر سے باہر اپنی فوجی چھاؤنی میں گزارا اور بس کبھی کبھی نماز ادا کرنے شہر کے اندر واقع مسجد عمر رضی اللہ عنہ میں چلا جاتا۔ اس کا زیادہ تر وقت دو کاموں میں گزرتا: ایک تو دمشق میں موجود علماء سے گفتگو میں، خاص طور پر ابن خلدون سے کیونکہ وہ جب دمشق آیا تو تیمور کے کہنے پر وہاں سے واپس نہ گیا۔ دوسرا جنگی مشقوں میں حصہ لیتے ہوئے۔ تیمور از خود ان مشقوں میں بھرپور حصہ لیتا تاکہ محض کھانا اور سوتے رہنا جو جنگجو مردوں کا سب سے بڑا دشمن ہے، انہیں سُست اور بے کار نہ بنا دے۔ چنانچہ جب موسم سرما ختم ہوا تو تیمور کے تمام سردار اور سپاہی بے حد خوش اور جنگ کے لیے پوری طرح تیار تھے۔ تیمور نے ان سب سے کہا کہ ''ہمیں اب مشکل جنگیں درپیش ہیں اور شاید ہم میں سے کئی ان جنگوں میں مارے جائیں تاہم مجھے پورا یقین ہے کہ ہم فتح پائیں گے اور اگر ہم فتح حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے تو سلطان روم (ترکی) ایلدرم بایزید کا تمام مال و دولت ہمارا ہوگا۔ سلطان روم بایزید کے زر و جواہر پر قبضہ کرنے کے بعد ہم بائی زان تیوم کی طرف روانہ ہوں گے اور اس دولت پر قبضہ جمالیں گے جو گزشتہ دو ہزار برس سے کفار نے جمع کر رکھی ہے۔'' (نوٹ: یاد رہے یہاں بائی زان تیوم سے مراد موجودہ استنبول ہے)

❁......❁......❁

پچیسواں باب

سرزمین روم کی طرف پیش قدمی

اور ایلدرم بایزید سے جنگ

تیمور کے سامنے کئی راستے تھے مگران میں سے زیادہ تر پہاڑوں اور بندراستوں کی طرف جانکلتے یا پھرایسی تنگ گزرگاہوں پر مشتمل تھے جن سے گزرنا تیموری فوج کے لیے ممکن نہ تھا، کسی فوج کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا کہ ایسے راستوں پر چلے جس سے وہ اپنے باربردار جانور گزار سکے اور اگراس کے پاس گاڑیاں ہیں تو یہ گاڑیاں بھی وہاں سے گزرسکیں۔اسی وجہ سے تیمور مجبور ہوگیا کہ قونیہ کی طرف جانے والے راستے کو اختیار کرے۔

تیمور جانتا تھا کہ قونیہ وہی شہر ہے جہاں مثنوی کا مصنف مدفون ہے۔(نوٹ:مثنوی سے مراد مولانا روم کی مشہور مثنوی ہے) تیمور کو مثنوی اوراس کے مصنف سے کوئی رغبت نہ تھی کیونکہ اس کے خیال میں مثنوی کا مصنف تمام دینوں کو برابر جانتا تھااوراس کا کہنا تھا کہ کسی بھی دین کو دوسرے دین پر برتری حاصل نہیں جبکہ تیمور کی نظر میں دین اسلام کو دوسرے مذاہب پر برتری حاصل ہے اور یہ ایسی حقیقت ہے جس سے انکار ممکن نہیں۔ (نوٹ:یہ تیمور لنگ کے ذاتی خیالات ہیں،مولانا روم کے خلاف اس کے خیالات اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ وہ ان کے بارے میں اور ان کے حقیقی مرتبے سے لاعلم تھا)

چونکہ تیمور مثنوی کے بارے میں اچھے خیالات نہ رکھتا تھا،اس لیے جب وہ قونیہ میں داخل ہواتو اس کے ساتھیوں نے اسے مشورہ دیا کہ وہ مولانا (مراد مولانا جلال الدین رومی) کی قبر ڈھادے اوراس کی ہڈیاں قبر سے باہر نکال دے تاہم تیمور نے اپنے ساتھیوں کو سمجھایا کہ''امیر تیمور گورکین کی ایک مُردے کے ساتھ لڑائی بُری بات ہے اور میں مولانا کی قبر کوڈھا کر خودکو رسوانہ کروں گا۔''

مولانا کے مقبرے کے قریب ہی خانقاہ کے نام سے عمارت موجود تھی۔تیمور نے بعدازاں اسی طرح کی خانقاہیں آذربائیجان کے قصبے اردبیل میں دیکھیں۔اس خانقاہ میں جومولانا کی قبر کے قریب بنی ہوئی تھی''صوفیوں'' کی ایک جماعت مقیم تھی جو ہروقت مثنوی کے اشعار پڑھنے اور سماع ورقص میں مصروف رہتے۔کہاجاتا تھا کہ یہ صوفی رقص کے دوران مست ہوجاتے ہیں۔تیمور نے ان سے دریافت کیا کہ کیاوہ لوگ شراب نوشی بھی کرتے ہیں؟انہوں نے جواب دیا کہ وہ لوگ کبھی شراب کو ہاتھ بھی نہیں لگاتے کیونکہ وہ اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہیں۔

قونیہ پہنچنے کے بعد تیمور نے خانقاہ میں مقیم صوفیوں کے سردار کوطلب کیا تاکہ اس سے گفتگو کرے اور یہ جان سکے کہ وہ کیا کہتا ہے۔یہ شخص ایک بوڑھا باریش انسان تھا۔تیمور نے اس سے پوچھا:''کیا تو بھی رقص کرتا ہے؟''وہ بولا:''ہاں!ہم صوفی لوگ روحانی وجد حاصل کرنے کے لیے رقص

کرتے ہیں۔ ہمارے اس رقص کا مقصد جسمانی لطف وغیرہ ہرگز نہیں ہوتا۔'' تیمور نے اس سے پوچھا: ''کیا تم صوفی مسلمان ہو؟'' اس نے جواب دیا کہ وہ سب مسلمان ہیں۔ تیمور نے مزید دریافت کیا: ''اگر ایسی بات ہے تو تم لوگوں نے اسلام میں بدعت کیوں اختیار کر رکھی ہے؟'' اس نے جواب دیا ''ہم نے اسلام میں کوئی بدعت ایجاد نہیں کی۔ ہم دین کے سچے پیروکار بننے کی کوشش کرتے ہیں۔'' پھر وہ مزید کہنے لگا: ''اسلام کی ابتدا عرب سرزمین میں ہوئی تھی اور چونکہ عرب بدوی تھے، اس لیے خدا نے ان کے لیے اپنے احکامات آسان انداز میں نازل کیے تاکہ وہ انہیں سمجھ سکیں اور ان کے مطابق عمل کر سکیں لیکن دین دار لوگ خدا کے بیان کردہ احکامات کے علاوہ بھی عبادت کرتے ہیں۔ حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ ہر رات عبادت کے وقت بے حد خلوص نیت کی وجہ سے بے ہوش ہو جایا کرتے تھے اور خوف خدا کی وجہ سے ان پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔ ہم صوفی لوگوں نے عہد کر رکھا ہے کہ ہم خدا کے بتائے ہوئے احکامات کے علاوہ بھی عبادات کریں گے اور خدا کے سچے اور مخلص ترین بندوں میں شامل ہوں گے۔''

تیمور نے کہا: ''میں نے سُنا ہے کہ تم لوگ الوہیت کا دعویٰ کرتے ہو؟'' خانقاہ کا سردار بولا: ''اے امیر، تم سے ایسا کس نے کہا؟'' تیمور نے جواب دیا: ''مجھے عام لوگوں نے بتایا ہے کہ صوفی اور عارف خدائی کا دعویٰ کرتے ہیں۔'' خانقاہ کے سردار نے کہا: ''نہیں، صوفی یا عارف خدائی کا دعویٰ ہرگز نہیں کرتے بلکہ وہ تو خدا کی قربت حاصل کرنے اور اس کے نزدیک ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔'' تیمور نے پوچھا: ''تو پھر تم لوگ وحدت الوجود کے نظریہ پر کیوں یقین رکھتے ہو؟'' (نوٹ: وحدت الوجود کے عقیدے کے مطابق یہ ساری کائنات اور مخلوق اس ذات خداوندی کا عکس ہے اور خود اپنا کوئی وجود نہیں رکھتی) تیمور کے سوال کے جواب میں خانقاہ کا سردار بولا: ''ہم لوگ وحدت الوجود کے نظریہ پر یقین نہیں رکھتے مگر کچھ عارف ایسے ضرور ہیں جو اس عقیدے پر یقین رکھتے ہیں۔ ان کا ماننا ہے کہ اس کائنات میں خدا کے سوا کچھ نہیں اور خدا ہی ہر چیز یا ہستی ہے اور چونکہ ہر چیز خدا ہے، تمام دنیا کی اشیاء جن میں انسان بھی شامل ہے، خدا کا جزو ہیں مگر ہم قونیہ کی اس خانقاہ کے صوفی اس بات پر ایمان نہیں رکھتے۔ ہمارا ماننا ہے کہ انسان اور یہ کائنات خدا کی تخلیق کردہ ہیں۔ خدا ہستی یعنی وجود سے ماسوا ہے اور ہستی یا وجود تو خدا کا پیدا کرتا ہے اور وہ جب چاہے اسے نیستی میں تبدیل کر سکتا ہے۔''

تیمور کا قونیہ میں قیام مختصر تھا۔ یہاں سے وہ شمال کی طرف روانہ ہوا اور دریائے قزل ایرماق کے نزدیک پہنچ گیا۔ موسم بہار جاری تھا اور دریا اپنے زوروں پر تھا، اس لیے تیمور اس وقت اپنی فوج کو دریا سے نہیں گزار سکتا تھا، بصورت یہ کہ دریا پر پل تعمیر کرا لیتا۔ چونکہ تیمور بائی زان تیوم کی طرف جانا چاہتا تھا، اس لیے اس نے فیصلہ کیا کہ دریا کے کنارے کنارے سفر کیا جائے۔ اس وقت تک تیمور کو ایلدرم بایزید کی فوج کا نام ونشان نظر نہ آیا تھا اور نہ ہی اس نے تیمور کا راستہ روکا۔

نوح بدخشانی تیمور کے ہراول دستے کا نگران تھا اور اپنے دستے کے ساتھ آگے آگے سفر کرتا لحہ بہ لحہ صورتحال سے آگاہ کر رہا تھا۔ توقات عقبی حصے کی نگرانی پر مامور دستہ کا نگران تھا اور اس بات کا ذمہ دار تھا کہ کوئی ان کی فوج پر عقب سے اچانک حملہ آور نہ ہو جائے۔ انہیں دائیں طرف سے کسی طرح کے حملے کا خطرہ نہ تھا کیونکہ وہ ایسے رُخ سفر کر رہے تھے کہ دریائے قزل ایرماق اُن کے دائیں طرف بہہ رہا تھا۔ چنانچہ انہیں یہ خدشہ نہ تھا کہ ایلدرم بایزید دائیں طرف سے ان پر حملہ آور ہو جائے گا۔

چونکہ ایلدرم بایزید کی فوج کا نام و نشان نظر نہ آ رہا تھا اس لیے تیمور کے ذہن میں یہ خدشہ جنم لے رہا تھا کہ شاید روم کا بادشاہ انہیں اپنی گھات کا شکار کرنا چاہتا ہے تاکہ وہاں انہیں آسانی سے قابو کر لے۔ چنانچہ جب دریائے قزل ایرماق ناہموار زمین والے علاقے میں داخل ہو جاتا تو تیمور وہاں اپنی فوج کو انتہائی چوکنا کر دیتا اور خود بھی ہوشیار ہو کر اردگرد پر نظر رکھتا۔

جس وقت وہ لوگ اس صحرا میں پہنچے تو سورج غروب ہو رہا تھا۔ ہراول دستے کے نگران نوح بدخشانی نے اطلاع دی کہ اُسے ایک فوجی چھاؤنی نظر آ رہی ہے۔ پھر اس نے اطلاع دی کہ سامنے نظر آنیوالی چھاؤنی بہت بڑی ہے اور لگتا ہے کہ اس کے پیچھے بہت بڑی فوج موجود ہے۔ چونکہ تیمور جانتا تھا کہ اگلے دن اُنہیں جنگ کرنا پڑے گی، اس لیے وہ اسی جگہ نہر کے کنارے ٹھہر گیا۔ یہ نہر دریائے قزل ایرماق سے نکل کر قریبی علاقوں کی طرف چلی جاتی تھی۔ تیمور نے اپنے افسروں کو ہدایت کی کہ سپاہیوں کو جلد سونے کی ہدایت کریں تاکہ اُن کی تھکاوٹ دُور ہو جائے اور جب اگلے دن سو کر اُٹھیں تو تازہ دم ہوں۔ چونکہ دشمن کی فوجی چھاؤنی نزدیک ہی تھی اس لیے تیمور نے پہرے داروں کی آگے پیچھے تین قطاریں مقرر کر دیں اور ان کے نگرانوں کو ہدایت کی کہ اپنی آنکھیں اور کان کھلے رکھیں تاکہ اگر ان پر شب خون مارا جائے تو سب کے سب بے خبری میں نہ مارے جائیں۔

تیمور کو ایلدرم بایزید کی فوج سے متعلق کوئی معلومات حاصل نہ تھیں اور نہ ہی وہ اس کے سپاہیوں کی صحیح تعداد کے متعلق جانتا تھا، چنانچہ تیمور نے توقات کے ذمہ یہ کام لگایا کہ وہ کچھ خاص سپاہیوں کو منتخب کر کے جائے اور ایلدرم بایزید کی فوج کے نزدیک پہنچ کر چند ایک رومی سپاہیوں کو یا ہو سکے تو افسروں کو گرفتار کر کے لے آئے تاکہ اُن سے ایلدرم بایزید کی فوج سے متعلق معلومات حاصل کی جاسکیں۔ توقات چلا گیا اور آدھی رات کے وقت واپس آ گیا۔ اس نے بتایا کہ اُسکے پانچ ساتھی مارے گئے ہیں، اس کا کہنا تھا کہ دشمن پوری طرح ہوشیار اور چوکنا ہے اور اسے بے خبری میں نہیں پکڑا جاسکتا۔

دشمن کا ہوشیار اور چوکنا ہونا اس بات کی علامت تھی کہ انہیں اگلے روز ایک سخت جنگ کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس روز تیمور چند بار اپنے خیمے سے باہر نکلا اور ادھر اُدھر آوازوں پر کان لگائے مگر اُسے کوئی آواز سنائی نہ دی اور ہر جگہ تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ آسمان پر ستارے نکلے ہوئے تھے، تیمور نے دل ہی دل میں ستاروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ''شاید کل رات تم میدان جنگ میں میری لاش دیکھو لیکن جیسا کہ تم جانتے ہو کہ مجھے موت کا کوئی خوف نہیں اور میں جانتا ہوں کہ ''كُل نفس ذائقة الموت (سورہ آل عمران۔ آیت:185) یعنی ہر ذی روح کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔) اور جو کوئی بھی پیدا ہوتا ہے اسے بالآخر مرنا ہوتا ہے، اس لیے اس دنیا سے خوف اور ڈر کے ساتھ نہیں جانا چاہیے۔''

جب صبح پھٹی تو تیمور نے نہر کے کنارے وضو کیا اور نماز ادا کی۔ پھر حکم دیا کہ سپاہیوں کو جگا دیا جائے۔ چنانچہ جلد ہی سپاہیوں کے جاگ اُٹھنے کا شور و غل سنائی دیا اور اس کے ساتھ ہی ایک اور آواز سنائی دی۔ تیمور نے غور سے سُنا تو لگا کہ کوئی نغمہ گایا جا رہا ہے۔ جلد ہی انہیں اندازہ ہو گیا کہ نغمہ کی آواز دشمن کی فوجی چھاؤنی کی طرف سے آ رہی ہے۔ ان لوگوں کے پاس موسیقی کے آلات وغیرہ تھے اور غالباً وہ جنگ کی صبح یہ نغمہ گاتے تھے۔

بہرحال تیمور کے سپاہیوں نے جلدی سے چھاؤنی کو سمیٹا اور جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔ جلد ہی تمام دستوں نے انگوریہ کے وسیع اور ہموار صحرا میں اپنی اپنی جگہ سنبھال لی اور اس کے ساتھ ہی تمام برتن پھینکنے والے بھی تیار ہو گئے، جنہیں تیمور نے گزشتہ رات لڑائی کے لیے تیار کیا تھا۔ ابتداء

میں تیمور کو ایلدرم بایزید کی بے عقلی پر حیرت ہوئی کہ اس نے جنگ کے لئے ایک ہموار میدان کا انتخاب کیوں کیا۔ حالانکہ وہ جانتا تھا کہ تیمور کی فوج گھڑ سواروں پر مشتمل ہے اور ایسی فوج کیلئے لڑائی کی بہترین جگہ ہموار میدان ہوتا ہے جبکہ گھڑ سواروں پر مشتمل فوج پہاڑی علاقوں میں غیر مؤثر ہو کر رہ جاتی ہے کیونکہ وہاں آزادانہ حرکت کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ جبکہ ایک ہموار میدان میں آزادانہ طور پر کسی بھی طرف حرکت کی جاسکتی ہے، حتیٰ کہ دشمن کے گرد چکر کاٹ کر اُسے گھیرے میں بھی لیا جاسکتا ہے۔

تاہم جب لڑائی شروع ہوئی، تب تیمور کو اندازہ ہوا کہ ایلدرم بایزید نہیں بلکہ وہ خود ناتجربہ کار ہے۔ اُس نے احتیاط اور دور بینی سے کام لیتے ہوئے ایسی جگہ کا انتخاب کیا تھا جہاں وہ اپنی گاڑیوں سے پوری طرح استفادہ کر سکے۔ اس لمحے تیمور کو اندازہ ہوا کہ وہ جس گھات سے ڈر رہا تھا، یہ وسیع و عریض صحرا وہی گھات ہے۔ تیمور کا خیال تھا کہ روم کا بادشاہ اُسے کسی پہاڑی علاقے یا تنگ گھاٹیوں والی جگہ پر لیجا کر گھات کا نشانہ بنائے گا تاکہ اسکی فوج کو تباہ کر سکے، مگر اس نے اس کے برعکس تیمور کو انگوریہ کے وسیع اور ہموار صحرا میں لا گھیرا، تاکہ اپنی جنگی گاڑیوں کو بخوبی استعمال کر سکے۔ جب یہ گاڑیاں حرکت میں آئیں تو تیمور نے دیکھا کہ وہ صحرا میں ادھر اُدھر پھیل گئیں اور ایک بہت بڑی کمان کی صورت اختیار کر لی۔ اچانک تیمور کو احساس ہوا کہ گاڑیوں کی کمان کے دونوں سروں سے گاڑیاں اس طرح آگے بڑھ رہی تھیں کہ واضح طور پر لگ رہا تھا کہ وہ تیمور کی فوج کے دونوں اطراف کے دستوں کے باہر کی طرف سے ہوتی تیمور کی فوج کے عقب میں باہم ملنا چاہتی ہیں، گویا ایلدرم بایزید نے جنگ کے آغاز ہی میں تیمور کو گھیرے میں لینے کا منصوبہ بنایا تھا۔

ایلدرم بایزید کی جنگی گاڑیاں ویسی ہی تھیں، جیسی کہ تیمور نے دمشق کی لڑائی میں دیکھی تھیں۔ ہر گاڑی کے آگے درانتی نما ایک تیز لوہے کا آلہ لگا ہوا تھا۔ جب گھوڑوں کی مدد سے ان گاڑیوں کو تیزی سے چلایا جاتا تو یہ درانتی نما آلہ اپنے راستے میں آنیوالی ہر شے کو کاٹ، چیر یا توڑ کر رکھ دیتا۔ اس موثر ہتھیار کے سامنے گھڑ سوار اور پیادہ دونوں سپاہی بے بس تھے۔ جیسے درانتی کھیت میں فصل کو کاٹتی ہے، بالکل اسی طرح ایلدرم بایزید کی جنگی گاڑیاں میدان جنگ میں تیمور کے سرداروں اور سپاہیوں کو کاٹ رہی تھیں۔ ان گاڑیوں پر دشمن کے کئی سپاہی سوار تھے جو ایک آڑ کے پیچھے سے اپنی سپرنگ والی کمانوں کی مدد سے تیر چلا رہے تھے۔ ان تیروں کے نوکیلے سرے انگشت شہادت سے بھی لمبے تھے اور چونکہ وہ انتہائی قوت سے چلائے جا رہے تھے لہٰذا کسی جسم سے چھوتے ہی تیروں کا نوکیلا سرا پوری طرح اندر دھنس جاتا۔ تیمور کو یہ خاص قسم کی کمانیں بے حد متاثر کن لگیں اور وہ بعد میں ان کے نمونے اپنے ساتھ ماوراء النہر لے گیا اور وہاں کے ہنر مندوں کو ان جیسی کمانیں تیار کرنے کا حکم دیا۔ بعد میں یہ کمانیں ماوراء النہر اور ایران میں تیمور کے نام یعنی تیموریالیک سے پکاری جانے لگیں۔

بہر حال جب یہ جنگی گاڑیاں تیمور کی فوج پر چاروں طرف سے حملہ کر رہی تھیں تو ان پر بیٹھے سپاہی آڑ کے پیچھے سے اُن پر تیروں کی بارش کر رہے تھے۔ کچھ گاڑیوں پر بُرج سے بنے ہوئے تھے اور ان بُرجوں میں چھپے سپاہی بھی انہیں تیروں سے نشانہ بنا رہے تھے۔ میدان جنگ مشرق سے مغرب کی طرف تھا۔ تیمور کی فوج مشرقی طرف تھی اور ایلدرم بایزید کی فوج مغرب میں۔ تیمور نے اندازہ لگایا کہ اگر اس نے فوری کوئی اقدام نہ کیا تو بادشاہ روم کی گاڑیاں اُن کے عقب میں مشرق کی طرف آ کر ایک دوسرے سے مل جائیں گی پھر وہ پوری طرح گھیرے میں آجائیں گے اور اس

کے بعد ان کے نیست و نابود ہونے کا عمل شروع ہو جائے گا۔

تیمور نے توقات کو بارود بھرے برتن پھینکنے والوں کے ساتھ مشرق کی طرف روانہ کیا اور اُسے ہدایت کی کہ کچھ بھی ہو جائے اُسے ایلدرم بایزید کی گاڑیوں کو اُنکے عقب میں پہنچنے اور انہیں گھیرے میں لینے سے لازماً روکنا ہے۔ اسی طرح تیمور نے مغرب کی طرف نوح بدخشانی کو روانہ کیا اور اسے ہدایت کی کہ ان گاڑیوں کی راہ میں کوئی بھی رکاوٹ کھڑی کر کے اُن کا راستہ روک لے۔ اگر اس کے پاس زنجیر ہے تو ان کے راستے میں گھوڑوں کے طویلوں کی میخ کو اس زنجیر سے باندھ دے اور اگر اس کے پاس زنجیر نہیں ہے تو طویلوں کی میخ کو جو ہر گھوڑے کے ساتھ ہے، زمین میں گاڑ دے اور طویلوں کی میخ کے درمیان رسی کچھ اس طریقے سے کھینچ دے کہ وہ زمین سے کسی قدر اونچی رہے، اس طرح جب گاڑیوں کے آگے بندھے گھوڑے اس رسی تک پہنچیں گے تو وہ آگے نہیں بڑھ سکیں گے کیونکہ ان کے سُم رسی سے ٹکرا جائیں گے اور وہ گر پڑیں گے۔ تیمور نے سپاہیوں کے ایک حصے کے ساتھ شمال اور جنوب کی طرف کے دفاع کی ذمے داری اپنے سر لے لی۔

توقات نے وہ ذمہ داری انتہائی احسن طریقے سے نبھائی جو تیمور نے اُسے سونپی تھی، کیونکہ اس نے مشرق کی طرف سے آنے والی دشمن کی تمام گاڑیوں کو ناکارہ بنا دیا۔ تیمور کے برتن پھینکنے والے گھڑ سوار اور سپاہیوں نے اپنے گھوڑوں کی ایک طرف روشن بتیاں لٹکا رکھی تھیں اور وہ اپنے بارود بھرے برتن گوپیا (غلیل نما آلہ) میں رکھ کر فتیلے کو آگ لگا دیتے اور پھر اسے دشمن کی طرف پھینک دیتے۔ چنانچہ گاڑی پر گرنے والا ہر برتن اس کے آگے بندھے گھوڑوں کو اور بعض اوقات اس پر سوار سپاہیوں کو بھی مار ڈالتا یا پھر زخمی کر کے بیکار کر دیتا اور یوں گاڑیاں ناکارہ ہو کر رک جاتیں۔ بہت سے برتن پھینکنے والے جلدی کے باعث وقت کا حساب نہ رکھ سکے اور اس سے پہلے کہ وہ برتن پھینک پاتے آگ برتن میں موجود بارود تک پہنچ گئی اور وہ پھٹ گیا، یوں ان لوگوں کی اپنی ہلاکت کا باعث بن گیا۔ اس کے باوجود مشرق میں جو نتیجہ برآمد ہوا وہ حوصلہ افزا تھا کیونکہ تیمور کے سپاہیوں نے ایلدرم بایزید کی گاڑیوں کو جو تیز دھار نوکیلے درانتی نما آلے سے لیس تھیں، عقب سے انکا راستہ بند کرنے اور انہیں گھیرے میں لینے کے منصوبے میں کامیاب نہیں ہونے دیا۔

تیمور کی فوج کا کھانے پینے کا سامان اور دیگر آلات وغیرہ ان کی فوجی چھاؤنی میں پڑا تھا جو کہ میدان جنگ کے مشرقی طرف تھی اور چونکہ وہ لوگ مشرقی طرف سے گھیرے میں نہ آئے تھے، اس لیے فوجی چھاؤنی سے اُن کا رابطہ منقطع نہ ہوا تھا۔ چونکہ انہوں نے بارود بھی فوجی چھاؤنی میں ذخیرہ کر رکھا تھا، اس لئے تیمور نے حکم دیا کہ نئے برتنوں میں بارود بھرا جائے اور انہیں میدان جنگ میں لا کر استعمال کیا جائے۔ چنانچہ کچھ سپاہی چھاؤنی کے اندر برتنوں کو بارود سے بھرنے میں مصروف ہو گئے جبکہ کچھ دوسرے بڑی بڑی زنجیروں اور رسیوں کو لا کر میدان جنگ میں گاڑ رہے تھے تا کہ گاڑیوں کو آگے بڑھنے سے روک سکیں۔

ابھی دن کا ایک چوتھائی حصہ بھی نہ گزرا تھا کہ تیمور نے اپنے سپاہیوں کے ایک دستے کو یہ ذمہ داری سونپی کہ وہ نزدیکی گاؤں اور قصبوں میں جا کر جس قدر بھی میخیں، تختے اور رسیاں اور زنجیریں ملیں، فوجی چھاؤنی میں پہنچا دیں، ان اشیاء کی منتقلی کیلئے مقامی لوگوں سے بیگار لی جائے اور جو کوئی انکار کرے اُسے فوری طور پر قتل کر دیا جائے۔ تیمور نے سپاہیوں کے ایک اور دستے کو ذمہ داری سونپی کہ وہ فوجی چھاؤنی کے اس طرف، جدھر

میدان جنگ ہے رسیوں، زنجیروں اور تختوں کی مدد سے ایک دیوار سی کھڑی کر دیں تا کہ اُن کی چھاؤنی ایک مضبوط قلعہ کی صورت اختیار کر لے اور انہیں کسی بھی طرح کے شب خون کا خطرہ نہ رہے۔

دراصل تیمور سمجھتا تھا کہ ایلدرم بایزید شاید رات کے وقت بھی ان کے خلاف اپنی جنگی گاڑیوں کو استعمال کر سکتا ہے، اور اگر اس نے رات میں حملہ کیا تو اس وقت شاید اس کی گاڑیوں کو روکنا ممکن نہ ہوتا کیونکہ اس وقت تک اُن کے پاس موجود بارود کا ذخیرہ ختم ہو چکا ہوتا۔ اسے دوبارہ چھاؤنی میں تیار کرنے کیلئے کچھ وقت درکار تھا۔

اس روز جب دشمن کی گاڑیاں تیمور کے سپاہیوں کی طرف سے کھڑی کی گئی رکاوٹوں سے ٹکراتیں تو اُن کے ساتھ بندھے گھوڑے نیچے گر جاتے، چنانچہ تیمور کے سپاہی ان گھوڑوں پر دونوں طرف سے حملہ کر کے انہیں ہلاک کر دیتے۔ اس کے بعد گاڑیوں میں سوار افراد یا تو گاڑیوں کے اندر ہی محصور رہ کر مارے جاتے یا پھر باہر نکل کر لڑنے لگتے۔

دشمن کی جنگی گاڑیوں سے چلائے جانے والے تیر، جنہیں سپرنگ والی کمان کے ذریعے پھینکا جاتا تھا، تیمور کے گھڑ سوار سپاہیوں اور ان کے گھوڑوں کیلئے بے حد نقصان دہ ثابت ہو رہے تھے۔ لیکن پھر بھی اگرچہ انہیں بہت سے سپاہیوں کی قربانی دینا پڑی۔ تیمور کے سپاہی دشمن کا راستہ روکنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ اس روز انہوں نے ایک بات بھی جان لی، وہ یہ کہ ایلدرم بایزید کی اصل قوت اُس کی جنگی گاڑیاں ہیں اور اگر وہ کسی طرح ان گاڑیوں کو پوری طرح ناکارہ بنانے میں کامیاب ہو جائیں تو باآسانی اس کی فوج کو شکست دینے میں کامیاب ہو جائیں گے جو کہ زیادہ تر پیادہ سپاہیوں پر مشتمل تھی اور اس میں بہت کم گھڑ سوار تھے۔

دوسری خاص بات یہ تھی کہ اس روز پہلی بار تیمور نے نصرانی (عیسائی) سپاہیوں کا سامنا کیا تھا اور اس روز تک اُسے کبھی نصرانی سپاہیوں سے مقابلے کا تجربہ نہ ہوا تھا۔ جس چیز سے تیمور کو اندازہ ہوا کہ ایلدرم بایزید کے کچھ سپاہی نصرانی ہیں، وہ یہ تھی کہ لڑائی کے دوران اُن میں سے کچھ زوردار آواز میں ''ایشنو'' کا نعرہ لگاتے اور بعض ''یوحان'' پکارتے۔ تیمور کو فوری طور پر یہ سمجھ نہ آیا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں تاہم سہ پہر کے بعد جب اُسے تھوڑی فرصت ملی اور وہ میدان جنگ کے عقبی حصے میں واقع اپنی فوجی چھاؤنی میں گیا تا کہ جنگ کی صورتحال کے بارے میں جان سکے۔ یہاں اُس نے دیکھا کہ ترک زبان بولنے والے دیہاتیوں کا ایک گروہ اس کے سپاہیوں کی ہدایت پر بیگار میں مصروف تھا، چنانچہ تیمور نے اُن سے دریافت کیا، ''ایشنو اور یوحان کا کیا مطلب ہے؟'' انہوں نے بتایا، ''جو سپاہی ایسا کہتے ہیں وہ نصرانی ہیں۔ ایشنو کا مطلب ہے ''مسیح (حضرت عیسیٰ علیہ السلام)'' اور ''یوحان'' سے مراد حضرت یحییٰ علیہ السلام ہیں۔'' معلوم ہوا کہ ایلدرم بایزید کی فوج کے کچھ سپاہی نصرانی تھے اور لگتا تھا کہ اُس نے انہیں میدان جنگ میں بھیج دیا تھا۔

اس روز جو ایلدرم بایزید کے خلاف جنگ کا پہلا دن تھا۔ تیمور خود باقاعدہ طور پر لڑائی میں شریک نہیں ہوا، کیونکہ وہ میدان جنگ کی صورتحال کو قابو کرنے کے کاموں میں مصروف تھا۔ اسے ذہنی طور پر ایک لمحے کیلئے بھی فرصت نہ ملی تھی کیونکہ وہ مستقل طور پر دشمن کی جنگی گاڑیوں کو روکنے کے بارے میں غور و فکر کر رہا تھا۔ اس روز ان رکاوٹوں کے علاوہ جو انہوں نے دشمن کی گاڑیوں کا راستہ روکنے کیلئے کھڑی تھیں، انہوں نے پہلی

باران جنگی گاڑیوں کی حرکت روکنے کیلئے کمندوں کا بھی استعمال کیا۔ تیمور کے کمندیں پھینکنے والے ان گاڑیوں کے تیز دھار والے درانتی نما آلے پر کمند پھینکتے۔ بعض اوقات یہ کمند اس درانتی نما آلے کے سرے پر جا پڑتی اور چونکہ ان کمندوں کو اس کے فوری بعد کھینچ لیا جاتا اور یہ گول سرے کے گرد کس جاتیں لہٰذا اس درانتی نما آلے کی ساری تیزی اور کاٹ ختم ہو کر رہ جاتی اور اب وہ درانتی، کمند کو کاٹنے کے قابل نہ رہتی۔ اس کمند کا دوسرا سرا اسے پھینکنے والے کے گھوڑے کی زین کے ساتھ جڑا ہوتا، اگرچہ گاڑی کے گھوڑوں کا دباؤ کمند اور اسے پھینکنے والے گھڑ سوار کی زین کو کھینچ کر رکھتا مگر اس سے گاڑی کی رفتار سست پڑ جاتی، تب دوسرے سپاہی حملہ کر کے گاڑی کے گھوڑوں کو ہلاک کر کے انہیں روک دیتے۔ چنانچہ تیمور کے سپاہی اسی طرح ایلدرم بایزید کی بہت سی گاڑیوں کو روکنے میں کامیاب ہو گئے۔

جب بھی بادشاہ روم کے پیادہ سپاہی ان جنگی گاڑیوں کے حصار سے نکل جاتے تو تیمور کے سپاہی بہت آسانی سے انہیں قابو کر کے قتل کر دیتے۔ اس سے تیمور نے اندازہ لگایا کہ اگر وہ گاڑیوں کے خطرے کو ختم کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو فتح ان کا مقدر ہو سکتی ہے۔ غروب آفتاب تک وہ جنگ کرتے رہے۔ تیمور دشمن سے رابطہ جلد منقطع کر کے واپس اپنی فوجی چھاؤنی کی طرف جا سکتا تھا مگر وہ چاہتا تھا کہ جب اس کی فوج اپنی چھاؤنی میں واپس لوٹے تو وہ اس کی فوج کے لیے بالکل تیار ہو۔

انہیں دشمن کی تمام گاڑیوں کو ناکارہ بنانے کی خاطر مزید بارود کی تیاری اور اسے سکھانے کا کام مکمل کرنے کے لیے کم از کم دو دن کا وقت درکار تھا۔ چونکہ موسم گرم تھا، لہٰذا بارود جلد سوکھ جاتا تاہم سردیوں اور موسم خزاں کے دوران اسے سوکھنے میں کافی دیر لگتی۔ یہ ممکن تھا کہ انہیں فوجی چھاؤنی میں دو روز تک قیام کرنا پڑتا، لہٰذا انہیں خود کو محاصرے کے لیے تیار رکھنا تھا۔

تیمور کو پانی کی کمی کا کوئی خدشہ نہ تھا کیونکہ دریائے قزل ایرماق ان کی چھاؤنی کے بالکل ساتھ مشرقی جانب بہہ رہا تھا تاہم ان کے پاس خوراک کی کمی تھی۔ چنانچہ تیمور نے حکم دیا کہ آس پاس موجود دیہات سے جس قدر ممکن ہو کھانے پینے کی اشیاء اور چارہ فوجی چھاؤنی میں منتقل کر لیا جائے۔ سپاہیوں کو حکم دیا گیا کہ مقامی لوگوں کو کھانے پینے کی اشیاء اور چارہ پہنچانے کی بیگار پر لگایا جائے۔ غروب آفتاب کے وقت تیمور نے دشمن سے رابطہ منقطع کیا اور اس کے سپاہی واپس چھاؤنی میں لوٹ گئے۔ انہوں نے زخمیوں کو بھی چھاؤنی میں منتقل کر دیا تا کہ ان کے زخموں کی مرہم پٹی کی جا سکے، تاہم اس روز وہ اپنے مرنے والے ساتھیوں کی میتوں کو میدان جنگ سے لیجانے اور انہیں دفن کرنے کا کام انجام نہ دے سکے۔ رات کا اندھیرا پھیلے دو گھنٹے بھی نہ گزرے تھے کہ میدان جنگ سے لگڑ بگھوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں اور تیمور نے سوچا کہ یہ لگڑ بگھے لاشیں نوچنے کے لیے آئے ہیں۔

تیمور کو اس بات کا قطعی یقین تھا کہ انہیں رات کے وقت شب خون کا نشانہ بنایا جائے گا تاہم شب خون کی بجائے تیمور کو خبر ملی کہ ایلدرم بایزید کا ایک ایلچی ان کی فوجی چھاؤنی میں آیا ہے اور اس سے بات کرنا چاہتا ہے۔ تیمور نے حکم دیا کہ اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی جائے تا کہ وہ ان کی چھاؤنی کے حالات نہ دیکھ سکے اور پھر اسے اس کے حضور پیش کر دیا جائے۔

تیمور نے اس ایلچی سے ترکی زبان میں پوچھا: ”کون ہے تُو اور مجھ سے کیا چاہتا ہے؟“ اس آدمی نے اپنا تعارف کروایا اور معلوم ہوا کہ وہ

ایک سردار ہے اور اس کا مرتبہ ''تومان باشی'' یعنی دس ہزار سپاہیوں کے سردار کا ہے۔ پھر اس نے ایک خط تیمور کو پیش کیا۔ تیمور نے خط کھولا اور دیکھا کہ وہ فارسی زبان میں تحریر کیا گیا تھا۔ خط میں ایلدرم بایزید نے تیمور کو تیمور بیگ کے نام سے پکارا تھا (نوٹ: بیگ ایک خطاب تصور کیا جاتا تھا جس کا مطلب سردار یا فرمانروا تھا) اور اس میں لکھا تھا:

''جیسا کہ تُو نے دیکھ لیا، تیرے آگ کے برتن جن پر میرے خیال میں تجھے بہت بھروسہ ہے، آج زیادہ موثر ثابت نہ ہو سکے۔ چونکہ تجھ پر خوف نے غلبہ پا لیا تھا، لہٰذا تجھے میدان جنگ چھوڑ کر فرار ہونا پڑا اور اپنی لشکر گاہ میں پناہ لینا پڑی۔ تیرے لیے بہتر یہی ہے کہ کل صبح ہوتے ہی اسی راستے سے لوٹ جا، جس راستے سے چل کر یہاں تک آیا ہے کیونکہ کل ہم اس سے بھی زیادہ جنگی گاڑیاں تیرے مقابلے پر لائیں گے، جتنی آج تیرے خلاف استعمال کی ہیں۔''

تیمور نے اپنے کاتب کو طلب کیا اور اس کے جواب میں یہ خط تحریر کروایا:

''میں میدان جنگ سے فرار نہیں ہوا بلکہ وہاں سے واپس لوٹ آیا ہوں۔ میں نے اپنی فوج کو واپسی کا حکم دیا کیونکہ اس کے لیے یہی مفید ترین تھا۔ ایک سپہ سالار کو ہمیشہ اپنی فوج کا بہترین مفاد پیش نظر رکھنا ہوتا ہے۔ تُو نے مجھ پر خوفزدہ ہونے کا الزام لگایا ہے اور کہا ہے کہ میں خوف کے مارے میدان جنگ سے بھاگ گیا۔ اگرچہ تُو میرے مقابلے میں جواں مرد ہے لیکن تجھ پر یہ ثابت کرنے کے لیے کہ میں ہرگز خوفزدہ نہیں، میں کل صبح تجھ سے دونوں فوجوں کے سرداروں اور سپاہیوں کے سامنے تنہا لڑنے کے لیے تیار ہوں۔ تیرے بارے میں کہا جاتا ہے کہ تُو اپنی تلوار کی طاقت سے ایک ہی وار میں اونٹ کے دو ٹکڑے کر سکتا ہے۔ چنانچہ ہم دونوں میں سے جو بھی فاتح ہو وہ دوسرے کا سر کاٹ دے گا، چنانچہ میں آج رات اپنے بعد اپنی فوج کا سپہ سالار منتخب کر دوں گا۔ میں تجھے بھی ایسا ہی کرنے کا مشورہ دوں گا تاکہ جب ہم دونوں میں سے کوئی ایک مارا جائے تو اس کی فوج سپہ سالار کے بغیر نہ رہ جائے۔ اگر تُو مجھ سے تنہا لڑائی پر راضی ہو تو مجھے آدھی رات سے قبل اپنے فیصلے سے آگاہ کر دے۔''

جب خط تحریر ہو چکا تو تیمور نے اسے بند کر کے رومی افسر کے حوالے کر دیا اور اسے کہا: ''یہ ایلدرم بایزید کے خط کا جواب ہے۔'' پھر اس کے بعد اس نے رومی سردار کو خط کی تفصیلات سے آگاہ کیا اور اسے کہا، ''ایلدرم بایزید نے مجھے بزدل کہا ہے، لہٰذا اس خط میں، میں نے اسے لکھا ہے کہ میں کل صبح اس سے تنہا لڑنے کو تیار ہوں۔ ہم دونوں میں سے جو دوسرے کو شکست دینے میں کامیاب ہو جائے وہ شکست کھانے والے کا سر کاٹ سکتا ہے۔ تم بھی ان باتوں کو یاد رکھنا۔''

تیمور نے رومی سردار کو خط کی تفصیلات سے اس لیے آگاہ کیا تاکہ اگر ایلدرم بایزید اس سے تنہا لڑنا نہ چاہے تو اس کا سردار جان لے کہ تیمور ایسا کرنے پر تیار تھا اور وہ یہ بات اپنے دوسرے ساتھیوں تک بھی پہنچا دے۔

اس رات تیمور کو ایلدرم بایزید کی طرف سے کوئی جواب موصول نہ ہوا اور یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ تیمور سے تنہا لڑنا نہیں چاہتا۔ اس کے بجائے اس کی بہت سی جنگی گاڑیاں مختلف اطراف سے ان کی فوجی چھاؤنی کے نزدیک آئیں مگر جب انہوں نے یہ دیکھا کہ وہ فوجی چھاؤنی کے اندر داخل نہیں ہو سکتے تو واپس لوٹ گئے اور اس کے بعد اگلی صبح تک کوئی خاص واقعہ پیش نہ آیا۔

اگلی صبح تیمور نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ دریائے قزل ایرماق کے نزدیک فوجی چھاؤنی کے حصے میں بارود کی تیاری شروع کر دیں اور انہیں ہدایت کی کہ اسے کثیر تعداد میں تیار کر کے برتنوں میں استعمال کے لیے تیار کریں۔ جس جگہ یہ بارود تیار کیا جاتا تھا وہ دریا کے بالکل نزدیک تھی۔ دوپہر کے قریب تیمور نے دیکھا کہ آسمان پر بادل چھا رہے ہیں۔ چونکہ بہار کا موسم تھا، لہٰذا تیمور نے خیال کیا کہ شاید بارش شروع ہو جائے۔ چنانچہ اس نے حکم دیا کہ فوجی چھاؤنی میں جس قدر نمدہ ہے اسے لا کر چھت کی صورت بارود کے اوپر رکھ دیا جائے تا کہ اگر بارش ہونے لگے تو بارود گیلا ہو کر ناکارہ نہ ہو جائے۔ تقریباً تین گھنٹے بعد بادلوں کے گرجنے کی آواز سنائی دی اور بجلی چمکنے لگی۔ تیمور نے خود جا کر نمدہ کی چھت کا بغور معائنہ کیا جو اس کے سپاہیوں نے بارود کو محفوظ رکھنے کے لیے کھڑی کی تھی۔ پھر موسلا دھار بارش شروع ہوگئی اور یہ اس قدر شدید تھی کہ گویا طوفان نوح کا منظر پیش کر رہی تھی۔

کچھ ہی دیر میں دریائے قزل ایرماق کے پانی کی سطح بلند ہوگئی اور مختلف اطراف سے بارش کا پانی بہہ کر شامل ہونے سے دریا کے پانی کا رنگ مٹیالہ سا ہو گیا۔ اگر دریا کا پانی اس حد تک اونچا ہو جاتا کہ اس کے کناروں سے بہہ کر ان کی فوجی چھاؤنی میں داخل ہو جاتا تو اس صورت میں نہ صرف ان کا تیار کردہ بارود ناکارہ ہو کر رہ جاتا بلکہ ان سب کو خود بھی چھاؤنی سے باہر نکلنا پڑتا اور یقینی طور پر دشمن اس لمحے کا فائدہ اُٹھا کر ان پر حملہ کر دیتا۔ انہوں نے اپنی چھاؤنی کے باہر جو رکاوٹیں کھڑی کی تھیں، اگر چہ انہوں نے دشمن کا راستہ روک کر اسے واپس جانے پر مجبور کر دیا تھا مگر بارش کی صورت میں چونکہ انہیں چھاؤنی سے باہر آنا پڑتا لہٰذا وہ ان رکاوٹوں سے کام نہیں لے سکتے تھے۔

طوفانی بارش میں ہی تیمور نے اپنے سرداروں کو حکم دیا کہ جنگ کے لیے تیار رہیں۔ تیمور نے انہیں اس بات سے بھی آگاہ کر دیا کہ اگر دریا میں پانی کی سطح بلند ہو جاتی ہے تو ان کے پاس محض تلوار، کلہاڑے کی مدد سے اپنا دفاع کرنے کے سوا کوئی راستہ باقی نہ بچے گا اور ظاہر ہے ایسی صورت میں ان کی بہت سی لاشیں میدان جنگ میں پڑی رہ جائیں گی لیکن انہوں نے دیکھا کہ جس طرح بارش نے انہیں بے سکون کیا تھا، اسی طرح ایلدرم بایزید کو بھی اضطراب سے دوچار کیا کیونکہ بادشاہ روم نے ان پر حملے کے لیے کوئی قدم نہ اٹھایا اور وہ لوگ اپنی فوجی چھاؤنی کو بچانے میں کامیاب رہے۔

اگر چہ اس وقت بارش رُک گئی تاہم موسم دیکھ کر لگتا تھا کہ ممکن ہے پھر بارش شروع ہو جائے۔ تیمور نے حکم دیا کہ بارود کے اوپر بچھائے گئے نمدے کی چھت کو بالکل پختہ کر دیں تا کہ اگر اس رات مزید بارش ہو تو ایلدرم بایزید کی فوج کو نیست و نابود کرنے کے لیے انہوں نے جو چیز تیار کی تھی وہ تلف نہ ہو جائے۔ بارش آدھی رات کے قریب پھر برسنے لگی تاہم اس بار زیادہ تیز نہ تھی۔

اس رات تیمور صبح تک جاگتا رہا اور مستقل اس بات پر دھیان دیتا رہا کہ اس کی فوج کسی بھی لمحے فوجی چھاؤنی سے نکلنے کے لیے تیار رہے، تیمور کو لگ رہا تھا کہ اگر دریائے قزل ایرماق کا پانی کناروں سے بہہ نکلا تو وہ ان کی فوجی چھاؤنی میں داخل ہو جائے گا۔ تیمور کے سپاہی بھی اس رات آرام نہ کر پائے کیونکہ وہ بھی کسی بھی لمحے کوچ کے لیے تیار تھے۔ دریا کے پانی کی سطح اس رات مزید بلند ہوئی مگر اتنی نہیں کہ پانی کناروں سے بہہ نکلتا۔ لہٰذا ان کی چھاؤنی پانی سے محفوظ رہی۔ دن طلوع ہوتے ہی بارش تھم گئی اور تیمور نے دیکھا کہ اس کے بعد دریا میں پانی کی سطح قدرے کم ہوگئی تھی۔

صبح ہوتے ہی گرم سورج ان کی چھاؤنی اور صحرا پر چمکنے لگا۔ چنانچہ تیمور نے حکم دیا کہ بارود کے اوپر سے نمدے کی چھت ہٹا دی جائے تا کہ سورج اپنی گرمی اس پر بھی ڈال سکے۔ بعد ازاں تیمور کو پتہ چلا کہ بادشاہ روم کا سردار قدرت تات جو اس کا خط لے کر تیمور کے پاس آیا تھا، پھر آیا ہے۔

اس کا کہنا تھا کہ وہ ایک اور خط لایا ہے اور تیمور سے ملنے کا خواہش مند ہے تا کہ وہ خط اس کے حوالے کر دے۔ تیمور نے پہلی دفعہ کی طرح اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر اپنے حضور پیش کرنے کا حکم دیا۔

جب قدرت تات تیمور کے خیمے میں داخل ہوا اور اس کی آنکھوں پر سے پٹی کھول دی گئی تو اس نے روم کے بادشاہ کا خط تیمور کے حوالے کر دیا۔ اس خط میں ایلدرم بایزید نے جس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ تلوار کے ایک ہی وار سے اونٹ کے دو ٹکڑے کر دیتا ہے، تیمور سے کہا تھا کہ اسے ان دونوں کی دست بدست لڑائی کی پیشکش منظور نہیں کیونکہ کچھ عرصے سے وہ جوڑوں کے درد کے عارضے میں مبتلا ہے اور اس کا یہ درد لڑائی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ دوسری بات جو ایلدرم بایزید نے خط میں لکھی تھی، وہ یہ تھی کہ اس روز دوپہر تک پانچ سو مزید جنگی گاڑیاں بادشاہ روم کو مل جائیں گی اور اتنی بڑی قوت کے ہوتے ہوئے محال ہے کہ تیمور کسی فتح مندی کا خیال بھی دل میں لائے اور یہ کہ اس ملک کی سرزمین تیمور کے لیے قبر بن جائے گی۔ روم کے بادشاہ نے ایک اور بات یہ لکھی تھی کہ چونکہ تیمور میں اتنی جرأت ہی نہیں ہو سکتی کہ وہ اس کی جنگی گاڑیوں کا سامنا کر سکے، اس لیے اسے اپنی فوجی چھاؤنی ہی میں پناہ لیے پڑا رہنا پڑے گا اور زیادہ وقت نہیں گزرے گا کہ اس کے سپاہی بھوکے مرنے لگیں گے اور گھوڑے بھی مارے جائیں گے۔ اس نے مزید لکھا تھا کہ اگر تیمور ڈھٹائی چھوڑ دے تو وہ اس بات کے لیے تیار ہے کہ اسے راستہ دے دے تا کہ وہ یہاں سے واپس چلا جائے اور اپنی جان بچا لے۔

تیمور نے قدرت تات سے پوچھا کہ اس کے بادشاہ کے پاس کتنی فوج ہے؟ اس نے بتایا کہ ہمارے بادشاہ کی فوج پانچ لاکھ ہے اور اگر ایلدرم بایزید چاہے تو وہ اس مملکت کے تمام مردوں کو اپنی فوج میں شامل کر سکتا ہے۔ تیمور نے پوچھا: ''وہ کس طرح اس ملک کے تمام مردوں کو اپنی فوج میں شامل ہونے پر مجبور کر سکتا ہے؟'' اس تومان باشی (ہزاری) سردار نے جواب دیا: ''ہمارے ملک میں مردوں کا فوج میں شامل ہونا لازمی ہے اور اگر بادشاہ حکم دے تو ملک کے ہر ایسے مرد کو جو سولہ سال سے اوپر عمر کا ہے، فوج میں شامل ہونا اور میدان جنگ میں جانا پڑے گا تاہم ہمارا بادشاہ تمام مردوں کو فوج میں شامل ہونے کے لیے طلب نہیں کرتا کیونکہ اس طرح کھیتی باڑی اور جانوروں کی پرورش کا کام رُک جاتا ہے۔''

تیمور نے اس سے کہا: ''اگر تمہارا بادشاہ اس قدر طاقتور ہے کہ پانچ لاکھ فوج مہیا کر سکتا ہے اور اسے میدان جنگ میں بھیج سکتا ہے تو پھر وہ آج تک بائی زان تیوم پر قبضہ کیوں نہیں کر سکا۔ میں نے تو سنا ہے کہ روم کے تمام سلاطین، جن میں ایلدرم بایزید بھی شامل ہے، کی یہ خواہش تھی کہ وہ کسی طرح بائی زان تیوم پر قبضہ کر لیں لیکن وہ آج تک اپنی اس خواہش پر عمل نہ کر سکے۔''

تومان باشی سردار نے جواب دیا: ''اے امیر تیمور! بائی زان تیوم (استنبول) دریا کے دوسری جانب ہے اور اس پر قبضے کے لیے بے شمار کشتیوں کی ضرورت ہے۔''

تیمور بولا: ''جو شخص پانچ لاکھ کی فوج کے لیے اسلحہ اور دیگر سامان فراہم کر سکتا ہے کیا وہ کشتیاں بنا کر دریا عبور اور بائی زان تیوم پر قبضہ نہیں کر سکتا؟'' قدرت تات بولا: ''اے امیر تیمور، کشتیاں بنائی جا سکتی ہیں لیکن انہیں بائی زان تیوم میں داخل نہیں کیا جا سکتا کیونکہ شہر کے دہانوں پر زنجیریں بندھی ہیں اور یہ زنجیریں کشتیوں کو آگے گزرنے نہیں دیتیں۔ کیا تجھے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں لڑی گئی بائی زان

تیوم کی جنگ یاد نہیں؟''

تیمور نے کہا: ''تاریخ کا کوئی ایسا واقعہ نہیں جس سے میں لاعلم ہوں۔'' قدرت تات بولا: ''حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دو برس تک بائی زان تیوم کا محاصرہ کیے رکھا۔ ان کی خواہش تھی کہ وہ اس شہر کو مسخر کر کے اسلامی مملکت میں شامل کر لیں لیکن دو برس تک کوشش کرتے رہنے اور بہت سا نقصان اٹھانے کے بعد وہ مجبور ہو گئے کہ محاصرے سے ہاتھ اٹھا لیں اور لوٹ جائیں۔'' تیمور نے کہا: ''مجھے حضرت امیر معاویہؓ کے دور کے اس واقعہ کا پتہ ہے، اس موقع پر مذکورہ زنجیریں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی کشتیوں کے وہاں سے گزرنے میں حائل نہ ہوئی تھیں بلکہ ایک خاص قسم کی آگ تھی جو بجھ ہی نہ پاتی تھی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اسے جادو کا کھیل قرار دے رہے تھے، یہی آگ ان کی کشتیوں کی راہ میں حائل ہو گئی تھی۔''

(نوٹ: واضح رہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مشرقی روم کے پایہ تخت بائی زان تیوم جو کہ موجودہ استنبول ہے، کو فتح کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ اس دور میں وہاں کچھ ایسے لوگ تھے جو تیل، فاسفورس اور گندھک کے آمیزے سے اس قسم کی آگ تیار کرتے تھے جو پانی میں جلتی رہتی تھی اور پانی سے بجھتی نہیں تھی۔ اسے ان لوگوں نے ''آتش یونانی'' کا نام دے رکھا تھا اور اسے پانی میں جلائے رکھتے تھے۔ جیسے ہی کشتیاں اس کے نزدیک پہنچتیں تو انہیں آگ لگ جاتی جس کے نتیجے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دو سال بعد مجبور ہو گئے کہ مقصد حاصل کیے بغیر لوٹ جائیں)

قدرت تات بولا: ''اے امیر تیمور! بائی زان تیوم کے بارے میں تجھے مجھ سے زیادہ معلومات ہیں، مجھے اس آگ کے بارے میں کچھ پتہ نہ تھا۔ تاہم اب بائی زان تیوم میں اس قسم کی آگ موجود نہیں ہے بلکہ اس کی جگہ اب زنجیروں نے لے لی ہے۔ چنانچہ شہر کے لوگ جب یہ دیکھتے ہیں کہ دشمن کی کشتیاں نزدیک آ رہی ہیں تو وہ زنجیریں باندھ دیتے ہیں، جس کی وجہ سے کسی بھی کشتی کا بائی زان تیوم میں داخل ہونا ممکن نہیں رہتا، یہی وجہ ہے کہ ہمارا بادشاہ بھی بائی زان تیوم پر قبضہ نہیں کر سکا۔''

تیمور نے ایلدرم بایزید کے خط کا جواب لکھنے کے لئے کاتب کو بلوایا اور اس خط میں لکھوایا: ''مرد کو یہ زیب نہیں دیتا کہ خالی خولی دھمکیاں دیتا رہے، اسے ہونٹ بند رکھنے اور ہاتھ کھول لینے چاہئیں۔ میں تیری جنگی گاڑیوں سے خوفزدہ نہیں۔ میرا یہاں رُک کے رہنا ایک مصلحت کی بنا پر ہے اور جب میں چاہوں گا خود ہی یہاں سے لوٹ جاؤں گا۔ تُو جوڑوں کے جس درد میں مبتلا ہے، میں بھی اس عارضہ کا شکار ہوں اور کبھی تو یہ درد مجھے بُری طرح جکڑ لیتا ہے، مگر چونکہ یہ دائمی درد نہیں ہے اس لئے لڑائی میں رکاوٹ نہیں ہے۔ میرا تو یہ خیال ہے کہ تُو جو مجھ سے آمنے سامنے تنہا لڑنے سے گریز کر رہا ہے تو یہ دراصل تیرے خوف کی وجہ سے ہے، جوڑوں کے درد کی وجہ سے نہیں۔ چونکہ تُو ایک ڈرپوک انسان ہے اس لئے میں تجھ پر غلبہ پا لینے میں کامیاب ہو جاؤں گا، کیونکہ دنیا میں ہمیشہ جرأت مند لوگ ہی ڈرپوک آدمیوں پر فتح پاتے ہیں۔''

خط لکھوانے کے بعد تیمور نے اس پر مہر ثبت کی اور اسے دس ہزاری رومی سردار کے حوالے کر کے اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر فوجی چھاؤنی سے باہر نکال دینے کا حکم دے دیا۔

تیمور اپنی فوج کے ساتھ چھاؤنی میں تین روز تک ٹھہرا رہا۔ چوتھے روز صبح سویرے انہوں نے حملہ شروع کر دیا۔ تیمور نے اپنے سرداروں کو

ہدایت کی کہ وہ اپنے سپاہیوں کو کہہ دیں کہ اس روز انہیں جنگ کا حتمی نتیجہ نکالنا ہوگا اور اب وہ پیچھے ہٹنے کا حکم صادر نہ کرے گا۔ اس روز تیمور نے خود بھی زرہ بکتر پہنی، سر پر آہنی خود جمایا اور سیاہی مائل سرخ گھوڑے پر سوار ہو گیا جو ایک خاص نسل ''کوکلان'' کا بہترین گھوڑا تھا۔ لڑائی کیلئے تیمور نے ایک لمبی تلوار منتخب کی اور اسے دائیں ہاتھ میں پکڑ لیا، جبکہ اس کے بائیں ہاتھ میں لمبے دستے والا کلہاڑا تھا۔ تیمور بارود بھرے برتن پھینکنے والوں کے بعد پہلی صف میں شامل ہو گیا تا کہ کسی کو یہ شک نہ رہے کہ وہ موت کا استقبال کرنے کو تیار ہے۔

جب تیمور کی فوج نے حملہ کیا تو ایلدرم بایزید نے ایک بار پھر اپنی جنگی گاڑیوں کو حرکت دینا شروع کر دی۔ اسے امید تھی کہ وہ اپنی ان گاڑیوں کی مدد سے ایک بار پھر تیمور کی فوج کا راستہ روک لے گا۔ لیکن اس بار تیمور کے برتن پھینکنے والے پوری طرح مسلح اور تیار تھے، لہٰذا انہوں نے بڑی تعداد میں برتن پھینک کر گاڑیوں کے آگے جتے گھوڑوں اور ان پر سوار سپاہیوں کو ہلاک کر دیا۔ ان کی کچھ گاڑیاں اُلٹ جاتیں اور تیمور کے سپاہی انہیں پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھ جاتے۔

تیموریا لیک کمانوں سے پھینکے جانے والے تیران پر برسات کی طرح برس رہے تھے۔ تیمور کو اپنی زرہ اور خود سے ان تیروں کے ٹکرانے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں لیکن وہ آگے بڑھتا رہا، حتیٰ کہ ایسے مقام پر پہنچ گیا جہاں ان کے سامنے دشمن کی جنگی گاڑیاں نہ تھیں اور یہاں تیمور کو اپنے سامنے صرف پیادہ سپاہی نظر آئے۔ یہاں انہوں نے اپنے گھوڑوں کی رفتار تیز کی اور ان پیادہ سپاہیوں پر بھر پور حملہ کر دیا۔

تیمور نے گھوڑے کی لگام دانتوں میں دبا رکھی تھی تا کہ اس کے دونوں ہاتھ آزاد رہیں اور وہ اپنی تلوار اور کلہاڑے کو دائیں بائیں گھما رہا تھا۔ تیمور نے حکم دے رکھا تھا کہ ایک اضافی گھوڑا ہمہ وقت اس کے پیچھے تیار رکھا جائے تا کہ اگر دوران جنگ اس کا گھوڑا ہلاک ہو جائے تو اسے گھوڑے کے بغیر نہ لڑنا پڑے، چنانچہ اس کے سپاہی ایک اضافی گھوڑا پیچھے لا رہے تھے۔

اچانک ایک رومی سپاہی نے تیمور کے گھوڑے کے پیٹ میں تلوار کا وار کر کے اسے چاک کر ڈالا اور اس کا یہ قیمتی گھوڑا زمین پر گر گیا، لیکن جب تیمور کا گھوڑا زمین پر گر رہا تھا اس نے اپنے کلہاڑے کا بھر پور وار کر کے گھوڑے کے قاتل کو زمین بوس کر دیا اور ساتھ ہی فوراً گھوڑے سے چھلانگ لگا دی تا کہ اس کی ٹانگیں گھوڑے کے نیچے نہ دب جائیں۔ چند ہی لمحوں میں اسے دوسرا گھوڑا مہیا کر دیا گیا اور وہ دوبارہ اس پر سوار ہو کر لڑائی میں مصروف ہو گیا۔

میدان جنگ میں ہر جگہ تیمور کے گھڑ سوار سپاہی دشمن کی جنگی گاڑیوں کی خوفناک رکاوٹ پار کر کے اس کے پیادہ سپاہیوں تک جا پہنچے تھے۔ اس کے زیادہ تر سپاہی تلوار کے ساتھ لڑ رہے تھے تاہم کچھ کلہاڑوں کی مدد سے بھی لڑ رہے تھے۔ جب تیمور لڑائی میں مصروف تھا، اسے اچانک اپنے چہرے پر شدید جلن کا احساس ہوا اور تیمور نے دیکھا کہ اس کے چہرے پر ایک تیر لگا ہوا ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے تیموریا لیک کمان سے چھوڑے جانے والے یہ تیر چھوٹے ہوتے ہیں۔ ان کی لمبائی انگشت شہادت کی لمبائی جتنی ہوتی ہے۔ اس تیر کو چہرے سے نکالنے کے لئے تیمور نے تلوار اپنی بائیں بازو کے نیچے دبائی اور تیر کو کھینچ کر دور پھینک دیا۔ تیمور نے جیسے ہی چہرے سے تیر نکال کر دور پھینکا اسے دائیں پنڈلی میں شدید جلن کا احساس ہوا، وہ سمجھ گیا کہ اس کی پنڈلی زخمی ہو گئی ہے۔ تیمور نے اپنے گھوڑے کی لگام میں کھینچیں تو وہ دونوں اگلی ٹانگیں اٹھا کر کھڑا ہو گیا، پھر اس نے بائیں

بغل سے تلوار باہر نکالی اور جو نیزہ اس کی طرف بڑھ رہا تھا، اسے کاٹ ڈالا۔ پھر اس نے دوبارہ لگامیں کھینچیں اور گھوڑے نے دوبارہ جست لگائی، یوں دشمن کا نیزہ بردار تیمور کے بائیں طرف آ گیا، تیمور نے کلہاڑے کا بھرپور وار کر کے اس کا کندھا توڑ ڈالا۔ دشمن کے نیزہ بردار نے زوردار چیخ ماری اور زمین پر جا گرا۔ چونکہ وہاں کسی اور نے نیزہ نہ تھام رکھا تھا، لہٰذا تیمور سمجھ گیا کہ اسی شخص نے اس پر نیزے کے ساتھ حملہ کر کے اس کی پنڈلی زخمی کی تھی۔

چہرے اور پنڈلی کے زخموں کی مرہم پٹی کا وقت نہ تھا، چنانچہ تیمور اسی طرح لڑتا رہا۔ دو یا تین منٹوں کے بعد تیمور کے گھوڑے کے سامنے والی دونوں ٹانگیں جھکیں اور زمین سے جا ٹکرائیں۔ تیمور نے مڑ کر دیکھا کہ اس کا گھوڑا کیوں گرا ہے، اس موقع پر جب تیمور کا گھوڑا گرا تھا وہ کم اونچائی پر گھوڑے پر سوار تھا اور جیسے ہی اس نے گھوم کر گھوڑے کو دیکھنا چاہا، اس کے سر پر گُرز کا زوردار وار پڑا اور اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا۔ تیمور نے جان لیا کہ وہ بیہوش ہو جائے گا، چنانچہ جلد ہی بیہوشی نے اسے آ لیا اور وہ ہوش و حواس سے بیگانہ ہو گیا۔

جب تیمور کو ہوش آیا تو وہ اپنے خیمے میں موجود تھا۔ اس کے سر پر خود تھا اور نہ ہی جسم پر زرہ بکتر ہی تھی۔ معلوم ہوا کہ جب اسے میدان جنگ سے باہر لایا گیا تو اس کے سر پر سے خود اُتار دیا گیا اور بدن سے زرہ بکتر الگ کر دی گئی تا کہ اسے ہوش میں لایا جا سکے۔

اپنے زخموں کے بارے میں جاننے کی بجائے تیمور نے پہلے جنگ کی صورتحال کے بارے میں پوچھا۔ پتا چلا کہ بادشاہ روم کی گاڑیاں بیکار کر دی گئی ہیں اور اس کے پیادہ سپاہی شکست کھا چکے ہیں اور ان کی بڑی تعداد کو قتل کر دیا گیا ہے۔ جہاں تک خود ایلدرم بایزید کا تعلق تھا، وہ موقع پا کر فرار ہو گیا تھا۔ تیمور نے پوچھا کہ سلطان روم کو بھاگنے کیوں دیا گیا کہ وہ جان بچا کر فرار ہو گیا اسے بتایا گیا کہ نوح بدخشانی نے چند افسروں کو یہ ذمہ داری سونپی ہے کہ وہ ایلدرم بایزید کا تعاقب کریں اور جس طرح بھی ممکن ہو اسے گرفتار کر کے لے آئیں اور کسی بھی صورت میں ایلدرم بایزید کا وجود باقی نہیں رہنا چاہیے۔ تیمور اس خوشخبری سے بہت خوش ہوا اور اس خوشی میں اسے اپنے زخم بھی بھول گئے۔

تیمور کے نزدیک اس وقت اپنے زخموں کی کوئی اہمیت نہ تھی بلکہ اس کے لیے یہ بات اہم تھی کہ روم کے بادشاہ کو مکمل شکست دی جائے اور اس کی فوج مکمل طور پر نیست و نابود کر دی جائے۔ اور بائی زان تیوم کی طرف راستہ اُن کے کیلئے کھل جائے۔ سر پر لگی گرز کی ضرب کی وجہ سے تیمور کا سر چکرا رہا تھا، تاہم شاہی طبیب کا کہنا تھا کہ یہ چکر آہستہ آہستہ ختم ہو جائیں گے مگر اس کیلئے ضروری تھا کہ تیمور مکمل آرام کرے۔

جب تیمور کو میدان جنگ کی صورت حال سے پوری طرح اطمینان ہو گیا تو اس نے پوچھا کہ اُسے میدان جنگ سے کس طرح لایا گیا تھا؟ معلوم ہوا کہ توقات نے اُسے میدان جنگ سے باہر نکالا اور اگر وہ فوراً موقع پر نہ پہنچا ہوتا اور تیمور کو فوری طور پر میدان جنگ سے باہر نہ لے جاتا تو شاید تیمور گھوڑوں کے سُموں اور سپاہیوں کے قدموں تلے آ کر ہلاک ہو جاتا۔ توقات نے اپنے سپاہیوں کی مدد سے تیمور کو میدان جنگ سے باہر پہنچا دیا تھا۔

تیمور زخموں کے باعث سکون سے بیٹھ سکتا تھا اور نہ لیٹ سکتا تھا، لیکن اگر اُٹھنے کی کوشش کرتا تو فوراً اُس کا سر چکرانے لگتا اور مجبوراً اُسے سر نیچے رکھ کر آنکھیں بند کرنا پڑتیں تا کہ چکروں سے نجات مل سکے۔ جب جنگ مکمل طور پر ختم ہو گئی تو تیمور کو بتایا گیا کہ ایلدرم بایزید کے لگ بھگ ساٹھ ہزار سپاہی گرفتار ہوئے ہیں۔ تیمور نے حکم دیا کہ ان سپاہیوں کی دیکھ بھال روم کے بادشاہ کے خرچ سے کی جائے اور ان سپاہیوں اور افسروں سے دریافت کیا

جائے کہ سپاہیوں کی غذا تیار کرنے کی جگہ اور وسیلہ کیا ہے؟ اس لیے کہ ایلدرم بایزید کے سردار یقیناً جانتے تھے کہ اس کے ذرائع آمدنی کیا اور کہاں ہیں۔ چنانچہ تیمور نے ہدایت کی کہ ان سرداروں سے تفتیش جاری رکھی جائے، جب تک کہ ایلدرم بایزید خود گرفتار ہو کر اس بارے میں نہ بتادے۔

تیمور فتح حاصل کرنے کے بعد جلد از جلد شہر قیساریہ پہنچنا چاہتا تھا، کیونکہ اسے معلوم تھا کہ یہ شہر ایلدرم بایزید کا پایہ تخت ہے۔ تیمور کو یہ بھی معلوم تھا کہ قیساریہ ایک ایسا راستہ ہے جہاں سے کیلی کیا کی طرف سے جا کر بائی زان تیوم پہنچ جاتے ہیں۔ یعنی یہ راستہ ایک ایسے دریا تک پہنچتا تھا جس کے اس پار بائی زان تیوم واقع تھا۔

تیمور کے سپاہی مُردوں کو دفنانے اور زخمیوں کے علاج معالجے کے بعد دوبارہ چل پڑے تا کہ قیساریہ پہنچ جائیں۔ تیمور نے گھوڑے پر سوار ہونا چاہا مگر دائیں پاؤں اور چہرے کے زخموں کے ساتھ ساتھ چکر بھی سواری کی راہ میں حائل ہوئے۔ طبیب نے مشورہ دیا کہ تیمور تخت رواں پر سفر کرے تا کہ اُسے آرام کا موقع مل سکے۔ چنانچہ اُس کیلئے تخت رواں لگا دیا گیا اور تیمور اس پر لیٹ گیا۔ یوں قیساریہ کی طرف اُن کا سفر شروع ہو گیا۔ قیساریہ پہنچنے سے پہلے، تیمور نے راستے میں نظر آنے والے لوگوں سے جو ترکی زبان بولتے اور سمجھتے تھے اور جن سے بات کرنے کے لئے تیمور کو کسی ترجمان کی ضرورت نہ تھی، بات چیت کی۔ ان لوگوں نے بتایا کہ قیساریہ میں دو حصار ہیں، جن میں سے ایک تو مٹی اور بجری کا بنا ہوا ہے اور دوسرا حصار پتھر کا ہے۔ مٹی کی فصیل پتھر کی فصیل سے پہلے تھی اور دونوں کے درمیان تقریباً پچاس گز کا فاصلہ تھا۔ اگر کوئی حملہ آور فوج پہلا حصار عبور کرنے میں کامیاب ہو جاتی تو دوسرے حصار کے سامنے پہنچ کر رُک جاتی۔ مقامی لوگوں نے یہ بھی بتایا کہ کبھی قیساریہ میں ایک لاکھ سوار اور پیادہ سپاہیوں کی فوج ہوا کرتی تھی اور یہ وہاں کی مستقل حفاظتی فوج ہوتی تھی۔'' جب شہر کے آثار دکھائی دیے تو تیمور نے دیکھا کہ واقعی وہاں دو حصار بنے ہوئے تھے، تاہم جیسا کہ بتایا گیا تھا، یہ حصار زیادہ مضبوط نہ تھے، خاص طور پر مٹی کی فصیل تو بالکل ایسے لگ رہی تھی کہ کبھی اس کی مرمت ہی نہ کی گئی ہو۔

تاہم تیمور نے اندازہ لگایا کہ مذکورہ شہر پائیداری دکھائے گا اور ضروری ہے کہ اسے محاصرہ کر کے فتح کیا جائے۔ لیکن جب وہ اپنی فوج کے ساتھ شہر کے سامنے پہنچا تو اس نے دیکھا کہ کچھ لوگ جماعت کی صورت شہر سے باہر آ رہے ہیں۔ یہ لوگ سیدھے تیمور کے سامنے آئے اور بتایا کہ ان لوگوں کا تعلق قیساریہ سے ہے اور وہ یہ بتانے آئے ہیں کہ وہ اطاعت قبول کرتے ہیں۔ تیمور نے اُن سے پوچھا، ''آیا ایلدرم بایزید شکست کھانے کے بعد فرار ہو کر اس طرف آیا ہے یا نہیں؟'' اُن لوگوں نے جواب دیا کہ انہوں نے ایلدرم بایزید کو نہیں دیکھا اور وہ میدان جنگ سے اس طرف نہیں لوٹا۔ تیمور نے اُن سے پوچھا کہ ایلدرم بایزید کا خزانہ کہاں ہے؟ انہوں نے بتایا کہ اس نے اپنا خزانہ انطاکیہ میں منتقل کر دیا ہے۔

تیمور نے ان لوگوں سے کہا کہ ''ایلدرم بایزید کے ساتھ ہزار سپاہی قید میں ہیں انہیں غذا کی ضرورت ہے، میں اُنہیں غذا مہیا نہیں کر سکتا۔ چنانچہ ضروری ہے کہ ایلدرم بایزید کی رقم سے ان قیدیوں کی ضروریات پوری کی جائیں۔ چونکہ روم کا بادشاہ فرار ہو گیا ہے اور تم سب اس کی رعایا ہو اور اس کی حکومت میں اہم منصب پر فائز رہے ہو، تمہیں چاہئے کہ قیدیوں کی دیکھ بھال کا بندوبست کرو۔'' شہر کے بڑے لوگوں نے کہا کہ ہمیں منظور ہے اور قیدیوں کی دیکھ بھال کا بندوبست ہم کریں گے۔

تیمور اپنے ساتھیوں کے ساتھ شہر میں داخل ہو گیا اور وہاں اس محل میں قیام کیا جس میں ایلدرم بایزید سکونت پذیر تھا۔ معلوم ہوا تھا کہ

بادشاہ روم اپنے خاندان کو بھی انطاکیہ لے گیا ہے۔

تیمور جس روز قیساریہ میں داخل ہوا، اسی روز شہر کے بڑوں نے باہم مشاورت کی اور یہ طے کیا کہ جو قیدی فدیہ ادا کر سکیں تو وہ آزاد ہو جائیں اور باقی سپاہیوں کی خوراک کا خرچ روم کا بڑا خزانے دار اُٹھائے۔ روم کا سب سے بڑا خزانے دار ایک ایسا شخص تھا جس کے ماتحت کئی دوسرے خزانے دار تھے اور یہ لوگ اس کے ماتحت مالیہ وغیرہ وصول کر کے خزانے میں جمع کراتے تھے۔ تیمور نے شہر کے بڑوں کا تجویز کردہ حل قبول کر لیا۔ اُس روز روم کا سب سے بڑا خزانچی تیمور کے حضور پیش ہوا، تیمور نے اُس سے ملک روم کے مالیات کا حساب مانگا۔ اس نے کہا کہ وہ حساب اگلے روز تک دے دیگا تا کہ تیمور جان سکے کہ موجودہ سال کا مالیہ کس قدر وصول ہو چکا ہے اور باقی کس قدر وصول کرنا ہے۔

اگلے روز سب سے بڑا خزانچی جسے اچھی طرح معلوم تھا کہ اس کا سر اس کی صحیح رپورٹ سے ہی بچ سکتا ہے۔ تیمور کے حضور مالیات کا حساب کتاب لے کر پیش ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ 250,000 بایزیدی (اُس وقت کا رائج سکّہ) خزانے میں پڑے ہیں اور ابھی مزید 375,000 بایزیدی اس سال کیلئے جمع کرنے باقی ہیں۔ تیمور نے کہا، ''چونکہ اب سے میں روم کا سلطان ہوں، لہٰذا تمام مالیات مجھے ادا کیے جائیں اور روم کا خزانہ میرے زیر انتظام رہے گا۔'' اس روز تیمور نے حکم دیا کہ تمام آس پاس کے شہروں میں اعلان کر دیا جائے کہ ''تیمور ایک مسلمان ہے اور چونکہ روم (ترکی) کے باشندے بھی مسلمان ہیں، لہٰذا انہیں تیمور کی طرف سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ روم میں شامل تمام شہروں کو اپنے دروازے تیمور اور تیمور کے مقرر کردہ نگرانوں کیلئے کھول دینے چاہئیں اور اگر کسی نے مزاحمت کی تو پھر اس شہر کے باشندوں سے جنگ کے قانون کے مطابق سلوک کیا جائے گا۔ یعنی اس شہر پر قبضہ کر کے شہر کے تمام مردوں کو قتل کر دیا جائے گا اور عورتوں کو غلام بنالیا جائے گا۔ نیز ان کے مال اسباب پر قبضہ کر لیا جائے گا۔''

اگلے روز روم کا بادشاہ پکڑا گیا۔ تیمور کو ایک تیز رفتار قاصد کے ذریعے یہ اطلاع ملی کیونکہ ابھی انہوں نے اس جگہ کبوتر خانے قائم نہیں کیے تھے جہاں ایلدرم بایزید گرفتار ہوا تھا۔ چنانچہ سلطان روم کو قیساریہ منتقل کر کے شہر سے باہر ان کی فوجی چھاؤنی میں قید کر دیا گیا۔ تیمور کو اس کی طرف سے ایک خط دیا گیا جس میں سلام و آداب اور تعریف و توصیف کے بعد اس نے لکھا تھا:

''اس ناہموار یعنی ہر لحہ بدلتی ہوئی دنیا کا یہی رواج ہے کہ آدمی کبھی تو زین پر بیٹھا ہوتا ہے اور کبھی زین خود اس کی پشت پر ہوتی ہے۔ گردش افلاک اس بات کا سبب بنی کہ میں جنگ میں شکست کھا گیا اور اے عظیم امیر تو فاتح ٹھہرا اور اب میری جان اور مال تیرے قبضے میں ہے لیکن میں امید کرتا ہوں کہ تُو میرے ساتھ ایسا سلوک کرے گا جو تیری عظمت کے شایانِ شان ہوگا۔''

تیمور نے اپنے سپاہیوں کو ہدایت کی کہ وہ ایلدرم بایزید پر کڑی نظر رکھیں تاہم اس کے ساتھ احترام کا سلوک کریں۔ تین روز بعد ایلدرم بایزید کو تیمور نے اپنے حضور پیش کرنے کا حکم دیا۔ جب وہ اندر داخل ہوا، تیمور نے دیکھا کہ وہ خاصا موٹا تازہ آدمی ہے۔ تیمور نے اس سے کہا، ''اگر تُو یہ دیکھے کہ میں تیرے ساتھ انکسار سے کام نہیں لے رہا تو یہ اس سبب سے نہ ہوگا کہ میں آداب سے ناواقف ہوں بلکہ یہ صحت ٹھیک نہ ہونے کے سبب ہوگا کیونکہ میں اب بھی میدان جنگ میں لگے زخموں سے پوری طرح صحت یاب نہیں ہوا۔'' پھر تیمور نے اسے بیٹھ جانے کے لیے کہا اور ایلدرم بایزید بیٹھ گیا۔ پھر تیمور نے اسے کہا، ''مجھے تیرا خط ملا ہے جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ تُو اپنے غرور کے پہاڑ سے نیچے اُتر آیا ہے۔ اب تُو نے جان لیا ہے کہ تیمور گورگین

سے پنجہ آزمائی کر کے تُو نے غلطی کی ہے۔''

ایلدرم بایزید بولا: ''اے امیر، اگر کوئی بادشاہ باہر سے آ کر تیرے ملک پر حملہ کرتا اور تجھے تیری سلطنت سے ہٹانے کی کوشش کرتا تو کیا تُو اس سے جنگ نہ کرتا؟ اگر میں تیرے ملک پر حملہ کرتا اور تجھ سے لڑائی مول لیتا تب تو تجھے مجھ پر غصہ کرنے کا حق تھا لیکن میں نے تو تیرے ملک پر حملہ نہیں کیا اور جو کچھ کیا وہ محض اپنے دفاع میں کیا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ میری قسمت نے ساتھ نہ دیا اور میں شکست کھا گیا۔ تیمور نے اس سے کہا، ''میں تیرا یہ عذر قبول کرتا ہوں کہ تُو میرے ساتھ جنگ پر مجبور تھا، میرا تجھے مارنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے تاہم میں تجھ سے دو باتیں چاہتا ہوں: پہلی یہ کہ اپنا خزانہ میرے حوالے کر دے اور جو بھی سرمایہ جواہر وغیرہ تیرے پاس ہیں وہ مجھے دے دے۔'' ایلدرم بایزید بولا: ''مجھے منظور ہے، میں اپنا سارا خزانہ تیرے حوالے کر دوں گا۔'' اب تیمور نے کہا: ''دوسری بات یہ کہ آج کے بعد تُو میری مدد کرتا کہ میں بائی زان تیوم (موجودہ استنبول) پہنچ کر اسے مسخر کر سکوں۔'' ایلدرم بایزید کہنے لگا: ''اے امیر، تُو جس طرح کی مدد چاہے گا میں مہیا کرنے کو تیار ہوں، مگر میرے پاس کشتیاں نہیں ہیں کیونکہ جو کوئی بائی زان تیوم جانے کا خواہش مند ہو، اس کے پاس کشتیوں کا ہونا ضروری ہے اور وہ بھی ایک دو نہیں ہزاروں کشتیاں جن پر سپاہیوں، گھوڑوں اور سامان جنگ کو لے جایا جا سکے۔ وہاں پہنچنے کے لیے یہ کشتیاں بنانا پڑیں گی کیونکہ یہ موجود نہیں ہیں۔''

تیمور نے پوچھا: ''کیا بائی زان تیوم ایک بہت بڑی بندرگاہ ہے؟'' ایلدرم بایزید نے جواباً کہا: ''ہاں'' تیمور نے پوچھا: ''تو کیا اس بندرگاہ کی طرف کشتیاں (چھوٹے جہاز) نہیں جاتیں؟'' ایلدرم بایزید نے کہا: ''کیوں نہیں، بالکل جاتی ہیں۔'' اب تیمور نے پوچھا: ''وہ کشتیاں کس طرف سے اس بندرگاہ میں داخل ہوتی ہیں؟'' ایلدرم بایزید بولا: ''مصر اور مغربی ممالک کی طرف سے ہماری ان تک رسائی نہیں ہے۔'' تیمور نے پوچھا: ''ان ملکوں اور بائی زان تیوم کے درمیان کشتیوں کی آمد و رفت نہیں ہوتی؟'' ایلدرم بولا: ''جو جہاز اور کشتیاں ان ممالک سے بائی زان تیوم میں جاتے ہیں وہ ایک قسم کی چھوٹی کشتیاں ہوتی ہیں اور ان پر فوج کو سوار کر کے نہیں لے جایا جا سکتا اور مصر اور مغربی ممالک کی طرف سے بائی زان تیوم میں داخل ہونے والے جہاز اس ملک کے ساحلوں کے نزدیک سے نہیں گزرتے۔''

تیمور نے کہا: ''کیا یہاں بحری جہاز نہیں بنائے جا سکتے؟'' ایلدرم بایزید بولا: ''ہم یہاں جہاز بنا تو سکتے ہیں مگر ہمارے ہاں اس کے لیے ماہر کاریگر نہیں ہیں جو ہمیں مغربی ممالک کی طرح کے جہاز تیار کر کے دیں اور ہم انہیں پانی میں اُتار سکیں۔ مزید یہ کہ ایسے بڑے بڑے جہاز بنانے کے لیے ہمارے پاس مخصوص لکڑی بھی دستیاب نہیں ہے اور ہر لکڑی سے تو بڑا جہاز تیار نہیں کیا جا سکتا۔'' تیمور نے پوچھا: ''بڑے جہاز بنانے کے لیے کون سی لکڑی مناسب ہے؟'' ایلدرم بایزید نے بتایا: ''ایسے جہاز بنانے کے لیے دو قسم کی لکڑی کی ضرورت ہوتی ہے، ایک تو بلوط کی لکڑی جو ہمارے یہاں دستیاب نہیں ہے اور دوسری جنگلی صنوبر کی لکڑی جس سے بادبان باندھنے والے کھمبے بنائے جاتے ہیں۔''

تیمور نے پوچھا: ''کیا دوسری لکڑی سے یہ کھمبے نہیں بنائے جا سکتے؟'' ایلدرم بایزید بولا: ''یہ کھمبے یا ستون سفیدے کے درخت کی لکڑی سے بھی بنائے تو جا سکتے ہیں مگر جیسے ہی ہوا تیز چلنے لگتی ہے تو یہ ٹوٹ جاتے ہیں جبکہ جنگلی صنوبر کی لکڑی جو کہ مغربی ممالک میں کثرت سے پائی جاتی ہے، سے بنائے گئے ستون تیز ہوا چلنے پر کمان کی طرح خم ہو جاتے ہیں اور ٹوٹتے نہیں۔ سفیدے کی لکڑی سے جہاز کا ڈھانچہ تیار تو کیا جا سکتا ہے مگر وہ

دو تین ہفتوں سے زیادہ سمندر کے پانی کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور ناکارہ ہو جاتی ہے۔اس کے برعکس بلوط کی لکڑی پچاس برس تک بھی پانی میں مسلسل رہ کر ناکارہ نہیں ہوتی۔''

تیمور نے کہا: ''مجھے ایسے جہازوں کی ضرورت نہیں جو پچاس برسوں سے زیادہ عرصہ تک کارآمد رہیں۔ مجھے تو بس ایسے جہازوں کی ضرورت ہے جو میری فوج کو یہاں سے بائی زان تیوم تک پہنچا ئیں۔ چنانچہ سفیدے کی لکڑی سے بنے ہوئے جہاز بھی میرا مقصد پورا کر دیں گے کیونکہ یہ جہاز جو میرے سپاہیوں کو لے کر جائیں گے تو وہ پانی میں ایک یا دو دن سے زیادہ نہیں رہیں گے۔'' ایلدرم بایزید بولا: ''میں سب سے بہترین امیر کے فرمان سے متفق ہوں اور تُو جو کچھ بھی کہے گا فوراً وقت پر مہیا کر دیا جائے گا۔''

پھر تیمور کو اطلاع ملی کہ سلطانیہ کا عیسائی پادری جسے اس نے شام سے فرانس کے بادشاہ کی طرف بھیجا تھا، لوٹ آیا ہے۔ ابتدا میں یہ عیسائی پادری ''نخ جوان'' میں رہا کرتا تھا مگر چنگیز خان کے ایک بیٹے کی طرف سے آذربائیجان میں واقع شہر سلطانیہ کو اپنا پایہ تخت قرار دینے پر یہ عیسائی پادری سلطانیہ منتقل ہو گیا اور یہیں رہائش پذیر رہا۔ جب تیمور شام میں تھا تو ان دنوں سلطانیہ کا یہ عیسائی پادری اس کے پاس آیا اور اسے بتایا کہ اگر وہ فرانس کے ساتھ تجارتی روابط قائم کرے تو یہ اس کے لیے بہت فائدہ مند ثابت ہوگا۔ تیمور نے اس سے دریافت کیا کہ ''فرانسیسی قوم کہاں آباد ہے؟'' اس نے جواب دیا: ''فرانسیسی لوگ بحر ظلمات یعنی بحر اوقیانوس کے ساحل پر آباد ہیں۔'' تیمور نے پوچھا: ''فرانسیسیوں کے پاس کس طرح کا مال تجارت ہے؟'' عیسائی پادری نے بتایا: ''فرانسیسیوں کے پاس ہر طرح کی اشیاء ہیں تاہم ان کی دو مصنوعات تو انتہائی خاص ہیں۔ ایک تو اونی کپڑا اور دوسرا چینی کے برتن، چینی کا جو سامان فرانسیسی لوگ تیار کرتے ہیں وہ خود چین میں بنی اشیاء سے کہیں بہتر ہوتا ہے۔'' چونکہ شام کے لوگ فرانسیسی زبان کو سمجھتے تھے اور اسے ہی لکھ پڑھ سکتے تھے، تیمور نے حکم دیا کہ اس کی طرف سے بادشاہ فرانس کو ایک خط لکھا جائے، نیز تیمور نے یہ ذمہ داری عیسائی پادری کو سونپی کہ وہ خود یہ خط شاہ فرانس تک پہنچائے۔ تیمور نے شاہ فرانس کو خط کے ہمراہ تحائف بھی بھیجے تھے اور اسے لکھا تھا کہ وہ اپنی تجارتی اشیاء روانہ کرے اور جواباً وہ بھی فرانسیسیوں کو اپنا مال تجارت بھیجیں گے تاکہ دونوں طرف کے عوام کی جو بھی ضروریات ہوں، اس کے مطابق باہم تجارت کو فروغ دیا جا سکے۔ عیسائی پادری نے شاہ فرانس کو تیمور کا خط اور تحائف پہنچا دیئے تھے اور شاہ فرانس جس کا نام چارلس تھا، اس کا جوابی خط اور اس کی طرف سے بھیجے گئے تحائف لے کر لوٹا تھا۔

جب پادری واپس لوٹا تو تیمور ''کیلی کیا'' کے راستے بائی زان تیوم کے لیے روانہ ہونے والا تھا اور جیسا کہ پہلے ذکر آیا ہے تیمور بحری جہاز بنانے کا ارادہ رکھتا تھا مگر عیسائی پادری نے اسے بتایا کہ دنیا کے بہترین بحری جہاز فرانس میں بنائے جاتے ہیں اور اگر تیمور شاہ فرانس کو تانبا فراہم کر دے تو اس کے بدلے وہ جتنے چاہے جہاز اسے مل سکتے ہیں۔ تیمور نے پوچھا: ''شاہ فرانس مجھے کس قدر جہاز فراہم کر سکتا ہے؟'' پادری بولا: ''فرانس میں اس قدر جہاز ہیں کہ اگر وہاں کا بادشاہ چاہے تو اے امیر تجھے ایک ہزار جہاز دے سکتا ہے۔''

تیمور نے کہا: ''ایک ہزار جہاز بھی کافی نہیں ہیں کیونکہ میں اپنی ساری فوج کو ان پر سوار کر کے پانیوں کو عبور کرنا چاہتا ہوں۔'' سلطانیہ کا پادری کہنے لگا: ''فرانس کے بحری جہاز بہت بڑے ہیں اور ان میں سے بعض تو اتنے بڑے ہیں کہ پانچ سو افراد با آسانی ان پر سوار ہو سکتے ہیں اور میرا

خیال ہے کہ اگر شاہ فرانس، امیر محترم کو پانچ سو جہاز بھی فراہم کر دے تو وہ امیر محترم کی ساری فوج کو منتقل کرنے کے لیے کافی ہوں گے۔'' تیمور نے سلطانیہ کے پادری سے پوچھا: ''شاہ فرانس کو کس قسم کا تانبا درکار ہے؟'' پادری جواباً کہنے لگا: ''تم اسے جس طرح کا بھی تانبا فراہم کرو گے، وہ قبول کر لے گا کیونکہ وہ اس تانبے کو پگھلا کر ہر طرح کے استعمال میں لے آئیں گے۔ فرانسیسی تمہارے مہیا کیے ہوئے تانبے کو اپنے جہازوں پر لاد کر شام اور روم کی بندرگاہوں سے اپنے ملک لے جائیں گے۔''

تیمور نے حکم دیا کہ تمام ملکوں میں خاص طور پر ایران اور اس کے گرد ونواح کے علاقوں میں جہاں تانبا وافر مقدار میں دستیاب تھا، جس کسی کے پاس تانبا سلاخوں، سکوں یا کسی دوسری صورت میں موجود ہو اور وہ اسے بیچنا چاہے تو اس سے وہ اچھی قیمت دے کر خرید لیا جائے، پھر اسے روم یا شام پہنچا دیا جائے۔ ایک بار پھر تیمور نے سلطانیہ کے پادری کو خط اور تحائف کے ہمراہ فرانس روانہ کیا۔ خط میں تیمور نے لکھا:

''میرے قلمرو میں شامل ممالک میں تانبے کے لامحدود ذخائر ہیں۔ ہم فرانس کے لوگوں کو جس قدر وہ چاہیں تانبا فراہم کر سکتے ہیں۔ اس کے بدلے میں ہمیں فوری طور پر پانچ سو بڑے نقائص سے پاک بحری جہاز درکار ہیں جنہیں روم کی بندرگاہ پر میرے حوالے کر دیا جائے۔ اگر ان جہازوں کے فرانسیسی ملاح میری ملازمت کرنا چاہیں تو یہ بہت بہتر ہوگا۔ اس صورت میں میں ان کی تنخواہیں اور وظائف وغیرہ ادا کرنے پر تیار ہوں۔''

جب سلطانیہ کا پادری تیمور کے خط اور تحائف کے ساتھ روانہ ہو گیا تو تیمور نے فوری طور پر ''کیلی کیا'' اور وہاں سے بائی زان تیوم کی طرف پیش قدمی کا فیصلہ کیا۔ تیمور کو بتایا گیا تھا کہ روم اور بائی زان تیوم کے درمیان ایک آبنائے ہے جو 2400 فٹ سے زیادہ نہیں ہے تاہم اس کی گہرائی بہت زیادہ ہے۔ ماضی میں یہ آبنائے گائے بیل منتقل کرنے کے لیے مخصوص تھی۔ یہ گائے بیل جنہیں روم سے بائی زان تیوم یا وہاں سے روم منتقل کیا جاتا تھا، اس راستے سے پار کرائے جاتے تھے۔ یہ گائے بیل پانی میں تیرتے ہوئے ایک طرف سے دوسری طرف پہنچ جاتے۔

تیمور نے دل میں سوچا، ''اگر گائے بیل اس راستے سے تیر کر ایک طرف سے دوسری طرف پہنچ سکتے ہیں تو پھر میرے سپاہی اس طرح تیر کر ایک طرف سے دوسری طرف کیوں نہیں پہنچ سکتے؟'' بائی زان تیوم کی طرف روانہ ہوتے ہوئے تیمور نے ایلدرم بایزید کو ساتھ لے لیا تھا تاکہ روم کے لوگ یہ بات سمجھ لیں۔ اگر انہوں نے سرکشی دکھائی تو نہ صرف وہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے بلکہ ایلدرم بایزید بھی مارا جائے گا۔

بالآخر مذکورہ آبنائے دکھائی دی اور وہ ایسے مقام پر پہنچ گئے جہاں سے تیمور کو دور بائی زان تیوم دکھائی دے رہا تھا۔ یہ شہر مغرب کی طرف تھا اور تیمور کی فوج اور اس شہر کے درمیان وہ آبنائے حائل تھی جس کی لمبائی تیمور کے اندازے کے مطابق 2400 فٹ سے زیادہ تھی۔ یہاں تیمور کو بتایا گیا کہ اس آبنائے کا مشرقی علاقہ جہاں اس وقت تیمور کھڑا تھا، کبھی بائی زان تیوم کے زیر انتظام تھا لیکن روم کے حکمرانوں نے اسے بائی زان تیوم سے ہتھیا لیا اور پھر بائی زان تیوم کے سلطان کی آبنائے مشرق یعنی ملک روم میں ایک انچ زمین بھی نہیں تھی۔

جب تیمور بائی زان تیوم کا مشاہدہ کرنے گیا، اس وقت دن کا ایک پہر گزر چکا تھا اور سورج اس کی پشت پر چمک رہا تھا، اس لیے تیمور اس شہر کو بخوبی دیکھ سکتا تھا جس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ ڈیڑھ ہزار یا دو ہزار برس سے اس میں دنیا بھر کی دولت جمع کی جا رہی ہے۔ تیمور شہر کا مکمل طور پر مشاہدہ کرنے کے لیے ایک بلند ٹیلے پر چڑھ گیا اور شہر پر نظریں جما دیں۔ شہر بائی زان تیوم اس قدر وسیع تھا کہ تیمور کو اس کی آخری حد نظر نہ آ رہی تھی۔

شہر کے عین درمیان میں ایک بہت بڑی اور طویل خلیج دکھائی دے رہی تھی۔ تیمور کو بتایا گیا کہ اس خلیج کا نام شاخ طلا (یعنی سونے کی شاخ) ہے۔

اس خلیج میں ہزاروں کشتیاں تھیں جو شہر کے سامنے سے ہو کر ادھر اُدھر جا رہی تھیں۔ نیز شہر میں اس قدر سونے کے گلدان نظر آ رہے تھے کہ ان کی چمک آنکھوں کو چندھیا رہی تھی۔ تیمور کو بتایا گیا کہ یہ گلدان دراصل شہر کے گرجاؤں کے ہیں کیونکہ بائی زان تیوم پر جو بھی حکمران منصب سنبھالتا تو اس کے لیے لازم ہوتا کہ وہ ایک گرجا یا ایک صومعہ (راہبوں کی عبادت گاہ) ضرور تعمیر کروائے۔ ہزاروں تارک الدنیا مرد اور عورتیں بائی زان تیوم کی ایسی عبادت گاہوں "صومعوں" میں زندگی بسر کر رہے تھے اور ہر گرجے اور صومعے کی ایک وقف جائیداد ہے جس کی آمدنی سے ان کا خرچ چلتا ہے۔ یہ مرد اور عورتیں جو بائی زان تیوم کی عبادت گاہوں میں مقیم تھے، ساری زندگی ان عبادت گاہوں سے قدم باہر نہ نکالتے اور وہیں مر جاتے۔ مرنے پر ان کی لاش اسی صومعہ کے قبرستان میں دفنا دی جاتی تھی۔ ہر صومعہ کا اپنا ایک قبرستان تھا۔ بائی زان تیوم کے بعض صومعے ایسے تھے جہاں گوشت نہیں کھایا جاتا تھا اور جو غذائیں استعمال کی جاتی تھیں وہ گھاس کی ایک قسم پر مشتمل تھیں تاہم حیرت انگیز طور پر ان لوگوں کی اوسط عمر ایک سو بیس برس ہوتی تھی۔

تیمور کو بتایا گیا کہ بائی زان تیوم کے گرجا گھروں کی دولت اس قدر زیادہ ہے کہ بعض گرجا گھروں میں تو تین تین خروار (جتنا بوجھ ایک گدھے پر لادا جا سکے) تک وزنی سونے کی صلیب، سونے کی قندیل اور سونے کا کاسہ ہوتا ہے اور یہ اشیاء جواہر سے مرصع ہوتی ہیں۔

تیمور سے کہا گیا کہ بائی زان تیوم کو فتح کرنے پر اسے صرف گرجا گھروں سے ایک سو خروار سے زیادہ سونا ہاتھ لگے گا۔ مزید یہ کہ بائی زان تیوم کے اکثر محلات میں خزانے بھرے ہیں اور وہاں شاید ہی کوئی قدیم گھرانہ ہو گا جس کے پاس خزانہ نہ ہو، اس قسم کا خزانہ وہ لوگ یا تو محل ہی میں دفن رکھتے ہیں یا پھر شہر سے باہر جنگل کے کسی کونے کھدرے میں چھپا دیتے ہیں۔ اس روز ٹیلے پر کھڑے ہو کر شہر کا نظارہ کرتے ہوئے تیمور کو جو باتیں بتائی گئیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ بائی زان تیوم میں دو معاشرتی طبقے ہیں۔ پہلا طبقہ حکمرانوں یا آقاؤں کا ہے اور دوسرا محکوم یا غلاموں کا۔ آقا اپنی عمر کے آغاز سے اختتام تک کوئی کام خود نہیں کرتے اور ان کا کام محض کھانا پینا، سونا اور آرام کرنا ہے۔ وہ لوگ اپنی ساری زندگی عیش و آرام میں بسر کر دیتے ہیں اور اپنے منہ ہاتھ بھی خود نہیں دھوتے بلکہ غلام ان کیلئے ہر طرح کا کام انجام دیتے ہیں۔ دوسرا طبقہ جو غلاموں اور لونڈیوں کا ہے، وہ نسل در نسل غلام اور لونڈی بنتے چلے جاتے ہیں۔ یہ لوگ ساری زندگی اپنے آقاؤں کے ظلم برداشت کرتے اور ان کی خدمت انجام دیتے زندگی گزار دیتے ہیں۔ شہر کے دکاندار تک ان غلاموں اور لونڈیوں سے خدمت کرواتے ہیں۔

بائی زان تیوم کے آقاؤں نے کوئی ڈیڑھ یا دو ہزار برس سے یعنی نسل در نسل اپنے ہاتھ سے کوئی کام نہیں کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ایک طرح سے لکڑی کے انسان بن کر رہ گئے ہیں یعنی ان سے اب خود کچھ بھی نہیں ہو پاتا۔ چنانچہ تیمور کے محض ایک ہزار سپاہی بھی ان بائی زان تیوم کے آقاؤں کو گرفتار کرنے کے لیے کافی تھے۔ غلاموں کے پاس بھی اپنی جانوں کے سوا دفاع کے لیے کچھ نہ تھا۔ وہ بھی اسی لمحے تسلیم ہو جاتے، اگر انہیں پتہ چلتا کہ تسلیم ہو جانے کی صورت میں انہیں آزاد کر دیا جائے گا۔ یوں بائی زان تیوم پر قبضہ کرنا بہت آسان تھا مگر جو مشکل کام تھا وہ یہ کہ آبنائے کو عبور کس طرح کیا جائے۔ اگر وہ شہر تین اطراف سے پانیوں میں گھرا ہوا نہ ہوتا تو اس پر قبضہ کرنا انتہائی آسان ہوتا۔

تیمور نے ٹیلے سے نیچے اُترے بغیر ہی ایلدرم بایزید کو خیمہ گاہ سے بلا بھیجا اور اسے وہاں ٹیلے پر آنے کا حکم دیا۔ اس کے پہنچنے پر تیمور نے

اسے شہر دکھاتے ہوئے پوچھا: ''اس شہر میں صرف دو طبقات ہیں۔ ایک آقاؤں کا طبقہ ہے جو لڑنے کی طاقت ہی نہیں رکھتے اور اپنی کاہلی کے سبب ایک گھنٹہ تک لڑنے کے قابل بھی نہیں اور دوسرا طبقہ غلاموں کا ہے جو یہ پتہ چلتے ہی کہ انہیں آزاد کر دیا جائے گا یقیناً تسلیم ہو جائیں گے۔ بلاشبہ یہ حقیقت کہ شہر تین اطراف سے پانیوں میں گھرا ہوا ہے، اس پر قبضے کو مشکل بناتی ہے تاہم تُو جو کہ روم جیسی سلطنت کا بادشاہ اور اس خطہ کے پاس ہی زندگی گزار رہا تھا تو پھر تو نے اس پر قبضے کا ارادہ کیوں نہ کیا؟''

ایلدرم بایزید کہنے لگا: ''اے امیر، میں نے تیری خدمت میں جو کچھ پہلے عرض کیا ہے، اس کے علاوہ یہ بھی کہنا چاہوں گا کہ شہر میں بہت سی فوجیں موجود ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ شہر کے طبقہ ارباب سے تعلق رکھنے والے جنگ لڑنے کے قابل نہیں مگر وہ خوب مالدار ہیں اور انہوں نے اپنے بادشاہ کی مدد سے باہر کے فوجیوں کو اُجرت پر بھرتی کر رکھا ہے۔'' تیمور نے پوچھا: ''یہ باہر سے آنے والی فوجیں کیا کہلاتی ہیں؟'' ایلدرم بایزید بولا: ''یہ سب عیسائی ہیں، ان میں سے ایک فوج وینیز کے سپاہیوں پر مشتمل ہے، ایک دوسری لمبارڈری کے سپاہیوں پر مشتمل ہے جبکہ ایک اور سوئیس سپاہیوں پر مشتمل ہے۔'' تیمور نے کہا، ''میں نے تو پہلے کبھی ان ملکوں کے نام نہیں سنے۔ یہ ملک کس طرف آباد ہیں؟'' ایلدرم بایزید نے مغرب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: ''یہ ملک اس طرف واقع ہیں، سمندری راستے سے چند ہفتوں اور خشکی کے راستے سے دو یا تین ماہ کی مسافت پر واقع ہیں۔ ان ملکوں کے باشندے ایسے سپاہی ہیں کہ جو کوئی انہیں زیادہ اجرت دیتا ہے اس کے لیے لڑنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر بہادر اور نڈر ہیں۔ بائی زان تیوم کے بادشاہ کے پاس ایسی تین اجرتی فوجیں ہیں جو انہی مذکورہ ملکوں کے سپاہیوں پر مشتمل ہیں۔''

جب تیمور ایلدرم بایزید کے ساتھ بات چیت کر رہا تھا، اس نے دیکھا کہ جس سمت میں توقات کے جہاز چل رہے تھے، اس طرف سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ ایلدرم بایزید کہنے لگا، ''اے امیر، میرا خیال ہے انہوں نے تیرے جہازوں کو آگ لگا دی ہے۔ اس آگ کا مطلب ہے کہ بائی زان تیوم کا بادشاہ تیری آمد سے باخبر ہو چکا ہے۔'' تیمور نے کہا، ''یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ جہازوں کو از خود آگ لگ گئی ہو؟'' ایلدرم بایزید بولا، ''نہیں، امیر محترم! یہ آگ پانی میں سے ہوتی تمہارے جہازوں تک پہنچی ہے اور انہیں جلا رہی ہے۔ وہ دیکھو! تمہارے جہاز واپس مُڑ رہے ہیں!''

حقیقت یہی تھی کہ تیمور نے توقات کی نگرانی میں جو جہاز معلومات حاصل کرنے کے لیے بھیجے تھے وہ واپس مُڑ رہے تھے تاہم تیمور نے دیکھا کہ اس کے جہازوں میں سے دو واپس آنے کے قابل نہ رہے تھے اور ان سے دھواں اُٹھ رہا تھا۔ ایلدرم بایزید کہنے لگا، ''اب کوئی شبہ نہیں رہا کہ تیرے جہازوں کو آگ لگ گئی ہے!''

چونکہ دوپہر ہو چکی تھی لہٰذا تیمور نماز ظہر ادا کرنے کے لیے ٹیلے سے اُتر آیا اور اپنی مسجد میں جا کر نماز ادا کی۔ نماز کے بعد مسجد سے باہر آتے ہوئے تیمور نے دیکھا کہ توقات انتہائی مضطرب حالت میں کھڑا ہے۔ تیمور نے اس سے پوچھا، ''کیا معاملہ ہے؟'' اس نے جواباً کہا، ''امیر محترم، ہم لوگ بغیر کسی رکاوٹ کے رواں دواں تھے اور شہر کے چبوتروں اور محلوں کے قریب سے گزر رہے تھے، حتیٰ کہ ہم ''شیخ طلا'' نامی خلیج کے دہانے پر پہنچ گئے اور اس خلیج میں داخل ہونے کا فیصلہ کیا۔ اچانک اس خلیج سے ایک جہاز برآمد ہوا اور ہماری طرف بڑھنے لگا۔ ہم تک پہنچنے سے پہلے اس جہاز سے ہم پر کچھ پھینکا گیا، اس کے ساتھ ہی اس حملہ آور جہاز کا رخ تبدیل ہو گیا اور وہ واپس چلا گیا۔ اسی دوران ہم اس مقام پر پہنچ گئے جہاں جہاز سے

پھینکی گئی چیز پانی میں گری تھی، تبھی ہمارے دو جہاز جو باقی جہازوں سے آگے چل رہے تھے، انہیں آگ لگ گئی۔ یہ آگ ان جہازوں کو پانی میں سے لگی تھی۔ جیسے ہی میں نے یہ سب دیکھا تو اس خوف سے کہ کہیں ہمارے باقی سب جہازوں کو بھی آگ نہ لگ جائے، واپس مڑنے کا حکم دے دیا۔ اس دوران میں نے دیکھا کہ جن دو جہازوں کو آگ لگی تھی ان میں سوار سپاہی پانی ڈال کر آگ بجھانے کی کوشش کر رہے تھے مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ اے امیر، میں نے آج تک کبھی ایسی آگ نہیں دیکھی جو پانی کے ذریعے نہ بجھائی جا سکتی ہو۔''

تیمور نے توقات سے دریافت کیا،''ان دو جہازوں کا کیا بنا جنہیں آگ لگی تھی؟'' توقات بولا،''وہ دونوں جہاز پانی پر ہی جل گئے اور ان پر سوار آدمی بھی ہلاک ہو گئے۔''

تیمور نے حکم دیا کہ ایلدرم بایزید اور کچھ مقامی ماہرین کو اس کے حضور پیش کیا جائے۔ جب وہ لوگ اس کے سامنے پہنچے تو تیمور نے انہیں بیٹھ جانے کے لیے کہا اور پوچھا،''یہ آگ کیسی ہے جو پانی سے بھی نہیں بجھتی؟ اور جس نے میرے دو جہازوں کو جلا کر راکھ کر دیا ہے۔'' ایلدرم بایزید کہنے لگا،''اے امیر، یہ آگ ایک خاص ترکیب سے بنائی جاتی ہے۔ یہ ترکیب یا نسخہ جس سے آگ بنائی جاتی ہے، بائی زان تیوم کے بادشاہوں کے پاس 12 سو سال سے چلا آ رہا ہے۔ ہر بادشاہ مرنے سے پہلے یہ نسخہ اپنے جانشین کے سپرد کر دیتا ہے اور اسے بتاتا ہے کہ میرے بعد تیری سلطنت کے دو ستون ہیں۔ ایک یہ نسخہ ہے جس سے ایسی آگ بنائی جاتی ہے جو پانی سے بھی نہیں بجھائی جا سکتی اور دوسرا وہ زنجیریں ہیں جو شہر کے اندر داخل ہونے کا راستہ بند کرنے کے کام آتی ہیں۔ جس دن تو یہ نسخہ کھو دے گا یا دوسرے اس نسخے کے راز سے واقف ہو گئے اور اس طرح کی آگ بنانے کے قابل ہو گئے تو تو اپنی آدھی سلطنت کھو دے گا اور جس دن شہر کے داخلی راستوں پر یہ زنجیریں نہ ہوئیں تو تو باقی آدھی سلطنت بھی کھو بیٹھے گا۔''

تیمور بولا،''اس کا مطلب ہے کہ جس آگ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بائی زان تیوم پر قبضہ سے روکا، وہ یہی آگ تھی۔'' ایلدرم بایزید نے کہا،''میں یہ تو نہیں جانتا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا تھا تاہم میں یہ ضرور جانتا ہوں کہ آج سے بارہ سو برس پہلے بھی جب کسی نے بائی زان تیوم پر قبضہ کی کوشش کی تو اسی آگ اور زنجیروں کی وجہ سے ہی اسے ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔'' تیمور نے پوچھا،''آخر وہ لوگ کس طرح 12 سو سال سے اس نسخہ کو خفیہ رکھنے میں کامیاب ہیں اور دوسرے اس نسخہ سے آگ نہیں بنا سکے؟'' مقامی آدمیوں میں سے ایک بولا، ''بائی زان تیوم میں یہ طریقہ کار ہے کہ تخت نشینی سے پہلے کسی بادشاہ کو اس آگ بنانے کے نسخے کا کچھ پتا نہیں ہوتا تاہم بچپن سے ہی اسے وہ زبان سکھائی جاتی ہے جس میں مذکورہ نسخہ تحریر ہے۔'' تیمور نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا،''کیا اس آگ کا نسخہ کسی خاص زبان میں لکھا ہوا ہے؟'' وہ شخص بولا،''ہاں، اے امیر! اور ہر بادشاہ کو یہ نسخہ دکھائے بغیر وہ خاص زبان سکھائی جاتی ہے لیکن جب اس کا پیش رو مر جاتا ہے اور وہ تخت نشین ہو جاتا ہے تو وہ اس نسخے کا مالک بن جاتا ہے۔ پھر جب کبھی بھی اسے کسی طرف سے حملے کا نشانہ بنایا جاتا ہے تو اسی خفیہ نسخے کی مدد سے جسے صرف بادشاہ ہی پڑھ سکتا ہے، نہ بجھائی جا سکنے والی آگ لگا دی جاتی ہے۔''

تیمور بولا:''مان لیتے ہیں کہ بادشاہ کے علاوہ کوئی بھی اس نسخے کو نہیں پڑھ سکتا، مگر پھر بھی، بادشاہ کو اس نسخے سے آگ بنانے کے لئے دوسروں کی ضرورت پڑتی ہو گی اور آگ بنانے کے لئے ضروری سامان وغیرہ دوسرے لوگ ہی اکٹھا کرتے ہوں گے۔ چنانچہ ان لوگوں کو بھی آگ

بنانے کا خفیہ طریقہ معلوم ہو جاتا ہوگا۔'' ایلدرم بایزید نے اس کا جواب دیتے ہوئے بتایا،''اس آگ کے نسخے میں شامل تمام اشیاء بادشاہ خود جمع کرتا ہے اور آگ تیار کرنے کے بعد ہی اسے دوسروں کے حوالے کرتا ہے اور پھر وہ اسے جلاتے ہیں۔''

اس روز تیمور دوبارہ سورج غروب ہونے سے قبل ٹیلے پر گیا تا کہ غروب آفتاب کے وقت شہر کا نظارہ کر سکے۔ لیکن چونکہ اس وقت سورج کی شعاعوں کا رُخ تیمور کی طرف تھا، اس لئے وہ شہر کو ماسوائے اس کے شمالی اور جنوبی حصوں کے ٹھیک سے نہ دیکھ پا رہا تھا۔ جب تیمور شہر کو دیکھ رہا تھا تو اس کے دماغ میں وہی نہ بجھنے والی آگ کا خیال ہی چل رہا تھا۔ اچانک اسے خیال آیا کہ بالکل ایسی ہی آگ اس کے زیر مملکت ایک علاقے میں بھی پائی جاتی ہے جو پانی سے بھی نہیں بجھتی اور یہ آتش فشاں کی آگ تھی۔ یہ آگ زمین سے نکلتی اور اسے بھی پانی سے نہیں بجھایا جا سکتا تھا۔ اس آگ کی تپش اس قدر زیادہ ہوتی تھی کہ مقامی لوگ اس کے نزدیک نہیں جا سکتے تھے اور جو کوئی اس کے نزدیک پہنچ جاتا تو وہ جل کر بھسم ہو جاتا۔ اس مرکزی آگ کے نزدیک ہی کچھ مزید چھوٹی چھوٹی آگیں بھی ہوتی تھیں جو زمین سے باہر نکلتی تھیں اور انہیں بھی مقامی لوگ پانی کے ذریعے بجھا نہ پاتے تھے، تاہم اگر وہ اس پر مٹی ڈال دیتے تو آگ فوراً بجھ جاتی تھی اور پھر کئی روز تک دوبارہ نہیں جلتی تھی تاہم اگر مرکزی آگ سے شعلے بھڑکتے ہوئے زیر زمین راستہ سے کسی چھوٹی آگ والے سوراخ تک پہنچ جاتے تو وہ پھر سے بھڑک اُٹھتی تھی۔

آتش فشاں کی یہ آگ اس وقت سے جل رہی تھی جہاں تک انسان کا حافظہ کام کرتا تھا۔ کہا جاتا تھا کہ انسان نے پہلے پہل آگ کا استعمال آتش فشاں کی آگ سے ہی شروع کیا تھا اور جب تک انسان نے آتش فشاں کی آگ نہ دیکھی تھی۔ اسے یہ پتا ہی نہ تھا کہ وہ اپنی غذا کو پکا کر بھی استعمال کر سکتا ہے۔ اس رات جب تیمور بائی زان تیوم نامی اس شہر کو دیکھتے ہوئے آتش فشاں کی آگ کے بارے میں سوچ رہا تھا، تو اسے خیال آیا کہ شاید بائی زان تیوم کی نہ بجھنے والی آگ بھی ان آتش فشاؤں کی آگ جیسی ہی ہوتی ہوگی، جسے کہ پانی سے نہیں بلکہ مٹی ڈال کر بجھایا جا سکتا ہے۔

سورج غروب ہونے کے بعد بھی تیمور ٹیلے پر رکا رہا اور بائی زان تیوم میں چراغ روشن ہوتے دیکھتا رہا۔ تاہم جب نماز عشاء کا وقت ہو گیا تو وہ ٹیلے سے نیچے اُتر آیا اور نماز ادا کی۔ نماز کے بعد تیمور نے چند لقمے کھانا کھایا۔ پھر اس کے سردار ضروری احکامات کے لئے آ گئے اور تیمور کے فرمان سننے کے بعد چلے گئے۔ تیمور سونے کی تیاری کر رہا تھا کہ اسے خیال آیا۔ اگر وہ پانی پر مٹی پھینکنے کا کوئی طریقہ تلاش کر لیں تو شاید بائی زان تیوم کی نہ بجھنے والی آگ پر قابو پایا جا سکے۔

تیمور اس نئی سوچ سے اس قدر پُر جوش ہوا کہ اس کی نیند اچاٹ ہو گئی اور اس نے اسی وقت حکم دیا کہ توقات کو اس کے حضور پیش کیا جائے۔ جب توقات آیا تو تیمور نے اس سے کہا،''کل صبح تمہیں پانچ جہازوں پر اپنے آدمیوں کو سوار کر کے بائی زان تیوم شہر کے نزدیک پہنچنا ہے اور یہ ظاہر کرنا ہے کہ تم ''شیخ طلا'' نامی خلیج میں داخل ہونا چاہتے ہو۔ میں خود سمندر کے نزدیک واقع ٹیلے سے تیرے جہازوں کی حرکت پر نظر رکھوں گا۔ مگر یہ خیال رکھنا کہ جب تیرے جہاز ''شیخ طلا'' نامی خلیج کے نزدیک پہنچیں تو ان میں مٹی بھری ہونی چاہیے۔''

توقات نے سوچا کہ شاید اسے سننے میں غلطی لگی ہے اور بولا،''اے امیر محترم، کیا آپ نے یہی کہا ہے کہ میرے جہازوں میں مٹی بھری ہوئی ہو؟'' تیمور نے کہا،''ہاں، یہاں سے روانہ ہونے سے قبل تجھے اپنے جہازوں میں کافی مقدار میں مٹی بھر کر لے جانی ہوگی اور جب تو ''شیخ طلا''

خلیج کے نزدیک پہنچ جائے تو عین ممکن ہے کہ وہی جہاز جو آج اس خلیج سے نکل کر تیرے جہازوں کی طرف آیا تھا اور تیرے جہازوں کی طرف آگ پھینک کر چلا گیا تھا، پھر اسی جگہ آ پہنچے اور دوبارہ تجھ پر ویسی ہی آگ پھینکے لیکن اس بار واپس مڑنے کی بجائے تُو اپنے جہازوں کے ساتھ اس آگ کے نزدیک پہنچ جانا اور اپنے آدمیوں کو حکم دینا کہ وہ اس آگ پر مٹی بھر کر ڈال دیں۔ مجھے قوی یقین ہے کہ آگ فوراً بجھ جائے گی لیکن یاد رکھ آگ بجھانے کے لئے تجھے اور تیرے آدمیوں کو قلیل وقت میں بہت سی مٹی اس آگ پر ڈالنی ہوگی۔'' توقات بولا ''امیر محترم، بے فکر ہو جاؤ، میں بالکل ویسا ہی کروں گا جیسا تُو نے حکم دیا ہے۔''

اگلی صبح، اپنا کام مکمل کرنے کے بعد تیمور ٹیلے پر چڑھ گیا تاکہ شہر اور آبنائے پر نظر رکھ سکے۔ اس وقت چونکہ سورج تیمور کی پشت پر تھا، اس لئے وہ ہر شے واضح طور پر دیکھ سکتا تھا۔ شہر کے سامنے سے گزرتے ہوئے توقات کے پانچ جہاز ''شیخ طلا'' نامی خلیج کے دہانے پر پہنچ گئے۔ تیمور کے حکم کے عین مطابق توقات نے ظاہر کیا کہ وہ خلیج میں داخل ہونا چاہتا ہے۔ اسی لمحے وہی جہاز جو ایک روز پہلے آگ پھینکنے کے لئے آیا تھا، حرکت میں آ گیا۔ تیمور نے دیکھا کہ وہ جہاز تیزی سے آگے بڑھتا، توقات کے پانچ جہازوں کے نزدیک پہنچا، پھر اس جہاز سے کوئی چیز توقات کے جہازوں کی طرف پھینکی گئی اور وہ چیز پانی میں جا گری۔ توقات کے جہاز اس چیز کی طرف بڑھے جو پانی میں تیر رہی تھی اور تیمور نے دیکھا کہ توقات کے آدمی آگ کے نزدیک پہنچ کر اس پر مٹی پھینک رہے تھے۔ توقات کے آدمیوں نے مٹی ڈالنے کا عمل جاری رکھا اور اس مقام سے آگے نکل گئے۔ پھر ان کے ایک جہاز سے دھواں بلند ہوا، تاہم تیمور نے دیکھا کہ اس دھوئیں پر جلد قابو پا لیا گیا۔ معلوم ہوا کہ جہاز کو لگنے والی آگ کو بھی مٹی ڈال کر بجھا دیا گیا تھا۔ توقات کے جہازوں کو ''شیخ طلا'' نامی خلیج میں داخل نہ ہونا تھا بلکہ تیمور نے محض یہ تجربہ کرنے کے لئے اسے بھیجا تھا کہ دیکھ سکے آیا مٹی ڈالنے سے آگ بجھ جائے گی یا نہیں۔

توقات کی آزمائش سے وہی نتیجہ برآمد ہوا جس کی تیمور کو توقع تھی اور اس کے پانچوں جہاز بحفاظت واپس لوٹ آئے۔ اگرچہ تیمور اس آگ کی اختراع کے 1500 سالہ قدیم راز سے تو واقف نہ ہوا تھا تاہم اتنا واضح ہو گیا کہ وہ اس آگ کو بجھا سکتا ہے اور تیمور کو اس بات کا بھی یقین ہو گیا کہ مذکورہ آگ آتش فشاں کی قسم کی ہی آگ تھی کیونکہ اسے مٹی ڈال کر بجھایا جا سکتا تھا۔

اس سہ پہر ایلدرم بایزید کو مذکورہ تجربہ کی بابت بتایا گیا تو اس نے تیمور کو یہ پیغام بھیجا: ''اے امیر محترم، تُو نے بائی زان تیوم کے سلطان کا تخت تھامنے والے ایک ستون کو تباہ کرنے کا طریقہ حاصل کر لیا ہے۔ اگر تُو اس کے دوسرے ستون کو ہٹانے کا بھی طریقہ تلاش کر لے تو شہر بائی زان تیوم اپنے تمام محلات، باغوں، خزانوں، جواہرات، سونے اور چاندی کے ساتھ تیرے قبضے میں آ جائے گا!''

ایلدرم بایزید کا پیغام ملنے کے ایک گھنٹہ بعد، ایک پیغام رساں کبوتر آیا، جس کے ذریعے یہ خبر ملی کہ مغنیشیہ کے امیر توگول نے بغاوت کر دی ہے۔ مغنیشیہ روم میں ہی واقع ایک قصبہ تھا۔ معلوم ہوا کہ توگول صاروخان، ساری قمیش، کردش اور روم کے تاتاری قبائل کو ساتھ ملا کر تیمور پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔

تیمور کو اس خبر سے زیادہ حیرت نہ ہوئی کیونکہ جب کوئی بادشاہ کسی غیر ملکی سرزمین پر جاتا اور اس پر قبضہ کر لیتا ہے، پھر مقبوضہ ملک کے

بادشاہ کو گرفتار کر کے قیدی بنالیتا ہے تو اسے یہ توقع ضرور رکھنی چاہیے کہ مقامی امراء میں سے کچھ اس کے خلاف اُٹھ کھڑے ہونگے۔ روم ایک بہت بڑا ملک تھا جس میں بہت سے امراء موجود تھے اور ان امراء میں سے کچھ جیسے کہ صاروخان، ساری قمیش اور روم کے تاتاری قبائل کے امیر تھے ان کے پاس بڑے بڑے قبیلے تھے۔ اگرچہ مغنیشیہ کے امیر کا اپنا قبیلہ اتنا بڑا نہ تھا، مگر وہ ایک انتہائی قابل آدمی تھا اور اس کے آباؤاجداد اس خطہ پر دوسو سال سے زیادہ عرصہ سے حکمرانی کرتے چلے آ رہے تھے۔

اس سرکشی کی خبر سُن کر تیمور ایلدرم بایزید کے بارے میں بدگمان ہو گیا اور اس نے سوچا کہ اس شورش کے پیچھے اسی کا ہاتھ ہوگا اور شاید اسی نے امیر مغنیشیہ کی مدد کے لئے دوسرے بڑے قبیلوں کو حکم دیا ہوگا۔ چنانچہ تیمور نے حکم دیا کہ ایلدرم بایزید کو اس کے حضور پیش کیا جائے اور تیمور نے اس سے کہا، ''امیر مغنیشیہ نے تیرے ایماء پر بغاوت کر دی ہے اور چار سرکش قبیلوں نے اس کے ساتھ مل کر ہمارے خلاف محاذ بنالیا ہے۔ مگر ان سرکشوں کو سزا دینے سے پہلے میں تیرا سر قلم کر دونگا۔'' ایلدرم بایزید نے قسم کھائی کہ اسے اس بغاوت کے بارے میں کچھ پتہ نہ تھا اور کہنے لگا، ''توگول جو امیر مغنیشیہ ہے، اس نے مجھے آزاد کرانے کے لئے بغاوت نہیں کی، بلکہ اس کا خیال ہے کہ یہ اس کے پاس روم کا بادشاہ بننے کا بہترین موقع ہے۔ دراصل مغنیشیہ کے امراء ہمیشہ سے روم پر حکمرانی کا خواب دیکھتے آئے ہیں، لیکن چونکہ آل عثمان کے سلاطین طاقتور تھے (ایلدرم بایزید کا تعلق بھی آل عثمان سے ہی تھا) اس لئے وہ اپنی اس خواہش کو حقیقت کا روپ دینے میں ناکام رہے۔ لیکن آج، توگول یہ سمجھ رہا ہے کہ شاید وہ بادشاہ بن سکتا ہے۔''

تیمور نے اس سے کہا، ''اگر تُو زندہ رہنا چاہتا ہے تو فوراً امیر مغنیشیہ کو خط لکھ اور اسے کہہ کہ وہ اپنی فوج کو منتشر کر دے اور یہاں آ کر مجھ سے ملاقات کرے۔ خط میں میری طرف سے یہ یقین دہانی کرا دے کہ اگر وہ اپنی فوج کو منتشر کر دے اور مجھ سے ملنے یہاں آ جائے تو بطور امیر اس کا عہدہ اس کی جان اور مال محفوظ رہے گا، دوسری صورت میں اسے سزا بھگتنا ہوگی۔'' ایلدرم بایزید نے تیمور کی موجودگی میں ہی خط لکھا اور اسے مہر بند کر کے تیمور کے حوالے کر دیا۔ تیمور نے وہ خط توگول کو بھجوا دیا۔ مگر توگول نے خط میں لکھی ہدایات پر عمل نہ کیا اور بجائے اس کے کہ اپنی فوج کو منتشر کر کے تیمور کے پاس چلا آتا روم کے مرکزی حصوں کی طرف چلا گیا۔ تیمور کے لئے یہ خطرے کی بات تھی کیونکہ روم اور شام کے مرکزی حصوں پر قبضہ کرنے کے بعد توگول نہ صرف روم کا بادشاہ بن بیٹھتا بلکہ عراق کی طرف واپسی کا راستہ بھی بند کر دیتا۔ اب تیمور کے پاس اس کے سواء کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ بائی زان تیوم پر قبضہ کا ارادہ ترک کر کے واپسی کی راہ لے اور توگول کی فتنہ انگیزی کا قلع قمع کر کے اس کی فوج کو منتشر کر دے۔ اس کے بعد ہی وہ دو ہزار سال پرانے شہر بائی زان تیوم پر قبضہ کے بارے میں دوبارہ سوچ سکتا تھا۔

چنانچہ تیمور اپنی فوج کو لے کر سمندر کے کنارے لے گیا اور جس راستے سے اس مقام تک پہنچا تھا اسی سے لوٹ گیا۔ تیمور کی کوشش تھی کہ جس قدر جلدی ہو سکے توگول تک پہنچ جائے۔ جب سفر کی پہلی رات تیمور کی فوج نے راستے میں پڑاؤ ڈالا اور ان کی فوجی چھاؤنی قائم ہو گئی تو تیمور سونے کے لئے اپنے خیمے میں چلا گیا۔ رات اس نے ایک ایسا خواب دیکھا جو پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔

تیمور نے خواب میں دیکھا کہ اس کا پہلا استاد (وہ شخص جس نے تیمور کو قرآن پاک پڑھنا سکھایا تھا اور جس کا ذکر اس کتاب کے آغاز میں آ چکا ہے۔) عبداللہ قطب اس کے پاس آیا۔ تیمور نے دیکھا کہ وہ بے حد غمزدہ ہے۔ تیمور نے اس سے پوچھا، ''تیرے غمزدہ ہونے کا کیا سبب

ہے؟ کیا تیری اولاد کے حالات ٹھیک نہیں ہیں اور کیا انہیں ان کا ماہانہ وظیفہ نہیں ملا کہ تُو اس قدر غمزدہ ہے؟'' تیمور کا استاد عبداللہ قطب بولا، ''امیر یہ کیسے ممکن ہے کہ تو کسی کے لیے ماہانہ وظیفہ مقرر کرے اور دوسروں میں اتنی جرأت ہو کہ وہ تیرا مقرر کردہ وظیفہ حق دار کو ادا نہ کریں؟ تُو نے میری اولاد کے لئے جو وظیفہ مقرر کیا ہے وہ انہیں باقاعدگی سے مل رہا ہے اور ان کے حالات بالکل ٹھیک ہیں۔'' تیمور نے اس سے پوچھا، ''پھر تُو غمزدہ کیوں ہے؟'' اب عبداللہ قطب نے جواب دیا: ''میں اس لیے غمگین ہوں کہ تُو مر جائے گا۔''

تیمور نے اس سے کہا: ''جو کوئی بھی اس دنیا میں آیا ہے اسے بہرحال مرنا ہے اور میں نے تو از خود سمرقند میں اپنی قبر بنوالی ہے تاکہ مرنے کے بعد میری قبر پہلے سے تیار ہو۔ پھر مجھ ایسے آدمی کو موت کا کوئی خوف نہیں ہے۔'' عبداللہ قطب بولا، ''اے امیر! تُو اگلے تین برس تک مر جائے گا۔'' عبداللہ قطب کی اس بات نے تیمور کو فکر مند کر دیا اور اسے ہندوستان کا وہ برہمن پجاری یاد آ گیا جس نے تیمور کی عمر کے بقیہ سالوں کی بات کی تھی۔ تیمور نے اسی وقت اس برہمن کے بتائے ہوئے اپنی زندگی کے برسوں کا حساب کیا اور ہندوستان سے واپسی کے بعد اس نے جو بقیہ سال گزارے تھے انہیں ان میں سے تفریق کیا تو پتہ چلا کہ اس برہمن کے قول کے مطابق بھی اس کی زندگی کے تین برس ہی باقی رہ گئے ہیں۔

تیمور نے ہندو پجاری کی بتائی ہوئی بات سے عبداللہ قطب کو آگاہ کرنا چاہا مگر اس کا استاد جا چکا تھا۔ اس کے بعد خواب میں ہی دن گزرتے چلے گئے، راتیں بسر ہوتی چلی گئیں، موسم سرما گزرا موسم بہار کی آمد آمد ہوئی اور تیمور نے خواب میں یوں تصور کیا جیسے تین برس کی وہ مدت پوری ہو چکی ہے اور تیمور ایک وسیع صحرا میں اپنی فوجی چھاؤنی کے عین درمیان موجود ہے۔ جنوب کی طرف اُفق کے پاس ایک سیاہ لکیر دکھائی دیتی ہے۔ تیمور کا ایک سردار انگلی سے اس لکیر کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے'' وہ ایک ایسی دیوار ہے جس کا ایک سرا جابلقا (مشرق یا مشرقی سمت کا ایک خیالی شہر) پر پہنچ کر ختم ہوتا ہے جب کہ اس کا دوسرا سرا ملک ختن سے جا ملتا ہے۔'' تیمور اس سے پوچھتا ہے، ''کیا دیوار چین یہی ہے؟'' وہ سردار جواب میں کہتا ہے، ''ہاں، اے امیر۔''

تیمور کہتا ہے: یہ دیوار کتنی بھی مضبوط سہی پھر بھی حصار اصفہان، دیوار دہلی اور دمشق کے حصار جتنی مضبوط نہیں، اور میں ان مضبوط حصاروں کو فتح کر چکا ہوں تو اس سے بھی گزر جاؤں گا۔'' اسی طرح عالم خواب میں جب تیمور نے اٹھنے کی کوشش کی کہ نماز پڑھ لے اور پھر سوار ہو کر راستہ پر روانہ ہو جائے تو اُس نے محسوس کیا کہ اُس میں اُٹھنے کی سکت ہی نہیں ہے۔ تیمور نے دل میں سوچا کہ شاید اس کا جوڑوں کا درد عود کر آیا ہے اور اس کے اٹھنے میں رکاوٹ بن رہا ہے، تاہم اسے اپنے جسم کے کسی حصے میں درد کا احساس نہ ہو رہا تھا اور اس پر یہ راز کھلا کہ اس کی رکاوٹ جوڑوں کا درد یا بیماری نہیں ہے۔ تیمور نے آواز دی کہ کوئی آئے لیکن اس کے منہ سے جو آواز نکلی وہ قابل فہم نہ تھی اور وہ بات کرنے کے قابل نہ تھا۔

تیمور کے منہ سے نکلنے والی آواز سُن کر اس کے غلام خیمہ کے اندر آئے اور اسے اٹھانے کی کوشش کی، تاہم تیمور اب بھی اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی سکت نہ پا رہا تھا۔ چنانچہ اس کے ملازموں نے اسے زمین پر لٹا دیا اور ان میں سے دو فوراً باہر چلے گئے اور کچھ دیر بعد طبیب کے ہمراہ واپس لوٹ آئے۔ طبیب نے تیمور کو دیکھا، اس کی نبض پر انگلیاں رکھیں اور زبان دیکھی۔ پھر اس نے تیمور کی پلکوں کو اٹھا کر اس کی آنکھوں کا معائنہ کیا اور پھر اپنا سر تیمور کے کان کے قریب لا کر بولا، ''اے امیر تُو سکتے کے مرض میں مبتلا ہو گیا ہے، چنانچہ تجھے یہیں رہنا ہوگا تاوقتیکہ تُو صحت یاب ہو جائے۔''

تیمور چاہتا تھا کہ اسے بتائے، یہاں رُکے رہنا اس کے جنگی منصوبوں کی راہ میں رکاوٹ بنے گا، اس لئے اسے تخت رواں پر لٹا کر یہاں سے چل پڑنا چاہیے، لیکن اس کی زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا۔ تیمور نے دل میں کہا، "اب میں بول بھی نہیں سکتا۔ کیا خوب ہو کہ جو کچھ کہنا چاہتا ہوں وہ لکھ کر بتا سکوں۔" چنانچہ تیمور نے اشارے کی مدد سے بتایا کہ اسے قلم دوات اور کاغذ لا کر دیا جائے، مگر جب لکھنے کے لئے ضروری اشیاء اس کے پاس آ پہنچیں تو تیمور کو پتہ چلا کہ وہ لکھ بھی نہیں سکتا۔ اس کے بائیں ہاتھ کی انگلیاں قلم پکڑنے کے قابل نہ تھیں۔

اس خیمے میں یونہی سات شب و روز گزر گئے۔ اس کے بعد تیمور نے محسوس کیا کہ اس کے آس پاس موجود لوگوں نے اسے مُردہ قرار دے دیا ہے، کیونکہ وہ کہہ رہے تھے کہ اب انہیں امیر کا جسد واپس سمرقند لے جانا ہوگا۔ اگرچہ اس وقت تیمور مُردہ حالت میں تھا مگر وہ یہ محسوس کر سکتا تھا کہ انہوں نے اس کے جسم کو نمدے میں لپیٹا تا کہ اسے سمرقند منتقل کر سکیں اور عین اس لمحے تیمور کی آنکھ کھل گئی اور اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا کہ صبح ہو چکی ہے کیونکہ علی الصبح بولنے والے پرندوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

یہ خواب دیکھ کر تیمور غمزدہ ہو گیا، تاہم خوف زدہ ہر گز نہ ہوا۔ تیمور اچھی طرح جانتا تھا کہ اس دنیا میں کوئی بھی ہمیشہ کیلئے زندہ نہیں رہ سکتا اور ہر کسی کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ اسے غم صرف اس بات کا تھا کہ وہ بستر مرگ پر بوڑھی عورتوں کی طرح کیوں مرے۔ اس کے جیسے مرد کی موت میدان جنگ میں آنی چاہیے نہ کہ بستر مرگ پر۔ خواب میں فوج کے طبیب نے اس کے کان میں سرگوشی کی تھی، "اے امیر، تُو سکتہ کے مرض میں مبتلا ہو گیا ہے۔" اور اس کے سرگوشی کرنے کے انداز سے اشارہ ملتا تھا کہ وہ دوسروں کو تیمور کی بیماری کے بارے میں پتا نہ لگنے دینا چاہتا تھا اور یہ نہیں چاہتا تھا کہ دوسرے یہ جان لیں کہ تیمور پر سکتہ طاری ہو گیا ہے اور ممکن ہے کہ وہ مر جائے۔

خواب سے جاگنے کے بعد تیمور نے ہندو برہمن پجاری کی کہی باتوں اور خواب میں عبداللہ قطب کی بتائی باتوں کے درمیان مطابقت تلاش کرنے کی کوشش کی۔ اور اس پر واضح ہوا کہ اگر ان دونوں نے جو کچھ بتایا تھا وہ سچ ہے تو اس کی زندگی کے تین برس باقی رہ گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے، "لا یستقدمون ساعتہ ولا یستاخرون" یعنی جب موت آ پہنچتی ہے تو پھر وہ نہ تو ایک پل آگے جاتی اور نہ ایک پل پیچھے رہتی ہے۔ (سورہ الاعراف۔ آیت: 34) پوری آیت کا ترجمہ کچھ یوں ہے: "اور ہر گروہ کے لئے ایک معیاد معین ہے، سو جس وقت ان کی مقررہ معیاد آ جائے گی اس وقت ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے۔"

بہر حال جب تک انسان زندہ ہے، اسے اپنی زندگی کی ذمہ داریاں نبھاتے رہنا چاہیے، حتیٰ کہ وہ وقت آن پہنچے اور یوں خیال کرے کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہے گا۔

تیمور نے اپنی غم زدہ کر دینے والی سوچوں کو ایک طرف رکھا اور اُٹھ کر نماز ادا کی۔ اور اس کے بعد توگول امیر مغنیشیہ کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔ تیمور نے جاتے ہوئے ایلدرم بایزید کو ساتھ لے لیا، وہ ایک گرفتار شدہ سلطان کو اپنے پیچھے نہ چھوڑنا چاہتا تھا۔ کیونکہ یہ ممکن تھا کہ اس کے ہم وطن لوگ اسے آزاد کرا لیتے اور تیمور کی راہ میں مشکلیں کھڑی ہو جاتیں۔

توگول کو ہر ممکن حد تک تیزی سے جا پکڑنے کیلئے تیمور نے اپنے سپاہیوں کو آرام کرنے کی اجازت بھی نہ دی اور وہ لوگ دن رات سفر

کرتے رہے۔ تاہم توگول بھی کسی ایک مقام پر رُک کر قیام نہ کر رہا تھا۔ تیمور جب بھی ایسے مقام پر پہنچتا جہاں سے توگول اپنی فوج کے ساتھ گزرا ہوتا تو اسے پتا چلتا کہ توگول نے اس علاقے میں خوب لوٹ مار کی ہے۔ ان تمام علاقوں کے رہنے والوں نے تیمور کو بتایا کہ وہ توگول کا کٹا ہوا سر دیکھنا چاہتے ہیں، کیونکہ اس نے اپنی فوج کی ضروریات پوری کرنے کے لئے ان لوگوں کا مال اسباب لوٹ لیا تھا، ان کے گھوڑے اور مویشی تک چھین لیے تھے۔

تیمور کو خبر ملی کہ توگول نے آذر بائیجان کے سلطان کے ساتھ باہمی مفاہمت کا معاہدہ کر لیا ہے اور معلوم ہوتا تھا کہ وہ تیمور کو آذر بائیجان کی طرف لے جانا چاہتا تھا۔ اگر تیمور اس کا پیچھا کرتا آذر بائیجان جا پہنچتا تو آذر بائیجان کے تمام مرد جن کی تعداد لاکھوں میں تھی اس کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوتے کیونکہ توگول نے آذر بائیجان کے سلطان سے معاہدہ کر لیا تھا، اور یوں تیمور کی فوج نیست و نابود ہو سکتی تھی۔ تیمور نے اندازہ لگایا کہ اسے ہر حال میں توگول کو آذر بائیجان پہنچنے سے روکنا ہوگا۔ چنانچہ اس نے اپنے 30 ہزار بہترین سپاہیوں کو توگول کا راستہ روکنے کیلئے روانہ کر دیا۔ تیمور نے ان سپاہیوں کی کمان توقات کے سپرد کر دی، کیونکہ وہ ایک قابل سردار تھا اور تھکاوٹ برداشت کر سکتا تھا۔ دوسری طرف اس میں ایک کامیاب کمانڈر کی بھی خوبیاں موجود تھیں جو اس بات سے بخوبی واقف تھا کہ اپنے سپاہیوں کے دل کس طرح جیتے جا سکتے ہیں تاکہ وہ اپنے دل کی گہرائیوں سے ہر قربانی کے لئے تیار رہیں۔ تیمور نے توقات کو ہدایات دیتے ہوئے کہا، "تجھے اپنے سپاہیوں کے ساتھ انتہائی تیز رفتاری سے سفر کرنا ہے۔ ان راستوں سے بچتے ہوئے جن سے توگول گزر رہا ہے تجھے ہر حال میں اس کا راستہ روکنا ہے، حتیٰ کہ میں وہاں آ پہنچوں اگر تُو اس کا راستہ روک لے اور دیکھے کہ وہ بہت طاقتور فوج کا مالک ہے تو تیرا کام یہ ہوگا کہ اس سے براہ راست جنگ نہ کرے بلکہ محض راستہ روک رو کے رکھے، تاکہ میں وہاں تجھ سے آملوں پھر ہم دو جانب سے اس پر حملہ کر کے اس کے غرور کا سر خاک میں ملا دیں گے۔"

توقات مناسب مقدار میں خوراک اور چارہ وغیرہ لے کر اپنے راستے پر روانہ ہو گیا، اسکے ہر سپاہی کے پاس ایک فالتو گھوڑا بھی موجود تھا تاکہ وہ تیزی سے سفر کر سکیں۔ تیمور بقیہ فوج کے ساتھ توگول کا پیچھا کر رہا تھا، جبکہ توقات ایک بڑی کمان کی صورت میں راستہ طے کر رہا تھا تاکہ توگول سے آگے نکل کر اس کے سامنے آ کر اسے روکنے میں کامیاب ہو جائے۔

توقات کے سفر کا راستہ روم کے شمالی پہاڑی علاقے سے ہو کر گزرتا تھا۔ مقامی لوگ ان پہاڑوں کو "طور کے پہاڑ" کے نام سے پکارتے تھے۔ تاہم ان پہاڑوں کے ہر راستے کا اپنا الگ نام بھی تھا۔ چونکہ توقات پہاڑوں کے دامن سے سفر کر رہا تھا، اس لئے وہ سفر کرتے ہوئے اپنے گھوڑوں سے خوب فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ کیونکہ اسے کسی تنگ پہاڑی گزرگاہ کا سامنا نہیں کرنا تھا جو اس کی رفتار کم کرنے کا سبب بن جاتی۔ وہ ہموار زمین پر سفر کر رہا تھا، اس کے ساتھ ساتھ اسے پانی بھی وافر مقدار میں دستیاب تھا کیونکہ "طور کے پہاڑوں" سے سینکڑوں آبشاریں اور دریا بہہ کر شمال کی طرف بہتے تھے۔ چنانچہ ان پہاڑوں کے شمال میں سفر کرنے والی کسی بھی فوج کو پانی کی قلت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا تھا۔

تیمور سفر کرتا سنجک نامی مقام پر پہنچ گیا اور یہاں پہنچتے ہی اسے عورتوں کے رونے پیٹنے کی آوازیں سنائی دیں۔ معلوم ہوا کہ یہاں کے مردوں نے توگول کے خلاف مزاحمت کی تھی اور اسے اپنا مال و اسباب مویشی اور گھوڑے لوٹنے سے روکنا چاہا تھا، چنانچہ توگول نے ان کے قتل عام کا

حکم جاری کر دیا تھا اور توگول کے سپاہیوں نے ان سب کو ذبح کر دیا تھا۔ ان آہ وپکار کرتی عورتوں میں سے کچھ اپنے چہروں پر خاک ملے ہوئے تیمور کے پاس پہنچیں اور اسے ترک زبان میں جسے تیمور بہت اچھی طرح سمجھتا تھا، بتانے لگیں، ''اے امیر محترم، توگول نے ہمارے سارے مردوں کو قتل کرا دیا ہے اور ہمارا سب کچھ لوٹ کر لے گیا ہے۔ اور اس وقت ہمارے پاس اپنے بچوں کا پیٹ بھرنے کے لئے ایک بھیڑ تک نہیں بچی۔ اب ہم سب آنے والے موسم خزاں اور سردیوں میں بھوکوں مر جائیں گے۔'' تیمور نے ان سے کہا، ''اگر توگول میرے ہاتھ لگ گیا تو میں تمہارا سارا مال اس سے واپس لیکر تمہیں لوٹا دوں گا۔''

ایک روز تیمور کو توقات کی طرف سے خبر موصول ہوئی کہ وہ درہ پتک کے مشرق میں رُکا ہوا ہے اور اسے یقین ہے کہ توگول کی فوج بھی اسی درہ سے گزر کر ''دیار بکر'' میں داخل ہوگی۔ درہ پتک ایک ایسا درہ تھا جو دو ملکوں ''قازان تپہ'' اور ''دیار بکر'' کے درمیان واقع تھا اور فوج اس درہ سے گزرنے کے بعد ''دیار بکر'' میں داخل ہوتی تھی۔ اگر دیار بکر کی طرف سے آتے تو قازان تپہ میں اسے داخل ہونا پڑتا تھا۔ دیار بکر اس درہ کے مشرق میں واقع تھا جبکہ قازان تپہ اس کے مغرب میں۔ دریائے فرات بھی درہ پتک میں سے گزرتا تھا اور بین النہرین کی طرف بہتا ہوا چلا جاتا تھا۔

توقات سے یہ خبر ملنے کے بعد تیمور نے دوبارہ اپنی رفتار بڑھادی تاکہ جلد از جلد توقات تک پہنچ سکے اور وہ بھی درہ پتک پہنچ گیا۔ یہاں پہنچ کر تیمور نے ایک ندی دیکھی جو دریائے فرات کا ماخذ تھی اور یہاں سے آگے چل کر اور بھی کئی چشمے باہم مل کر اس بڑے دریائے فرات کی صورت اختیار کر جاتے تھے جو تیمور نے بین النہرین میں دیکھا تھا۔

آذربائیجان تک جلد از جلد پہنچنے کی خاطر توگول اس تیز رفتاری سے سفر کر رہا تھا کہ اس نے اپنی فوج کے عقب میں نگران دستہ بھی متعین نہیں کیا تھا۔ چنانچہ اسے یہ پتا ہی نہ چلا کہ تیمور عین اس کے پیچھے پہنچ چکا ہے۔ توگول اور تیمور کی فوجوں کے درمیان فاصلہ اس قدر کم رہ گیا تھا کہ آخری رات تیمور کو بلندی پر سے توگول کی لشکر گاہ میں روشن کی گئی مشعلیں واضح نظر آتی رہیں اور اگر وہ لوگ درے میں نہ ہوتے تو تیمور اس پر باآسانی شب خون مار سکتا تھا۔

توقات درہ پتک کے مشرق میں رُکا ہوا تھا، اور جب اسے معلوم ہوا کہ توگول کی فوج درہ سے گزر رہی ہے تو اس نے انتہائی مستعدی سے عقب نشینی اختیار کر لی تاکہ توگول کی فوج درہ سے گزر جائے۔

تیمور نے توگول کی فوج کے مکمل طور پر درہ سے گزر جانے کا انتظار کیا کہ اس کی فوج کے لئے راستہ کھل جائے۔ پھر اس نے اپنی فوج کو درہ سے گزار لیا۔ توگول کو اپنے ہراول دستوں کی مدد سے یہ پتہ چل چکا تھا کہ ایک فوج آگے اس کا راستہ روکنے کے لئے موجود ہے، مگر وہ اس بات سے قطعی بے خبر تھا کہ ایک اور فوج اس کے عقب میں بھی اس کی تاک میں موجود ہے۔ جب وہ توقات کی فوج سے لڑنے کی تیاری کر رہا تھا، تیمور نے اپنی فوج کے ساتھ عقب سے اس پر حملہ کر دیا، اور جیسے ہی تیمور کی طرف سے حملہ شروع ہوا، توقات نے بھی اپنے گھڑ سواروں کے ہمراہ سامنے سے زوردار حملہ کر دیا۔

توگول کے سپاہی مضبوط اور قابل مرد تھے، مگر ان کا سردار نالائق آدمی تھا۔ توگول جنگ کے اصولوں سے اس قدر ناواقف تھا کہ اسے یہ

پتہ نہ تھا کہ جب کسی پر دو اطراف سے حملہ کر دیا جائے، تو جب تک وہ خود کو آزاد نہ کر لے وہ گھیرے میں آ جائے گا۔ چنانچہ جنگ شروع ہوئے دو گھنٹے بھی نہ گزرے تھے کہ تیمور اور توقات کی فوجوں نے توگول اور اس کے سپاہیوں کو گھیرے میں لے لیا۔ جب توگول کو احساس ہوا کہ وہ گھیرے میں آ چکا ہے تو اس نے اپنے بہادر سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ محاصرہ توڑ ڈالیں، لیکن چونکہ تیمور کی فوج کی قوت توگول کے سپاہیوں کی قوت سے زیادہ تھی، لہٰذا وہ لوگ خود کو اس محاصرے سے بچانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

توگول کے سپاہی جیسا کہ ذکر آ چکا ہے، صاروخان، ساری قمیش، کرد اور روم کے تاتاری قبائل پر مشتمل تھے اور سب دلیر اور نڈر تھے۔ وہ اپنی اپنی روش کے مطابق لڑ رہے تھے۔ صاروخان کے سپاہی چماق (لکڑی کا موٹا سا ڈنڈا۔ گرز کی ایک قسم) سے لڑ رہے تھے اور اس فن میں خاصی مہارت رکھتے تھے۔ اس روز تیمور کو پہلی دفعہ معلوم ہوا کہ چماق زنی بھی تلوار زنی کی طرح باقاعدہ فن ہے اور یہ فن سیکھنا چاہیے تاکہ چماق سے بھرپور فائدہ اٹھایا جا سکے۔ صاروخان کے سپاہی چونکہ بہت اچھی طرح چماق چلانا جانتے تھے اس لئے انہیں قابو کرنا دشوار تھا۔ چنانچہ تیمور نے اپنے سرداروں کو ہدایت کی کہ ان دلیر سپاہیوں کو ہتھیار ڈالنے کی ترغیب دیں۔ مگر وہ چماق چلاتے رہے اور گرتے رہے مگر انہوں نے تسلیم ہونا قبول نہیں کیا۔

ساری قمیش کے سپاہی چھروں کے ساتھ لڑ رہے تھے، ان کا ہتھیار بھی خاصا موثر تھا بشرطیکہ چھرا چلانے والا سپاہی جلد تھک نہ جائے اور مسلسل چھرا چلا سکے۔ اگر ساری قمیش کے سپاہیوں کے چھروں کا وار کسی گھوڑے یا تیمور کے سپاہیوں میں سے کسی ایک پر چلتا تو اس کی موت یقینی ہوتی تھی اور اگر وہ ہلاک نہ ہوتا تو ہمیشہ کے لئے معذور ہو جاتا۔ اس لئے تیمور کے سپاہی ان کے خطرناک چھروں سے بچنے کے لئے دور سے انہیں تیروں کا نشانہ بنا رہے تھے۔

کرد سپاہی گرز اور تلوار سے لڑ رہے تھے۔ پہلے وہ گرز چلاتے رہتے اور جب تھک جاتے تو تلواریں نیام سے نکال لیتے۔

تاتاری سپاہی تیر کمان سے تیمور کے سپاہیوں کو نشانہ بنا رہے تھے، ان کے پاس تلواریں بھی تھیں تاہم تیمور نے دیکھا کہ وہ تیر و کمان کی نسبت تلوار سے زیادہ بہتر لڑائی کر سکتے تھے۔

تیمور نے ان مختلف صلاحیتوں کے حامل قابل سپاہیوں کو دیکھ کر سوچا کہ اگر وہ ان سپاہیوں کی فوج کا سپہ سالار ہوتا تو انہیں ایسی فوج کا روپ دے دیتا جسے کوئی شکست نہ دے سکتا۔ لیکن توگول نے ان قابل سپاہیوں کو گھیرے میں پھنسا دیا تھا۔ اس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ جنگی اصولوں سے ناآشنا تھا۔ تیمور نے اپنے سرداروں کے ذریعے متعدد بار توگول کے سپاہیوں تک تسلیم ہو جانے کا پیغام بھجوایا تاکہ وہ بہادر اور نڈر سپاہی بلاوجہ اپنی جان سے ہاتھ نہ دھو بیٹھیں اور اس طرح تیمور کے سپاہیوں کا بھی کم سے کم جانی نقصان ہو۔

تاتاری سپاہیوں نے اطاعت قبول کر لی تاہم صاروخان، ساری قمیش اور کرد سپاہیوں نے ہتھیار ڈالنے سے انکار کر دیا، لہٰذا تیمور کے سپاہی غروب آفتاب تک جنگ جاری رکھنے پر مجبور ہو گئے۔ تاکہ توگول کے سپاہیوں کو مکمل شکست دے سکیں۔ چنانچہ جب جنگ ختم ہوئی تو صاروخان، ساری قمیش اور کرد قبائل کا ایک بھی سپاہی زندہ نہ بچا اور خود توگول بھی زخمی ہو کر گرفتار ہوا۔

اس روز تیمور کے چار ہزار سپاہی مارے گئے مگر ایک بہت بڑا خطرہ ان کے سر سے ٹل گیا کیونکہ (اگر توگول ان دلیر سپاہیوں کے ساتھ

آذر بائیجان پہنچنے میں کامیاب ہو جاتا اور وہاں کے بادشاہ کے ساتھ جا ملتا تو وہ ایسی قوت فراہم کر لیتا کہ تیمور کی فوج پر غلبہ حاصل کر سکتا تھا۔

نماز مغرب کے بعد تیمور نے ایلدرم بایزید کو اپنی فوجی چھاؤنی کے خیمے میں طلب کیا اور اس سے کہا ''تیرے ملک میں تو بڑے سخت جان اور دلیر سپاہی موجود تھے، تُو نے ان کی صلاحیتوں سے فائدہ کیوں نہ اٹھایا اور ایسی فوج کیوں نہ تیار کی کہ کوئی تجھے شکست نہ دے سکتا۔'' ایلدرم بایزید نے جواباً کہا، ''اے امیر، انسان کسی نعمت کی اصل قدر اسی وقت جانتا ہے جب وہ اس سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے، اور اب میں سمجھتا ہوں کہ ان دلیر سپاہیوں سے بے حد فائدہ اٹھا سکتا تھا لیکن نہ اٹھا سکا۔''

پھر تیمور نے ایلدرم بایزید کو رخصت کر دیا اور حکم دیا کہ توگول کو اس کے حضور پیش کیا جائے۔ چونکہ وہ زخمی تھا اور چل نہ سکتا تھا، اس لئے تیمور کے سپاہی اسے ایک تخت پر لٹا کر تیمور کے خیمے میں لائے اور اس تخت کو فرش پر رکھ دیا۔ تیمور نے اس سے پوچھا، ''آخر تجھے کیا ہوا کہ تو نے سر کشی اختیار کی اور مجھ سے پنجہ آزمائی کا فیصلہ کر لیا؟'' توگول نے جواب دیا، ''میں تجھ سے لڑنا نہ چاہتا تھا۔ اگر میرا ارادہ تجھ سے لڑنے کا ہوتا تو میں بائی زان تیوم کی طرف جاتا کیونکہ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ تُو اپنی فوج کے ساتھ بائی زان تیوم کے نزدیک ٹھہرا ہوا ہے۔ لیکن تُو نے دیکھا کہ میں تیرے ساتھ لڑنے نہیں آیا بلکہ میں تو آذر بائیجان کی طرف جانا چاہتا تھا کہ تُو نے میرا راستہ روک لیا اور میرے سپاہیوں کو قتل کر دیا۔''

تیمور نے اس سے پوچھا، ''تُو آذر بائیجان کیوں جانا چاہتا تھا؟'' توگول بولا، ''آذر بائیجان کا بادشاہ میرا عزیز ہے، میں اس سے ملنے جا رہا تھا۔'' تیمور نے پوچھا، ''جب کوئی شخص اپنے کسی عزیز رشتے دار سے ملنے جاتا ہے تو کیا وہ اپنی پوری فوج ساتھ لے کر جاتا ہے؟ سچ یہ ہے کہ تُو اپنے کسی عزیز سے ملنے نہیں جا رہا تھا بلکہ تُو آذر بائیجان اس لئے جا رہا تھا کہ وہاں کا بادشاہ تیرا اتحادی تھا اور اس کے ساتھ مل کر ایک طاقت ور فوج بنانا چاہتا تھا۔''

پھر تیمور نے اس سے پوچھا کہ کیا اسے ایلدرم بایزید نے یہ حکم دیا تھا کہ تیمور کے خلاف بغاوت کر دے۔ توگول کے چہرے پر نفرت کے آثار نمایاں ہوئے، پھر وہ کہنے لگا، ''ایلدرم بایزید مردانگی کے حوالے سے صرف بڑے نام کا مالک ہے، اس کے سواء اس کے پاس اور کچھ بھی نہیں ایک مرد کو ایلدرم بایزید جیسے شخص کی فرمانبرداری زیب نہیں دیتی۔'' توگول نے یہ الفاظ نفرت کے جذبات کے ساتھ یوں ادا کیے کہ تیمور کو یقین ہو گیا وہ یہ سب سچ کہہ رہا ہے اور ایلدرم بایزید نے اس سلسلے میں اسے نہیں اُبھارا۔ تیمور نے اس سے کہا، ''اے شخص، اگرچہ تُو میرا دشمن ہے اور تُو نے میرے خلاف سرکشی دکھائی ہے اور آج تیرے ساتھ لڑائی میں میرے بہت سے سپاہی مارے گئے ہیں، پھر بھی میں تیرے قتل سے ہاتھ کھینچتا ہوں کیونکہ تو ایک دلیر انسان ہے۔ اگر تو میرا دوست بننے کی خواہش رکھتا ہے تو میں بطور امیر مغنیشیہ تجھے تیرے عہدے پر بحال کر دوں گا۔'' مگر توگول کی زندگی نے وفا نہ کی اور ٹھیک تین دن بعد وہ جنگ میں لگے زخموں کی وجہ سے ہلاک ہو گیا۔

تیمور اپنی فوج کے ساتھ درہ چنک کے تنگ داخلی مقام پر ٹھہرا رہا تا کہ اس کے سپاہی مُردوں کو دفنانے اور زخمیوں کے علاج معالجہ کا کام مکمل کر سکیں۔ ان پانچ دنوں کے دوران تیمور کو دوبار آذر بائیجان کی طرف سے تشویشناک خبریں موصول ہوئیں۔ تیمور کو اطلاع دی گئی تھی کہ آذر بائیجان کے بادشاہ نے نہ صرف ایک بہت بڑی فوج تیار کر لی ہے بلکہ شہرے تک کا سارا علاقہ بھی فتح کر لیا ہے اور اگر اسے روکا نہ گیا تو عین ممکن ہے کہ وہ اس خطہ کے تمام ملکوں پر قبضہ کرتا ہوا فارس اور گرگان کی طرف رُخ کرے گا۔

اس آدمی (بادشاہ آذر بائیجان) نے تیمور کو غیر حاضر جان کر یہ فرض کر لیا تھا کہ وہ روم سے فوری طور پر واپس نہیں لوٹ سکے گا۔ اس نے تیمور کی غیر حاضری میں دنیا فتح کرنے اور سارا مال دولت لوٹنے کا ارادہ کیا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ جب وہ ایک طاقتور فوج تیار کر لے گا تو پھر اسے تیمور سے کوئی خطرہ نہ رہے گا اور اگر تیمور اس کے مقابلے پر بھی آ گیا تو وہ اسے با آسانی شکست دیدے گا۔ تیمور بائی زان تیوم جانا چاہتا تھا مگر ایک بار پھر وہ مغرب کی طرف جانے کے بجائے آذر بائیجان کا رُخ کرنے پر مجبور ہو گیا۔

تیمور کو بخوبی علم تھا کہ اسے جلد از جلد سفر طے کر کے موسم سرما شروع ہونے سے قبل آذر بائیجان پہنچنا ہو گا کیونکہ اگر سردیاں آ پہنچتیں تو اس کے لئے آذر بائیجان میں فوج کشی کرنا ممکن نہ رہتا۔ ان پانچ دنوں کے دوران جب وہ درہ پتک میں رُکے ہوئے تھے تو تیمور کے زخمی سپاہیوں میں سے بہت سے چل بسے اور انہوں نے ان سپاہیوں کو بھی وہیں دفن کر دیا۔ پھر وہ لوگ مشرق میں ''دیار بکر'' کی طرف بڑھے تاکہ وہاں سے آذر بائیجان جا سکیں۔ ''دیار بکر'' سے آذر بائیجان کی طرف کئی راستے جاتے تھے۔ تیمور نے اس راستے کا انتخاب کیا جو اسے میدان خوی پہنچا دیتا کیونکہ یہی آذر بائیجان جانے کا بہترین راستہ تھا۔ درہ پتک سے روانہ ہوتے ہوئے تیمور نے وہ سب مال اسباب لوگوں کو واپس کر دیا جو تو گول نے لوٹا تھا۔ اپنا مال دوبارہ حاصل کرنے والوں میں سنجک کے رہنے والے بھی شامل تھے۔

''دیار بکر'' کی طرف جاتے ہوئے تیمور کو بتایا گیا کہ ایلدرم بایزید بیمار پڑ گیا ہے اور یہ کہ اگر وہ یونہی سفر کرتا رہا تو شاید مارا جائے گا۔ تیمور نے اس بات سے اتفاق کر لیا کہ اسے ''دیار بکر'' میں ہی چھوڑ دیا جائے تاہم آزادانہ طور پر نہیں بلکہ نگرانی میں! بعد ازاں تیمور کو ایلدرم بایزید کی طرف سے فارسی میں لکھا گیا ایک خط موصول ہوا جس میں اس نے لکھا تھا:

میں سخت بیمار ہوں اور مجھے پتا ہے کہ میں جلد مر جاؤں گا۔ قدیم زمانہ سے یہی ہوتا چلا آیا ہے کہ جو سلطان بھی اسیر ہوا تو وہ دوران قید ہی مارا گیا، لہٰذا اگر میں بیماری سے نہ مرا تو قید مجھے مار ڈالے گی۔ لیکن اے امیر محترم، تُو اس بات کو قبول نہ کرنا کہ میرے مرنے کے بعد روم کی سلطنت خاندان آل عثمان کے ہاتھ سے نکل جائے۔ اس وقت جب کہ میں موت کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہوں، میری تجھ سے صرف یہی ایک درخواست ہے کہ میرے بیٹے کو میرا جانشین بنا دے تاکہ ہمارے خاندان کا چراغ جو صدیوں سے جلتا آ رہا ہے، بجھ نہ جائے۔ میں اپنے بیٹے کی طرف سے تجھے یقین دلاتا ہوں کہ وہ ہمیشہ تیرا فرمانبردار رہے گا اور کبھی تیرے خلاف سرکشی نہ کرے گا۔''

تیمور نے ایلدرم بایزید (جو بیمار تھا اور چل کر اس کے حضور پیش نہ ہو سکتا تھا) کے خط کے جواب میں ایک خط لکھا اور اس میں کہا کہ ''میں تیرے بیٹے کو روم کا فرمانروا بنا دوں گا، مگر اس شرط پر کہ وہ میرا باج گزار رہے۔''

اس سے پہلے کہ تیمور آذر بائیجان پہنچتا اسے خبر ملی کہ ایلدرم بایزید وفات پا گیا ہے اور یہ کہ مرنے سے پہلے اس نے درخواست کی ہے کہ اس کی میت کو اس کے آباؤ اجداد کی قبروں کے پہلو میں دفنانے کی اجازت دے دی جائے۔

تیمور نے ایلدرم بایزید کی یہ درخواست بھی قبول کر لی۔

چھبیسواں باب

تیمور آذربائیجان میں

جب تیمور خوی کے میدانی علاقے میں پہنچا تو موسم خزاں کی پہلی سرد ہوائیں چلنا شروع ہوگئیں چونکہ آذربائیجان میں موسم سرما جلد شروع ہو جاتا ہے لہذا تیمور نے تبریز کی طرف جلد پہنچنے کا حکم دے دیا۔ شہر خوی سلماس کے شمال مشرق میں ایک دریا کے کنارے آباد ہے۔ یہ دریا شمال کی طرف بہتا ہوا مشہور دریائے ارس میں جا گرتا ہے۔ خوی تک پہنچنے سے پہلے تیمور کو معلوم ہوا کہ مقامی باشندے اسے ایران کا ترکستان کہہ کر پکارتے ہیں۔ اس کی وجہ وہ ہمیشہ یہ بتاتے تھے کہ خوی کے باشندے بھی بالکل ترکستان کے باشندوں کی طرح انتہائی خوبصورت اور حسین ہیں اور وہاں ان خوبصورت انسانوں کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ جب تیمور شہر خوی پہنچا جس کے باشندوں نے بغیر مزاحمت کے اطاعت تسلیم کر لی، تو اسے پتہ چلا کہ لوگ اسے ایران کا ترکستان پکار کر حقیقت میں انصاف سے کام نہیں لیتے کیونکہ شہر خوی کے لوگوں کے حُسن اور شہر ترکستان کے لوگوں کے حُسن میں انتہائی فرق تھا۔

سچ تو یہ تھا کہ تیمور نے شہر خوی میں کوئی بھی مرد و زن ایسا نہ دیکھا جو انتہائی خوبصورت نہ ہو، یوں لگتا تھا کہ خدا نے انہیں کسی خاص پانی ملی مٹی سے بنایا ہے جو یہ لوگ خوبصورتی کا مرقع تھے۔ تیمور نے مقامی لوگوں سے دریافت کیا: ''تم لوگ کس نسل سے تعلق رکھتے ہو کہ اس قدر خوبصورت نظر آتے ہو؟'' انہوں نے جواباً بتایا: ''ہم ختا لوگوں کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک زمانہ قبل ہمارے آبا و اجداد ختا سے ہجرت کر کے یہاں آبسے تھے۔ ہماری خوبصورتی کی ایک وجہ یہ ہے کہ خوی لوگ اپنے قریبی عزیز رشتہ داروں میں شادیاں نہیں کرتے کیونکہ انہوں نے تجربے سے یہ سیکھا ہے کہ ایسا کرنے سے بدصورت بچے جنم لیتے ہیں۔''

شہر خوی کے مرد و زن کا رنگ گورا تھا مگر پُرکشش گورا۔ خوی میں قیام کے دوران تیمور کو پتا چلا کہ یہاں کے لوگوں کی عادات و خصائل اور کردار بھی تعریف کے لائق ہیں اور یہ کہ وہ لوگ بات کرتے ہوئے ہمیشہ اپنے چہرے پر ایک مسکراہٹ سجائے رکھتے۔ گیلان کے علاوہ تیمور نے ایران کے کسی بھی صوبے کے لوگوں کو اس قدر خوبصورت نہ پایا تھا، جس قدر خوبصورت شہر خوی کے لوگ تھے۔ البتہ گیلان اور خوی میں فرق یہ تھا کہ گیلان میں صرف عورتیں خوبصورت تھیں، مرد اس قدر خوبصورت نہ تھے جبکہ خوی میں مرد و عورتیں دونوں ہی انتہائی خوبصورت تھے۔

جب تیمور نے خوی میں قیام کیا تو وہ انگور اور ناشپاتی کا موسم تھا۔ مقامی لوگ شہر خوی کی ناشپاتی کو ''پیغمبری ناشپاتی'' کا نام دیتے تھے۔ تیمور نے ان کا ذائقہ چکھا تو وہ بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ اس نے دنیا میں کہیں بھی ایسی ناشپاتیاں نہیں دیکھیں جیسی کہ خوی میں اس نے کھائی تھیں کیونکہ ان کا حجم، ذائقہ اور مٹھاس ہر طرح سے بے نظیر تھی۔ اگر کوئی بھوکا شخص خوی کی ایک ناشپاتی کھا لیتا تو اس کا پیٹ بھر جاتا اور اسے آئندہ وقت کے کھانے تک اور کچھ کھانے کی حاجت نہ رہتی۔ تیمور نے خوی میں انگوروں کی بھی ایک ایسی قسم دیکھی جس نے اسے حیران کر دیا کیونکہ اس نے اس

قدر موٹے اور سرخ انگور کبھی نہ دیکھے تھے۔ ہر سرخ انگور اس قدر موٹا تھا جس قدر ایک عام مرغی کا انڈہ ہوتا ہے اور یاقوت سے زیادہ سرخ تھا۔ چونکہ انگور بے حد موٹے ہوتے تھے لہٰذا لوگ ان کا جوس نکال کر پیتے تھے تاکہ انہیں اتنا موٹا پھل چبا کر نہ کھانا پڑے۔ مقامی لوگوں نے انگوروں کے ایک گچھے کا جوس نکال کر تیمور کو پیش کیا۔ ایک ہی گچھے سے نکلے جوس سے پورا جگ بھر گیا۔ پھر ان لوگوں نے اس جوس کو ٹھنڈا کرنے کے لئے برف کا ایک ٹکڑا اس میں ڈال دیا۔ جب تیمور نے اس میں سے تھوڑا سا جوس پی کر دیکھا تو اس نے اسے انتہائی فرحت بخش پایا۔

جس طرح تیمور گیلان کی خوبصورت عورتوں کے ڈر سے وہاں سے جلد نکل گیا تھا۔ بالکل اسی طرح وہ صرف ایک دن بعد ہی شہر خوی سے بھی نکل گیا کیونکہ اسی ڈر نے اس کے ذہن میں پھر گھر کر لیا تھا کہ اگر وہ وہاں زیادہ دیر رکا رہا تو خوی کی حسین عورتوں کا جادو اس کے سپاہیوں کو اپنی گرفت میں لے لیگا اور اس کی فوج میں نظم و ضبط برقرار نہیں رہے گا۔ تیمور شہر خوی سے نکل کر مرند کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب تیمور اس شہر کے نزدیک پہنچ رہا تھا تو ہراول دستے نے اسے مطلع کیا کہ جنوبی میدانوں کی طرف لوگوں کی بڑی تعداد دکھائی دے رہی ہے اور ممکن ہے کہ وہ کوئی فوج ہو۔ پھر ہر اول دستے کی طرف سے اطلاع آئی کہ لوگوں کا وہ ہجوم کوئی فوج نہیں بلکہ بچے اور عورتیں ہیں۔ جو صحرا میں موجود تھے اور لگتا تھا کہ وہ سبزیاں وغیرہ جمع کر رہے ہیں۔

کچھ ہی دیر بعد ہراول دستے کی طرف سے تیسری اطلاع آئی کہ عورتیں اور بچے وہاں صحرا میں سبزیاں نہیں توڑ رہے بلکہ وہ کیڑے جمع کر رہے ہیں۔ جب تیمور خود وہاں پہنچا جہاں مذکورہ عورتیں اور بچے جمع تھے تو اس نے یہ جاننے کا فیصلہ کیا کہ یہ عورتیں اور بچے کیڑے کیونکر جمع کر رہے ہیں۔ اسے معلوم ہوا کہ پورے موسم گرما میں مرند کی عورتیں اور بچے ایک خاص قسم کے کیڑے کی تلاش میں رہتے ہیں جسے قرمزی کہا جاتا ہے۔ آذر بائیجان میں تیار ہونے والا سارا سرخ رنگ کا کپڑا اسی کیڑے کے رنگ سے تیار کیا جاتا ہے اور یہ کہ قرمزی نامی اس کیڑے کو تجارتی بنیادوں پر بے حد نفع بخش تصور کیا جاتا ہے۔

مرند پہنچ کر تیمور کو ایلدرم بایزید کے فرزند سلیمان کی طرف سے ایک خط موصول ہوا، جو اب اپنے باپ کے انتقال کے بعد تیمور کی منظوری سے روم کا تخت نشین بن چکا تھا۔ اس نے خط میں لکھا تھا کہ وہ تیمور کے حق میں اپنی وفاداری کا ثبوت پیش کرنے کے لئے 20 ہزار سپاہیوں پر مشتمل دستہ اپنے خرچ پر تیمور کی مدد کے لئے آذر بائیجان میں بھیج رہا ہے۔ سلیمان نے اپنا عہد پورا کرتے ہوئے مذکورہ سپاہی تیمور کے پاس بھیج دیئے اور تیمور نے آذر بائیجان کے بادشاہ کے خلاف جنگ میں ان سپاہیوں کو استعمال کیا، جس نے جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے۔ شہر رے تک تمام علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ آذر بائیجان کا سلطان، سلطان احمد نامی ایک شخص تھا جو ایلکانی قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا اور عام اوقات میں تبریز میں قیام پذیر رہتا تھا۔

جب تیمور مرند پہنچا تو وہاں کے مقامی باشندے اپنے بیٹوں کو لے آئے تاکہ انہیں قربان کر دیں۔ ان کا کہنا تھا، ''ہم اپنے بیٹوں کو اس لئے قربان کرنا چاہتے ہیں کہ اے امیر تُو یہاں آیا ہے اور تُو ہمیں سلطان احمد کی ناانصافیوں سے نجات دلا سکتا ہے۔'' تیمور نے ان سے کہا، ''مجھے اس بات میں کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ کوئی میرے لئے اپنے بیٹوں کو قربان کرے۔''

شہر میں داخل ہونے کے بعد مرند کے نمائندہ لوگوں کا ایک وفد تیمور کے حضور پیش ہوا اور اسے سلطان احمد کے ظلم و ستم کی داستانیں سنائیں۔

وہ کہنے لگے، ’’اگر کوئی کسان خشک سالی کی وجہ سے یا مویشیوں کے ہلاک ہو جانے کے سبب مالیہ ادا نہ کر پائے تو سلطان احمد کے مقرر کردہ مالیہ وصول کرنے والے اس کے جوان بیٹے بیٹیوں کو گرفتار کر لیتے اور انہیں بیچ کر مالیہ کی رقم پوری کر لیتے ہیں۔ اگر کسان کے جوان بیٹے بیٹیاں نہ ہوں تو وہ اس کی ایک آنکھ نکال دیتے ہیں اور اگر وہ اگلے برس بھی مالیہ ادا نہ کر سکے تو وہ اس کی دوسری آنکھ بھی نکال دیتے ہیں۔ آذربائیجان میں دکھائی دینے والے وہ تمام فقیر جو دونوں آنکھوں سے اندھے ہیں، کبھی صحت مند کسان ہوا کرتے تھے۔ جو مالیہ ادا نہ کر سکنے کے باعث اندھے کر دیئے گئے۔‘‘

تیمور کو یہ سب سن کر بے حد حیرت ہوئی اور وہ بولا، ’’میرے زیر سلطنت ممالک میں کئی بار ایسا ہوا ہے کہ کسان مالیہ ادا نہ کر پاتے ہیں، ظاہر ہے ہر طرح کے موسمی اثرات، خشک سالی، ٹڈی دل کا حملہ وغیرہ اور دیگر وجوہات اکثر ان کی راہ میں رکاوٹ بن جاتی ہیں اور ایسی صورتحال میں میرا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ میں اپنے کسانوں سے مالیہ وصول نہیں کرتا۔ اسلام کے اصولوں میں سے ایک یہ ہے کہ تنگ دستوں سے مالیے کا مطالبہ نہیں کرنا چاہیے۔ سات سو برس ہو چلے ہیں کہ تمام اسلامی ملکوں میں یہ کہا جاتا ہے، ’’المفلس فی امان اللہ‘‘ (یعنی مفلس اللہ کی پناہ میں ہے)۔‘‘

مرند کے نمائندہ وفد میں شامل لوگ کہنے لگے، ’’سلطان احمد مسلمان ہونے کا دعویٰ تو کرتا ہے مگر اس کا عمل یہ ہے کہ نہ صرف وہ غریب کسانوں کے بیٹے بیٹیوں کو بزور طاقت مالیہ کے بدلے میں چھین لیتا ہے، بلکہ اس کی دسترس سے کوئی خوبصورت عورت محفوظ نہیں ہے۔ اسے جہاں کہیں کوئی عورت پسند آ جاتی ہے وہ زبردستی اسے اس کے شوہر سے الگ کر دیتا ہے اور اپنے گھر لے جاتا ہے، پھر چند دن بعد اسے بے یار و مددگار چھوڑ دیتا ہے۔ ایسی عورت جواب واپس اپنے شوہر کے پاس جانے کے قابل بھی نہیں رہتی، ایک طوائف بن کر رہ جاتی ہے۔‘‘ تیمور نے ان سے پوچھا، ’’تم لوگ اس قدر ظالم انسان کے ظلم کا سامنا کیسے کرتے رہے ہو؟‘‘ وہ کہنے لگے، ’’ہم اس سے خوفزدہ تھے آج بھی ہم پر خوف غالب ہے کیونکہ سلطان احمد انتہائی ظالم آدمی ہے۔ اگر کسی قبیلے کا کوئی شخص اس کے خلاف آواز بلند کرے تو وہ اس قبیلے کے تمام مردوں کے سر قلم کرا دیتا ہے اور تمام نوجوان عورتوں، لڑکیوں اور لڑکوں کو غلام بنا لیتا ہے۔ اور کسی بھی اذیت ناک ترین اور بُرے فعل کی انجام دہی کے لئے تیار رہتا ہے۔‘‘

تیمور نے کہا، ’’ایک سلطان کے لئے ضروری ہے کہ وہ صاحب عدل و انصاف ہو اور پاک دامنی کی زندگی بسر کرے تاکہ اس کے ماتحت لوگ بھی انہی اوصاف پر عمل پیرا ہو سکیں۔ جب کسی ملک کا سلطان ہی ظالم ہو اور گناہوں سے بچتے ہوئے زندگی بسر نہ کرے تو اس کے زیر سلطنت رہنے والے لوگ بھی ظلم و ستم میں حد سے بڑھ جانے والے اور گناہگار بن جاتے ہیں۔‘‘ مرند کے نمائندہ وفد کے ارکان بولے، ’’اے امیر محترم ہمیں سلطان احمد کے ظلم و جبر سے نجات دلا دے، ہم جب تک زندہ رہیں گے دل و جان سے تیرے اطاعت گزار بن کر زندگی گزاریں گے۔‘‘

مرند ایک ایسا شہر تھا جہاں مضبوط لوگ رہتے تھے، اور تیمور نے آذربائیجان کے طاقتور ترین مردوں کو مرند میں ہی پایا۔ تیمور کو بتایا گیا کہ مرند میں پائی جانے والی خوبانیاں دنیا بھر میں اپنی مثال آپ ہیں لیکن چونکہ تیمور اور اس کی فوج موسم خزاں کے دوران مرند پہنچے تھے، لہٰذا انہیں اس وقت مرند کی یہ نایاب خوبانیاں دیکھنے کو نہ مل سکیں، البتہ اس وقت وہاں سیب کثرت سے دستیاب تھے۔

جب تیمور آذربائیجان میں داخل ہوا تو سلطان احمد ایلکانی شہر رے سے لوٹ چکا تھا اور اپنے مرکز تبریز میں موجود تھا۔ تیمور نے بھی مرند سے نکل کر تبریز کی راہ لی۔ تبریز جیسا کہ بتایا گیا تھا ایک وسیع و عریض شہر تھا اور اس قدر پرانا تھا کہ کسی کو بھی یہ خبر نہ تھی، یہ شہر کب بسایا گیا تھا۔

تیمور نے تبریز پہنچنے میں جلدی کی تا کہ سلطان احمد تبریز پہنچ کر شہر کی فصیل کے پیچھے پناہ نہ لے سکے۔ تیمور نے اندازہ لگایا تھا کہ اگر سلطان احمد تبریز میں سخت مزاحمت کرنے میں کامیاب رہا تو آذربائیجان کا موسم سرما اسے تبریز کا محاصرہ چھوڑ کر واپس جانے پر مجبور کر دے گا۔ سرد موسم کے علاوہ یہ بھی ممکن تھا کہ سلطان احمد آذربائیجان کے تمام قبائل کو تیمور پر حملہ آور ہونے پر مجبور کر دیتا۔

تیمور کا اندازہ درست ثابت ہوا اور سلطان احمد نے ملک کے تمام قبائلی سرداروں کو تیمور کی فوج پر حملے کی ترغیب دی۔ لیکن چونکہ وہ ایک انتہائی ظالم انسان تھا اور قبائلی سردار بھی آذربائیجان کے دوسرے لوگوں کی طرح اس سے ناخوش تھے اس لئے انہوں نے سلطان احمد کے مشورہ پر عمل کرنا قبول نہ کیا۔ صرف دو قبائلی سرداروں نے تیمور پر حملے میں سلطان احمد کا مددگار بننا قبول کیا لیکن تیمور نے ان کے حملوں کو با آسانی ناکام بنا دیا۔ اس دوران وہ 20 ہزار سپاہی جنہیں ایلدرم بایزید کے بیٹے سلیمان نے تیمور کی مدد کے لئے بھیجنے کا وعدہ کیا تھا، اپنی منزل کی طرف روانہ ہو چکے تھے۔

اگرچہ تیمور نے تبریز پہنچنے کے لئے ہر ممکن تیزی دکھائی تھی مگر جب وہ شہر کے نزدیک پہنچا تو اس کے تمام دروازے بند تھے اور شہر دفاع کے لئے آمادہ ہو چکا تھا۔ تیمور نے بھی فوراً شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اس کے بعد ہر روز بے شمار لوگ جن کا تعلق آذربائیجان سے تھا اور ان کے رشتہ دار شہر تبریز میں تھے تیمور کے پاس آنے لگے۔ ان کا کہنا تھا، ''اے امیر، ہم تیری ہر ممکن مدد کرنے کو تیار ہیں تا کہ تُو جلد از جلد تبریز پر قبضہ کر لے۔ لیکن تجھ سے ہماری ایک درخواست ہے اور وہ یہ کہ شہر فتح کرنے کے بعد تُو اس کے لوگوں کے قتل عام اور ان کا مال اسباب لوٹنے سے ہاتھ کھینچ لے۔''

یہ لوگ جانتے تھے کہ تیمور کے سامنے مزاحمت کرنے والے ہر شہر کی سزا یہ ہوتی تھی کہ اس پر غلبہ حاصل کرنے کے بعد اس میں موجود تمام مردوں کو قتل اور عورتوں کو لونڈیاں بنا کر سپاہیوں میں تقسیم کر دیا جاتا، نیز تمام مال غنیمت بھی سپاہیوں میں تقسیم ہو جاتا۔ تبریز کے باشندوں کے لئے رحم کی اپیل کرنے والوں کا موقف تھا کہ تبریز کے لوگ معصوم ہیں اور سلطان احمد کے سپاہیوں کا خوف انہیں شہر کے دروازے کھولنے سے روکے ہوئے ہے۔

محاصرے کے دوسرے روز ایک شخص شہر تبریز کی فصیل پر نمودار ہوا اور ترک زبان میں کہنے لگا ''امیر تیمور کون ہے؟ اس سے کہو کہ میرے سامنے آئے!'' تیمور کے سپاہیوں نے اس سے پوچھا ''تُو کون ہے؟'' وہ بولا، ''میں سلطان احمد ایلکانی ہوں اور امیر تیمور سے بات کرنا چاہتا ہوں۔'' تیمور کے سپاہیوں نے پوچھا، ''تُو امیر تیمور سے کیا بات کرنا چاہتا ہے؟'' سلطان احمد بولا، ''میں جو کہنا چاہتا ہوں صرف امیر تیمور کے سامنے آنے پر ہی کہوں گا۔'' تیمور اپنے خیمے میں تھا جب اسے سلطان احمد کے بارے میں بتایا گیا کہ وہ اس سے بات کرنے کا خواہش مند ہے تو تیمور باہر نکل کر شہر کی فصیل کی طرف چل پڑا۔ تیمور کے کچھ کہنے سے پہلے ہی سلطان احمد پکار اُٹھا، ''تیمور لنگڑے، میں تجھے خوب اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ کیونکہ تیری ایک واضح نشانی یہ ہے کہ تُو ایک ٹانگ سے لنگڑا ہے۔'' تیمور بولا، ''ہاں میں جانتا تھا کہ تُو ایک جاہل آدمی ہے، کیونکہ تُو بے ادب ہے اور انسان جب تک جاہل نہ ہو وہ بے ادب نہیں ہوتا۔''

وہ بولا، ''تُو نے یہ کیسے جان لیا کہ میں جاہل ہوں۔'' تیمور نے کہا، ''اس وجہ سے کہ تُو میرے سامنے مجھے بُرا بھلا کہہ رہا ہے۔'' وہ بولا، ''میں نے تجھے بُرا بھلا نہیں کہا میں نے تو صرف یہ کہا ہے کہ تُو لنگڑا ہے۔'' تیمور بولا، ''اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ تُو بالکل جاہل ہے جتنا میں سمجھتا تھا اس سے بھی زیادہ۔ اس لئے کہ تجھے اتنی بھی سمجھ نہیں ہے کہ یہ سمجھ سکے کہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ ناپسندیدہ اور بُرا ہے۔ انسان کے جسمانی عیب کی بات

اس کے سامنے کہنا نامناسب اور ناپسندیدہ ہے، باادب انسان کبھی لوگوں کے جسمانی عیب کی بات ان کے منہ پر نہیں کہتا۔'' سلطان احمد ایلکانی بولا، ''کیا تُو جانتا ہے کہ میں نے تجھے کیوں بلایا ہے اور تجھ سے کیا کہنا چاہتا ہوں؟'' تیمور نے کہا، ''تجھے جو بھی کہنا ہے کہہ ڈال۔'' وہ بولا ''میں تجھ سے اپنا تعارف کروانا چاہتا ہوں تاکہ تُو یہ جان لے کہ میرے آباؤ اجداد جو بھی ایلکانی سلاطین تھے، کون تھے اور انہوں نے کیا کارنامے انجام دیئے۔'' تیمور نے جواباً کہا، ''تیرے آباؤ اجداد کتنے ہی عظیم کیوں نہ ہوں وہ میرے دادا چنگیز خان کے مرتبے کے نہیں ہو سکتے (یاد رہے تیمور چنگیز خان کی نسل سے نہ تھا اور محض نسلی تفاخر کے طور پر چنگیز خان کو اپنا دادا قرار دیتا تھا) تاہم میں اتنی عقل و فہم ضرور رکھتا ہوں کہ میرا دادا چنگیز خان قبر سے باہر نہیں آئے گا کہ وہ میری کوئی مدد کر سکے اور مجھے خود ہی اپنے زورِ بازو سے یہ ثابت کرنا ہے کہ مجھ میں کتنی اہلیت ہے۔''

سلطان احمد بولا، ''میں چاہتا ہوں کہ ایک ایسے شخص کو جو چنگیز خان کا پوتا ہے ایک نصیحت کروں۔'' تیمور نے اس سے پوچھا، بتا تیری نصیحت کیا ہے؟ سلطان احمد کہنے لگا، ''چنگیز خان خود یہاں نہیں آیا اور اس نے اپنے بیٹے کو آذربائیجان بھیج دیا تھا کیونکہ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر وہ خود یہاں آیا تو اس ملک میں اس کی قبر بن جائے گی، تُو بھی کہ اس کا پوتا ہے اپنے دادا سے سبق پکڑ اور آج ہی اپنی فوجی چھاؤنی یہاں سے اٹھا لے اور واپس چلا جا تاکہ طبعی عمر پوری کر سکے۔

تیمور نے جواب دیا، ''میں امیر تیمور ہوں اور موت سے نہیں ڈرتا۔ اگر میں موت سے ڈرنے والا ہوتا تو کبھی اس سرزمین پر قدم نہ رکھتا۔'' سلطان احمد بولا، ''مجھے بھی موت کا کوئی ڈر نہیں ہے۔'' تیمور نے کہا۔ تیرا عمل تیرے قول کے برخلاف ہے، کیونکہ اگر تجھے واقعی موت کا کوئی ڈر نہ ہوتا تو کبھی بزدلوں کی طرح شہر کی فصیل کے پیچھے پناہ نہ لیتا، جو شخص دیواروں کے پیچھے پناہ تلاش کرے تو حقیقت میں وہ موت سے خوف زدہ اور بزدل ہے۔'' سلطان احمد بولا ''میں جو حصار کی پناہ لے چکا ہوں تو یہ کسی ڈر یا خوف کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ یہ محض اپنے سپاہیوں کی جان کے تحفظ کے لئے ہے۔ اور اگر میں نہ ہوں تو کوئی دوسرا نہیں ہے کہ جو میرے سپاہیوں کی کمان سنبھال لے۔'' تیمور نے اس سے کہا: ''کیا تیرے پاس مجھ سے کچھ اور کہنے کو نہیں ہے؟'' سلطان احمد بولا، ''کیوں نہیں، میں تجھ سے کہنا چاہتا ہوں کہ اگر تُو یہاں سے واپس نہ گیا تو میں تیرا دوسرا پاؤں بھی لنگڑا کر دوں گا۔''

تیمور اپنے خیمے کی طرف لوٹ آیا۔ سلطان احمد اسے جاتا دیکھ کر پکارا: ''تُو کہاں جا رہا ہے؟'' تیمور نے اس کا کوئی جواب نہ دیا کیونکہ اس کا نظریہ تھا کہ جو شخص موت کے ڈر سے دیوار کی پناہ میں چھپتا ہے اور فصیل پر چڑھ کر نازیبا گفتگو کرتا ہے اس سے بات نہیں کرنی چاہیے۔

تبریز شہر کے گرد محاصرہ کیے پانچواں روز تھا، جب وہ بیس ہزار سپاہی بھی آ پہنچے جنہیں ایلدرم بایزید کے بیٹے سلیمان نے تیمور کی مدد کے لیے بھیجا تھا۔ ان سپاہیوں کے سردار نے تیمور کے حضور حاضر ہو کر بتایا کہ اس نے جلد از جلد سپاہیوں سمیت تیمور تک پہنچنے کے لئے دن رات سفر طے کیا ہے۔ یہ سردار تومان باشی (دس ہزار سپاہیوں کا سردار) تھا۔ اس نے تیمور کو اپنا نام ''نصرت التون'' بتایا اور یہ کہ اس کی فوج کو چاوش (لشکر کا صف اول کا دستہ) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ روم کے سلطان نے اسے حکم دیا ہے کہ امیر تیمور کے احکام کی تعمیل میں اسے اپنی اور اپنے تمام ساتھیوں کی جانیں قربان کرنے کے لئے تیار رہنا چاہیے۔

تیمور نے تبریز میں سرنگ کھودنے کا ارادہ نہ کیا اور نہ ہی شہر کی فصیل تباہ کرنے کے لئے بارود سے ہی کام لیا کیونکہ اسے یقین تھا کہ وہ

معمول کے طریقوں سے ہی سلطان احمد ایلکانی پر غلبہ پالے گا۔ تبریز کی جنگ نے دس روز سے زیادہ طول نہ کھینچا اور مقامی باشندوں کی مشاورت سے شہر کا سقوط شروع ہو گیا۔ یہ مقامی باشندے تیمور کے دادا کی نسل سے تھے، یعنی منگول نسل سے تعلق رکھتے تھے اور منگولوں جیسا ہی جذبہ جنگ رکھتے تھے۔ یہ لوگ سلطان احمد کے ظلم وستم سے تنگ تھے اور اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ کر سلطان احمد کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ جب تیمور نے اس اندرونی شورش کا سُنا تو اس نے سیڑھی کے ذریعے اپنے چند ہزار دلیر سپاہی فصیل کے راستے سے ان شورشیوں کی مدد کے لیے بھیج دیئے۔ یہ اندرونی شورش دو روز تک مسلسل جاری رہی۔ جس وقت شہر کے اندر یہ جنگ جاری تھی، تیمور کی فوج نے باہر سے بھرپور حملہ شروع کر دیا۔ ایلدرم بایزید کے بیٹے سلیمان نے جو بیس ہزار سپاہی تیمور کی مدد کے لیے بھیجے تھے وہ برابر دلیری اور بے خوفی کا مظاہرہ کر رہے تھے اور انہوں نے بالآخر شہر میں داخل ہو کر اس کے دروازے تیمور کی فوج کے لیے کھول دیئے۔ تیموری فوج کے شہر میں داخل ہوتے ہی سلطان احمد ایلکانی نے وہاں سے فرار ہونے کا فیصلہ کیا مگر ناکام رہا اور گرفتار ہو گیا تاہم اس سے پہلے کہ تیمور کے سپاہی اسے پکڑ کر تیمور کے سامنے پیش کر پاتے وہ اس کے ظلم وستم کے ڈسے ہوئے لوگوں کے ہاتھوں ہی مارا گیا۔

تبریز کی جنگ کے آخری روز شیخ مسعود، شبستر سے تیمور کو ملنے آیا۔ وہ شیخ محمد شبستری کا پوتا تھا جنہوں نے (مثنوی) ''گلشن راز'' لکھی ہے اور جن کا ذکر اس سرگزشت کے آغاز میں آیا ہے۔ (نوٹ: یہاں تیمور غلطی پر ہے یا اس کی داستان کو تحریر کرنے والے سے کوئی غلطی ہوئی ہے کیونکہ مستند معلومات کے مطابق مثنوی گلشن راز کے مصنف کا صحیح نام شیخ محمود تھا، مسعود نہیں) شیخ مسعود نے بھی بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح تبریز کے باشندوں کی سفارش کی۔ اس نے درخواست کی کہ تبریز فتح کرنے کے بعد تیمور شہر میں قتل عام اور لوٹ مار کی اجازت نہ دے۔ چونکہ شہر کے بعض لوگوں نے سلطان احمد کے خلاف بغاوت کر دی تھی جس کے نتیجے میں جنگ کا دورانیہ کم ہو گیا تھا، اس لیے تیمور نے شہر میں قتل عام اور لوٹ مار کا ارادہ ترک کر دیا تاہم اس نے سلطان احمد کا سارا مال اسباب اور جائیداد اپنے قبضے میں کر لیا اور اس کی موت کے ساتھ ہی ایلکانی خاندان کے ظلم وستم کا سلسلہ ختم ہو گیا۔

شہر تبریز میں محلہ شام کی بنیاد اس وقت کے بادشاہ آذربائیجان غازان خان نے رکھی تھی۔ غازان خان چنگیز خان کے بیٹوں میں سے ایک تھا جو سن 1303ء میں تبریز میں انتقال کر گیا اور محلہ شام میں ہی دفن ہوا۔ تبریز میں داخل ہونے کے بعد تیمور اس کے مقبرے پر گیا اور وہاں قرآن کی سورۃ کی تلاوت کی۔ پھر وہ محلہ شام میں غازان خان کی تعمیر کرائی خانقاہ اور مدرسے دیکھنے چلا گیا۔ خانقاہ میں درویشوں کا ایک گروہ قیام پذیر تھا اور تیمور کو پتہ چلا کہ تبریز کی لڑائی میں ان درویشوں میں سے بارہ اس وقت مارے گئے تھے جب مقامی لوگوں نے سلطان احمد کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا۔ خانقاہ کے درویش اس وقت اجتماعی ''ذکر'' میں مصروف تھے اور پھر ان میں سے ایک نے جس کے سفید لمبے بال اس کی کمر تک پہنچے ہوئے تھے اور جس کی سفید داڑھی بھی اس کی کمر تک پہنچ رہی تھی، اُٹھ کر تیمور کی مدح کی اور تیمور نے ان درویشوں میں کسی قدر سونا تقسیم کیا۔

تبریز میں تیمور نے علی شاہ گیلانی کی مسجد بھی دیکھی۔ علی شاہ گیلانی غازان خان کا نائب تھا۔ اس نے اپنے خرچ پر یہ مسجد تعمیر کروائی تھی اور ایک قسم کی چھوٹی نہر بھی بنوائی تا کہ اس کا پانی مسجد کے وسط سے گزرتا رہے۔ جب تیمور اس مسجد میں داخل ہوا تو اسے یوں لگا کہ گویا اس نے جنت

میں قدم رکھ دیا ہو۔ مسجد کے صحن کا فرش سنگ مرمر سے مزین تھا اور اس کی دیواروں پر خوبصورت کاشی کاری کی گئی تھی اور اس پر یہ کہ صاف شفاف پانی کی نہر صحن کے عین وسط میں بہہ رہی تھی جس کے کنارے بیٹھ کر لوگ وضو کر رہے تھے۔

تیمور کے تبریز میں داخل ہونے کے تین روز بعد بازار کھل گئے اور تیمور انہیں دیکھنے نکل کھڑا ہوا۔ تبریز کے تمام بازار ہی دیکھنے کے قابل تھے تاہم اس کے دو بازاروں کی تو دنیا میں نظیر نہ تھی، ان میں سے ایک جواہرات کا بازار تھا اور دوسرا بازار عنبر فروشاں تھا۔

جب تیمور نے جواہرات کے بازار میں قدم رکھا تو وہ دکانوں پر سجے قسم قسم کے جواہرات دیکھ کر حیران رہ گیا۔ ہر دکان کے سامنے خوبصورت نوجوان مرد کھڑے تھے جو لوگوں کو دکانوں میں آ کر جواہرات خریدنے کی دعوت دے رہے تھے۔ ان خوبصورت نوجوان مردوں نے رنگ برنگے ریشمی لباس پہن رکھے تھے اور سر پر ایسے دیدہ زیب عمامے باندھ رکھے تھے جن کے ساتھ پرندوں کے پر جڑے ہوئے تھے۔ معلوم ہوا کہ وہاں زیورات وغیرہ کی خریدار زیادہ تر عورتیں تھیں اور اسی لیے دکاندار خوبصورت نوجوان مردوں کا بطور معاون انتخاب کرتے ہیں اور انہیں دکانوں کے سامنے خوبصورت لباس پہنا کر کھڑا کر دیتے ہیں۔

تبریز کا دوسرا اہم بازار یعنی بازار عنبر فروشاں جواہرات کے بازار کے بالکل ساتھ تھا۔ اس بازار میں قدم رکھتے ہی تیمور کو چاروں طرف سے دل موہ لینے والی خوشبوؤں نے گھیر لیا۔ عنبر کے علاوہ اس بازار میں ہر طرح کی خوشبوئیں فروخت کی جا رہی تھیں۔ تبریز کی یہ خاص خوشبوئیں مخصوص کارخانوں میں تقطیر کی جاتی تھیں اور یہاں ملنے والی "سرخ گل محمد" اور "زرد گل محمد" نامی خوشبوئیں دنیا بھر میں اپنی مثال آپ تھیں۔

تیمور کو بھی پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفی ﷺ کی طرح خوشبوئیات سے لگاؤ تھا اور اچھی خوشبو اسے لذت بخش خوشی سے سرشار کر دیتی تھی۔ خوشبو کا لطف ان لذتوں میں سے ہے جو انسان کو کمزور اور سست نہیں بناتا۔ اس لیے تیمور اس لذت کو جائز سمجھ کر خوب لطف لیتا تھا۔

تیمور کو بتایا گیا کہ پھولوں کے موسم میں تبریز کے لوگ سرخ گل محمدی یا زرد گل محمدی کے ایک خروار (اتنا وزن جو ایک گدھا اٹھا سکے) سے ایک مثقال عطر نکال سکتے تھے اور اس مقدار کے عطر کی قیمت پانچ گرام سونا تھی۔ چونکہ خوشبوئیات کی تقطیر پر کافی خرچ اٹھتا تھا، اس لیے تبریز کی خوشبوئیات پوری دنیا میں برآمد کی جاتی تھیں اور ساری دنیا میں ان کا چرچا تھا۔ اس روز تیمور نے بھی بازار عنبر فروشاں میں مختلف قسم کے عطر اور خوشبوئیں خرید لیں، بالخصوص گل سرخ کا عطر، گل زرد کا عطر، عطر یاس نیز بہت سے نافہ ہائے مشک بھی۔

تبریز میں دو دریا بہتے تھے۔ ایک کا نام مہران اود تھا اور دوسرے کا سرد رود۔ دونوں دریاؤں کا ماخذ کوہ سہند تھا جو تبریز کے جنوب میں واقع ہے۔ ان دونوں دریاؤں کا پانی اس قدر ٹھنڈا ہوتا تھا کہ تبریز کے لوگوں کو برف کی ضرورت نہ پڑتی تھی اور برف کو صرف انتہائی امیر لوگ شوقیہ طور پر استعمال کرتے تھے۔ یہ دونوں دریا ایک اور سرد آب نامی دریا میں گر کر مدغم ہو جاتے اور پھر آخر میں بحر جیجست میں جا گرتے۔

تبریز میں تیمور نے ایک دن کپڑے کے بازار میں بھی گزارا اور وہاں کپڑوں کی مختلف اقسام دیکھیں۔ وہاں اسے دیبا (ریشم کی ایک قسم) اطلس کے اونی کپڑے اور دیگر کچھ اقسام کے کپڑے دیکھنے کو ملے اور معلوم ہوا کہ یہ تمام اقسام کے کپڑے تبریز میں ہی تیار ہوتے تھے۔ یہاں کے اطلس اور دیبا کے پارچہ جات کی ملک فرانس میں بہت مانگ تھی۔ چونکہ تیمور نے تبریز میں قتل عام اور لوٹ مار سے منع کر دیا تھا، اس لیے اس نے شہر

کی دیوار کو گرانا بھی مناسب نہ جانا اور اس بات کی اجازت دے دی کہ جنگ کے دوران فصیل کا جو حصہ تباہ ہو گیا تھا اس کی تعمیر نو کر دی جائے۔

آذربائیجان میں داخل ہونے سے کافی عرصہ پہلے ہی تیمور کی خواہش تھی کہ اگر وہ کبھی آذربائیجان گیا تو شبستر میں شیخ محمود شبستری (یہی اصل نام ہے) کے مزار پر پہنچ کر فاتحہ پڑھے گا اور ان کی بخشش کی دعا کرے گا، اس لیے کہ تیمور کے نزدیک اس نیک آدمی کا اس پر حق تھا اور وہ اس بناء پر کہ تیمور نے ان کی کتاب ''گلشن راز'' پڑھ کر بہت کچھ سیکھا تھا۔ اپنی اس کتاب میں شیخ محمود شبستری نے تیمور کو ازلی وابدی اسرار سے آشنا کر دیا تھا۔

ان کی کتاب اگرچہ مختصر ہے لیکن چونکہ یہ ایک گوہر نایاب ہے۔ اس لیے اختصار کے باوجود بڑی ہی بیش قیمت اور نایاب ہے۔ شیخ محمود شبستری نے اس کتاب میں ہزار سے زیادہ اشعار نہیں کہے تاہم یہ اشعار انسان کو بہت سی باتیں سکھاتے ہیں۔ تیمور کے نزدیک اس مثنوی کی بے حد اہمیت تھی اور وہ اسے مثنوی مولانا روم پر ترجیح دیتا تھا۔ جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے، تیمور کو یہ غلط فہمی ہو گئی تھی کہ مولانا روم نے اپنی مثنوی میں تمام ادیان کو ایک ہی صف میں لا کھڑا کیا ہے، یعنی ان کے نزدیک بھی مذہب ایک جیسے ہیں، ان میں کوئی فرق نہیں اور کسی مذہب کو دوسرے مذہب پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہے۔ تیمور اسے قرآن پاک کی واضح آیات کے سراسر خلاف کہتا کیونکہ دو سو سے زیادہ قرآنی آیتوں میں اسلام کو دوسرے تمام مذاہب سے برتر قرار دیا گیا ہے تاہم یہ سب کسی غلط فہمی کا شاخسانہ ہی لگتا ہے۔

شیخ محمود شبستری کا پوتا شیخ مسعود چونکہ تبریز میں تھا، اس لیے تیمور نے شبستر جانے سے متعلق اپنی خواہش کا اظہار اس سے کیا۔ تیمور کے اس اظہار پر وہ بے حد خوش ہوا اور بولا: ''اے امیر، مجھے یقین ہے کہ تیرے شبستر جانے سے عالم ارواح میں میرے دادا کی روح وجد میں آ جائے گی۔''

جس روز تیمور شبستر کی طرف روانہ ہوا، اس روز موسم ابر آلود تھا اور آذربائیجان کے موسم خزاں کا جو نواحی علاقوں کی نسبت جلد شروع ہو جاتا ہے، آغاز ہو چکا تھا۔ تیمور سوچ رہا تھا کہ اسے اب وہاں سے کوچ کرنا چاہیے اور چاہیے کہ خراسان سے ہوتا ہوا کیش پہنچ جائے۔

تیمور جانتا تھا کہ اگر وہ تیز رفتاری سے کام لے تو موسم سرما سے پہلے کیش پہنچ سکتا تھا تاہم اس کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ ماوراءالنہر تک پہنچتے پہنچتے اسے ایک اور جنگ کا سامنا کرنا پڑ جائے گا۔

شبستر کے مرد و زن اور بچے تیمور کے راستے کے دونوں طرف کھڑے تھے اور بچے تیمور کی طرف اشارہ کر کے ایک دوسرے کو بتا رہے تھے۔

شبستر میں داخل ہونے کے بعد شیخ مسعود نے تیمور کو کھانے کی دعوت دی اور وہ اپنے بال بچوں کو تیمور سے ملانے لایا۔ کھانا کھانے کے بعد تیمور شیخ محمود شبستری کے مزار کے دیدار کی خاطر روانہ ہو گیا۔ وہاں تیمور نے دیکھا کہ اس شخص کا مزار بری حالت میں ہے۔ چنانچہ تیمور نے فوری حکم دیا کہ کسی تاخیر کے بغیر اس عالم فاضل انسان کا مزار ایسا بنایا جائے جو اس کے علمی اور دینی مرتبے کے شایان شان ہو۔ شیخ محمود کے مزار پر فاتحہ خوانی اور اس کی تعمیر کا حکم دینے کے بعد تیمور نے واپسی کا ارادہ کیا اور شیخ مسعود سے پوچھا کہ اس قصبے کی کل آبادی کتنی ہے؟ شیخ مسعود نے بتایا: ''تقریباً چھ ہزار۔'' تیمور نے کہا: ''یقیناً بچے بھی اس تعداد میں شامل ہوں گے؟'' وہ بولا: ''ہاں اے امیر۔'' اس پر تیمور نے کہا: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب کسی قوم میں کوئی نیک آدمی پیدا ہوتا ہے اور وہ نیک اعمال اور ثواب کے حصول کی طرف مائل ہوتا ہے تو اس کے اعمال کی برکت اس کی قوم کے بھی شامل حال ہو جاتی ہے۔ تیرا دادا بھی ایک نیکوکار شخص تھا اور اس نے دین اسلام کی بے حد خدمت کی ہے چنانچہ اس کے اعمال کی برکت تمام

افرادِ قوم کے شامل حال ہوئی ہے۔'' شیخ مسعود نے پوچھا: ''اے امیر، یہ جو کچھ آپ نے کہا ہے اس سے آپ کی کیا مراد ہے؟'' تیمور نے جواب دیا، ''میں تجھے کہ تُو شیخ محمود کا پوتا ہے، ہزار دینار دیتا ہوں اور اس قصبے کے ہر ایک باشندے کو یعنی ہر مرد و عورت کو، جس کی عمر بچپن کی حدوں سے گزر چکی ہے، پانچ دینار زر بخشتا ہوں اور یہ سب تیرے دادا کے اعمال کی برکت ہے جو اس قوم کے تمام افراد کے شامل حال ہوئی ہے۔''

قصبے کے تمام افراد میں تقسیم زر کی ترتیب تیمور نے اپنے خزانہ دار پر چھوڑ دی۔ پھر شبستر سے واپسی کے بعد تیمور کوچ کے لیے تیار ہو گیا اور اردبیل کے راستے سے لوٹنے کا فیصلہ کیا۔ اردبیل کا قدیم نام باذان فیروز تھا۔ تیمور جب اردبیل کے قریب پہنچا تو وہاں کا امیر خانقاہ کے تمام بڑے بڑے مشائخ کو ہمراہ لے کر اس کے استقبال کو آیا۔ جب تیمور شہر میں داخل ہوا تو معلوم ہوا کہ وہ ایک کافی بڑا شہر ہے جس کی فصیل مربع شکل میں ہے۔ اردبیل میں تیمور کے قیام کے لیے ایک باغ مخصوص کیا گیا۔ خانقاہ کے بڑے شیخ نے تیمور کی میزبانی اپنے ذمہ لینا چاہی مگر تیمور نے اسے کہا، ''تو خوانخواہ خود کو زحمت نہ ڈال۔ میں نہیں چاہتا کہ تُو میری میزبانی کا خرچ برداشت کرے۔''

تیمور کو علم تھا کہ اردبیل کی خانقاہ کا بڑا شیخ اور وہاں کے دوسرے مشائخ بھی شیعہ ہیں اور اگر وہ اس کی اطاعت نہ کرتے تو وہ ضرور انہیں قتل کرا دیتا مگر چونکہ ان سب نے اس کی اطاعت قبول کر لی تھی اس لیے اس نے انہیں آزار پہنچانا مناسب نہ جانا تاہم تیمور یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ ان کا مہمان بنے اور وہ یہ کہہ سکیں کہ تیمور پر ان کا احسان مہربانی ہے اور تیمور نے ان کا کھانا کھایا ہے۔

تیمور جس وقت اردبیل میں داخل ہوا، عصر کا وقت ہو چلا تھا، اس نے حکم دیا کہ خانقاہ کا بڑا شیخ اور وہاں کے مشائخ میں سے دو شیوخ جو دوسروں سے ممتاز ہوں، اس کے پاس آئیں۔ تیمور ان سے گفتگو کرنا اور یہ جاننا چاہتا تھا کہ وہ کیا کہتے ہیں اور دین کے بارے میں ان کا نظریہ کیا ہے! جب وہ لوگ آ گئے تو تیمور نے انہیں پاس بٹھا کر بڑے شیخ سے دریافت کیا: ''تیرا کیا دین ہے؟'' اس نے جواب میں کہا: ''میں مسلمان ہوں۔'' تیمور نے اس سے پوچھا: ''یہ بتا دین اسلام کے اصول کیا ہیں؟'' اس نے جواب دیا: ''توحید، عدل، نبوت، امامت اور معاد (لوٹ کر جانے کی جگہ، مراد آخرت ہے)'' تیمور نے پوچھا، ''میرے عقیدے کے مطابق دین اسلام کے تین اصول ہیں اور وہ ہیں، توحید، نبوت اور معاد۔ تُو نے کس بنا پر ان پانچ اصولوں کی بات کی ہے؟'' شیخ نے جواباً کہا، ''اگر دو اصول تین اصولوں کے ساتھ بڑھا دیئے جائیں تو وہ ان تین اصولوں کی تائید کرتے ہیں اور ان کو محکم کرتے ہیں۔ اگر یہ دو اصول ان تین اصولوں کو کمزور کرتے تو پھر تجھے ان پر اعتراض کا حق تھا لیکن چونکہ وہ تین اصولوں کو محکم کرتے ہیں لہٰذا تجھے ان پر کسی قسم کا اعتراض نہ ہونا چاہیے۔''

تیمور نے کہا، ''تو جو کہہ رہا ہے وہ بدعت ہے اور کسی کو اسلام میں بدعت ایجاد نہ کرنی چاہیے۔'' خانقاہ کا بڑا شیخ جسے وہ لوگ ''روحانی پیشوا'' کہہ کر پکارتے تھے، کہنے لگا، ''اے امیر، بدعت تو وہ ہے جو قرآن پاک کے واضح فرمودات کے خلاف ہو، کیا قرآن پاک میں کہیں یہ لکھا ہوا ہے کہ دین کے تین بنیادی اصول ہیں؟'' تیمور بولا، ''اگرچہ اسلام کے تین بنیادی اصولوں کا الگ سے قرآن پاک میں ذکر نہیں آیا لیکن قرآن کی آیات کے مجموعی نتیجہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ دین کے اصول تین ہیں، پہلا توحید، دوسرا رسالت یا نبوت اور تیسرا معاد، جو کوئی بھی مسلمان ہو اسے ان تینوں اصولوں پر لازماً اعتقاد رکھنا چاہیے۔''

خانقاہ کا شیخ کہنے لگا، ''ہم قرآن پاک کی آیات سے اس طرح نتیجہ نکالتے ہیں کہ دین کے پانچ اصول ہیں۔ پہلا توحید، دوسرا عدل، تیسرا نبوت، چوتھا امامت اور پانچواں معاد۔ کیا اے امیر والا تو مجھے اجازت دیتا ہے کہ میں قرآن پاک کی وہ آیات تلاوت کر کے سناؤں جن میں اللہ تعالیٰ کے عدل وانصاف کے بارے میں بات کی گئی ہے؟''

تیمور نے کہا، ''اے شخص، مجھے پورا قرآن حفظ ہے اور میں بخوبی جانتا ہوں کہ کس آیات مبارکہ میں خدا کے عدل وانصاف کا ذکر ہے لیکن اس طرح تو قرآن پاک میں بہت سی ایسی آیات بھی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے علم وفضل کے بارے میں بات کی گئی ہے اور اسی طرح قرآن میں بہت سی ایسی آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے رحم وکرم کا ذکر ہے۔ قرآن پاک کی پہلی آیت ہی ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' ہے۔ جس میں خدا کی دو صفتوں رحمٰن اور رحیم کی بات ہوئی ہے اور میں تجھے قرآن پاک کی ایسی آیات بھی پڑھ کر سنا سکتا ہوں جن میں اللہ تعالیٰ کی ایک اور صفت یعنی ''صفت قہار'' کے بارے میں بات ہوئی ہے تو کیا اس صورت میں یہ نتیجہ نکالنا چاہیے کہ دین کے اصول چھ ہیں۔ اول توحید، دوسرا علم، تیسرا رحم، چوتھا قہر، پانچواں نبوت اور چھٹا معاد؟''

خانقاہ کا بڑا شیخ بولا، ''اے امیر! ہمارے عقیدے کے مطابق دین کے پانچ اصول ہمارے سردار و پیشوا امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اخذ کردہ ہیں اور اگر تُو ان اصولوں کو نہیں مانتا تو اس پر مزید بحث کی ضرورت نہیں۔ ''لکم دینکم ولی دین''

اب تیمور نے کہا، ''اے شخص، ٹھیک ہے ہم اس موضوع کو چھوڑ دیتے ہیں اور کچھ اور بات کرتے ہیں۔ میں نے سُنا ہے کہ تُو خانقاہ کا مذہبی پیشوا ہے اور لوگوں کو رہنمائی فراہم کرتا ہے تو پھر مجھے بتا کہ تُو لوگوں کی کیا رہنمائی کرتا ہے اور وہ تیری رہنمائی سے کیا نتیجہ نکالتے ہیں؟'' خانقاہ کا شیخ بولا، ''اے امیر، انسان کا نفس کبھی مطمئن نہیں ہوتا۔ انسان جتنا بھی کھا، پی یا شہوت رانی میں کثرت سے کام لے، اسی قدر اس کا نفس مزید کی تمنا کرتا ہے لہٰذا انسان کی بدقسمتی اور حقیقت یہ ہے کہ اس کا حریص نفس کبھی مطمئن نہیں ہوگا اور اس کی حرص اور شہوت پرستی کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ میں لوگوں کو اس بات کی رہنمائی کرتا ہوں کہ وہ اپنے نفس پر قابو رکھیں اور یہ کام کم کھانے سے شروع ہوتا ہے۔ جب آدمی کم کھاتا ہے تو وہ کم سوتا ہے۔ اسی طرح کم کھانے کے نتیجے میں اسے دنیا کے مردار کی کم ہی ضرورت رہتی ہے اور یوں انسان کا نفس بھی دنیوی حرص وشہوت کا کم شکار ہوتا ہے۔ میں لوگوں سے کہتا ہوں کہ تم نجات کے راستے میں پہلا جو قدم اٹھاؤ گے وہ لازماً کم خوراک کھانا ہو۔''

تیمور نے کہا، ''مرحبا اے نیک شخص، میں نے یہ بات خود اپنے تجربے میں سچ پائی ہے اور جب بھی میں نے یہ چاہا کہ کم سوؤں اور زیادہ کام کروں تو میں کم کھاتا ہوں۔''

خانقاہ اردبیل کا مذہبی پیشوا بولا، ''اس پہلی رہنما ہدایت کے بعد میں لوگوں کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ وہ گناہ سے بچیں تاکہ ان کے اندر فساد اور بگاڑ کی عادت جڑ نہ پکڑ سکے کیونکہ انسان جس طرح کی روش اپنائے گا اسی طرح اس کا کردار ڈھلتا چلا جائے گا۔ اگر وہ خود کو اس بات پر آمادہ کرے کہ وہ گناہوں سے دُور رہے گا تو اس کا اندر اسی طرح ڈھل جائے گا کہ وہ گناہ کا مرتکب نہ ہو۔ اسی طرح اگر وہ خود کو گناہوں میں آلودہ کر لے گا تو اس کی صورتحال ایسی ہو جائے گی کہ وہ گناہوں کے بغیر زندگی گزار ہی نہیں سکے گا۔ میرے نزدیک تو کم خوری ہی گناہوں سے بچنے اور دُور رہنے کی کنجی ہے۔''

اس پر تیمور بولا، ''اے نیک مرد میں تیری اس بات کی بھی تصدیق کرتا ہوں کیونکہ میں نے یہ بھی تجربہ کر کے سچ پایا ہے کہ جو کوئی چاہتا ہے وہ نجات پائے اسے گناہوں سے دور رہنا چاہیے۔''

اس گفتگو کے بعد تیمور نے خانقاہ کے شیخ سے اس کا نام پوچھا۔ اس نے جواب دیا کہ اس کا نام صدر الدین ہے۔ تیمور نے اس سے پوچھا: ''تیری اور خانقاہ میں رہنے والے دوسرے لوگوں کی روزی روٹی کا وسیلہ کیا ہے؟'' اس نے بتایا: ''بعض لوگوں کو مجھ سے محبت ہے۔ یہ لوگ اپنی دولت وغیرہ کا کچھ حصہ خانقاہ کے لیے وقف کر دیتے ہیں، میں اور خانقاہ میں رہنے والے دیگر درویش اس وسیلے سے اپنی روزی کا سامان کر لیتے ہیں چونکہ ہمارا خرچ زیادہ نہیں اور ہم لوگ قناعت سے زندگی بسر کرنے کے عادی ہو چکے ہیں، اس لیے ہم لوگ محتاجی کے بغیر زندگی بسر کر رہے ہیں۔''

اگرچہ صدر الدین اور خانقاہ کے تمام مشائخ شیعہ تھے مگر تیمور ان کی پاکیزہ باطنی سے بے حد متاثر ہوا اور اس نے اردبیل سے روانہ ہونے سے قبل سلطان احمد کے دیہاتوں میں سے چار دیہات خانقاہ اردبیل کے لیے وقف کر دیئے اور چونکہ مذکورہ دیہات کی آمدنی کافی زیادہ تھی، اس لیے تیمور کو توقع تھی کہ خانقاہ میں رہنے والوں کا زندگی گزارنے کا انداز بہت بہتر ہو جائے گا۔

جب صدر الدین اور اس کے دونوں ساتھی چلے گئے تو تیمور باغ میں ٹہلنے لگا تاکہ باغ کے پھلوں کا نظارہ کر سکے لیکن حیران کن طور پر اسے باغ میں ایک بھی پھل نظر نہ آیا۔ تیمور نے اس کا سبب دریافت کیا کہ باغ میں میوہ دار درخت کیوں نہیں لگائے گئے۔ اسے جواب ملا کہ اردبیل میں پھل والے کسی بھی درخت کو پھل نہیں لگتا۔ حتیٰ کہ پورے شہر میں ایک بھی میوہ دار درخت موجود نہیں تھا۔

اردبیل میں قیام کے دوران تیمور نے دو اور باتیں بھی دیکھیں، ان میں سے ایک ایسا پتھر تھا جو ''سنگ باران (بارش کا پتھر)'' کے نام سے مشہور تھا اور اسے شہر کے باہر رکھا گیا تھا۔ اردبیل کے رہنے والوں نے بتایا کہ اگر اس پتھر کو موسم برسات میں یعنی خزاں سے بہار تک شہر کے باہر سے اندر منتقل کر دیا جائے اور مرکزی چوک میں رکھ دیں تو فوراً بارش شروع ہو جائے گی اور جب اسے دوبارہ شہر سے باہر لے جائیں تو بارش رُک جائے گی۔ اردبیل میں قیام کے دوران تیمور کے سامنے پتھر کو چند ایک مرتبہ باہر سے لا کر مرکزی چوک میں رکھا گیا۔ اس وقت جیسا کہ پہلے ذکر آیا ہے، خزاں کا موسم تھا، جیسے ہی پتھر کو چوک میں رکھا گیا، بارش شروع ہو گئی اور جیسے ہی پتھر کو دوبارہ شہر سے باہر لے جاتے تو بارش رُک جاتی۔ تیمور اس سب کے پیچھے کارفرما حکمت عملی کو قطعاً سمجھ نہ پایا اور شہر کے باشندے بھی اس کی حقیقت بیان کرنے سے قاصر تھے کہ آخر پتھر میں ایسی کیا خاصیت ہے کہ اس کی آمد سے بارش برسنے لگتی ہے اور اس کے واپس چلے جانے سے رُک جاتی ہے۔

دوسری چیز جس نے اردبیل میں تیمور کو حیران کیا وہ یہ تھی کہ ایک روز تومان باشی نصرت التون نے جو کہ اس دستہ کا سردار تھا، جسے سلطان سلیمان نے تیمور کی مدد کے لیے بھیجا تھا، تیمور کو آدھی رات کے وقت اطلاع دی کہ اس کی فوجی چھاؤنی پر بہت خوفناک بڑے بڑے چوہوں نے حملہ کر دیا ہے۔ اس نے ان میں سے کچھ چوہے تیمور کے پاس بھی بھجوائے تاکہ اسے اندازہ ہو سکے کہ وہ کس قسم کے خوفناک چوہے تھے جنہوں نے نصرت التون کی چھاؤنی پر حملہ کیا تھا۔ نصرت التون یہ کہنے میں حق بجانب تھا کہ وہ چوہے خوفناک ہیں کیونکہ ہر چوہا کسی بلی کے بچے جتنا بڑا تھا۔

تیمور کو حیرت اس بات کی ہوئی کہ ان خوفناک چوہوں نے نصرت التون کی لشکرگاہ پر حملہ کیا تھا مگر جہاں تیمور اپنی بقیہ فوج کے ساتھ ٹھہرا ہوا

تھا، اس طرف وہ حملہ آور نہ ہوئے تھے۔ یہ بات اگلی صبح تک بھی واضح نہ ہو سکی تاہم جب دن نکل آیا تو اردبیل کے لوگوں نے تیمور کو اصل حقیقت سے آگاہ کیا کہ آخر ان خوفناک چوہوں نے نصرت التون کی لشکر گاہ کو کیوں نشانہ بنایا تھا۔ دراصل رومی سپاہیوں کی دوران جنگ خوراک پکی ہوئی گندم پر مشتمل ہوتی تھی جو کچھ اس طرح تیار کی جاتی تھی کہ سفر پر نکلنے سے پہلے گندم کو پکا کر دہی اور پانی کے آمیزے (یعنی لسی) میں بگو دیتے تھے اور اس پر ایک جنگلی بوٹی چھڑک دی جاتی تھی تا کہ وہ خوشبودار ہو جائے۔ جب یہ گندم لسی میں اچھی طرح مل جاتی تو لیس دار ہو جاتی اور وہ اسے گندم کے گولوں کی شکل دے لیتے جو ایک کوفتہ کے حجم کے برابر ہوتے۔ گندم کے دانے باہم مل جاتے اور ان گولوں کو خشک ہونے کے لیے رکھ دیا جاتا۔

اس کے بعد وہ ان گولوں کو تھیلوں میں ڈال لیتے اور فوج کے ساتھ لے جاتے۔ جب یہ سپاہی کہیں قیام کرتے تو اس پہلے سے تیار شدہ خوراک کو برتنوں میں ڈال کر اُبال لیتے اور یہ جلدی سے ایک گرما گرم لذیز کھانے کی شکل میں سپاہیوں کے سامنے حاضر ہو جاتی۔ یہاں صرف ایک بات تھی جس سے رومی سپاہی بے خبر تھے اور وہ یہ کہ وہ اس غذا کی تیاری کے لیے جو خوشبودار جنگلی بوٹی چھڑکتے تھے وہ اردبیل کے چوہوں کو اپنی طرف کھینچتی تھی۔ اردبیل کے باشندے اسی وجہ سے اس بوٹی کا استعمال نہ کرتے تھے اور یہ بوٹی اردبیل کے عطاروں اور دوافروشوں کی دکانوں پر نہیں ملتی تھی کیونکہ ہر کوئی یہ بات جانتا تھا کہ اگر اس بوٹی کو گھر یا دکان میں رکھا گیا تو وہ گھر یا دکان چوہوں کے حملے کا نشانہ بن جائے گی۔

اس رات رومی فوجی ان خوفناک چوہوں سے ساری رات لڑتے اور انہیں مارتے رہے مگر پھر بھی وہ ان چوہوں کی فوج ظفر موج کو نہ روک سکے جو قطار در قطار ان پر حملے کر رہے تھے۔ جب صبح طلوع ہوئی تو چوہے خود بخود ان کی لشکر گاہ سے بھاگ گئے کیونکہ چوہے دن کی روشنی سے خوف کھاتے ہیں، مگر جانے سے پہلے وہ رومی سپاہیوں کی خوراک کا ذخیرہ پوری طرح چٹ کر گئے تھے اور یوں نصرت التون کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ بچا کہ وہ اپنے سپاہیوں کے لیے مقامی لوگوں سے اشیائے خوردنی خرید لے۔

موسم سرما کی آمد آمد تھی اور تیمور بائی زان تیوم فتح کرنے کی خاطر واپس روم لوٹ سکتا تھا۔ تیمور کو بتایا گیا تھا کہ آذربائیجان اور روم میں موسم سرما انتہائی سرد ہوتا ہے جس سے فوجی نقل و حمل بالکل معطل ہو کر رہ جاتی ہے۔ لہٰذا معقول بات یہی تھی کہ تیمور جس قدر جلد ممکن ہوتا واپس وطن پہنچ جاتا اور موسم سرما ماوراءالنہر میں گزار کر بہار کے موسم میں بائی زان تیوم کا رُخ کرتا۔

بائی زان تیوم پر حملے کو ملتوی کرنے کا ایک فائدہ یہ بھی تھا کہ اس وقت تک وہ بحری جہاز بھی پہنچ جاتے جو تیمور نے بادشاہ فرانس سے منگوائے تھے اور ان کے علاوہ روم کی بندرگاہ پر تیمور کے حکم سے تیار کیے جانے والے بحری جہاز بھی مکمل ہو جاتے۔ چنانچہ تمام مطلوبہ جہازوں کے حاصل ہو جانے کے بعد تیمور بائی زان تیوم پر بھرپور حملہ کر سکتا تھا۔ تیمور نے سلطان سلیمان کو خط لکھ کر ہدایت کی کہ جہازوں کی تیاری کے اس کام سے ہرگز غافل نہ ہو جسے اس کے باپ نے تیمور کے حکم پر شروع کروایا تھا اور جس کے تحت موسم بہار تک جہازوں کی تیاری کا کام مکمل ہونا تھا۔

اس کے بعد تیمور نے نصرت التون اور اس کے سپاہیوں کو رخصت کر دیا (کیونکہ اب اسے ان کی مزید ضرورت نہ تھی) تا کہ وہ سردیوں کی آمد سے قبل روم پہنچ جائیں۔ تیمور نے نصرت التون کے ہر سپاہی کو بطور اضافی اجرت تین دینار عطا کیے اور ان کے سردار نصرت التون کو تین سو دینار۔ پھر تیمور اپنی فوج کے ساتھ قزوین اور رے کی طرف روانہ ہو گیا۔ شہر رے پہنچ کر تیمور نے وہاں موسم خزاں کو اس قدر خوشگوار پایا کہ اگرچہ اسے واپس

وطن پہنچنے کی جلدی تھی مگر اس نے وہاں دو دن قیام کا فیصلہ کر لیا۔ تیمور جب شہر رے سے خراسان کی طرف روانہ ہوا تو اس کا ہراول دستہ جس کے ذمہ ان کے لیے اشیائے خوراک، چارہ اور دیگر ضروری اشیاء کی قبل از وقت فراہمی تھا، نیشاپور کے ویرانے سے گزر کر طوس کی طرف بڑھ چکا تھا۔

جس روز تیمور سبزوار سے گزر رہا تھا تو وہاں کٹے ہوئے سروں کے بچے کھچے مینار جو تیمور نے بنوائے تھے، ابھی تک نظر آرہے تھے۔ تیمور کو معلوم تھا کہ جب تک مقتولوں کی کھوپڑیوں کی ہڈیاں باقی ہیں، سبزوار میں کوئی بھی اس کے خلاف بغاوت کرنے کی جرأت نہ کر سکے گا۔

جب تیمور طوس پہنچا تو اسے وہ شہر ویران دکھائی دیا اور لوگ ملبے کے نیچے سے لاشیں نکالنے میں مصروف تھے۔ تیمور سمجھ گیا کہ اس کے وہاں پہنچنے سے قبل شدید زلزلہ آیا ہے جس نے رات کے وقت سوتے ہوئے شہر کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔ چونکہ اکثر لوگ سو رہے تھے لہٰذا ان کی اکثریت ملبے تلے دب کر ہلاک ہو گئی تھی۔

تیمور نے اپنے ایک سردار اور طوس کے دو مقامی نمائندوں کو یہ ذمہ داری سونپی کہ وہ طوس میں گھروں کی دوبارہ تعمیر کی نگرانی کریں۔ اس نے ہدایت کی کہ آس پاس کے دیہات سے مزدور اور سامان تعمیر حاصل کیا جائے اور ان کو تیمور کے خزانے سے ادائیگیاں کی جائیں تا کہ لوگوں کے گھر جلد از جلد دوبارہ تعمیر ہو سکیں۔

اس لمحے تیمور کو احساس ہوا کہ اس کے صحرا میں زیادہ قیام کرنے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ وہ زلزلے کی مصیبت سے محفوظ رہتا ہے۔ چونکہ تیمور کا ٹھکانہ مستقل طور پر صحرا ہوتا اور وہ صحرا میں خیمے تلے رہتا تھا، لہٰذا اگر زلزلہ آ بھی جاتا تو وہ ہلاکت سے بچا رہتا۔

اس وقت تک تیمور کے وطن یعنی شہر کیش کی تعمیر مکمل ہو چکی تھی۔ جیسا کہ پہلے ذکر آیا ہے، تیمور نے دنیا بھر کے سلاطین کو شہر کیش آنے اور اس خوبصورت شہر کا نظارہ دیکھنے کی دعوت دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ تیمور نے بیالیس سلاطین کو جن میں چین کے بادشاہ کے سوا سبھی تیمور کے باج گزار تھے، دعوت نامے ارسال کیے کہ وہ دو سال کے عرصہ کے دوران موسم بہار میں آ کر شہر کیش دیکھیں۔

تیمور نے یہ دعوتی خطوط دو سال پہلے اس خاطر بھجوائے تھے تا کہ اس وقت تک مذکورہ سلاطین ضروری امور سے فراغت حاصل کر لیں اور شہر کیش کی طرف مناسب وقت پر نکل کھڑے ہوں اور جب شہر کیش پہنچیں تو عین موسم بہار عروج پر ہو۔ موسم بہار شہر کیش کا بہترین موسم تھا۔ تمام سلاطین نے تیمور کی دعوت قبول کر لی اور جواباً خطوط ارسال کیے کہ وہ مقررہ وقت پر پہنچ جائیں گے۔

تیمور کے خط کے جواب میں چین کے بادشاہ نے تیمور کو ایک جوابی خط لکھا جس میں اس نے یوں تحریر کیا:

''تیمور بیگ...... جو خود کو اس سے بڑھ کر بتاتا ہے جو وہ اصل میں ہے، یہ جان لے کہ میں مملکت چین کا بادشاہ ہوں جو جابلقا سے جابلسا تک پھیلا ہوا ہے۔ میرے ملک میں بے شمار کسان ہیں جن کی تعداد صحرا کی ریت کے ذروں اور سمندر میں مچھلیوں کی تعداد سے زیادہ ہے۔ جب میری فوج حرکت میں آتی ہے تو زمین کانپ اٹھتی ہے۔ اگر پہاڑوں کے پیر ہوتے تو وہ میری فوج کی ہیبت سے بھاگ کھڑے ہوتے۔

تیری یہ جرأت کیسے ہوئی کہ مجھ ایسے بادشاہ کو یہ دعوت دے کہ وہ ان چند اینٹ پتھروں کو دیکھنے تیرے ملک میں آئے جو تُو نے وہاں اوپر تلے جمع کیے ہیں؟

میں اس قدر عظیم ہوں کہ جب دنیا کے سلاطین میرے سامنے آتے ہیں تو انہیں دس بار جھک کر فرشی سلام کرنا پڑتا ہے، پھر جا کر میں انہیں اپنے تخت کے پایوں تک پہنچنے کی اجازت دیتا ہوں۔

چند اینٹ پتھر باہم جوڑ کر تُو پھولے نہ سمایا اور سمجھا کہ تُو نے کوئی بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے، اگر تو ملک چین آ کر وہ دیواریں دیکھے جو میرے آباؤ اجداد نے تعمیر کروائی ہیں تو تجھے پتہ چلے گا کہ یہ دیواریں ہزاروں میل لمبی ہیں۔ انہیں دیکھ کر تُو حیرت سے ناخن چبانے لگے گا!

تیمور بیگ، میرے ملک کے سردار تجھ سے کہیں زیادہ طاقتور اور زیادہ مال دار ہیں جس دن تو میرے کسی ایک سردار کے برابر دولت قوت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تو اس روز میں تجھے اجازت دے دوں گا کہ تُو مجھے اپنے وطن آنے کی دعوت دے اور جب تک تُو اس مرتبے تک نہیں پہنچتا تو تیرے لیے یہی بہتر ہے کہ تُو خود کو میرے چاکروں میں شمار کرے اور کبھی اپنی اوقات سے تجاوز کرنے کا سوچنا بھی نہیں۔''

جیسے ہی تیمور کو یہ خط ملا تو چونکہ دنیا بھر کے بادشاہوں کے کیش پہنچنے میں ابھی دو سال تھے، اس لیے تیمور نے پختہ ارادہ کر لیا کہ وہ چین جائے گا اور چین کے بادشاہ پر یہ بات ثابت کر دے گا کہ وہ اس سے برتر ہے۔

تیمور نے چین کے بادشاہ سے جنگ کے لیے فوج تیار کی اور چین کی طرف نکل کھڑا ہوا لیکن ابھی چین کے راستے میں ہی تھا کہ اس پر سکتہ طاری ہو گیا (بالکل ویسا ہی جیسا کہ اس نے خواب میں دیکھا تھا اور جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے) وہ سات روز تک بستر پر رہا اور ساتویں دن اس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی اور یوں اس عظیم فاتح اور جرنیل کی حیرت انگیز زندگی کا باب مکمل ہو گیا۔ تیمور کی لاش سمرقند پہنچا دی گئی اور اسی قبر میں دفنا دی گئی جو تیمور نے موت سے قبل اپنے لیے تیار کروائی تھی۔

امیر تیمور کے بارے میں سلطانیہ کے لاٹ پادری کی یادداشتیں

تیمور کی سرگزشت میں سلطانیہ کے لاٹ پادری کا ذکر آیا ہے جسے اس نے سفیر کے طور پر فرانس کے بادشاہ کے پاس بھیجا تھا تاکہ وہ فرانس کے بادشاہ کو یہ درخواست کرے کہ وہ تیمور کے لیے بحری جہاز بھجوائے۔ سلطانیہ کے اس بڑے پادری نے امیر تیمور کے بارے میں کچھ یادداشتیں لکھی ہیں جو اب پیرس کی نیشنل لائبریری میں محفوظ ہیں۔ ان یادداشتوں کو یہاں نقل کیا جا رہا ہے۔

❀.......❀.......❀

اس کا نام تیمور بیگ ہے۔ تیمور کے معنی لوہے کے اور بیگ کا مطلب "امیر" یا سردار ہیں۔ اس کے دشمن اسے "تیمور لنگڑا" کہہ کر پکارتے ہیں کیونکہ وہ ایک ٹانگ سے لنگڑاتا تھا۔ ایران میں اسے "میر تاباں" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جس کا مطلب ہے "حکم دینے والا، امیر"

امیر تیمور کے بہت سے بیٹے تھے، تاہم اس وقت اس کے صرف دو بیٹے زندہ ہیں۔ ایک میران شاہ ہے جو اس وقت چالیس سال کا ہے اور دوسرا شاہ رخ ہے جس کی عمر بائیس سال ہے۔ امیر تیمور کے باقی سب بیٹے یا تو جنگوں میں مارے گئے یا بیماری کی وجہ سے مر گئے۔

میران شاہ کی چار بیویاں اور چار ہی بیٹے ہیں۔ اس کے بیٹے بڑے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے پاس بیس سے تیس ہزار سپاہی ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ گویا بادشاہ ہے، تاہم وہ سب اپنے دادا امیر تیمور سے ڈرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ اگر انہوں نے اپنے دادا کے احکامات کی خلاف ورزی کی تو انہیں کوئی سزا سے نہ بچا سکے گا۔

اگرچہ تیمور بیگ اب خاصا بوڑھا ہو چکا ہے مگر آج بھی بے حد مضبوط اور قوی ہے۔ وہ سفر کرنے یا جنگوں سے کبھی نہیں تھکتا اور اپنے دن رات صحرا میں بسر کرتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ تیمور بیگ اپنی جوانی میں انتہائی حسین و جمیل تھا۔ آج بھی اسے دیکھنے والے اس بات کو سچ تسلیم کریں گے۔ امیر تیمور اس قدر صاحب ثروت ہے کہ وہ پوری دنیا کو سونے کے سکوں سے ڈھک سکتا ہے۔ اس کے ذاتی باورچی خانے اور باورچی کے معمولات کا خرچ ہی پانچ ہزار سونے کے سکے روزانہ ہے۔

اس کی سلطنت اس قدر وسیع ہے کہ اگر کوئی سفر کرنے والا مشرق سے سفر شروع کرے تو شاید پورے ایک سال میں بھی اس کی سلطنت

کے دوسرے سرے تک نہ پہنچ سکے۔ اس کے زیر قبضہ تمام علاقوں میں تمام مسافروں اور قافلوں کو مکمل تحفظ حاصل ہے اور وہ بے خوف وخطر سفر کر سکتے ہیں۔ اگر امیر تیمور کی سلطنت کے کسی حصے میں کوئی قافلہ یا مسافر ڈاکوؤں کے حملے کا نشانہ بن جائے تو امیر تیمور کے حکم سے اس خطہ کے امیر کا سر قلم کر دیا جاتا ہے۔ امیر تیمور کا ماننا ہے کہ جب تک کسی خطہ کا امیر ڈاکوؤں سے نہ ملا ہو، وہ کسی قافلے کو حملے کا نشانہ بنانے کی جرأت نہیں کر سکتے۔

امیر تیمور نے جس دن سے طاقت حاصل کی ہے، اس دن سے لے کر آج تک وہ ہر جنگ میں فاتح بن کر کامیاب لوٹا ہے۔ آج تک کوئی بادشاہ یا کوئی قلعہ اس کے سامنے مزاحمت قائم نہیں رکھ سکا۔

پوری دنیا میں اس شخص (تیمور) سے زیادہ بے رحم کوئی نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر اس کے سامنے لاکھوں مرد، عورتیں اور بچے ذبح کر دیے جائیں تب بھی اس پر کوئی اثر نہ ہوگا۔ متعدد بار ایسا ہوا کہ اس نے کسی شہر کو فتح کرنے کے بعد اس کے تمام مرد و زن حتیٰ کہ پیدا ہونے والے آخری بچے تک کو ذبح کرا دیا اور اس ضمن میں عورتوں یا سو سال کے بوڑھوں پر بھی رحم نہ کیا تاہم تیمور لنگ دین اسلام کے احکام کے اجراء میں بظاہر بڑا پابند ہے۔ وہ ہر روز پنجگانہ نماز ادا کرتا اور ماہ رمضان میں روزے رکھتا ہے۔ میں نے اسے کبھی شراب پیتے نہیں دیکھا، اگرچہ میں نے سنا ہے کہ وہ کبھی کبھار ڈھکے چھپے میخواری کر لیتا ہے۔

اگر تیمور بیگ چاہے تو دس لاکھ سے زیادہ کی فوج جمع کر سکتا ہے۔ اس کے جنگی گھوڑوں کی تعداد جو سبزہ زاروں میں چرتے رہتے ہیں، بیس لاکھ سے زیادہ ہے اور اس کے اونٹوں کی تعداد بھی ناقابل شمار ہے۔ جب سے اس نے ہندوستان کو اپنی قلمرو میں شامل کیا ہے تو اس کے پاس ہمیشہ پچاس سے سو ہاتھیوں کا قافلہ بھی موجود رہتا ہے تاہم یہ ہاتھی زیادہ تر تقریبات اور شان وشوکت کے اظہار کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔

تیمور بیگ فارسی، عربی اور ترک زبانوں پر عبور رکھتا ہے۔ وہ قرآن پاک کے علم اور اسلامی فقہ کے بارے میں اس قدر عبور رکھتا ہے کہ کوئی بھی مسلمان عالم اس سے بحث نہیں کر سکتا۔

تیمور بیگ کے محلات کی تعداد دو سو سے زیادہ ہے۔ سمرقند میں اس کے اٹھارہ محل ہیں، کیش میں بیس، بغداد میں پندرہ، اصفہان میں بارہ اور شیراز میں سات ہیں۔ جب اس نے بغداد کو فتح کیا تو وہاں اسے ایک سونے کا درخت ملا جس کے تمام پتے جواہرات سے بنے ہوئے تھے۔ اس سونے کے درخت اور اس پر جڑے جواہرات کی قیمت کا اندازہ لگانا کسی کے بس کی بات نہ تھی۔

اپنے سپاہیوں کی طرح تیمور بیگ خود بھی جنگی لباس زیب تن کرتا اور جنگوں میں حصہ لیتا اور موت سے ہرگز نہ ڈرتا ہے۔ اگرچہ اس نے جنگوں میں بے شمار انتہائی مہلک زخم کھائے ہیں اور بعض دفعہ موت کے دھانے تک پہنچ چکا ہے مگر پھر بھی اسے کوئی خوف نہیں اور وہ ذاتی طور پر جنگوں میں شریک ہوتا ہے۔

اس کی نظر میں جنگ کے دوران کسی فرد کا مرتبہ یا عہدہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا، چنانچہ وہ بڑے بڑے سرداروں کے سر کاٹنے اور پیٹ پھاڑنے کا حکم یوں صادر کرتا ہے جیسے وہ بہت معمولی ہوں۔ اس کے نزدیک صرف عالموں اور شاعروں کی قدر و قیمت ہے اور وہ انہی دو مراتب پر پورے اترنے والوں کو احترام کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ خود پڑھا لکھا اور دانش مند ہے۔

جس روز سے میں امیر تیمور سے ملا ہوں، میں نے دیکھا ہے کہ وہ مستقل طور پر صحرا میں رہتا اور خیمے میں سوتا ہے۔ میرے خیال سے اس کے مستقل طور پر صحرا میں رہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے سپاہیوں کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ وہ کسی شہر میں رہ نہیں سکتے۔

تیمور بیگ فرش پر کھانا کھاتا اور فرش پر ہی سو جاتا ہے۔ اسے میز کے سامنے بیٹھ کر کھانا کھانے کی عادت نہیں ہے۔ اس کا کھانا بعض اوقات چاولوں پر اور بعض اوقات دہی پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اسے پھلوں کے رس یا دودھ میں شہد ڈال کر پینا بھی پسند ہے۔ جشن و تقریبات میں وہ بھنا ہوا گھوڑے کے بچھڑے کا گوشت بھی کھانا پسند کرتا ہے۔ گھوڑے کے بچھڑے کے کباب اہل خوارزم کی پسندیدہ غذا ہے۔

کھانا لگاتے ہوئے خیمے کے اندر ایک بڑا دستر خوان بچھایا جاتا ہے جس کے پانچ کونے ہوتے ہیں۔ امیر تیمور اس دستر خوان کے درمیانی کونے کے سامنے بیٹھ جاتا ہے اور دوسرے یعنی اس کے بیٹے، پوتے اور سردار اس طرح بیٹھتے ہیں کہ ان کے اور امیر تیمور کے درمیان چند فٹ کا فاصلہ ہوتا ہے۔

اس دستر خوان پر سجے تمام برتن خالص سونے کے بنے ہوتے ہیں۔ کھانے کے دوران کسی کو اس وقت تک بولنے کی اجازت نہیں جب تک کہ تیمور بیگ خود اسے مخاطب نہ کرے۔

اگر تیمور بیگ کے ساتھ کوئی عیسائی مہمان کھانے میں شریک ہو تو وہ اسے کھانے کے ساتھ شراب پینے کی اجازت دے دیتا ہے تاہم خود ایسا نہیں کرتا۔ اس کے بیٹوں، پوتوں اور سرداروں کے لیے بھی شراب نوشی ممنوع ہے۔

امیر تیمور کے سپاہیوں جیسا نظم وضبط دنیا کی کسی اور فوج کے یہاں نہیں پایا جاتا۔ امیر تیمور کی فوج کے عہدیداروں کی ترتیب کچھ یوں ہے کہ: دس سپاہیوں کا سردار اون باشی کہلاتا ہے، سو سپاہیوں کا سردار اوزے باشی، ہزار سپاہیوں کا سردار مین باشی اور دس ہزار سپاہیوں کا سردار تومان باشی کہلاتا ہے۔

اگر ایک مین باشی جو ایک ہزار سپاہیوں کا سردار ہوتا ہے، یہ حکم دے کہ اس کے تمام سپاہی آگ میں کود جائیں تو وہ سب کے سب بلا جھجک اس کا حکم بجا لائیں گے کیونکہ ہر سپاہی یہ بخوبی جانتا ہے کہ اگر اس نے اپنے سردار کا حکم نہ مانا تو اسے زندہ کھال کھنچوا کر قتل کر دیا جائے گا۔ امیر تیمور کی فوج میں اس قدر سخت نظم وضبط قائم ہے کہ اگر کسی سپاہی سے کوئی غلطی ہو جائے تو وہ اپنے چاقو سے ہی اپنی شاہ رگ کاٹ کر خودکشی کر لیتا ہے تاکہ ان سخت سزاؤں سے بچ جائے جو اس غلطی کی وجہ سے اسے بھگتنا پڑتیں۔

جب تیمور بیگ کسی شہر کے باشندوں کے قتل عام اور وہاں لوٹ مار کے احکامات جاری کرتا ہے تو اس کے لیے وہ ایک سیاہ پرچم لہرا دیتا ہے۔ جب تیمور بیگ کا سیاہ پرچم کسی شہر میں لہرا دیا جاتا ہے تو وہ شہر تاریخ کے صفحات سے مٹ جاتا ہے۔

جب تیمور بیگ روم گیا تو اس نے اس شہر کا محاصرہ کر لیا جو آرمینستان اور انگوریہ (موجودہ انقرہ) کے درمیان واقع ہے۔ تیمور نے اس شہر کو فتح کرنے کے بعد اس شہر کے تمام باشندوں کو کنوؤں میں پھنکوا دیا اور وہ سب کے سب زندہ ان کنوؤں میں دفن ہو گئے۔

البتہ جو شہر تیمور بیگ کے سامنے مزاحمت کیے بغیر تسلیم ہو جاتے تو وہاں لوگوں کا جان و مال اور عزت و آبرو محفوظ رہتی۔ ایسے شہروں میں

اگر تیمور کا کوئی سپاہی کسی عورت پر ہاتھ ڈالتا یا کسی کے مال اسباب پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتا تو امیر تیمور اس سپاہی اور اس کے کمانڈر کی گردن اُتارنے کا حکم جاری کر دیتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ امیر تیمور جس شہر کا محاصرہ کرتا ہے وہ اکثر اوقات از خود تسلیم ہو جاتا ہے، ماسوائے ان شہروں کے جن کے سلطان امیر تیمور کے باج گزار نہیں بننا چاہتے۔

امیر تیمور کو دنیا کا طاقتور ترین حکمران بنانے والی ایک چیز بارود کا استعمال ہے۔ امیر تیمور یہ جانتا ہے کہ بارود کیسے تیار کیا جاتا ہے اور وہ تمام بڑی جنگوں میں بارود کی تیاری کے لیے درکار اشیاء ساتھ لے کر چلتا ہے۔ پھر وہ جس قلعے کو فتح کرنا چاہتا ہے اس کے نزدیک بارود تیار کراتا ہے اور پھر قلعے کی دیوار کے نیچے بارود رکھ کر اسے تباہ کر دیتا ہے۔

میرا نہیں خیال کہ دنیا میں کبھی کوئی شخص امیر تیمور سے بڑھ کر بے رحم گزرا ہے اور شاید اس کے بعد بھی کوئی اس جیسا نہ ہوگا۔ جب اس نے دمشق کا محاصرہ کیا تو اس نے شہر کے باشندوں کو پیغام بھیج کر خبردار کیا کہ وہ اس کے سپاہیوں کے لیے شہر کے دروازے کھول دیں اور تسلیم ہو جائیں یا پھر قتل عام کے لیے تیار رہیں۔

اس شہر کے باشندوں میں از خود تسلیم ہو جانے کی قوت نہ تھی کیونکہ انہیں شہر کے گورنر تو تول حمزہ کا ڈر تھا لیکن اگرچہ تو تول حمزہ کے پاس بڑی جنگی گاڑیاں تھیں، وہ تیمور بیگ کو محاصرہ اٹھانے پر مجبور نہ کر سکا۔ تیمور بیگ نے بارود کی مدد سے شہر کی فصیل اُڑا دی اور شہر میں داخل ہو گیا۔ مسجد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے اسلام کے عظیم دانشور نظام الدین شامی نے تیمور بیگ سے التجا کی کہ شہر کے باشندوں کے قتل عام کا حکم جاری نہ کرے، مگر ناکام رہا۔ تیمور بیگ نے جواب دیا، ''اگر تُو اہل علم لوگوں میں سے نہ ہوتا تو میں تیری بھی کھال کھنچوا دیتا!'' اس نے دمشق میں اس قدر لوگوں کو قتل کروایا کہ شہر میں چند اہل علم، شاعروں اور ہنرمندوں کے سوا کوئی زندہ باقی نہ رہا۔ اس نے دو ہزار اونٹوں پر دمشق سے حاصل ہونے والا سونا چاندی، جواہرات، زربفت کے کپڑے اور قیمتی قالین لاد کر اپنے وطن ماوراء النہر روانہ کیے۔ اسی بے رحم اور خون کے پیاسے شخص نے دمشق میں ہی اسلامی دانشوروں کی عظیم مجلس مشاورت بلائی تاکہ قرآن پاک کے بارے میں بحث مباحثہ کرا سکے۔

تیمور بیگ کو دھوکہ دے کر بچ رہنے والا واحد شخص تاتارستان کا بادشاہ ادیگ بے تھا۔ تیمور بیگ اپنے بیٹے کے لیے لڑکی حاصل کرنے کا خواہشمند تھا اور اس نے تاتارستان میں اپنا ایک ایلچی بھیجا اور ادیگ بے سے اپنے بیٹے کے لیے اس کی بیٹی کا ہاتھ مانگا۔

ادیگ بے نے کہا، ''میں اپنی بیٹی تیمور بیگ کے بیٹے کو دینے پر تیار ہوں مگر میرے پاس مال و دولت نہیں اور میں اسے جہیز فراہم نہیں کر سکتا جو تیمور بیگ جیسے بادشاہ کے شایانِ شان ہو۔ اگر میں اپنی بیٹی کو جہیز کے بغیر ماوراء النہر روانہ کر دوں تو اس سے مجھے شدید ندامت ہوگی۔'' تیمور بیگ نے جواب دیا، ''میں خود تیری بیٹی کا جہیز فراہم کروں گا اور میں اسے تیرے پاس روانہ کروں گا تاکہ تُو اسے واپس ماوراء النہر روانہ کر سکے اور اس کے ساتھ اپنی بیٹی کو بھی رخصت کر دے۔ ہر کوئی یہی سمجھے گا کہ تُو نے یہ جہیز از خود فراہم کیا ہے اور اس سے تیری آبرو بھی رہ جائے گی۔''

چنانچہ تیمور بیگ نے پچیس اونٹ سونے چاندی، جواہر، پارچہ جات اور ریشمی شالوں سے لاد کر اپنے آٹھ تجربہ کار سرداروں کے زیرِ نگرانی ادیگ بے کی طرف روانہ کر دیے تاکہ وہ اس کے بیٹے کے لیے ادیگ بے کی بیٹی کو لے آئیں۔

تیمور کے سردار اس سامان کے ساتھ تاتارستان کے دارالحکومت سوداک کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب یہ مال وزر سے لدا قافلہ تاتارستان پہنچا تو ادیگ بے نے تیمور بیگ کے سرداروں کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا۔ سارے مال وزر پر قبضہ کر لیا اور اپنی بیٹی کو بھی نہ بھیجا۔ اب تیمور بیگ اپنے قیمتی مال وزر کو واپس لے سکتا تھا اور نہ ہی اپنے ان سرداروں کو چھڑا سکتا تھا جو تاتارستان کی قید میں تھے۔ میں نے تیمور کو یہ کہتے سنا ہے، ''آج تک کوئی مجھے اس طرح دھوکہ نہیں دے سکا جیسے کہ ادیگ بے نے مجھے دھوکہ دیا ہے۔''

تیمور بیگ کے دربار جیسی شان وشوکت بھی کسی دوسرے بادشاہ کے دربار میں نہ تھی۔ ایک چیز جو تیمور بیگ کے دربار کو مزید پرشکوہ بنا دیتی ہے وہ تیمور بیگ کے دربار میں ''گروی شدہ'' لوگوں کی موجودگی ہے جو اپنے خوبصورت علاقائی لباسوں میں ہوتے ہیں۔ یہ تیمور بیگ کی روایت تھی کہ وہ ان امیروں کے بیٹوں یا بھائیوں کو بطور ضمانت اپنے پاس رکھ لیتا جو اس کے باج گزار ہوتے۔ یہ لوگ تیمور بیگ کے دربار میں ہی رہتے اور کوئی بھی انہیں روک ٹوک نہ کرتا۔ ان شہزادوں اور امیرزادوں میں سے ہر ایک تیمور بیگ کے مقام میں خاص دربار رکھتا ہے۔

تیمور بیگ کے دربار میں ہندوستان، ایران، شام اور روم (ترکی) سمیت بہت سے سلاطین اور امراء کے ضمانتی رشتے دار موجود ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ لوگ تیمور بیگ کے لیے جنگ میں شریک ہوتے اور حتیٰ کہ قتل بھی ہو جاتے۔

تیمور بیگ بڑے بڑے شہروں مثلاً اصفہان، بغداد اور دمشق وغیرہ سے مال غنیمت کے ضمن میں ملنے والی دولت کے علاوہ ان ملکوں سے جو اس کی زیر سلطنت تھے، بادشاہوں اور حکام کی مجموعی آمدنی کا دسواں حصہ بھی وصول کرتا ہے اور اس آمدنی سے اپنے سپاہیوں کی تنخواہیں ادا کرتا ہے۔

تیمور بیگ کے تمام سرداروں اور سپاہیوں کو اس سے تنخواہ ملتی ہے اور اگر تیمور بیگ کو یہ پتا چلے کہ اس کے کسی سردار یا سپاہی نے کسی دکاندار یا آدمی سے کوئی چیز زبردستی لی ہے اور اس کی قیمت نہیں دی تو وہ اس کے قتل کے احکامات جاری کر دیتا ہے۔

تیمور بیگ کو اپنے دین پر کامل یقین ہے اور دن میں پانچوں وقت خواہ وہ دنیا کے کسی بھی کونے میں ہو، نماز ضرور ادا کرتا ہے۔ اس نے اپنے لیے ایک خاص مسجد تیار کرا رکھی ہے، جس کے حصے اٹھا کر کہیں بھی لے جائے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ اس کی فوج جہاں بھی پڑاؤ ڈالتی ہے ان حصوں کو باہم ملا دیا جاتا ہے اور پھر اس مسجد میں تیمور بیگ نماز ادا کرتا ہے۔

تیمور بیگ شراب نوشی نہیں کرتا اور ہر اس چیز سے دُور رہتا ہے جو دین اسلام کے خلاف ہو۔ اگرچہ وہ ان تمام چیزوں سے بچتا ہے جن کا شمار دین اسلام کی منع کردہ چیزوں میں ہوتا ہے تاہم شراب نوشی اور بازاری عورتوں کے معاملے میں اتنا سخت گیر نہیں ہے۔ البتہ قوم لوط والے گناہ (اغلام) سے سخت متنفر ہے اور جو کوئی اس کا ارتکاب کرے اسے وہ فوراً قتل کرا دیتا ہے۔

تیمور بیگ کو شیشے کے برتن پسند ہیں۔ بلکہ یہ کہنا مناسب ہے کہ اسے شیشے کے گلاس میں پانی پینے کا چسکا ہے۔ وہ کھانے میں حد سے بڑھا ہوا نہیں ہے اور اعتدال سے کھانا کھاتا ہے۔ اسے غذا میں بالخصوص چاولوں میں زعفران کا استعمال پسند ہے۔

تیمور بیگ کے بائیں پاؤں میں لنگڑا پن ہے اور دنیا کا کوئی بھی طبیب اس کے بائیں پاؤں کا علاج نہیں کر سکا جو ایک جنگ میں زخمی ہو گیا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے پاؤں کے پٹھے کٹ گئے ہیں، اگرچہ تیمور بیگ بائیں پاؤں سے لنگڑاتا ہے اور بوڑھا ہو چکا ہے، پھر بھی چست و

توانا ہے اوراس کے جسم میں معمولی سی سستی یا کاہلی دکھائی نہیں دیتی۔ البتہ اس کے سر کے بال کسی قدر سفید ہو چکے ہیں۔

دنیا میں شاید ہی کوئی شخص تیمور بیگ سے بہتر حافظے کا مالک ہو، اس کی کامیابی کے عوامل میں سے ایک اس کا قوی حافظہ بھی ہے۔ اگر وہ صبح سے شام تک اپنے ایک سو سرداروں کو بلائے اور ان میں سے ہر ایک کو مختلف احکامات جاری کرے تو اسے اپنے وہ تمام احکامات حرف بہ حرف یاد ہوں گے اور وہ بخوبی جانتا ہوگا کہ کس کس موقع پر اس نے کیا احکامات جاری کیے تھے۔ اگر کوئی کسی کام کے کرنے پر مامور ہوا ہے اور مقررہ وقت پر اسے انجام نہ دے سکا تو قتل کر دیا جائے گا اور یہ بات ہر اس شخص کو پتا ہے جو تیمور بیگ کے آس پاس رہتا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ اگر انہوں نے احکامات مان کر انہیں وقت پر پورا نہ کیا تو ان کی موت یقینی ہے لیکن اگر وہ فرمان حاصل کرنے کے دوران مشکلات کا ذکر کریں اور زیادہ مہلت چاہیں تو تیمور بیگ انہیں مہلت دے دیتا ہے کیونکہ ہر کسی کو پتا ہے کہ تیمور بیگ کسی کام کے مقررہ وقت پر کرنے میں ذرا بھی تاخیر کو برداشت نہیں کرتا، اس لیے ہر وہ شخص جو کسی کام پر مامور ہوتا ہے، کوشش کرتا ہے کہ اسے وقت پر مکمل کردے۔

جب تیمور بیگ شہر کیش کی تعمیر کروا رہا تھا، اس نے دو معماروں کو قتل کرا دیا کیونکہ شہر کے ان حصوں میں جو ان کی نگرانی میں تعمیر ہو رہے تھے، وہ مقررہ وقت پر عمارات کی تعمیر مکمل کرنے میں ناکام رہے تھے۔ جب تیمور بیگ جنگ سے لوٹ کر شہر کیش میں تعمیراتی کاموں کا جائزہ لینے گیا تو اس نے دیکھا کہ مذکورہ عمارات کی تعمیر مکمل نہیں ہوئی۔ یہ معمار کہنے لگے کہ اگر امیر تیمور انہیں محض دو ماہ کی مزید مہلت عطا کر دے تو وہ یہ عمارات مکمل کرا دیں گے لیکن تیمور بیگ نے ان کی درخواست منظور نہ کی اور ان کی گردنیں اُڑا دینے کے احکامات جاری کر کے ان کی جگہ دو نئے معماروں کو کام مکمل کرنے کی ذمہ داری سونپ دی۔

سفر اور جنگوں کے دوران تیمور بیگ اپنے تمام سرداروں اور سپاہیوں کی تمام تر تھکاوٹوں اور محرومیوں میں برابر کا شریک ہوتا ہے اور اس کے سردار اور سپاہی اس بات سے اچھی طرح واقف بھی ہیں۔ تیمور کی فوج میں شامل ہر سردار اور سپاہی یہ جانتا ہے کہ اگر وہ دلیری کا مظاہرہ کرے گا تو اسے انعام واکرام سے نوازا جائے گا اور اگر سستی دکھائے گا تو سزا کا حق دار ٹھہرے گا۔ سستی اور بزدلی تیمور بیگ کی فوج میں اس قدر ناپسندیدہ سمجھے جاتے ہیں کہ اس کا کوئی سردار یا سپاہی جنگوں کے دوران ان صفات کا مظاہرہ نہیں کرتا، نہ صرف تیمور بیگ کے خوف سے بلکہ اپنے ہم پیشہ ساتھیوں کے طعنوں کے ڈر سے بھی!

عظیم اور خطرناک جنگوں میں تیمور بیگ صف اول میں شامل ہو کر حصہ لیتا ہے اور اپنا جانشین مقرر کر کے اسے فوج کا انتظام سپرد کر دیتا ہے۔ بہت بار ایسا ہوا کہ اس نے جان لیوا زخم کھائے اور اس کے آس پاس موجود سپاہی اسے اُٹھا کر میدان جنگ سے باہر لائے تاکہ وہ سپاہیوں اور گھوڑوں کے قدموں تلے آ کر نہ مارا جائے لیکن وہ اب بھی جنگوں میں شریک رہتا ہے اور اس قدر ہمت دکھاتا ہے کہ اس سے اس کے سرداروں اور سپاہیوں کی رگوں میں خون جوش سے اُبلنے لگتا ہے اور وہ ہر طرح کی قربانی کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ اسی دلیری اور ہمت کے سبب تیمور بیگ صرف پانچ سو جانبازوں کے ساتھ ہندوستان کے دارالحکومت دہلی جیسے شہر پر قبضہ کرنے میں کامیاب رہا۔

ایک بار ایسے ہی کسی موقع پر میں نے تیمور بیگ کی جنگ میں شرکت اور اس کی واپسی کا منظر دیکھا۔ مجھے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ شخص اپنے

وقت کا بہادر ترین آدمی ہے۔ اس روز جب وہ میدان جنگ سے لوٹ کر آیا تو میں نے دیکھا کہ وہ سر سے پاؤں تک سُرخ رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ اس کی تلوار اس پر جمے گاڑھے خون کے سبب میان میں نہ ڈالی جا سکتی تھی۔ جب اس نے اپنا جنگی لباس اُتارا تو اس کے بدن پر لگے بے شمار زخم نمایاں ہو گئے۔ اس کے زخموں پر مرہم پٹی کی گئی اور اس کے جنگی لباس کو ندی پر لے جا کر اس پر سے خون دھویا گیا۔

جب تیمور بیگ نے مجھے بطور سفیر فرانس روانہ کیا تو وہ داڑھی مونڈھا کرتا تھا مگر جب میں واپس لوٹ کر آیا تو میں نے دیکھا کہ اس نے داڑھی بڑھالی ہے اور اس کی داڑھی میں کچھ سفید بال بھی نظر آ رہے تھے۔ جب تیمور بیگ اپنا آہنی خود اور جنگی لباس نہ پہنے ہوتا تو سر پر سفید ٹوپی جمائے رکھتا۔ سردیوں کے موسم میں اس کی سفید ٹوپی نمدے سے تیار کی جاتی اور گرمیوں میں یہی سفید ٹوپی ریشمی کپڑے کی بنی ہوتی۔ اس ٹوپی کو سر پر ٹھیک سے جمائے رکھنے کے لیے اس میں استر رکھا جاتا۔ اس کی ٹوپی پر ہمیشہ الماس اور یاقوت چمکتے نظر آتے۔ لباس کے معاملے میں تیمور بیگ سفید، زرد اور سرخ رنگ پسند کرتا ہے اور بہت کم ہی لکیر دار کپڑا پہنتا ہے۔ موسم گرما میں اس کا لباس سفید یا زرد ریشم کا بنا ہوتا ہے اور موسم بہار و خزاں میں وہ موٹے کپڑے کا بنا ہوا سُرخ لباس پہنتا ہے۔ موسم سرما میں وہ لباس کے اوپر سنجاب کی کھال کی فتوحی پہنتا ہے۔ موسم سرما میں بھی وہ موسم گرما کی مانند صحرا ہی میں بسیرا کرتا ہے۔

تیمور بیگ کو خوشبوئیات بے حد پسند ہیں اور اس کے لیے دنیا بھر سے قیمتی ترین خوشبوئیات لائی جاتی ہیں۔ جو کوئی بھی تیمور بیگ کے خیمے کے پاس پہنچتا ہے اسے دُور سے ہی انتہائی دل موہ لینے والی خوشبوئیں گھیر لیتی ہیں۔

کچھ باہر سے آنے والے سلطان یا سفیر وغیرہ جو تیمور بیگ کے سامنے حاضر ہوتے ہیں، اپنا سر خاک پر رکھ دیتے ہیں تاہم تیمور بیگ ان کے اس فعل کو پسند نہیں کرتا کیونکہ اس کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان کو اپنا سر صرف خدا کے آگے جھکانا چاہیے اور خدا کے سوا کوئی اس تعظیم کا حق دار نہیں۔ چنانچہ جو کوئی تیمور بیگ کے پاس حاضر ہوتا ہے اسے یہ تنبیہ کی جاتی ہے کہ وہ اس کے سامنے اپنا سر نہ جھکائے۔ اس کے بجائے اسے ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ اپنا ایک زانو زمین پر رکھ کر آداب بجا لاتا اس کے پاس پہنچے۔ چنانچہ اب دوسرے ممالک کے جو سفیر اور امراء وغیرہ تیمور بیگ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو اس کے سامنے اسی طریقے سے آداب بجا لاتے ہیں اور پھر تیمور بیگ انہیں بیٹھنے کی اجازت دیتا ہے۔

جنگوں کے دوران تیمور بیگ کا خیمہ اس کے سرداروں اور دیگر سپاہیوں کے خیموں جیسا ہی ہوتا ہے تاہم جب وہ کسی جگہ قیام کرتے ہیں تو اس کے لیے بیش قیمت خیمہ نصب کر دیا جاتا ہے۔ تیمور بیگ کے ایسے ہر خیمے کی قیمت کسی شہر کی قیمت کے برابر ہے کیونکہ اس کے خیموں کے اوپر دیگر قیمتی اشیاء کے علاوہ پرچم کی صورت میں زربفت کے اور سرخ پارچہ جات لگائے جاتے ہیں اور جب یہ پرچم ہوا سے لہراتے اور ادھر اُدھر ہلتے ہیں تو دیکھنے میں بے حد خوبصورت لگتے ہیں۔ موسم کے لحاظ سے تیمور بیگ کے خیمے کے اندر کا کپڑا اور سجاوٹی اشیاء بھی تبدیل ہوتی رہتی ہیں یعنی کبھی سنہری اور ارغوانی پارچہ جات سے اسے سجایا جاتا ہے اور کبھی ریشمی شالوں اور انتہائی نفیس قالینوں سے آراستہ کیا جاتا ہے۔

جب ہسپانیہ میں واقع ملک کاسٹیل کے بادشاہ ہنری سوم کا سفیر تیمور بیگ کے پاس آیا تو میں اس روز وہیں تھا۔ اس سفیر کا نام گونزالیز کلاویجو تھا۔ یہ ہنری سوم کی طرف سے تیمور بیگ کی طرف بھیجا جانے والا دوسرا سفیر تھا۔

پہلا سفیر اس وقت بھیجا گیا تھا جب تیمور بیگ روم میں ایلدرم بایزید کے خلاف برسرِ پیکار تھا۔ یہ سفیر انگوریہ (موجودہ انقرہ) کی جنگ میں موجود تھا اور اس نے وہاں تیمور بیگ اور اس کے سپاہیوں کی طاقت کا مظاہرہ اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ جب یہ سفیر واپس کاستیل گیا تو تیمور بیگ نے اس کے ساتھ بادشاہ ہنری کے لیے اس قدر قیمتی اشیاء روانہ کیں کہ انہیں لے جانے کے لیے بیس سے زیادہ اونٹوں کی ضرورت پڑی۔ اس کے علاوہ تیمور بیگ نے اس سفیر کے ساتھ کاستیل کے بادشاہ کے لیے اپنی دو عیسائی خادمائیں بھی روانہ کر دیں جو بے حد خوبصورت تھیں۔

ہنری سوم تیمور بیگ کی عظمت اور فراخ دلی سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے گونزالیز کلاویجو نامی اس دوسرے سفیر کو بھی اس کی خدمت میں بھیج دیا۔ میں نے اس سفیر کو سن 1403ء میں یعنی تیمور بیگ کے چین کی طرف سفر کے دوران سکتہ طاری ہونے اور انتقال کر جانے سے دو سال قبل خود دیکھا تھا۔ یہ طے پایا تھا کہ کاستیل کے بادشاہ کا سفیر سوموار 8 ستمبر 1403ء کو سمرقند میں تیمور بیگ کے حضور پیش ہو۔

اس روز گونزالیز کلاویجو نے اپنا بہترین لباس زیب تن کیا۔ اس کے ساتھی وہ تمام تحائف اٹھائے ہوئے تھے جو کاستیل کے بادشاہ نے بھیجے تھے اور وہ سفیر کے آگے آگے چل رہے تھے حتیٰ کہ یہ لوگ تیمور بیگ کے محل کے پاس پہنچ گئے۔ یہاں تیمور بیگ کے سپاہیوں نے سفیر کا استقبال کیا اور سفیر اور اس کے ساتھیوں کو گھوڑوں سے اُترنے میں مدد دی۔ انہوں نے وہ تحائف جو سفیر تیمور بیگ کے لیے لایا تھا، وصول کیے اور انہیں اپنی بازوؤں میں اُٹھائے تعظیم سے آگے بڑھے اور تیمور بیگ کے محل کے دوسرے دروازے تک پہنچ گئے۔ یہاں چھ عظیم الشان ہاتھی ان کے منتظر تھے جو سنہری اور سرخ زینوں سے آراستہ تھے اور ہر ہاتھی پر ہندوستان کے درخت نوفل (اس درخت کو پوپل بھی کہتے ہیں) کی لکڑی سے بنا ہوا ایک کجاوہ تھا۔ سفیر کے لائے ہوئے تحائف کو کجاوؤں میں رکھ دیا گیا اور ہاتھی چل پڑے اور یوں وہ سب محل کے تیسرے دروازے کے سامنے جا پہنچے۔ یہاں پہنچ کر تحائف کو کجاوؤں سے اُتارا گیا اور تیمور بیگ کے تین پوتوں نے سفیر کا استقبال کیا۔ تیمور بیگ کے دربار کے ایک امیر نے کاستیل کے سفیر کا بازو تھاما اور اسی حالت میں وہ لوگ اس بڑے کمرے کی طرف چل پڑے جہاں تیمور بیگ بیٹھا ہوا تھا۔

تیمور بیگ کے خادم کاستیل کے بادشاہ کے تحائف اپنی بازوؤں پر اُٹھائے دوسروں سے آگے آگے چل رہے تھے۔ ان تحائف کے پیچھے تیمور بیگ کے تینوں پوتے قدم بڑھا رہے تھے اور ان کے پیچھے گونزالیز کلاویجو تیمور بیگ کے امیر کی بازو میں بازو ڈالے قدم اُٹھا رہا تھا۔ ان سب کے پیچھے سفیر کے خادم چل رہے تھے۔ پھر یہ سب لوگ اس مقام پر پہنچ گئے جہاں انہیں تیمور بیگ دکھائی دے رہا تھا۔

یہاں پہنچ کر کاستیل کے سفیر نے اپنا ایک زانو زمین پر رکھ دیا اور اپنے بازو سینے پر رکھ کر تعظیم پیش کی۔ وہ کچھ دیر اسی حالت میں رہا اور پھر اُٹھ کھڑا ہوا۔ چند قدم چلنے کے بعد اس نے دوبارہ گھٹنے کو زمین پر رکھ کر تعظیم پیش کی۔ یوں جب تک سفیر تیمور بیگ کے سامنے پہنچا اس نے سات بار جھک کر اپنا زانو زمین پر رکھتے ہوئے تعظیم پیش کی۔ جب کاستیل کا سفیر تیمور بیگ کے سامنے پہنچا تو اس کے لائے ہوئے تحائف تیمور بیگ کے سامنے زمین پر رکھے تھے۔

تیمور بیگ نے عربی میں جو گونزالیز کلاویجو بخوبی سمجھتا تھا اور تیمور اس بات سے آگاہ تھا، پوچھا: ''ہمارے فرزند عزیز بادشاہ کاستیل کا کیا حال ہے جو یورپ کا عظیم ترین بادشاہ ہے؟'' کلاویجو بولا، ''اس کا حال بہت اچھا ہے اور وہ امیر محترم کے لیے بہترین صحت اور طویل زندگی کی خواہشات رکھتا ہے۔'' اس کے بعد سفیر نے اپنے بادشاہ کا خط تیمور بیگ کے حوالے کر دیا۔ تیمور بیگ نے وہ خط لیا اور سفیر سے پوچھا کہ یہ کس زبان میں لکھا ہوا ہے۔

کاستیل کے سفیر نے جواب دیا: ''ہسپانوی زبان میں۔''

اس موقع پر تیمور بیگ کے ملازموں نے بادشاہ کاستیل کے بھیجے ہوئے تحائف جو اس وقت تیمور کے سامنے پڑے ہوئے تھے، وہاں سے لے کر جانے کے لیے اُٹھا لیے۔ تیمور بیگ نے سفیر سے کہا: ''اگر تُو ان تحفوں کے بغیر بھی میرے پاس آتا اور مجھے بادشاہ کاستیل کی صحت و سلامتی کی خوشخبری سُناتا تو بھی میں خوش ہوتا۔''

اس وقت تک سفیر اور اس کے ساتھی کھڑے تھے، جب تحائف لے جائے جا چکے تو تیمور بیگ نے انہیں اجازت دے دی کہ کاستیل کا سفیر اور اس کے ساتھ آئے ہوئے لوگوں میں سے ایک جو سفیر کے بعد سب سے ممتاز عہدہ رکھتا ہو اس کے دائیں جانب بیٹھ جائیں اور دیگر تمام سفارتی ارکان کو تیمور بیگ کے بائیں جانب سات گز کے فاصلے پر بیٹھ جانے کی ہدایت کی گئی۔

خود تیمور بیگ ایک گدے پر آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا۔ اس نے سر پر سفید نمدے کی بنی ٹوپی پہن رکھی تھی جو حسب معمول رنگا رنگ جواہر سے مرصع تھی۔ البتہ اس ٹوپی میں سفید رنگ کے ساتھ کچھ جگہ سیاہ رنگ بھی نمایاں تھا۔

اس کے بعد کھانا لایا گیا۔ اگر یہاں میں یہ تفصیلات بیان کروں کہ کس قدر کھانا لایا گیا اور کاستیل کے سفیر کی دعوت کے لیے کتنی اقسام کے کھانے تیار کیے گئے تو اس کے لیے مجھے بے شمار صفحات سیاہ کرنے پڑیں گے۔ بہر حال ایک خاص کھانے کی تفصیل یہ تھی: ''کھال میں بنی ہوئی بکریاں اور گھوڑوں کے بچھڑے جنہیں خشک صحرائی پودوں کی آگ پر بھونا گیا تھا۔ گھوڑے کے بچھڑے کے کباب ماوراء النہر کے صحرانشینوں کی پسندیدہ غذا ہے۔ ان کی تیاری کے لیے پہلے گھوڑے کے بچھڑے کو ذبح کر کے اس کی کھال اُتاری جاتی ہے۔ پھر اس کے پیٹ کو چاک کر کے آنتیں وغیرہ نکال دی جاتی ہیں اور اسے دھو کر صاف کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد کسی قدر گھی اور خوشبودار اشیاء ڈال کر پیٹ کو سی دیا جاتا ہے۔ اس بچھڑے کو اسی کی کھال میں ڈال کر دوبارہ سی دیا جاتا ہے۔ آخر میں اسے صحرا کے خشک پودوں کی آگ پر رکھ کر بھونا جاتا ہے۔ میں نے خود یہ کھانا کھایا ہے اور اسے بے حد لذیز پایا۔

گھوڑے کے بھنے ہوئے بچھڑوں کو بڑی بڑی سینیوں میں تیمور بیگ کے آدمی اُٹھائے ہوئے لائے، پھر انہیں زمین پر رکھ کر گوشت کے ٹکڑے کر دیئے گئے۔ ران کا گوشت تیمور بیگ، کاستیل کے سفیر اور اس کے ساتھیوں کے سامنے رکھا گیا۔ اس روز دو سو سے زیادہ بھیڑیں اور گھوڑے بھونے گئے جو شاید ہسپانیہ کے سفیر اور اس کے ساتھ آئے لوگوں کی ایک سال بلکہ اس سے زیادہ عرصہ کی خوراک کے لیے بھی کافی تھے۔''

کھانا کھانے کے دوران مہمانوں کو مشروبات وغیرہ سونے کے برتنوں میں دیئے گئے۔ تیمور بیگ اور اس کے دربار کے امراء صرف گھوڑی کے دودھ کی لسی پیتے رہے۔

کھانے کے بعد سفیر نے اپنے ملک کے بادشاہ کا خط پڑھ کر تیمور بیگ کو سنایا۔ تیمور بیگ نے خط کا متن سُن کر خوشی کا اظہار کیا اور کہنے لگا کہ وہ سفیر کے ہاتھ کاستیل کے بادشاہ کے لیے مزید تحائف اور اس کے خط کا جواب ارسال کرے گا۔

اس کے بعد سات دن تک یعنی 15 ستمبر 1403ء تک تیمور بیگ ہر روز اپنے کسی ایک محل میں اس سفیر کے اعزاز میں دعوت کا اہتمام کرتا رہا۔ ہر مرتبہ دعوت کے تکلفات کی شان و شوکت گزشتہ روز کی نسبت زیادہ ہوتی۔ پہلے روز مرصع ہاتھیوں کے ساتھ سفیر کا استقبال کیا گیا، دوسرے روز ایسے ہی سجے سجائے گھوڑوں کے ساتھ، تیسرے روز خوبصورت خچروں کے ساتھ اور چوتھے روز ایسے اونٹوں کے ساتھ جن کا سارا ساز و سامان سونے

اور جواہرات سے سجا تھا۔ گویا ہر روز گونزالیز کلاویجو کے استقبال کا انداز مختلف ہوتا تھا۔ درباری دعوتوں کے بعد بھی کلاویجو نے موسم سرما ماوراء النہر میں ہی گزارا اور موسم بہار میں واپس اپنے وطن لوٹ گیا۔

میں نہیں سمجھتا کہ دنیا میں کوئی ایسا بادشاہ آئے گا جو طاقت، دولت اور سخاوت میں تیمور بیگ کے مرتبے کے برابر پہنچ سکے۔"

ختم شد